قرۃ عیون الابرار

ترجمہ و تشریح

دُرِّ مختار

مترجم و شارح

مفتی غلام رسول منظور القاسمی بھراوی

جلد دوم

کتاب الصلوٰۃ - کتاب الزکوٰۃ

MAKTABA-E-REHMANIA

مکتبۂ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

اقرا سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون:042-37224228-37355743

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

نام کتاب

قرۃ عیون الابرار

جلد دوم

مترجم

مفتی غلام رسول منظور القاسمی بھراوی

ناشر

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

مطبع

خضر جاوید پرنٹرز لاہور

اقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور
فون: 042-37224228-37355743

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

تنبیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرس

باب سجود التلاوۃ

باب صلاة المسافر

باب الجمعة

باب العیدین

باب الکسوف

باب الاستسقاء

باب صلوٰۃ الخوف

باب صلوٰۃ الجنازۃ

باب صدقۃ الفطر

● ● ●

اظہارِ خیال

آج بروز شنبہ بتاریخ ۲۱/ جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ۔ مطابق: ۱۰/ جولائی ۲۰۰۴ء کو بعد نماز مغرب جامعہ حسینیہ دارالعلوم چلہ امروہہ میں اللہ قادر مطلق کا نام لے کر اسی ذاتِ واحد پر اعتماد و توکل کرتے ہوئے علامہ علاء الدین حصکفی (المتوفی:) کی شہرۂ آفاق تصنیف اور فن فتاویٰ کی مشہور و معروف کتاب ''الدر المختار علی تنویر الابصار'' کا ترجمہ و مختصر تشریح کا کام شروع کیا ہوں۔ دعا ہے کہ خدائے لم یزل ولا یزال محض اپنے فضل و کرم اور بے پایاں انعام و احسان سے اس کارِ عظیم کو بحسن و خوبی اختتام پذیر فرمائے اور اس کو شرفِ قبولیت سے نواز کر اپنی رضاء کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

وما توفیقی إلاّ باللّٰہ العلی العظیم.

صاحب تنویرالابصار

نام ونسب اور تحقیق نسب

شیخ اسلام محمد بن عبداللہ بن احمد خطیب بن تمرتاش، بضم التاء و میم ساکن راء، خوارزم کا ایک گاؤں ہے (کذافی الطحطاوی)۔ غزی ملک شام میں ایک شہر ہے جس کو غزہ ہاشم کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ غزی فلسطین میں ایک شہر ہے جہاں امام شافعی پیدا ہوئے تھے اور وہیں ہاشم بن مناف نے وفات پائی۔

تحصیل علوم

آپ نے پہلے اپنے شہر غزی کے علماءِ کبار سے علوم کی تحصیل کی، پھر قاہرہ جا کر شیخ زین بن نجیم مصری صاحب بحرالرائق اور امین الدین بن العال وغیرہ سے استفادہ کیا اور اپنے زمانہ کے محدث کبیر وفقیہ بے نظیر بنے۔ شیخ عبدالنبی الخلیلی اور شیخ صالح محشی اشباہ ونظائر وغیرہ علماء نامدار نے آپ سے علم حاصل کیا۔

تصانیف

آپ کی تصانیف میں سے ''تنویرالابصار'' فقہ میں نہایت مشہور متن ہے، جس میں آپ نے غایت درجہ تحقیق وتدقیق کی داد دی ہے اور خود اس کی شرح بھی لکھی ہے جس کا نام ''منح الغفار'' ہے۔ جس پر شیخ الاسلام خیرالدین رملی نے حواشی لکھے ہیں۔ دوسری محققانہ تصانیف یہ ہیں: تحفۃ الاقران، فقہ میں منظومہ ہے۔ حاشیۃ الدرر والغرر۔ شرح کنز۔ شرح زادالفقیر۔ شرح وقایہ۔ فتاویٰ دو جلدوں میں۔ شرح منار، اصولِ فقہ میں۔ شرح منظور ابن وہبان۔ معین المفتی علی جواب المستفتی۔ رسالہ کراہت فاتحہ خلف الامام۔ رسالہ عصمت الانبیاء۔ رسالہ عشرہ مبشرہ وغیرہ۔

وفات

آپ نے ۱۰۰۶ھ میں غزہ ہاشم میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

(از: حدائق حنفیہ ومقدمہ غایۃ الاوطار۔۱۲)

صاحب درمختار

شیخ محمد بن علی بن محمد بن علی بن عبدالرحمٰن بن محمد بن جمال الدین بن حسن بن زین العابدین حصکفی، مولود ۱۰۲۵ھ۔
آپ قلعہ حصن کیفاء جو دیار بکر میں دریائے دجلہ کے کنارے پر جزیرۂ ابن عمر اور میافارقین کے درمیان واقع ہے، وہاں کے باشندے تھے اس لئے حصکفی کہلاتے ہیں۔

آپ اپنے دور کے مشہور محدث وفقیہ، جامع معقول ومنقول، بلند پایہ ادیب، بڑے فصیح وبلیغ تھے اور تقریر وتحریر ہر دو میں ملکہ رکھتے تھے۔ نحو وصرف اور فقہ وغیرہ میں بے نظیر اور احادیث مرویات کے بڑے حافظ تھے۔ آپ کے فضل وکمال کی شہادت آپ کے مشائخ اور ہم عصروں نے بھی دی ہے۔ خصوصیت سے آپ کے شیخ خیر الدین رملی نے آپ کے کمال درایت وروایت کی بڑی تعریف کی ہے۔ آپ نے بہت سی عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں سے فقہ کی کتاب "تنویر الابصار" مؤلفہ شمس الدین محمد بن عبداللہ الغزی کی شرح "الدر المختار" بہت مشہور ہے۔ اور مدارسِ عربیہ میں فتویٰ نویسی سیکھنے والوں کو پڑھائی جاتی ہے۔ راقم الحروف نے اس کا بارہا مطالعہ کیا ہے۔ تعالیق الانوار، از عبدالمولی بن عبداللہ دمیاطی، حاشیہ درمختار، از: سید احمد طحطاوی، ردالمحتار، از: علامہ شامی اس کے مشہور حواشی ہیں۔ دیگر تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۲) شرح ملتقی الابحر، فقہ میں ہے اور بہت عمدہ کتاب ہے۔ راقم الحروف نے اس کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔
(۳) "شرح منار، اصول فقہ میں۔ (۴) شرح قطر، علم نحو میں۔ (۵) مختصر فتاویٰ صوفیہ۔ (۶) حواشیہ تفسیر بیضاوی۔
(۷) حاشیہ دُرر۔ (۸) تعلیقات بخاری، تیس اجزاء ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے فتاویٰ ابن نجیم مصری کو مرتب کیا ہے۔
آپ نے ۶۳/ سال کی عمر پا کر ۱۰/ شوال ۱۰۸۸ھ میں وفات پائی اور باب صغیر کے مقبرہ میں دفن کئے گئے۔

بَابُ الإمَامَــةِ

امامت سے متعلق ضروری احکام ومسائل

هِيَ صُغرىٰ وكُبرىٰ. فَالكُبرىٰ إستِحقاقُ تَصرُّفٍ عام علَى الأنَامِ، وتحقِيقُهُ فِي عِلمِ الكَلامِ، ونصبــه أهمّ الواجِبَاتِ فَلِذَا قدّمُوهُ علىٰ دَفنِ صاحِبِ المُعجَزاتِ، ويُشترطُ كونُهُ مُسلمًا، حُرًا، ذَكَرًا، عاقِلاً، بالِغًا، قادِرًا، قُرشِيًا، لاَ هَاشِمِيًّا، عَلوِيًا مَعصُومًا، ويكرَهُ تَقلِيدُ الفَاسِقِ، ويَعزِلُ بــه إلاَّ لِفتنَةٍ ويجِبُ أن يدعى لهُ بالصّلاحِ، وتَصحُّ سلطَنَةُ مُتغَلِّب لِلضَّرُورةِ، وكَذَا صَبِي ويَنبَغِي أن يفوّض اُمُورُ التَقلِيدِ علىٰ والٍ تابعٍ لهُ، والسُّلطان فِي الرّسمِ هُو الوَلدُ، وفِي الحقِيقَةِ هُو الوَالِي لِعدمِ صِحّةِ إذنِهِ بِقَضاءٍ وجُمعةٍ كمَا فِي الأشبَاهِ عنِ البزّازِيّةِ، وفِيهَا لَو بلغَ السُّلطَانُ أو الوَالِي يحتَاجُ إلىٰ تقلِيدٍ جدِيدٍ. والصُّغرىٰ رَبطُ صلاةِ المُؤتمّ بالإمامِ بِشُروطٍ عشرَةٍ، نِيةُ المُؤتمّ الإقتدَاءَ، وإتّحادُ مكانِهِما وصلاتِهِما، وصِحّةُ صلاةِ إمامِه، وعدمُ مُحاذاةِ إمرأةٍ، وعدمُ تقدُّمِهِ عليهِ بعقبه، وعِلمُه بإنتِقالاتِهِ وبحالِهِ مِن إقامَةٍ وسفرٍ، ومُشاركته فِي الأركَانِ، وكَونُه مِثلَهُ أو دُونَــهُ فِيهِما، وفِي الشّرائطِ كمَــا بسطَ فِي البحرِ، قِيلَ وثُبوتُها بـ "اِركَعُوا مَعَ الرّاكِعِينَ. ومِن حُكمِها نِظامُ الألفة وتعلّم الجَاهلِ مِن العالِمِ هل هى أفضل من الأذانِ عِندنا خلافًا للشافعي، قالهُ العَينى، وقولُ عُمر: لولا الخِلافةُ لأذنت، أى مع الإمامَةِ، إذِ الجَمعُ افضَلُ، وقَالَ بعضُهُمْ: اخاف إن تركتُ الفاتِحةَ أن يُعاتِبنِى الشّافِعِى، أو قَرأتُها يُعاتِبنِى ابوحنِيفةَ فَاختَرتُ الإمامة. والجَماعةُ سنّةٌ مُؤكّدةٌ للرّجالِ. قالَ الزّاهِدي: أرادُوا بالتّاكِيدِ الوُجوبَ، إلاّ فِي جُمعــةٍ وعِيدٍ، فشرطٌ. وفِي التّراوِيحِ سُنّةُ كِفايةٍ، وفِي وِترِ رمضَانَ مُستحَبّةٌ على قولٍ. وفِي وِترِ غيــرِهِ وتطوّعٍ علىٰ سبيلِ التّداعِى مَكرُوهةٌ، وسنُحَقِّقُه، ويكرهُ تكرارُ الجَماعَةِ بأذانٍ وإقامةٍ فِي مسجدِ محلّةٍ لاَ فِي مسجدِ طرِيقٍ أو مسجدٍ لاَ إمامَ لهُ ولاَ مُؤذّنٌ.

وأقلُّها إثنانِ واحد مع الإمامِ ولَومُميّزا أو ملكًا أو جنيًا في مسجدٍ أو غيره، وتصحُّ إمامةُ الجنّي، اشباه، وقِيل واجبَةٌ وعليهِ العامةُ اي عامةُ مَشائِخِنا، وبهٖ جزمَ فِي التّحفةِ وغيرِها. قالَ فِي البحرِ: وهُو الرّاجِحُ عِندَ أهلِ المَذهَبِ.

امامت کی قسمیں

ترجمہ وتشریح اب یہاں سے حضرت مصنفؒ مسائل امامت کو بیان فرمارہے ہیں۔ منصب امامت چونکہ ایک اہم منصب ہے اس کی ذمہ داری بھی بہت اونچی ہے، اس لئے حضرت مصنفؒ نے مسائل امامت کو بیان کرنے کے واسطے مستقل باب باندھا ہے، تاکہ اس کی اہمیت لوگوں کے ذہن ودماغ میں نقش کالحجر ہوجائے۔

چنانچہ حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امامت کی دوقسمیں ہیں: (۱) ایک امامتِ صغریٰ۔ (۲) دوسری امامتِ کبریٰ۔ امامت کبریٰ تو یہ ہے کہ مخلوق پر عام تصرف کا استحقاق حاصل ہو۔ امامتِ کبریٰ سے متعلق تفصیلی کلام، علم کلام میں مذکور ہے اور امامتِ کبریٰ کا قائم کرنا مسلمانوں کے واسطے اہم واجبات میں سے ہے، جس پر بہت سی واجبات کا انحصار ہے، یعنی امامتِ کبریٰ پر بہت سی واجبات کا وجود موقوف ہے (اسی وجہ سے علماءِ کلام نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے واسطے ایک امیر اور امام کا ہونا ضروری ہے، جو احکام اسلامی ان پر نافذ کرے اور شرعی حدود وقصاص قائم کرے، دنیا میں امن وسلامتی قائم رکھے، منکرات وبدعات کا قلع قمع کرے، دشمنوں کو اسلامی سرحدوں میں داخل ہونے سے روکے اور کفار سے مقابلہ کے واسطے لشکر اسلامی فراہم کرے، اور لشکروں کے واسطے جنگی سامان اور آلاتِ حرب مہیا کرے، مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کرے، فقراء ومساکین کی دیکھ ریکھ کرے، چوری، ڈکیتی اور راہ زنی کو بند کرے اور ان جرائم میں شریک لوگوں کو عبرت ناک سزا دے اور جن بچوں کا کوئی والی نہیں ہے ان کی شادی کرادے، جمعہ اور عیدین کو قائم کرے، ان سب کے علاوہ دیگر اُمور مزید ہیں جن کو امام اور امیر کے علاوہ کوئی دوسرا شخص انجام نہیں دے سکتا ہے۔ (شامی/۲/۲۸۰)

امیر المومنین کی اہمیت

امام وامیر کا انتخاب اس درجہ اہم اور ضروری ہے کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے صاحب معجزات یعنی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی تجہیز وتکفین سے پہلے اپنے امیر المومنین اور خلیفہ کا انتخاب کیا۔ (علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پیر کے روز ہوئی، لیکن تدفین کا عمل سہ شنبہ یا چہار شنبہ کی رات میں آیا۔

اور یہ سنت تاہنوز باقی ہے کہ کسی خلیفۃ المسلمین کی وفات کے بعد جب تک اس کی جگہ دوسرے خلیفہ کا انتخاب عمل میں نہ آجائے اس خلیفہ کو دفن نہ کیا جائے۔ (شامی/۲/۲۸۰)

خلیفۃ المسلمین کے لئے شرائط

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ خلیفۃ المسلمین ایسا شخص بن سکتا ہے جس میں آٹھ شرطیں بیک وقت موجود ہوں:

۱- خلیفۃ المسلمین کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو۔
۲- خلیفۃ المسلمین مرد ہو، عورتوں کے لئے خلیفہ بننا جائز نہیں ہے۔
۳- خلیفہ آزاد ہو، غلام شخص خلیفہ نہیں ہوسکتا ہے۔
۴- عاقل ہو، لہٰذا مجنون و پاگل شخص خلیفہ نہیں بن سکتا ہے۔
۵- بالغ ہو، لہٰذا بچہ جو نابالغ ہے وہ خلیفہ نہیں ہوسکتا ہے اس لئے کہ نابالغ ناقص العقل ہوتا ہے اور خلیفہ کے لئے کامل العقل ہونا ضروری ہے، اس لئے بالغ ہونا ضروری ہے۔
۶- خلیفہ صاحب قدرت و طاقت ہو، لوگوں میں اس کا رعب و دبدبہ ہو۔
۷- خلیفۃ المسلمین کے لئے قریشی ہونا بھی شرط ہے۔
۸- بعض حضرات نے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ خلیفۃ المسلمین عالم دین ہو۔

امام بننے کے لئے ہاشمی ہونا، علوی ہونا، اور معصوم ہونا شرط نہیں ہے؛ بلکہ غیر ہاشمی، غیر علوی بھی خلیفہ بن سکتا ہے۔

شیعوں کا قول

خلیفہ کے لئے ہاشمی ہونا، علوی ہونا اور معصوم ہونا شیعوں کے نزدیک ہے، شیعوں نے یہ قید لگائی ہے کہ خلیفہ کیلئے ہاشمی ہونا ضروری ہے؛ تاکہ غیر ہاشمی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلافت کے مستحق قرار نہ پائیں اور شیعوں نے یہ بھی کہا ہے کہ خلافت کے لئے علوی ہونا شرط ہے، یعنی حضرت علی بن ابی طالبؓ کی اولاد سے ہونا ضروری ہے اور شیعوں کا اس سے مقصد عباسیوں کی خلافت کو باطل قرار دینا ہے۔ شیعوں میں سے اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ کے نزدیک امام کے لئے معصوم ہونا بھی ضروری ہے، یہ عقیدہ بھی اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے خلاف ہے، اس لئے کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک انبیاء کے علاوہ کوئی دوسرا معصوم نہیں ہے۔ (شامی/۲/۲۸۲)

فاسق کو خلیفہ مقرر کرنا

صاحب درمختار علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ فاسق شخص کو خلیفہ بنانا مکروہ ہے اور فسق و فجور کی وجہ سے امام و خلیفہ مستحق عزل قرار پاتا ہے۔ یعنی فسق کی وجہ سے خلیفہ کو اس کے منصب جلیل سے ہٹایا بھی جاسکتا ہے، ہاں اگر اس فاسق و فاجر خلیفہ کے ہٹانے میں فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو اور آپس میں خون خرابہ کا ڈر ہو تو ایسی صورت حال میں فاسق خلیفہ کو اس کے منصب سے نہیں ہٹایا جائے گا؛ بلکہ ایسے فاسق و فاجر خلیفہ کے لئے صلاح اور نیک ہونے کے لئے دعاء کرنا واجب ہے۔

زبردستی خلیفہ بن جانا

خلیفہ بننے کی تین صورتیں ہوتی ہیں: ایک یہ ہے کہ خود خلیفہ وقت اپنی جگہ کسی مستحق خلافت شخص کو نامزد کر جائے، جس طرح کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی ہی میں سیدنا حضرت عمر بن خطابؓ کو خلیفہ نامزد کر کے لوگوں سے منظوری لی ہے۔ دوسرے یہ کہ علماءِ امت اور ذی رائے اشخاص مل کر کسی قابل قدر ہستی کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر کے ان کو اپنا خلیفہ تسلیم کرلیں، جس طرح خود سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضرات صحابہ نے بیعت سے خلیفہ منتخب کیا ہے، اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو تیسری شکل یہ ہے کہ کوئی شخص زبردستی خلیفہ بن جائے تو ضرورت کی وجہ سے اس کی خلافت بھی تسلیم کی جائے گی، تاکہ اہل توحید بغیر خلیفہ کے نہ رہیں اور مسلمان فتنہ و فساد سے محفوظ رہیں۔

نابالغ باشعور لڑکے کی خلافت

اسی طرح نابالغ باشعور سمجھدار لڑکا بھی خلیفہ بن سکتا ہے اور اس کی خلافت بھی درست ہے۔ اور جب منصب خلافت کی باگ کسی نابالغ باشعور لڑکے کے ہاتھ میں چلی جائے تو ایسی صورت میں مناسب یہ ہے کہ امور سلطنت ایک ایسے حاکم اور والی کے سپرد ہوں جو اس کا تابع ہو، بظاہر بادشاہ تو لڑکا ہوگا اور حقیقت میں ناظم الامور حاکم اور والی ہوگا، اس لئے اس نابالغ لڑکے کی اجازت جمعہ اور قضاء کے سلسلے میں درست نہ ہوگی، جیسا کہ الاشباہ نے فتاویٰ بزازیہ سے نقل کیا ہے۔ اور فتاویٰ بزازیہ ہی کے اندر یہ مسئلہ بھی مذکور ہے کہ جب نابالغ لڑکا بالغ ہوا، یا نابالغ والی ہوا تو اب اس کو از سر نو دوبارہ حاکم بنانے کی ضرورت ہوگی۔

حضرت علامہ شامیؒ نے بزازیہ سے یہ مسئلہ نقل کیا ہے کہ بادشاہ وقت کا انتقال ہو جائے اور ساری رعایا مل کر بادشاہ کے نابالغ لڑکے کو اپنا خلیفہ و حاکم منتخب کرلیں تو ایسی صورت میں مناسب یہ ہے کہ امور حکومت کی انجام دہی کے واسطے کسی حاکم

اور والی کو منتخب کرلیں اور یہ والی اپنے آپ کو بادشاہ کے بیٹے کے تابع سمجھے، اس کی شرافت اور عالی مقام ومرتبہ کی وجہ سے، اور بظاہر تو بادشاہ خلیفہ کا لڑکا ہی ہوگا مگر حقیقت کے اعتبار سے بادشاہ حاکم ہوگا، اس لئے کہ لڑکے کو نابالغ ہونے کی وجہ سے خود اپنے نفس پر ولایت حاصل نہیں ہے، لہٰذا اس کی اجازت قضاء اور جمعہ وغیرہ میں غیر معتبر ہوگی۔ اور یہ نابالغ لڑکا بالغ ہونے تک خلیفہ رہے گا، بالغ ہونے کے بعد از سر نو خلیفہ مقرر کیا جائے گا۔ (شامی/۲/۲۸۳)

یہاں امامت کبریٰ اور خلافت کا مسئلہ ضمنی طور پر آگیا ہے ورنہ حقیقت میں یہ اس کا محل نہیں ہے، یہاں امامتِ صغریٰ کی بحث کا محل ہے اور اسی کے مسائل بھی بیان کرنے ہیں، چنانچہ اب شارح علیہ الرحمہ امامت صغریٰ یعنی امامتِ نماز کے احکام ومسائل بیان کرنے جارہے ہیں۔

امامتِ صغریٰ کا بیان

امامتِ صغریٰ یعنی امامتِ نماز درحقیقت مقتدی کی نماز کا امام کی نماز سے دس شرطوں کے ساتھ مربوط ہونے کا نام ہے۔ (شارح علیہ الرحمہ نے جن دس شرطوں کا تذکرہ کیا ہے وہ درحقیقت اقتداء کی شرطیں ہیں اور امامت کے درست ہونے کی شرطیں صاحب نورالایضاح نے الگ سے چھ لکھی ہیں، یعنی تندرست مردوں کے لئے امام کے واسطے چھ شرطیں ہیں جو ذیل میں درج ہیں:

۱- امامت کے لئے مسلمان ہونا، غیر مسلم کی امامت درست نہیں ہے۔
۲- بالغ ہونا بھی امامت کے لئے شرط ہے، لہٰذا نابالغ شخص کی امامت درست نہیں ہے۔
۳- عاقل ہونا، لہٰذا غیر عاقل کی امامت درست نہیں۔
۴- امام کے لئے مرد ہونا شرط ہے، لہٰذا عورتوں کی امامت درست نہیں ہے۔
۵- تمام اعذار سے صحیح سالم ہونا، جیسے نکسیر، لکنت وغیرہ۔
۶- قاری ہونا، یعنی قرآنِ پاک پڑھنے پر قادر ہونا۔
۷- بعض لوگوں نے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ نماز کی شرطوں کا پایا جانا بھی امامت کے لئے شرط ہے۔
۸- بعض نے یہ کہا کہ امام کے لئے ستر کا چھپا ہونا بھی ضروری اور شرط ہے)۔ (شامی/۲/۲۸۴)

اقتداء کی دس شرطیں

حضرت شارح علیہ الرحمہ نے اقتداء کے صحیح ہونے کے لئے دس شرطیں لکھی ہیں، یعنی ان دس شرطوں کے بغیر اقتداء

درست نہیں ہے، دس شرطیں حسب ذیل ہیں:

۱- مقتدی کو اقتداء کی نیت کرنا، یعنی میں اس امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں۔

۲- مقتدی اور امام کی جگہ کا متحد ہونا، چنانچہ اگر کوئی سوار شخص پیدل چلنے والے کی اقتداء کرے گا، یا پیدل چلنے والا سوار شخص کی اقتداء کرے گا تو یہ اقتداء درست نہ ہوگی۔

۳- مقتدی اور امام دونوں کی نماز ایک ہو، یعنی جو نماز امام پڑھ رہا ہو مقتدی بھی وہی فرض نماز ادا کرے۔

۴- مقتدی کے علم و یقین میں امام کی نماز کا صحیح ہونا، چنانچہ اگر امام کے فاسق ہونے کی وجہ سے یا مدت مسح گذر جانے کی وجہ سے یا حدث کے لاحق ہونے کی وجہ سے امام کی نماز فاسد ہونا معلوم ہو جائے تو پھر اقتداء صحیح نہ ہوگی۔

۵- عورت کا برابر میں نہ ہونا۔ اگر کوئی عورت امام کے محاذات میں آجائے تو اقتداء درست نہیں۔

۶- مقتدی کا امام سے بلحاظ ایڑی آگے نہ بڑھنا۔ اگر مقتدی امام سے آگے بڑھ گیا تو اقتداء درست نہ ہوگی۔

۷- امام کے ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف انتقال کا مقتدی کو علم ہونا، خواہ یہ علم دیکھ کر ہو یا امام کی آواز سن کر ہو، یا کسی دوسرے مقتدی کو دیکھ کر امام کے انتقالات کا علم ہو۔

۸- مقتدی اپنے امام کے احوال سے واقف ہو، کہ امام مقیم ہے یا مسافر، خواہ مقتدی کا اس کا علم نماز سے پہلے ہو یا نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہو۔

۹- مقتدی کا اپنے امام کے ساتھ ارکان میں شریک ہونا۔ (یعنی مقتدی کا ہر رکن اپنے امام کے ساتھ ادا کرنا، اگر امام کے ساتھ کسی رکن کو مقتدی چھوڑ دیا اور امام کے ساتھ ادا نہیں کیا تو اس صورت میں اقتداء درست نہ ہوگی اور نماز باطل ہو جائے گی)۔

۱۰- مقتدی کا ارکانِ نماز اور شرائط نماز میں امام کے مانند ہونا یا اس سے کم تر ہونا، یعنی جو لوگ امام کے پیچھے نماز ادا کررہے ہیں وہ امام کے مثل ہوں، جیسے: رکوع وسجدہ کرنے والے کی نماز رکوع وسجدہ کرنے والے کے پیچھے۔ یا امام سے کم تر ہو، جیسے اشارہ سے رکوع وسجدہ ادا کرنے والے کی نماز رکوع وسجدہ کرنے والے کے پیچھے، ان سب کی پوری تفصیل البحر الرائق میں ہے۔

امامت وجماعت کے ثبوت کی دلیل

فرمایا گیا ہے کہ امامت وجماعت کا ثبوت قرآنِ کریم کی اس آیت کریمہ سے ہے: ﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ یعنی

اے مسلمانو! رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو، یعنی جماعت میں شریک ہوکر نماز ادا کرو۔ (یہاں راکعین صیغہ اسم فاعل جمع کے ساتھ آیا ہے، مطلب یہ ہے کہ جہاں چند رکوع کرنے والے جمع ہوں اور رکوع کریں ان کے ساتھ مل کر رکوع کرو اور یہ شکل جماعت میں ہوتی ہے) اس سے معلوم ہوا کہ جماعت واجب ہے اور جماعت اسی وقت ہوگی جب کوئی امام ہو، لہٰذا اس آیت سے امامت کا بھی ثبوت اقتضاء النص کے طور پر ہوگیا۔

جماعت سے نماز پڑھنے کی حکمت

اللہ رب العزت والجلال نے نماز کو جماعت کے ساتھ مشروع فرمایا ہے اور باجماعت نماز کی ادائیگی کو ادائے کامل قرار دیا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔ اور بلا عذر شرعی ترک جماعت پر شدید ترین وعید بیان فرمائی ہے۔ اس کے اندر در حقیقت یہ حکمت ہے کہ مسلمانوں میں نظام اُلفت ومحبت قائم ہوجائے، ایک دوسرے کے احوال سے باخبر رہیں، آپسی رنجش وخلش دور کرکے اتحاد واتفاق پیدا ہوجائے اور اَن پڑھ لوگ اہل علم حضرات سے علم سیکھیں، احکام ومسائل جانیں، اس لئے کہ جب روزانہ دن رات میں پانچ مرتبہ مسجد آئیں گے اور علماء کی مجلسوں میں بیٹھیں گے تو ضرور بالضرور مسائل کا علم ہوگا۔

امامت افضل ہے یا اذان

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امامت افضل ہے یا اذان دینا؟ صاحب تنویر الابصار علامہ تمرتاشی فرماتے ہیں کہ احناف کے نزدیک امامت افضل ہے اذان کے مقابلے میں اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اذان دینا افضل ہے امامت کرنے کے مقابلہ میں، علامہ عینی نے اسی طرح لکھا ہے۔ اور بعض حضرات نے اذان وامامت دونوں کے ثواب کو برابر لکھا ہے جیسا کہ حلبی میں ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد گرامی کہ: لَوْلَا الْخِلَافَةُ لَأَذَّنْتُ. اگر خلافت کا بار اور ذمہ داری میرے اوپر نہ ہوتی تو میں خود اذان دیا کرتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ امامت کے ساتھ ساتھ اذان دینے کی خدمت کو بھی انجام دیتا، اس لئے کہ امامت واذان دونوں کو جمع کرنا افضل ہے۔ موذن کو چونکہ وقت اور جماعت دونوں کا انتظار کرنا پڑتا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلافت کی ذمہ داری اور اُمورِ خلافت کی انجام دہی سے اتنی چھٹی نہیں تھی اس لئے انھوں نے صرف امامت کو اختیار فرمایا۔ (شامی/۲/۲۸۷)

امامت کے افضل ہونے کی وجہ

بعض علماءِ کرام فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں اقتداء کی حالت میں سورۂ فاتحہ بند کردوں اور سورۂ فاتحہ نہ پڑھوں تو مجھے

اندیشہ ہے کہ کہیں حضرت امام شافعیؒ مجھ پر عتاب نہ کرنے لگیں۔ (اس لئے کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک فاتحہ خلف الامام واجب ہے)۔ اور اگر میں اقتداء کی حالت میں سورۂ فاتحہ پڑھوں تو خوف ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ خفا نہ ہو جائیں (اس لئے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فاتحہ خلف الامام جائز نہیں ہے) چنانچہ ان سب سے بچنے کے لئے میں نے امامت کو اختیار کیا ہے (فاتحہ خلف الامام پڑھنے اور نہ پڑھنے کا جھگڑا ہی نہ ہو، اور کوئی امام ناراض نہ ہو، اس لئے کہ امام کے لئے فاتحہ تمام ائمہ کے نزدیک واجب ہے)۔

جماعت مردوں کے لئے سنتِ مؤکدہ ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا مردوں کے لئے سنتِ مؤکدہ ہے اور علامہ زاہدی فرماتے ہیں کہ یہاں سنتِ مؤکدہ سے مراد وجوب ہے، یعنی مردوں کے لئے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے، لہٰذا جو لوگ جماعت کو واجب قرار دیتے ہیں اور جو لوگ سنت مؤکدہ قرار دیتے ہیں ان دونوں قولوں میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ البتہ جمعہ اور عیدین کی نماز کے لئے جماعت سنت مؤکدہ یا واجب نہیں ہے؛ بلکہ جماعت شرط ہے اور جمعہ اور عیدین کی نماز بغیر جماعت کے صحیح نہیں ہوسکتی ہے۔

تراویح اور رمضان کی وتر کی جماعت کا حکم

تراویح کی نماز باجماعت سنت کفایہ ہے، لہٰذا اگر محلہ کے کچھ لوگ جماعت سے تراویح ادا کرلیں تو محلہ کے سارے لوگوں کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی اور محلہ والوں میں سے کسی نے بھی تراویح کے لئے جماعت نہ کی تو محلہ کے سارے لوگ گناہ گار ہوں گے اور اگر کوئی شخص تراویح کی جماعت چھوڑ کر گھر میں تنہا تراویح پڑھے تو وہ فضیلت جماعت چھوڑنے والا شمار ہوگا۔ (شامی/۲/۲۸۸)

اور رمضان المبارک میں ایک قول کے مطابق وتر کی جماعت مستحب ہے، اسی پر آج کل عمل بھی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وتر کی نماز رمضان میں اپنے گھر میں ادا کرے، یہ دونوں قول درست ہیں۔ (شامی/۲/۲۸۸)

غیر رمضان میں وتر کی جماعت کا حکم

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ غیر رمضان میں وتر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا اور نوافل خواہ رمضان میں ہوں یا غیر رمضان میں جماعت کے ساتھ تداعی کے طور پر ادا کرنا مکروہ ہے، مشہور قول یہی ہے، اس کی مزید تحقیق ہم عنقریب کرنے

والے ہیں۔ (تداعی کا مطلب یہ ہے کہ امام کے ساتھ چار یا اس سے زیادہ لوگ ہوں اگر اس سے کم کی جماعت ہے تو تداعی میں داخل نہیں)۔

جماعتِ ثانیہ کا حکم

محلّہ کی مسجد میں باقاعدہ اذان واقامت کے ساتھ دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے؛ البتہ مسجد طریق یعنی عام راستہ کی مسجد میں دوبارہ جماعت کرنا مکروہ نہیں ہے، یا ایسی مسجد جس کے لئے امام ومؤذن متعین نہ ہو اس میں بھی دوبارہ جماعت مکروہ نہیں ہے۔ (اور جماعتِ ثانیہ کی کراہت سے مراد کراہتِ تحریمی ہے، اس لئے کہ کافی نامی کتاب میں یہ ہے کہ کسی مسجد میں دوبارہ جماعت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور مجمع الانہر میں ہے کہ دوبارہ جماعت کرنا مباح نہیں ہے۔ اور شرح جامع الصغیر میں دوبارہ جماعت کرنے کو مکروہ لکھا ہے اور محلّہ کی مسجد سے مراد یہ ہے کہ اس مسجد میں امام متعین ہو اور اس میں جماعت کا اہتمام ہوتا ہو، اگر اہل محلّہ اذان اور تکبیر کے بغیر جماعت ثانیہ کریں یا شارع عام کی مسجد ہو تو اس صورت میں جماعت ثانیہ بلا کراہت جائز ہے، جس طرح اس مسجد میں جماعت ثانیہ جائز ہوتی ہے جس میں امام ومؤذن متعین نہ ہو اور لوگ آتے رہتے ہوں اور جماعت ہوتی رہتی ہو۔ (شامی/۲/۲۸۸)

جماعتِ ثانیہ کے عدمِ جواز کی دلیل

حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ جماعتِ ثانیہ کی کراہت کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ کچھ لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے، جب نماز کا وقت ہوا تو آپ ایک مسجد میں تشریف لے گئے، وہاں جماعت ہو چکی تھی، چنانچہ آپ مسجد سے گھر تشریف لے گئے اور گھر والوں کو جمع فرمایا اور جماعت سے نماز ادا فرمائی۔ اگر دوسری جماعت مسجد میں جائز ہوتی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر جا کر نماز کیوں ادا فرمائی اور مسجد کی فضیلت سے کیوں محروم رہے؟ نیز اگر مسجد میں جماعتِ ثانیہ کی اجازت دیدی جائے تو اس صورت میں جماعت کے اندر بڑی کمی آئے گی اور لوگوں کے دلوں میں جماعت کی اہمیت باقی نہیں رہے گی۔ (شامی/۲/۲۸۸)

فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا ہے کہ اگر کچھ لوگ ایسی مسجد میں داخل ہوں جس میں جماعت ہو چکی ہو تو وہ لوگ تنہا تنہا نماز ادا کریں، اس بارے میں ظاہر الروایہ یہی ہے۔ اسی بنیاد پر علامہ ابن الہمام کے شاگرد رشید شیخ مندی نے لکھا ہے کہ اہل حرمین متعدد اماموں کے پیچھے جو الگ الگ جماعتیں کرتے ہیں وہ بالاتفاق مکروہ ہے، اور بعض مالکیہ کا فتویٰ ہے کہ محلّہ کی مسجد میں تکرار جماعت چاروں ائمہ کے نزدیک مکروہ اور ناجائز ہے اور مسجد حرام اور مسجد نبوی میں متعدد جماعتیں جو ہوتی ہیں

اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ان دونوں مسجدوں میں چوں کہ نمازی مقرر نہیں ہیں لوگ ہمیشہ آتے رہتے ہیں اس لئے مسجد حرام اور مسجد نبوی، مسجد محلّہ کے حکم میں نہیں ہے؛ بلکہ شارع عام والی مسجد کے حکم میں ہے، لہٰذا ان دونوں مسجدوں میں تکرار جماعت جائز ہے۔ (شامی/۲/۲۸۹)

اور شرح منیۃ المصلی میں حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول لکھا ہے کہ اگر جماعتِ ثانیہ جماعتِ اولیٰ کی ہیئت کے خلاف ہو تو مکروہ نہیں ہے، اسی قول کو صحیح کہا گیا ہے۔ اور فتاویٰ تاتر خانیہ میں ولوالجیہؒ سے منقول ہے ہم اسی کو قبول کرتے ہیں اور فتاویٰ بزازیہ میں لکھا ہے کہ محراب سے کچھ ہٹ کر کھڑے ہونے سے ہیئت بدل جاتی ہے اور کراہت باقی نہیں رہتی ہے۔

(شامی/۲/۲۸۹)

جماعت کے لئے کم از کم دو آدمی شرط ہے

اور جماعت کے تحقق کے لئے کم از کم دو شخص ہونا ضروری ہے کہ ان میں سے ایک امام ہو اور دوسرا مقتدی ہو، اگر چہ وہ مقتدی تمیز دار لڑکا ہو، یا وہ مقتدی فرشتہ ہو، یا جن ہو، یا پھر یہ نماز مسجد میں ہو یا مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ ہو بہر صورت اس کو جماعت کہیں گے۔

دو آدمیوں کی جماعت پر دلیل

اگر امام اور ایک مقتدی جماعت سے نماز ادا کریں تو اس سے بھی جماعت کا تحقق ہو جائے گا، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو یا اس سے زیادہ جماعت ہے، اس حدیث کو امام سیوطیؒ نے جامع الصغیر میں نقل کیا ہے۔ اور علامہ ابن نجیم مصریؒ نے عقلی دلیل یہ پیش کی ہے کہ جماعت اجتماع سے ماخوذ ہے اور دو آدمی سے اجتماع کا تحقق ہو جاتا ہے اس لئے جماعت بھی دو آدمی کی ہو جائے گی۔ اور جماعت کا یہ حکم پنج وقتہ نمازوں کے لئے ہے، جمعہ اور عیدین کی نماز کے لئے دو آدمی کی جماعت درست نہیں ہے؛ بلکہ جمعہ میں امام کے علاوہ تین آدمی کا ہونا ضروری ہے۔ (شامی/۲/۲۸۹)

جن کی امامت کا حکم

الاشباہ والنظائر میں ہے کہ جن کی امامت درست ہے، اس لئے کہ جنات بھی انسان کی طرح شریعت کے مکلف ہیں؛ البتہ فرشتوں کی امامت درست نہیں ہے، اس لئے کہ فرشتہ احکامِ شرع کا مکلف نہیں ہے، لہٰذا فرشتوں کی نماز نفل ہوگی اور

متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز درست نہیں ہوتی ہے، اس لئے فرشتوں کی امامت درست نہیں ہے۔ رہی حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت، تو یہ اوقات نماز کی تعلیم کے لئے تھا، اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے لئے حضرت جبرئیل کو مکلف بنادیا تھا، نیز یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں اس کا اعادہ فرمالیا ہو۔ (شامی/۲/۲۹۰)

جماعت کا وجوب

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بعضوں نے جماعت کو واجب کہا ہے اور ہمارے اکثر مشائخ اسی کے قائل ہیں۔ ''تحفہ'' نامی کتاب وغیرہ میں اسی قول پر اعتماد و یقین کیا ہے اور صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم مصریؒ نے البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں یہ بات لکھی ہے کہ جماعت کے وجوب سے متعلق جو دلائل ہیں وہ قوی ہیں، اہل مذہب کے نزدیک، اور نہر الفائق میں ہے کہ تمام اقوال میں سے قوی قول یہی ہے، اسی وجہ سے ''اجناس'' نامی کتاب میں مذکور ہے کہ جو شخص جماعت کو از راہ استخفاف چھوڑ دے تو اسکی شہادت قبول نہ ہوگی، ہاں اگر تاویل کر کے جماعت ترک کرتا ہے، یا سہواً جماعت چھوٹ جاتی ہے یا امام مقتدی کے مسلک کی رعایت نہیں کرتا ہے اس لئے جماعت سے نہیں پڑھتا ہے تو اس کی گواہی معتبر ہوگی، طحطاوی میں ایسا ہی مذکور ہے۔ (شامی/۲/۲۹۰)

فَتُسَنُّ أو تجِبُ ثمرتُه تظهَرُ فِي الإثمِ بترکِها مرةً علَى الرِّجالِ العُقلاءِ البالِغِينَ الأحرَارِ القَادِرِينَ على الصَّلاةِ بالجَماعةِ مِن غير حَرَجٍ، ولَو فاتتهُ نُدِبَ طلَبُها فِي مسجِدٍ آخرَ إلّا المسجد الحرام ونحوه، فلاتجِبُ علىٰ مرِيضٍ ومقعدٍ وزَمِنٍ ومَقطُوعِ يدٍ ورِجلٍ مِن خِلافٍ أو رِجلٍ فقط، ذكرهُ الحَدّادي، ومفلُوجٍ وشيخٍ كبِيرٍ عاجِزٍ وأعمىٰ وإن وجدَ قائدًا ولا علىٰ مَن حالَ بينهُ وبينها مطرٌ وطِينٌ وبردٌ شدِيدٌ، وظلمةٌ كذالكَ، ورِيحٌ لَيلًا لا نَهارًا، وخوف علىٰ مالِه، أو من غريمٍ أو ظالمٍ، أو مُدافعةِ أحدِ الأخبثَينِ، وإرادةِ سفرٍ، وقيامه بمرِيضٍ، وحُضُورِ طعامٍ تتوقه نفسُهُ، ذكرهُ الحَدادي، وكذا إشتِغالُه بالفِقهِ لاَ بغيرِهِ، كذا جزمَ به الباقاني تبعًا للبهسني، أي إلاّ إذا واظَبَ تكاسُلاً فلايعذرُ، ويعزّرُ ولَو بأخذِ المَالِ يعني بحَبسِه عنهُ مُدّةً ولاتُقبَلُ شَهادتُهُ إلّا بتأويلٍ بدعةِ الإمامِ أو عدمِ مراعاتِه، والأحقُّ بالإمامةِ تقديمًا بل نصبًا مجمع الأنهر الأعلم بأحكامِ الصَّلاةِ فقط، صحةً وفسادًا بِشَرطِ إجتِنابه للفَواحِشِ الظَّاهِرةِ، وحفظه قدر فَرضٍ، وقِيل واجب، وقِيل سنة، ثُمّ الأحسنُ تِلاوةً، وتجويد القرآنِ، ثُمّ الأورَعُ، أي الأكثَرُ اتقاءً

للشُّبهَاتِ والتّقوىٰ، اتقاء المحرماتِ، ثُمّ الأسنّ أي الأقدمُ إسلامًا، فيُقدّمُ شابٌ علىٰ شَيخٍ أسلم، وقالُوا: يُقدّمُ الأقدم ورعًا، وفِي النهر عن الزاد: وعَلَيهِ يُقاسُ سائرُ الخِصالِ، فيُقالُ يقدّمُ اقدمُهُمْ علمًا ونحوهُ وحينَئذٍ فقلّما يحتَاجُ للقُرعَةِ، ثُمّ الأحسنُ خُلقًا بالضمّ أُلفةً بالنّاسِ ثُمّ الأحسنُ وجهًا اى أكثرُهُمْ تهجُّدًا، زادَ فى الزاء: ثُمّ أصبحُهُمْ: اى أسمحهُم وجهًا، ثُمّ أكثرُهُمْ حسبًا ثُمّ الأشرَفُ نسبًا زَادَ فِي البُرهَانِ: ثُمّ الأحسنُ صوتًا. وفِي الأشبَاهِ قُبيل لمنِ المِثلِ، ثُمّ الأحسنُ زوجةً، ثمّ الأكثرُ مالاً، ثُمّ الأكثرُ جاهًا، ثُمّ الأنظفُ ثوبًا، ثُمّ الأكبرُ رأسًا والأصغرُ عُضوًا، ثُمّ المُقِيمُ علَى المُسافِرِ، ثُمّ الحُرُّ الأصلى على العَتِيقِ، ثُمّ المُتيمّمُ عَن حدثٍ علىٰ المتيمّمِ عَن جنابةٍ. فائدة: لايُقدّمُ أحدٌ فِي التزاحمِ إلا بمُرجحٍ، ومِنهُ السبقُ إلَى الدّرسِ والإفتَاءِ والدعوى، فإن استووا فى المجيء أقرع بينَهُمْ انتهىٰ كلام الأشباه، وفِي الفصلِ الثّاني والثّلاثِينَ مِن حظر التّاتارخانيّة: وفِي طلبةِ العِلمِ يُقدّمُ السّابقُ، فإن اختلفُوا ولمة بينة فيها وإلاّ أقرع كمجيئهم معًا كمَا فِي الحرقِي والغرقِي إذَا لَم يعرِفِ الأوّلَ ويجعَلُ كأنّهُمْ ماتُوا معًا انتهىٰ. وفِي محاسنِ القُرّاء لإبن وهبَان: وقِيلَ إن لَم يكُنْ للشيخ معلومٌ جازَ أن يقدِّمَ مَن شَاءَ، وأكثرهُم مشايخُنا علىٰ تقدِيمِ الأسبقِ، وأوّلُ مَن سنّه إبن كثِير، فإن استوَوا يُقرعُ بَينَ المُستويين أو الخِيارُ إلَى القَومِ فإن اختلفُوا اعتُبِرَ أكثرُهُم، ولو قدّمُوا غيرَ الأولىٰ أساؤُوا بِلا إثمٍ، وَ اعلمْ أنّ صاحبَ البَيتِ ومِثلُهُ إمامُ المَسجدِ الرّاتِبِ أولىٰ بالإمامَةِ مِن غيرِهِ مُطلقًا، إلاّ أن يكُونَ معهُ سُلطَانٌ أو قَاضٍ فيُقدّمَ علَيهِ لِعُمومِ وِلايتِهما، وصرّحَ الحدّادِيُّ بِتقدِيمِ الوَالِي علىَ الرّاتِبِ، والمُستعِيرُ والمُستأجِرُ أحقُّ مِن المَالِكِ لمَا مَرّ، ولَو أمّ قومًا وهُم لَهُ كارِهُونَ إنّ الكَراهةَ لِفسادٍ فِيهِ أو لأنّهُم أحقُّ بالإمامَةِ مِنهُ كرهُ لَهُ ذالكَ تحريمًا، لِحدِيثِ أبِى داؤد: لاَيقبلُ اللّهُ صلاةَ مَن تقدّمَ قومًا وهُم لهُ كارِهُونَ. وإنْ هُو أحقُّ لاَ والكراهةُ علَيهِم.

جماعت کن لوگوں پر واجب ہے؟

ترجمہ وتشریح صاحب تنویرالابصار علامہ خطیب تمرتاشی فرماتے ہیں کہ جماعت ان مردوں پر جو عاقل، بالغ، آزاد اور جماعت سے نماز پڑھنے پر بلا کسی مشقت شرعی کے قادر ہوں سنت مؤکدہ یا واجب ہے۔ حضرت شارح

در مختار علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ جماعت کے سنتِ مؤکدہ یا واجب ہونے کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا جب کوئی ایک بار جماعت چھوڑ دے گا، چنانچہ جو لوگ جماعت سے نماز پڑھنے کو واجب قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک ایک مرتبہ جماعت چھوڑنے سے بھی آدمی گناہ گار ہوگا۔ اور جو لوگ مسنون کہتے ہیں ان کے نزدیک گناہ گار نہیں ہوگا۔ (حرج سے مراد وہ اعذار شرعیہ ہیں جن سے جماعت ساقط ہو جاتی ہے اور ترکِ جماعت پر گناہ نہیں ہوتا ہے۔ ہاں افضلیت ضرور فوت ہو جاتی ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ نابینا صحابی نے ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: تیرے لئے میں ترکِ جماعت کی رخصت نہیں پاتا ہوں۔ اور دوسری حدیث شریف میں ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتبان بن مالکؓ کو ترکِ جماعت کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔ اور نور الایضاح میں ہے کہ اگر کوئی شخص عذر کی وجہ سے جماعت میں شرکت نہیں کر پاتا ہے، لیکن دل میں جماعت میں شرکت کرنے کی تمنا رکھتا ہے تو ایسی صورت میں اس کو جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ (شامی/۲/۲۹۱)

محلّہ کی مسجد میں جماعت چھوٹنے پر دوسری مسجد میں جماعت کیلئے جانا

اگر کسی نمازی کو اپنے محلّہ کی مسجد میں جماعت نہ ملے، یعنی مسجد ایسے وقت میں پہنچا کہ جماعت ہو چکی تھی تو اس کے لئے اب مستحب یہ ہے کہ جماعت میں شرکت کرنے کے لئے دوسری مسجد میں جائے۔ ہاں اگر مسجد حرام، یا اس جیسی دوسری مسجد (جیسے مسجد نبوی، بیت المقدس) میں ایسے وقت میں پہنچا کہ جماعت ختم ہو چکی تھی تو اب اس کے لئے طلب جماعت کے لئے دوسری مسجد جانا مستحب نہیں ہے؛ بلکہ مسجد حرام ہی میں نماز ادا کرنا مستحب ہے۔ (اس لئے کہ مسجد حرام، مسجد نبوی اور بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے، اس لئے کہ صحیح حدیث شریف میں مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: آدمی کا اپنے گھر میں نماز ادا کرنا ایک نماز کا ثواب حاصل کرنا ہے اور محلّہ کی مسجد میں نماز ادا کرنا پچیس نمازوں کا ثواب حاصل کرنا ہے۔ اور اسی نماز کو جامع مسجد میں ادا کرنا پانچ نمازوں کا ثواب ہے۔ اور اسی نماز کو بیت المقدس میں ادا کرنا پانچ ہزار نمازوں کا ثواب ہے۔ اور اسی نماز کو مسجد نبوی میں ادا کرنا پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ہے۔ اور اسی نماز کو مسجد حرام میں ادا کرنا ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہے۔ (شامی/۲/۲۹۲)

وہ لوگ جن پر جماعت واجب نہیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "بلا حرج" کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر حرج شرعی ہو تو اس سے جماعت ساقط ہو جاتی ہے۔ اور وہ اعذار جن کے وجود سے جماعت ساقط ہو جاتی ہے حضراتِ فقہاءِ کرام نے بیس بیان کئے ہیں، جو ذیل

میں بالترتیب نمبروار درج ہیں:

۱- بیماری کا ہونا۔ یعنی ایسی بیماری لاحق ہو جائے کہ مسجد تک چلنا مشکل ہو جائے، تو اس سے جماعت ساقط ہو جاتی ہے۔

۲- اقعاد کا پایا جانا۔ مغرب میں نامی لغت کی کتاب میں ہے کہ مقعد ایسی بیماری کو کہتے ہیں جو جسم کو اُٹھنے سے روک دے۔

۳- اپاہج شخص پر بھی جماعت واجب نہیں ہے۔

۴- جس شخص کا ایک ہاتھ اور ایک پیر مخالف سے کٹے ہوئے ہوں، اس پر جماعت سے نماز واجب نہیں ہے، یا صرف پاؤں کٹا ہو تو اس پر بھی جماعت واجب نہیں ہے۔

۵- جس شخص پر فالج کا اثر ہو اس پر بھی جماعت واجب نہیں ہے۔

۶- نہایت بوڑھے، عاجز شخص پر بھی جماعت واجب نہیں ہے۔

۷- اندھا شخص، یعنی جو شخص دونوں آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو، اس پر جماعت واجب نہیں ہے، چاہے اس کے پاس مسجد لے جانے کے لئے کوئی خادم و قائد کیوں نہ ہو۔

۸- جماعت اس شخص پر بھی واجب نہیں ہے کہ نمازی اور اس کے درمیان شدید بارش ہو رہی ہو، یعنی بارش کی وجہ سے بھی جماعت ساقط ہو جاتی ہے۔

۹- راستہ میں کیچڑ ہو، تو بھی جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا واجب باقی نہیں رہتی ہے۔

۱۰- سخت کڑاکے کی سردی ہو تو اس صورت میں بھی جماعت کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

۱۱- شدید اندھیری رات ہو، راستہ بالکل دکھائی نہ دیتا ہو تو اس صورت میں بھی جماعت کا وجوب ساقط ہو جائے گا۔

۱۲- اندھیری رات میں سخت تیز آندھی چل رہی ہو، تو اس صورت میں بھی جماعت ساقط ہو جائے گی۔ ہاں اگر دن میں شدید آندھی ہو تو اس سے جماعت کا وجوب ساقط نہ ہوگا۔

۱۳- مسجد جا کر جماعت سے نماز ادا کرنے میں مال و اسباب کی چوری ہونے کا خطرہ ہو۔

۱۴- مسجد جا کر جماعت سے نماز پڑھنے میں کسی قرض خواہ کے مل جانے کا اندیشہ ہو اور اس سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو اور اس شخص کے پاس قرض ادا کرنے کے لئے مال نہ ہو، تو اس صورت میں جماعت واجب نہیں ہے۔

۱۵- پیشاب و پائخانہ محسوس کرتا ہو، اس سے بھی جماعت کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

۱۶- سفر میں جانے کا ارادہ ہو اور جماعت سے نماز ادا کرنے میں گاڑی چھوٹ جانے کا غالب گمان ہو تو اس صورت میں بھی جماعت ساقط ہو جاتی ہے۔

۱۷- اگر کوئی شخص کسی بیمار شخص کی تیمارداری کرتا ہو اور جماعت کے لئے مسجد جانے کی وجہ سے مریض کے مرض بڑھنے کا اندیشہ ہو تو اس سے جماعت ساقط ہو جاتی ہے۔

۱۸- کھانا تیار ہو اور بھوک تیز لگی ہو اور طبیعت کھانے کی طرف راغب ہو تو اس سے بھی جماعت ساقط ہو جاتی ہے، اس کو شیخ حدادی نے ذکر فرمایا ہے۔

۱۹- ایسا شخص جو ہمیشہ فقہ وغیرہ میں مشغول رہتا ہو، فرصت کم ملتی ہو تو اس سے بھی جماعت ساقط ہو جاتی ہے۔

۲۰- مسجد جا کر جماعت سے نماز پڑھنے میں کسی دشمن کے مل جانے کا خوف ہو۔

۲۱- جس شخص کے دونوں پاؤں کٹے ہوں اس پر سے بھی جماعت ساقط ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ علامہ باقانی نے یقین کیا ہے۔ اور علامہ بھنسی کی اتباع میں انھوں نے یہ بات کہی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص علم فقہ میں انہماک ومشغولی کو بہانہ بنائے حالانکہ جماعت کاہلی وسستی کی وجہ سے چھوڑے تو ایسا شخص شرعی اعتبار سے معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ اور ترکِ جماعت کی وجہ سے اسکی تعزیر کی جائے گی، خواہ مال روک کر کیوں نہ ہو، یعنی جب تک جماعت سے نماز پڑھنے کا عادی نہ ہو اس کا مال روک لیا جائے۔

جماعت چھوڑنے والوں کی شہادت معتبر نہیں

جو شخص جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو محض کاہلی وسستی کی وجہ سے ترک کرے، اس کی شہادت وگواہی شریعت کی نظر میں معتبر نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص یہ تاویل کر کے جماعت چھوڑتا ہے کہ امام بدعتی ہے، یا امام مقتدیوں کے مسلک کی رعایت نہیں کرتا ہے اس لئے میں جماعت چھوڑ رہا ہوں تو اس صورت میں اس کی شہادت رد نہ ہوگی؛ بلکہ مقبول ومعتبر ہوگی۔

مستحقین امامت کی ترتیب شرعی

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امامت کے سب سے زیادہ حقدار باعتبار آگے بڑھانے؛ بلکہ امام کے تقرر کے اعتبار سے (مجمع الانہر) وہ شخص ہے جو نماز کے احکام ومسائل سے پوری طرح واقف ہو، اگر چہ دیگر علومِ اسلامیہ میں درکِ کامل اور مہارتِ تامہ حاصل نہ ہو، یعنی امامت کا سب سے زیادہ حقدار وہ شخص ہے جو نماز کی صحت وفساد کے مسائل سے بخوبی واقف ہو، نیز اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ امام ظاہری گناہوں سے اجتناب کرتا ہو اور اس کو قرآن کریم بقدر فرض مقدار، اور بعض نے فرمایا بقدر واجب، اور بعض نے فرمایا بقدر سنت مقدار یاد ہو، یعنی قرآنِ کریم اتنا یاد ہو جس سے نماز کی

فرض قرأت، یا واجب قرأت، یا سنت قرأت ادا کرسکے۔

حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ امام ایسا معتبر ومتدین شخص بنے جس کے دین ومذہب پر کوئی طعن وتشنیع نہ کرتا ہو، اس لئے کہ اگر مسائل نماز سے بخوبی واقف ہے لیکن اس کے دین ومذہب سے مطمئن نہیں ہے اس کو طعن وتشنیع کرتے ہیں تو ایسے شخص کی اقتداء میں لوگ نماز پڑھنے کی رغبت نہیں کریں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ جماعت کی قلت ہوجائے گی، اس لئے امام ایسا ہو کہ اس کے دین پر لوگ طعن وتشنیع نہ کرتے ہوں۔ رہ گیا قرآن کا بقدر سنت، بقدر فرض، بقدر واجب یاد ہونا تو یہاں بقدر سنت والا قول زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ یہاں بحث اس کی ہے کہ امامت کے لئے کون اولیٰ اور زیادہ حقدار ہے۔ (شامی/۲/۲۹۴)

عالم دین کے بعد امامت کا حقدار قراءِ کرام ہیں

اگر علم میں سارے لوگ برابر ہوں، ہر شخص مسائل نماز سے بخوبی واقف ہو، تو پھر امامت کا زیادہ حقدار وہ شخص ہوگا جو تلاوت وتجوید میں سب سے عمدہ اور اچھا ہو، یعنی اس کو امام بنایا جائے گا جو قرآن کریم صحیح مخارج وصفات کی رعایت کے ساتھ پڑھتا ہو، کیفیت حروف اور وقف سے پوری طرح واقف ہو۔ طحطاوی نے قہستانی سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ (شامی/۲/۲۹۴)

متقی شخص کی امامت عالم وقاری کے بعد

اگر کوئی شخص عالم دین بھی ہے اور قرآن کریم بھی حسن تلاوت اور حسن تجوید سے پڑھتا ہو ان دونوں میں کوئی فوقیت نہ ہو تو پھر جو ان میں سب سے زیادہ محتاط اور متقی ہو، شبہات اور حرام چیزوں سے بہت بچتا ہو، اس کو امام بنایا جائے گا اور امام کا مستحق یہی متقی ہوگا۔ ''ورع'' کہتے ہیں مشتبہات سے بہت بچنے کو۔ اور ''تقویٰ'' کہتے ہیں حرام چیزوں سے بچنے کو۔

پھر اگر نماز کے مسائل کا علم، تجوید وقرأت اور تقویٰ وطہارت میں سب برابر ہوں تو اس کو امام بنایا جائے گا جو ان میں سب سے زیادہ عمر دراز ہو، یعنی جس کا اسلام لانا پہلے ہو، لہٰذا جو نوجوان قدیم الاسلام ہوگا اس کو اس بوڑھے شخص پر ترجیح حاصل ہوگی جو جلدی ہی اسلام قبول کیا ہو۔ اور بعض حضرات فقہاء کرام نے فرمایا کہ جس شخص کی پرہیزگاری اور تقویٰ وطہارت زیادہ دنوں سے ہو اس کو امامت کے لئے زیادہ حقدار قرار دیا جائے گا۔ اور کنز الدقائق کی شرح نہر الفائق میں زاد الفقیر سے منقول ہے کہ اسی ورع وتقویٰ پر تمام خصلتوں کو قیاس کیا جائے گا۔ چنانچہ کہا جائے گا کہ جس شخص کا علم زیادہ دنوں کا ہے اس کو اس شخص پر مقدم کیا جائے گا جس کا علم کم دنوں سے ہو۔ اسی طرح جو شخص تجوید وقرأت کا پرانا عالم ہو وہ اس پر مقدم ہوگا جو نیا ہوگا۔ اگر اس طرح پاس ولحاظ کیا جائے اور اقدمیت کا اعتبار کیا جائے تو قرعہ اندازی کی ضرورت بہت کم پیش آئے گی۔

حسن اخلاق کے حامل شخص کی امامت

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ پھر امامت کا زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو حسن اخلاق میں اعلیٰ ہو، یعنی خوش اخلاقی میں اوروں سے بڑھا ہوا ہو۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "خُلق" خاء کے پیش کے ساتھ آتا ہے، جس کے معنی لوگوں کے ساتھ ملنساری کے ہیں۔ پھر اس کے بعد زیادہ مستحق امامت وہ شخص ہے جس کا چہرہ شب بیداری اور تہجد گذاری کی وجہ سے زیادہ خوبصورت وحسین ہو۔ پھر زاد الفقیر نامی کتاب میں اس کا اضافہ فرمایا ہے کہ اس کے بعد امامت کا مستحق وہ شخص ہے جس کی صباحت وملاحت بڑھی ہو اور ہنس مکھ ہو۔

حسب ونسب کی وجہ سے امامت کا استحقاق

پھر مستحق امامت وہ شخص ہے جو حسب میں بڑھا ہوا ہو۔ ("قاموس" نامی کتاب میں لکھا ہے کہ حسب اس بزرگی اور قابل فخر چیز کو کہتے ہیں جو آدمی میں آباء واجداد یا دین یا مال کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو، پھر اس کے بعد یہ دیکھا جائے گا کہ نسب کے اعتبار سے کون اعلیٰ ہے اس کو امامت کے لئے مستحق قرار دیا جائے گا۔ استحقاق امامت میں اخیر درجہ میں خاندانی شرافت کا بھی دخل ہے۔ اس کے بعد "برہان" نامی کتاب میں اضافہ ہے کہ پھر امامت کا زیادہ مستحق وہ شخص ہے جس کی آواز بہت اچھی ہو، یعنی اگر مذکورہ بالا تمام اوصاف میں سب برابر ہوں تو پھر اس شخص کو امام بنایا جائے گا جس کی آواز حسین اور اچھی ہو۔

اور الاشباہ والنظائر میں ثمن مثل سے پہلے مذکور ہے کہ پھر امامت کے لئے وہ شخص زیادہ مستحق ہے جس کی بیوی بہت زیادہ خوبصورت ہو، اس لئے کہ جس کی بیوی خوبصورت ہوگی اس کی نگاہ غیروں کی طرف کم اُٹھے گی اور بدنظری سے محفوظ رہے گا۔ اس کے بعد امامت کا مستحق وہ شخص ہوگا جو مال ودولت کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہو۔ (مال حلال رکھتا ہو، اس لئے کہ جو مالدار ہوگا اس کی نگاہ دوسروں کی جیب کی طرف نہیں اُٹھے گی) پھر اس کے بعد وہ شخص امامت کا زیادہ مستحق ہوگا جس کے کپڑے صاف ستھرے ہوں۔ (اس لئے کہ لوگ اس کو طبعاً پسند کرتے ہیں اور صاف ستھرے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی رغبت رکھتے ہیں)۔ پھر اس کے بعد وہ شخص امامت کا زیادہ مستحق ہوگا جس کا سر ان میں سب سے بڑا ہو اور دوسرے اعضاء چھوٹے ہوں۔ (اس لئے کہ سر کا بڑا ہونا اور دوسرے اعضاء کا چھوٹا ہونا اس کی عقلمندی کی دلیل ہے)۔

مقیم ومسافر میں سے امامت کا مستحق کون

مقیم ومسافر میں سے امامت میں مقیم کو مسافر پر ترجیح حاصل ہے، پھر جو شخص اصلاً آزاد ہے، اس کو اس پر ترجیح ہے جو

پہلے غلام تھا پھر آزاد ہوا، پھر جس نے وضو کا تیمم کیا وہ امامت کا زیادہ حقدار ہے، اسکے مقابلہ میں جس نے جنابت کے لئے تیمم کیا ہے، اس لئے کہ جنابت کا حدث بڑھا ہوا ہے، لیکن منیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ جنابت سے طہارت حاصل کرنے کے لئے تیمم کرنے والا شخص امامت کے لئے زیادہ حقدار ہے، اس شخص کے مقابلہ میں جس نے حدث سے طہارت کے لئے تیمم کیا ہے، اس لئے کہ جنبی کی طہارت زیادہ قوی ہے اس لئے کہ یہ تیمم غسل کے درجہ میں ہے، حدثِ اصغر سے یہ تیمم باطل نہ ہوگا۔ ، (شامی/۲/۲۹۶)

کسی کو امامت کے لئے آگے بڑھانے کا سبب شرعی

اگر چند آدمی کسی امر شرعی میں برابر ہوں اور مزاحم ہوں تو ان میں سے کسی کو بلا کسی مرجح کے ترجیح نہیں دی جائے گی۔ اور اسبابِ ترجیح درج ذیل ہیں: پڑھنے میں، یا مفتی کے یہاں فتویٰ لینے میں، یا قاضی کے یہاں مقدمہ دائر کرنے میں سبقت کرنا (مثال کے طور پر دو طالب علم کسی استاذ کے پاس پڑھتے ہیں تو ان میں سے جو پہلے آئے گا تو وہ اس بات کا مستحق ہوگا کہ اس کا سبق پہلے ہو۔ اسی طرح مفتی کے پاس جو پہلے آئے گا وہ اس بات کا مستحق قرار پائے گا کہ مفتی اس کو پہلے فتویٰ لکھ کر حوالہ کرے) لہٰذا امامت میں بھی اس کا لحاظ ہوگا جو سب سے پہلے آئے گا وہ مستحق امامت ٹھہرے گا، لیکن اگر آنے میں سب برابر ہوں یعنی سب ایک ساتھ آئے ہوں تو ان میں قرعہ اندازی کی جائے گی، جس کا نام قرعہ میں نکل آئے گا وہ امامت کا مستحق ہوگا، الاشباہ میں ایسا ہی مذکور ہے۔

اور فتاویٰ تاتارخانیہ کی بتیسویں فصل کتاب الحظر والإباحة میں لکھا ہے کہ طالب علموں میں اس کا سبق مقدم رکھا جائے گا جو پہلے آیا ہو۔ اور اگر اس باب اختلاف ہو یعنی پہلے کون آیا اس میں اختلاف ہو اور وہاں کوئی دلیل موجود ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ اور اگر کوئی دلیل موجود نہ ہو تو اس صورت میں قرعہ اندازی کی جائے گی، جس طرح تمام لوگوں کے اکٹھے آنے کی صورت میں قرعہ اندازی کی جاتی ہے، جس طرح اگر چند افراد ایک ساتھ جل کر مر جائیں یا سمندر میں ڈوب کر مر جائیں اور یہ معلوم نہ ہو کہ ان میں سے پہلے کون مرا ہے تو ایسی صورت میں یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ سب ایک ساتھ مرے ہیں۔ اسی طرح اگر اس میں اختلاف ہو جائے کہ پہلے کون آیا اور پیچھے کون آیا؟ اور کسی کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو یہ فرض کر لیا جائے گا کہ وہ سب ایک ساتھ آئے اور اب قرعہ کے ذریعہ فیصلہ ہوگا کہ ان میں سے کس کو امامت کے لئے مقدم رکھا جائے۔ اور علامہ ابن وہبان کی محاسن القراء نامی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر بہت سارے طلبہ آگئے ہوں اور اس کا علم نہیں ہے کہ کون پہلے آیا اور کون بعد میں؟ تو استاذ کو حق حاصل ہے کہ جس کو چاہے پہلے سبق پڑھائے اور جس کو چاہے بعد میں سبق دے۔ اور ہمارے اکثر مشائخ یہی فرماتے ہیں کہ جو پہلے آیا وہ مقدم ہے۔ اور علامہ ابن کثیر نے یہ طریقہ سب سے پہلے مقدم کیا ہے۔

اگر مستحقین امامت سب برابر ہوں تو کیا حکم ہے

اگر تمام لوگ اوصاف وخصائل میں برابر ہونے کی وجہ سے امامت کے مستحق ہوں تو ایسی صورت میں ان لوگوں کے درمیان قرعہ ڈال کر فیصلہ کیا جائے گا، یا مقتدیوں پر چھوڑ دیا جائے گا، مقتدی حضرات اپنی صواب دید سے جس کو چاہیں امامت کے لئے آگے بڑھائیں۔ اور اگر مقتدیوں میں اختلاف ہوجائے، بعض لوگ کسی اور کو امام بنانا چاہتے ہیں اور بعض لوگ کسی اور کو اپنا امام بنانا چاہتے ہیں تو اس اختلاف کی صورت میں جس طرف لوگوں کی اکثریت ہوگی اس کا اعتبار کرتے ہوئے امام مقرر کردیا جائے گا۔

غیر مستحق کو امام بنادے تو کیا حکم ہے

اگر مقتدی لوگ جاہل ہوں اور دینداری سے تعلق نہ ہو اور انھوں نے اپنی اکثریت دکھا کر غیر مستحق کو امام کے لئے منتخب کرلیا اور ان اوصاف جمیلہ کا اعتبار ولحاظ نہ کیا جن کا تذکرہ ماقبل میں کیا جاچکا ہے تو ایسی صورت میں مقتدی حضرات بری بات کا ارتکار کرنے والے قرار پائیں گے، کہ ان لوگوں نے سنت طریقہ کے خلاف کیا؛ لیکن گناہ گار نہ ہوں گے۔

صاحب خانہ کے لئے امامت کا حق

اور یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ صاحب خانہ اور اسی طرح مسجد کا مقرر شدہ امام آنے والوں کے مقابلہ میں امامت کا زیادہ حقدار ہے، گو کہ آنے والا شخص علم وفضل اور تقویٰ وطہارت میں بڑا ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں اگر وہاں سلطان یا قاضی آجائے تو قاضی اور سلطان امامت کے لئے صاحب خانہ اور مسجد کے متعین امام سے زیادہ حقدار ہے، اسلئے کہ قاضی اور سلطان کی ولایت عام ہے اور سارے لوگوں پر بڑائی حاصل ہے۔ اور حدادی نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ امامت کے باب میں والی متعین امام پر مقدم ہوگا۔

کرایہ دار کے لئے حق امامت

اور جس کو بطور عاریت، یا بطور کرایہ داری کے مکان رہنے کے لئے دیا ہو اور وہاں جماعت کے ساتھ نماز ہونے لگے اور مکان کا مالک بھی موجود ہو تو ایسی صورت میں کرایہ دار اور جس کو عاریت پر مکان دیا ہے وہ امامت کے زیادہ مستحق ہوں گے مالک مکان کے مقابلہ میں۔ اور اس کی وجہ وہی ہے جو پہلے گذر چکی ہے (یعنی لعموم ولایتھما) علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ عموم ولایت کو علت قرار دینا درست نہیں ہے؛ بلکہ علت یہ ہے کہ ان دونوں کی ولایت اس حالت میں ہے مالک کی

ولایت نہیں ہے۔ (شامی/۲/۲۹۸)

مقتدیوں کی ناپسندیدگی کے باوجود امامت کرنا

اگر کوئی شخص کسی قوم کی امامت کرائے اور لوگ اس کو ناپسند کرتے ہوں اور اس کی امامت کو برا جانتے ہوں تو اس صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ مقتدیوں کی ناراضگی کی وجہ کیا ہے؟ اگر ناراضگی کی وجہ ایسا فساد ہے جو امام کے اندر پایا جاتا ہے، یا اس وجہ سے لوگ اس کو ناپسند کر رہے ہوں کہ کوئی دوسرا اس سے زیادہ مستحق امامت ہو تو ایسی صورت میں اس شخص کا امام بننا مکروہ تحریمی ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابوداؤد شریف میں ہے: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس شخص کی نماز کو قبول نہیں کرتا ہے جو لوگوں کی امامت کرتا ہے اور لوگ اس کو ناپسند کرتے ہوں۔ اور اگر امام واقعی امامت کا مستحق ہے اور اس کے اندر کوئی خرابی بھی نہیں ہے، صرف ذاتی رنجش کی وجہ سے لوگ ناپسند کرتے ہوں تو اس صورت میں اس کے امام بنے رہنے میں کوئی کراہت نہیں ہے؛ بلکہ مقتدیوں کی وجۂ ناگواری مکروہ سمجھی جائے گی۔

وَ يكرَهُ تنزيهًا إمامةُ عبدٍ ولَو مُعتقًا، قهستَانِي عنِ الخُلاصةِ. ولعلّهُ قدمناهُ مِن تقدم الحُرّ الأصلي، إذِ الكراهَةُ تَنزِيهيّةٌ،فتنبّه. وأعرابِي مِثلهُ تركمان وأكراد وعامي وفاسقٌ وأعمٰى ونحوه الأعشى، نهر. إلّا أن يكُونَ اى غيرُ الفاسقِ أعلَمَ القَومِ فهُو أولىٰ، وَمُبتدِعٍ اى صاحبِ بدعةٍ وهِى إعتِقادُ خلافِ المَعرُوفِ عنِ الرّسُولِ لَا بِمُعاندةٍ بَل بِنَوعِ شُبهةٍ وكلّ مَن كانَ مِن قبلتِنا لَايُكفرُ بها حتّٰى الخوارج الّذِين يَستحِلّونَ دِماءَنَا وأموالَنا وسَبَّ أصحابَ الرّسُولِ، ويُنكِرُونَ صِفاتَهُ تعالىٰ وجوازَ رُؤيتِهِ لِكَونِهِ عَن تأوِيلٍ وشُبهةٍ بِدلِيلِ قبُولِ شهادَتِهم، إلّا الخِطابيّة من كفرهم وإنْ أنكرَ بعضَ مَا عُلِمَ مِن الدِّينِ ضرُورةً كفر بِها كقَولِه: إنّ اللّهَ تعالىٰ جِسمٌ كالأجسَامِ، وإنكاره صُحبة الصدّيق، فلَايصحُّ الإقتداءُ بِه أصلاً فليحفظ، وَ ولَدُ الزّنا هذا إن وجدَ غيرُهُم وإلّا فلَا كَراهةَ، بحر بحثًا. وفِي النّهر عن المُحيط: صَلّٰى خَلفَ فاسقٍ أو مُبتدعٍ نَالَ فضلَ الجَماعَةِ، وكَذَا تكرَهُ خلفَ أمردٍ وسفِيهٍ ومَفلُوجٍ، وأبرصَ شاعَ برصُهُ، وشَاربِ الخَمرِ، وآكلِ الرّبٰوا، ونمّام، ومراء، ومتصنّع، ومن أمّ بأجرة، قهستاني. زاد ابن ملك: ومخالف كشافعي، لكن فِي وتر البحر إن تيَقّنَ المُراعاةَ لَم يكرَهْ، أو عدمها لم يصحّ، إنْ شكّ كُرهَ، وَ يكرَهُ تحريمًا تطوِيلَ

الصَّلاةِ علَى القَومِ زائدًا علىٰ قدرِ السنَّةِ فِي قِراءةٍ وأذكارٍ رَضِي القومُ أو لاَ، لإطلاقِ الأمرِ بالتَّخفِيفِ، نهر. وفِي الشُّرنبُلالِيَّة: ظاهِرُ حَدِيثِ مُعاذٍ أنّه لايزِيدُ علىٰ صلاةِ أضعفِهِم مُطلقًا، ولِذا قالَ الكمالُ: إلاّ لِضرُورةٍ، وصحّ أنَّهُ عليهِ الصَّلوٰةُ والسَّلامُ "قرأ بالمُعوّذتَينِ فِي الفجرِ حِينَ سمِعَ بُكاءَ صبِيّ". وَيكرَهُ تحريمًا جَماعةُ النِّسَاءِ ولَو فِي التَّراوِيحِ فِي غَيرِ صَلاةِ جَنازَةٍ لأنَّهَا لَم تُشرَع مُكرَّرَةً فلَو انفرَدْنَ تَفُوتُهُنّ بِفراغِ إحداهُنّ، ولَو أمّتْ فِيهَا رَجُلاً لاتُعادُ لسُقُوطِ الفَرضِ بِصلاتِها إلاّ إذَا استَخلَفَها الإمامُ وخلفَهُ رِجالٌ ونِسَاءٌ فَتفسُدُ صَلاةُ الكُلِّ، فإنْ فعلنَ تقِفُ الإمامُ وَسطَهُنّ فلَو تقدمتْ أثِمتْ إلاّ الخُنثىٰ فيتقدمُهُنّ كالعُراةِ فيتوسّطُهُم إمامُهُم، ويكرَهُ جماعَتُهُم تحرِيمًا، فتح.

ان لوگوں کا بیان جن کی امامت مکروہ ہے

ترجمہ وتشریح اب یہاں سے مصنف علیہ الرحمہ ان لوگوں کا بیان فرمارہے ہیں جن کی امامت شرعی اعتبار سے یا تو مکروہ تنزیہی ہے یا مکروہِ تحریمی ہے، چنانچہ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ غلام کی امامت خواہ آزاد ہی کیوں نہ ہو مکروہِ تنزیہی ہے، قہستانی نے خلاصۃ الفتاویٰ سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ اور اس کی وجہ شاید وہی ہو جو ہم نے پہلے بیان کی ہے کہ آزاد شخص امامت کے مسئلے میں آزاد شدہ غلام پر مقدم ہے، لہٰذا آزاد اصل کی موجودگی میں آزاد شدہ غلام کو امامت کے لئے آگے بڑھانا مکروہ تنزیہی ہے، پس یہ مسئلہ خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

جس طرح آزاد شدہ غلام کی امامت مکروہِ تنزیہی ہے اسی طرح دیہاتی، اسی کے مثل جاہل ترکمان اور کردی کی امامت بھی مکروہ ہے۔ اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر ایسے لوگ نادان اور مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اور لوگ انہیں ناپسند کرتے ہیں، جس کی وجہ سے جماعت میں قلت ہوجاتی ہے اور لوگ اسکی اقتداء میں نماز پڑھنے سے گریز کرتے ہیں، اس وجہ سے ان کی امامت کو مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

فاسق اور اندھے کی امامت

فاسق اور اندھے شخص کی امامت بھی مکروہ ہے، اور اسی اندھے کے حکم میں وہ شخص ہے جس کو دن اور رات میں کم سوجھتا ہو، جس کو عرف میں چوندھا کہا جاتا ہے۔ ہاں اگر اندھا اور چوندھا تمام مقتدیوں میں سب سے زیادہ مسائل نماز سے واقف ہو تو پھر ان کی امامت مکروہ نہیں ہے؛ البتہ فاسق کی امامت خواہ وہ بہت بڑا عالم ہی کیوں نہ ہو مکروہ تحریمی ہوگی۔ (اس کی وجہ یہ ہے

کہ فاسق قابلِ اہانت ہے اور امامت میں اس کی تعظیم ہوتی ہے، اسی وجہ سے فاسق کی امامت کو مکروہ تحریمی قرار دیا گیا ہے)۔

فاسق کس کو کہتے ہیں؟

حضرت علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ فاسق، فسق سے بنا ہے اور فسق کے معنی خروج عن الاستقامۃ کے ہیں، یعنی دین میں استقامت سے نکل جانا، فسق ہے۔ اور فاسق سے مراد یہاں وہ لوگ ہیں جو گناہِ کبیرہ مثلاً شراب نوشی، سودخوری، زنا، جھوٹ، خیانت وغیرہ جیسے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہوں۔ معراج الدرایہ میں ہے کہ علماءِ احناف نے فرمایا کہ کسی فاسق کی اقتداء مناسب نہیں ہے۔ ہاں اگر امام جمعہ فاسق ہو اور شہر میں ایک ہی جمعہ ہوتا ہو تو اس کے پیچھے جمعہ ادا کرلینے کی اجازت ہے؛ لیکن دوسری نمازوں میں اقتداء درست نہیں ہے اس لئے کہ اس کے علاوہ دوسرا امام مل جائے گا، اسی طرح اگر شہر میں متعدد جمعہ ہوتے ہوں تو فاسق امام کے پیچھے جمعہ ادا کرنا مناسب نہ ہوگا؛ بلکہ اس امام کی اقتداء میں جمعہ ادا کرے جو دیندار اور متقی ہو۔ (مستفاد شامی/۲/۲۹۸)

بدعتی کی امامت شریعت کی نظر میں

بدعتی شخص کی امامت بھی مکروہِ تحریمی ہے۔ اور بدعت درحقیقت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول کے خلاف اعتقاد رکھنے کو کہتے ہیں۔ اور وہ شخص ایسا اعتقاد شبہ اور ثواب سمجھ کر رکھتا ہو۔ اگر ایسا اعتقاد عناد یا مخالفت میں رکھے گا تو پھر یہ کفر قرار پائے گا۔ (حضرت علامہ شامیؒ نے بدعت کی مختلف قسمیں لکھی ہیں جو یہاں افادہ کے پیشِ نظر ذیل میں درج ہیں:

۱- بدعت محرمہ، یعنی ایسی چیز کا اعتقاد رکھنا یا ایسا عمل کرنا جو کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہؐ اور اجماعِ امت سے ثابت نہ ہو، نہ عبارۃ النص سے ثابت ہو، نہ دلالۃ النص سے، نہ اشارۃ النص اور نہ ہی اقتضاء النص سے ثابت ہو۔

۲- بدعتِ واجبہ، جیسے گمراہ فرقوں کی تردید کے لئے دلائل فراہم کرنا، کتاب وسنت کو سمجھنے کے لئے علم نحو اور علم صرف وغیرہ کو پڑھنا اور اس میں مہارت حاصل کرنا۔

۳- بدعت مندوبہ، جیسے مدرسہ قائم کرنا، قرآنِ کریم میں اعراب وغیرہ لگانا وغیرہ، اسی طرح وہ تمام نیک اعمال جو قرونِ اولیٰ میں نہ ہوں۔

۴- بدعتِ مکروہہ، جیسے مساجد کو پختہ کرنا، ان کو خوب سجانا وغیرہ۔

۵- بدعتِ مباحہ، جیسے کھانے پینے اور لباس وغیرہ پہننے میں خوب وسعت اختیار کرنا)۔ (شامی/۲/۲۹۹)

معتزلہ وخوارج کی امامت

اور وہ تمام لوگ جو ہمارے قبلہ خانۂ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں وہ اعمالِ بدعت کے انجام دینے کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ خوارج جو ہماری جان ومال کو مباح سمجھتے ہیں، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کو گالیاں دیتے ہیں، صفاتِ باری تعالیٰ اور دیدارِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ کافر قرار نہیں دیئے جائیں گے، کیونکہ ان لوگوں کا اس طرح کا اعتقاد رکھنا تاویل کے ذریعہ ہے، اور دلائل میں شبہ کی وجہ سے ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کی شہادت شرعی اعتبار سے مقبول ہے؛ البتہ فرقۂ خطابیہ کی شہادت معتبر نہیں ہے۔

خوارج سے مراد

قولــه حتى الخــوارج: حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ خوارج سے مراد یہاں خاص طور پر وہ فرقہ نہیں ہے جس نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے خروج کیا اور انہیں کافر تک کہا؛ بلکہ خوارج سے مراد یہاں وہ تمام فرقے ہیں جن کے عقائد ونظریات اہل السنہ والجماعۃ کے عقائد ونظریات سے متصادم اور خلاف ہیں، چنانچہ اس کے اندر شیعہ اور معتزلہ وغیرہ بھی داخل ہیں۔ (شامی/۲/۳۰۰)

قوله وسبّ الرسُولِ: الدرالمختار کے اکثر نسخوں میں ایسا ہی مروی ہے۔ اور خزائن الاسرار نامی کتاب میں بھی اسی طرح منقول ہے۔ لیکن اس میں اعتراض یہ ہے کہ رسولِ اکرم سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینا بالاتفاق قطعی طور پر کفر ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہنے والا شخص کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے، لہٰذا یہاں "سبُّ الرسول" کے بجائے "وسبُّ اصحابِ الرّسُول" کہنا درست ہوتا۔ نیز اصحابِ رسول میں سے شیخین میں سے کسی ایک کو گالی دینا بھی موجب کفر ہے جیسا کہ اس کی بحث باب المرتد کے تحت آئے گی۔ (شامی/۲/۳۰۰)

خوارج کو کافر قرار نہ دینے کی وجہ

قولــه لكونهٖ عَن تاويلٍ وشُبهةٍ: خوارج کے عقائد باوجودیکہ اہل السنہ والجماعت کے عقائد کے خلاف ہیں مگر اس کے باوجود ان پر کفر کا فتویٰ اس لئے نہیں لگایا جاتا ہے کہ ان حضرات نے قرآن وحدیث کی تاویل کی، اور قرآن وحدیث کے معنی کو غلط سمجھا اور اپنے مطلب کے مطابق اس کو ڈھال لیا، حالانکہ جو معنی ومطلب ان لوگوں نے اخذ کیا ہے وہ اس معنی کے سراسر خلاف ہے جو سلف صالحین سے مروی ہے۔ صاحب فتح القدیر محقق ابن الہمام نے "التحریر" کے اخیر میں لکھا ہے کہ مبتدع

شخص کی جہالت، جیسے معتزلہ ہیں، جو عذابِ قبر، شفاعت اور صفاتِ باری کا انکار کرتے ہیں، مگر اس کے باوجود کافر نہیں ہیں، اس لئے کہ ان حضرات کی دلیل بھی قرآن وحدیث ہے۔ دوسری وجہ عدم تکفیر کی یہ ہے کہ یہ حضرات اہل قبلہ میں سے ہیں اور اہل قبلہ کی تکفیر سے منع کیا گیا ہے اور اس بات پر اجماع ہے کہ ان کی گواہی مقبول ہوگی۔ اگر یہ کافر ہوتے تو ان کی شہادت معتبر نہ ہوتی، اسلئے کہ کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف معتبر نہیں ہے؛ البتہ فرقہ خطابیہ کی گواہی معتبر نہیں ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ کافر ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے موافق کے واسطے جھوٹی شہادت کو دین میں شمار کرتے ہیں۔ (شامی/۲/۳۰۰)

خوارج کے متعلق بعض احناف کا فتویٰ

خوارج کے متعلق بعض احناف علماءِ کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ خوارج کافر ہیں اور دین اسلام سے خارج ہیں۔ لیکن علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ یہ قول اس قول کے خلاف ہے جس کو قابل اعتماد اور معتمد بہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ نے البحر الرائق میں خلاصہ سے نقل کیا ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے گی، بشرطیکہ وہ ضروریاتِ دین کا منکر نہ ہو، اگر ضروریاتِ دین کا انکار کرے تو پھر اہل قبلہ ہونے کے بعد کافر قرار دیا جائے گا۔ (شامی/۲/۳۰۰)

ضروریاتِ دین کے منکر کی امامت کا حکم

ہاں اگر بدعتی شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا منکر ہو تو اس کی وجہ سے اس کی تکفیر کی جائے گی، جیسے اس شخص کا یہ کہنا کہ دوسرے اجسام کی طرح اللہ تعالیٰ بھی جسم والا ہے۔ یا سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت ورفاقت کا انکار کرنا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحابیت کا انکار کرنا موجب کفر اس لئے ہے کہ اس سے قرآنِ کریم کی آیت کی تکذیب لازم آتی ہے، اس لئے کہ حضرت ابوبکر کی صحابیت کا ذکر قرآنِ کریم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ ثور میں فرمایا: اے ابوبکر! آپ گھبرایئے مت، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اور فتح القدیر میں "خلاصہ" نامی کتاب سے منقول ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ یا حضرت سیدنا عمر فاروقؓ کی خلافت کا انکار کرے گا وہ کافر ہے۔ (شامی/۲/۳۰۱)

ضروریاتِ دین سے انکار کرنے والے بدعتی کے پیچھے نماز ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے، لہٰذا اس مسئلہ کو یاد رکھنا چاہئے۔ اور ضروریاتِ دین کے منکر کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

زنا سے پیدا شدہ بچے کی امامت

ولد الزناء کی امامت بھی مکروہ ہے، یعنی زناء سے پیدا شدہ بچے کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز ادا کرنا مکروہ ہے، اس لئے

کہ ولد الزنا مجہول النسب ہونے کی وجہ سے اس کی تربیت صحیح نہیں ہو پاتی ہے، ایسا بچہ عام طور سے تعلیم و تعلم سے یکسر محروم رہتا ہے، جہالت اس پر غالب رہتی ہے، جس کی وجہ سے لوگ اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے گریز کرتے ہیں۔ اور یہ کراہت اس صورت میں ہے جب کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص امامت کے لئے موجود ہو جو امامت کا زیادہ حقدار ہو۔ اور اگر ولد الزناء کے علاوہ کوئی بھی شخص امامت کے لئے موجود نہیں ہے تو پھر ایسی صورت میں اس کی امامت مکروہ بھی نہیں ہے۔ البحر الرائق کی بحث سے ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ (شامی/۲/۳۰۱)

فاسق کے پیچھے نماز پڑھ لیا تو کیا حکم ہے

نہر الفائق میں ''محیط'' نامی کتاب سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز ادا کرے تو اس سے جماعت کی فضیلت مل جائے گی۔ (علامہ شامی نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز ادا کرنا تنہا نماز ادا کرنے سے بہتر ہے، لیکن فاسق و بدعتی کے پیچھے نماز ادا کرنے سے وہ ثواب نہیں ملے گا جو ثواب متقی اور پرہیزگار کے پیچھے نماز ادا کرنے سے ملتا ہے۔ (شامی/۲/۳۰۱)

خوبصورت بے ریش لڑکے کی امامت کا حکم

اسی طرح خوبصورت بے ریش لڑکے کی امامت، نیز بے وقوف و مفلوج کی امامت بھی مکروہ تنزیہی ہے۔ (اور یہاں امرد سے مراد ایسا لڑکا ہے جو نہایت حسین و جمیل اور بے ریش ہو اور فتنہ کا محل ہو تو اس کی امامت مکروہ ہے۔ لیکن اگر پوری قوم میں وہی لڑکا اعلم باحکام الصلوٰۃ ہو، یا لوگوں کو اس سے نفرت یا خوف شہوت نہ ہو تو اس کی امامت بلا کراہت صحیح ہے)۔

(شامی/۲/۳۰۱)

برص زدہ شخص کی امامت کا شرعی حکم

اور ایسا شخص جس کے جسم پر برص بالکل پھیل گیا ہو، یعنی اس کے جسم پر سفید داغ ہو گئے ہوں اور لوگ اس سے نفرت کرنے لگے ہوں تو اس کی امامت بھی مکروہ ہے، لہٰذا اس کے علاوہ کسی اور کے پیچھے نماز ادا کرنا اولیٰ ہے، اسی طرح سود خور، شراب نوشی و چغل خوری کرنے والے، ریاء کاری کرنے والے اور تصنع اختیار کرنے والے کی امامت مکروہ ہے۔ (ریاء کار سے مراد ایسا شخص ہے جو لوگوں کو محض دکھانے کے لئے نماز ادا کرتا ہو اور تکلف و تصنع کرنے والا وہ ہے جو نماز وغیرہ بناوٹ کے ساتھ ادا کرے)۔ (شامی/۲/۳۰۲)

اُجرت لے کر نماز پڑھانے والوں کی امامت کا حکم شرعی

"قہستانی" نامی کتاب میں مذکور ہے کہ جو شخص اُجرت لے کر امامت کرے اس کی امامت بھی مکروہ ہے۔ (یہاں جو اُجرت لے کر امامت کرنے والے کی امامت کو جو مکروہ قرار دی گئی ہے، وہ حضرات متقدمین علماء کے فتویٰ کے اعتبار سے ہے، چونکہ متقدمین فقہاء کے نزدیک امامت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، متاخرین فقہاءِ کرام نے امامت واذان پر اُجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ ضرورت اس کی متقاضی ہے، اگر امامت واذان پر اُجرت کو جائز قرار نہ دیا جائے تو اس صورت میں کوئی بھی شخص اذان دینے والا اور امامت کرنے والا نہ ملے گا، اسی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے متاخرین فقہاء نے جائز قرار دیا ہے، پس متاخرین فقہاء کے فتوے کے اعتبار سے اُجرت لے کر امامت کرنے والے کی امامت بلا کراہت صحیح ہے، اسی پر فتویٰ بھی ہے)۔

مخالف مسلک کی امامت کا حکم شرعی

یہاں ابن ملک نے اس کا اضافہ کیا ہے کہ اپنے مسلک کے مخالف شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے، جیسے کہ اگر کوئی حنفی المسلک شخص کسی ایسے شخص کے پیچھے نماز ادا کرے جو حضرت امام شافعیؒ کا مقلد ہو، تو حنفی مقتدی کی نماز مکروہ ہے، لیکن کنزالدقائق کی شرح البحرالرائق کے باب الوتر میں لکھا ہے کہ اگر مقتدی کو اس بات کا کمل یقین ہو کہ مخالف مذہب امام مقتدی کے مسلک کی رعایت مکمل طور پر رکھے گا تو اس صورت میں اس کے پیچھے نماز مکروہ نہ ہوگی۔ اور اگر مقتدی کو اس بات کا کامل یقین ہو کہ مخالف مذہب کا امام، مقتدی کے مسلک کی رعایت نہیں رکھے گا تو ایسے امام کی اقتداء درست نہیں ہے۔ اور اگر رعایت وعدم رعایت کے درمیان مقتدی کو شک ہو تو ایسی صورت میں اس کی اقتداء مکروہ ہوگی۔ خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ جو مخالف امام اپنے مقتدی کے مسلک کی رعایت کرتا ہو اس کے پیچھے نماز بلا کراہت درست ہے اور جو مخالف مذہب کا امام رعایت نہ کرتا ہو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

سنت مقدار سے زیادہ طویل قرأت کرنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جماعت کو سنت مقدار سے زیادہ طویل کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔ خواہ یہ طول قرأت لمبی کرنے کی وجہ سے ہو، یا رکوع وسجود کی تسبیحات کو طول دینے کی وجہ سے ہو۔ اور مقتدی حضرات اس طول دینے سے راضی ہوں یا راضی نہ ہوں، بہر دوصورت جماعت کی نماز کو طویل کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔ اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الاطلاق یہ حکم صادر فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص امامت کرے تو چاہئے کہ ہلکی نماز پڑھائے اس

لئے کہ جماعت میں کمزور قسم کے لوگ، بیمار اور بوڑھے لوگ بھی شریک ہوتے ہیں، لہٰذا ان سب کی رعایت لازم ہے، ہاں اگر تنہا کوئی نماز پڑھے تو جس قدر چاہے نماز کو طول دے۔ (شامی/۲/۳۰۴)

شرنبلالیہ نامی کتاب میں مذکور ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ مقتدیوں میں جو سب سے زیادہ کمزور ہو، اس کی نماز سے زیادہ مطلقاً نہ کرے اگرچہ قرأت مسنونہ سے کم ہی قرأت کیوں نہ کرنا پڑے، اسی وجہ سے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ امام نماز میں مسنون مقدار سے کم قرأت نہ کرے، ہاں اگر کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے تو پھر مسنون مقدار سے کم قرأت کرسکتا ہے۔

واقعۂ معاذؓ کا خلاصہ

حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عشاء کی نماز میں امامت کرتے ہوئے سورۂ بقرہ کی تلاوت شروع کردی، ایک مقتدی صحابی جو دن بھر کے تھکے ماندے تھے جماعت سے نکل آئے اور جماعت سے الگ ہو کر تنہا نماز ادا کی اور انھوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت معاذؓ کی شکایت کی کہ یارسول اللہ! حضرت معاذ بن جبل اتنی لمبی قرأت کرتے ہیں کہ لوگ نفرت کرنے لگتے ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "يَا مُعاذُ! أفتّانٌ؟ اے معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرتے ہو؟" آپؐ نے یہ جملہ حضرت معاذؓ سے تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: دیکھو جب تم عشاء کی نماز کی امامت کرو تو اس میں سورۂ والشمس، والضحیٰ، سبح اسم، سورۂ اقرأ اور واللیل وغیرہ پڑھا کرو۔ (شامی/۲/۳۰۵)

شرنبلالیہ کے قول پر علامہ شامی کا اعتراض

شرنبلالیہ کا قول کہ امام مقتدیوں میں سب سے زیادہ کمزور کی نماز سے زیادہ لمبی قرأت نہ کرے، گو قرأت مسنونہ سے کم ہو جائے۔ اس پر علامہ شامیؒ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی؛ بلکہ اس حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مقدار مسنون سے زیادہ قرأت نہ کرے، اس لئے کہ حدیث شریف میں صراحت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورتوں کا نام لے کر بتایا ہے کہ فلاں فلاں سورتیں پڑھا کرو۔ اور جن سورتوں کا آپ نے نام لیا ہے وہ عشاء کی نماز میں مسنون ہیں۔ اور محقق ابن الہمام کے قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ مسنون مقدار سے کم قرأت نہ کی جائے۔ ہاں اگر کوئی شدید ضرورت ہو تو اس وقت مسنون مقدار سے کم قرأت کرنے کی گنجائش ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ضعیف و کمزور کی رعایت میں قرأت مسنونہ میں کمی کردی جائے۔ (شامی/۲/۳۰۵)

فجر کی نماز میں معوذتین کی قرأت

چونکہ ضرورت کے وقت قرأت مسنونہ سے کم قرأت کرنے کی اجازت وگنجائش ہے، چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بسندِ صحیح یہ ثابت ہے کہ آپ نے فجر کی نماز میں "قل أعوذ برب الفلق" پہلی رکعت میں اور دوسری رکعت میں "قل أعوذ برب الناس" کی قرأت کی، جب آپؐ نے بچوں کے رونے کی آواز سنی۔ (مطلب یہ ہے کہ فجر میں طوالِ مفصل کی قرأت مسنون ہے لیکن آپ نے اس خیال سے کہ کہیں بچہ کی ماں بچے کے رونے کی وجہ سے گھبرا نہ اُٹھے، آپؐ نے معوذتین کی قرأت کی۔ اس واقعہ سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت قرأت مسنونہ کی جگہ چھوٹی سورتوں کے پڑھنے کی گنجائش اور اجازت ہے۔ (شامی/۲/۳۰۵)

عورتوں کی جماعت وامامت کا شرعی حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صرف عورتوں کی جماعت مکروہِ تحریمی ہے، اگرچہ تراویح کی جماعت ہی کیوں نہ ہو؛ البتہ نمازِ جنازہ میں صرف عورتوں کی جماعت مکروہِ تحریمی نہیں ہے، چنانچہ صرف عورتیں جنازہ کی نماز کی جماعت کر سکتی ہیں، اس لئے کہ جنازہ کی نماز دوبارہ مشروع نہیں ہے؛ بلکہ صرف ایک بار ادا ہوتی ہے، لہٰذا اگر ساری عورتیں اکیلی نمازِ جنازہ ادا کریں گی تو اس صورت میں ایک عورت کے نماز پڑھنے سے دوسری عورتوں کی نماز فوت ہو جائے گی، اسلئے کہ دوبارہ جنازہ کی نماز مکروہ ہے۔

نمازِ جنازہ میں عورتوں کی امامت کا حکم

اگر نمازِ جنازہ میں عورتوں نے مردوں کی امامت کی اور مرد حضرات مقتدی رہے تو اب یہ نماز لوٹائی نہیں جائے گی، اس لئے کہ عورت کے نماز پڑھنے سے بھی فرض ساقط ہو جائے گا، لہٰذا اب دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، اس صورت میں صرف عورتوں کی نماز ہوگی، اور مردوں کی نماز سرے سے ہوگی ہی نہیں۔ اور اگر جنازہ کی نماز میں امامت مرد نے کی اور مقتدی مرد اور عورت دونوں تھے درمیان میں کسی عذر کیوجہ سے امام نے عورت کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیا تو اس صورت میں تمام لوگوں کی نماز فاسد ہو جائے گی اور جنازہ کی نماز دوبارہ پڑھی جائے گی۔ (اور اس صورت میں تمام مقتدیوں کی نماز اس لئے فاسد ہو جائے گی کہ امام نے اس کو خلیفہ بنا دیا جو امامت کے لائق نہیں تھی، اور امام خود اس عورت کا مقتدی ہو گیا، لہٰذا اس اقتداء کی وجہ سے امام کی نماز فاسد ہو گئی اور جب امام کی نماز نہ ہوئی تو مقتدیوں کی نماز بدرجۂ اولیٰ نہ ہوگی۔ (شامی/۲/۳۰۶)

عورت امام کہاں کھڑی ہوگی؟

جب عورتوں کی جماعت مکروہِ تحریمی ہے تو الگ سے انہیں جماعت نہیں کرنی چاہئے، لیکن اگر مکروہ تحریمی ہونے کے باوجود عورتیں اپنی جماعت الگ کریں تو ان عورتوں کا جو امام ہو وہ ان کے درمیان میں کھڑی ہوگی۔ مردوں کی طرح آگے کھڑی نہیں ہوگی۔ لیکن اگر امام عورت آگے بڑھ کر مردوں کی طرح کھڑی ہوگی تو گناہ گار ہوگی، ہاں اگر عورتوں کا امام کوئی خنثیٰ ہو تو وہ ان عورتوں کی امامت آگے بڑھ کر کر سکتا ہے۔

صرف عورتوں کی جماعت میں اگر امام عورت ہو تو درمیان صف میں اس طرح کھڑی ہوگی جیسے ننگے آدمیوں کی اگر جماعت ہو تو ان کا امام صف کے درمیان میں کھڑا ہوتا ہے، مقتدیوں سے آگے بڑھ کر کھڑا نہ ہوگا، مگر ننگوں کی جماعت جس کا امام بھی ننگا ہو مکروہ تحریمی ہے۔ (یہاں عورتوں کی جماعت کو ننگوں کی جماعت کے ساتھ تشبیہ دی ہے، صرف صف کے درمیان کھڑے ہونے میں، ہر اعتبار سے تشبیہ دینا مقصود نہیں ہے، چنانچہ ننگوں کے لئے بیٹھ کر نماز ادا کرنا افضل ہے اور عورتیں کھڑی ہو کر نماز ادا کریں گی)۔ (شامی/۲/۳۰۷)

مسئلہ: اگر صرف عورتوں کی جماعت ہو تو عورت امام کا درمیان صف میں کھڑا ہونا واجب ہے، جیسا کہ فتح القدیر میں اسکی صراحت ہے۔ اور عورت امام کے درمیان صف میں کھڑے ہونے سے کراہت ختم نہ ہوگی؛ بلکہ کراہت تحریمی علی حالہ باقی رہے گی۔ ومع ہذا عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی رہے گی۔ درمیان صف میں کھڑے ہونے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ اس میں کراہت کم ہے آگے کھڑے ہونے کے مقابلہ میں۔ (شامی/۲/۳۰۶)

وَ يكرَهُ حُضورهُنَّ الجَماعَةَ ولَو لِجمعةٍ وعِيدٍ ووعظٍ مُطلقًا ولَو عَجُوزًا لَيلًا علَى المَذهبِ المُفتىٰ به، لِفسَادِ الزّمانِ، واستثنى الكَمالُ بحثًا العجائز المُتفانِية، كَمَا تكرهُ إمامةُ الرّجُلِ لهُنّ في بَيتٍ لَيسَ معهُنّ رجُلٌ غيرُهُ ولاَ مُحرِمٍ مِنهُ كاختِهٖ وزَوجتِهٖ أو أمتِهٖ، أمّا إذا كانَ معهُنّ واحدٌ مِمّن ذُكر أو أمهُنّ فِي المسجدِ لايكرَهُ، بحر. وَ يَقفُ الواحِدُ ولَو صَبِيًا، امّا الواحِدةُ فتتَاخرُ مُحاذِيًا اى مُساويًا لِيمِينِ إمامِهٖ علَى المَذهَبِ، ولاَ عِبرَةَ بِالرّاسِ بَل بالقَدَمِ، فلَو صغِيرًا فالأصحُ مَا لَم يتقَدّمْ أكثرُ قدمِ المُؤتمّ لاتفسُدُ، فلَو وقفَ عَن يَسارِهٖ كرهَ، اتفاقًا وكَذا يكرَهُ خَلفَهُ علَى الأصحِّ لِمُخالفةِ السُّنّةِ وَالزّائدُ يقِفُ خلفَهُ فلَو توَسّطَ إثنَينِ كرهَ تنزِيهًا وتحرِيمًا لو أكثر، ولَو قامَ واحِدٌ بجنبِ الإمامِ وخَلفَهُ صفٌّ كرهَ إجماعًا.

ويصفّ اى يصفّهمُ الإمامُ بان يأمُرَهُمْ بذالك، قالَ الشمني: وَيَنبغِي أن يأمُرهُم بان يتراصَوا ويسُدُّوا الخَللَ ويُسَوُّوا مَناكِبهُمْ، ويَقِفُ وسطًا، وخَيرُ صُفوفِ الرِّجالِ اولُها فِي غيرجَنازةٍ، ثُمّ، وثُمّ، ولَو صَلّى عَلى رفُوفِ المَسجدِ إنْ وجدَ فِي صِحنِهِ مكانًا كرهَ كَقِيامِهِ فِى صفٍّ خلفَ صفٍّ فِيهِ فُرجةٌ. قُلتُ: وبالكَراهةِ أيضًا صرّحَ الشَافعيةُ. قالَ السُّيوطِي فِي "بسطُ الكَفِّ فِي إتمامِ الصفِّ": وهٰذا الفِعلُ مفوتٌ لِفضِيلةِ الجماعَةِ الّذِى هُو التضعِيفُ لاَ لأصلِ بركةِ الجَماعَةِ. فتضعِيفُها غير بركتهَا، وبركتُها هِى عودُ بركةِ الكامِلِ مِنهُمْ علَى النّاقصِ انتهىٰ. ولَو وجدَ فُرجةً فِي الأوّلِ لا الثّانِي لهُ خرق الثّانِي لتقصِيرِهِم، وفِي الحَديثِ: "مَن سدّ فُرجةً غُفِرَ لهُ". وصحّ: "خِيارُكُمْ ألينُكُم مناكِبَ فِي الصَّلاةِ". وبهٰذا يُعلمُ جهلُ مَن يستَمسِكُ عِندَ دُخولِ داخل بجَنبِهِ فِي الصفِّ ويظُنّ انّهُ رِياء، كمَا بسطَ فِي البحرِ، لكِن نقلَ المُصنّفُ وغيرهُ عَن القُنيَةِ وغيرِها مَا يُخالِفُه، ثُمّ نقلَ تصحِيحَ عدمِ الفَسادِ فِي مسالةِ مَن جَذبَ مِن الصفِّ فتاخر، فهل ثم فرق؟ فليحرر الرجالَ ظَاهِرُهُ يعُمُّ العَبيدَ ثُمّ الصّبيان ظاهِرُهُ تعدُّدُهُم، فلَو واحِدًا دخلَ فِي الصّف، ثُمّ خُنالى ثُمّ النِّسَاء، قَالُوا: الصُّفُوفُ المُمكنَةُ إثنَا عَشَر، لكِن لاَيلزَمُ صحّةُ كُلِّها لِمُعاملَةِ الخُنالى بالأضرِّ.

عورتوں کا جماعت میں شریک ہونے کا شرعی حکم

ترجمہ وتشریح اب یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ عورتوں کے جماعت میں شریک ہونے کا شرعی حکم بیان فرمارہے ہیں، چنانچہ موصوف فرماتے ہیں کہ عورتوں کا جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں حاضر ہونا مکروہ ہے، اگر چہ یہ حاضری جمعہ کی نماز کے لئے، یا عیدین کی نماز کے لئے، یا کسی وعظ ونصیحت کی مجلس میں کیوں نہ ہو۔ ان میں سے ہر جگہ عورتوں کے لئے حاضر ہونا مکروہ ہے، پھر حاضر ہونے والی عورت خواہ جوان ہو، خواہ بوڑھی، رات کا وقت ہو یا دن کا وقت ہو، علی الاطلاق عورتوں کے لئے جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے، زمانے کے بگاڑ کی وجہ سے مفتی بہ قول یہی ہے۔ البتہ محقق ابن الہمام نے ان بوڑھی عورتوں کا استثناء کیا ہے جو بالکل اپنی عمر کے اعتبار سے اخیر تک پہنچ چکی ہوں۔

متاخرین علماءِ کرام کا فتویٰ

آسمانِ فقہ وفتاویٰ کے روشن فقیہ، حضرت علامہ ابن نجیم مصری، صاحب البحر الرائق نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ فتویٰ کہ

بوڑھی عورتوں کو بھی جماعت میں شریک ہونا علی الاطلاق مکروہ ہے اور متاخرین فقہاء نے اس پر اعتماد کیا ہے، یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے مذہب کے خلاف ہے، اس لئے کہ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرات صاحبین سے منقول ہے کہ نوجوان عورتوں کو جماعت میں شریک ہونے سے علی الاطلاق روکا جائے گا اور یہ متفقہ مسئلہ ہے، مگر بوڑھی عورتوں کو علی الاطلاق جماعت میں شرکت سے منع نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ ظہر، عصر اور جمعہ کی نماز کے علاوہ دوسری نمازوں میں بوڑھی عورتوں کو جماعت میں شرکت کی اجازت ہوگی۔ اور حضرات صاحبین کے نزدیک تو علی الاطلاق بوڑی عورتوں کو جماعت میں شرکت کی اجازت ہوگی، لہٰذا علی الاطلاق بوڑی عورتوں کو بھی جماعت میں شرکت سے روک دینا مذہب کی روایت کے خلاف ہے؛ لہٰذا قابل اعتماد قول حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ہے، لیکن نہر الفائق میں ہے کہ یہ محل نظر ہے، اس لئے کہ متاخرین علماء کا قول بھی درحقیقت امام صاحب ہی کے قول سے ماخوذ ہے، اور وہ یہ ہے کہ عورتوں کو جماعت میں شرکت سے روکا جائے گا، فساد پیدا ہونے کے خوف کے وقت۔ (شامی/۲/۳۰۷)

کیا مرد صرف تنہا عورتوں کی امامت کرسکتا ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر عورتیں ایسے گھر میں جمع ہوں جہاں اس مرد کے علاوہ کوئی دوسرا مرد نہ ہو اور وہاں نہ کوئی محرم ہو، جیسے: اس کی بہن، یا اس کی بیوی، یا اس کی باندی، تو ایسے گھر میں تن تنہا مرد کے لئے عورتوں کی امامت کرنا مکروہ ہے؛ البتہ اگر اس جماعت میں کوئی دوسرا مرد بھی شامل ہو، یا ان عورتوں کی امامت مرد مسجد میں کررہا ہو تو مکروہ نہیں ہے؛ بلکہ جائز ہے۔ جیسا کہ البحر الرائق میں یہ مسئلہ لکھا ہے۔ اس صورت میں کراہت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خلوت مع الاجنبیہ لازم نہیں آرہی ہے۔ اسی لئے بعض علماء نے اس صورت میں یہ شرط لگائی ہے کہ مسجد کا دروازہ کھلا ہو۔ اور جماعت درمیان مسجد میں ہورہی ہو، مسجد کے کسی گوشے میں نہ ہو، اگر جماعت مسجد کے گوشے میں ہو تو پھر مکروہ ہے، الا یہ کہ کوئی محرم عورت ہو۔

صف بندی کرنے کا اصول وطریقہ

اگر مقتدی صرف ایک ہو، خواہ نابالغ بچہ ہی کیوں نہ ہو تو اس کو اپنے امام کی دائیں جانب بغل میں کھڑا ہونا چاہئے۔ اس مسئلہ میں قوی مذہب یہی ہے۔ (حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر مقتدی صرف ایک ہو تو امام کے اس قدر پیچھے ہو کہ اس کی انگلیاں امام کی ایڑی کے برابر ہوں۔ صاحب درمختار علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ مقتدی ایک عورت ہو تو وہ امام کے پیچھے کھڑی ہوگی)۔ (حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مقتدی ایک مرد اور ایک عورت ہو تو مرد امام کی دائیں جانب اور عورت ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہوگی۔ اور اگر جماعت میں دو مرد اور ایک عورت ہو تو اس صورت میں یہ دونوں مرد اپنے

امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے اور عورت ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہوگی)۔ (شامی/۲/۳۰۷)

شارح تنویر الابصار فرماتے ہیں کہ آگے پیچھے کھڑے ہونے میں قدم کا اعتبار ہوتا ہے سر کا نہیں۔ (چنانچہ اگر سجدہ کرنے میں مقتدی کا سر امام کے سر سے آگے بڑھ جائے اور امام کا سر پیچھے رہ جائے تو اسمیں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ مقتدی کا قدم امام کے قدم سے پیچھے ہو۔ اور اگر امام کا قدم مقتدی کے قدم سے چھوٹا ہو تو اس صورت میں جب تک مقتدی کے قدم کا اکثر حصہ امام کے قدم سے آگے نہ ہوگا مقتدی حضرات کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ نکلا کہ ایڑی کا اعتبار ہے، پنجوں کا اعتبار نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف پنجوں کے آگے ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔

امام کے بائیں جانب کھڑا ہونا

اگر صرف ایک مقتدی ہو تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اپنے امام کے دائیں جانب بغل میں کھڑا ہو، لیکن اگر کوئی شخص دائیں جانب کے بجائے بائیں جانب کھڑا ہوگا تو یہ مکروہ تنزیہی ہوگا اور یہ متفقہ مسئلہ ہے اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح اگر صرف ایک مقتدی ہو اور امام کے پیچھے کھڑا ہو تو اصح ترین قول کے مطابق یہ بھی مکروہ تنزیہی ہے، اس لئے کہ اس نے سنت طریقہ کی مخالفت کی ہے۔

(''کافی'' نامی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک مقتدی کا امام کے پیچھے کھڑا ہونا جائز ہے، لیکن ایسا کرنا برا ہے۔ زیلعی نے بھی حضرت امام محمدؒ سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ اور اساءت کا درجہ کراہت تحریمی سے کم اور کراہت تنزیہی سے زیادہ ہے)۔
(شامی/۲/۳۰۸)

اگر مقتدی ایک سے زیادہ ہوں تو کس طرح صف بندی کی جائے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر مقتدی ایک سے زیادہ ہوں تو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے، پس اگر مقتدی دو ہوں اور امام آگے کھڑے ہونے کے بجائے ان دونوں کے درمیان میں کھڑا ہوگا تو مکروہ تنزیہی ہوگا۔ اور اگر مقتدی دو سے زیادہ ہوں اور امام ان کے بیچ میں کھڑا ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔ (حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ مقتدی ہونے کی صورت میں امام کا آگے بڑھ کر امامت کرانا واجب ہے، جیسا کہ ہدایہ اور فتح القدیر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے)۔ (شامی/۲/۳۰۹)

اگر کوئی شخص امام کے بغل میں آکر کھڑا ہو جائے اور امام کے پیچھے صف لگی ہو تو اس طرح صف چھوڑ کر امام کے پہلو میں کھڑا ہونا بالاجماع مکروہ ہے۔ (اور یہ کراہت صرف مقتدی کے لئے ہے، امام کے لئے کوئی کراہت نہیں ہے۔ اور اگر مقتدی

الٹے پاؤں پیچھے ہٹ کر صف کے ساتھ مل گیا تو پھر اس صورت میں کراہت ختم ہو جائے گی)۔ (شامی/۲/۳۰۹)

مسئلہ: ایک امام اور ایک مقتدی دونوں ایک ساتھ کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے کہ ایک دوسرا مقتدی آ گیا اور ان کے ساتھ شریک ہو گیا تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ امام سجدے کی جگہ سے آگے بڑھ جائے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ مقتدی پیچھے ہٹے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ دوسرا مقتدی نیت باندھ کر پہلے مقتدی کو پیچھے کرے۔ اور اگر دوسرا مقتدی آ کر امام کے بائیں جانب شریک ہو جائے تو امام کو چاہئے کہ ان دونوں کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کرے۔ اور مقتدیوں کو چاہئے کہ پیچھے ہٹ جائیں۔ مسلم شریف کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک غزوہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تشریف لے گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو یہ آ کر بائیں طرف کھڑے ہو گئے، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے میرا ہاتھ پکڑ کر بائیں سے دائیں جانب کر دیا، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ آ گئے اور وہ آپ کے بائیں جانب بغل میں کھڑے ہو گئے، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کو اپنے پیچھے کر دیا اور ہم نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔ (شامی/۲/۳۰۹)

مسئلہ: امام کا تنہا کسی اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر امامت کرنا مکروہ ہے، ہاں اگر امام کے ساتھ کوئی دوسرا مقتدی بھی شریک ہے، امام اکیلا اونچی جگہ پر نہیں ہے تو پھر مکروہ نہیں ہے۔ (شامی/۲/۳۰۹)

صف بندی کے وقت امام کی ذمہ داری

شارح تنویر الابصار علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ امام تمام مقتدیوں کی صفت کھڑی کر کے ان کو بالکل سیدھا کھڑا ہونے کا حکم کرے گا۔ علامہ شمنی نے لکھا ہے کہ امام کے لئے مناسب ہے کہ وہ مقتدیوں سے کہے کہ تم لوگ ایک دوسرے سے مل کر آپس میں کھڑے ہو، درمیانی خلاء کو پر کرو، اور تمام مقتدی اپنے اپنے شانوں کو برابر رکھیں، آپس میں ملا کر رکھیں۔ اور امام صفوں کے درمیان اس طرح کھڑا ہوگا کہ اس کے دائیں اور بائیں دونوں طرف صف برابر ہو۔ (علامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں لکھا ہے کہ امام کا محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے تاکہ دونوں طرف صفیں برابر ہوں۔ اور اگر امام صف کے درمیان میں کھڑا نہ ہو؛ بلکہ کسی ایک طرف کھڑا ہو تو یہ مکروہ ہے۔ (شامی/۲/۳۱۰)

مردوں کے لئے بہترین صف پہلی صف ہے

نماز جنازہ کے علاوہ دوسری نمازوں میں مردوں کی صفوں میں سب سے بہترین صف پہلی صف ہے، پھر دوسری صف ہے، پھر تیسری صف ہے، اسی طرح اخیر تک۔ (مردوں کی صفوں میں سب سے بہترین صف پہلی صف اس لئے ہے کہ

حدیثوں میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں اور برکتوں کو جماعت پر نازل کرتا ہے تو سب سے پہلے امام پر نازل ہوتی ہیں، اس کے بعد اس شخص پر نازل ہوتی ہیں جو امام کی سیدھ میں صفِ اوّل میں رہتا ہے، پھر داہنی طرف والوں پر، پھر بائیں طرف والوں پر، پھر صف اوّل کے بعد دوسری صف والوں پر رحمت نازل ہوتی ہے؛ البتہ نمازِ جنازہ میں سب سے بہترین صف پچھلی صف کو کہا گیا ہے، اس لئے کہ جنازہ میں صفوں کی زیادتی مطلوب ہے، تو اگر پہلی صف کو بہتر قرار دیدیا جاتا تو لوگوں کے کم ہونے کی صورت میں کوئی بھی شخص پیچھے کھڑا ہونا گوارہ نہیں کرتا)۔ (شامی/۲/۳۱۰)

ایذاء پہنچنے کی صورت میں صفِ اوّل چھوڑنے کی فضیلت

معراج الدرایہ میں ہے کہ اگر کسی کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں آخر صف میں کھڑا ہونا افضل ہے، اس لئے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی مسلمان کی تکلیف پہنچنے کے ڈر سے صف اوّل کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ اس کو صف اوّل میں نماز پڑھنے سے دوگنا ثواب عطا فرمائے گا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا یہی مسلک ہے۔ اور کراہت اس صورت میں ہے جب کہ صف اوّل کو بلا ضرورت چھوڑ دے۔ (شامی/۲/۳۱۰)

مسجد کی طاق میں کھڑا ہو کر نماز پڑھنے کا حکم

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صحن مسجد میں جگہ ہوتے ہوئے مسجد کے طاق میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے، جس طرح کہ اگلی صف میں جگہ رہنے کے باوجود پچھلی صف میں کھڑا ہونا مکروہِ تحریمی ہے، اس لئے کہ اس کی وجہ سے صفوں کے نظام میں خلل پڑتا ہے۔ ہاں اگر کوئی مجبوری ہو تو پچھلی صف میں کھڑے ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جیسے کہ اگر مکبّر ہو تو پچھلی صف میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ حضرات شوافع نے بھی کراہت کی تصریح کی ہے، یعنی اگلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے پچھلی صف میں کھڑے ہونے کو شوافع نے بھی مکروہ لکھا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب "بسط الکف فی اتمام الصف" میں لکھا ہے کہ صف میں جگہ چھوڑنا جماعت کے ثواب کو فوت کرنا ہے، جس میں کئی گنا ثواب ہوتا ہے، البتہ اصل جماعت کی برکت اس کو بھی حاصل ہو جاتی ہے، اضافۂ ثواب سے محروم رہتا ہے۔ جماعت کی برکت الگ چیز ہے اور اس کا اضافہ ہونا الگ چیز ہے۔ اور جماعت کی برکت یہ ہے کہ کامل شخص پر اُترتی ہے، پھر ناقص کے حصہ میں چلی آتی ہے۔ (حدیث شریف میں ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جماعت سے جو نماز پڑھی جائے گی اس کا ثواب ستائیس یا پچیس گنا زیادہ ہوتا ہے، اس نماز کے مقابلہ میں جو گھر میں ادا کی جاتی ہے۔ اگلی صف میں جگہ چھوڑنے والے کو یہ ثواب نہیں ملے گا؛ البتہ نفس جماعت کی برکت اور ثواب مل جائے گا)۔

صفوں کو چیر کر صفِ اوّل کو پُر کرنے کا حکم

حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر آنے والا شخص یہ دیکھے کہ پہلی صف میں جگہ خالی ہے، مگر دوسری صف بالکل پر ہے، کہیں بھی جگہ نہیں ہے تو اس آنے والے شخص کے لئے اجازت ہے کہ وہ دوسری صف کو چیر کر پہلی صف میں اس جگہ پہنچ جائے جہاں جگہ خالی ہے، اسلئے کہ اس میں دوسری صف والوں کی کوتاہی ہے کہ انھوں نے اگلی صف کو پر نہیں کیا اور جگہ خالی چھوڑ دی، اس لئے دوسری صف کو چیر کر اگلی صف میں جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ حدیث شریف میں اس کی اجازت ہے، چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اگلی صف کی جگہ کو بھرے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیں گے۔ نیز حدیث شریف میں بسندِ صحیح یہ بھی مروی ہے کہ تم میں بہتر وہ شخص ہے جو نماز میں نرم شانہ رکھتا ہو، یعنی اگر کوئی شخص صف میں داخل ہونے کے لئے شانوں پر ہاتھ رکھے تو شانے کو نرم کردے اور اس کو جگہ دیدے۔ اور اس سے اس شخص کی جہالت کا بھی پتہ چلتا ہے جو کسی داخل ہونے والے کو اپنے بازو سے صف کے اندر داخل ہونے سے روک دے اور یہ گمان کرے کہ اس کی ریاء کاری ہے، جیسا کہ البحر الرائق میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

صف سے نمازی کو پیچھے کرنا

لیکن حضرت مصنف علیہ الرحمہ اور دوسرے علماء نے "قنیہ" نامی کتاب اور دوسری کتابوں سے اس اوپر والے قول کی مخالفت کی ہے۔ اور صاحب قنیہ کی موافقت کی ہے کہ اگر کسی شخص نے صف میں کھڑے آدمی کو پیچھے ہٹایا اور وہ ہٹ گیا تو اس سے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ اس نے نماز کے اندر دوسرے کی بات مانی ہے، جو نماز کے اندر داخل نہیں تھا، لیکن شارح علیہ الرحمہ نے یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر کسی شخص کو صف سے پیچھے کھینچا گیا اور وہ پیچھے ہٹ آیا تو اس سے اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

اب سوال یہ ہے کہ اوپر والے مسئلہ اور اس مسئلہ میں کیا فرق ہے؟ ایک صورت میں نماز فاسد ہو رہی ہے، اور ایک صورت میں نماز فاسد نہیں ہو رہی ہے؟ اس مسئلے کی تنقیح ہونی چاہئے۔ (پہلے مسئلہ میں نماز اس لئے فاسد ہوگی کہ ایک غیر نمازی کی بات نماز کے اندر مانی گئی ہے اور اگر وہ نمازی آنے والے کے حکم سے نہیں؛ بلکہ اس کو آتا دیکھ کر خود بخود جگہ دیدے اور اپنی جگہ سے کھسک جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور دونوں مسئلوں میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر ان دونوں صورتوں میں ہٹنے والا یہ خیال کرے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرماں برداری میں ایسا کر رہا ہے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی)۔ (شامی/۲/۳۱۳)

صفوں کی ترتیب شرعی

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نماز پنج گانہ میں صفوں کی ترتیب اس طرح ہوگی کہ امام کے پیچھے پہلے مردوں کی صف ہوگی، اس کے اندر غلام بھی داخل ہیں، یعنی مرد خواہ آزاد ہو یا غلام، پہلے اس کی صف ہوگی، مردوں کی صفوں کے بعد نابالغ بچوں کی صفیں ہوں گی۔ اور یہ حکم اس صورت میں ہے جب بچوں کی تعداد ایک سے زائد ہو۔ اور اگر صرف ایک ہی بچہ ہو تو وہ تنہا الگ صف میں نہیں کھڑا ہوگا؛ بلکہ وہ بالغ مردوں کی صف میں مل کر کھڑا ہوگا، پھر بچوں کی صفوں کے بعد خنثیٰ کی صفیں ہوں گی، پھر ان کی صفوں کے بعد سب سے اخیر میں عورتوں کی صفیں ہوں گی۔ حضرات فقہاءِ کرام نے لکھا ہے کہ جن صفوں کا ہونا ممکن ہے وہ کل بارہ بارہ صفیں ہوسکتی ہیں، لیکن ان تمام صفوں کا درست ہونا لازم نہیں ہے، اس لئے کہ خنثیٰ کا معاملہ صفوں کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔

بارہ صفوں کی تفصیل

ممکنہ صفیں کل بارہ ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱- آزاد بالغ مردوں کی صف۔ ۲- نابالغ آزاد لڑکوں کی صف۔ ۳- بالغ غلام کی صف۔

۴- نابالغ غلام کی صف۔ ۵- آزاد بالغ خنثیٰ کی صف۔ ۶- آزاد نابالغ خنثیٰ کی صف۔

۷- بالغ غلام خنثیٰ کی صف۔ ۸- نابالغ غلام خنثیٰ کی صف۔ ۹- آزاد بالغ عورتوں کی صف۔

۱۰- آزاد نابالغ عورتوں کی صف۔ ۱۱- بالغ باندیوں کی صف۔ ۱۲- نابالغ باندیوں کی صف۔

مگر خنثیٰ کے متعلق یہ معلوم نہیں ہے کہ کون مرد کے حکم میں ہے اور کون عورت کے حکم میں ہے؟ اس لئے خنثیٰ کا خنثیٰ کے برابر یا اس کے پیچھے کھڑا ہونا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ اگلی صف میں جو خنثیٰ ہے وہ عورت کے حکم میں ہو اور پچھلی صف والا مرد کے حکم میں ہو۔ اسی طرح برابر کی صورت میں یہ احتمال ہے کہ ایک مرد ہو اور ایک عورت، اس لئے علامہ شامی نے یہ حل نکالا ہے کہ تمام بالغ خنثوں کو ایک صف میں اس طرح کھڑا کیا جائے کہ ہر دو کے درمیان کوئی آڑ ہو یا درمیان میں کوئی فصل ہو، اس لئے کہ دونوں کا برابر کھڑا ہونا ایک دوسرے کے لئے مضر ہے۔ (شامی/۲/۳۱۴)

وَ إِذَا حَاضَتْهُ وَلَو بِعُضوٍ واحِدٍ، وخصّهُ الزّيلعِي بالسّاقِ والكَعبِ إمرأةٌ ولَو أمة مُشتهاةٌ حالاً كَبنتِ تِسعٍ مُطلقًا، وثَمانٍ وسَبعٍ لَو ضَخمَةً، او مَاضِيًا كَعجُوزٍ ولَا حائِل بينَهُما أقلّهُ

قَدرُ ذِراعٍ فِي غِلظِ إصبعٍ، أو فرجة تسع رجلاً فِي صلاةٍ وإنْ لَم تَتّحِد كَنيّتِها ظُهرًا بِمصلِّي عَصرٍ علَى الصحِيحِ، سراج. فإنّهُ يصحُّ نفلاً علَى المَذهَبِ، بحر. وسيجِيء مُطلقةً خرجَ الجَنازَةُ مُشتركَةً فَمُحاذَاةُ المُصلّيةِ لِمصلّ لَيسَ فِي صلاتِها مَكرُوهةٌ لَا مُفسِدٌ، فتح. تَحرِيمة وإنْ سبقَتْ بِبعضِها وأداء ولَو حُكمًا كَلاحقين بعدَ فَراغِ الإمامِ بخِلافِ المَسبُوقين والمُحاذاةُ فِي الطّريقِ واتحَادِ الجِهةِ فَلَو اختلَفتْ كمَا فِي جَوفِ الكَعبَةِ وَليلةٍ مُظلِمةٍ فَلافَسَادَ، فسدَتْ صلاتُهُ لَو مُكلّفًا، وإلّا لا إنْ نوىٰ الإمام وقتَ شُروعِهِ لَابعدَهُ، إمامَتَها وإن لَم تكُنْ حاضِرةً علَى الظّاهِرِ، ولَو نَوىٰ إمرأةً معيّنةً أو النّساءَ إلّا هٰذهِ علمت نيتهُ، وإلّا ينوِها فَسدَتْ صلاتُها كَمَا لَو اشارَ إليهَا بالتّأخِيرِ فَلَمْ تتاخّر لِتَركِها فرضَ المَقامِ، فتح. وشرطُوا كونَها عاقِلةً وكونَهُما فِي مكانٍ واحدٍ فِي رُكنٍ كاملٍ فالشّـروطُ عشـرةٌ، ومُحـاذاةُ الأمـرَدِ والصّبيحِ المُشتهِي لَايُفسدُها علَى المَذهبِ تضعيفٌ لِمَا فِي جامعِ المحبُوبِي ودُررِ البِحارِ مِن الفَسادِ، لأنّه فِي المَرأة غير معلُـولٍ بالشّهوَةِ، بَل بِترَكِ فرضِ المَقامِ كمَا حقّقهُ إبنُ الهُمام، ولَايصِحُّ إقتداءُ رجُلٍ بِامرَأةٍ وخُنثى وصبِيٍ مُطلقًا ولَو فِي جَنازةٍ ونفلٍ علَى الأصحّ، وكَذَا لايصِحُّ الإقتِداءُ بمَجنُونٍ مُطبقٍ أو مُتقطّعٍ فِي غير حالَةِ إفاقَتِهِ وسكرانَ أو معتُوهٍ، ذكرَهُ الحَلبِي. ولَا طاهِرٍ بِمعذُورٍ هٰذا إنْ قارنَ الوُضوءُ الحدثَ أو طرأ عليهِ بعدَهُ وصحَّ لَو توضأ علَى الإنقِطاعِ وصلّى كَذالكَ كإقتِداء بمُفتصدٍ أمن خروجَ الدّمِ، وكإقتِداء إمرأةٍ بِمثلِهَا، وصبِي بمِثلِهِ، ومعذُورٍ بمِثلِهِ، وَ ذِي عُذرَينِ بذِي عُذرٍ، لاعَكسُهُ كَذِي إنفلاتِ ريحٍ بذِي سلسٍ، لأنّ معَ الإمامِ حدثًا ونجاسة، ومَا فِي المُجتبىٰ الإقتدَاءُ بالمُماثِلِ صحيحٌ إلّا لثلاثة: الخُنثى المُشكل، والضّالّةُ، والمُستَحاضَةُ، أى لإحتِمالِ الحَيضِ فلَو انتفى صحّ، وَ لَا حافظ آيةٍ مِن القرآنِ بغَيرِ حافظٍ لهَا وهُو الأمّي بأخرسَ لقُدرةِ الأُمّي علَى التّحريمَةِ فصحّ عكسُهُ، ولا مُستور عورة بعارٍ فلَو أمّ العَارِي عُريانًا و لَابِسينَ فصلَاةُ الإمامِ وممالثُهُ جائـزةٌ إتّفاقًا، وكـذا ذُو جرحٍ بمِثلِهِ وبصحِيحٍ، ولَا قادِرٍ علىٰ رُكوعٍ وسُجُودٍ بعاجزٍ عَنهُمَا لِبنَاءِ القَـوِي علَى الضّعِيفِ، ولَا مُفترِضٍ بمُتنفِّلٍ وبِمُفترِضٍ فرضًا آخرَ لأنّ إتّحادَ الصّلاتَين شَرطٌ عِندَنا،

وصحّ أنّ مُعاذًا كانَ يُصلِّي مـعَ النّبي صَلّى اللّٰهُ عليهِ وسلّمَ نفلاً وبقومِـهٖ فرضًـا، وَ لاَ نَاذِر بمُتنَفِّلٍ، وَلاَ بمُتفرضٍ وَلاَ بِنَاذِرٍ لأنّ كُلاًّ مِنهُما كَمُفترضٍ فرضًا آخرَ، إلاَّ إذَا نَذرَ احدُهُما عينَ مَنذُورِ الآخرِ للإتّحادِ، وَ لاَ نَاذِر بِحالِفٍ لأنّ المَنذُورةَ أقوىٰ فصحّ، عكسه، وبحالفٍ وبِمُتنَفِّلٍ، ومُصلِّيَا رَكعتَي طَوافٍ كَناذِرِينِ، ولَو اشترَكَا فِي نَافِلةٍ فأفسَدَاهَا صحّ الإقتِداءُ، لاَ إنْ أفسَداهَا مُنفرِدِينَ، ولَو صَلَّيَا الظُّهرَ ونوىٰ كُلٌّ إمامةَ الآخرِ صحّتْ، لاَ إنْ نويَا الإقتِداءَ، والفَرقُ لاَيخفىٰ.

عورتوں کے محاذاۃ میں ہونے کے مسائل

ترجمہ وتشریح اب یہاں سے صاحب کتاب عورتوں کے محاذات کا مسئلہ بیان فرمارہے ہیں، چنانچہ موصوف فرماتے ہیں کہ جب مشتہاۃ عورت کسی مرد کے محاذات یعنی برابر میں کھڑی ہوجائے، خواہ یہ محاذات ایک عضو ہی کا کیوں نہ ہو اور عورت خواہ باندی ہی کیوں نہ ہو، تو اس صورت میں مرد کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ اور زیلعی نے ثبوتِ محاذات کے لئے پنڈلی اور ٹخنے کے برابر ہونے کا اعتبار کیا ہے، دوسرے عضو کا اعتبار نہیں ہے۔ اور "امرأۃ مشتہاۃ" کا مطلب ایسی عورت ہے جس کی طرف مرد فطری طور پر مائل ہو اور وہ فی الحال قابل جماع ہو، جیسے نو سالہ لڑکی مطلقاً قابل جماع ہوتی ہے، یا آٹھ سالہ اور سات سالہ لڑکی اگر موٹی ہو تو وہ قابل جماع ہوتی ہے، لہٰذا ایسی لڑکی کے محاذات میں ہونے سے نماز فاسد ہوجائے گی، یا محاذات میں ایسی عورت ہو کہ گذشتہ زمانے میں مشتہاۃ رہی ہو، اب مشتہاۃ باقی نہ رہی ہو، جیسے بوڑھی عورت۔

ثبوتِ محاذات کے لئے گیارہ شرطیں

حضراتِ فقہاءِ کرام نے محاذات کے ثبوت کے لئے گیارہ شرطیں بیان فرمائی ہیں جو ذیل میں درج ہیں:

پہلی شرط: ثبوتِ محاذاۃ کے واسطے پہلی شرط یہ ہے کہ جو عورت مرد کے برابر کھڑی ہو وہ ایسی عورت ہو جو جماع کے قابل ہو۔ (اس میں عمر کی کوئی قید نہیں ہے؛ بلکہ اصل قابل جماع ہونا ہے، خواہ عمر کم ہی کیوں نہ ہو، لہٰذا شارح کا آٹھ سال یا نو سال کی قید لگانا لاحاصل ہے)۔

دوسری شرط: مرد و عورت کے درمیان کوئی شئی حائل نہ ہو، اگر مرد و عورت کے درمیان کوئی آڑ موجود ہو تو اس صورت میں محاذات کا ثبوت نہ ہوگا۔ اور مرد و عورت کے درمیان جو آڑ ہو اس کی بلندی کم از کم ایک ہاتھ ہو اور موٹائی ایک

انگشت کے برابر ہو، یا اتنی کشادگی ہو کہ اس میں ایک آدمی کی گنجائش ہو، اگر درمیان میں آڑ یا فاصلہ ہوگا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور فاصلہ کا اعتبار ایک سیدھ میں کھڑے ہونے کی حالت میں ہوتا ہے، آگے پیچھے ہونے کی حالت میں یہ فاصلہ فساد کو نہیں روک سکے گا۔

تیسری شرط: محاذات کی تیسری شرط یہ ہے کہ مرد وعورت دونوں رکوع وسجدہ والی نماز میں ہوں، خواہ وہ نماز عید ہو یا نمازِ وتر یا نفل، اگر چہ صورت کے اعتبار سے دونوں کی نماز متحد نہ ہو، جیسے عورت، ظہر پڑھنے والے مرد کے پیچھے عصر کی نیت سے شامل ہو جائے، تو اس صورت میں اصح قول کے مطابق بشرط محاذات نماز فاسد ہو جائے گی۔ سراج الوہاج میں یہ مسئلہ ایسا ہی مذکور ہے۔ اور البحر الرائق میں ہے کہ عورت کی نماز نفل ہو کر درست قرار پائے گی، یہ مسئلہ عنقریب آنے والا ہے۔ اور یہاں رکوع، سجدہ والی نماز سے نمازِ جنازہ نکل گئی ہے، اس میں محاذات کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور نمازِ جنازہ میں محاذات سے نمازِ جنازہ فاسد نہ ہوگی، اس لئے کہ جنازہ کی نماز دراصل دعاء ہے نماز ہے ہی نہیں۔

چوتھی شرط: محاذات کے ثبوت کے لئے چوتھی شرط یہ ہے کہ مرد وعورت دونوں کی تکبیر تحریمہ مشترک ہو، خواہ تحریمہ آگے پیچھے باندھا گیا ہو، لہٰذا کسی عورت کا جو نماز پڑھ رہی ہو کسی ایسے مرد کے محاذات میں ہونا جو اس کی تحریمہ میں شریک نہ ہو صرف مکروہ تحریمی ہے، مفسد نماز نہیں ہے، فتح القدیر میں ایسا ہی لکھا ہے۔

پانچویں شرط: محاذات کے لئے پانچویں شرط یہ ہے کہ مرد وعورت دونوں اداء نماز میں شریک ہوں، خواہ یہ شرکت حکماً ہی کیوں نہ ہو، جیسے دو لاحق امام کے فارغ ہونے کے بعد اپنی اپنی نماز پوری کر رہے ہوں اس طرح کہ ان میں سے ایک مرد ہو اور دوسری عورت ہو اور یہ دونوں امام کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک سیدھ میں کھڑے ہو کر اپنی اپنی نماز پوری کرنے لگیں تو بھی مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ اس صورت میں دونوں حکماً امام کے پیچھے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر مرد وعورت مسبوق ہوں اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی اپنی نماز ایک سیدھ میں کھڑے ہو کر اداء کریں تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی، اس لئے کہ مسبوق اپنی نماز پوری کرنے میں منفرد کے حکم میں ہوتا ہے، لہٰذا ایسے میں محاذات کو "محاذات فی اداء الصلوٰۃ" نہ کہیں گے۔ اسی طرح اگر عورت اور مرد دونوں کا وضو ٹوٹ گیا ہو اور وضو کرنے کے واسطے گئے ہوں اور ان میں راستے میں محاذات ہو جائے تو اس سے بھی مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر مرد وعورت ایک امام کے مقتدی نہ ہوں؛ بلکہ ایک تو امام کا مقتدی ہو اور دوسرا تنہا نماز ادا کر رہا ہو اور اس میں محاذات ہو جائے تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی، اگرچہ محاذات فی نفسہٖ مکروہ ہے۔

چھٹی شرط: ثبوتِ محاذات کے لئے چھٹی شرط یہ ہے کہ مرد وعورت دونوں کے قبلہ کی جہت ایک ہو، پس اگر

دونوں کی جہت مختلف ہو جیسے کہ کعبہ شریف کے اندر نماز پڑھنے کی صورت میں ہوتی ہے، یا رات کی تاریکی کی وجہ سے دونوں کی جہت مختلف ہو جائے تو اس صورت میں محاذات سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

ساتویں شرط: ثبوتِ محاذات کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ مرد عاقل و بالغ ہو، لہٰذا اگر محاذات کسی نابالغ لڑکے سے عورت کے ساتھ نماز میں ہو جائے تو اس صورت میں مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی، مرد کی نماز فاسد ہونے کے لئے اس کا مکلف ہونا شرط ہے، اور اگر مکلف نہیں ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

آٹھویں شرط: آٹھویں شرط محاذات کی جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یہ ہے کہ مرد کی نماز اسوقت فاسد ہوگی جب امام نے ابتدائے نماز سے عورت کے لئے امام ہونے کی نیت کی ہو، اگر نماز شروع ہو جانے کے بعد عورت کے لئے امام ہونے کی نیت کی تو یہ اقتداء درست نہ ہوگی اور مرد کی نماز فاسد بھی نہ ہوگی۔ اور جس وقت امام عورت کی امامت کی نیت کرے اس وقت عورت کا موجود ہونا ظاہر الروایہ کے مطابق ضروری نہیں ہے۔ اور اگر کسی متعین عورت کی امامت کی نیت کی تھی اور محاذات میں اس کے علاوہ کوئی دوسری عورت پائی گئی تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر عام عورتوں کی امامت کی نیت کی تو کسی بھی عورت کے محاذات میں ہونے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر متعینہ عورت کی نیت نہیں کی تو اس کے آنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی؛ بلکہ اس متعینہ عورت کے آنے سے نماز فاسد ہوگی، جس طرح کہ اگر امام نے اشارہ کیا کہ پیچھے چلی جائے لیکن وہ پیچھے نہیں گئی تو اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ عورت نے اپنے فرض مقام کو چھوڑ دیا ہے۔

نویں شرط: یہ ہے کہ جو عورت محاذات میں ہو وہ عاقلہ ہو، لہٰذا اگر عورت عاقلہ نہ ہو؛ بلکہ عورت مجنونہ ہو اور وہ محاذات میں آجائے تو نماز فاسد نہ ہوگی، کیونکہ غیر عاقلہ کی نماز ہی منعقد نہیں ہوتی ہے۔

دسویں شرط: ثبوتِ محاذات کے لئے دسویں شرط یہ ہے کہ مرد و عورت دونوں ایک مکان میں ہوں، لہٰذا اگر عورت اور مرد کی جگہ بدل جائے اور دونوں کے مکان محاذات الگ الگ ہوں تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی، اسی طرح اگر مرد قد بھر اونچی جگہ میں ہو اور عورت قد بھر نیچے ہو تو اس سے بھی محاذات کا ثبوت نہ ہوگا اور نماز فاسد نہ ہوگی۔

گیارھویں شرط: ثبوتِ محاذات کیلئے گیارھویں شرط یہ ہے کہ محاذات ایک کامل رکن میں ہو، اگر ایک رکن کامل سے کم محاذات ہوئی تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ (لیکن علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ نفس محاذات مفسد نماز ہے، خواہ محاذات رکن کامل میں ہو یا ایک رکن سے کم میں ہو، رکن کامل کی شرط کا کوئی اعتبار نہیں ہے)۔

(شامی/۲/۳۲۰)

نوٹ: شارح نے کل دس شرطیں ذکر کی ہیں، انھوں نے بالغ مرد کی شرط کو علیحدہ ذکر نہیں فرمایا ہے؛ بلکہ پانچویں شرط کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے اس لئے کل دس شرطیں ہوئیں۔ اور ہم نے اس کو الگ کر دیا ہے اس لئے گیارہ شرطیں ہو گئیں۔

بے ریش خوبصورت قابل شہوت لڑکے کی محاذات سے نماز کا حکم

اگر بے ریش خوبصورت لڑکا جو قابل شہوت ہو وہ محاذات میں ہو تو مذہب کی روایت کے مطابق اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ شارح علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ وہ قول کمزور ہے جو جامع المحبوبی اور دُرر البحار میں ہے کہ امرد کے محاذات سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور اس قول کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے محاذات سے نماز جو فاسد ہو جاتی ہے وہ اس لئے نہیں کہ اس میں شہوت پائی جاتی ہے؛ بلکہ عورت کے محاذات سے نماز اس لئے فاسد ہوتی ہے کہ اس نے اپنا فرض مقام چھوڑ دیا ہے، جیسا کہ ابن الہمام نے اس کو ثابت کیا ہے۔ (اگر فسادِ نماز کی علت واقعتاً شہوت ہوتی تو ماں، بہن اور بوڑھی عورت کے محاذات سے نماز نہیں فاسد ہونی چاہئے تھی، حالانکہ ان سب کے محاذات سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ فسادِ نماز کی اصل علت وجودِ شہوت نہیں ہے؛ بلکہ فسادِ نماز کی علت مقامِ فرض کو چھوڑ دینا ہے)۔

اقتداء کے احکام و مسائل

اب یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ اقتداء کے مسائل کو بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ مصنف موصوف فرماتے ہیں کہ مرد کے لئے نہ کسی عورت کی اقتداء کرنا درست ہے اور نہ کسی خنثیٰ کی اور نہ کسی نابالغ لڑکے کی اقتداء کرنا درست ہے، خواہ وہ جنازہ کی نماز ہو، یا نفل نماز، اصح روایت کے مطابق۔ اسی طرح اس شخص کی اقتداء درست نہیں ہے جو دائمی جنون میں مبتلا ہو۔ اسی طرح جنون منقطع کے پیچھے بھی نماز درست نہیں ہے اگر وہ حالت افاقہ میں نہیں ہے۔ اور مدہوش کے پیچھے بھی نماز درست نہیں ہے اور نہ کسی دیوانے متوالے کے پیچھے نماز درست ہے، اس کو حلبی نے ذکر کیا ہے۔

جنونِ مطبق: ایسے جنون کو کہتے ہیں جس سے کبھی بھی افاقہ نہ ہوتا ہو؛ بلکہ دائمی طور پر جنون طاری رہتا ہو۔

جنون منقطع: ایسے جنون کو کہا جاتا ہے جو کبھی ختم ہو جاتا ہو اور کبھی طاری ہو جاتا ہو۔

طاہر کی نماز معذور کے پیچھے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح طاہر یعنی پاک رہنے والے کی نماز معذور کے پیچھے درست نہیں ہے اور یہ اس وقت ہے جب کہ وضو کے ساتھ حدث لاحق ہوا ہو، یا وضو کرنے کے بعد نماز سے پہلے اس پر حدث طاری ہوا ہو۔

اور طاہر کی اقتداء اس وقت معذور کے پیچھے جائز ہے جب کہ عذر نہ ہونے کی حالت میں وضو کیا ہو اور پوری نماز عذر نہ ہونے کی حالت میں ادا کی ہو، جس طرح اگر تندرست آدمی فصد کھلوانے والے کی اقتداء کرے تو یہ اقتداء درست ہے اس لئے کہ اب وہ خون کے نکلنے سے مامون ہو گیا، جس طرح یہ جائز ہے کہ کوئی عورت کسی عورت کے پیچھے نماز ادا کرے، یا کوئی نابالغ بچہ کسی نابالغ بچہ کی اقتداء کرے اور عذر والا عذر والے کی اقتداء کرے، یہ سب اقتداء ازروئے شرع درست ہے۔ لیکن اگر ایک عذر والا شخص دو عذر والے کے پیچھے نماز ادا کرے تو نماز درست نہ ہوگی، لیکن اگر دو عذر والا شخص ایک عذر والے کی اقتداء کرے تو درست ہے، جس طرح اگر کسی شخص کو خروجِ ریح کی بیماری ہو اور وہ اس شخص کی اقتداء کرے جس کو سلس البول یعنی پیشاب کے قطرے ٹپکنے کی بیماری ہو تو اقتداء درست نہیں ہوگی، اس لئے کہ جس کو سلس البول کی بیماری ہے اس کے ساتھ دو عذر ہیں، ایک بے وضو ہونا دوسرے نجاست کا ہونا، اور مقتدی کو صرف ایک عذر خروجِ ریح ہے، جس سے صرف وضو ٹوٹتا ہے، آدمی نجس نہیں ہوتا ہے۔

اپنے ہم مثل کی اقتداء

حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو مجتبیٰ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ اپنے مماثل کی اقتداء درست ہے مگر تین شخص کے لئے اپنے مماثل کی اقتداء بھی درست نہیں ہے: (۱) خنثیٰ مشکل کا اپنے مثل خنثیٰ مشکل کی اقتداء کرنا درست نہیں ہے۔ (۲) ضالہ، یعنی وہ عورت جس کو اپنے حیض کا علم نہ ہو کہ کتنا دن حیض آتا ہے اور اس کو برابر خون جاری ہو وہ اپنے ہم مثل کی اقتداء نہیں کر سکتی ہے۔ (۳) اور مستحاضہ عورت جس کو حیض کا احتمال ہو تو وہ اپنے ہم مثل کی اقتداء نہیں کر سکتی ہے، ہاں اگر حیض کا احتمال نہ ہو تو اس کی اقتداء کر سکتی ہے۔

خنثیٰ مشکل: اس کو کہتے ہیں جس کے بارے میں مرد یا عورت ہونے کا فیصلہ نہ کیا جا سکے، اس میں ایک کی نماز دوسرے کے پیچھے اسلئے درست نہیں ہے کہ ہو سکتا ہے کہ جس کو امام بنایا گیا ہے وہ عورت ہو اور مقتدی مرد ہو اور مرد کی اقتداء عورت کے پیچھے جائز نہیں ہے۔

ضالہ: اس عورت کو کہتے ہیں جس کو خون برابر جاری ہو اور وہ اپنے حیض کی عادت بھول گئی ہو، اسکو امام بنانے میں شبہ یہ ہوگا کہ جس دن میں وہ امام بنائی گئی کہیں ایسا نہ ہو وہ حیض کے دن میں ہو۔

مستحاضہ: وہ عورت ہے جس کو حیض کے بعد بھی بیماری کا خون آتا ہو، اسکی امامت اس لئے درست نہیں ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ حیض کا دن ہو۔ اور اگر یقین ہو کہ حیض کا دن گذر گیا تو پھر امامت درست ہوگی۔ الغرض یہ تین لوگ اس اصول

سے مستثنیٰ ہیں کہ اپنے ہم مثل کی اقتداء جائز ہے۔

قرآنِ کریم یادرکھنے والے کی اس شخص کی اقتداء کرنا جس کو قرآن یاد نہ ہو

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح اس شخص کی نماز جس کو قرآنِ کریم کی کوئی آیت یاد ہو اس کے پیچھے جائز نہیں ہے جس کو قرآنِ کریم کی کوئی بھی آیت یاد نہ ہو۔ اور ایسے آدمی کو "اَن پڑھ" کہا جاتا ہے۔

(حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اُمّی اور اَن پڑھ اس شخص کو کہتے ہیں جو فرض مقدار اچھی طرح قرأت کرنے پر قادر نہ ہو۔ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اُمّی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو سورۂ فاتحہ اچھی طرح پڑھنے پر قدرت نہ رکھتا ہو، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے اس کی تصریح کی ہے)۔ (شامی/۲/۳۲۴)

اَن پڑھ کی نماز گونگے کے پیچھے درست نہیں

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح اَن پڑھ کی نماز گونگے کے پیچھے درست نہیں ہے، اس لئے کہ اَن پڑھ آدمی تکبیرِ تحریمہ ادا کرنے پر قادر ہوتا ہے اور گونگا آدمی تکبیرِ تحریمہ ادا کرنے پر بھی قادر نہیں ہوتا ہے، چنانچہ اس کے برعکس یعنی گونگے آدمی کی نماز اَن پڑھ کے پیچھے درست ہے، اس لئے کہ اَن پڑھ شخص گونگا سے اقویٰ حال میں ہے، ہاں اگر اَن پڑھ آدمی تکبیرِ تحریمہ ادا کرنے پر بھی قادر نہ ہو تو اس صورت میں اُن دونوں کی نماز ایک دوسرے کے پیچھے درست ہے۔ (شامی/۲/۳۲۴)

ستر پوش کی نماز ننگے کے پیچھے درست نہیں

جس شخص کا ستر چھپا ہوا ہو اس کی نماز اس شخص کے پیچھے درست نہ ہوگی جو بالکل برہنہ ہو، چنانچہ اگر امام برہنہ ہونے کی حالت میں برہنہ لوگوں کی امامت کرائے اور ان کی امامت کرائے جو کپڑا پہنے ہوئے ہوں تو اس صورت میں امام کی نماز اور ان مقتدیوں کی نماز بالاتفاق درست ہوگی جو ننگے ہوں، البتہ جو مقتدی کپڑا پہنے ہوئے ہوں ان کی نماز ان کے پیچھے جائز نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر امام زخم خوردہ ہو اور کچھ مقتدی بھی زخم خوردہ ہوں اور کچھ مقتدی تندرست ہوں تو اس صورت میں بھی امام اور زخمی مقتدیوں کی نماز درست ہو جائے گی، لیکن ان مقتدیوں کی نماز درست نہ ہوگی جو تندرست ہوں اور زخمی نہ ہوں۔ (لیکن اگر امام اُمّی ہو اور کچھ مقتدی اُمّی اور کچھ مقتدی قرأت پر قادر ہوں تو اس صورت میں کسی کی بھی نماز درست نہ ہوگی)۔

رکوع وسجود پر قادر شخص کی نماز رکوع وسجود سے عاجز کی اقتداء میں

جو شخص رکوع وسجدہ پر قادر ہے اس کی نماز اس شخص کے پیچھے درست نہیں ہے جو رکوع وسجود سے عاجز ہے، اس لئے کہ یہ قوی اور مضبوط کی بنیاد رکھنا ہے ضعیف اور کمزور پر۔ (اور یہ بات درست نہیں ہے جو شخص رکوع وسجود پر قادر نہ ہو بلکہ اشارہ سے ادا کرتا ہو وہ ضعیف حال میں ہے اور رکوع وسجود پر قادر شخص قوی حال میں ہے، لہٰذا قوی کی نماز غیر قوی کے پیچھے درست نہیں ہے)۔

فرض پڑھنے والے کی نماز، نفل پڑھنے والے کے پیچھے درست نہیں ہے

جو شخص فرض نماز پڑھ رہا ہو اس کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے درست نہیں ہے اور نہ ہی دوسری فرض نماز پڑھنے والے کے پیچھے درست ہے، اس لئے کہ اقتداء کے صحیح ہونے کے لئے ہمارے نزدیک امام اور مقتدی دونوں کی نماز ایک ہونا شرط ہے۔ (لہٰذا اگر امام عصر کی نماز فرض ادا کر رہا ہے اور مقتدی ظہر کی نماز اس کے پیچھے ادا کرے تو درست نہیں ہے)۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اب یہاں ایک اعتراض ہوتا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ مفترض کی نماز متنفل کے پیچھے درست نہیں ہے، حالانکہ حدیث شریف میں سند صحیح کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے حضرت معاذ بن جبلؓ فرض نماز ادا کرتے تھے پھر اپنی قوم کو جا کر عشاء کی نماز پڑھاتے تھے اور قوم ان کی اقتداء مفترض بن کر کرتی تھی، اگر یہ عمل جائز نہ تھا تو آپ نے منع کیوں نہیں فرمایا؟

اس اشکال واعتراض کا **جواب** یہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں فرض نماز کی نیت نہیں کرتے تھے؛ بلکہ نفل کی نیت سے آپ کے ساتھ جماعت میں برکت حاصل کرنے کے لئے شریک ہوتے تھے۔ اور قوم میں جا کر پھر فرض کی نیت سے نماز کی امامت کرتے تھے، لہٰذا کوئی اشکال ہی نہیں ہے۔

نذر والے کی نماز متنفل کی اقتداء میں

اور جس شخص نے نماز کی نذر مانی ہو اس کے لئے اس نماز میں نفل پڑھنے والے کے پیچھے اقتداء درست نہیں ہے اس لئے کہ نذر ماننے والے کی نماز اس کے ذمہ واجب ہے، لہٰذا قوی کی بناء ضعیف پر کس طرح درست ہوگی۔ اسی طرح نذر ماننے والے کی نماز فرض پڑھنے والے کے پیچھے اور دوسرے نذر ماننے والے کے پیچھے درست نہیں ہے، اسلئے کہ اس صورت میں امام اور مقتدی کی نماز میں اتحاد نہیں پایا جائے گا، حالانکہ امام اور مقتدی کی نماز کا ایک ہونا اقتداء کے لئے

ضروری شرط ہے، ہاں اگر امام اور مقتدی دونوں نے ایک ہی نذر مانی ہو تو ایک دوسرے کی اقتداء کرنا درست ہے، اس لئے کہ دونوں کی نماز میں اتحاد ہے۔

ناذر کی نماز حالف کی اقتداء میں درست نہیں

اور جس نے نماز پڑھنے کی نذر مانی اس کی نماز قسم کھانے والے کی نماز کے پیچھے درست نہیں ہے، اسلئے کہ نذر کی نماز قسم کی نماز سے قوی تر ہے، لہٰذا اس کے برعکس یعنی حالف کی نماز نذر والے کے پیچھے درست ہے، اسی طرح قسم والا قسم والے کی اقتداء کرے یہ بھی درست ہے۔ اور قسم کا کھانے والا شخص متنفل کی اقتداء کرسکتا ہے۔ طواف کی دو رکعتیں دو آدمیوں نے پڑھیں تو وہ دو نذر کی نماز پڑھنے والون کے حکم میں ہوں گے، جس طرح وہ دونوں ایک دوسرے کی اقتداء نہیں کر سکتے ہیں اسی طرح دو شخص جو طواف کی دو رکعتیں پڑھ رہے ہیں ایک دوسرے کی اقتداء نہیں کر سکتے ہیں، کیونکہ ان دونوں کی نماز الگ الگ ہے۔

نفل شروع کرنے کے بعد دوبارہ پڑھنے والے کی نماز

دو آدمی کسی نفل نماز میں شریک ہوئے، پھر ان دونوں نے اس نفل نماز کو فاسد کردیا تو اس صورت میں وہ دونوں ایک دوسرے کی فاسد شدہ نماز کی ادائیگی میں اقتداء کر سکتے ہیں، جائز ہے۔ ہاں اگر ان دونوں نے منفرد منفرد طور پر نفل فاسد کی ہے تو پھر اس کی ادائیگی میں ایک دوسرے کی اقتداء نہیں کر سکتے ہیں۔ اور اگر دو شخصوں نے نماز ظہر ادا کی اور ان دونوں نے ایک دوسرے کے امام ہونے کی نیت کی تو اس صورت میں نماز درست ہو جائے گی، ہاں اگر ان دونوں میں سے ہر ایک نے ایک دوسرے کی اقتداء کی نیت کی تو اس صورت میں نماز درست نہ ہوگی۔ اور ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ (اور وہ فرق یہ ہے کہ امامت کی نیت کرنے کی صورت میں ہر ایک منفرد ہو گیا اور اس نے تمام ارکان بذاتِ خود ادا کئے، بخلاف اقتداء کی نیت کی صورت میں ہر ایک نے اپنی نماز کو دوسرے کی نماز پر موقوف کردیا اور کوئی امام نہ بنا اور نہ ہی دونوں میں سے کسی نے پورے ارکانِ نماز ادا کئے، اس لئے دوسری صورت میں نماز نہ ہوگی)۔

وَلَا لَاحِق وَ لَا مَسْبُوق بِمِثْلِهَا، لِمَا تَقَرَّرَ اَنَّ الإِقْتِدَاءَ فِي مَوضَعِ الإِنفِرَادِ مُفسِدٌ كعكسِهِ، وَلَا مُسافِرٍ بِمُقِيمٍ بعدَ الوَقتِ فِيمَا يتغَيَّرُ بالسَّفرِ كالظُّهرِ، سَواءٌ أحرَمُ المُقِيمُ بعدَ الوقتِ أو فِيهِ فخرجَ فاقتَدىٰ المُسافِرِ بَل إن أحرَمَ فِي الوَقتِ فخرَجَ صحَّ وأتَمَّ لإمامِهِ، أمَّا بعدَ الوَقتِ فلايتغَيَّرُ فرضُهُ فيكُونُ إقتداء بمُتنَفِّلٍ فِي حقِّ قعدَةٍ أو قِراءَةٍ بِاقتِدائِهِ فِي شَفعٍ أوّلٍ أو ثَان، ولَا نَازِل بِرَاكِبٍ، وَلَا رَاكِبٌ بِراكِبِ دابّةٍ أُخرىٰ فلَو مِنهُ صحَّ. وَلَا غير الألثغ

بہ أي بالألثغ علَى الأصحّ كمَا فِي البحرِ عَن المُجتبىٰ، وحرّرَ الحَلبِي وابنُ الشحنَةِ أنّهُ بعدَ بَذلِ جهدِهٖ دائمًا حتمًا كالأُمّي فلايَؤُمُّ إلاّ مِثلهُ، ولاتَصِحُّ صَلاتُه إذَا أمكنَهُ الإقتداءُ بمَن يحسنُهُ أو ترِكَ جهدهُ أو وجدَ قدرَ الفَرضِ مِمَّا لاَ لثغ فِيهِ، هٰذا هُو الصَّحِيحُ المُختارُ فِى حُكمِ الألثغِ، وَ كَذَا مَن لايَقدِرُ علىٰ التلفُّظِ بحَرفٍ مِن الحُروفِ أو لَايقدِرُ علىٰ إخرَاجِ الفَاءِ إلاَّ بتكرارٍ. وَاعلَمْ أنّهُ إذَا فسدَ الإقتداءُ بأيّ وجهٍ كانَ لايصِحُّ شروعُهُ فِي صلاة نفسه لأنّهُ قصدَ المُشاركَةَ وهِي غير صَلاةِ الإنفِرادِ، علَى الصحِيحِ، محيط. وادعٰى فِي البَحرِ أنّهُ المَذهَبُ، قَالَ المُصنّف: لكِن كلامُ الخُلاصَةِ يُفِيدُ أنّ هٰذا قولُ مُحمّدٍ خاصةً. قُلتُ: وقد ادعٰى فِيمَا مرّ بعدَ تصحِيحِ السّراجِ بخِلافِهٖ ان المَذهبَ انقلابها نفلاً، فتأمل. وحينَئذٍ فالأشبَهُ مَا فِي الزّيلَعِي أنّهُ فسدَ لِفقدِ شرطٍ كطَاهِرٍ بمعذُورٍ لَم تنعَقِدْ أصلاً، وأن لاختِلافِ الصَّلاتَينِ فتنعقِدُ نفلاً غير مَضمُونٍ، وثمرتُهُ الإنتِقاضُ بالقَهقَهَةِ.

لاحق ومسبوق کی اقتداء کا شرعی حکم

ترجمہ وتشریح اب یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ یہ مسئلہ بیان فرمارہے ہیں کہ اگر لاحق اور مسبوق شخص خود اپنی طرح کے لاحق ومسبوق کی اقتداء کریں تو یہ اقتداء شرعی اعتبار سے درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ بات طے ہوچکی ہے کہ منفرد ہونے کی جگہ میں اقتداء مفسد ہے، جس طرح اس کا اُلٹا مفسد ہے۔ (''لاحق'' فقہ کی اصطلاح میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو شروع نماز سے امام کے ساتھ شریک ہوا ہو، لیکن درمیان یا آخر کی نماز کسی عذر کی وجہ سے فوت ہوگئی ہو، تو اب اس کا حکم یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کرے، لیکن اس میں وہ مقتدی کے درجہ میں ہوگا اور جس طرح مقتدی امام کے پیچھے قرأت وغیرہ نہیں کرتا ہے اسی طرح لاحق بھی قرأت نہ کرے گا)۔

اور ''مسبوق'' فقہ کی اصطلاح میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ایک دو رکعت ہوجانے کے بعد امام کے ساتھ شریک ہوا ہو، شروع سے امام کے ساتھ شریک نہ ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ بھی امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی نماز مکمل کرے گا، لیکن مسبوق اس میں منفرد کے درجے میں ہوگا اور جس طرح منفرد قرأت وغیرہ کرتا ہے اسی طرح یہ شخص اپنی چھوٹی ہوئی نماز ادا کرتے ہوئے قرأت وغیرہ کرے گا۔ اب اگر ایک لاحق اور دوسرے لاحق کی اقتداء میں نماز پوری کرے گا تو نماز درست نہ ہوگی اس لئے کہ دونوں ہی مقتدی کے حکم میں ہیں، لہٰذا ایک دوسرے کی اقتداء کس طرح کرسکتے ہیں۔ اسی طرح ایک مسبوق

بھی دوسرے کے پیچھے اپنی بقیہ نماز مقتدی بن کر پوری کرے گا تو نماز درست نہ ہوگی، اس لئے کہ مسبوق حکم کے اعتبار سے منفرد ہوتا ہے، لہٰذا مسبوق مقتدی نہیں بن سکتا ہے، اس لئے ایک کا امام بننا اور دوسرے کا مقتدی بننا درست نہیں ہوسکتا ہے۔

مسافر کیلئے مقیم کی اقتداء کرنا ان نمازوں میں درست نہیں ہے جو سفر کی وجہ سے بدلتی ہیں

صاحب درمختار علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں جو نمازیں سفر کی وجہ سے بدلتی ہیں، جیسے: ظہر، عصر اور عشاء۔ ان نمازوں میں اوقاتِ مقررہ کے نکل جانے کے بعد مسافر کے لئے مقیم کی اقتداء کرنا درست نہیں ہے، خواہ مقیم نے تحریمہ وقت کے بعد باندھا ہو، یا وقت کے اندر باندھا ہو، پھر وقت نکل گیا اس کے بعد مسافر نے مقیم کی اقتداء کی ہو، پھر بھی اقتداء درست نہیں ہے۔ (اس لئے کہ مسافر پر رباعی نمازوں میں قصر واجب ہے اور وقت کے نکل جانے کے بعد بھی چار رکعات کے بجائے دو ہی رکعت پڑھنا واجب ہے۔ خروجِ وقت کے بعد بھی مسافر چار رکعات نہیں پڑھ سکتا ہے، ہاں اگر نماز کا وقت باقی ہے اور مسافر نے اقامت کی نیت کرلی تو پھر دو رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھے گا)۔

وقت کے اندر مسافر کیلئے مقیم کی اقتداء کرنا

اگر مسافر نے مقیم کی اقتداء وقت کے اندر کی ہے، پھر وقت نکل گیا تو اس صورت میں اقتداء درست ہے اور مسافر اپنے امام کی پیروی کرتے ہوئے چار رکعت مکمل ادا کرے گا، یعنی دو رکعت کی جگہ چار رکعت ادا کرے گا؛ البتہ وقت کے نکلنے کے بعد اس کا فرض نہیں بدلے گا، یعنی دو رکعت کی جگہ چار رکعات نہیں ادا کرسکتا ہے، اس لئے خروجِ وقت کے بعد اس پر دو ہی رکعت لازم ہے، لہٰذا اگر مسافر وقت کے نکلنے کے بعد کسی مقیم کی اقتداء کرے گا تو بہت سی چیزیں امام کے لئے سنت اور واجب ہوں گی اور مقتدی مسافر کے لئے فرض، جیسے: قعدۂ اولیٰ اور قرأت شفع اول اور شفع ثانی میں۔

(اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مسافر نے مقیم کی اقتداء شفع اوّل میں کی تو اس صورت میں مفترض کی اقتداء متنفل کے پیچھے ہوگی قعدۂ اولیٰ کے حق میں، اس لئے کہ قعدۂ اولیٰ مسافر پر فرض ہے اور اخیر کا قعدہ اس کے حق میں نفل ہے، یعنی واجب ہے، اس لئے قعدۂ اخیرہ مسافر کے واسطے قعدۂ اولیٰ ہے)۔ (شامی/۲/۳۲۷)

سواری سے نیچے اُترے ہوئے شخص کی نماز اس شخص کے پیچھے درست نہیں ہے جو سواری پر سوار ہو

مذکورہ بالا عبارت میں تیسرا مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص سواری سے نیچے اُترا ہوا ہو اور وہ کسی ایسے شخص کی

اقتداء کرے جو سواری پر سوار ہے تو اس کی اقتداء درست نہیں ہے۔(علامہ شامی فرماتے ہیں کہ جس طرح نازل یعنی سواری سے اُترے ہوئے شخص کی نماز اس شخص کے پیچھے درست نہیں ہے جو سواری پر سوار ہے، اسی طرح جو شخص سواری پر سوار ہے اس کی نماز اس شخص کے پیچھے بھی درست نہیں ہے جو سواری سے اُترا ہوا ہے، اس لئے کہ نماز کی عدم صحت کی علت دونوں میں مشترک ہے اور وہ اختلاف مکانی ہے)۔ (شامی/۲/۳۲۷)

ایک سواری پر سوار شخص کی نماز دوسری سواری پر سوار شخص کے پیچھے درست نہیں ہے

ایک سواری پر سوار شخص اگر کسی دوسری سواری پر سوار شخص کی اقتداء میں نماز ادا کرے تو اس کی نماز بھی درست نہ ہوگی؛ البتہ اگر دونوں ایک ہی سواری پر سوار ہوں تو پھر ایسی صورت میں ایک کی نماز دوسرے کے پیچھے درست ہوگی، اس لئے کہ اس صورت میں اختلافِ مکان نہیں پایا گیا۔ اور پہلی دونوں صورتوں میں اختلافِ مکان تھا اس لئے اقتداء درست نہ تھی۔

توتلے شخص کے پیچھے غیر توتلے کی نماز درست نہیں

جس شخص کی زبان میں لکنت نہ ہو اس کی نماز اس شخص کے پیچھے درست نہیں ہے جس کی زبان میں لکنت ہو۔ اس مسئلہ میں اصح قول یہی ہے، جیسا کہ صاحب البحر الرائق نے اس کو "مجتبیٰ" نامی کتاب میں نقل کیا ہے۔(صاحب درمختار نے "علی الاصح" کی قید اس لئے لگائی ہے کہ بعض علماءِ کرام نے فرمایا کہ توتلے کی امامت غیر توتلے کے واسطے صحیح ہے، جیسا کہ فتاویٰ ظہیریہ وغیرہ میں مذکور ہے، لیکن یہ قول مفتی بہ قول کے خلاف ہے، مفتی بہ قول یہی ہے کہ توتلے کی امامت صحیح نہیں ہے جیسا کہ خیر الدین رملی نے فتویٰ دیا ہے اور علامہ شامیؒ نے اس کو راجح قرار دیا ہے)۔ (شامی/۲/۳۲۸)

شیخ حلبی اور ابن الشحنہ نے لکھا ہے کہ توتلا شخص اپنی ساری کوشش اور دائمی کاوش کے باوجود امّی یعنی اَن پڑھ کی طرح ہے، لہٰذا توتلا شخص توتلے کی امامت کرسکتا ہے، لیکن توتلا شخص غیر توتلے کی امامت نہیں کرسکتا ہے۔ اور خود اس کی نماز اس وقت تک درست نہ ہوگی جب تک اس کے لئے کسی صحیح اچھے پڑھنے والے کی اقتداء کرنا ممکن ہو، یا توتلا شخص اپنی کوشش کو ترک کردے اور توتلا پن کو دور کرنے کی کوشش نہ کرے، یا بقدرِ فرض قرأت بلا توتلے پن حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے تو اس کی نماز درست نہ ہوگی۔(ہاں اگر کوشش کے باوجود صحیح حروف نہ نکال سکے تو اس کی نماز درست ہوگی، کیوں کہ جہاں تک اس کے بس میں تھا عمل کیا)۔ اس باب میں یہی قول صحیح مختار ہے توتلے شخص کے حکم میں۔ اور اسی طرح اس شخص پر بھی صحیح تلفظ کی کوشش کرنا ضروری ہے جو حروف میں سے کسی حرف کو ادا نہ کرسکے، یا فاء کو تکرار کے بغیر ادا نہ کرسکے۔(ایسا شخص اگر بغیر سعی وکوشش کے نماز ادا کرے گا تو اس کی نماز درست نہ ہوگی، ہاں اگر سعی وکوشش کے باوجود زبان سے حروف ادا نہ ہوں

یا فاء تکرار کے ساتھ ادا ہو تو اس صورت میں اس کی نماز درست ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر زبان کے اندر ہلکی سے لکنت ہے تو اس صورت میں نماز ہو جائے گی)۔ (شامی/۲/۳۲۹)

اگر اقتداء کسی وجہ سے فاسد ہو جائے تو مقتدی کیا کرے؟

اور یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اگر اقتداء کسی وجہ سے فاسد ہو گئی تو مقتدی کے لئے بطور خود اپنی نماز شروع کرنا درست نہ ہوگا، اس لئے کہ اس نے شرکت کا ارادہ کیا تھا، یعنی دوسرے کی اقتداء میں نماز ادا کرے گا اور منفرد کی نماز سے بالکل جداگانہ ہے، دونوں میں کوئی جوڑ نہیں ہے، صحیح مذہب کے مطابق، جیسا کہ ''محیط'' نامی کتاب میں مذکور ہے۔ اور علامہ ابن نجیم مصریؒ نے البحر الرائق میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اقتداء فاسد ہونے کے بعد بطور خود اپنی نماز کے شروع کرنے کا صحیح نہ ہونا ہی صحیح مذہب ہے، لیکن ''خلاصہ'' نامی کتاب کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صحیح نہ ہونے کا قول صرف حضرت محمدؒ کے قول کے ساتھ خاص ہے۔

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم نے پہلے بھی عورت کے محاذات کے مسئلہ میں اس کے خلاف دعویٰ کیا ہے جس کی تصحیح سراجیہ نے کی ہے کہ مذہب صحیح یہ ہے کہ وہ نماز نفل میں بدل جاتی ہے، پس اس مسئلہ میں غور کرلو۔ (شامی/۲/۳۲۹)

مسئلہ کا خلاصہ

یہاں پر مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی مرد عصر کی نماز ادا کر رہا تھا کہ ایک عورت نے اس کی اقتداء ظہر کی نیت سے کی ہے اور مرد کے محاذات میں کھڑی ہو گئی تو اس صورت میں مرد کی نماز باطل ہو جائے گی، اس لئے کہ عورت کی اقتداء کرنا اگرچہ فرض نماز میں صحیح نہیں ہے مگر مذہب کے مطابق نفل میں اقتداء درست ہے، پس یہاں نفل کی بناء فرض پر لازم آئی جو درست نہیں ہے۔ اس مسئلہ سے یہ معلوم ہوا کہ جب فرض میں اقتداء فاسد ہو جاتی ہے تو سرے ہی سے فاسد نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ نفل میں اقتداء باقی رہتی ہے، جب یہاں صاحب بحر سے تسامح ہوا ہے تو ایسی صورت میں قواعد فقہیہ کے زیادہ مشابہ وہ قول ہے جو زیلعی میں ہے کہ جب شرط کے فقدان کی وجہ سے اقتداء فاسد ہو تو ایسی صورت میں سرے ہی سے نماز منعقد ہی نہ ہوگی۔ اور اگر دونوں نمازوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے اقتداء فاسد ہو تو ایسی صورت میں مقتدی کی نماز نفل ہو کر منعقد ہوگی، مگر وہ غیر مضمون ہوگی، یعنی اگر مقتدی اس کو فاسد کر دے تو اس کے ذمہ قضاء لازم نہ ہوگی۔ اور اس کا ثمرہ قہقہہ کی وجہ سے وضو کا ٹوٹ جانا ہے، یعنی اگر اقتداء کے فاسد ہونے کے بعد کوئی شخص قہقہہ لگا کر ہنسے گا تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ وہ

حکماً نماز میں ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اقتداء کے فاسد ہونے کی وجہ سے بالکلیہ طور پر باقی نہ رہی تو اس صورت میں قہقہہ لگانے سے وضو نہ ٹوٹے گا۔

وَ يمنَعُ مِن الإقتِداءِ صفٌ مِن النِّساءِ بلاحائِلٍ قَدرُ ذِراعٍ أو إرتِفاعُهُنّ قدر قامةِ الرِّجال، مِفتاحُ السّعادةِ. أو طَريقٌ تجري فِيهِ عَجلَةٌ آلةٌ يجُرُّها الثّورُ أو نهرٌ تجرى فِيهِ السُّفنُ ولَو زورَقًا ولَو فِي المَسجِدِ أو خلاءٌ أى فَضاءٌ فِي الصَّحرَاءِ أو فِي مَسجِدٍ كَبِيرٍ جِدًا كَمَسجِدِ القُدسِ يَسعُ صَفَينِ فأكثرَ إلاّ إذَا اتّصلتِ الصُّفُوفُ فيَصِحُّ مُطلقًا، كأنْ قامَ فِي الطَّريقِ ثلاثةٌ وَ كَذاَ إثنَانِ عِندَ الثّانى، لا واحد إتّفاقًا، لأنّهُ لِكراهَةِ صلاتِهِ صَارَ وُجودُهُ كعدمِهِ فِي حقِّ مَن خَلفَهُ، والحَائلُ لايمنَعُ الإقتِداءَ إن لَم يَشتَبِهْ حالُ إمامِهِ بِسماعٍ أو رُؤيةٍ، ولَو مِن باب مشبك يمنَعُ الوُصولَ فِي الأصحِ، ولَم يختلِفِ المَكانُ حقِيقةً كَمسجِدٍ وبَيتٍ فِي الأصح، قُنية. ولاحُكمًا عِندَ إتّصالِ الصُّفوفِ، ولَو اقتدىٰ مَن سطح دارِهِ المُتّصلة بالمَسجِدِ لَم يجُز لإختِلافِ المَكانِ، دُرر، وبحر، وغَيرُهما. وأقرّهُ المُصنّفُ لكِنْ تعقّبهُ فِي الشُّرُنبُلالِيّةِ ونقلَ عَن البُرهَانِ وغيرِهِ أنّ الصّحِيحَ إعتِبارُ الإشتِباهُ فقطْ، قُلتُ: وفِي الأشباهِ وزواهِرِ الجواهِرِ، ومِفتاحِ السّعادة، ومجمع الفتاوىٰ، والنصاب، والخانية، أنّه لايصِحُّ، وفِي النّهرِ عَن الزّادِ أنّهُ إختِيارُ جماعةٍ مِن المُتأخِّرِينَ.

مردوں کے محاذات میں عورتوں کا ہونا مفسد نماز ہے

صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ اگر مردوں کی نماز اور امام کے درمیان عورتوں کی صف حائل ہو اور عورت و مرد کے درمیان ایک ذراع کی مقدار کا کوئی پردہ حائل ہو، یا آدمی کی قامت کی بلندی کی مقدار کوئی پردہ درمیان میں نہ ہو تو اس صورت میں مردوں کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اقتداء درست نہ ہوگی، جیسا کہ مفتاح السعادہ میں ہے۔ (اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں کی صف سے مراد تین عورت سے زائد ہے، اگر عورتوں کی صفیں پوری ہیں تو ان کے پیچھے مردوں کی جتنی صفیں ہوں گی سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر صرف تین عورتیں ہوں اور ان کے پیچھے مردوں کی صفیں پوری ہوں تو اس صورت میں ان عورتوں کے مقابل جو تین مرد ہوں گے ان کی نماز فاسد ہوگی، لیکن ان عورتوں کے پیچھے مردوں کی جتنی صفیں ہوں گی ہر ایک صف سے ان عورتوں کے مقابل تین تین مردوں کی نماز فاسد ہوگی)۔ (شامی/۲/۳۳۰)

مقتدی کے لئے امام کی اقتداء کب کب درست نہ ہوگی؟

جس طرح مردوں کی نماز اور امام کے درمیان اگر عورتوں کی صف ہو اور ان کے درمیان کوئی پردہ وغیرہ نہ ہو تو مردوں کی نماز فاسد ہو جاتی ہے اور امام کی اقتداء درست نہیں ہوتی ہے، اسی طرح اس وقت امام کی اقتداء درست نہ ہوگی جب امام اور مقتدیوں کے درمیان ایسا راستہ حائل ہو جس میں بیل گاڑی گذر سکے۔ ''عجلہ'' اس گاڑی کو کہا جاتا ہے جس کو بیل کھینچتے ہیں، مگر یہاں حکم عام ہے کسی بھی گاڑی کے گذرنے کی گنجائش ہو تو اقتداء درست نہ ہوگی۔ اور اس وقت بھی اقتداء درست نہ ہوگی جب امام اور مقتدی کے درمیان ایسی نہر یا ندی جاری ہو جس میں کشتی چل سکتی ہو. اگرچہ چھوٹی کشتی ہی گذرنے کی گنجائش کیوں نہ رکھتی ہو۔ اور خواہ وہ نہر مسجد کے اندر کیوں نہ ہو، یعنی اگر نہر یا ندی مسجد کے اندر ہو اور اس میں چھوٹی کشتی چل سکتی ہو تو اس صورت میں بھی امام کی اقتداء درست نہ ہوگی، جیسا کہ دُرر البحار اور خانیہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ (شامی/۲/۳۳۲)

اگر امام اور مقتدی کے درمیان خلاء حائل ہو تو امام کی اقتداء درست نہیں

اگر امام اور مقتدی کے درمیان جنگل یا بہت بڑی مسجد میں - جیسے بیت المقدس ہے - کوئی خلاء حائل ہو اور وہ خلاء دو صفوں یا اس سے زیادہ کی گنجائش رکھتا ہو تو اس صورت میں امام کی اقتداء درست نہ ہوگی، ہاں اگر صفیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں تو اس صورت میں مطلقاً امام کی اقتداء درست ہے، راستہ یا نہر کا درمیان میں ہونا اقتداء کی صحت کے لئے مانع نہ ہوگا۔ مثلاً نہر یا راستہ میں تین آدمی کھڑے ہو گئے ہیں، یا دو آدمی کھڑے ہو گئے ہیں تب بھی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اقتداء درست ہو جائے گی، ہاں اگر نہر یا راستہ میں صرف ایک آدمی کھڑا ہو گیا تو اس صورت میں ایک آدمی کا کھڑا ہونا کافی نہ ہوگا اور اقتداء درست نہ ہوگی، اس لئے کہ تنہا اس طرح نماز پڑھنا مکروہ ہے، پس اس کی نماز کی کراہت کی وجہ سے اس نماز کا وجود پیچھے صف والوں کے حق میں عدم کے درجہ میں ہو گیا لہٰذا اقتداء درست نہ ہوگی۔

نہر میں صف کی صورت

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نہر میں صف بنانے کی صورت یہ ہوگی کہ کشتی باندھ کر پل بنا کر اس پر صفیں بنادی جائیں۔ اور خلاء کے متعلق صحراء کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر مسجد میں درمیان میں کئی صفوں کی جگہ چھوڑ کر اقتداء کی جائے تب بھی اقتداء درست ہے اور نماز ہو جاتی ہے۔ اور اس مسئلہ میں گھر بھی مسجد ہی کے حکم میں ہے، یعنی اس میں بھی درمیان میں خالی جگہ رہنے سے نماز نہیں فاسد ہوتی ہے، لیکن بڑا مکان یا بہت بڑی مسجد، میدان اور جنگل کی طرح ہے۔ اور بڑے

ہونے کی حد یہ ہے کہ اس کا صحن چالیس ہاتھ یا اس سے زیادہ کا ہو۔ اور بعض علماءِ کرام نے تو ساٹھ ہاتھ کہا ہے، مگر چالیس ہاتھ والا قول مختار ہے۔ (شامی/۲/۳۳۲)

اقتداء کی صحت کیلئے امام کی نقل وحرکت سے واقف ہونا کافی ہے

قَولُه والحَائلُ لایَمنعُ الإقتداءَ إلخ: یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر امام اور مقتدی کے درمیان کوئی ایسی چیز حائل ہے جس سے امام کے احوال جاننے میں اور اس کی نقل وحرکت معلوم کرنے میں کوئی دقت نہ ہو؛ بلکہ مقتدی پر امام کے احوال ظاہر ہوں تو اس طرح کی چیزوں کا حائل ہونا صحت اقتداء کے لئے مانع نہیں ہے، خواہ مقتدی اپنے امام کی حالت آواز سن کر معلوم کر رہا ہو، خواہ امام کو دیکھ کر معلوم کر رہا ہو، اگر چہ یہ دیکھنا جھرّی دار دروازے سے کیوں نہ ہو، جو امام تک پہنچنے کے لئے تو مانع ہو لیکن دیکھنے کے لئے مانع نہ ہو، اس باب میں اصح ترین قول یہی ہے۔

(شامی میں ہے کہ خواہ امام کی آواز سنتا ہو خواہ مکبّر کی، دونوں صحت اقتداء میں برابر ہے، اسی طرح امام کو دیکھ کر امام کی حالت سے واقف ہو، یا مقتدی کی حالت کو دیکھ کر امام کی حالت سے مطلع ہو دونوں برابر ہے)۔ (شامی/۲/۳۳۳)

اگر امام اور مقتدی دونوں کی جگہ ایک ہو تو حائل شئی مضر نہیں ہے

اگر امام اور مقتدی دونوں کی جگہ مختلف نہ ہو؛ بلکہ دونوں ایک جگہ میں کھڑے ہوں اور درمیان میں کوئی شئی حائل ہو جائے تو اس صورت میں اس طرح کا حائل ہونا صحت اقتداء کے لئے مضر نہیں ہے، جیسے کہ مسجد اور کمرہ ہے، اس بارے میں اصح قول یہی ہے، جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ اور جب صفیں ملی ہوں اور ان میں تسلسل ہو تو درمیان کا راستہ یا نہر بھی حائل شمار نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ وہ ایک مکان کے حکم میں ہوتا ہے۔

اپنے کمرہ میں رہتے ہوئے اس امام کی اقتداء جو مسجد میں نماز پڑھا رہا ہے

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد سے متصل اپنے گھر کی چھت سے اس امام کی اقتداء کر رہا ہے جو مسجد میں نماز پڑھا رہا ہے تو اس کی یہ اقتداء شرعی اعتبار سے درست نہیں ہے، اس لئے کہ مکان ایک نہیں ہے؛ بلکہ یہاں امام ومقتدی دونوں کے مکان الگ الگ ہیں۔ دُررالبحار اور البحرالرائق وغیرہ میں یہ مسئلہ ایسا ہی مذکور ہے۔ اور مصنف علیہ الرحمہ نے اسی کو باقی رکھا ہے، لیکن شرنبلالیہ نے اس کا تعاقب کیا ہے اور "برہان" وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ اس مسئلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ اعتبار صرف اشتباہ کا ہے، اختلاف مکان کا کوئی اعتبار نہیں ہے، یعنی اگر مقتدی پر امام کے افعالِ صلوٰۃ مشتبہ نہیں ہیں تو اختلاف مکان کے باوجود

بھی اقتداء درست ہے۔ اور اگر امام کے احوال مقتدی پر مشتبہ ہوتے ہیں تو پھر اقتداء درست نہیں ہے۔

صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں میں کہتا ہوں کہ الاشباہ والنظائر، زواہر الجواہر اور مفتاح السعادہ میں ہے کہ یہی اصح ہے، اور نہر الفائق میں زاد سے نقل کیا ہے کہ یہ مسئلہ متاخرین علماء کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔

وَ صَحَّ إقتِداءُ مُتوضِّیءٍ لَا مَاءَ معهُ بِمُتیَمِّمٍ ولَو مَعَ مُتوضِّیءٍ بِسُورِ حِمارٍ، مجتبٰی. وغَاسِلٍ بِماسِحٍ ولَو جَبِیْرة وَ قَائِمٍ بقَاعِدٍ یرکَعُ ویَسجُدُ، لأنّهُ صَلَّی اللّٰهُ علیهِ وسلَّمَ صلّی آخِرَ صلوٰتِهٖ قاعِدًا وهُم قِیامٌ وأبُوبکرٍ یبلغُهُمْ تکبِیرَهُ. وبهٖ عُلمَ جوازُ رفعِ المُؤذِّنِینَ أصواتَهُمْ فِی جُمُعةٍ وغیرِها، یعنِی أصل الرّفعِ، أمّا مَا تعارفُوه فِی زَمانِنَا فلایبعُدُ أنّهُ مُفسِدٌ، إذِ الصیاح مُلحقٌ بالکَلام، فتح. وقَائِمٍ بأحدَبَ وإن بلغَ حدبتُهُ الرّکوعَ علَی المُعتمَدِ، وکَذَا بأعرجَ وغیره أولٰی، ومُؤمٍ بِمِثلِهٖ إلّا أن یؤمِی الإمامُ مضطجِعًا والمُؤتمُّ قاعدًا أو قائمًا، هُو المُختارُ. ومُتنفِلٍ بمُفترِضٍ فِی غَیرِ التّراوِیحِ فِی الصحِیحِ، خانیة. وکأنه لأنّها سنةٌ علٰی هَیئةٍ مَخصُوصةٍ، فیراعی وَصفها الخَاص للخُروجِ عَنِ العُهدَةِ.

وضو کر کے نماز ادا کرنے والے کی اقتداء تیمّم والے کے پیچھے

عبارتِ بالا میں یہ مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر کوئی شخص وضو کیا ہے لیکن اب اس کے پاس پانی نہیں ہے، وہ کسی تیمم کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز درست ہوگی، اگر چہ اس تیمم کرنے والے نے تیمم کرنے سے پہلے گدھے کے جھوٹے سے کیوں نہ وضو کیا ہو، یہ مسئلہ مجتبیٰ نامی کتاب میں مذکور ہے۔ حضرت شارح علیہ الرحمہ نے "لَا مَاءَ مَعَهُ" کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر مقتدی کے پاس پانی موجود ہو تو امام اس سے وضو کر سکتا ہے۔ اور اگر امام کسی بیماری کی وجہ سے تیمّم کرتا ہو تو اسکی اقتداء بالکل درست ہے۔

اسی طرح غاسل کی نماز ماسح کے پیچھے درست ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص پاؤں کو دھویا ہے اور دوسرا شخص پاؤں پر مسح کیا ہے تو پاؤں کے دھونے والے شخص کی نماز پاؤں پر مسح کرنے والے کے پیچھے درست ہے، اگر چہ وہ مسح اس ٹوٹے ہوئے عضو کی پٹی پر کیوں نہ کیا ہو۔

کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی اقتداء بیٹھنے والے کے پیچھے

مسئلہ یہ ہے کہ قائم کی نماز قاعد کی اقتداء میں درست ہے، یعنی ایک شخص اپنی نماز کھڑے ہو کر با قاعدہ رکوع و سجود کے ساتھ ادا

کرتا ہے، وہ ایسے شخص کی اقتداء کرتا ہے جو بیٹھ کر رکوع سجدے کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے تو یہ درست ہے، اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری نماز بیٹھ کر پڑھائی اور حضراتِ صحابہ کرام آپ کے پیچھے کھڑے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کی تکبیر کی آواز کو لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس عمل سے معلوم ہوا کہ موذن کو جمعہ وغیرہ میں تکبیر کی آواز کو بلند کرنا جائز ہے، یعنی نفس بلند کرنے کا جواز ثابت ہو رہا ہے۔ رہا ہمارے زمانے میں جو متعارف ہے اور لوگوں نے رائج کر لیا ہے سو تعجب نہیں کہ وہ ان کی نماز کے لئے مفسد ہو، اس لئے کہ چیخنا چلانا کلام کے ساتھ لاحق ہے، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔

رسول اللہؐ کی آخری نماز کی کیفیت حدیث شریف کی روشنی میں

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز اور مرض الوفات کی نماز کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس قاصد بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شروع میں تو عذر ظاہر کیا اور حضرت عمر بن الخطابؓ کو نماز کے لئے آگے بڑھانے کی کوشش کی، لیکن حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا کہ آپ اس کے زیادہ لائق ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نماز شروع کرادی، اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ افاقہ محسوس ہوا تو آپ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے سہارے جماعت میں شرکت کے لئے مسجد تشریف لائے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بائیں جانب بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ کے پہنچنے کے بعد قرأت بند کردی اور منصب امامت سے پیچھے ہٹ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے اور بیٹھے ہوئے لوگوں کو نماز پڑھائی، جب کہ صحابۂ کرامؓ آپ کے پیچھے کھڑے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکبیر کی آواز کو لوگوں تک بلند آواز سے پہنچاتے رہے اور یہ نماز ظہر کی تھی، جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں موجود ہے۔ (بخاری شریف/۱/۹۹)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر امام بیٹھ کر نماز ادا کرے اور مقتدی امام کے پیچھے کھڑے ہوں تب بھی اقتداء درست ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ مکبّر امام کی آواز کو بلند آواز کے ذریعہ لوگوں تک پہنچا سکتا ہے، بشرطیکہ امام کی آواز مقتدیوں تک نہ پہنچتی ہو۔ اور اگر امام کی آواز تمام مقتدیوں تک پہنچ رہی ہو تو پھر خواہ مخواہ مکبّر کا آواز بلند کرنا مکروہ ہے، ائمہ اربعہ اسی کے قائل ہیں۔ (کشف الستار/۱/۲۴۷)

کبڑے کی امامت کا حکم شرعی

کبڑے شخص کے پیچھے اس شخص کی نماز درست ہے جو کھڑے ہو کر نماز ادا کرے، اگر چہ اسکا کبڑا پن رکوع کی حد تک پہنچ

گیا ہو، اس بارے میں معتمد قول یہی ہے۔اسی طرح لنگڑے کی امامت بھی درست ہے اور اس کی اقتداء میں کھڑے ہونے والے لوگ نماز ادا کر سکتے ہیں، البتہ غیر لنگڑے کی امامت اولیٰ اور بہتر ہے، اسی طرح متوضی اور قائم کی امامت اولیٰ ہے، متیمم اور قاعد کی امامت سے۔ (کمافی الشامی)

اشارہ کرنیوالے کی نماز اشارہ کرنیوالے کے پیچھے درست ہے

مسئلہ یہ ہے کہ اشارہ کر کے نماز ادا کرنے والا اشارہ کرنے والے امام کی اقتداء کر سکتا ہے، یعنی امام اور مقتدی دونوں ہی اشارہ سے نماز پڑھنے والے ہوں، ہاں اگر امام چت لیٹ کر اشارہ کر رہا ہو اور مقتدی بیٹھ کر اشارہ کرتا ہو یا کھڑے ہونے کی حالت میں اشارہ کرتا ہو تو اس صورت میں اقتداء درست نہ ہوگی، یہی مختار قول ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مقتدی امام سے قوی الحال ہے، حالانکہ امام کو قوی الحال ہونا چاہئے۔ (شامی/۲/۳۳۸)

متنفل کی نماز مفترض کے پیچھے جائز ہے

نفل نماز پڑھنے والے کیلئے فرض پڑھنے والے کی اقتداء درست ہے؛ البتہ تراویح کی نماز پڑھنے والے کے لئے درست نہیں ہے، یعنی امام فرض ادا کر رہا ہے اور کوئی دوسرا شخص تراویح کی نماز کی نیت سے اس کے ساتھ شریک ہو جائے تو اس کی تراویح صحیح نہ ہوگی، اس بارے میں صحیح قول یہی ہے، جیسا کہ خانیہ میں تحریر ہے، اس لئے کہ تراویح کی نماز ایک مخصوص قسم کی سنت ہے لہٰذا اس کی ادائیگی کے لئے خاص وضع شرعی کی رعایت ضروری ہے۔

فُرُوعٌ: صَحّ إقتِداءُ مَتنفِلٍ بمُتَنفِلٍ، ومَن يرَى الوِترَ واجبًا بمَن يرَاهُ سُنّةً، ومَن اقتدىٰ فِي العَصرِ وهُو مُقيمٌ بعدَ الغُروبِ بمَن أحرمَ قبلَهُ للإتحادِ، وإذَا ظهَرَ حدثُ إمامِهِ وَ كَذا كُلُّ مُفسدٍ فِي رأيِ مقتد بَطَلَتْ فَيلزَمُ إعادَتُها لِتضمُّنِها صلاةَ المُؤتمِّ صِحةً وفَسادًا، كَمَا يلزَمُ الإمامَ إخبارُ القَومِ إذَا أمَّهُم وهُو مُحدِثٌ أو جُنُبٌ أو فاقِدُ شرطٍ أو رُكنٍ، وهَلْ عَليهِمْ إعادتُها إن عدلاً؟ نعمْ، وإلاّ ندبَتْ، وقِيلَ لاَ لفسقِهِ باعتِرافِهِ، ولَو زعمَ أنَّهُ كافِرٌ لَم يُقبَلْ مِنهُ لأنّ الصّلاةَ دلِيلُ الإسلامِ وأجبرَ عليهِ، بالقَدرِ المُمكِنِ بِلسانِهِ أو بِكِتابٍ أو رسُولٍ علَى الأصحِّ لَو معنيين، وإلاّ لاَيَلزِمُهُ، بحر عَن المِعراجِ. وصحَّحَ فِي مجمَعِ الفَتاوىٰ عَدمَهُ مُطلقًا لِكونِهِ عَن خطاءٍ معفوٍ عَنهُ، لكنّ الشّروحَ مُرجّحةٌ علَى الفَتاوىٰ. وإذَا اقتدىٰ أُمِّيٌّ

وقارئٌ بأمّي تفسُدُ صلاةُ الكُلِّ للقُدرةِ على القِراءَةِ بالإقتِداءِ بالقَارِي، سواءٌ عَلِمَ به أو لاَ، نواهُ أو لاَ، على المذهب، أو استخلفَ الإمامُ أمِّيًا فِي الأخرَيَينِ ولَو فِي التّشهُّدِ، أمّا بعدَهُ فتصِحُّ لِخُروجِهِ بصُنعِهِ، تفسُدُ صلاتُهُم لأنّ كُلّ ركعَةٍ صلاةٌ، فلاتخلُوا عَن القِراءَةِ وَلَو تَقدِيرًا، وصَحّت لَو صَلّى كُلٌّ مِن الأمِّي وَالقَارِي وحدَهُ فِي الصحِيحِ. بِخِلافِ حُضُورِ الأمِّي بعدَ إفتِتاحِ القَارِي إذا لَم يَقتَدِ به وصَلّى مُنفرِدًا، فإنّهَا تفسُدُ فِي الأصحّ، لِمَا مرَّ.

کچھ جزئی مسائل

فروع سے ان ضروری مسائل کا ذکر فرمارہے ہیں جن کا شارح نے اضافہ فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ نفل نماز پڑھنے والے کی اقتداء نفل پڑھنے والے کے پیچھے درست ہے۔اور جو شخص وتر کو واجب سمجھتا ہے اس کی نمازِ وتر اس شخص کے پیچھے درست ہے جو وتر کی نماز کو سنت سمجھتا ہے اور ایک ہی سلام سے تینوں رکعتیں پڑھتا ہے۔ (کذا فی الشامی/۲/۳۳۹)

غروبِ آفتاب کے بعد مقیم شخص کا اقتداء کرنا

اگر مقیم شخص عصر کی نماز میں آفتاب کے غروب ہونے کے بعد اس شخص کی اقتداء کرے جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے عصر کی نیت کی تھی تو یہ اقتداء درست ہے، اس لئے کہ دونوں کی نماز میں اتحاد ہے۔ (علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہاں مقیم کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اگر مسافر نے غروبِ آفتاب کے بعد اقتداء کی تو اقتداء درست نہ ہوگی، یعنی مسافر کے لئے جائز نہیں ہے کہ وقت نکلنے کے بعد رباعی نماز میں کسی مقیم کی اقتداء کرے۔ (شامی/۲/۳۳۹)

امام کے فارغ ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ بے وضو نماز پڑھادی تو کیا حکم ہے؟

اگر مقتدی کو یہ معلوم ہوا کہ اس کے امام نے بلا وضو نماز پڑھادی تو اب اس صورت میں مقتدی کی نماز باطل ہوجائے گی اور اس نماز کا اعادہ لازم ہوگا، اس لئے کہ مقتدی کی نماز کی صحت کا مدار امام کی نماز کی صحت پر تھا، جب بلا وضو نماز پڑھانے کی وجہ سے امام کی نماز باطل ہوگئی تو مقتدی کی نماز تو بدرجۂ اولیٰ باطل ہوجائے گی، یہی حکم ہر اس فاسد کرنے والی صورت کا ہوگا جس میں امام کی نماز مقتدی کی رائے کے مطابق باطل ہوجائے۔

اگر امام نے بے وضو نماز پڑھادیا تو امام کیلئے فرضِ شرعی کیا ہے؟

اگر امام نے بغیر وضو کے نماز پڑھادی، یا جنابت کی حالت میں نماز پڑھادی یا کسی ایسی شرط یا رکن کو ترک کردیا جس سے

نماز فاسد ہو جاتی ہے تو امام پر لازم ہے کہ تمام مقتدیوں کو اس کی خبر دے یعنی اعلان کر دے کہ میں نے نماز بلاوضو پڑھادی ہے، یا مجھ سے کوئی رکن نماز میں چھوٹ گیا ہے، لہٰذا آپ حضرات نماز کا اعادہ کرلیں۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ امام کے اس اعلان اور خبر دینے کی وجہ سے کیا مقتدی پر اس نماز کا اعادہ کرنا لازم ہے؟

تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر مقتدی حضرات امام کو عادل سمجھتے ہیں اور امام کو اپنے قول میں سچا سمجھتے ہیں تو اس نماز کا اعادہ لازم ہے۔ اور اگر مقتدیوں کے خیال میں امام عادل نہیں ہے تو مقتدیوں کے لئے دوبارہ نماز پڑھنا مستحب ہوگا۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ جب امام نے جان بوجھ کر بے وضو نماز پڑھائی اور پھر لوگوں کو خبر دی تو وہ اپنے اس فعل کی وجہ سے فاسق ہو گیا، لہٰذا مقتدیوں پر اس نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ فاسق کی خبر دین کے باب میں قابل اعتماد نہیں ہے، ہاں اگر یہ معلوم ہو کہ امام سے ایسی غلطی بھول کر ہوئی اور اس نے خوف الٰہی اور بر بنائے تقویٰ خبر دی ہے تو ایسی صورت میں مقتدی حضرات نماز کا اعادہ کریں گے۔

اگر امام اپنے آپ کو کافر کہے تو کیا حکم ہے؟

اگر امام نماز کے بعد یہ کہے کہ میں کافر ہوں، یعنی امام خود کو کافر سمجھے تو اس کی یہ بات شرعی اعتبار سے تسلیم نہیں کی جائے گی؛ بلکہ اس کو مسلمان ہی مانا جائے گا، اس لئے کہ نماز پڑھنا ایمان اور اسلام کی دلیل ہے اور چونکہ امام اپنے اس قول کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے، لہٰذا اس کو مجبور کیا جائے گا کہ اسلام قبول کرے۔

جس امام نے بے وضو نماز پڑھائی ہے اس کا فرض ہے کہ جس طرح ہو سکے حتی الامکان تمام مقتدیوں کو خبر کر دے، زبان سے کہہ کر ہو یا خط لکھ کر ہو، یا قاصد بھیج کر ہو، اس باب میں صحیح قول یہی ہے کہ امام کے لئے خبر دینا لازم ہے۔ اور امام کے لئے یہ خبر دینا اس وقت لازم ہے جب کہ مقتدی متعین اور معلوم ہوں اور اگر مقتدی کے متعلق کوئی علم نہیں ہے کہ کون کون تھے تو خبر کرنا اس پر لازم نہیں ہے، جیسا کہ البحر الرائق میں معراج سے نقل کیا گیا ہے۔ اور مجمع الفتاویٰ میں اس کی تصحیح کی گئی ہے کہ اس پر مطلقاً خبر دینا لازم نہیں ہے، خواہ نماز کا فاسد ہونا متفق علیہ ہو یا مختلف فیہ ہو، اس لئے کہ امام سے یہ فعل غلطی سے ہوا ہے، امام نے ایسا کام جان بوجھ کر نہیں کیا ہے اور شریعت میں غلطی معاف ہے اس لئے اطلاع دینا ضروری نہیں ہے لیکن شروح میں خبر دینے کو لکھا ہے اور اس مسئلہ میں شروح کو فوقیت حاصل ہے فتاویٰ پر، لہٰذا مجمع الفتاویٰ کا قول اس باب میں ناقابل التفات ہے۔ (شامی/۲/۳۴۱)

اَن پڑھ شخص کی امامت کا شرعی حکم

اگر کسی اَن پڑھ شخص کی اقتداء اَن پڑھ شخص اور پڑھنے والے دونوں نے کی ہے تو اس صورت میں تمام لوگوں کی نماز فاسد ہو جائے گی، خواہ امام کو اس کا علم ہو یا نہ ہوا اور اس نے پڑھنے والے شخص کی امامت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ نماز فاسد ہونے کی علت یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ میں پڑھنے والے شخص کے موجود ہونے کی وجہ سے قرأت پر قدرت پائی گئی کہ سارے لوگ پڑھنے والے کی اقتداء کرتے، اس صورت میں نماز کا فاسد ہونا ہی مختار مذہب ہے۔

مسئلہ ہذا میں حضرات ائمہ کرام کا اختلاف

مذکورہ مسئلہ میں علامہ شامیؒ نے احناف علماء کا اختلاف نقل کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ مسئلہ بالا میں تمام لوگوں کی نماز حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک فاسد ہوگی۔ اور حضراتِ شیخین کے نزدیک صرف پڑھنے والے شخص کی نماز فاسد ہوگی، اس لئے کہ قرأت پر قدرت کے باوجود اس نے امی کی اقتداء کر کے فرض کو چھوڑ دیا ہے۔ اور حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ تمام لوگوں کی نماز فاسد ہوگی، اس لئے کہ لوگ قاری کو امام بنانے پر قادر تھے اسکے باوجود ان لوگوں نے غیر قاری امی کو بڑھا دیا اور قرأت جو فرض ہے اس کو ترک کر دیا ہے اس لئے سب کی نماز فاسد ہوگی۔ (شامی/۲/۳۴۱)

اَن پڑھ شخص کو خلیفہ بنانے کا شرعی حکم

قَولُه او استخلَفَ الإمام اميًا فِي الأخرين: اس عبارت سے یہ مسئلہ بیان کیا جارہا ہے کہ اگر امام اخیر کی دو رکعتوں میں کسی اَن پڑھ شخص کو اپنا خلیفہ بنادے، خواہ تشہد میں کیوں نہ بنائے، تو تمام لوگوں کی نماز فاسد ہو جائے گی، ہاں اگر تشہد کے بعد کسی اَن پڑھ شخص کو خلیفہ بنایا تو نماز درست ہو جائے گی، اس لئے کہ امام نے اپنے فعل سے نماز سے خروج کیا ہے، اور قبل التشہد خلیفہ بنانے میں نماز اسلئے فاسد ہوگی کہ ہر رکعت ایک علیحدہ نماز ہے جو قرأت سے خالی نہیں ہے، قرأت بہر صورت ہوتی ہے چاہے تقدیری کیوں نہ ہو اور امی شخص قرأت تقدیری پر بھی قادر نہیں ہے اس لئے کہ امی کے اندر صلاحیت ہی معدوم ہے اس لئے نماز سب کی فاسد ہوگی۔ (شامی/۲/۳۴۲)

اگر اَن پڑھ اور قاری میں سے ہر شخص نے اپنے طور پر الگ الگ نماز پڑھی تو اس صورت میں ہر ایک کی نماز درست ہو جائیگی، ہاں اگر قاری نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک اَن پڑھ شخص آیا اور قاری کی اقتداء نہ کی بلکہ تنہا نماز پڑھنا شروع کر دیا تو اس صورت میں امی کی نماز نہیں ہوگی، اس بارے میں صحیح قول یہی ہے۔ نماز نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امی کی قاری کے پیچھے نماز پڑھنے پر

قدرت کی وجہ سے حکماً قرأت پر قدرت حاصل ہوگئی تھی مگر اس نے چھوڑ دیا اس لئے نماز فاسد ہوگی۔ (شامی/۲/۳۴۲)

وَ اعلَمْ انَّ المُدرِكَ مَن صلَّاها كَامِلَةً مَعَ الإمامِ، واللّاحِقٌ مَن فاتتهُ الرّكعاتُ كُلّهَا او بعضُهَا لكنْ بَعدَ إقتِدائِهِ بِعُذرٍ، كغفلَةٍ وزَحمةٍ وسبقِ حدثٍ وصلاةِ خوفٍ، ومقيم ائتمّ بِمُسافِرٍ، وكذا بلاعُذرٍ، بأنْ سبقَ إمامَهُ فِي رُكُوعٍ وسُجُودٍ فإنّهُ يقضِي ركعَةً، وحُكمُه كمُؤتمٍّ فلايَأتِي بِقراءةٍ ولاَ سهوٍ، ولاَيتغيَّرُ فرضُهُ بنِيّةِ إقامَةٍ، ويبدأ بقضاءِ ما فاتَهُ عكس المَسبُوقِ ثُمّ يتابعُ إمامَه إن أمكنَهُ وإدراكه، وإلاّ تابعَهُ، ثُمّ صلّى مَا نامَ فِيهِ بِلاقِراءةٍ، ثُمّ ما سبقَ بهِ بهَا، إنْ كانَ مسبُوقًا أيضًا، ولَو عكسَ صحَّ وأثِمَ لِترْكِ التّرتِيبِ، والمَسبُوقُ مَن سبقَهُ الإمام بهَا أو ببعضِهَا وهُو مُنفرِدٌ حتّٰى يثنِي ويتَعَوّذُ وَيقرَأ، وإنْ قرَأ معَ الإمامِ لِعدمِ الإعتِدادِ بِها لِكراهَتِها، مِفتاحُ السّعادةِ. فِيمَا يقضِيهِ أي بعدَ مُتابعتِهِ لإمامِهِ، فلَو قبلَها فالأظهَرُ الفَسادُ، ويقضِي أوّلَ صلاتِهِ فِي حقِّ قِراءَةٍ، وآخرهَا فِي حقِّ تشهُّدٍ، فمُدركُ ركعةٍ مِن غَير فجرٍ يأتِي بركعتَينِ بِفاتحةٍ وسُورةٍ وتشهُّدٍ بينَهُما، وبرابعةِ الرّباعِي بفاتحةٍ فقط، ولايقعدُ قبلَهَا، إلّا فِي أربعٍ فكمقتدٍ أحدها لايجوزُ الإقتِداءُ بهِ وإنْ صحّ إستخلافُه فِي حدِّ ذاتِهِ لإحالةِ القَضاءِ فلاإستِثنَاءَ أصلاً كمَا زعمَ فِي الأشباهِ، نعمْ لَو نَسِيَ أحد المَسبُوقِين يَقضِي مُلاحِظًا للآخرِ بلاإقتداءٍ صحّ.

مدرک، لاحق اور مسبوق کی تعریف اور ان کے احکام

عبارتِ مذکورہ بالا میں صاحب کتاب، مدرک، لاحق اور مسبوق کی تعریف اور ان کے شرعی احکام ومسائل کو بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ مصنف موصوف فرماتے ہیں کہ یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ "مدرک" اصطلاحِ فقہ میں اس مقتدی کو کہا جاتا ہے جس نے امام کے ساتھ مکمل نماز ادا کی ہو۔ اور "لاحق" فقہ کی اصطلاح میں اس مقتدی کو کہا جاتا ہے جو شروع نماز میں امام کی اقتداء کیا ہو مگر اس کے بعد اس کی کل رکعتیں یا کچھ رکعتیں چھوٹ گئی ہوں اور امام کے ساتھ یہ رکعتیں کسی عذر کی وجہ سے چھوٹی ہوں، جیسے غفلت کی وجہ سے، یا بھیڑ کی وجہ سے، یا وضو ٹوٹ جانے کی وجہ سے، یا خوف کی نماز کی وجہ سے، یا مقیم ہو کسی مسافر کی اقتداء کر لی ہو، اسی طرح اگر رکعتیں بلا کسی عذر کے چھوٹ جائیں بایں طور کہ مقتدی اپنے امام سے پہلے ایک رکوع وسجدہ کر لے، ایسا شخص ایک رکعت امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کرے گا تو وہ اس رکعت میں لاحق شمار ہوگا۔

لاحق کے احکام

لاحق کا حکم شریعت میں مقتدی ہی کی طرح ہے کہ جب وہ فوت شدہ رکعت کو ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوگا تو قرأت نہ کرے گا۔ اور اگر رکعت ادا کرنے میں کوئی موجب سجدہ سہو کام ہوگیا تو وہ سجدۂ سہو بھی نہ کرے گا اور اسکا فرض اقامت کی نیت کرنے سے نہ بدلے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر لاحق شخص فوت شدہ نماز ادا کرنے میں اقامت کی نیت کرلے گا تو اس کے ذمہ چار رکعت واجب نہ ہوں گی؛ بلکہ دو ہی رکعت واجب ہوں گی۔

لاحق اپنی فوت شدہ نماز کس طرح ادا کرے؟

لاحق شخص اپنی فوت شدہ نماز اس طرح ادا کرے گا کہ پہلے وہ رکعتیں ادا کرے جو فوت ہوگئی ہیں، گویا لاحق مسبوق کا اُلٹا ادا کرے گا (اس لئے کہ مسبوق تو اپنی چھوٹی ہوئی نماز میں قرأت بھی کرے گا۔ اور اگر بقیہ نماز ادا کرنے میں کوئی کام موجب سہو ہوگیا تو سہو بھی واجب ہوگا، لاحق سجدۂ سہو نہیں کرے گا۔ اقامت کی نیت کرلینے سے مسبوق کی نماز دو سے چار رکعت ہوجائے گی، لاحق کی نماز نہیں بدلے گی) پھر لاحق اپنے امام کی پیروی کرے گا، اگر امام کی پیروی اور امام کو پانا ممکن ہو تب یہ حکم ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ لاحق شخص پہلے فوت شدہ رکعت ادا کرے گا اس کے بعد اگر امام نماز سے ابھی فارغ نہیں ہوا تو امام کے ساتھ شریک ہوجائے گا، ورنہ خود ہی پوری کرکے نماز سے فارغ ہوجائے گا۔ (شامی/۲/۳۴۵)

آگے مصنف فرماتے ہیں کہ پھر اگر لاحق مسبوق بھی ہو تو اس صورت میں پہلے وہ رکعت بلا قرأت کے ادا کرے گا جن میں وہ سوگیا تھا، پھر جو رکعت چھوٹ گئی ہے قرأت کے ساتھ ادا کرے گا، لاحق شخص اگر اُلٹا کردے بایں طور کہ پہلے چھوٹی ہوئی نماز ادا کرے جس میں مسبوق تھا، پھر وہ رکعتیں جس میں سوگیا تھا تو بھی نماز صحیح ہوجائے گی، لیکن خلافِ ترتیب کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا، اس لئے کہ مذکورہ ترتیب واجب ہے۔ (حضرت امام زفرؒ کے نزدیک اُلٹا کرنے کی صورت میں نماز نہیں ہوگی، اس لئے کہ ان کے نزدیک ترتیب فرض ہے)۔ (شامی/۲/۳۴۶)

لاحق کے مسبوق ہونے کی صورت

لاحق کے مسبوق ہونے کی صورت یہ ہوگی، مثلاً ایک شخص ظہر کی دوسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا تھا مگر وہ تیسری اور چوتھی رکعت میں سوگیا اور اس طرح اس کی دو رکعتیں چھوٹ گئی تھیں ان دونوں رکعتوں میں وہ لاحق ہوگیا، اب جب وہ بیدار ہو تو پہلے وہ تیسری اور چوتھی رکعت بلا قرأت پڑھے گا اور وہ حکماً مقتدی ہوگا، پھر وہ رکعت جو نہ ملی تھی وہ ادا کرے

گا۔اور چونکہ اس میں مسبوق ہے لہٰذا اس پہلی رکعت میں قرأت کرے گا۔ (شامی/۲/۳۴۶)

مسبوق کے احکامِ شرعی

مسبوق وہ شخص ہے کہ امام اس سے پہلے تمام رکعتیں یا کچھ رکعتیں پڑھ چکا ہو اور یہ ان کو نہ پاسکا ہو۔ مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی نمازوں کی ادائیگی میں منفرد کے حکم میں ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مابقیہ نماز ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوگا تو ثنا یعنی سُبحانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھے گا، تعوذ یعنی اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيطٰنِ الرَّجِيم پڑھے گا، نیز قرأت بھی کرے گا اگرچہ اس نے امام کے پیچھے قرأت کی ہو تو بھی فوت شدہ رکعتوں میں قرأت کرے گا امام کے پیچھے قرأت کرنا شمار نہ ہوگا، کیونکہ خلف الامام قرأت کرنا مکروہ ہے، جیسا کہ مفتاح السعادہ نامی کتاب میں ہے۔

مسبوق اپنی فوت شدہ نماز کب ادا کرے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مسبوق اپنی مابقیہ نماز امام کے فارغ ہونے کے بعد ادا کرے گا، اگر مسبوق امام کی فراغت سے پہلے پڑھے گا اور مابقیہ نماز ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوجائے گا تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی، اس باب میں اظہر قول یہی ہے۔

مسبوق اپنی مابقیہ نماز کس طرح ادا کرے؟

مسبوق اپنی مابقیہ نماز ادا کرنے میں قرأت کے اعتبار سے ابتدائے نماز کی طرح ہے، یعنی مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی نماز کو قرأت کے ساتھ ادا کرے گا اور تشہد کے باب میں اخیر نماز کی طرح ہے، چنانچہ اگر کسی شخص نے نمازِ فجر کے علاوہ میں صرف ایک رکعت امام کے ساتھ پائی ہے اور باقی تین رکعتیں چھوٹ گئی ہیں تو اب یہ شخص اپنی چھوٹی ہوئی نماز اس طرح ادا کرے گا کہ پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور سورت دونوں ملائے گا اور ان دونوں کے درمیان بیٹھ کر تشہد بھی پڑھے گا اس لئے کہ اس کو امام کے ساتھ صرف ایک رکعت ملی تھی، جب اس نے ایک اور پڑھی تو دو رکعت ہوگئی ہے، لہٰذا اس میں تشہد پڑھے گا اس کے بعد پھر کھڑا ہوگا اور دوسری رکعت ادا کرے گا اور اس میں سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت ملائے گا، اس کے بعد چوتھی رکعت ادا کرے گا اور اس میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھے گا کوئی سورت نہیں ملائے گا اور اس کے بعد قعدۂ اخیرہ کے لئے بیٹھے گا اس سے پہلے نہیں بیٹھے گا۔

چار مسئلوں میں مسبوق مقتدی کی طرح ہے

قَوْلُه إلاَّ فِي أربعٍ الخ: حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مسبوق چار مسائل میں منفرد کے حکم میں نہیں ہے؛ بلکہ مقتدی کے حکم میں ہے۔ان چار مسائل میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ مسبوق کی اقتداء جائز نہیں ہے، جس طرح کہ مقتدی کی اقتداء درست نہیں ہے، یعنی اگر کوئی شخص اپنی فوت شدہ نمازیں ادا کر رہا ہے اور کسی نے آکر اس کی اقتداء کرلی تو یہ اقتداء درست نہیں ہے، لیکن منفرد کی اقتداء جائز ہے، یعنی اگر منفرد کے پیچھے کوئی اقتداء کرے تو درست ہے۔اور گو کہ مسبوق کو مسبوق ہونے کی حالت میں خلیفہ بنانا درست ہے البتہ قضاء کی حالت میں اس کا خلیفہ بنانا درست نہیں ہے۔اور چونکہ یہاں قضاء کا ہونا محال ہے اس لئے اس کو خلیفہ بنانا درست ہے اور اس میں کوئی استثناء نہیں ہے جیسا کہ صاحب الاشباہ نے خیال کیا ہے۔

دوسرے نمازی کو دیکھ کر اپنی فوت شدہ نماز مکمل کرنے کا حکم

مسئلہ یہ ہے کہ دو شخص ایک یا دو رکعت کے بعد امام کے ساتھ شریک ہوئے اور ان میں سے کسی کو یہ معلوم نہیں ہے کہ کتنی رکعتیں امام کے ساتھ پڑھی ہیں اور کتنی رکعتیں چھوٹی ہیں، چنانچہ اپنے ساتھی کو دیکھ کر بقیہ رکعتیں ادا کیں، لیکن اس کی اقتداء نہ کی؛ بلکہ اس کو دیکھ کر ادا کی تو یہ شکل شرعی اعتبار سے جائز ہے، فتاویٰ خانیہ اور فتح القدیر میں یہ مسئلہ اسی طرح مذکور ہے۔ (شامی/۲/۳۴۸)

وَ ثَانِيهَا يأْتِي بِتكبِيراتِ التَّشرِيقِ إجمَاعًا وثَالِثُها لَو كَبَّرَ ينوِي استئناف صلاته وقطعَهَا يصِيرُ مُستأنِفًا وقاطِعًا للأولٰى، بِخِلافِ المُنفرِدِ كمَا سَيَجِيءُ، ورابِعُها لَو قامَ إلىٰ قَضاءِ ما سبقَ بهٖ وعلَى الإمامِ سجدتا سهوٍ ولَو قبلَ إقتِدائِهٖ فعلَيهِ أن يعُودَ، وينبغِي أن يصبرَ حتّٰى يفهمَ أنّهُ لاسَهوَ علَى الإمامِ، ولَو قامَ قَبلَ السّلامِ هَل يعتدُّ بادائِهٖ؟ إنْ قبلَ قُعودِ الإمامِ قدر التشهُّدِ لاَ، وإن بعد نعَمْ، وكرهَ تحريمًا إلاَّ لِعُذرٍ، كخَوفِ حدثٍ، وخُروجِ وقتِ فجرٍ وجُمعةٍ وعِيدٍ ومَعذُورٍ، وتَمامِ مُدّةِ مسحٍ، ومُرورِ مارٍّ بَينَ يدَيهِ فإنْ فرغَ قبلَ سلامِ إمامِهٖ ثُمّ تابعَهُ فِيهِ صحّتْ، ولَو لَم يعد كانَ عليهِ أن يَسجُدَ لِلسّهوِ فِي آخرِ صلاتِهٖ استِحسانًا، قيّدَ بالسّهوِ لأنّ الإمامَ لَو تذكرَ سجدةً صُلبِيّةً أو تِلاوِيّةً فرضتِ المُتابعةُ، وهٰذا كُلُّه قَبلَ تَقيِيدِ مَا قامَ إليهِ بِسجدَةٍ، أمّا بعدهُ فتفسُدُ فِي صُلبِيّةٍ مُطلقًا، وَ كَذَا فِي تِلاوِيّةٍ، وسهو إن تابعَ، وإلاَّ لاَ، ولَو سلّمَ ساهِيًا إنْ بعدَ إمامِهٖ لزِمَهُ السّهوُ وإلاَّ لاَ، ولَو قامَ إمامُهُ لخامِسَةٍ فتابعهُ، إنْ بعدَ القُعودِ

تفسُدُ، وإلاَّ لاَ، حتّٰی یُقَیِّدَ الخامِسةَ بِسجدَةٍ، ولَو ظَنَّ الإمامُ السّھوَ فسجدَ لهُ فتابعَهُ فبانَ انْ لاَ سھوَ فَالأشبَهُ الفَسادُ، لإقتِدائِهٖ فِي موضَعِ الإنْفِرادِ.

دوسرا مسئلہ

جن مسائل میں مسبوق منفرد کے حکم میں نہیں ہے ان میں سے دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مسبوق شخص باتفاق امت تکبیر تشریق یعنی "اللّٰهُ اکبرُ، اللّٰهُ اکبر، لاإلٰهَ إلاَّ اللّٰهُ واللّٰهُ اکبرُ، اللّٰهُ اکبر ولِلّٰهِ الحَمدُ" کہے گا۔ یہ تکبیر ۹/ ذی الحجہ کی شام سے لے کر ۱۳/ ذی الحجہ کی نمازِ عصر تک کہی جائے گی۔ اور ہر فرض نماز کے بعد جو باجماعت پڑھی گئی ہو اس میں واجب ہے۔ منفرد شخص پر حضرتِ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک تکبیراتِ تشریق نہیں ہیں۔ (شامی/۲/۳۴۸)

تیسرا مسئلہ

اس باب میں تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسبوق اپنی بقیہ نمازوں میں سے کچھ ادا کر کے اپنی نماز از سرِ نو ادا کرنا شروع کر دے اور اس کو ختم کرنے کی نیت سے تکبیر کہے تو وہ از سرِ نو نماز پڑھنے والا ہو جائے گا اور پہلی نماز کو توڑنے والا ہوگا، حالانکہ منفرد مستانف نہیں ہوتا ہے جیسا کہ عنقریب اس کی بحث آئے گی۔

چوتھا مسئلہ

چوتھا مسئلہ جس میں مسبوق مقتدی کی طرح ہوتا ہے یہ ہے کہ اگر مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی نماز مکمل کرنے کے واسطے کھڑا ہوا اور امام پر سہو کے دو سجدے تھے، اگر وہ سہو مسبوق کے مقتدی بننے سے پہلے ہوا ہے تو اس وقت مسبوق پر واجب ہے کہ کھڑا نہ رہے؛ بلکہ پلٹ کر بیٹھ جائے اور امام کے ساتھ سجدۂ سہو ادا کرے، اسی لئے مسبوق پر یہ واجب ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد تھوڑا سا صبر کرے تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ امام کے ذمہ سجدۂ سہو واجب نہیں ہے، جب امام دوسرا سلام پھیر دے تو مسبوق بقیہ رکعت ادا کرنے کے واسطے کھڑا ہو۔

مسبوق کا امام کے سلام سے پہلے کھڑے ہونے کا شرعی حکم

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسبوق اپنے امام کے دوسرے سلام پھیرنے سے قبل کھڑا ہو جائے تو کیا اس کا رکوع سجدہ وغیرہ ادا کرنا درست ہوگا؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر مسبوق امام کے بقدر تشہد بیٹھنے سے پہلے مابقیہ نماز ادا کرنے کے

لئے کھڑا ہو جائے تو اس صورت میں مابقیہ نماز ادا کرنا درست نہ ہوگا۔ اور امام کے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد مابقیہ ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو درست ہوگا۔

(حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ صاحب درمختار نے ''قعود الامام'' کی قید لگائی ہے اس لئے کہ اگر مسبوق اپنا سر سجدہ سے اپنے امام سے پہلے اُٹھالیا اور بقدر تشہد بیٹھا اور امام کے بیٹھنے سے پہلے کھڑا ہو گیا تو اس مسبوق کا قعود معتبر نہ ہوگا، حتی کہ اگر مقتدی مدرک ہو اور امام سے پہلے سجدہ سے سر اٹھالیا اور امام سے پہلے سلام پھیر دیا تو اس صورت میں اس کی نماز درست نہ ہوگی۔ اور بقدر تشہد سے مراد ''عبدہٗ ورسولہٗ'' تک پڑھنے کی مقدار تک بیٹھنا ہے، بالفعل پڑھنا مراد نہیں ہے)۔ (شامی/۲/۳۴۹)

امام سے پہلے عذر کی وجہ سے کھڑا ہونا

مسبوق کا امام کے بقدر تشہد بیٹھنے سے پہلے اپنی مابقیہ نماز مکمل کرنے کے واسطے کھڑا ہونا مکروہِ تحریمی ہے، ہاں اگر کوئی واقعی شرعی مجبوری ہو تو پھر کھڑا ہونا مکروہِ تحریمی نہ ہوگا۔ اور وہ شرعی مجبوری درج ذیل ہیں:

۱- اگر مسبوق کو خطرہ ہو کہ اتنی مقدار رکنے سے وضو ٹوٹ جائے گا تو قبل الامام کھڑا ہونا جائز ہے۔

۲- یا مسبوق کو خوف ہو کہ فجر کی نماز کا وقت یا جمعہ کی نماز کا وقت یا عیدین کی نماز کا وقت نکل جائے گا تو اس کے واسطے کھڑا ہونا جائز ہے، یعنی اگر مسبوق کو یہ اندیشہ ہو کہ امام کے سلام پھیرنے تک انتظار میں بیٹھا رہا اور اس کے بعد اپنی مابقیہ رکعتیں ادا کیں تو اتنے وقت میں نماز' ٹائم ختم ہو جائے گا یا پھر وہ شرعی اعتبار سے معذور ہو یا اندیشہ ہو کہ مسح کی مدت مکمل ہو جائے گی، یا نماز پڑھتے ہوئے لوگ سامنے سے گذرنا شروع کر دیں گے، تو ان تمام صورتوں میں مسبوق کا امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے سے قبل کھڑا ہونا مکروہِ تحریمی نہ ہوگا۔

مسبوق کا امام کے سلام مکمل کرنے سے قبل کھڑا ہونا پھر اس کی متابعت کرنا

اگر مسبوق امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے سے پہلے کھڑا ہو گیا اور امام کے سلام پھیرنے سے پہلے پہلے اپنی بقیہ نماز ادا کر کے دوبارہ امام کی متابعت اور اقتداء کر لی تو اس کی نماز اس صورت میں درست ہوگی۔

(لیکن علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بعض علماءِ کرام کے نزدیک نماز فاسد ہوگی، لیکن اس مسئلہ میں فتویٰ یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی، فتح القدیر اور البحر الرائق میں یہی مذکور ہے)۔ (شامی/۲/۳۴۹)

مسئلہ: اگر مسبوق امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے سے قبل کھڑا ہو گیا اور امام پر سجدۂ سہو واجب تھا پلٹ کر امام کیساتھ سجدۂ سہو میں شریک نہیں ہوا تو اس مسبوق کو چاہئے کہ اپنی نماز کے آخر میں سجدۂ سہو کرے، قیاس واستحسان اسی کا متقاضی ہے۔

سجدۂ سہو کی قید کی وجہ

حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے یہ قید لگائی ہے کہ امام کے ذمہ سجدۂ سہو ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر امام کے ذمہ سجدۂ صلبیہ اس کا باقی ہو، یا اس کے ذمہ سجدۂ تلاوت باقی ہو تو ان سجدوں میں مسبوق کے لئے امام کی پیروی فرض ہوگی، اگر امام کی پیروی نہ کی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی (کیونکہ سجدۂ صلبیہ فرض ہے اور ترکِ فرض سے نماز نہیں ہوتی ہے اور سجدۂ تلاوت گو کہ واجب ہے لیکن اس کی وجہ سے چونکہ قعدۂ اخیرہ ختم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ اس کے بعد کا قعدہ فرض ہے اور امام کے فرض میں اقتداء کرنا فرض ہے اور ترک فرض سے نماز نہیں ہوتی ہے اس لئے نماز نہیں ہوگی)۔ (شامی/۲/۳۵۰)

مسبوق کے لئے امام کی متابعت کب تک ضروری ہے؟

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مسبوق اپنی مابقیہ نماز ادا کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا تو پھر لوٹ کر سجدۂ صلبی یا سجدۂ سہو میں متابعت کب تک ضروری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لوٹ کر امام کی متابعت اور پیروی اس وقت تک ضروری ہے جب تک کہ مسبوق نے اپنی نماز کا سجدہ نہ کیا ہو، اگر مسبوق نے اپنی مابقیہ نماز کا سجدہ ملا لیا ہے تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی، خواہ امام کی متابعت لوٹ کر کی ہو یا نہ کی ہو، دونوں صورتوں میں اس کی نماز نہ ہوگی، کیونکہ اس نے دو رکن: (۱) سجدۂ صلبیہ (۲) قعدۂ اخیرہ امام کے ساتھ چھوڑ دیا ہے، جب مسبوق نے سجدہ کر لیا تو اب مسبوق شخص منفرد ہو گیا ہے، اب ختم نہیں ہو سکتا ہے، اسی طرح سجدۂ تلاوت اور سجدۂ سہو کی صورت میں بھی مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ رکعت پڑھنے کے بعد وہ منفرد ہو گیا اب امام کی اقتداء کرنے سے اس کا منفرد ہونا ختم نہیں ہوگا۔ (ہاں اگر امام کی متابعت نہیں کی تو نماز ہو جائے گی، مسبوق کی نماز فاسد نہ ہوگی)۔ (شامی/۲/۳۵۰)

مسبوق کا بھول کر سلام پھیرنا

سوال: اگر مسبوق شخص کو دھیان نہ رہا اور اس نے بھول کر امام کے ساتھ سلام پھیر دیا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آیا اس کی نماز ہوگی یا نہ ہوگی؟ اس سوال کا **جواب** یہ ہے کہ اگر مسبوق نے امام کے ساتھ بھول کر سلام پھیرا ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ مسبوق کا سلام امام کے سلام کے بعد واقع ہوا تو اس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا، اس لئے کہ وہ اس حالت میں منفرد ہے اور اگر مسبوق نے امام کے ساتھ سلام پھیرا ہے یا امام سے پہلے سلام پھیرا ہے تو ان دونوں صورتوں میں مسبوق پر سجدۂ سہو لازم نہیں ہے، اس لئے کہ ان دونوں صورتوں میں مسبوق مقتدی کے حکم میں ہے اور مقتدی کے سہو سے مقتدی پر

کچھ لازم نہیں ہوتا ہے۔(شامی/۲/۳۵۰)

اگرامام پانچویں رکعت سے کھڑا ہوجائے تو مسبوق کیا کرے؟

سوال: اگرامام پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوجائے تو اس صورت میں مسبوق کیا کرے، آیاامام کی متابعت میں یہ بھی کھڑا ہوجائے یا بیٹھا رہے؟

اس کا **جواب** یہ ہے کہ اگرامام پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا اور مسبوق نے اس کی متابعت کی تو اگرامام قعدۂ اخیرہ کر لینے کے بعد کھڑا ہوا ہے تو اس صورت میں مسبوق کی نماز فاسد ہوجائے گی، اس لئے کہ امام کے قعدۂ اخیرہ کر لینے کے بعد مسبوق منفرد کے حکم میں ہوگیا تھا اسکے باوجود اس نے متابعت کی۔ اور اگر صورتِ مذکورہ میں امام نے قعدۂ اخیرہ نہیں کیا اور کھڑا ہوگیا اور مسبوق بھی کھڑا ہوگیا تو مسبوق کی نماز فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ امام کی نماز قعدۂ اخیرہ کے بغیر مکمل نہ ہوئی تھی، تو اس وقت اقتداء سے کچھ نقصان نہ ہوگا، جب تک کہ امام پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرلے۔

مسئلہ: اگرامام کو خیال ہوا کہ اس پر سجدۂ سہو لازم ہے، چنانچہ اس نے سجدۂ سہو کرلیا اور مسبوق نے اس کی پیروی کرلی، حالانکہ فی الواقع امام پر سجدۂ سہو واجب نہ تھا اور یہ امام کو سجدۂ سہو کر لینے کے بعد معلوم ہوا تو اس صورت میں فقہی اصول وقواعد کے اعتبار سے مسبوق کی نماز فاسد ہوجائے گی، اس لئے کہ مسبوق نے اس کی اس وقت پیروی کی ہے جب کہ وہ مسبوق منفرد کے حکم میں تھا۔

(اس مسئلہ میں علامہ شامیؒ نے یہ نقل کیا ہے کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور صاحب البحرالرائق نے فتاویٰ ظہیریہ سے نقل کیا ہے کہ فقیہ ابواللیث نے کہا کہ ہمارے اس زمانے میں نماز فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ قرأت کے اندر جہالت عام ہے)۔ (شامی/۲/۳۵۰)

ابوحماد غلام رسول منظور القاسمی پہراوی

خادم جامعة القرآن والسنه الخيرية، بجنور (يوبی)

۲۶-۲۷/ اللّيلة المتخلّلة من ذي القعدة ۱٤۲٥هـ

يوم السبت ليلة يوم الأحد ۲۰۰٥/۱/۸

بابُ الاستِخلاَفِ

اِعلَمْ انّ لِجوازِ البِناءِ ثلاثةَ عشرَ شرطًا: كونُ الحدثِ سماوِيًّا مِن بَدنِهِ غيرَ موجِبٍ لغسلٍ، ولاَ نَادِرَ وُجودٍ، ولَم يُؤدِ رُكنًا مَع حدثٍ او مَشيء، وَلَم يفعلْ مُنافِيًا او فعلاً له مِنهُ بدٌ ولَم يتراخ بِلاَ عُذرٍ كزَحمَةٍ، ولَم يظهَرْ حدثُهُ السّابِقُ كمَضي مُدّةِ مسحِهِ، ولَم يتذكر فائتةِ وهُو ذُو ترتِيبٍ، ولَم يتم المُؤتمُّ فِي غَيرِ مكانِهِ، ولَم يستخلِف الإمام غير صالحٍ لهَا سبقَ الإمَام حدثٌ سماوِيٌّ لاَ اختيارَ للعَبدِ فِيهِ، ولاَ فِي سببِهِ كسفرجَلة مِن شجرَةٍ، وكحدثِهِ مِن نحوِ عطاسٍ علَى الصّحِيحِ غَير مانِعٍ للبِناءِ كَمَا قدّمْنَاهُ، ولَو بعدَ التشهُّدِ ليأتِي بالسّلامِ استَخلَفَ اى جازَ لَهُ ذالكَ ولَو فِي جنَازةٍ باشارة او جر لمحراب، ولَو لِمسبُوقٍ، ويُشيرُ باصبع لبقَاءِ ركعةٍ، وباصبعَينِ لركعَتَين، ويضعُ يدهُ علىٰ رُكبته لترك رُكوعه، وعلىٰ جبهَتِهِ لسُجُودِهِ، وعلىٰ فمِهِ لِقراءَة، وعلىٰ جبهتِهِ ولِسانِهِ لِسجودِ تِلاوةٍ أو صدره للسهو، مَا لَمْ يُجاوزِ الصُّفوف لَو فِي الصّحراءِ مَا لَمْ يتقَدّمْ، فحدُّهُ السترَةُ أو موضعُ السُّجودِ علىَ المُعتمدِ كالمُنفردِ، ومَا لَمْ يخرجْ مِن المَسجدِ أو الجبانةِ أو الدارِ لَو كانَ يُصلِّي فِيهِ، لأنّهُ علىٰ إمامتهِ مَا لَمْ يُجاوزْ هذا الحدَّ ولَم يتقدّمْ أحدٌ ولَو بنفسِهِ مقامَه ناوِيًا الإمامةَ وإنْ لَم يُجاوزهُ حتّٰى لَو تذكّرَ فائتةً أو تكلّمَ لَمْ تَفسُدْ صلاةُ القومِ لأنّهُ صارَ مُقتدِيًا، ولَو كانَ المَاءُ فِي المَسجدِ لَم يحتج للإستخلاَفِ.

خلیفہ مقرر کرنے کا بیان

حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے جو باب قائم فرمایا ہے اس کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اگر امام کو خلیفہ بنانے کی ضرورت پیش آجائے، بایں طور کہ دورانِ نماز کوئی حدث یا کوئی شئی لاحق ہو جائے تو خلیفہ بنانے کے لئے کیا شرائط ہیں، چنانچہ حضرت مصنف علیہ الرحمہ اسی طرح کے مسائل اس باب میں بیان کریں گے۔

بناءِ نماز کی شرطیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ بناء کے درست ہونے کیلئے تیرہ شرطیں ہیں

۱- پہلی شرط یہ ہے کہ حدث سماوی غیر اختیاری ہو۔

۲- دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا تعلق نمازی کے بدن سے ہو، یعنی نجاست اسکے جسم سے باہر نکلے، باہر سے کوئی نجاست نہ نکلے۔

۳- وہ حدث سماوی ایسا نہ ہو کہ اس سے غسل واجب ہو جاتا ہو۔

۴- وہ وضو کا ٹوٹنا نادر الوجود بھی نہ ہو۔

۵- نمازی نے کوئی رکن حدث کے ساتھ ادا نہ کیا ہو، اگر نمازی نے حدث کی حالت میں کوئی رکن ادا کرلیا تو پھر بنا درست نہ ہوگی بلکہ از سرِ نو نماز پڑھنی پڑے گی۔

۶- نمازی نے کوئی رکن چلنے کے ساتھ ادا نہ کیا ہو، اگر کوئی رکن چل کر ادا کیا تو اس صورت میں بناء درست نہ ہوگی۔

۷- نمازی نے کوئی فعل نماز کے منافی نہ کیا ہو، جیسے کھانا وغیرہ کھانا۔

۸- نمازی نے کوئی ایسا فعل نہ کیا ہو جس سے وہ بچ سکتا تھا، مثلاً نزدیک والا پانی چھوڑ کر دور چلا گیا۔

۹- بلا عذر اس نے تاخیر نہ کی ہو، اگر عذر کی وجہ سے تاخیر کی تو بناء درست ہے، جیسے ازدحام وغیرہ۔

۱۰- اس حدث سے پہلے کا کوئی حدث ظاہر نہ ہوا ہو، جیسے موزہ کے مسح کی مدت کا گذر جانا، اس سے نماز ہی فاسد ہو جائے گی، بناء درست نہ ہوگی۔

۱۱- اس شخص کو کوئی قضاء نماز یاد نہ آئی ہو، اگر وہ صاحبِ ترتیب ہو، صاحب ترتیب شخص کو اگر فوت شدہ نماز یاد آجائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

۱۲- مقتدی نے اپنی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ نماز مکمل نہ کی ہو۔

۱۳- امام نے ایسے شخص کو خلیفہ نہ بنایا ہو جو امامت کے لائق ہی نہ ہو، مثلاً عورت اور نابالغ کو اگر خلیفہ بنا دیا تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی، بناء درست نہ ہوگی۔

امام کو حدث لاحق ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر امام کا وضو حدثِ سماوی غیر اختیاری کی وجہ سے ٹوٹ گیا اس حدث میں نہ بندہ کا کوئی اختیار تھا اور نہ اسکے سبب میں کوئی دخل تھا، جیسے کسی درخت کا ایک پھل ٹوٹ کر نمازی کے سر پر گرا اور اس کے سر سے خون نکل آیا، یا چھینک آنے کی وجہ سے

ریح خارج ہوگئی اور وضوٹوٹ گیا تو اس صورت میں وضو کرنے کے بعد اسی نماز پر بناء کرنا بالکل درست ہے، اس طرح کا وضو ٹوٹ جانا بناء کے واسطے مانع نہیں ہے۔ امام اپنا نائب کسی کو بنا سکتا ہے خواہ امام کا وضو تشہد کے بعد کیوں نہ ٹوٹا ہو، اس کے بعد بھی خلیفہ بنا سکتا ہے تاکہ خلیفہ سلام پھیرے اور نماز مکمل کرائے۔

مسئلہ: اگر جنازے کی نماز میں امام کو حدث لاحق ہوجائے تو بھی خلیفہ بنانا جائز ہے، خلیفہ ما بقیہ تکبیر ادا کر کے سلام پھیر دے گا۔ اس باب میں یہی بات اصح ہے، جیسا کہ نہر الفائق میں فتاویٰ سراجیہ سے منقول ہے۔ (شامی/۲/۳۵۳)

امام، مقتدی کو خلیفہ کس طرح بنائے؟

امام اپنے مقتدیوں میں سے جس شخص کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے اس کو اشارہ سے یا محراب کی طرف کھینچ کر یہ بتادے کہ کتنی رکعت باقی ہیں، جو پوری کرنی ہیں، مثلاً اگر ایک رکعت باقی ہے تو ایک انگلی سے اشارہ کرے، اگر دو رکعت باقی ہے تو دو انگلیوں سے اشارہ کر کے بتائے۔ اور اگر امام کے ذمہ رکوع بھی باقی ہے تو زانو پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کر کے خلیفہ بنائے۔ اور اگر سجدہ ذمہ میں باقی رہ گیا تو پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بتائے۔ اور اگر خلیفہ کو قرأت بھی کرنی ہو تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کر کے بتائے۔ اور اگر سجدۂ تلاوت اس کے ذمہ میں ہے تو پیشانی اور زبان دونوں پکڑ کر اشارہ کر کے بتائے۔ اور اگر امام کے ذمہ سجدۂ سہو ہے تو سینہ پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کر کے بتائے۔

(خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام اپنے خلیفہ کو زبان سے بول کر نہیں بتائے گا؛ بلکہ اشاروں سے کام چلائے گا)۔

خلیفہ کب تک بنا سکتا ہے؟

حدث لاحق ہونے کے بعد جب تک امام نے صفوں سے تجاوز نہ کیا ہو اس وقت تک خلیفہ بنا سکتا ہے۔ اور اگر جنگل میں نماز ہورہی ہے تو جب تک امام سترہ کی حد سے آگے نہیں بڑھا ہے اس سے پہلے پہلے خلیفہ بنا سکتا ہے، یا پھر موضع سجود سے آگے بڑھنے سے پہلے پہلے خلیفہ بنالے، اس مسئلہ میں معتمد قول یہی ہے جس طرح کہ تنہا نماز پڑھنے والے کی حد بھی سترہ یا پھر موضع سجود ہے۔ (خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس کی حد صف ہے اگر وہ دائیں بائیں یا پیچھے جائے۔ اور اگر آگے جائے تو اس کی حد سترہ یا سجدہ کی جگہ ہے اگر سترہ نہ ہو، امام اگر ان حدود سے خلیفہ بنائے بغیر نکل گیا تو اس کے لئے خلیفہ بنانا درست نہ ہوگا۔ (شامی/۲/۳۵۳)

مسئلہ: اگر منفرد شخص اس خیال سے نماز سے نکلا کہ اس کا وضو ٹوٹ چکا ہے اور جب سجدہ کی جگہ سے آگے نکل گیا تو یقین ہوا کہ اس کا وضو نہیں ٹوٹا تھا تو اب بناء درست نہیں ہے؛ بلکہ پوری نماز از سر نو پڑھنی ہوگی۔ اور منفرد کی حد دائیں بائیں

اتنی ہی ہے جتنی سجدے کی جگہ آگے کی طرف ہے۔

خلیفہ بنانے کا حق کب تک باقی رہتا ہے؟

اگر امام کو حدث مسجد میں یا عیدگاہ میں یا کسی کمرہ میں پیش آیا، جب کہ امام نماز اسی میں ادا کر رہا تھا تو اس وقت تک اس کو خلیفہ بنانے کا حق حاصل ہوگا جب تک امام مسجد کی حدود یا عیدگاہ کی حدود یا کمرہ سے باہر نہیں نکلا ہے، اس لئے کہ ان حدود سے نکلنے سے قبل تک وہ اپنی امامت پر قائم سمجھا جائے گا، حدودِ مذکورہ سے نکل جانے سے اور اپنی جگہ کسی دوسرے کو خلیفہ بنا دینے سے، یا از خود کسی کا امام کی جگہ چلے جانے سے اس کی امامت ختم ہو جاتی ہے، حتی کہ خلیفہ کے امام کی جگہ آجانے کے بعد امام کو یاد آیا کہ اس کے ذمہ فوت شدہ نمازیں ہیں، یا امام نے اس وقت بات چیت کر لی تو اب امام کے اس فعل سے مقتدیوں کی نماز فاسد نہ ہوگی، اس لئے کہ اب وہ مقتدی بن چکا ہے امام باقی نہیں رہا ہے۔

خلیفہ بنانا صرف جائز ہے واجب نہیں

اگر امام کا وضو ٹوٹ گیا اور پانی مسجد ہی میں تھا تو اس صورت میں خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ خلیفہ بنانا صرف جائز ہے، واجب نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام جب تک مسجد کے اندر رہتا ہے وہ امام باقی رہتا ہے وہ وضو کر کے دوبارہ امامت کرا سکتا ہے اور اگر خلیفہ بنا دے تو بھی جائز ہے۔ (شامی/۲/۳۵۵)

وَ استِئنَافُهُ أفضَلُ تحرُّزًا عَن الخِلافِ ويَتَعَيَّنُ الإستِئنَافُ إِنْ لَمْ يَكُنْ تشهد لِجُنونٍ أو حدثٍ عمدًا أو خروجه مِن مسجدٍ بِظَنِّ حدثٍ أو احتلامٍ بِنومٍ او تفكُّرٍ او نظرٍ او مَسٍّ بِشهوةٍ أوْ إغمَاءٍ او قَهقَهَةٍ لقدرتها وَ كَذا يجُوزُ لهُ ان يستَخلِفَ إذَا حصرَ عَنِ القِراءَةِ قَدرَ المَفرُوضِ لِحديثِ ابى بكرِ الصدِّيقِ رَضِى اللّٰهُ عَنهُ: "فإنّهُ لمّا احسَّ بالنَّبِيِّ ﷺ حَصرَ عَنِ القِراءةِ فتاخَّرَ، فتقدَّمَ النَّبِيُّ ﷺ واَتَمَّ الصَّلاةَ". فلَو لَم يكُنْ جائزًا لَما فَعلَهُ، بَدائع. وقَالاَ تفسُدُ، وبِعَكسِ الخِلافِ لَو حصرَ بِبَولٍ او غَائِطٍ ولَو عجزَ عَن رُكُوعٍ وسُجُودٍ هَلْ يستَخْلِفُ كَالقِراءَةِ؟ لَم أرَهُ، لِخَجلٍ اى لأجلِ خجلٍ اَوْ خَوفِ اعتَراهُ ولَاَ يَستَخلِفُ إجماعًا لَو نَسِىَ القِرائَةَ أصلاً لأنّهُ صارَ أُمِّيًا او أصابَهُ عطفٌ علَى المَنفِى بولٌ كثِيرٌ اى نجسٌ مانِعٌ مِن غَيرِ سبقِ حَدثٍ، فلَو مِنهُ فقط بنٰى، أو كَشفُ عورَته فِى الاستِنجَاءِ أو

المَراَة ذِراعَها للوُضُوءِ إذَا لَم يضطر لَهُ فَلو اضطرَّ لَم تَفسُدْ أو قرأ فِي حالَةِ الذِهابِ أوِ الرُّجوعِ لأدائِه رُكنًا مَع حدثٍ أو مَشي، بخِلافِ تسبيحٍ فِي الأصحّ أوطَلَبَ المَاءَ بالإشارَةِ أو شراه بالمُعاطاةِ للمُنافاةِ، أوْ جاوزَ ماء إلىٰ آخر إلاَّ قَدرَ صَفّينِ، أو لِنِسيانٍ، أو زَحْمَة، أو كَونُهُ بِئرًا، لأنّ الاستِقاءَ يمنَعُ البِناءَ علَى المُختارِ، أو مكثَ قدرَ أداءِ رُكنٍ وَ إنْ لَم ينوِ الأداءَ بعدَ سبقِ الحدثِ إلاَّ لِعُذرٍ كنَومٍ ورُعافٍ وإذَا صاغَ لَهُ البِناءُ توضَّأ فورًا لكُلِّ سُنّةٍ وبنىٰ علىٰ مَا مَضىٰ بِلا كَراهَةٍ ويُتِمُّ صلاتَهُ ثمّه وهُو أولىٰ تقلِيدًا للمَشي، أو يعُودُ إلىٰ مَكانِهِ لِيتّحِدَ مكانُها كَمُنفردٍ فإنّهُ مُخيّرٌ، وهٰذا كُلُّه إنْ فرغَ خليفته وإلاَّ عادَ إلىٰ مَكانِهِ حتمًا لَو بينَهُمَا مَا يمنَعُ الإقتِدَاءَ كَالمُقتَدِي إذَا سبقَهُ الحَدَثُ. واعلَمْ أنّهُ إنْ تعمَّدَ عملاً يُنافِيهَا بعدَ جُلوسِهِ قدرَ التّشهُّدِ ولَو بعدَ سبقِ حدثِهِ تَمّتْ لِتمامِ فَرائِضِهَا، نَعَم تُعادُ لِترْكِ واجبِ السّلامِ ولَو وجدَ المُنافِي بِلاصُنعِهِ قَبلَ القُعودِ بطلَتْ اتِّفاقًا ولَو بعدَهُ بطلَتْ فِي المَسائِلِ الإثْنَي عشرِية عِندَهُ، وقَالاَ صحّتْ، ورجّحَهُ الكَمالُ وفِي الشُّرُنبُلالِيَةِ والأظهرُ قولُهُمَا بِالصِّحةِ فِي الإثنَي عشرِيّة.

خلیفہ بنانے سے بہتر ازسرنو نماز پڑھنا ہے

دورانِ نماز حدث لاحق ہو جانے کی صورت میں خلیفہ بنانے سے بہتر یہ ہے کہ ازسرنو نماز دوبارہ پڑھے تاکہ ائمہ کرام کے اختلاف سے بچ جائے۔(حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دورانِ نماز وضوٹوٹ جانے کی صورت میں خلیفہ بنانا جائز ہی نہیں ہے؛ بلکہ دوبارہ ازسرنو نماز پڑھنا ضروری ہے، اسی اختلاف سے بچنے کیلئے بہتر یہ ہے کہ دوبارہ شروع سے نماز ادا کرلی جائے۔

درجِ ذیل صورتوں میں ازسرنو نماز پڑھنا ضروری ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جنون کی وجہ سے بقدر تشہد نہیں بیٹھا، یا جان بوجھ کر وضوتوڑلیا، یا وضوٹوٹنے کے خوف سے مسجد سے باہر نکل گیا، یا اس کو سونے کی حالت میں احتلام ہوگیا، یا خوب سوچنے یا شہوت کے ساتھ چھونے کی وجہ سے انزال ہوگیا، یا بے ہوشی یا قہقہہ مارکرہنسنے کی وجہ سے اس طرح ہوا تو ان تمام صورتوں میں ازسرنو دوبارہ نماز پڑھنا متعین ہوگیا، بناء کرنا درست نہ ہوگا؛ بلکہ وضوکر کے پوری نماز شروع سے پڑھے گا، اس لئے کہ یہ سب چیزیں شاذونادر پیش آتی ہیں۔

اگر قرأت کرنے سے امام کسی وجہ سے مجبور ہوجائے تو کیا کرے؟

فرماتے ہیں کہ اسی طرح اگر امام بقدرِ فرض مقدار قرأت کرنے سے رُک جائے بایں طور کہ زبان بند ہوجائے تو اس صورت میں بھی امام کے لئے کسی دوسرے مقتدی کو خلیفہ بنانا جائز ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں منقول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امامت کررہے تھے، چنانچہ جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جماعت میں حاضر ہوگئے ہیں تو ان کی قرأت بند ہوگئی اور پیچھے ہٹ آئے، پس رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر امامت فرمائی اور نماز مکمل کرائی۔ تو اگر یہ جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود یہ کام نہ کرتے، آپ علیہ السلام کا کرنا جواز کی دلیل ہے، جیسا کہ بدائع الصنائع میں مذکور ہے۔

مسئلہ: اگر امام بقدرِ فرض قرأت کرچکا ہے پھر مزید قرأت سے زبان رُک گئی ہے تو اس صورت میں خلیفہ بنانا جائز نہیں ہے؛ بلکہ رکوع وسجدہ کرکے نماز مکمل کرائے، جیسا کہ یہ مسئلہ ہدایہ، الدرر اور دیگر فقہی کتابوں میں مذکور ہے۔
(شامی/۲/۳۵۷)

حضراتِ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر قرأت فرض مقدار نہیں کی ہے اور اس سے پہلے زبان بند ہوگئی ہے تو اس صورت میں نماز فاسد ہوجائے گی اور از سرِنو دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی۔ اور اگر پیشاب یا پاخانہ کے احساس کی وجہ سے قرأت سے رُک گیا ہے تو حضراتِ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں خلیفہ بنانا درست ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ خلیفہ بنانا درست نہیں ہے، گویا یہ مسئلہ پہلے مسئلہ کا بالکل اُلٹا ہے۔

سوال: اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر امام رکوع وسجدہ کرنے سے عاجز ہوجائے تو کیا اس صورت میں امام خلیفہ بنا سکتا ہے، جس طرح عاجز عن القرأۃ کی صورت میں بناتا ہے؟

جواب: اس جواب کے متعلق حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کا جواب میں نے نہیں دیکھا ہے۔ (لیکن علامہ شامی فرماتے ہیں کہ میں نے صاحب درمختار کے قلم سے خزائن الاسرار کے حاشیہ پر اس کا جواب لکھا ہوا دیکھا ہے کہ فقہاء کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں خلیفہ نہ بنائے اس لئے کہ خلیفہ بنانا خلاف قیاس ہے، اس لئے ہر جگہ اس پر قیاس مناسب نہیں ہے)۔ (شامی/۲/۳۵۷)

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ فرض مقدار قرأت سے زبان کا رُکنا شرمندگی کی وجہ سے ہو یا امام پر خوف طاری ہوجانے کی وجہ سے ہو، دونوں صورتوں میں خلیفہ بنانا درست ہے۔

اگرامام بالکل قرأت بھول جائے تو کیا حکم ہے؟

اگرامام بالکل قرأت بھول جائے تو اس صورت میں چونکہ امام امی ہوگیا ہے اس لئے اس پرامت کا اجماع ہے کہ خلیفہ نہ بنائے گا، یاامام کو کثیر مقدار میں پیشاب لگ جائے کہ جس کے ساتھ نماز صحیح نہیں ہوتی ہے اور یہ سابق حدث کے علاوہ لگی ہو تو بناء درست نہیں ہے۔ اور اگر سابق نجاست لگی ہو جو اس کے جسم سے نکلی ہے تو بناء درست ہوگا۔ (مثال کے طور پر امام کو بحالتِ نماز نکسیر پھوٹی اور بقدر درہم سے زیادہ اس کے کپڑے میں خون لگ گیا تو اس نجاست سے اس کی نماز فاسد نہ ہوگی، وضو کر کے اور کپڑا دھو کر بنا کر سکتا ہے، لیکن اگر یہ نجاست، باہر سے لگی ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی)۔ (شامی/۲/۳۵۸)

نماز کی حالت میں ستر کھولنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر مرد استنجاء میں اپنا ستر کھولے گا یا عورت وضو کرتے وقت اپنی کلائی کھولے گی اور یہ کھولنا ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے نہ ہو تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر ستر کا کھولنا اضطرار اور مجبوری کی وجہ سے ہو تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ (یعنی اگر درمیان نماز یہ صورت پیش آئی ہو تو اس کا بیان یہاں پر ہے)۔

نقض وضو کے بعد قرأت کرنے کا حکم

اسی طرح اگر درمیان نماز میں حدث لاحق ہونے کے بعد وضو کرنے کے لئے چلا اور جاتے وقت یا وضو کر کے لوٹتے وقت اس نے قرأت کی تو اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ اس نے حدث کی حالت میں ایک رکن ادا کیا، یا وضو کرنے کے واسطے جاتے وقت ایک رکن ادا کیا ہے تو اس صورت میں از سرنو دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی، بناء درست نہ ہوگی۔ ہاں اگر وہ جاتے وقت تسبیح ''سبحان اللہ'' کہا تو اصح قول کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی، اس بارے میں علامہ شامیؒ کی بھی یہی تحقیق ہے۔ (شامی/۲/۳۵۸)

بحالتِ نماز اشارہ سے پانی مانگنا اور اس کا شرعی حکم

ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے حدث لاحق ہوگیا، اس نے اشارہ سے پانی مانگا، یا اشارہ سے پانی خریدا اور اس کی قیمت خاموشی کے ساتھ رکھ دی اور پانی لے کر وضو کرلیا، زبان سے کچھ بھی کلام نہیں کیا، تو اس صورت میں بھی اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ نماز کے اندر اشارہ کرنا یا لین دین کرنا نماز کے منافی ہے، لہٰذا اس نماز پر بناء درست نہ ہوگی بلکہ از سرنو دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی، اور اس صورت میں کسی کو خلیفہ بنانا بھی جائز نہ ہوگا۔

قریب والا پانی چھوڑ کر وضو کے لئے دور جانا

جس شخص کو دورانِ نماز حدث لاحق ہوا تھا وہ وضو کے لئے قریب والا پانی چھوڑ کر دور والے پانی کی طرف چلا گیا تو اگر اس کا دور جانا کسی عذر کی وجہ سے ہو، مثال کے طور پر بھول کر آگے بڑھ گیا، یا بھیڑ کی وجہ سے آگے نکل گیا، یا کنواں ہونے کی وجہ سے اس نے ایسا کیا، یا صرف دو صفوں کی مقدار آگے بڑھا تو ان تمام صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی اور بناء درست ہوگی، لیکن اگر وہ بلا عذر شرعی کے خواہ مخواہ آگے بڑھ گیا تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی اور بناء درست نہ ہوگی، اس لئے کہ استسقاء بناء کے لئے مانع ہے، مختار مذہب کے مطابق۔

حدث لاحق ہونے کے بعد ایک رکن کی ادائیگی کی مقدار ٹھہرنا

اگر حدث لاحق ہونے کے بعد ایک رکن ادا کرنے کی مقدار نمازی اپنی جگہ رُکا رہا اور وضو کرنے کے واسطے باہر نہیں نکلا تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی اور خلیفہ بنانا درست نہ ہوگا، اگرچہ اس نے رکن ادا کرنے کی نیت نہ کی ہو تب بھی یہی حکم ہے۔ اور حدث لاحق ہونے کے بعد تاخیر کسی عذر کی وجہ سے ہو، جیسے کہ سونا اور نکسیر کا پھوٹنا، تو اس صورت میں خلیفہ بنانا اور بناء دونوں درست ہیں، پڑھی ہوئی رکعتیں بیکار نہ ہوں گی۔

حدث لاحق ہونے والے امام کو پڑھی ہوئی رکعتوں کا باقی رکھنا اور اس پر بناء کرنا درست ہوا تو اس کو چاہئے فوراً کسی کو خلیفہ بنائے اور وضو کرے اور وہاں بالکل نہ ٹھہرے اور وضو کی تمام سنتوں کو ادا کرے، جلد بازی کی وجہ سے وضو کی سنتوں کو ترک نہ کرے۔ اور وضو کے بعد بقیہ رکعتوں کو اس طرح ادا کرے کہ اس میں کسی طرح کی کوئی کراہت نہ آنے پائے۔ اور اگر خلیفہ نے جماعت کی نماز کو مکمل نہیں کرائی ہے تو وضو کے بعد اپنی جگہ لوٹ کر آئے اور جماعت میں شامل ہو جائے اور اس پر واجب ہے اور اگر خلیفہ نے نماز مکمل کرادی ہے تو اس کو اختیار ہے کہ اپنی نماز اسی جگہ ادا کرلے یا لوٹ کر آئے اور اپنی جگہ پوری کرلے۔ اور وضو کی جگہ ہی نماز پوری کرنا اولیٰ ہے، اس لئے کہ اس میں کم چلنا پایا جائے گا اور اپنی جگہ لوٹ کر جا کر نماز پڑھنے سے فائدہ یہ ہوگا کہ نماز کی جگہ متحد ہوگی، جس طرح منفرد کو اگر حدث لاحق ہو جائے تو وضو کے بعد اس کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اسی جگہ بقیہ نماز پوری کرلے، یا پہلی جگہ لوٹ کر آئے اور بقیہ نماز ادا کرلے۔

اگر امام کے خلیفہ نے نماز ختم نہیں کرائی ہے تو وضو کرنے کے بعد امام اپنی جگہ لوٹ آئے اور جماعت میں شامل ہو جائے، اگر اس کے اور خلیفہ کے درمیان کوئی ایسی چیز حائل ہو جو اقتداء کے لئے مانع ہو، اس لئے کہ صحت اقتداء کی شرط اتحادِ مکان بھی ہے، جس طرح کہ اگر مقتدی کو حدث لاحق ہو جائے اور وضو کرنے کے لئے جائے تو اگر اس دوران امام نماز سے فارغ

ہو چکا ہے تو وہ اسی جگہ بھی اپنی مابقیہ نماز پوری کر سکتا ہے، لیکن اگر امام نے ابھی نماز ختم نہیں کی ہے تو اس صورت میں مقتدی کے لئے لازم ہے کہ وضو کے بعد جماعت میں آکر شامل ہو جائے اور نماز مکمل کرے۔

تشہد کے بعد نماز کے منافی عمل کرنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ اگر نمازی تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد جان بوجھ کر کوئی ایسا کام کیا جو نماز کے منافی ہے، خواہ اس نے ایسا کام حدث لاحق ہونے کے بعد کیا تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی، اس لئے کہ نماز کے تمام فرائض ادا ہو چکے ہیں، البتہ باوضو سلام پھیرنے کا وجوب اس سے چھوٹ گیا ہے، اس لئے وہ شخص وضو کر کے دوبارہ نماز ادا کرے گا۔ اور اگر تشہد کی مقدار بیٹھنے سے پہلے غیر اختیاری طور پر کوئی ایسا کام اس سے صادر ہو گیا جو نماز کے منافی ہے تو اس صورت میں بالاتفاق اس کی نماز باطل ہو جائے گی، اس مسئلہ میں حضرات صاحبینؒ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کا اتفاق ہے۔

وہ بارہ مسئلے جن میں نماز باطل ہو جاتی ہے

اگر نمازی تشہد کی مقدار قعدۂ اخیرہ میں بیٹھ چکا تھا اس کے بعد اس سے غیر اختیاری طور پر کوئی ایسا کام ہو گیا جو نماز کے منافی ہے تو بارہ مسائل ایسے ہیں جن میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی۔ اور حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک نماز صحیح ہو جائے گی۔ اور ابن الہمام نے حضرات صاحبینؒ ہی کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ اور شرنبلالیہ میں مذکور ہے کہ ان بارہ مسائل میں حضرات صاحبینؒ کا قول زیادہ ظاہر وباہر ہے، یعنی ان کے نزدیک نماز درست ہو جائے گی۔

(لیکن علامہ شامیؒ نے اس مسئلہ میں حضرت امام اعظمؒ کے قول کو مبنی بر احتیاط کہا ہے اور نماز کو باطل مانا ہے اور متون بھی اسی کے موافق ہیں)۔ (شامی/۲/۳۶۱)

وهِيَ مَا ذَكَرَهُ بقَولِهِ كَمَا تَبطُلُ لَو فرغَ بالفَاءِ كَمَا فِي الدُّرَرِ لكانَ أولىٰ بِقُدرةِ المُتيمِّمِ علَى المَاءِ وأمّا مَسئلةُ رُؤيةِ المُتوضّئي المُؤتم بِمُتيمّم المَـاءِ ففِيهَـا خِلافُ زُفرَ فقط وتَنقلِبُ نفلاً، وَ مَضىٰ مُدّةِ مَسحِـهِ إنْ وجدَ مَاءً ولَمْ يَخفْ تلفَ رِجلهِ مِن بَردٍ، وإلاَّ فيمضِي علَى الأصحّ كمَا مرَّ فِي بابِهِ، وتعلُّم أمِّي آيةً أي تذكرُهُ أوْ حِفظُهُ بِلاصُنعٍ ولَو كانَ الأمّي مُقتدِيًا بِقارِئٍ علىٰ مَا علَيهِ الأكثرُ لكِن فِي الظَّهيرِيّةِ صحّح الصحّـةَ. قالَ الفقِيـهُ:

وبهٖ نأخُذُ. ووُجودُ العَارِى سَاتِرًا تصِحُّ بهٖ الصَّلاةُ، ومِثْلُهُ لَو صلّٰى بنجاسَةٍ فوجدَ مَا يُزيلُهَا، أو أعتقتِ الأمةُ ولَم تتقنّعْ فورًا ونزعَ الْمَاسحُ خُفّهُ الوَاحدَ بعَمَلٍ يسِيرٍ فلَو بكثِيرٍ تتِمُّ اتِّفاقًا. وقُدرةُ مُؤمٍ علىٰ الأركَانِ، وتذكُّرُ فائتةٍ عليهِ أو علىٰ إمامِهٖ وهُو صاحِبُ ترتِيبٍ وَالوقتُ مُتّسِعٌ وتَقدِيمُ القَارِى أمِيًّا مُطلقًا، وقِيلَ لاَ فسادَ لَو كانَ إستِخلافُهُ بعدَ التّشهُّدِ بالإجمَاعِ، وهُو الأصحُّ. كمَا فِى الكَافِى لأنّهُ عملٌ كثِيرٌ، وطُلوعُ الشّمسِ فِى الفَجرِ وزَوالُها فِى العِيدِ، ودُخولُ وقتٍ مِن الثّلاثَةِ علىٰ مُصلِّى القَضاءِ، ودُخولُ وقتِ العَصرِ بانْ بقِىَ فِى قعدَتِهٖ إلىٰ انْ صارَ الظِّلُّ مِثلَيهِ فِى الجُمُعةِ بخلاَفِ الظُّهرِ فإنّهَا لاتَبطُلُ وَزوالُ عُذرِ المَعذُورِ بانْ لم يعذْ فِى الوَقتِ الثّانِى وكَـذا خُروجُ وقتِهٖ، وسُقُوطُ جبيرَةٍ عَنْ بُرءٍ.

مختلف فیہ بارہ مسائل

مذکورہ بالاعبارت میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ وہ بارہ مسائل ذکر کیے ہیں جن میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز باطل ہوجاتی ہے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک باطل نہیں ہوتی ہے، وہ بارہ مسائل درج ذیل ہیں:

مسئلہ نمبرا

مسائل اثناعشریہ میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ جب تیمم کرنے والا شخص پانی کے استعمال پر قادر ہوجائے تو اس کی نماز باطل ہوجاتی ہے، یعنی ایک شخص نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے یا بیماری وغیرہ کے سبب پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کرکے نماز شروع کردیا تھا، کہ قعدۂ اخیرہ میں اسکو پانی مل گیا یا پانی کے استعمال پر قدرت ہوگئی تو اب اس کی نماز حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک باطل ہوجائے گی اور صاحبینؒ کے نزدیک نماز درست ہوگی۔

شارح درمختار فرماتے ہیں کہ اگر حضرت مصنف علیہ الرحمہ لفظ ''کَمَا'' کی جگہ لفظ ''فاء'' کے ذریعہ تفریع کرتے، جیسا کہ دُرر نامی کتاب میں لفظ ''فاء'' سے تفریع کی گئی ہے تو زیادہ بہتر ہوتا، نیز شارح علیہ الرحمہ نے درمیان عبارت میں یہ بھی بیان فرمایا کہ اگر امام تیمم کرکے نماز ادا کررہا تھا اور مقتدی پانی سے باقاعدہ وضو کرکے نماز ادا کررہا تھا کہ قعدۂ اخیرہ کے بعد مقتدی نے پانی دیکھ لیا تو اس صورت حال میں حضرات صاحبین اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی نماز باطل ہوجائے گی، اس مسئلہ میں صرف حضرت امام زفرؒ کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی اور نماز نفل ہوجائے گی۔

مسئلہ نمبر۲

مسائل اثنا عشریہ میں سے دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص خفین پر مسح کر کے نماز ادا کر رہا تھا کہ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد خفین کی مدتِ مسح پوری ہوگئی اور اس شخص نے پانی پالیا اور وضو کرنے کی صورت میں ٹھنڈک کی وجہ سے پاؤں کے تلف ہونے کا بھی اندیشہ نہیں ہے تو اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ ہاں اگر بعد تشہد مدتِ مسح مکمل ہوگئی لیکن اس نے پانی نہ پایا، یا پانی تو پایا لیکن سردی کی وجہ سے پاؤں کے دھونے میں تلف ہونے کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں اصح قول کے مطابق نماز پڑھتا رہے گا، نماز ہوجائے گی، جیسا کہ یہ مسئلہ اپنے باب کے تحت گذر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر۳

ایک امی-اَن پڑھ- شخص نماز ادا کر رہا تھا کہ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھ لینے کے بعد اس کو بلا اختیار کوئی آیت یاد آگئی یا کسی دوسرے سے سن کر یاد کرلیا تو اس صورت میں اکثر فقہاء کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہوجائے گی، اگر چہ وہ امی شخص کسی قاری کے پیچھے کیوں نہ نماز پڑھ رہا ہو، لیکن فتاویٰ ظہیریہ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ نماز صحیح ہوجائے گی۔ اور امام فقیہ ابواللیث نے کہا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ (خزانۃ السروجی اور الجوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے کہ اس صورت میں اجماعاً نماز باطل نہ ہوگی۔ اور صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم المصریؒ نے اس صورت میں نماز کے صحیح ہونے کی علت یہ لکھی ہے کہ مقتدی درحقیقت امام کے تابع ہوتا ہے اور امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے، لہٰذا مقتدی کی نماز شروع بھی کامل طور پر ہوئی اور جب آیت یاد آگئی تو بھی کامل رہی، لہٰذا نماز ہوجائے گی)۔ (شامی/۲/۳۶۲)

مسئلہ نمبر۴

ایک شخص کپڑا نہ ہونے کی وجہ سے برہنہ جسم نماز ادا کر رہا تھا کہ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اس نے ستر چھپانے کے واسطے پاک کپڑا پالیا، تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک فاسد نہ ہوگی۔ اور اسی جیسا یہ مسئلہ بھی ہے کہ ایک شخص نجس کپڑے میں نماز ادا کر رہا تھا کیوں کہ ازالۂ نجاست کے واسطے پانی نہ مل سکا تھا، اب قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد پانی مل گیا کہ اس سے وہ نجاست دور کرسکتا ہے یا کوئی اور ایسی چیز مل گئی جس سے وہ نجاست دور کرسکتا ہے تو اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی۔ اور صاحبینؒ کے

نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ اسی طرح ایک باندی سر کھولے نماز ادا کر رہی تھی، کیونکہ اس کے لئے سر ستر میں داخل نہیں ہے کہ تشہد کے بعد آقا نے اس کو آزاد کر دیا اور اس نے فوراً سر نہ چھپایا تو چونکہ آزاد ہونے کے بعد سر ستر میں داخل ہوگیا، اس لئے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔

نوٹ: یہ دونوں مسئلے درحقیقت چوتھے مسئلے ہی پر متفرع ہیں۔

مسئلہ نمبر ۵

ایک شخص جو خفین پر مسح کیا تھا نماز ادا کر رہا تھا کہ اس نے قعدۂ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد معمولی حرکت سے خفین میں سے ایک خف کو اُتار لیا تو اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر اس نے اپنے خفین کو عمل کثیر کے ذریعہ اُتارا ہے تو بالاتفاق نماز مکمل ہو جائے گی، اس لئے کہ اس صورت میں خروج بصنعہ پایا گیا ہے۔ (شامی/۲/۳۶۳)

مسئلہ نمبر ۶

مسائل اثنا عشریہ میں سے چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص رکوع وسجود کی ادائیگی پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے اشارہ کر کے نماز ادا کر رہا تھا کہ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد وہ شخص رکوع وسجود کے ادا کرنے پر قادر ہوگیا اور بیماری ختم ہوگئی تو اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک فاسد نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر ۷

جن بارہ مسئلوں میں حضرت امام اعظم کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے اور صاحبین کے نزدیک فاسد نہیں ہوتی ہے ان میں سے ساتواں مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی کے ذمہ کچھ نمازیں قضاء تھیں اور وہ آدمی صاحب ترتیب تھا مگر اس کو یہ یاد نہ تھا کہ اس کے ذمہ کچھ نمازیں ہیں، وہ وقتیہ نماز ادا کر رہا تھا کہ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد اس کو قضاء نمازیں یاد آگئیں اور وقت میں اس قدر گنجائش باقی ہے کہ وہ قضاء اور وقتیہ نماز ادا کر سکتا ہے تو اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک فاسد نہ ہوگی۔ (اور اگر قضاء نماز اس وقت یاد آئی کہ وقت کے اندر گنجائش نہیں تھی تو اس صورت میں حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک بھی اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ یہ فساد کا حکم امام اعظم کے نزدیک علی الاطلاق نہیں ہے؛ بلکہ فساد موقوف کے حکم میں ہے، اگر ذمہ میں قضاء نماز کی یاد کے باوجود

پانچ اور نمازیں ادا کرلے گا تو وہ نماز موقوف جائز ہو جائے گی۔ (شامی/۲/۳۶۳)

مسئلہ نمبر ۸

آٹھواں مسئلہ یہ ہے کہ ایک امام نماز قرأت کے ساتھ ادا کر رہا تھا کہ اسے قعدۂ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد حدث لاحق ہو گیا، چنانچہ اس نے کسی اَن پڑھ شخص کو اپنا خلیفہ اور نائب بنا دیا تو اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور بعض لوگوں نے فرمایا کہ مطلقاً نماز فاسد ہو جائے گی، خواہ تشہد کے بعد خلیفہ بنایا ہو، یا تشہد سے پہلے خلیفہ بنایا ہو۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ اگر تشہد کے بعد اَن پڑھ کو خلیفہ بنایا تو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اس مسئلہ میں یہی قول صحیح تر ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ کافی نامی کتاب میں مذکور ہے۔ اور فاسد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خلیفہ بنانا عمل کثیر ہے، لہٰذا اس کی وجہ سے آخری فرض بھی ادا ہو گیا۔

مسئلہ نمبر ۹

ایک شخص فجر کی نماز ادا کر رہا تھا کہ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد سورج نکل آیا تو اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک فاسد نہ ہوگی۔ اس مسئلہ میں شارح نے یہ بھی اضافہ فرمایا کہ ایک شخص عید کی نماز ادا کر رہا تھا کہ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد سورج ڈھل گیا تو امام صاحب کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک فاسد نہ ہوگی۔ یا کوئی شخص اپنے ذمہ قضاء نماز کی ادائیگی کر رہا تھا کہ تشہد کے بعد اوقاتِ مکروہہ میں سے کوئی وقت داخل ہو گیا (یعنی سورج نکل آیا، یا زوال کا وقت ہو گیا، یا سورج ڈوب گیا) تو اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک فاسد نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر ۱۰

جمعہ کی نماز میں عصر کا وقت داخل ہو گیا اور امام قعدہ میں بیٹھا تھا اور سورج کا سایہ دو مثل ہو گیا تو اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک فاسد نہ ہوگی۔ البتہ اگر یہ صورت نمازِ ظہر میں پیش آجائے تو ظہر کی نماز باطل نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر ۱۱

ایک شخص معذورِ شرعی تھا اور اسی حالت میں نماز ادا کر رہا تھا کہ [illegible] تشہد کے بعد اس کا عذر زائل ہو گیا اور اس

طرح زائل ہوا کہ وہ عذر دوسرے وقت میں لوٹ کر نہیں آنے والا ہے تو اس صورت میں بھی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی جب کہ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی معذور شخص نماز ادا کر رہا تھا کہ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد وقت ختم ہو گیا تو اس صورت میں بھی امام صاحب کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک فاسد نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر ۱۲

مسائل اثنا عشریہ میں سے بارہواں مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنے ٹوٹے ہوئے عضو پر پٹی باندھ رکھی تھی اور اس پر وضو میں مسح کر کے نماز ادا کر رہا تھا کہ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد وہ پٹی عضو کے ٹھیک ہونے کی وجہ سے گر گئی تو اس صورت میں بھی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔

واعلَمْ انّهُ لاتنقلِبُ الصّلاةُ فِي هٰذِهِ المَواضِعِ العِشرِينَ نفلاً إذا بطلَتْ إلاّ فِي ثلاثٍ: فِيمَا إذَا تذكّرَ فائتةً أو طلعتِ الشّمسُ، أو خرجَ وقتُ الظّهرِ فِي الجُمعَةِ كمَا فِي الجَوهَرةِ. زَادَ فِي الحَاوِي: والمُومِي إذَا قدرَ علَى الأركَانِ ويزادُ مسالة المُوْتمّ بمُتيمّمٍ كمَا قدّمناه. والظّاهرُ انّ زوالَها فِي العِيدِ ودُخول الأوقاتِ المَكرُوهَةِ فِي القَضَاءِ كذالكَ ولَم ارهُ، ولَو استخلَفَ الإمامُ مَسبُوقًا أو لَاحِقًا او مُقِيمًا وهُومُسافِرٌ صحّ. والمُدرِكُ اولىٰ ولَو جهل الكمّية قعدَ فِي كُلِّ ركعَـةٍ احتِياطًا ولَو مَسبُوقًا بركعَتَينِ، فرضنَا القعدَتَينِ، ولَو اشارَ لهُ انّهُ لَم يَقرأ فِي الأولَيينِ فرضتِ القِراءةُ فِي الأربعِ. فلَو أتمّ المَسبُوقُ صلاة الإمام قدّمَ مُدرِكًا لِلسّلامِ، ثُمّ لَو اتَى بِمَا يُنافِيهَا كَضِحكٍ تفسُدُ صلاتُهُ دُونَ القومِ المُدركِينَ لِتمامِ اركانِهَا. وَ كَذَا تفسُدُ صلاةُ مَن حالُهُ كحالِهِ لِلمُنافِي فِي خِلالِهَا وَ كَذَا تفسُدُ صلاةُ الإمامِ الأوّلِ المُحدثِ إن لَم يفرُغ، فإنْ فرَغَ بأنْ توضّأ ولَم يفته شيءٌ لاتفسُدُ فِي الأصحّ، لِما مرّ انّهُ كَمُؤتمٍّ. وتفسُدُ صلاةُ مَسبُوقٍ عِندَ الإمامِ بِقهقَهَةِ إمامِهِ وحدثه العَمد فِي اى بعدَ قُعودِهِ قدرَ التّشهّدِ إلاّ إذَا قيّدَ ركعَتَهُ بِسجدَةٍ لتاكّدِ إنفِرادِهِ. ولَو تكلّمَ إمامُهُ أو خرجَ مِن مسجدِهِ لاَ تفسُدُ إتفاقًا، لأنّهُمَا منهيّانِ لاَ مُفسِدانِ، ولِذا يلزمُ المُدرِكِينَ السلام، ويقُومُونَ فِي القهقَهَةِ بِلاسَلامِ بخلافِ المُدرِكِ فإنه كالإمامِ اتِّفاقًا ولَو لاحِقًا ففِي فَسادِ صلاتِهِ تصحِيحانِ صحّحَ فِي السّراجِ الفَساد. وفِي الظّهِيرِيَةِ عدمَهُ، وظَاهِرُ البحرِ والنّهرِ تائِيدُ الأوّلِ.

مذکورہ بالا بارہ مسائل میں سے چار مسئلوں کے حکم کا استثناء

صاحب کتاب تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ کل بیس مقامات ہیں کہ جب نماز فاسد ہوجاتی ہے تو وہ نفل نہیں ہوتی ہے، ہاں مگر تین جگہیں ایسی ہیں جہاں نماز فاسد ہونے کے بعد وہ نفل ہوجاتی ہے:

(۱) جب نماز ادا کرتے ہوئے قضاء شدہ نماز یاد آجائے، تو اس صورت میں فرض نماز فاسد ہوجائے گی، لیکن نفل ہوگی۔

(۲) نماز فجر ادا کرتے ہوئے سورج نکل آئے تو اس صورت میں بھی نماز نفل ہوگی۔

(۳) نمازِ جمعہ ادا کرتے ہوئے ظہر کا وقت نکل جائے تو اس صورت میں بھی نمازِ جمعہ نفل ہوجائے گی، جیسا کہ یہ مسئلہ جوہرہ میں مذکور ہے۔ اور ''حاوی'' نامی کتاب میں ایک مسئلہ کا اور اضافہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص اشارہ سے نماز ادا کررہا تھا کہ نماز کے اندر رکوع وسجود پر قادر ہوگیا تو اس صورت میں بھی اس کی نماز فرض باطل ہوجائے گی اور یہ نماز نفل کے حکم میں ہوجائے گی۔ اور شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس میں پانچویں مسئلہ کا یہ اضافہ ہونا چاہئے کہ مقتدی وضو کرکے کسی تیمم کرنے والے کے پیچھے نماز ادا کررہا تھا کہ اس نے پانی دیکھ لیا اور اس کے استعمال پر قادر ہوگیا تو اس صورت میں اس کی فرض نماز باطل ہوجائے گی اور اس کی یہ نماز نفل قرار پائے گی، جیسا کہ ہم نے اس مسئلہ کو پہلے بھی بیان کیا ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ جب عیدین کی نماز میں آفتاب ڈھل جائے یا قضاء نماز ادا کرتے ہوئے اوقاتِ مکروہہ داخل ہوجائے تو ان دونوں صورتوں میں بھی نمازیں نفل ہوجائیں گی، لیکن میں ان دو مسئلوں کو صراحتاً کسی جگہ نہیں دیکھا ہے۔

سوال: حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے تو کل بارہ مسائل ذکر کئے ہیں، جن میں حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک فاسد نہ ہوگی، پھر شارح علیہ الرحمہ نے کل بیس مقامات کیسے کہا ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بارہ مسئلے تو متن میں مذکور تھے اور آٹھ مسائل درمیان میں شارحؒ نے اضافہ فرمایا ہے جو عبارت میں غور وخوض کرنے سے معلوم ہوتا ہے، اسی لئے شارح نے **هٰذهِ المواضِع العِشرين** فرمایا ہے۔

مسبوق، مدرک اور لاحق تینوں کو خلیفہ بنانا درست ہے

اگر امام کو دورانِ نماز حدث لاحق ہوجائے یا اس کو عذر پیش آجائے تو وہ اپنا نائب اور خلیفہ مسبوق یا لاحق کو بنائے، دونوں ہی درست ہے، یا مسافر امام ہو اس نے اپنا خلیفہ کسی مقیم کو بنایا تو بھی جائز ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ امام ایسے شخص کو اپنا خلیفہ بنائے جو شروع نماز سے اس کے ساتھ شریک رہا ہو، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں ''مدرک'' کہتے ہیں، اس لئے کہ یہ شخص امام کی نماز کو صحیح طور پر ادا کرے گا۔

مسبوق امام کی نماز کس طرح پوری کرے؟

اگر امام نے مسبوق کو اپنا خلیفہ بنادیا اور مسبوق کو یہ معلوم نہیں ہے کہ امام کے ذمہ کتنی رکعتیں باقی ہیں اور کتنی رکعتیں پڑھا چکا ہے تو اس صورت میں یہ خلیفہ ہر رکعت میں احتیاطاً قعدہ کرے تاکہ قعدۂ اخیرہ فوت نہ ہونے پائے۔ (اس کی تفصیل علامہ شامی یہ بیان کرتے ہیں کہ جس مسبوق کو امام نے خلیفہ بنایا ہے اور اس کو اور دوسرے مقتدیوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ امام کتنی رکعتیں پڑھ چکا ہے اور کتنی رکعتیں باقی ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ مقتدی بھی سب کے سب مسبوق ہی ہیں تو خلیفہ ایک رکعت پڑھ کر قعدہ کرے گا اس کے بعد پھر وہ کھڑا ہوکر اپنی مابقیہ رکعت ادا کرے گا۔ اور مقتدی حضرات اس میں اس کی پیروی نہ کریں گے؛ بلکہ مقتدی حضرات اس کی فراغت تک صبر کریں گے، پھر جب یہ خلیفہ سلام پھیر دے گا تو مقتدی حضرات اپنی اپنی چھوٹی ہوئی رکعتیں ادا کریں گے)۔ (شامی/۲/۳۶۵)

لاحق شخص نماز کس طرح پوری کرے گا؟

اگر امام نے لاحق کو اپنا نائب اور خلیفہ بنادیا تو وہ نماز کس طرح پوری کرے گا؟ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ لاحق شخص تو پہلے اشارہ کرے گا کہ مقتدی حضرات ابھی میری اتباع نہ کریں، جب تک میں چھوٹی ہوئی نماز ادا نہ کرلوں، اس لئے کہ اس پر سب سے پہلے فوت شدہ رکعتیں ادا کرنا ضروری ہے، مقتدی حضرات اپنی جگہ جوں کے توں بیٹھے رہیں گے، جب لاحق اپنی فوت شدہ رکعتیں ادا کر چکے تو اس کے بعد جہاں سے امام کی نماز باقی ہے شروع کرے گا اور مقتدی حضرات اس میں اس کی پیروی کریں گے۔ (شامی/۲/۳۶۵)

مسافر امام نے مقیم شخص کو نائب بنادیا تو کیا حکم ہے؟

سوال یہ ہے کہ اگر مسافر امام نے کسی مقیم شخص کو اپنا نائب مقرر کردیا تو وہ مقیم کس طرح نماز پوری کرے گا؟

اس سوال کا **جواب** دیتے ہوئے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مسافر امام نے کسی مقیم مقتدی کو اپنا خلیفہ بنادیا اور مقتدیوں میں مسافر اور مقیم دونوں طرح کے لوگ ہیں تو اس صورت مذکورہ میں مقیم خلیفہ کو چاہئے کہ جب وہ اپنی پہلی دو رکعتیں پوری کرچکے تو اپنی جگہ کسی مسافر مقتدی کو نائب بنادے، تاکہ وہ سلام پھیر کر نماز ختم کرادے، اس کے بعد جو مقتدی حضرات مقیم ہیں وہ اپنی بقیہ دو رکعتیں تنہا تنہا بغیر قرأت کے ادا کریں گے، اگر ان میں کسی نے اقتداء کرلی تو نماز ہی باطل ہوجائے گی۔ (شامی/۲/۳۶۵)

قَوْلُہ وَلَوْ مَسْبُوقًا بِرَکعتَینِ: امام نے جس مسبوق کو اپنا نائب بنایا اگر اس کے ذمہ دو رکعتیں فوت شدہ تھیں تو اس صورت میں ہم اس پر دو قعدے فرض قرار دیں گے، پہلا قعدہ تو اس لئے کہ وہ امام کی نیابت کر رہا ہے، لہٰذا چونکہ امام پر قعدہ فرض تھا اس لئے اس پر بھی فرض ہوگا۔ اور دوسرا قعدہ خود اس کے ذمہ فرض ہے اس لئے دو قعدے فرض ہوں گے۔ اور اگر خلیفہ بناتے وقت امام نے اشارہ سے بتادیا تھا کہ میں نے پہلی دو رکعتوں میں قرأت نہیں کی ہے تو اب مسبوق پر چاروں رکعتوں میں قرأت فرض ہوگی، دو رکعتوں میں امام کی نیابت کی وجہ سے اور دو رکعتوں میں خود اپنی وجہ سے۔

بہر کیف جب مسبوق امام کی نیابت کر رہا ہے، جب امام کی نماز مکمل کرادے تو کسی مدرک شخص کو آگے بڑھائے تاکہ وہ سلام پھیرے۔ اور وہ مقتدی بھی سلام پھیریں جن کی نماز پوری ہو چکی ہے، اس کے بعد مسبوق اپنی فوت شدہ نمازیں پوری کرے گا۔ اگر مسبوق امام نے امام کی نماز مکمل کرانے کے بعد مدرک کو سلام پھیرنے کے لئے آگے بڑھا دیا اس کے بعد مسبوق نے کوئی نماز کے منافی عمل کیا، مثال کے طور پر اس نے ہنس دیا تو اس صورت میں صرف مسبوق کی نماز فاسد ہوگی، جو مقتدی مدرک ہیں ان کی نماز فاسد نہ ہوگی، اس لئے کہ مدرک کی نماز کے تمام ارکان ادا ہو چکے ہیں، البتہ ان تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی جو امام کی طرح مسبوق ہیں، اس لئے دورانِ نماز، نماز کے خلاف حرکت پائی گئی ہے، اسی طرح امامِ اوّل کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی، اگر وضو کرنے کی وجہ سے اس کی کوئی رکعت رہ گئی ہے اس لئے کہ نماز کے خلاف حرکت اس کی نماز کے بیچ میں واقع ہوئی ہے لیکن اگر امام اوّل کی کوئی رکعت درمیان میں باقی نہیں رہی تھی بلکہ وہ وضو کر کے جلدی آ گیا تھا، تو اس صورت میں اصح قول کے مطابق اس کی نماز فاسد نہ ہوگی، اس لئے کہ یہ امام اوّل مقتدی کی طرح ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ سابق میں بھی گذر چکا ہے۔

تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد امام کا قہقہہ لگانا

سوال: اگر تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد امام نے قہقہہ مار کر ہنس دیا تو اس صورت میں کیا حکم ہے، نماز ہوگی یا نہیں؟

اس سوال کا **جواب** دیتے ہوئے صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ اگر امام قہقہہ لگا کر زور سے ہنسے یا جان بوجھ کر حدث لاحق کر دے اور یہ عمل اس نے اپنے قعدۂ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کیا ہے تو اس کی وجہ سے مسبوق مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ بھی نماز کے درمیان میں ہے، ہاں اگر مسبوق تشہد کی مقدار بیٹھ کر اور امام کی متابعت کو چھوڑ چکا ہے اور اپنی ایک رکعت کا سجدہ بھی کر لیا ہے تو پھر امام کی اس حرکت کا اس کی نماز میں کوئی اثر نہیں پڑے گا، اس لئے کہ مسبوق مقتدی منفرد کے حکم میں ہو چکا ہے۔

قعدۂ اخیرہ میں مسبوق کا امام بول پڑا تو کیا حکم ہے؟

اگر قعدۂ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد مسبوق کا امام بول پڑا یا وہ مسجد سے نکل گیا تو اس صورت میں بالاتفاق مدرک کی نماز فاسد نہ ہوگی، اس لئے کہ بولنا اور مسجد سے نکلنا مفسد نماز نہیں ہے؛ بلکہ یہ دونوں چیزیں نماز کو پوری کرنے سے روکنے والی ہیں، اسی وجہ سے مدرکین پر سلام پھیرنا لازم ہے، یعنی اگر امام تشہد کے بعد بول پڑے یا مسجد سے باہر نکل جائے تو جو مقتدی شروع نماز سے شریک ہوں ان پر واجب ہے کہ وہ سلام پھیر کر اپنی نماز ختم کریں، ہاں اگر امام قہقہہ مار کر ہنس دے یا قصداً وضو توڑ دے تو اس صورت میں مدرک بغیر سلام پھیرے کھڑا ہو جائے اس لئے کہ یہ دونوں حرکتیں نماز کو فاسد کرنے والی ہیں، لہٰذا مدرک کی نماز فاسد نہ ہوگی، اس لئے کہ مدرک امام کی طرح ہے عدم فساد نماز کے سلسلے میں۔

اور اگر مقتدی لاحق ہو اور امام جان بوجھ کر تشہد کے بعد حدث لاحق کردے، یا قہقہہ مار کر ہنس دے تو اس کی نماز کے فساد کے متعلق دو قول ہیں۔ ''سراج'' نامی کتاب میں لکھا ہے کہ اس باب میں اصح یہ ہے کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا ہے کہ اس کی نماز صورتِ مذکورہ میں فاسد نہ ہوگی۔ لیکن البحر الرائق اور النہر الفائق کی عبارت سے قولِ اوّل کی تائید ہوتی ہے۔

وَلَو أحدَثَ الإمَامُ لَا خُصُوصِيَّةَ لهُ فِي هٰذا المَقامِ فِي رُكوعِهِ أو سُجودِهِ توضأ وبنٰى وأعادَهُما فِي البِناءِ علىٰ سبيلِ الفرضِ مَا لَمْ يرفعْ رأسَهُ منهما مُرِيدًا للأداءِ امّا إذَا رفعَ رأسَهُ مُرِيدًا بهِ أداءَ رُكنٍ فلاَ يبنِي بَل تفسُدُ، ولَو لَمْ يرد الأداء فرِوايَتانِ كمَا فِي الكَافِي. وفِي المُجتبىٰ: ويَتأخّرُ محدودبًا ولا يرفعُ مُستوِيًا فتفسُدُ ولَو تذكّرَ المُصلِّي فِي رُكوعِهِ أو سُجُودِهِ انّه تركَ سجدةً صُلبِيَّةً او تِلاوِيَّةً فانحط مِن رُكوعِــهِ بِلا رَفعٍ، أو رَفعَ مِن سُجودِهِ، فَسجدَهَا عَقبَ التذكُّرِ أعَادَهُما أي الرُّكوعَ والسُّجودَ ندبًا لِسُقُوطِهِ بالنِّسيَانِ، وسجدَ للسَّهوِ، ولَو اخرهَا لآخرِ صلاتِهِ قَضَاهَا فقط. ولَو أمّ واحِدًا فقط فأحدَثَ الإمامُ أي وَ خرجَ مِن المَسجِدِ وإلاَّ فَهو علىٰ إمامتِهِ كمَا مَرَّ، تعَيّن المَامُوم للإمامَةِ لَو صلحَ لَهَا اي لإمامَةِ الإمامِ، بِلاَنِيَّةٍ لِعدمِ المُزاحِمِ وإلاّ يصلُحْ كَصبِيٍ فَسدَتْ صَلاةُ المُقتدِي إتّفاقًا دونَ الإمامِ علَى الأصحِّ لِبقَاءِ الإمامِ إمامًا والمُؤتم بِلاإمامٍ، هٰذا إذَا لَمْ يكن يَستخلِفهُ، فإنْ

اِستخلَفَهُ فَصلاةُ الإمامِ والمُستخلِفِ كِلَيهِما باطِلةٌ اِتّفاقًا. ولَو أمَّ رجُلٌ رَجُلاً فأحدَثا وَ خرَجَا مِنَ المَسجِدِ تَمّتْ صلاةُ الإمامِ وبَنٰى علىٰ صلاتِهٖ، وفسدَتْ صلاةُ المُقتدِی، لِمَا مَرّ، أخذَهُ رُعافٌ يمكُثُ إلىٰ انقِطاعِهٖ ثُمّ يتوَضّأُ ويبنِي لِمَا مَرّ.

رکوع یا سجدے میں اگر وضو ٹوٹ جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: اگر امام بحالت رکوع یا بحالتِ سجدہ حدث لاحق کر دیا تو وہ کیا کرے، کس طرح اپنی نماز مکمل کرے؟ اس سوال کا **جواب** دیتے ہوئے صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ اگر امام نے اپنے رکوع یا اپنے سجدہ کی حالت میں حدث لاحق کر دیا تو امام وضو کرے گا اور اسی پر بنا کرے گا اور ان دونوں کو بطورِ فرض نہ دوبارہ ادا کرے گا، یعنی جس رکوع اور جس سجدہ میں حدث لاحق ہوا ہے اس کو دوبارہ ادا کرے گا، پھر بقیہ رکعتوں کو ادا کرے گا۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ خاص طور پر امام کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ اگر مقتدی یا منفرد کو یہ صورت پیش آجائے، بایں طور کہ رکوع یا سجدہ میں حدث لاحق ہو جائے تو وہ اسی طرح ادا کرے گا، یعنی پہلے اس رکوع اور سجدہ کو ادا کرے گا، جس میں حدث لاحق ہوا تھا، اس کے بعد بقیہ رکعت ادا کرے گا، لیکن واضح رہے کہ بناء اس صورت میں کر سکتا ہے جب امام نے رکوع یا سجدے سے اپنا سر اس کی ادائیگی کی غرض سے نہ اُٹھایا ہو، اور اگر ایک رکن کے بقدر ادائیگی کے ارادے سے سر اُٹھا لیا تو اس صورت میں بناء جائز نہ ہوگی اور نماز فاسد ہو جائے گی اور از سر نو نماز پڑھنی پڑے گی۔ اور اگر اس نے اس رکوع یا سجدے سے سر اُٹھایا مگر ادائیگی کے ارادے سے نہیں تو اس بارے میں حضرات فقہاءِ کرام سے دو قول منقول ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ بناء کرے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ بناء نہ کرے، نماز فاسد ہو جائے گی، جیسا کہ یہ دونوں روایتیں ''کافی'' نامی کتاب میں مذکور ہیں۔ اور ''مجتبیٰ'' نامی کتاب میں مذکور ہے کہ جب رکوع میں حدث لاحق ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اسی طرح جھکا ہوا پیچھے ہٹے، سیدھا کھڑا ہو کر پیچھے نہ ہٹے، ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی، اگر ادائیگی کا ارادہ ہو، یا اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اُٹھایا۔

اگر سجدۂ تلاوت رکوع یا سجدہ میں یاد آیا تو کیا حکم ہے؟

قَولُـهُ ولَو تذكّرَ المُصلِّي إلخ: حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر نمازی کو اپنے رکوع یا سجدہ کی حالت میں یاد آیا کہ اس سے نماز والا سجدہ یا سجدۂ تلاوت چھوٹ گیا ہے، تو وہ رکوع سے سر اُٹھائے بغیر سجدہ کے لئے جھک گیا، یا بحالتِ سجدہ یاد آیا تو اس نے اپنے سجدہ سے سر اُٹھایا اس کے بعد جو سجدہ باقی رہ گیا تھا اس کو کر لیا تو افضل اور مستحب

یہ ہے کہ اس رکوع اور سجدہ کو دوبارہ کرے جس میں چھوٹا ہوا سجدہ یاد آیا ہے اور مستحب اس لئے ہے کہ وہ سجدہ بھول کر چھوٹا تھا، جان بوجھ کر نہیں چھوڑا تھا اور اخیر میں سجدۂ سہو بھی کرے گا۔ اور اگر وہ نمازی چھوٹے ہوئے سجدہ کو نماز کے اخیر میں ادا کرنا چاہے تو اس صورت میں وہ صرف اسی سجدہ کو ادا کرے جو اس کے ذمہ باقی تھا، اس رکوع اور سجدہ کا اعادہ نہ واجب ہے اور نہ ہی مستحب، جس میں یاد آیا تھا، البتہ سجدۂ سہو اس صورت میں بھی کرے گا اس لئے کہ سجدہ میں ترتیب باقی نہ رہی جو واجب ہے۔ (شامی/۲/۳۶۹)

اگر مقتدی صرف ایک ہو اور امام کو حدث لاحق ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

قولُهُ ولَو أمّ واحدًا فقط إلخ: سوال: اگر مقتدی صرف ایک ہو اور دورانِ نماز امام کو حدث لاحق ہو جائے تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

اس سوال کا **جواب** دیتے ہوئے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص صرف ایک ہی مقتدی کا امام ہو اور اس امام کو دورانِ نماز حدث لاحق ہو جائے اور وہ وضو کرنے کے لئے مسجد سے باہر نکل آئے تو ایسی میں وہ مقتدی خود بخود امامت کے لئے متعین ہو جائے گا، بشرطیکہ اس میں امام بننے کی صلاحیت ہو، اس لئے کہ کوئی دوسرا مقتدی موجود نہیں ہے جو اس کا مزاحم بن سکے۔ اور اگر جو مقتدی ہے اس میں امام بننے کی صلاحیت نہیں ہے، مثلاً غیر عاقل ہے، یا بچہ ہے تو ایسی صورت میں بالاتفاق مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ یہاں مقتدی بغیر امام کے باقی رہ گیا ہے۔ اور امام کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ امام امامت پر برقرار ہے۔ لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب امام نے اس مقتدی کو خلیفہ نہ بنایا ہو۔ اور اگر امام نے اس غیر اہل مقتدی کو خلیفہ بنا دیا تو امام اور مقتدی دونوں کی نماز بالاتفاق باطل ہو جائے گی۔

(شارح علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ امام کے مسجد سے باہر نکلنے کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اگر امام مسجد سے باہر نہیں نکلا تو امام اپنی امامت پر باقی رہے گا)۔

اگر امام اور مقتدی دونوں کو حدث لاحق ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

ولَو أمّ رجلٌ رجُلاً فأحدثا ألخ: ایک شخص کسی ایک شخص کی امامت کر رہا تھا کہ دونوں (یعنی امام اور مقتدی) کو حدث لاحق ہو گیا اور وضو ٹوٹ گیا اور دونوں مسجد سے باہر نکل گئے، تو اس صورت میں امام کی نماز پوری ہو جائے گی اور اسی نماز پر بناء کرے گا، البتہ صورتِ مذکورہ میں مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ وہ بغیر امام کے رہ گیا ہے جیسا کہ اس سے

قبل یہ مسئلہ گذر چکا ہے۔

دورانِ نماز نکسیر کا خون بہنے لگے تو کیا حکم ہے؟

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جب کسی نمازی کی نکسیر پھوٹ گئی اور خون جاری ہوگیا تو وہ خون کے بند ہونے تک رُکا رہے، جب خون بند ہو جائے تو وضو کر کے نماز کی بناء کرے، کیونکہ رُکے رہنا معذورین کے لئے مانع نہیں ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ سابق میں گذر چکا ہے۔

واللّٰہُ أعلمُ، وعِلمُــہ أکملُ وأتم وأصوب.

ابوحماد منظور القاسمی پھراوی

خادم جامعۃ القرآن والسنۃ الخیریہ، بجنور (یو-پی)

۷/محرم الحرام ۱۴۲۶ھ - ۱۷/فروری ۲۰۰۵ء

یوم الخمیس

بَابُ مَا يُفسِدُ الصَّلوٰةَ ومَا يُكرَهُ فِيهَا

یہ باب ان چیزوں کے بیان میں جو نماز کو فاسد کر دیتی ہیں اور جو نماز میں مکروہ ہیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ اس باب کے تحت مفسدات نماز اور مکروہات نماز کو بیان کریں گے۔ کن کن افعال کے ارتکاب سے نماز فاسد ہوتی ہے اور کون کون افعال نماز کے لئے مکروہ ہیں؟ انہیں کا اس باب میں بیان ہوگا۔

عَقَّبَ العَارِضَ الإضطِرارِي بالإختِيارِي يُفسِدُها التكَلُّمُ هُو النُّطقُ بِحرفَينِ او حرفٍ مُفهَمٍ، كـع و ق امرا ولَو استعطَفَ كلبًا او هِرّةً او ساقَ حِمارًا لَا تفسُدُ لأنّــهُ صوتٌ لَا هِجاءَ لَـهُ، عَمدُهُ وسهوُهُ قَبلَ قُعودِهِ قَدرَ التَّشهُّدِ سَيَّــان وسواءٌ كانَ ناسيًا او نائمًا او جاهلًا او مُخطِئًا او مُكرهًا هُو المُختار. وحَدِيثُ: "رُفِعَ عَن أُمّتِي الخَطأُ" محمُولٌ علىٰ رفعِ الإثمِ. وحدِيثُ ذِي اليَدينِ مَنسُوخٌ بِحدِيثِ مُسلِمٍ: "إنّ صلاَتَنا هٰذِهِ لاَيَصلُحُ فِيهَا شَيءٌ مِن كلامِ النّاسِ". إلّا السّلامَ ساهِيًا للتحلِيلِ أى للخُروجِ مِن الصلاةِ، قَبلَ إتمَامِهَا علىٰ ظَنِّ إكمَالِهَا فَلايفسُدُ بِخلافِ السّلامِ علىٰ إنسَانٍ للتّحِيّةِ، أوْ علىٰ ظَنِّ أنّها ترويحةٌ مثلًا، او سلّمَ قائمًا فِي غيرِ جنازَةٍ فإنّهُ يُفسِدُها مُطلقًا وإنْ لَم يقُلْ "علَيكُمْ"، ولَو ساهِيًا فسَلامُ التّحِيّةِ مُفسدٌ مُطلقًا، وسلامُ التّحلِيلِ إنْ عمدًا وَرِدُّ السّلامِ ولَو سهوًا بِلِسانِهِ لابِيدِهِ، بَل يكرَهُ على المُعتمَدِ، نَعمْ لَو صافَحَ بِنِيّةِ السّلامِ قالُوا تفسُدُ، كأنّــهُ عملٌ كثِيرٌ. {الطويل}

وفِي النّهرِ عَن صدرِ الدِّينِ الغزي:

سَلامُكَ مَكــرُوهٌ علىٰ مَن سَتُسمِعُ	ومِن بَعدِ مَا أبدَى يُسَنُّ ويُشْرَعُ
مُصلٍ، وتالٍ، ذَاكِــرٌ و مُحــدِّثٌ	خَطِيبٌ وَمَن يُصْغِي إلَيهِمْ وَ يَسْمَعُ
مُكــرِّر فِقــه جَالسٌ لِقضَائِـهٖ	ومَن بَحَثُوا فِي الفِقهِ دَعْهُم لِيَنفَعُوا
مُؤَذِّنٌ أيضًــا او مُقِيمٌ مُــدرِّسٌ	كَــذَا الأجْنَبِيّاتُ الفَتِيّــاتُ أمنَعُ

وَ لُعَّابُ شِطْرَنجٍ وَ شِبْهِ بِخُلقِهِمْ وَمَن هُو مَعْ أَهْلٍ لَهُ يَتَمَتَّعُ
وَدَعْ كَافِرًا أَيضًا وَمَكْشُوفَ عَوْرَةٍ وَ مَن هُو فِي حَالِ التَّغَوُّطِ أَشْنَعُ
وَدَعْ آكِلاً إِلَّا إِذَا كُنْتَ جَائِعًا وَ تَعْلَمُ مِنْهُ أَنَّهُ لَيْسَ يَمْنَعُ

وقد زدت عليه: المتفقه على أستاذهٖ كمَا فِي القُنية، والمغني، ومطير الحمام، وألحقتُه فقُلتُ: {الطويل}

كَذَالِكَ أُسْتَاذٌ مُغَنٍّ مُطَيِّرٌ فَهٰذَا خِتَامٌ وَ الزِّيَادَةُ تَنْفَعُ

وصرّحَ فِي الضِّياءِ بوُجوبِ الردِّ فِي بَعْضِهَا وبِعَدمِهِ فِي قَولِهٖ سَلامٌ عَلَيكُمْ بِجَزْمِ المِيمِ. والتنحنُحُ بِحرفَينِ بِلاعُذرٍ امّا بهٖ بأن نشأ مِن طبعِهٖ فلاَ أو بِلا غرضٍ صحِيحٍ، فلَو لِتحسِينِ صوتِهٖ أو ليهتدِي إمامه أو للإعلامِ أنّهُ فِي الصّلاةِ فلاَ فسادَ على الصّحِيحِ.

مفسداتِ نماز کا بیان

اس سے پہلے حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے غیر اختیاری عوارض کی تفصیل بیان کیا ہے۔ اب اس کے بعد ان عوارضِ اختیاریہ کا تفصیلی بیان ہوگا جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، چنانچہ حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے مفسداتِ صلوٰۃ میں سے سب سے پہلے کلام کو ذکر کیا ہے، یعنی نماز کے اندر بولنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے، خواہ یہ بولنا جان بوجھ کر ہو یا بھول کر ہو، ہر دو صورت نماز فاسد ہو جاتی ہے، بشرطیکہ تشہد کی مقدار بیٹھنے سے قبل کلام کیا ہو۔ اور نماز کے دوران بولنا خواہ بھول کر ہو یا خواہ سو کر ہو، خواہ جہالت کی وجہ سے ہو، خواہ غلطی سے ہو، خواہ زبردستی بلوایا گیا ہو، بہر صورت نماز کو فاسد کر دیتا ہے، اس باب میں یہی مختار ہے۔

کلام کی تعریف

اصطلاحِ شریعت میں کلام نام ہے دو حرف یا ایسے ایک حرف کا بولنا جس سے معنی سمجھ میں آتا ہو، جیسے لفظ ''ع''، اور لفظ ''ق'' ہے۔ یہ دونوں ایک ایک حرف ہیں، لیکن امر کے صیغے ہیں اور دونوں کے معنی ہیں۔ مثال کے طور پر ''ع'' کا معنی ہے: حفاظت کر تو۔ اور ''ق'' کا معنی ہے: بچا تو۔ کلام کی اس تعریف سے یہ معلوم ہوا کہ ایک بے معنی لفظ کا بولنا کلام میں داخل نہیں ہے۔ اگر نماز کے دوران کتا یا بلی کو بلانا چاہا، یا گدھے کو ہانکا تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی، اس لئے کہ یہ ایک ایسی آواز ہے جس کا ہجے نہیں ہے، لیکن نماز کے اندر یہ آوازیں نکالنا گرچہ مفسد نماز نہیں ہیں لیکن مکروہ بہر حال ہیں۔

نسیان اور سہو کے درمیان فرق

حضرت علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ سہو اور نسیان کے درمیان کیا فرق ہے؟ اس بارے میں حضراتِ علماءِ کرام کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ شرح التحریر میں مذکور ہے کہ حضراتِ فقہاءِ کرام، اصولیوں اور اہل لغت کے نزدیک ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، لیکن حکماء ان دونوں کے درمیان فرق کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شئی قوتِ حافظہ اور قوتِ مدرکہ دونوں سے نکل جائے تو اس کو "نسیان" کہتے ہیں۔ اور اگر کوئی شئی صرف قوتِ مدرکہ سے نکل جائے لیکن قوتِ حافظہ میں باقی رہے تو اس کو "سہو" کہتے ہیں۔ اور بعض حضرات نے ان دونوں کے درمیان یہ فرق کیا ہے کہ نسیان اس کو کہتے ہیں کہ جو شئی مذکور تھی اس کو ذکر نہ کرنا۔ اور سہو اس کو کہتے ہیں کہ شئی سے غافل ہو جانا، خواہ وہ مذکور ہو خواہ مذکور نہ ہو۔ (شامی/٢/٣٧١)

سہو اور خطا کے درمیان فرق

سوال: حضراتِ فقہاءِ امت کے نزدیک سہو اور خطا کے درمیان کیا فرق ہے؟ جواب: حضراتِ فقہاءِ کرام کے نزدیک سہو اور خطا کے درمیان فرق یہ ہے کہ سہو والا شخص ذرا سی آگاہی کے بعد فوراً خبردار ہو جاتا ہے، مگر خطاء والا شخص متنبہ کرنے کے بعد بھی متنبہ نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ بہت دیر کے بعد اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ (کشف الاستار/١/٤٦٨)

قولُهُ هُو المُختارُ: اس کے متعلق علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق صرف نیند میں بولنے کے ساتھ ہے، اس لئے کہ اختلاف اس میں ہے کہ اگر کوئی شخص بحالتِ نماز سو جائے اور اس میں بولدے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ تو اس بارے میں نہر الفائق میں ہے کہ اکثر مشائخ امت کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی، یہی مذہب مختار بھی ہے۔ اور فخر الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔ بقیہ نوم کے علاوہ دیگر تمام صورتوں میں بالاتفاق نماز فاسد ہو جائے گی۔ (شامی/٢/٣٧١)

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص نماز میں بھول چوک، یا جان بوجھ کر کلام کر دے تو نماز فاسد ہو جائے گی، حالانکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ میری امت سے خطا اور نسیان اُٹھالی گئی ہے، لہٰذا اس کا تقاضہ یہ ہے کہ بھول کر کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہونی چاہئے تھی، پھر فقہاء نماز کو کیوں فاسد قرار دیتے ہیں؟

اس سوال کا **جواب** یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث شریف رفع اثم پر محمول ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اس امت سے اگر

کوئی گناہ کا کام بھول چوک سے ہو گیا تو اس پر گناہ نہ ہوگا، گویا کہ حدیث کا تعلق گناہ کی معافی سے ہے۔ حدیث شریف کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی۔ باقی علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ صاحب فتح القدیر نے کہا کہ صاحب درمختار نے مذکورہ بالا حدیث کو جن الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے وہ حدیث کی کتابوں میں کہیں بھی مذکور نہیں ہے؛ بلکہ حدیث کی کتابوں میں الفاظ اس طرح مروی ہیں: إنَّ اللّٰهَ وضعَ عَن أُمّتِي الخطأَ والنِّسيان ومَا استكرهُوا عليه. میری اُمت کے بھول چوک کا گناہ اُٹھالیا گیا ہے اور جس چیز کے کرنے پر مجبور کیا گیا ہے اس کا گناہ بھی معاف کر دیا گیا ہے۔ قیامت کے روز پکڑ نہ ہوگی۔

حدیث ذوالیدین کی تشریح

رہی وہ حدیث شریف جس میں حضرت ذوالیدین کا واقعہ مروی ہے، جو حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مغرب یا عشاء کی نماز پڑھائی اور دو ہی رکعتوں کے بعد سلام پھیر کر اُٹھ گئے۔ اور مسجد میں کسی ایک لکڑی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد ذوالیدین صحابیؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! أقُصِرتِ الصَّلٰوۃُ أم نَسِيتَ؟ ''نماز کم ہوگئی یا آپ بھول گئے؟'' رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: لَمْ انس ولم تقصر. نہ میں بھولا ہوں، نہ ہی نماز کم ہوئی ہے۔ ذوالیدین نے عرض کیا: یارسول اللہ! بَل نَسِيتَ آپ سے بھول ضرور ہوئی ہے۔ اس پر آپ نے دوسرے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دریافت فرمایا کہ ذوالیدین جو بات کہہ رہے ہیں وہ صحیح ہے؟ صحابہ کرامؓ نے ذوالیدین کی تصدیق کی، تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور جو رکعت باقی رہ گئی تھی اس کو پڑھایا اور سجدۂ سہو بھی اخیر میں کیا۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ بولنے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، اس لئے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو فرمائی، اس کے بعد بھی آپ نے باقی رکعت ادا کی ہے۔ اس کے متعلق صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ حضرت ذوالیدین والی حدیث مسلم شریف کی اس حدیث سے منسوخ ہو چکی ہے، جس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إنَّ صلاتَنا هٰذهٖ لَايصلُحُ فِيهَا شيءٌ مِن كلامِ النَّاسِ". کہ ہماری اس نماز میں کلام کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ حدیث شریف حضرت معاویہ بن الحکم السلمی سے روایت ہے۔ معاویہ بن الحکم فرماتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کر رہا تھا کہ اچانک مقتدیوں میں سے ایک نے چھینک ماری، تو اس پر میں نے "یرحمُكَ اللّٰه" کہا تو اس پر لوگ مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگے، تو میں نے ان لوگوں سے کہا تمہاری ماں تم پر روئے، آخر تم لوگ میری طرف

کیوں غور سے دیکھ رہے ہو؟ چنانچہ وہ لوگ اپنے اپنے ہاتھوں کو اپنی اپنی رانوں پر مارنے لگے، پس جب میں یہ سمجھا کہ لوگ مجھے خاموش کررہے ہیں تو میں خاموش ہوگیا، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوگئے تو مجھے بلایا۔ اور میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں نے آپ سے زیادہ بہترین معلم کو نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ بعد میں کبھی دیکھا، خدا کی قسم! آپ نے مجھ کو نہ جھڑکا، نہ مارا اور نہ برا بھلا کہا؛ بلکہ آپ نے فرمایا: یہ ہماری نماز میں کلام الناس کی گنجائش نہیں ہے، اس میں صرف تسبیح، تکبیر اور قرآن مجید کی قرأت ہونی چاہئے۔ اس حدیث شریف سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ذوالیدین والا واقعہ اس وقت ہوا جب نماز میں کلام کرنا جائز تھا اور بعد میں وہ حکم بدل گیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً فرمادیا کہ کلام الناس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ (شامی/۲/۳۷۲)

بھول کر سلام پھیر دینے کا شرعی حکم

اگر کوئی شخص بھول کر نماز کے مکمل ہونے سے قبل اس خیال سے کہ نماز مکمل ہوچکی ہے سلام پھیر دیا تو اس سلام سے نماز فاسد نہ ہوگی، یعنی بھول کر نماز سے خروج کے لئے سلام کیا، تو نماز فاسد نہ ہوگی، اس کے برخلاف اگر کوئی شخص کسی انسان کو سلام کرے اس خیال سے کہ نماز سے وہ فارغ ہوچکا ہے اور وہ جواب لے لے تو اس سے نماز فاسد ہوجائے گی، یا اس خیال سے سلام پھیر دیا کہ تراویح کی نماز ہے، حالانکہ عشاء کی نماز تھی، یا قیام کی حالت میں سلام پھیر دیا، حالانکہ وہ جنازہ کی نماز نہ تھی، تو ان دونوں صورتوں میں مطلقاً نماز فاسد ہوجائے گی، اگرچہ صرف لفظ "سلام" کہا، "علیکم" نہیں کہا۔ اور اگر چہ بھول کر سلام کیوں نہ پھیرا ہو، بہر صورت نماز فاسد ہوجائے گی، اس لئے کہ جو سلام تعظیماً کیا جاتا ہے اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، خواہ بھول کر سلام کیا جائے یا جان بوجھ کر اور نماز سے نکلنے کے لئے سلام کرنا اس وقت مفسد نماز ہے جب جان بوجھ کر ہو، ورنہ مفسد نہیں ہے۔

زبان سے سلام کا جواب دینا مفسد نماز ہے

اگر کوئی شخص دورانِ نماز کسی کے سلام کا جواب زبان سے دے، خواہ بھول کر کیوں نہ ہو نماز فاسد ہوجائے گی، البتہ اگر کوئی شخص سلام کا جواب زبان سے نہ دے کر ہاتھ کے اشارہ سے دیدیا تو اس صورت میں نماز فاسد تو نہ ہوگی البتہ معتمد قول کے مطابق مکروہ ہے، ہاں اگر کوئی شخص سلام کی نیت سے مصافحہ کرلے تو علماء نے فرمایا کہ نماز فاسد ہوجائے گی اس لئے کہ یہ عمل کثیر ہے، لہٰذا اس سے نماز فاسد ہوجائے گی۔

کن کن جگہوں میں سلام کرنا مکروہ ہے اس کا بیان

کن کن موقعوں پر سلام کرنا مکروہ ہے؟ صاحب نہرالفائق علامہ صدرالدین الغزی نے ایک طویل نظم میں بیان کیا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے: اے مخاطب! تیراان لوگوں کوسلام کرنا مکروہ ہے جن کو میں یہاں بیان کرنے جارہاہوں اوران کے علاوہ جگہوں میں سلام کرنا مسنون ومشروع ہے۔ اورجن لوگوں کوسلام کرنا مکروہ ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱- نماز میں مشغول شخص کوسلام کرنا۔

۲- تلاوتِ قرآن میں مشغول شخص کوسلام کرنا۔

۳- ذکرالٰہی میں مشغول آدمی کوسلام کرنا۔

۴- حدیث شریف بیان کرنے والے کوسلام کرنا۔

۵- خطبہ پڑھنے والے کوسلام کرنا۔

۶- ان لوگوں کوسلام کرنا مکروہ ہے جو مذکورہ پانچوں چیزوں میں سے کسی ایک کوغور سے سن رہے ہوں۔

۷- فقہ اسلامی کا تکرار کرانے والے کوسلام کرنا۔

۸- اوراس قاضی کوسلام کرنا جوفیصلہ کرنے کے لئے منصب قضاء پر بیٹھاہو، مکروہ ہے۔

۹- اوران لوگوں کوبھی سلام کرنا مکروہ ہے جوعلمی مباحثہ اورغور وخوض میں مشغول ہوں، ان کوسلام نہیں کرنا چاہئے تاکہ یہ لوگ فائدہ حاصل کریں۔

۱۰- مؤذن جواذان دے رہاہواس کوسلام کرنا مکروہ ہے۔

۱۱- مکبّر جوتکبیر کہہ رہاہواسکوسلام کرنا بھی مکروہ ہے۔

۱۲- جودرس دینے میں منہمک ہواس کوسلام کرنا مکروہ ہے۔

۱۳- جوان اجنبیہ عورتوں کوبھی سلام کرنا ممنوع ہے۔

۱۴- جوشخص شطرنج یااس جیسے کھیل میں مصروف ہواس کوسلام کرنا۔

۱۵- اوراس شخص کوبھی سلام کرنا مکروہ ہے جوبیوی کے ساتھ بوس وکنار میں مشغول ہو۔

۱۶- اسی طرح کافرکوبھی سلام نہ کرنا چاہئے۔

۱۷- جس کا سترکھلاہواس کوبھی سلام نہ کرنا چاہئے۔

۱۸- جو بول و براز (پیشاب و پائخانہ) میں مشغول ہو اس کو سلام کرنا بہت برا ہے۔
۱۹- کھانا کھانے میں مشغول شخص کو سلام کرنا مکروہ ہے، ہاں اگر بھوکا شخص کھانے والے کو سلام کرے تو کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ تم جانتے ہو کہ وہ تم کو اپنے ساتھ کھانے سے نہیں روکے گا؛ بلکہ وہ دسترخوان پر بلالے گا تو پھر سلام کرنا جائز ہے۔
۲۰- صاحب النہر الفائق کہتے ہیں کہ ان میں میں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ شاگرد کے لئے اپنے استاذ کو اس وقت سلام کرنا مکروہ ہے جب استاذ درس دینے میں مشغول ہو۔
۲۱- گانا گانے والے کو بھی سلام کرنا مکروہ ہے۔
۲۲- کبوتر بازی کرنے والے کو بھی سلام کرنا مکروہ ہے۔

علامہ شامیؒ کے اضافات

مذکورہ بالا بائیس چیزوں پر علامہ شامی نے مزید چند چیزوں کا اضافہ فرمایا ہے، جو درج ذیل سپردِ قرطاس ہیں:
۲۳- زندیق شخص کو بھی سلام کرنا مکروہ اور ناجائز ہے۔
۲۴- ایسا بوڑھا جو مذاق کرتا ہو۔
۲۵- لغو اور لایعنی اُمور میں مشغول رہنے والے بوڑھے کو سلام کرنا۔
۲۶- جھوٹ بولنے والے کو سلام کرنا، جو جھوٹ کی وجہ سے مشہور ہو گیا ہو۔
۲۷- اور جو شخص بازاروں میں جان بوجھ کر لڑکیوں کی جانب نظر کرے اور دیکھے تو اس کو بھی سلام کرنا مکروہ ہے۔
۲۸- اور جس کی عادت مخلوق کو گالی گلوچ کرنا ہو اس کو بھی سلام کرنا مکروہ ہے۔
۲۹- جو لوگ مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوں ان کو سلام کرنا۔

سلام کا جواب دینا کب واجب ہے اور کب نہیں؟

''ضیاء'' نامی کتاب میں روضۃ الزندویستی سے نقل کرتے ہوئے صراحت کی ہے کہ بعض صورتوں میں سلام کا جواب دینا واجب ہے اور بعض صورتوں میں سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص سلام علیکم میم کے جزم کے ساتھ کہے تو اس کا جواب دینا واجب نہیں ہے، اس لئے کہ اس طرح کا سلام کرنا سنتِ متوارثہ کے خلاف ہے۔

اور جن لوگوں کو سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے وہ وہی مذکورہ بالا حضرات ہیں جنہیں سلام کرنا مکروہ ہے، جن کا ذکر ماقبل میں ہو چکا ہے، نمبر وار ملاحظہ فرمالیں۔ (شامی/۲/۳۷۶)

بلاضرورت خواہ مخواہ کھنکھارنا

نماز میں بلاعذر دوحرف سے کھنکھارنا نماز کے لئے مفسد ہے۔مثال کے طور پر لفظ ''اُح، اُح'' کے ذریعہ کھنکھارا تو اس سے نماز فاسد ہوجائے گی۔اور اگر دوحرف سے زیادہ حروف کھنکھارنے میں نکلیں تو اس سے نماز بدرجۂ اولیٰ فاسد ہوجائے گی۔اور اگر کھنکھارنا بغیر حرف کے پایا گیا تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی، خواہ بلاعذر کیوں نہ ہو، البتہ مکروہ ضرور ہے۔اگر کوئی شخص عذر کی وجہ سے کھنکھارے، بایں طور کہ خود بخود اس کی طبیعت سے یہ چیز پیدا ہو تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی، البتہ بغیر کسی غرضِ صحیح کے کھنکھارنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص تحسین صوت کے لئے کھنکھارے یا اس لئے کھنکھارے کہ امام کو ہدایت ہوجائے اور وہ غلطی چھوڑ کر درستی کی طرف آجائے، یا اس لئے کھنکھارے تاکہ دوسرے لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ وہ نماز میں ہے تو صحیح قول کے مطابق اس طرح کے کھنکھارنے سے نماز فاسد نہ ہوگی اور نہ اس کا یہ فعل عندالشرع مکروہ ہوگا، اس لئے کہ غرضِ صحیح کے پیش نظر کھنکھارنا حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ (شامی/۲/۳۷۷)

والدُّعَاءُ بِمَا يشبهُ كلامَنا خلافًا للشافعِي والأنِينُ هُو قولُهُ: "اه" بالقَصر والتأوهُ هُو قولُهُ "آه" بالمَدِ، والتأفِيفُ "أف أو تُف، والبُكاءُ بصَوتٍ يحصلُ بِهِ حروفٌ، لِوجعٍ أو مُصِيبةٍ قيد للأربعةِ إلا لمَريضٍ لايملِكُ نفسَهُ عَن أنِين وتأوّه، لأنّه حينَئِذٍ كعُطَاس، وسُعالٍ، وجشاء وتثاؤُبٍ، وإن حصلَ حروفٌ للضّرُورةِ، لَا لِذِكرِ جنةٍ أو نَارٍ فلَو أعجبَتْهُ قِراءةُ الإمامِ فجعلَ يبكِي ويقُولُ بلىٰ أو نعَمْ أو آرى لاتفسُدُ، سراجية، لدَلالتِهِ علَى الخُشُوعِ، وَ يُفسِدُها تَشمِيتُ عاطِسٍ لِغيرِهِ بِيَرحَمُكَ اللّٰهُ ولَو مِن العَاطِسِ لِنفسِهِ لاَ، وبِعكسِهِ التَامِينُ بَعدِ التشمِيتِ وجَوابُ خبرِ سُوءٍ بالإستِرجَاعِ عَلَى المَذهَبِ لأنَّهُ بِقصدِ الجَوابِ صارَ كَكَلامِ النّاسِ، وكَذَا يفسِدُها كُلُّ مَا قصدَ بِهِ الجوابُ كأنْ قِيلَ: أمَعَ اللّٰهِ إلٰهٌ؟ فقالَ: لَاإلٰهَ إلاَّ اللّٰهُ، أوما مالكَ؟ فقَالَ: الخَيلُ والبِغَالُ وَ الحَمِيرُ، أو مِن أينَ جِئتَ؟ فقَالَ: وَبِئرٍ مُعطَّلَة وقَصرٍ مَشِيد، أو الخِطابُ كقَولِهِ لِمَن إسمُهُ يحيىٰ أو مُوسىٰ، يَا يحيىٰ خُذِ الكِتابَ بِقُوَّةٍ أو وَمَا تِلْكَ بيمِينِكَ يَا مُوسىٰ، مُخاطبًا لِمَن إسمُهُ ذلكَ او لِمن بِالبَابِ ومَنْ دَخلَهُ كانَ آمِنًا.

کس طرح کی دعاء سے نماز فاسد ہوتی ہے؟

اور نماز کے اندر ان الفاظ کے ساتھ دعاء مانگنا جو ہمارے کلام کے مشابہ ہو، نماز کو فاسد کردیتی ہے، یعنی ایسی دعاء جو

قرآن وحدیث میں نہ ہو، یا ایسی چیز مانگنا جو بندوں سے طلب کرنا محال ہو۔ (جیسے نماز میں کہے: اَللّٰھُمَّ زَوِّجنِی فُلَانَۃَ، اَللّٰھُمَّ ارْزُقنِی خُبزًا وملحًا، تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی) البتہ اس میں حضرت امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ دعاء بمایشبہ کلام الناس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔

نماز کے اندر آہ اور اُف کرنے کا حکم

اگر کوئی شخص نماز کے اندر الف کے قصر کے ساتھ ''اُہ'' یا الف کے مد کے ساتھ ''آہ'' کرے، یا لفظ ''اُف'' یا ''تف'' کہے، تو اس سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نماز کے اندر درد یا مصیبت کی وجہ سے آواز سے اس طرح رونا کہ حروف پیدا ہو جائیں مفسد نماز ہے۔ حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ درد کی قید درحقیقت چاروں (اُح، آہ، اُف، رونے) کے ساتھ ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اگر نمازی دورانِ نماز درد کی وجہ سے اُح، آہ، اُف یا رونے لگے تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ ہاں اگر ایسا مریض ہے جو اپنے آپ کو اُح، آہ اور رونے سے نہیں روک سکتا ہے، اپنے نفس کو کنٹرول نہیں کر سکتا ہے تو اس طرح کے مریض کی نماز اُح، اُف اور رونے سے فاسد نہیں ہوتی ہے، اس لئے کہ اس مجبوری کے وقت اس کا آہ کرنا ایسا ہے جس طرح چھینکنا، کھانسنا، ڈکارنا اور جمائی لینا، اگرچہ حروف ہی کیوں نہ پیدا ہو جائیں، یہ سب نماز کو فاسد نہیں کرتے ہیں، کیونکہ یہاں ضرورت اور مجبوری ہے۔

جنت وجہنم کے خوف سے رونا مفسد نماز نہیں

اگر کوئی شخص نماز کے اندر جنت وجہنم کے ذکر کی وجہ سے آہ کر رہا ہے، یا رو رہا ہے تو اس سے اس کی نماز فاسد نہ ہوگی، چنانچہ اگر کسی مقتدی کو امام کی قرأت اور قرآن کا پڑھنا اچھا لگا پس وہ مقتدی رونے لگا اور کہنے لگا: بَلیٰ ۔ کیوں نہیں، نَعَم: جی ہاں، اَرِیْ: بے شک، تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ جیسا کہ یہ مسئلہ فتاوی سراجیہ میں مذکور ہے۔ اور نماز اس وجہ سے فاسد نہ ہوگی کہ یہ الفاظ درحقیقت خشوع وخضوع پر دلالت کرتے ہیں، جو نماز میں عین مطلوب ہے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص محض تحسینِ صوت کی وجہ سے نماز میں رودے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی)۔ (شامی/۲/۳۷۸)

نماز میں چھینکنے والے کا جواب ''یرحمک اللہ'' سے دینے کا شرعی حکم

اگر نمازی نے کسی دوسرے شخص کے چھینکنے پر ''یَرْحَمُكَ اللّٰه'' سے جواب دیا تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن اگر نمازی اپنی چھینک پر ''یَرْحَمُكَ اللّٰه'' خود کہے گا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اس کے برعکس چھینک کے جواب کے بعد

آمین کہنے کا حکم ہے، یعنی اگر کوئی شخص اپنی چھینک کے جواب میں ''یرحمک اللہ'' کے بعد آمین کہے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر کسی دوسرے شخص کی چھینک کے ''یرحمک اللہ'' کے جواب میں آمین کہے گا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

(مزید تفصیل شامی/۲/۳۷۸ پر ملاحظہ کیجئے)

کوئی بری خبر سننے کے بعد إِنَّا لِلّٰہ إلخ پڑھنا مفسد نماز ہے

اگر کوئی شخص دورانِ نماز کسی بری خبر کو سن کر إِنَّا لِلّٰہِ وإِنَّا إِلَيْهِ راجِعُونَ پڑھا، تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس بارے میں صحیح مذہب یہی ہے، اسلئے کہ انا للہ الخ کو جواب کے ارادے سے پڑھنا درحقیقت لوگوں کی گفتگو کے مشابہ ہو گیا۔ اسی طرح اس جملہ سے نماز فاسد ہو جائے گی جو جواب کے ارادے سے پڑھا گیا ہو، خواہ وہ جواب والا جملہ قرآن مجید کی آیت ہی کیوں نہ ہو، مثال کے طور پر کسی نے سوال کیا: أَ مَعَ اللّٰہِ إِلٰہٌ؟ کیا اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود ہے؟ تو نمازی نے نماز کے اندر جواب کے ارادے سے کہا: لَا إِلٰہَ إِلاَّ اللّٰہُ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبودِ برحق نہیں ہے۔ یا کسی نے کہا: تیرا مال کیا ہے؟ چنانچہ اس نے جواب کے ارادے سے قرآنِ کریم کی یہ آیت پڑھی: ﴿اَلْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ﴾ (گھوڑے، خچر اور گدھے)۔ یا کسی نے سوال کیا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ تو نمازی نے جواب میں یہ آیت پڑھی: ﴿وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ﴾ (بیکار کنوئیں اور مضبوط محل سے) تو مذکورہ تمام صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی۔

قرآنی آیت کے ذریعہ نماز میں کسی کو خطاب کرنا مفسد نماز ہے

اسی طرح اگر نمازی کا مقصود قرآنی آیات سے کسی کو خطاب کرنا ہو تو اس سے بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔ مثال کے طور پر ایک شخص کا نام ''یحییٰ'' تھا، نمازی نے دورانِ نماز اس کو خطاب کر کے کہا: ﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ﴾ (اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے پکڑلو) یا جس کا نام موسیٰ تھا اس کو خطاب کر کے کہا: ﴿مَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى﴾ (اے موسیٰ! تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟) یا دروازے پر ایک شخص تھا اس کو دیکھ کر نمازی نے پڑھا: ﴿وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا﴾ (جو شخص بھی اس میں داخل ہوگا اس کو کوئی خوف نہیں بلکہ وہ ہر طرح سے مامون ہوگا) ان تمام صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی، اگرچہ اس نے خطاب میں ہر جگہ قرآنِ کریم کی آیت پڑھی ہے۔

فُروعٌ: سَمِعَ إسمَ اللّٰہِ تعالٰى فقالَ: جلّ جلالُهُ، او النّبی صَلّی اللّٰهُ علیهِ وسلَّمَ، فصلّى عَلَيهِ، أو قِراءةَ الإمامِ فقالَ: صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُولُهُ، تَفسُدُ، إنْ قصدَ جوابَهُ. لَو سمِعَ ذِكرَ الشّيطٰنِ فلعَنَهُ تفسُدُ، وقِيلَ: لاَ، ولَو حَوقَلَ لِدفعِ الوَسوَسةِ، إنْ لأُمُورِ الدُّنيا تفسُدُ، لاَ

لأمُورِ الآخِرةِ، ولَو سقطَ شَيءٌ مِن السطحِ فبسمَلَ أو دَعَا لأحدٍ أو علَيهِ فقالَ: آمينِ، تفسدُ، ولايفسدُ في الكلّ عِندَ الثّاني، والصّحيحُ قولُهُما عملاً بقصدِ المُتكلِّمِ حتّٰى لَو امتثَلَ أمرَ غيرِهٖ فقِيلَ لهُ تقدّمْ فتقدّمَ، أو دخلَ فُرجةَ الصفِّ أحدٌ فوسعَ لَهُ فسدَتْ، بَل يمكُثُ ساعةً ثُمّ يتقدّمُ برأيِهٖ، قُهستَانِي معزيًا للزاهِدي، ومروياتي قنية. وقيّد بقصدِ الجَوابِ لأنّهُ لَو لَم يرد جوابَهُ بَل أرادَ إعلاَمَهُ بأنّهُ فِي الصّلاةِ لاتَفسُدُ إتّفاقًا، ابن ملك ومُلتقىً، وفتحُهُ علٰى غيرِ إمامِهٖ إلّا إذَا أرادَ التِّلاوَةَ وَ كَذا الأخذُ إلّا إذَا تذَكّرَ فتلَا قبلَ تمامِ الفَتحِ، بخِلافِ فتحِهٖ علٰى إمامِهٖ فإنّهُ لاَيفسد مُطلقًا لِفاتِحٍ وآخذ بكُلِّ حالٍ إلّا إذَا سمِعَهُ المُؤتمُّ مِن غيرِ مُصلٍّ ففَتَحَ بهٖ تفسُدُ صلاةُ الكُلِّ، وينوِي الفتح لاَ القِراءَةَ.

شارح کی طرف سے چند اضافہ شدہ مسائل کا بیان

اگر نمازی نے نماز کے اندر اللہ تعالیٰ کا نام جل جلالہ کہا، یا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر درود شریف پڑھنے لگا، یا امام کی قرأت سن کر کہا: صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ، (اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا)۔ تو اگر ان کلمات سے اس نے جواب کا ارادہ کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (اور اگر اس نے یہ کلمات ازراہِ تعظیم اور ثناء کے کہے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور ان کلمات کو زبان سے اس طرح کہنا معتبر ہے کہ خود نمازی اپنے کان سے سن لے، اور اگر اس طرح کہا کہ وہ خود بھی نہیں سن سکا تو پھر نماز فاسد نہ ہوگی)۔ (شامی/۲/۳۸۱)

اگر نمازی نے شیطان کا نام سن کر اس پر لعنت بھیجی، تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اس بارے میں ایک ضعیف قول یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر نمازی نے اُمورِ دنیا کے وسواس کو دور کرنے کے واسطے "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إلَّا بِاللّٰهِ" پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی، لیکن اگر اُمورِ آخرت کے وسواس کو دور کرنے کے لئے "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إلَّا بِاللّٰهِ" پڑھا تو پھر نماز فاسد نہ ہوگی۔

اور اگر چھت سے کوئی چیز گری اور اس کی آواز سن کر نمازی نے بسم اللہ پڑھی یا کسی کے لئے دعاءِ خیر کی، یا کسی کے اوپر بددعا کی، تو اس نے آمین کہی، تو نماز فاسد ہو جائے گی، لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اوپر کی ان تمام صورتوں میں جن میں جواباً قرآنی آیات پڑھی گئی ہیں نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک فاسد ہو جائے گی۔ اور اس بارے میں ان ہی دونوں حضرات کا قول صحیح اور درست ہے، بولنے والے کے قصد و ارادے پر عمل کرتے

ہوئے۔(حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ماقبل میں ذکر کردہ الفاظ قرآنی آیات ہیں یا ثناء کے الفاظ ہیں اور یہ متکلم کے قصد وارادے سے نہیں بدلتے ہیں، البتہ اگر خطاب کیا جائے تو بدل جاتے ہیں۔اور نماز فاسد ہوجاتی ہے اور بقیہ صورتوں میں نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔اور شیطان پر لعنت بھیجنے کی صورت میں اگر نمازی نے قرآن کے الفاظ دُہرایا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔اور اگر دوسرے الفاظ سے دہرایا تو نماز فاسد ہوجائے گی)۔ (شامی/۲/۳۸۱)

یہاں تک کہ اگر نمازی اپنے غیر کا حکم مانے گا تو بھی نماز فاسد ہوجائے گی، مثال کے طور پر نمازی سے کہا گیا: آگے بڑھ جا، پس وہ آگے بڑھ گیا، یا کوئی شخص صف میں داخل ہوا اور اس نے جگہ دیدی یعنی اس کے واسطے جگہ کشادہ کردی تو اس صورت میں نماز فاسد ہوجائے گی۔اگر کوئی شخص آگے بڑھنے کو کہے، یا صف میں داخل ہونے لگے تو علی الفور آگے نہ بڑھے اور نہ فوراً جگہ دے؛ بلکہ کچھ دیر رُکنے کے بعد اگر اپنی رائے سے آگے بڑھے اور جگہ دے تو نماز فاسد نہ ہوگی، قہستانی میں زاہدی سے اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔اور میری مرویات قنیہ نامی کتاب میں ہیں۔یہ مسئلہ اس سے پہلے باب الامامۃ کے تحت بھی گذر چکا ہے۔ماتن نے ہر جگہ یہ قید لگائی ہے کہ جواب کے ارادے سے ایسا کرے گا تو نماز فاسد ہوگی، تو اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی نمازی ان جملوں کو جواب کے ارادے سے نہیں کہے گا تو نماز بالاتفاق فاسد نہ ہوگی، اس لئے کہ اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ وہ نماز میں ہے، یہ مسئلہ ابن الملک نے بیان کیا ہے اور ملتقی نامی کتاب میں بھی مذکور ہے۔

اپنے امام کے علاوہ دوسرے کو لقمہ دینا مفسد نماز ہے

اگر نمازی نے دورانِ نماز اپنے امام کے علاوہ کسی دوسرے کو لقمہ دیا تو اس سے بھی نماز فاسد ہوجائے گی۔ہاں اگر لقمہ دینے کی غرض سے نہ پڑھے؛ بلکہ تلاوت کرنے کی غرض سے پڑھے تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔اسی طرح اگر نمازی نے کسی دوسرے نماز پڑھنے والے سے یا غیر نمازی سے لقمہ لیا تو بھی نماز فاسد ہوجائے گی۔ہاں اگر لقمہ لینے سے پہلے خود بخود یاد آجائے اور پڑھے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

نمازی کا اپنے امام کو لقمہ دینا مفسد نماز نہیں ہے

اگر نمازی اپنے امام کو لقمہ دے تو اس سے نہ لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہوگی نہ لقمہ لینے والے کی نماز فاسد ہوگی، خواہ امام اس قدر قرأت کرچکا ہو کہ اس سے نماز ہوجاتی ہے، خواہ اتنی مقدار قرأت نہ کیا ہو، بہر دوصورت نماز مطلقاً فاسد نہ ہوگی۔ہاں اگر مقتدی اپنے امام کو کسی ایسے شخص کی قرأت سن کر لقمہ دے جو نماز نہ پڑھ رہا ہو اور امام لقمہ لے لے تو دونوں کی نماز فاسد ہوجائے گی، یعنی امام کی نماز اور تمام مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہوجائے گی، جب کہ لقمہ دینے کا اردہ کیا ہو، قرأت

کا ارادہ نہ کیا ہو، یہی بات صحیح ہے۔

وَلَو جرىٰ علىٰ لِسانِه نعَم أو آرىٰ إنْ كانَ يعتادُهَا فِي كلامِه تفسُدُ لأنَّهُ مِن كلامِه وإلاّ لاَ لأنَّهُ قُرآنٌ وأكلُه وشربُهُ مُطلقًا ولَو بِسمسمةٍ نَاسِيًا إلاَّ إذَا كانَ بَينَ أسنانِه ماكُولٌ دونَ الحِمّصةِ كمَا فِي الصّومِ هُو الصَّحِيحُ، قالَهُ الباقَانِي، فَابتَلعَهُ امّا المَضغُ فمُفسِدٌ كسكرٍ فِي فِيهِ يبتلِعُ ذوبهُ وَ يفسِدُها إنتِقالُهُ مِن صلاةٍ إلىٰ مُغايِرتِها ولَو مِن وجهٍ، حتّٰى لَو كانَ مُنفرِدًا فكبّر ينوِى الإقتِداءَ او عكسهُ صارَ مُستانِفًا بخِلافِ نِيّةِ الظُّهرِ بعدَ ركعةِ الظُّهرِ، إلاّ إذَا تلفظ بالنّيةِ فيصيرُ مُستانِفًا مُطلقًا، وَ قِراءته مِن مُصحفٍ اى مَا فِيهِ قُرآنٌ مُطلقًا، لأنّهُ تعلمٌ، إلاّ إذا كانَ حافظًا لِمَا قَرَأهُ وقَرأ بِلاحملٍ، وقِيلَ لاتفسُدُ إلاّ بآيةٍ. واستَظهرَهُ الحَلبِي وَ جوّزَهُ الشّافِعِي بِلاكَراهةٍ وهُما بهَا للتشبّهِ بأهلِ الكِتابِ، اى إنْ قصدَهُ فإنّ التشبّهَ بهِمْ لاَيكرَہُ فِي كُلِّ شيءٍ، بَل فِي المَذمُومِ وفِيمَا يُقصدُ بِهِ التشبُّهُ، كمَا فِي البَحرِ. وَ يُفسِدُها كُلُّ عَملٍ كَثِيرٍ لَيسَ مِن أعمالِهَا ولاَ لإصلاَحِهَا، وفِيه أقوالٌ خَمسَةٌ أصحُّها مَا لاَ يَشكُّ بِسببِهِ النَّاظِرُ مِن بعِيدٍ فِي فاعِلِهِ أنَّهُ لَيسَ فِيهَا وإنْ شكَّ أنَّهُ فِيهَا أم لاَ فقَلِيلٌ، لكِنّهُ يشكلُ بمسألةِ المسّ والتّقبِيلِ، فتأمّل. فَلاتفسُدُ بِرفعِ يدَيهِ فِي تكبيراتِ الزّوائِدِ علَى المَذهَبِ ومَا رَوَى مِنَ الفَسادِ فشاذٌ، وَ يُفسِدُها سُجودُهُ علىٰ نجسٍ وإن أعادَهُ علىٰ طاهرٍ فِي الأصحِّ، بخِلافِ يدَيهِ وركبتَيه علَى الظّاهِرِ، وَ يُفسِدُها أداءُ رُكنٍ حَقِيقةً إتِّفاقًا أو تمكنه مِنهُ بسُنّة، وهُو قَدر ثلاثِ تَسبِيحاتٍ مَع كشفِ عورَةٍ أو نَجاسة مَانعة، أو وُقوعِ لِزحمةٍ فِي صفِّ نِساء أو أمام إمامٍ، عِندَ الثّانِي وهُو المُختارُ فِي الكُلِّ لأنّهُ أحوطُ، قَالهُ الحَلبِي. وصلاتُه علىٰ مُصلًى مضرب نجسِ البِطانَةِ بخِلافِ غَير مضربٍ ومَبسُوطٍ علىٰ نجسٍ إنْ لَم يظهَرْ لَونٌ او رِيحٌ، وَتحوِيلُ صدرِهِ عَنِ القِبلةِ إتّفاقًا بغَيرِ عُذرٍ فلَو ظَنّ حدثَهُ فَاستَدبَرَ القِبلَةَ ثُمّ علِمَ عدمَهُ إنْ قبلَ خُروجِهِ مِن المَسجِدِ لاَتفسُدُ وبعدَ فسدتْ.

تکیہ کلام میں سے کسی کلمہ کے زبان پر آجانے کا شرعی حکم

اگر نمازی کی زبان پر کلمہ "نعم" یا کلمہ "اری" جاری ہوجائے اور وہ اس کلمہ کا عادی تھا، یعنی اس کلمہ کو بطور تکیہ کلام

بار بار زبان پر لاتا تھا تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ اس کا کلام ہے اور اگر یہ کلمہ اس کا تکیہ کلام نہ تھا تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی، اس لئے کہ یہ لفظ قرآنِ کریم میں ہے۔ (لیکن علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ کلمہ نعم کے متعلق قرآن کا لفظ کہنا تو یہ ظاہر ہے، اسی طرح جن لوگوں کے نزدیک قرآن صرف معنی کا نام ہے لفظ "ادی" قرآن میں سے ہوگا، لیکن جن کے نزدیک قرآن نظم و معنی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے ان کے نزدیک لفظ "ادی" قرآن نہیں ہے)۔ (شامی زکریا/۲/۳۸۲)

دورانِ نماز کھانا پینا مفسد نماز ہے

نمازی کا دورانِ نماز کھانا پینا، خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ، دیدہ دانستہ ہو یا بھول کر، اگر چہ وہ تل کی مقدار ہی میں کیوں نہ ہو، یا پانی کا ایک قطرہ ہی کیوں نہ ہو، بہر صورت نماز فاسد ہو جائے گی۔ ہاں اگر نمازی کے دانتوں میں کھانے کی کوئی چیز اٹک کر رہ گئی اور اس کی مقدار چنے سے کم ہو تو اس کے نگلنے سے نماز فاسد نہ ہوگی، جس طرح کہ اگر کوئی شخص دانتوں سے کوئی چیز نکال کر جس کی مقدار چنے سے کم ہو نگل جائے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ باقانی نے شرح الملتقی میں اس کی صراحت کی ہے۔ علامہ بقالی نے کہا کہ صحیح بات یہ ہے کہ جس چیز سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس سے نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ علامہ زیلعی نے صاحب خلاصہ اور صاحب بدائع الصنائع کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسی کو اختیار کیا ہے، لیکن النہر الفائق میں ہے کہ صاحب فتاویٰ خانیہ نے اس کو بعض کا قول قرار دیا ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ اگر بھر منہ سے کم ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ (شامی/۲/۳۸۳)

نماز کی حالت میں کسی کھانے کی چیز چبانے سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے، جیسے کہ اگر نمازی کے منہ میں شکر ہو اور وہ اس کے پگھلنے والے حصہ کو نگل جاتا ہو تو اس سے بھی نماز فاسد ہو جائے گی، ہاں اگر منہ میں کسی چیز کی مٹھاس باقی رہے تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ (شامی/۲/۳۸۳)

نماز میں نماز کے مغائر کام کی طرف منتقل ہونا

اگر نمازی نماز کے منافی اور مغائر کام کی طرف منتقل ہو گیا خواہ یہ مغائرت کسی بھی اعتبار سے ہو، بہر صورت نماز فاسد ہو جائے گی، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص تنہا نماز ادا کر رہا تھا پھر اس نے اللہ اکبر کہہ کر اقتداء کی نیت کر لی، یا مقتدی کی حیثیت سے نماز ادا کر رہا تھا پھر اس نے اللہ اکبر کہہ کر تنہا نماز پڑھنے کی نیت کر لی تو اس صورت میں وہ از سرِ نو نماز پڑھنے والا سمجھا جائے گا۔ اور پہلے جو نماز شروع کر رکھا تھا وہ نماز فاسد ہو جائے گی، البتہ اگر کوئی شخص ظہر کی ایک رکعت یا دو رکعت پڑھنے

کے بعد پھر ظہر کی نیت کرے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، اس لئے کہ اس صورت میں ایک ہی نماز کی دوبارہ نیت پائی گئی ہے، ہاں اگر نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرے گا تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی اور مطلقاً از سر نو نماز پڑھنے والا ہوگا، اس لئے کہ نیت کے الفاظ کو زبان سے ادا کرنا ایسا کلام ہے جو پہلی نماز کے لئے مفسد ہے، لہٰذا دوسری نماز کو اس پر شروع کرنا صحیح ہوگا۔ (شامی/۲/۳۸۳)

نماز میں قرآن کی تلاوت دیکھ کر کرنا مفسد نماز ہے

نمازی اگر نماز میں قرآن شریف دیکھ کر پڑھے تو مطلقاً نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ (خواہ تھوڑا پڑھا ہو یا زیادہ، امام بن کر پڑھا ہو، یا منفرد شخص پڑھا ہو) اسی طرح اگر قرآنی آیات لکھی ہوں اور ان کو دیکھ کر پڑھے تو اس سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے، اس لئے کہ اس طرح قرآن دیکھ کر پڑھنا درحقیقت سیکھنا ہے۔ اور اصولِ فقہ کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ تعلیم و تعلم نماز کو فاسد کر دیتی ہے، ہاں اگر وہ اس کو یاد تھا اور قرآن اُٹھائے بغیر پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اس میں ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ اگر ایک آیت دیکھ کر پڑھے تو اس سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے، ورنہ نہیں، اس کو حلبی نے ظاہر کیا ہے اور یہ اس لئے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک آیت کی قرأت سے بھی نماز ہو جاتی ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ نے نماز کی حالت میں قرآن کریم دیکھ کر پڑھنے کی بلا کراہت اجازت دی ہے اور اسے جائز قرار دیا ہے۔ اور حضراتِ صاحبینؒ نے کراہت کے ساتھ جائز کہا ہے، اس لئے کہ اس میں اہل کتاب کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے اس لئے کہ اہل کتاب بھی نماز میں توریت، انجیل دیکھ کر ہی پڑھتے ہیں۔ اور حضرات صاحبینؒ کہتے ہیں کہ کراہت اس وقت ہوگی جب نماز میں اہل کتاب سے تشبہ اختیار کرنے کا ارادہ کرے، اس لئے کہ ہر چیز میں اہل کتاب کی مشابہت مکروہ نہیں ہے؛ بلکہ صرف افعالِ مذمومہ میں ان کی مشابہت مکروہ ہے۔ اور ان چیزوں میں مشابہت مکروہ ہے جن میں مشابہت اختیار کرنے کا قصد کیا جائے جیسا کہ البحر الرائق میں ہے۔

نماز میں عمل کثیر کا حکم اور اس کی تعریف

قوله ويُفسِدُها كلُّ عملٍ كثيرٍ: حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ عمل کثیر نماز کو فاسد کر دیتا ہے جو نماز کے اعمال سے نہ ہو اور نہ نماز کی اصلاح کی غرض سے ہو۔ (اعمالِ نماز کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر کوئی شخص رکوع یا سجدہ زیادہ کر لے تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی، اگرچہ یہ بھی عمل کثیر میں داخل ہے، لیکن مفسد نماز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ اعمال نماز میں سے ہیں، اسی طرح اگر نماز کی اصلاح کے لئے عمل کثیر پایا جائے مثلاً حدث لاحق ہونے کی وجہ سے

وضو کرنے کے لئے نماز سے باہر نکلا تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی)۔ (شامی/۲/۳۸۴)

عمل کثیر کی تعریف میں پانچ اقوال ہیں

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ عمل کثیر کی تعریف میں حضراتِ فقہاء کے پانچ اقوال ہیں:

پہلا قول: ان تمام تعریفات میں سے سب سے عمدہ اور صحیح تعریف یہ ہے کہ عمل کثیر اس کو کہتے ہیں کہ نمازی کو دور سے دیکھنے والا شخص دیکھ کر یہ شک نہ کرے کہ یہ نماز میں ہے؛ بلکہ یقینی طور پر یہ سمجھے کہ وہ نماز سے باہر ہے۔ اور اگر دور سے دیکھنے والے کو شک ہو رہا ہو کہ یہ نماز میں ہے تو پھر یہ اس کا عمل، عمل کثیر نہ ہوگا؛ بلکہ عمل قلیل ہوگا اور نماز فاسد نہ ہوگی۔ بدائع الصنائع میں اس تعریف کی تصحیح کی گئی ہے۔ اور زیلعی اور ولوالجیہ نے اسی کی متابعت کی ہے۔ اور صاحب محیط نے اس تعریف کو ''احسن'' اور صدر الشہید نے ''صواب'' کہا ہے۔ (شامی/۲/۳۸۵)

دوسرا قول: عمل کثیر کی تعریف کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ جس کام کو کرنے کے لئے عادتاً عام طور پر دونوں ہاتھ کی ضرورت پڑے وہ کثیر ہے، اگرچہ نمازی نے اس کو ایک ہی ہاتھ سے کیوں نہ کیا ہو، مثال کے طور پر عمامہ باندھنا، پائجامہ پہننا عام طور پر دونوں ہاتھوں سے ہوتا ہے، لیکن اگر کسی نے ایک ہی ہاتھ سے باندھ لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور جو کام عادتاً ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہو وہ قلیل ہے۔ (شامی/۲/۳۸۵)

تیسرا قول: اگر نمازی نے کوئی کام لگاتار تین مرتبہ کر لیا تو وہ عمل کثیر ہے۔ اور اگر اس سے کم ہو تو عمل قلیل ہے۔

چوتھا قول: عمل کثیر کی تعریف کے سلسلے میں چوتھا قول یہ ہے کہ اس کام کا کرنے والا شخص جداگانہ مجلس میں مقصود بالذاتِ سمجھ کر کرے۔ (شامی/۲/۳۸۵)

پانچواں قول: اس بارے میں پانچواں قول یہ ہے کہ جس کام کو خود نمازی کثیر سمجھے وہ کثیر ہے اور جس کو قلیل سمجھے وہ قلیل ہے، گویا نمازی کی رائے پر موقوف ہے۔ (شامی/۲/۳۸۵)

حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے عمل کثیر کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: اگر دور سے دیکھنے والا دیکھ کر شک میں پڑ جائے کہ یہ شخص نماز میں ہے یا نماز سے باہر ہے؟ تو یہ عمل قلیل ہے۔ لیکن چھونے اور بوسہ لینے کے مسئلہ سے اشکال پیدا ہوتا ہے۔ (یعنی نماز پڑھتے ہوئے عورت کا، شوہر نے بوسہ لے لیا، یا شہوت کے ساتھ چھو دیا تو حضرات علماء فرماتے ہیں کہ اس عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی، حالانکہ اس صورت میں عورت سے کوئی فعل سرزد نہیں ہوا ہے) لہٰذا اس مسئلہ میں خوب غور وخوض کر لیا جائے۔

تکبیراتِ زوائد میں ہاتھوں کا اُٹھانا مفسد نماز نہیں ہے

اگر نمازی نے تکبیراتِ زوائد میں دونوں ہاتھ اُٹھائے تو مذہب کی روایت کے مطابق اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔ اور نماز کے فاسد ہونے کے متعلق جو روایتیں آئی ہیں وہ شاذ ہیں۔ اور روایت ودرایت دونوں کے خلاف ہیں۔ (یہاں تکبیراتِ زوائد سے مرادعیدین کی تکبیراتِ زوائد مرادنہیں ہیں؛ بلکہ رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سراُٹھاتے وقت ہاتھوں کا اُٹھانا مراد ہے۔ حضرت مکحول نے امام اعظم ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ اگر کوئی شخص رکوع میں جاتے وقت یا اُٹھتے وقت ہاتھوں کو اُٹھائے تو اس سے بھی نماز فاسد ہوجائے گی، اسی قول کو مصنف نے شاذ قرار دیا ہے)۔ (شامی/۲/۳۸۶)

کسی ناپاک چیز پر سجدہ کرنا مفسد نماز ہے

اور نمازی کا کسی نجس چیز پر سجدہ کرنا نماز کو فاسد کردیتا ہے، اگرچہ اس نے اسی سجدہ کو دوبارہ کسی پاک چیز پر کرلیا ہو، اس بارے میں اصح قول یہی ہے۔ اس کے برخلاف اگر نمازی نے اپنے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کو کسی ناپاک جگہ پر رکھا تو ظاہر روایت کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ناپاک جگہ پر سجدہ کرنے سے صرف سجدہ باطل ہوتا ہے نماز باطل نہیں ہوتی ہے، لہٰذا اگر دوبارہ پاک جگہ پر سجدہ کرلیا تو نماز ہوجائے گی)۔ (شامی/۲/۳۸۶)

ایک رکن کی ادائیگی کی مقدار نماز میں ستر کھل جانے کا حکم

اگر نمازی نے ستر کھلنے کی حالت میں ایک رکن حقیقتاً ادا کرلیا، یا سنت کے مطابق ایک رکن ادا کرنے کی مقدار ستر کھلی رہ گئی تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ اور ایک رکن ادا کرنے کی مقدار تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے برابر ہے۔ اسی طرح اگر نمازی اتنی مقدار تک ایسی نجاست کے ساتھ رہا جو مانع نماز ہے یا اتنی ہی مقدار تک عورتوں کی صف میں گھسا رہ گیا، یا اتنی ہی دیر تک امام کے آگے رہ گیا تو ان تمام صورتوں میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ اور مذکورہ مسائل میں امام ابو یوسفؒ ہی کا قول پسندیدہ اور مختار ہے، کیونکہ اسی میں زیادہ احتیاط ہے اور اسی کو امام حلبیؒ نے بھی ذکر کیا ہے۔

ایسے مصلّٰی پر نماز ادا کرنے کا حکم جس کا استر ناپاک ہو

ایسا مصلّٰی جس کا دوتہ سلا ہوا ہو اور اس کا استر ناپاک ہو، اگر اس پر کوئی نماز ادا کرتا ہے تو نماز فاسد ہوجائے گی، ہاں اگر

مصلّی سلا ہوانہیں ہے؛ بلکہ نیچے اوپر صرف بچھا ہوا اور نچلا مصلّی ناپاک ہو اور اوپر کا پاک ہو اور اس پر کوئی نماز ادا کرے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ناپاک زمین پر یا ناپاک فرش پر چٹائی یا پاک کپڑا بچھا کر نماز ادا کرے اور نجاست کا رنگ و بو ظاہر نہ ہو تو نماز ہو جائے گی۔ اور اگر نجاست کا رنگ یا بو ظاہر ہو گئی تو نماز نہ ہوگی۔

بلا عذرِ شرعی قبلہ سے سینہ کو پھیرنا

اگر کوئی شخص نماز پڑھتے ہوئے بلا عذر اپنے سینہ کو قبلہ سے پھیر لے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس میں تمام فقہاءِ امت کا اتفاق ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص بلا عذر صرف منہ قبلہ کی جانب سے پھیرے تو یہ مکروہ ہے، خواہ مکمل منہ پھیرے یا تھوڑا سا، اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔

اگر دورانِ نماز نمازی کو محسوس ہوا کہ وضو ٹوٹ گیا، چنانچہ نمازی نے اس خیال سے قبلہ کی طرف پشت کر لی، پھر معلوم ہوا کہ وضو نہیں ٹوٹا ہے؛ بلکہ صرف یہ ایک وہم تھا تو اگر نمازی کو یہ علم مسجد سے نکلنے سے پہلے ہو گیا تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر مسجد سے نمازی نکل چکا تھا اس کے بعد علم ہوا تو پھر نماز فاسد ہو جائے گی۔

فُروعٌ: مَشٰی مُستقبِلَ القِبلَةِ، هَل تَفسُدُ؟ إنْ قَدرَ صفٍّ ثُمّ وقفَ قدرَ رُكنٍ ثُمّ مشٰی وَ وقفَ كَذالِكَ، وهٰكَذَا لَاتفسُدُ، وإنْ كثُرَ مَا لَم يختَلِفِ المَكانُ، وقِيلَ لاتفسُدُ حالة العُذرِ مَا لَم يَستَدبرِ القِبلَةَ إستِحسَانًا، ذكرهُ القَهستانِي. وهَل يُشترطُ فِي المفسد الإختِيارُ فِي الخبّازِية: نعم. وقَالَ الحَلبِي: لَا، فإن مَن دفعَ أو جذَبتْهُ الدّابةُ خطواتٍ أو وضعَ عليهَا أو أخرجَ مَن كانَ في الصّلاةِ، أو مصّ ثديَها ثلاثًا، أو مرةً، ونزلَ لبنُها أو مسّها بشهوةٍ أو قبّلَها بدُونِها فسدتْ، لَا لَو قبّلتْهُ ولَم يَشتَهِها، والفرقُ انّ فِي تَقبِيلِه معنَى الجِماعِ. معهُ حجرٌ فرمٰی بهٖ طائرًا لَم تفسُد، ولَو إنسانًا تَفسُدُ كَضربٍ ولَو مرّةً، لأنّهُ مُخاصمةٌ أو تادِيبٌ أو مُلاعبةٌ، وهُو عملٌ كثِيرٌ، ذكرَهُ الحَلبِي. بقِيَ مِن المُفسدَاتِ: إرتداد بقلبه، وموت وجنُونٌ وإغماء، وكلّ موجبٍ لوُضُوءٍ أو غُسلٍ، وتركُ رُكنٍ بلاقَضاءٍ وشرط بلاعُذر، ومُسابقة المُؤتمّ برُكنٍ لَم يُشاركهُ فِيه إمامُه، كان ركعَ ورفعَ راسَهُ قبلَ إمامِهٖ ولَم يعدهُ معهُ أو بعدَهُ وسلّم معَ الإمامِ، ومتابعةُ المَسبُوقِ إمامه فِي سُجودِ السّهوِ بعدَ تأكّدِ إنفِرادِهٖ، أمّا قبلَهُ فتجبُ الجُلوسُ، وعدم إعادة رُكنٍ أداهُ نائمًا، وقهقهةُ إمامِ المسبوق بعدَ الجُلوسِ

الأخيرِ، ومنها مدُّ الهَمزِ فِي التَّكبِيرِ كمَا مَرَّ، ومِنهَا القِراءَةُ بالألحانِ إنْ غَيّرَ المَعنٰى، وإلاَّ لاَ، إلاَّ فِي حرفِ مدٍّ ولِينٍ، إذَا فحشَ وإلاَّ لاَ، بزّازية. ومِنْها زَلّةُ القَارِي، فلَو فِي إعرابٍ أو تخفِيفِ مُشدد وعكسه، أو بزِيادةِ حرفٍ فأكثرَ، نحو: الصِّراطَ الَّذِينَ، أو بِوصلِ حرفٍ بِكلمَةٍ، نحو: إيّاكَنعبُدُ، أو بِوقفٍ وإبتدَاءٍ لَم تفسُدْ، وإنْ غيّر المَعنٰى، بهٖ يُفتيٰ، بزازية. إلاّ تَشدِيد ربّ العٰلمِينَ، وإيّاكَ نعبُدُ فبِتركِهٖ تفسُدُ، ولَوزادَ كَلمةً أو نقصَ كلمَةً أو نقصَ حرفًا، أو قدّمهُ أو بدّلهُ بآخرَ، نحو: مِن ثَمرِهٖ إذَا أثمرَ واستحصد، تعالیٰ جدُّ رَبّنَا، اِنفرجَتْ بَدلَ اِنفجَرتْ، أيّابَ بدلَ أوّاب، لَم تفسُدْ مَا لَم يَتغيّرِ المعنٰى إلاّ ما يشقُّ تميزُهُ كَالضّادِ والظّاءِ فأكثرهُم لَم يفسدهَا. وَكَذا لَو كَرَّرَ كلمةً. وصحّحَ الباقانِي الفساد إنْ غيَّرَ المعنٰى، نحو: ربِّ ربِّ العٰلمِين للإضافَةِ، كمَا لَو بدّلَ كلمةً بكلِمةٍ وغيرِ المعنٰى، نحو: إنَّ الفُجّارَ لَفِي جَنّاتٍ، وتَمَامُهُ فِي المُطوّلاتِ.

شارحؒ کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل کا بیان

اس عبارت سے حضرت شارح علیہ الرحمہ ان ضروری مسائل کو بیان فرمارہے ہیں جو ماتن سے رہ گئے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر نمازی قبلہ کی جانب رُخ کر کے چلے تو اس کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ایک نمازی ایک صف کی مقدار چلا، پھر ایک رکن کی ادائیگی کی مقدار رُکا، پھر چلا، پھر اتنی ہی مقدار رُکا، اور اسی طرح نماز میں رُک رُک کر چلتا رہا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی، اگر چہ وہ اسی طرح زیادہ دور تک ٹھہر ٹھہر کر چلتا رہا، جب تک مکان تبدیل نہیں ہوگا نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (مثال کے طور پر کوئی شخص مسجد میں ہے اور وہ رُک رُک کر قبلہ کی طرف چل رہا ہے تو جب تک وہ مسجد سے باہر نہ ہوگا اس کی نماز فاسد نہ ہوگی، جوں ہی مسجد سے باہر ہو جائے گا نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر بغیر ٹھہرے مسلسل دو صفوں کی مقدار قبلہ کی طرف چلتا رہا تو بھی نماز فاسد ہو جائے گی)۔

اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی عذر شرعی کی وجہ سے قبلہ کی طرف چلا اور بہت دور تک چلا، یہاں تک کہ جگہ بھی بدل گئی ہے تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی، جب تک کہ وہ قبلہ کی طرف پشت نہ کرے۔ اس بارے میں استحسان کا تقاضہ بھی یہی ہے اور اس کو علامہ قہستانی نے ذکر کیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ فسادِ نماز میں کیا اس باب میں اختیار شرط ہے؟ تو اس کے متعلق "خبازیہ" نامی کتاب میں ہے، جی ہاں!

اختیار شرط ہے۔اور حلبی نے کہا کہ اختیار شرط نہیں ہے۔(بقول علامہ شامیؒ طحطاوی نے اسی قول پر اعتماد ظاہر کیا ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے اور اسی پر مسائل متفرع کر رہے ہیں)۔

بلا اختیار نمازی اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو کیا حکم ہے؟

چنانچہ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس نمازی کو کسی نے دھکا لگایا، یا کسی جانور نے کھینچ لیا اور وہ اس کی وجہ سے چند قدم چلا، یا نمازی کو کسی نے اُٹھا کر سواری پر رکھ دیا، یا اس کو نماز کی جگہ سے باہر نکال دیا، یا عورت نماز پڑھ رہی تھی اور اس درمیان اس کی چھاتی کو تین مرتبہ چوس لیا گیا، یا صرف ایک مرتبہ چوس لیا گیا اور اس سے دودھ نکل گیا، یا نمازی عورت کو حالتِ نماز میں شہوت کے ساتھ چھوا، یا بغیر شہوت کے اس کا بوسہ لے لیا، تو مذکورہ تمام صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی، مذکورہ صورتوں میں سے کسی بھی صورت میں نمازی کا اختیار نہیں پایا گیا اس کے باوجود نماز فاسد ہوگئی ہے۔

عورت، نمازی مرد کا بوسہ لے تو کیا حکم ہے؟

اگر عورت نمازی مرد کا بحالتِ نماز بوسہ لے گی اور مرد کو اس کی خواہش نہیں ہے تو اس صورت میں مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔اور عورت کے بوسہ لینے اور مرد کے بوسہ لینے میں فرق ہے۔مرد کے بوسہ لینے میں جماع کا معنی لیا گیا ہے، اس لئے کہ بوسہ دواعی جماع میں سے ہے اور جماع کا فاعل شوہر (مرد) ہی ہوتا ہے، اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی۔اور اگر مرد نماز میں تھا اور عورت نے بوسہ لیا تو نماز فاسد نہ ہوگی، اس لئے کہ عورت جماع کا فاعل نہیں ہوا کرتی ہے، اس لئے عورت کا بوسہ لینا دواعی جماع میں سے شمار نہیں ہوگا، بشرطیکہ مرد میں اس کی طرف شہوت نہ ہو اور نماز بھی فاسد نہ ہوگی۔

اگر نمازی اپنے پاس کے پتھر کو پھینکے تو کیا حکم ہے؟

نمازی کے پاس پتھر ہے اور وہ اس کو پھینک کر کسی پرندہ کو مارتا ہے تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی، اور نمازی نے اس پتھر کو کسی انسان کی طرف پھینکا تو پھر نماز فاسد ہو جائے گی، جس طرح کہ کسی کو مارنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اگرچہ ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ہو، اسلئے کہ ایسا وہ دشمنی کی وجہ سے کر رہا ہے، یا ادب دینے کے لئے یا مذاق کے طور پر کر رہا ہے اور یہ عمل کثیر ہے اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اس کو حلبی نے ذکر کیا ہے۔

علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ اگر نمازی نے زمین سے اُٹھا کر پتھر پھینکا ہے، خواہ انسان کی طرف پھینکا یا کسی پرندہ کی طرف بہر صورت نماز فاسد ہو جائے گی۔اور اگر اس کے پاس پتھر موجود تھا اور وہ اس کو پھینکا تو نماز فاسد نہ ہوگی، اس لئے کہ یہ عمل

قلیل ہےاور پرندہ اور آدمی کی طرف پھینکنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

بقیہ مفسداتِ نماز کا بیان

اگر نمازی نماز پڑھتے ہوئے دل سے مرتد ہوگیا، یعنی دل میں کفر کا اعتقاد کرلیا، یا نمازی نماز پڑھتے ہوئے مرجائے یا نماز پڑھتے ہوئے پاگل ہوجائے، یا بے ہوش ہوجائے تو ان تمام صورتوں میں نماز فاسد ہوجائے گی۔ اور جنون ختم ہونے کے بعد اور ہوش آنے کے بعد وہ نماز لوٹانی ہوگی۔

ہر موجب وضو اور غسل مفسد نماز ہے

ہر اس فعل سے نماز فاسد ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے وضو کرنا واجب ہوجائے، یا غسل کرنا لازم ہوجائے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ شارح نے صاحب النہر الفائق کے نقش قدم پر چلتے ہوئے موجب وضو کو مفسد نماز قرار دیا ہے، حالانکہ موجب وضو مفسد نماز نہیں ہے؛ بلکہ وہ موجب مفسد نماز ہے جو عمداً کیا جائے)۔ (شامی/۲/۳۹۲)

رکن نماز کا ادا نہ کرنا مفسد ہے

اگر کوئی شخص نماز کے ارکان میں سے کسی رکن کو ادا نہ کرے تو اس سے بھی نماز فاسد ہوجائے گی۔ مثال کے طور پر کسی نے نماز میں ایک سجدہ چھوڑ دیا اور اس کو سلام پھیرنے سے پہلے ادا نہ کیا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص شرائط نماز میں سے کسی شرط کو بلا عذر چھوڑ دے تو اس سے نماز فاسد ہوجائے گی۔ (مثلاً: وضو، ستر کا چھپانا، استقبالِ قبلہ وغیرہ) ان میں سے کسی کو بھی بغیر عذر کے چھوڑ دیا تو نماز نہ ہوگی، ہاں اگر عذر کی وجہ سے چھوٹ گئی تو نماز ہوجائے گی۔ (شامی/۲/۳۹۲)

امام سے پہلے رکن ادا کرنے کا حکم شرعی

اور مقتدی کا کسی رکن کے ادا کرنے میں اپنے امام سے آگے بڑھنا اور امام کا اس کو اس رکن میں نہ پانا جیسے کہ مقتدی کے رکوع میں جانے سے پہلے رکوع میں چلا اور اپنے امام کے رکوع سے سر اُٹھانے سے پہلے سر اُٹھالیا، امام نے اس کو رکوع میں نہیں پایا پھر اس رکوع کو اس نے نہ امام کے ساتھ ادا کیا نہ بعد میں ادا کیا اور امام کے ساتھ سلام پھیر دیا تو ان صورتوں میں مقتدی کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

مسبوق کا سجدۂ سہو میں متابعت کرنے کا حکم

جب مسبوق یقینی طور پر منفرد ہوگیا اس کے بعد وہ سجدۂ سہو میں اپنے امام کی پیروی کرتا ہے تو اس سے نماز فاسد ہوجائے گی۔ اور اگر مسبوق یقینی طور پر منفرد نہیں ہوا ہے تو پھر امام کی متابعت واجب ہے۔(مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص ہے جس کو ایک رکعت یا دو رکعت امام کے ساتھ نہیں ملی ہے، اس نے امام کے تشہد پڑھنے کے بعد یا سلام پھیرنے کے بعد اپنی بقیہ نماز ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوا اور سجدہ کرلیا اس کے بعد امام نے سجدۂ سہو کیا اور اس میں وہ مسبوق بھی شریک ہوگیا تو اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہوجائے گی، اس لئے کہ مسبوق کا امام کے بعد ایک رکعت علیحدہ پڑھ لینا اس کو منفرد کے حکم میں کردیتا ہے)۔

قعدۂ اخیرہ کا نہ لوٹانا مفسد نماز ہے

ایک شخص کو قعدۂ اخیرہ میں یاد آیا کہ اس کے ذمہ ایک سجدۂ صلبیہ ہے، یا سجدۂ تلاوت ہے، چنانچہ اس نے سجدۂ صلبیہ ادا کیا اور سجدۂ تلاوت ادا کی، اس کے بعد قعدۂ اخیرہ کو دوبارہ نہیں کیا تو اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی رکن کو سونے کی حالت میں ادا کیا پھر بیدار ہونے کے بعد دوبارہ اس کو ادا نہیں کیا تو اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔(علامہ طحطاوی نے کہا کہ قعدۂ اخیرہ کو دوبارہ ادا نہ کرنا ترکِ رکن میں داخل ہے اور سونے کی حالت میں کسی رکن کا ادا کرنا پھر دوبارہ ادا نہ کرنا ترکِ شرط میں داخل ہے، اس لئے کہ ارکان کو اختیار کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے اور نیند کی حالت میں اختیار والی شرط نہیں پائی گئی ہے، اس لئے نماز فاسد ہوجائے گی۔ (شامی/۲/۳۹۲)

امام کا قہقہہ مار کر ہنسنے کا حکم

اگر قعدۂ اخیرہ کے بعد مسبوق کا امام کھل کھلا کر ہنس دیا تو اس سے بھی نماز فاسد ہوجائے گی، یعنی مسبوق کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ رہا مدرک اور امام تو ان کی نماز مکمل ہوجائے گی، اس لئے کہ مدرک کے تمام ارکان مکمل ہوگئے ہیں۔ اور مسبوق کے ارکان بھی ادا کرنے سے باقی رہ گئے ہیں، اس لئے مسبوق کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ (شامی/۲/۳۹۲)

اللہ اکبر کی ہمزہ کھینچ کر پڑھنا

اگر کوئی شخص نماز پڑھتے ہوئے اللہ اکبر کے ہمزہ کو کھینچ کر پڑھے اور ''آللہ اکبر'' کہے تو اس سے بھی نماز فاسد ہوجائے گی، جیسا کہ یہ مسئلہ اس سے پہلے بھی گذر چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رکوع وسجدہ میں تکبیر کہتے ہوئے ہمزہ کو کھینچا تو نماز فاسد ہوجائیگی۔ اور اگر تکبیر تحریمہ میں ہمزہ کو کھینچا تو نماز شروع ہی نہ ہوگی۔ (شامی/۲/۳۹۲)

قرأت میں غلطی کرنے کا شرعی حکم

اگر کوئی شخص قرأت میں اس طرح کی غلطی کرے کہ اس سے معنی بدل جائیں تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ مثال کے طور پر ربّ العَالَمین کو ربّ العللین پڑھ دے تو اس سے چونکہ معنی بدل گیا ہے، اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی، البتہ اگر قرأت میں ایسی غلطی ہوئی کہ اس سے معنی نہیں بدلا تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر حروف مدہ اور حروف لین میں سے حد سے زیادہ غلطی کرے تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی، خواہ معنی نہ بدلے ہوں۔ اور اگر حد سے زیادہ غلطی نہیں کی تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ یہ مسئلہ فتاویٰ بزازیہ میں اسی طرح منقول ہے۔ (ألحان: لحن کی جمع ہے۔ اور "لحن" کے معنی: غلطی کرنے کے ہیں۔ لحن کی دو قسمیں ہیں: (۱) لحن جلی۔ ایسی غلطی کرنا جس سے حروف بدل جائیں اور معنی بھی بدل جائیں۔ (۲) اور لحن خفی کہتے ہیں زیر و زبر اور پیش کی ادائیگی میں غلطی کرنا، مثلاً زیر کو "ی" پڑھنا، زبر کو "الف" پڑھنا، پیش کو "واؤ" پڑھنا)۔

غلط پڑھنے کے احکام

مفسداتِ نماز میں سے ایک چیز قرآن مجید کا نماز میں غلط پڑھنا بھی ہے، لہٰذا اگر پڑھنے کی غلطی اعراب میں ہو جیسے کہ "قَوامًا" کو کسرہ کے ساتھ پڑھ دیا فتحہ کی جگہ، یا "نَعبُدُ" کی باء کو ضمہ کے بجائے زبر پڑھ دیا، یا کسی مشدد حرف کو تخفیف کے ساتھ پڑھ دیا، یا کسی مخفف حرف کو مشدد پڑھ دیا، (مثلاً: قُتِّلُوْا تَقْتِيلًا کو قتلوا پڑھ دیا، یا حروف کے بڑھانے میں غلطی ہو، جیسے کہ "صِرَاطَ الَّذِينَ" کی جگہ "الصراط الذین" پڑھ دیا، یا غلطی کسی حرف کے ملانے میں ہو، جیسے "إِيَّاكَ نَعْبُدُ" میں "إِيَّا" کو الگ پڑھے اور "كَ نَعْبُدُ" کو ملا کر ایک ساتھ پڑھے، یا وقف کرنے یا ابتداء کرنے میں غلطی ہو، جیسے: لَاإِلٰهَ پر وقف کر دے اور إِلَّا اللّٰهَ سے ابتداء کرے تو ان تمام صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی، اگرچہ معنی کیوں نہ بدل جائیں، اسی پر فتویٰ بھی ہے، جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔ (حضرت علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ شارح کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ تمام صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی، گو معنی بدل جائیں، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے بلکہ صرف اعراب کی غلطی کی صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی، اگرچہ معنی کیوں نہ بدل جائیں اور باقی غلطی کی صورت میں اگر معنی بدل جائیں تو نماز فاسد ہو جائے گی، اکثر متقدمین کا یہی قول ہے اور اسی میں احتیاط بھی ہے)۔ (شامی/۲/۳۹۵)

فسادِ نماز کا حکم ترکِ تشدید کی صورت میں

اگر کوئی شخص "ربّ العالمین" یا "إيّاكَ نعبدُ" کی تشدید کو ترک کر دے تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ (اگرچہ یہ

اعراب کی غلطی ہے) اور اگر قرأت میں کوئی کلمہ بڑھادے، یا کوئی کلمہ کم کردے، یا کوئی حرف کم کردے، یا کوئی حرف آگے کردے، یا کسی حرف کو دوسرے حرف سے بدل دے، جیسے کہ: مِن ثمرِهِ إذَا أثْمَرَ وَاستحْصَدَ، تَعالىٰ جَدُّ رَبِّنَا، یا انفَجرتْ کی جگہ اِنفَرَجَتْ پڑھے، یا اوّاب کی جگہ أيّاب پڑھے، تو جب تک معنی میں تبدیلی نہ ہوگی نماز فاسد نہ ہوگی، البتہ جن حروف کے مخارج کے درمیان تمیز کرنا دشوار ہو، جیسے لفظ''ضاد'' اور''ظاء'' ہے، تو ان ظاء کی جگہ ضاد اور ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے سے اکثر علماء نماز کو فاسد نہیں کرتے ہیں، ہاں اگر دیدہ دانستہ ایسا کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

کسی کلمہ کو بار بار پڑھنے کا حکم

حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کسی کلمہ کو بار بار پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی، لیکن''باقانی'' نے اس بات کی تصحیح کی ہے کہ اگر کسی کلمہ کو مکرر پڑھنے سے معنی بدل جائیں تو نماز فاسد ہو جائے گی، جیسے کہ کوئی شخص''ربُّ العالمین'' کو''ربُّ ربِّ العالمین'' پڑھ دے اضافت کے طور پر، تو چونکہ اس صورت میں معنی بدل گئے ہیں، اسلئے نماز فاسد ہو جائے گی، جس طرح کہ اگر کسی ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ سے بدل دے اور اس کی وجہ سے معنی بدل جائیں تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، جیسے ﴿إنَّ الفُجّارَ لَفِي جَحِيمٍ﴾ کی جگہ ﴿إنَّ الفُجّارَ لَفِي جَنّاتٍ﴾ پڑھ دے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اس کی پوری تفصیل بڑی بڑی کتابوں میں مذکور ہے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ تکرار کلمہ کی صورت میں اس وقت نماز فاسد ہوگی جب نمازی مضاف مضاف الیہ کو جانتا ہو، پس اگر نمازی مضاف مضاف الیہ کو نہ جانتا ہو، یا تکرار کا مقصد اضافت نہ ہو بلکہ سبقت لسانی کی وجہ سے ایسا ہو گیا، یا حروف کے مخارج کی تصحیح کے ارادے سے تکرار کیا ہے تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی)۔

(شامی زکریا/۲/۳۹۷)

وَلاَ يُفسِدُهَا نظرُهُ إلَى مكتوبٍ وفهمُه ولَو مُستفهِمًا وإن كرِهَ، وَ مُرورُ مارٍ فِي الصَّحْراءِ أو فِي مَسجِدٍ كَبيرٍ بِموضعِ سُجُودِهِ فِي الأصحِّ أو مُرورِهِ بينَ يدَيهِ إلَى حائطِ القِبلَةِ فِي بَيتٍ ومَسجِدٍ صغِيرٍ، فإنّـه كَبُقعَةٍ وَاحِدَةٍ مُطلَقًا ولَو اِمرأةً أو كَلبًا أو مُرورُه أسفل مِن الدُّكانِ امام المُصلِّي لَو كانَ يُصلِّي عَلَيها، أيِ الدُّكانِ بِشرطِ مُحاذَاةِ بعضِ أعضاءِ المَارِّ بعض أعضائِهِ، وكَذَا سطح وسَرِيرٌ وكُلُّ مُرتفع دُونَ قامَةِ المَارِّ، وقِيلَ دُونَ السُّترَةِ كمَا فِي غُررِ الأذْكَارِ، وإنْ اَثِمَ المَارُّ لِحدِيثِ البزاز: لَو يعلَمُ المارُّ مَاذَا علَيهِ مِن الوِزرِ لَوقفَ أربعِينَ خَرِيفًا". فِي ذالكَ المُرورِ لَو بِلاحَائِلٍ ولَو ستارة ترتفع إذَا سجدَ وتعودُ إذَا قامَ، ولَو كانَ فُرجةً فَلِلدّاخلِ أن يمُرَّ علَى رقبَــة مَن لَم يسدَّهَا، لأنّه اسقطَ حُرمةَ نفسِهِ، فتنبه.

وَ يغرِزُ ندبًا بدائع، الإمَامَ وكَذا المُنفرِدُ فِي الصَّحراءِ ونحوِهَا، سُترةً بِقدرِ ذِراعٍ طُولاً وغِلظِ إصبَعٍ لِتبدُوَ لِلنَّاظِرِ بِقربه دُونَ ثلاثةِ أذرُعٍ علىٰ حِذاءِ أحدِ حَاجِبَيهِ لاَ بَينَ عَينَيهِ ولِلأيمنِ أفضلُ ولاَ يكفِي الوَضعُ والخطُّ وقِيلَ يكفِي فيخطُّ طُولاً، وقِيلَ كَالمِحرابِ، ويدفَعُهُ هُو رُخصةٌ فتركُهُ أفضلُ بدائع. قالَ الباقَانِي: فلَو ضَربَهُ فمَاتَ لاَشيءَ علَيهِ عِندَ الشَّافِعِيِّ، خِلافًا لنَا علىٰ مَا يُفهمُ مِن كُتُبنَا، بِتَسبِيحٍ أو جهر بِقراءةٍ أو إشَارةٍ ولاَيُزادُ علَيهَا عِندَنَا، قهستَانِي. لاَ بِهِمَا فإنَّهُ يكرَهُ، والمَرأةُ تصفقُ لاَ بِبطَنٍ علىٰ بطنٍ، ولَو صفَّقَ أو سَبَّحتْ لَم تَفسُدْ وقَد تركَا السّنةَ، تاترخانية. وَ لفت سُترة الإمَامِ للكُلِّ ولَو عدم المُرُور والطَّرِيق جَازَ تركُهَا وفِعلُها أولىٰ وَكرِهَ هذه تعُمُّ التَنزِيهِيّةَ الَّتِي مرجعُها خِلافُ الأولىٰ فالفَارِقُ الدلِيلُ، فإن نهيا ظَنِّي الثُّبوتِ ولاَ صارف فتَحرِيمِيّةٌ، وإلاَّ فتنزِيهِيّةٌ. سَدلَ تحرِيمًا للنَّهيِ ثوبَهُ اى إرسالُهُ بلاَ لُبسٍ مُعتادٍ وكَذا القَباءُ بِكمٍّ إلىٰ وَراءٍ، ذكرَهُ الحَلبِي؛ كَشَد ومِندِيلٍ يُرسِلُهُ مِن كَتِفَيهِ، فلَو مِن أحدِهِما لَم يكرَهُ كحالةِ عُـذرٍ وخارج صلاتـه فِي الأصحِّ. وفِي الخُلاصَةِ: إذَا لم يُدخِلْ يدَهُ فِي كمِّ الفَرجِية المُختار أنَّهُ لايكرَهُ. وهَل يُرسلُ الكمُّ أو يُمسكُ؟ خلافٌ. والأحوطُ الثَّانِي، قهَستَـانِي. وَ كرِهَ كَفُّهُ اى دفعُهُ ولَو لِتُرابٍ كمُشمِّرٍ كمٍّ أو ذَيل وعَبثُهُ بِهِ اى بِثوبه وبجَسدِهِ للنَّهيِ، إلاَّ لِحاجةٍ، ولاَباسَ بِهِ خارجَ صلاةٍ، وصلاتُهُ فِي ثِيابِ بِذلَةٍ يَلبسُها فِي بَيتِهِ ومِهنَةٍ اى خِدمةٍ، إنْ لَهُ غَيرُها وإلاَّ لاَ، وأخذُ دِرهَمٍ ونحوه فِي فِيهِ لَم يمنعهُ مِن القِرَاءةِ فلَو مَنعَهُ تَفسُدُ.

کسی لکھی ہوئی چیز کی طرف بحالت نماز دیکھنا مفسد نہیں ہے

کسی لکھی ہوئی چیز کی طرف دیکھنا اوراس کو سمجھنا نماز کو فاسد نہیں کرتا ہے، اگر اس مکتوب کو جان بوجھ کر سمجھا ہو، اگر چہ جان بوجھ کر سمجھنا مکروہ ہے، اس لئے کہ نماز پڑھنے کی حالت میں جان بوجھ کر سمجھنا نماز کے خلاف عمل ہے۔ اور اگر کسی شئی پر اتفاقاً نظر پڑ گئی اور وہ سمجھ میں بھی آ گیا تو مکروہ بھی نہیں ہے، جیسا کی طحطاوی میں ہے۔ (شامی/۲/۳۹۸)

نمازی کے سامنے سے گزرنے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے

اگر گزرنے والا شخص نمازی کے سجدہ گاہ کے پاس سے کسی جنگل یا بڑی مسجد میں گزرا تو اصح قول کے مطابق نماز فاسد نہ

ہوگی۔اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نمازی کے پاؤں سے لے کر سجدہ کرنے کی جگہ تک کسی بھی جگہ سے گزرے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، اسی قول کو شمس الائمہ، قاضی خاں اور صاحب ہدایہ نے اختیار کیا ہے۔اور محیط نامی کتاب میں اس کو مستحسن قرار دیا ہے۔ نیز علامہ زیلعی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے، لیکن اس کے برخلاف تمرتاشی، صاحب بدائع الصنائع، فخر الاسلام، صاحب نہایہ اور صاحب فتح القدیر نے اس بات کی تصحیح کی ہے کہ خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی جہاں تک نگاہ پہنچتی ہو اس کے علاوہ کی جگہ سے گزرنا مفسد نماز نہیں ہے۔خلاصہ یہ ہوا کی نمازی کے سامنے سے گزرنا گناہ تو ہے لیکن مفسد نہیں ہے۔ (شامی/٢/٣٩٨)

اسی طرح کمرہ اور چھوٹی مسجد میں نمازی کے سامنے اس کے پاؤں سے لے کر قبلہ تک کسی بھی جگہ سے گزرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا ہے، اس لئے کہ کمرہ اور چھوٹی مسجد ایک مکان کے حکم میں ہے، خواہ گزرنے والا کتا ہو یا عورت، مطلقاً نماز فاسد نہ ہوگی۔(اور ظاہر یہ کے نزدیک جو یہ حکم ہے کہ عورت کتا اور گدھے کے نمازی کے سامنے سے گزرنے کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے وہ غلط ہے، کسی زمانے میں یہ حکم رہا ہوگا، لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے)۔ (شامی/٢/٣٩٨)

دوکان کے نیچے سے گزرنے کا شرعی حکم

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی دوکان یعنی اونچی جگہ نماز پڑھ رہا تھا کہ اس دوکان کے نیچے سے اس نمازی کے آگے سے گزرنے والا اس طرح گزرا کہ اس کے بعض اعضاء نمازی کے بعض اعضاء کے مقابل ہو جائیں، تو اس طرح سے گزرنا مفسد نماز نہیں ہے۔اور یہی حکم چھت، تخت اور ہر بلند جگہ کا ہے جو گزرنے والے کے قد سے بلندی میں کم ہو۔اور بعض علماء نے فرمایا کہ سترہ کی مقدار سے کم ہو، جیسا کی یہ مسئلہ غرر الاذکار میں مذکور ہے۔

نمازی کے آگے سے گزرنے کا گناہ

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نمازی کے آگے سے گزرنا اگرچہ مفسد نماز نہیں ہے، لیکن گزرنے والا شخص بہت بڑا گناہ گار ہوگا، جیسا کی بزار کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نمازی کے سامنے سے گزرنا اس قدر سنگین گناہ ہے کہ اگر گزرنے والے کو معلوم ہو جائے تو وہ چالیس برس ٹھہرا رہے گا، لیکن نمازی کے سامنے سے نہیں گزرے گا۔لیکن یہ گناہ اس وقت ہوگا جب درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہو، اگر حائل چیز کوئی پردہ ہو کہ سجدہ کرتے وقت دور ہو جاتا ہو اور سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد پھر وہ لوٹ آتا ہو تب بھی کوئی گناہ نہ ہوگا۔

نمازی کے آگے سے گزرنے کی چار شکلیں

حضرت علامہ ابن عابدین شامیؒ نے نمازی کے آگے سے گزرنے کی چار شکلیں لکھی ہیں جو افادہ کے واسطے یہاں سپرد قلم کی جاتی ہیں:

شکل اوّل

پہلی شکل یہ ہے کہ گزرنے والے کے لئے گنجائش ہے کہ نمازی کے آگے سے نہ گزرے، نمازی نے راستہ بھی نہیں روک رکھا ہے اس کے باوجود کوئی شخص نمازی کے سامنے سے گزرے تو اس صورت میں گناہ صرف گزرنے والے کو ہوگا۔

شکل دوم

دوسری شکل یہ ہے کہ نمازی نے راستہ بند کر رکھا ہے اور جانے کے لئے کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں ہے، اس لئے نمازی کے سامنے سے گزر کر جانا پڑ رہا ہے تو اس صورت میں نمازی کو گناہ ہوگا۔

شکل سوم

تیسری شکل یہ ہے کہ نمازی نے راستہ تو بند کر رکھا ہے لیکن گزرنے کے لئے اس کے علاوہ دوسرا راستہ بھی ہے اس سے گزر سکتا ہے اس کے باوجود یہ نمازی کے آگے سے گزر رہا ہے تو اس صورت میں دونوں گنہگار ہوں گے۔

شکل چہارم

چوتھی شکل یہ ہے کہ نمازی نے راستہ تو بند نہیں کر رکھا ہے، لیکن گزرنے والے کے لئے کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں ہے جس سے وہ گزرے تو اس صورت میں دونوں میں سے کوئی بھی گناہ گار نہ ہوگا۔ (شامی/۲/۳۹۹)

اگلی صف میں داخل ہونے کے لئے پھلانگنا

اگر اگلی صف میں کوئی جگہ خالی ہو تو بعد میں نماز میں شریک ہونے والے کیلئے جائز ہے کہ ان لوگوں کی گردن پھلانگ کر آگے جائے اور صف پُر کرے جن لوگوں نے آگے آنے کے باوجود صف اوّل کو نہیں بھرا ہے، اس لئے کہ ان لوگوں نے خود اپنی عزت گنوائی ہے، لہٰذا ان لوگوں کو متنبہ اور خبردار رہنا چاہیے، یعنی ان کے سامنے سے گزرنا گناہ نہیں ہے۔ (علامہ شامیؒ نے

یہاں ایک مسئلہ لکھا ہے کہ اگر گزرنے والے کے پاس کوئی چیز ہے جو سترہ بن سکتی ہے تو اس کو چاہیے کہ نمازی کے سامنے ڈال دے اور پھر گزر جائے اور دوسری طرف پہنچنے کے بعد اس کو پھر اٹھالے۔ اور اگر دو شخص نمازی کے سامنے سے گزرنا چاہتے ہوں اور ان کے پاس سترہ نہ ہو تو ایسی صورت میں چاہیے کہ ایک شخص نمازی کے سامنے کھڑا ہو جائے اور دوسرا شخص اس کے سامنے سے گزر جائے، پھر یہ شخص نمازی کے آگے کھڑا ہو جائے تاکہ پہلا شخص گزر جائے۔ اور اگر نمازی کے سامنے سے سواری پر سوار ہو کر گزرا تو گنہگار ہوگا اور اگر سواری سے اتر کر سواری کو سترہ بنالیا پھر گزرا تو گناہ گار نہ ہوگا)۔ (شامی/۲/۴۰۱)

سترہ کے احکام

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام اور منفرد کے لئے مستحب ہے کہ وہ جنگل اور اس جیسی جگہ میں آکر نماز ادا کر رہے ہوں تو اپنے ابرو کے سامنے تین ہاتھ کے فاصلہ کے قریب ایک سترہ گاڑلیں جو لمبائی میں ایک ہاتھ کے برابر ہو اور موٹائی میں انگلی کے برابر ہو تاکہ گزرنے والے کو نظر آجائے۔ سترہ بالکل آنکھوں کے سامنے نہ رکھیں بلکہ دونوں ابرو میں سے کسی ایک کی جانب رکھیں اور دائیں ابرو کے سامنے سترہ گاڑنا افضل ہے۔ (علامہ شامی، طحطاوی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ نمازی اور سترہ کے درمیان تین ہاتھ سے زیادہ کا فاصلہ نہ ہو اور سترہ کی لمبائی کم سے کم ایک ہاتھ ہو اور موٹائی کم از کم ایک انگلی کے برابر ہونی چاہیے، اس سے کم نہ ہو، اگر سترہ خوب زیادہ لمبا اور خوب زیادہ موٹا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن البحر الرائق میں ہے موٹائی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (شامی/۲/۴۰۲)

سترہ کو زمین پر رکھ دینا کافی نہیں ہے

حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ سترہ کو زمین پر رکھ دینا کافی نہیں ہے اور نہ زمین پر لکیر کھینچ دینا سترہ کے لئے کافی ہے۔ لیکن بعض علماء نے فرمایا کہ زمین پر لکیر کھینچنا سترہ کے لئے کافی ہے اور لکیر لمبائی میں کھینچی جائے گی۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ لکیر محراب کی مانند کھینچی جائے گی (علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ چاند کی مانند لکیر بنائے، لیکن علامہ نووی نے قول اوّل کو مختار قرار دیا ہے تاکہ سترہ کے مشابہ ہو جائے)۔ (شامی/۲/۴۰۲)

گزرنے والے کو ہاتھ وغیرہ سے روکنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ سترہ ہونے یا نہ ہونے کی صورت میں سترہ کے اندر سے گزرنے والے کو سبحان اللہ کہہ کر ہاتھ اور آنکھوں کے اشارے سے یا قرأت میں آواز بلند کرکے روکنا صرف اجازت ہے عزیمت نہیں ہے، چنانچہ

افضل یہ ہے کہ گزرنے والے کو نہ روکے جیسا کہ یہ مسئلہ بدائع الصنائع میں مذکور ہے، اس لئے کہ اس طرح کی حرکت نماز کے منافی ہے۔علامہ باقانی نے فرمایا کہ نمازی نے گزرنے والے کو گزرنے کی وجہ سے مارا اور وہ اس کی وجہ سے مرگیا تو اس پر نہ قصاص واجب ہوگا نہ دیت واجب ہوگی، یہی حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے، لیکن احناف علماء کی کتابوں سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ امام شافعی کے قول کے خلاف ہے، اس لئے کہ احناف کے نزدیک گزرنے والے کو مارنا یا اس سے لڑنا جائز نہیں ہے، روکنے کے واسطے صرف سبحان اللہ کہے یا اشارہ کرے دونوں کو جمع نہ کرے اس لئے کہ یہ مکروہ ہے۔اور قہستانی میں ہے میں روکنے کے لئے اشارہ کے علاوہ مزید کسی شئی کا اضافہ نہ کرے۔ (باقی جن حدیثوں میں صراحت ہے کہ گزرنے والے سے جنگ کرے اس لئے کہ وہ شیطان ہے وہ تمام حدیثیں منسوخ ہیں، چنانچہ زیلعی میں صراحت ہے کہ مقاتلہ کا حکم ابتدائے اسلام میں اس وقت تھا جب نماز میں کلام کرنا مباح تھا، لیکن جب نماز میں کلام کی ممانعت ہوگئی تو گزرنے والے سے مجادلہ کا حکم بھی باقی نہ رہا)۔ (شامی/۲/۴۰۳)

عورت گزرنے والے کو کس طرح روکے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عورت اپنے سامنے سے گزرنے والے کو روکنے کے لئے تالی بجائے۔(سبحان اللہ، اشارہ یا قرأت کی آواز کو بلند کر کے نہ روکے، اس لئے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے) لیکن تالی بجاتے وقت باطن کف کو باطن کف پر نہ مارے، بلکہ دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے اندر والے حصے کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مارے، اس لئے کہ اس میں عمل بھی قلیل ہے اور اس میں دلکش آواز بھی پیدا نہ ہوگی۔اگر شریعت کے حکم کے خلاف عورت سبحان اللہ کہہ کر گزرنے والے کو روکے اور مرد تالی بجا کر روکے تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی، البتہ سنت کے چھوڑنے والے قرار دیئے جائیں گے، جیسا کہ تاتر خانیہ میں ہے۔

امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہے

اگر امام اپنے سامنے سترہ گاڑلے تو یہ سترہ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہوگا۔ ہر ہر مقتدی کو الگ سے سترہ گاڑنے کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص مقتدیوں کے سامنے سے گزر جائے تو وہ گناہ گار نہ ہوگا۔اگر کوئی شخص ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہو جہاں کسی شخص کا گزر نہ ہوتا ہو اور اس کا منہ راستہ کی طرف نہ ہو تو اس صورت میں سترہ گاڑنے کو چھوڑ دینا جائز ہے، لیکن ایسی جگہ بھی سترہ گاڑلینا بہرحال افضل اور بہتر ہے۔

مسئلہ: عام راستہ میں جہاں لوگ آتے جاتے ہوں نماز پڑھنا مکروہ ہے، خواہ سترہ گاڑلیا جائے، خواہ سترہ نہ گاڑا

جائے، اس لئے کہ راستہ لوگوں کے آنے جانے کے واسطے بنا ہے، لہٰذا راستہ کو ایسی چیز میں مشغول کرنا جس سے لوگوں کو آمد ورفت میں دقت ہو جائز نہیں ہے۔ اور کراہت سے مراد کراہتِ تحریمی ہے۔ (شامی/۲/۴۰۴)

مکروہاتِ نماز کا بیان

قَولُهُ و كرهَ هٰذه تعمُّ التنزيهِيَّةَ التي مرجعُها خلافُ الأولى إلخ: اب تک حضرت مصنف علیہ الرحمہ ان چیزوں کا ذکر فرمارہے تھے جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اب یہاں سے ان افعال کو بیان کررہے ہیں جن کے ارتکاب سے نماز میں کراہت آجاتی ہے۔ شارح فرماتے ہیں کہ کراہت کا لفظ عام ہے، کراہتِ تنزیہی اور تحریمی دونوں کو شامل ہے۔ کراہتِ تنزیہی کا ماحصل خلافِ اولیٰ کام ہے، لہٰذا کراہتِ تحریمی اور تنزیہی میں فرق کرنے والی چیز دلیل ہے، پس اگر کراہت کی دلیل ایسی ممانعت شرعی ہے جس کا ثبوت ظنی ہے اور تحریم سے استحباب کی جانب پھیرنے والی کوئی دلیل نہ ہو تو وہ مکروہ تحریمی ہے، ورنہ پھر مکروہِ تنزیہی ہے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ مکروہِ تحریمی اور تنزیہی میں فرق کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اگر مکروہ ترکِ واجب کو شامل ہے تو تحریمی ہوگا۔ اور اگر مکروہ ترکِ سنت کو شامل ہوگا تو تنزیہی ہوگا)۔ (شامی/۲/۴۰۴)

نماز کی حالت میں سدل (کپڑا لٹکانا) مکروہ ہے

نمازی کا بحالتِ نماز کپڑے کو معمول کے مطابق پہنے بغیر لٹکانا، خواہ سر پر رکھ کر لٹکائے یا گردن میں ڈال کر، مکروہ تحریمی ہے۔ اور اسی کراہت میں قباء کا اس طرح پہننا بھی داخل ہے جس کی آستین پشت کی طرف ہو۔ (یعنی قباء کی کشادہ بغلوں میں سے ہاتھ نکال کر آستین کو پیچھے ڈالنا سدل میں داخل ہے اور مکروہ ہے) اس کو شیخ حلبی نے ذکر کیا ہے۔ اور امام سرخسیؒ نے سدل کی صورت یہ ذکر کی ہے کہ نمازی چادر یا رومال یا کوئی اور کپڑا اپنے سر یا مونڈھے پر رکھ کر چھوڑ دے اور اس کے دونوں کنارے لٹکے رہیں تو یہ مکروہ ہے۔ (شامی/۲/۴۰۵)

دوپٹہ اور رومال کی طرح کوئی چیز مونڈھے پر رکھ کر دونوں کناروں کا لٹکا لینا مکروہ ہے، لہٰذا اگر صرف ایک مونڈھے کی طرف لٹکائے گا تو مکروہ نہ ہوگا، جس طرح کہ عذر کی حالت میں اور نماز سے باہر اس طرح لٹکانا مکروہ نہیں ہے۔ اس بارے میں اصح قول یہی ہے۔ اور "خلاصہ" نامی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر نمازی فرجیہ کی آستین میں اپنا ہاتھ نہ ڈالے تو مختار یہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے۔ (فرجیہ قباء کی طرح ایک لباس ہوتا ہے جو قمیص پر پہنا جاتا ہے)۔

سوال: کیا حالتِ نماز میں آستین لٹکی ہوئی چھوڑ دیں گے یا اس کو روک رکھیں گے؟

جواب: اس میں اختلاف ہے، لیکن احتیاط اس میں ہے کہ آستین اُٹھائے رکھے، جیسا کہ قہستانی میں ہے۔ (لیکن

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ ظاہر نہ ہوسکی، اس لئے کہ اس میں ایک طرح سے کپڑے کو روکنا ہے اور ہاتھوں کو سنت سے باز رکھنا بھی ہے، لہٰذا یہ مسئلہ قابل غور ہے)۔ (شامی/۲/۴۰۶)

نماز کی حالت میں کپڑا اُٹھانا مکروہ ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نماز کی حالت میں کپڑے کا اُٹھانا اگرچہ مٹی لگنے کے خوف سے کیوں نہ ہو، مکروہ ہے، جس طرح نماز میں آستین چڑھا کر یا دامن اُٹھا کر داخل ہونا مکروہ ہے۔ اور نمازی کا بحالت نماز اپنے کپڑے اور اپنے بدن سے کھیلنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ شریعت نے اس سے روکا ہے، البتہ ضرورت کی وجہ سے ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے، مثلاً خارش کی وجہ سے جسم کو کھجلانا مکروہ نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص خارج نماز اپنے جسم یا کپڑے سے کھیل کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

گندے اور خوب میلے کپڑے میں نماز ادا کرنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میلے کچیلے کپڑوں میں نماز ادا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اور یہ کراہت اس وقت ہے جب کہ اس کے پاس اس کے علاوہ دوسرا صاف ستھرا کپڑا موجود ہو، ورنہ پھر مکروہ نہیں ہے۔ (''ثیاب بذلہ'' سے مراد وہ کپڑے ہیں جن کو عام طور پر کام کے وقت اپنے گھر میں استعمال کرتے ہیں۔ اور ''ثیاب مہنہ'' سے مراد وہ کپڑے ہیں جن کو پہن کر دوسروں کے پاس نہ جاتا ہو)۔

منہ میں سکہ رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم

اگر کوئی شخص اپنے منہ میں درہم یا سکہ وغیرہ رکھ کر نماز ادا کرے اور منہ میں درہم یا سکہ کا رکھنا قرأت کے لئے کوئی مانع نہ ہو تو مکروہ ہے۔ اور اگر منہ میں سکہ رکھنے کی وجہ سے قرأت صحیح طور پر نہیں کرسکتا ہے، یا منہ میں ڈالنے کی وجہ سے ایسے الفاظ نکلیں جو قرآن کے نہ ہوں تو اس صورت میں نماز فاسد ہوجائے گی۔

مسئلہ: فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ اگر کوئی شخص منہ میں دراہم ودنانیر ڈال کر نماز ادا کر رہا ہے اور قرأت کرنے میں کوئی پریشانی نہیں ہورہی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ قاضی خاں نے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ (شامی/۲/۴۰۷)

وَ صَلاتُهُ حاسِرًا اى كاشفًا راسهَ للتكاسُلِ ولَاباسَ به للتذلُّلِ، وامّا للإهَانَةِ بِهَا فكُفرٌ، ولَو سقطتْ قَلنسُوتُهُ فإعادتُها افضلُ، إلاّ إذَا احتاجت لِتكوِيرٍ او عملٍ كثِيرٍ، وصَلاتُهُ مَع مُدافعةِ الأخبثَينِ او احدِهِمَا أو لِريحٍ للنَّهيِ وعَقصُ شعرِهٖ للنّهيِ عَن كفِّهٖ ولَو بِجَمْعه او ادخَال أطرافه فِي أصُولِهٖ قَبلَ الصَّلاةِ، امّا فِيهَا فيفسد، وقَلبُ الحَصٰى للنهيِ، إلاّ لِسجودِهٖ التّام فيُرخّص، مرةً، وتركُها أولٰى، وفرقعَةُ الأصابعِ وتَشبيكُهـا ولَو مُنتظِرًا لِصَلاةٍ أو ماشِيًا إلَيهَا لِلنهيِ، ولَايكرَهُ خَارجَهَا لِحاجَةٍ وَالتخصُّرُ وضعُ اليَدِ علَى الخَاصرَةِ للنهيِ، ويكرهُ خارِجَها تنزِيهًا والِالتِفاتُ بوَجهِهٖ كلِّهٖ أو بعضِهٖ للنَهيِ، وبِبصرِهٖ يكرَهُ تَنزِيهًا، وبِصدرِهٖ تفسدُ كَما مَرَّ، وقِيلَ قائِلُه قَاضِي خان تفسُدُ بتحوِيلِهٖ والمُعتمدُ لَا، وإقعَاءُهٗ كَالكَلبِ، لِلنَهيِ، وافتِراشُ الرَّجُلِ ذِراعَيهِ لِلنّهيِ، وصلاتُهُ إلٰى وجهِ إنسَانٍ كَكراهةِ اِستِقبالِهٖ، فالِاستِقبَالُ لَو مِن المُصلِّي فَالكَراهةُ علَيهِ، وإلاّ فَعلَى المُستقبِلِ ولَو بعِيدًا ولَا حَائلَ، وَ رَدُّ السَّلامِ بِيدِهٖ او بِراسِهٖ كَمَا مَرّ. فروع: لَاباسَ بتكلِيمِ المُصلِّي وإجابتِهٖ بِراسِهٖ كمَا لَو طلبَ مِنهُ شيء، أو أرى درهمًا وقِيلَ: أ جيد؟ فاومَأ بنَعمْ او لاَ، وقِيلَ: كَم صَلَّيتُمْ؟ فأشارَ بيدِهٖ إنّهُم صلّو ركعتَينِ، امّا لَو قِيلَ له تقدّمْ فتقدّمَ او دخلَ أحد الصّفِ فوسع لَهُ فورًا فَسدتْ، ذَكرَهُ الحَلبِي وغيرُهُ خِلافًا لِمَا مَرَّ عَن البَحرِ.

برہنہ سر نماز پڑھنا مکروہ ہے

قولُهُ وصلاتُهُ حاسرًا للتكاسُلِ إلخ: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ کاہلی اور سستی کی وجہ سے برہنہ سر نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر انکساری، عاجزی اور تذلل کی وجہ سے برہنہ سر نماز ادا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر برہنہ سر نماز پڑھنے سے مقصد نماز کی اہانت ہے تو پھر برہنہ سر نماز ادا کرنا کفر ہے۔ (اور گرمی کی وجہ سے برہنہ سر نماز ادا کرنا بھی مکروہ ہے، اس لئے کہ گرمی عذر نہیں ہے)۔ (شامی/۲/۴۰۸)

نماز پڑھتے ہوئے سر سے ٹوپی گر جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر نماز پڑھتے ہوئے سر سے ٹوپی گر جائے تو افضل یہ ہے کہ اس ٹوپی کو اُٹھا کر سر پر رکھ لے، اس لئے کہ یہ عمل قلیل ہے۔ اور اگر ٹوپی اُٹھا کر سر پر رکھنے میں عمل کثیر کی ضرورت پڑے یا تکرار کی ضرورت ہو تو اس صورت میں گری ہوئی ٹوپی کو سر پر رکھنا

افضل نہیں ہے بلکہ یوں ہی چھوڑ دے اور نماز پوری کرلے۔

پیشاب و پاخانہ کے محسوس ہونے کے وقت نماز ادا کرنا

اگر کسی کو پیشاب یا پاخانہ لگا ہو، یا ان میں سے کسی ایک کی حاجت ہو اور وہ اس کو دبا کر نماز پڑھے تو اس طرح نماز ادا کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔ اسی طرح اگر اخراجِ ریاح کی ضرورت ہو اور وہ اس کو دبا کر نماز ادا کر رہا ہے تو یہ بھی مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں اس طرح کی حالت میں نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا ایمان اللہ اور آخرت کے دن پر ہو اس کو چاہئے کہ پیشاب و پاخانہ کے محسوس ہونے کے وقت نماز ادا نہ کرے، پہلے ان سے فراغت کرے پھر نماز ادا کرے۔

نمازی کے لئے بالوں کا جوڑا بنانا مکروہ ہے

اپنے بالوں کا جوڑا بنا کر نماز ادا کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ بالوں کو روکنے سے منع کیا گیا ہے، خواہ بالوں کو جمع کرکے ہو، خواہ اس کے کناروں کو اندر داخل کرکے ہو۔ اور یہ کراہت اس صورت میں ہے جب نمازی یہ حرکت نماز سے باہر کرے۔ اور اگر نماز کے اندر اس طرح کی حرکت کرے تو نماز ہی فاسد ہو جائے گی۔ "عقص" کے متعلق علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ عقص بالوں کو اس طرح گوندھنے کو کہتے ہیں کہ سر پر بالوں کو جمع کرکے گوند سے چپکا دے، یا دھاگے سے باندھ کر بالوں کو لپیٹ لے۔ حدیث شریف میں اس طرح کے فعل سے منع کیا گیا ہے۔ یا بالوں کو پیچھے گدی کی طرف کسی تاگا وغیرہ سے باندھ دے تاکہ سجدہ کے وقت زمین پر نہ پڑیں تو یہ مکروہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ آدمی اس حال میں نماز ادا کرے کہ اس کا بال گوندھا ہوا ہو۔ اور صحاحِ ستہ میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ ہمیں سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ ہم نہ بالوں کو سجدہ کی حالت میں روکیں نہ کپڑوں کو۔ حلیہ میں نووی سے منقول ہے کہ یہ کراہت، کراہت تنزیہی پر محمول ہے، لیکن اشبہ یہ ہے کہ کراہت تحریمی ہے۔ (شامی/۲/۴۰۸)

نماز کی حالت میں سجدہ گاہ سے کنکری ہٹانا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نماز کی حالت میں سجدہ گاہ سے کنکری ہٹانا مکروہ ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ ہاں اگر کنکری کی وجہ سے سجدہ کرنا دشوار ہو رہا ہو تو پھر ایک مرتبہ ہٹانے کی اجازت ہے، تاکہ سجدہ مکمل طور پر ادا ہو سکے، لیکن ایک مرتبہ بھی نہ ہٹانا افضل ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ سے ہر چیز کے متعلق سوال کیا، یہاں تک کہ نماز کی حالت میں کنکری ہٹانے کے بارے میں بھی معلوم کیا تو آپؐ نے فرمایا: ایک مرتبہ ہٹانے کی اجازت ہے، یا پھر اس کو یوں چھوڑ دو۔ اور حضرت معیقیبؓ سے صحاحِ ستہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نماز پڑھنے کی حالت میں کنکری مت ہٹاؤ، پس اگر ہٹانا ضروری ہی پڑ جائے اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو پھر ایک مرتبہ ہٹانے کی اجازت ہے۔ (شامی/۲/۴۰۹)

نماز میں انگلیوں کا چٹخانا مکروہ ہے

نماز کی حالت میں انگلیوں کا چٹخانا اور ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالنا مکروہ ہے، اسی طرح اگر نماز کے انتظار میں بیٹھا ہے، یا نماز کے لئے جا رہا ہے اور انگلیوں کو چٹخائے تو یہ بھی مکروہ ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں انگلیوں کے چٹخانے سے روکا گیا ہے، چنانچہ ابن ماجہ میں ہے کہ تم اپنی انگلیوں کو مت چٹخاؤ جب تک کہ تم نماز میں ہو۔ اور ''مجتبیٰ'' نامی کتاب میں مذکور ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی اپنی انگلیوں کو چٹخائے جب کہ وہ نماز کے انتظار میں مسجد کے اندر بیٹھا ہو۔ اور بعض روایت میں ہے کہ وہ نماز کے لئے چل رہا ہو۔ (شامی/۲/۴۰۹)

ہاں نماز سے باہر ضرورت کے وقت انگلیوں کے چٹخانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مثلاً انگلیوں کو آرام دینا مقصود ہو۔ اور اگر خارجِ نماز انگلیوں کا چٹخانا بربنائے عبث ہو تو یہ بھی مکروہِ تنزیہی ہے۔

نماز کی حالت میں کمر پر ہاتھ رکھنا

نماز کی حالت میں کمر پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں اس سے روکا گیا ہے۔ اور خارج نماز اس طرح کمر پر ہاتھ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی حالت میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح نمازی کے لئے بحالت نماز چہرہ کو اِدھر اُدھر متوجہ کرنا اور پھیرنا مکروہ تحریمی ہے، خواہ پورا چہرہ پھیرے یا تھوڑا، اس لئے کہ حدیث شریف میں اس سے بھی روکا گیا ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نماز کی حالت میں اِدھر اُدھر التفات کرنے سے بچو، اس لئے کہ یہ موجب ہلاکت ہے، پس اِدھر اُدھر التفات ناگزیر ہو جائے تو نفل نماز میں اجازت ہے، لیکن فرائض میں نہیں۔ (شامی/۲/۴۱۰)

نماز کی حالت میں نگاہ سے اِدھر اُدھر دیکھنا

نماز کی حالت میں چہرہ پھیرے بغیر نگاہ کو اِدھر اُدھر پھیرنا مکروہِ تنزیہی ہے، بشرطیکہ چہرہ بالکل نہ پھیرے۔ زیلعی اور

شرح الملتقی للبا قانی میں ہے کہ یہ مباح ہے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے صحابہؓ کو آنکھ کی کنکھیوں سے دیکھتے تھے۔ اور بلاعذر نماز کی حالت میں سینہ اِدھر اُدھر پھیرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ پہلے بھی گذر چکا ہے۔ اور فتاویٰ قاضی خاں میں لکھا ہے کہ نماز کی حالت میں منہ کے پھیرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، لیکن معتمد قول یہ ہے کہ صرف منہ پھیرنا مفسد نماز نہیں ہے، بلکہ زیادہ سے زیادہ مکروہ ہے۔ (شامی/۲/۴۱۰)

نماز کی حالت میں کتے کی طرح اکڑوں بیٹھنا

نماز میں کتے کی طرح اُکڑوں بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ ''اقعاء'' کی تفسیر امام طحاویؒ نے یہ کی ہے کہ دونوں سرین پر بیٹھے اور دونوں رانوں کو کھڑا کر کے دونوں گھٹنوں کو سینے سے لگالے۔ اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھے۔ اور امام کرخیؒ نے کتے کی طرح اُکڑوں بیٹھنے کی تفسیر یہ کی ہے کہ دونوں پاؤں کو کھڑا کر کے ان کی ایڑیوں پر بیٹھے اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھے۔ لیکن ''اقعاء'' کی صحیح تفسیر وہ ہے جو امام طحاوی نے کی ہے اسی پر اکثر علماء ہیں۔ امام طحاوی کی تفسیر کے مطابق بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ اس طرح بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور امام کرخیؒ نے جو تفسیر کی ہے اُس طرح بیٹھنا مکروہ تنزیہی ہے، اس لئے کہ اس میں جلسہ مسنونہ کا ترک ہے، مکروہ تحریمی نہیں ہے نہی وارد نہ ہونے کی وجہ سے۔ (شامی/۲/۴۱۱)

نماز میں کلائیوں کا بچھانا مکروہ تحریمی ہے

نماز میں مرد کے لئے اپنی کلائیوں کو سجدہ کی حالت میں بچھانا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو اس بات سے منع فرمایا کہ وہ اپنی کلائیوں کو سجدہ کی حالت میں بچھائیں، جس طرح درندے بچھاتے ہیں۔ دوسری وجہ کراہت کی یہ بھی ہے کہ اس طرح بچھانے میں ایک گونہ سستی و تہاون ہے، نیز اس میں کتے اور درندے کے ساتھ مشابہت بھی ہے، اس لئے یہ کراہت، کراہت تحریمی پر محمول ہوگی نہی وارد ہونے کی وجہ سے۔ (شامی/۲/۴۱۱)

کسی انسان کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرنا

اگر کوئی آدمی کسی انسان کے منہ کی جانب رُخ کر کے نماز ادا کرے تو یہ مکروہ تحریمی ہے، جس طرح خود نمازی کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، پس اگر نمازی کی جانب سے رُخ کرنا پایا جائے گا تو کراہت صرف نمازی کے ذمہ آئے گی۔ اور اگر نمازی کی جانب سے رُخ کرنا نہ پایا جائے تو اس صورت میں کراہت استقبال کرنے والے کے ذمہ آئے

گی، بشرطیکہ وہ رُخ کرنے والا دور ہو اور اس کے نمازی کے درمیان کوئی شئی حائل نہ ہو۔ اگر کوئی شئی رُخ کرنے والے اور نمازی کے درمیان حائل ہوگی تو پھر کراہت باقی نہ رہے گی، کیونکہ سبب کراہت منتفی ہو گیا اور وہ (سبب) شکل کی عبادت کرنے کی مشابہت ہے۔ (شامی/۲/۴۱۱)

سلام کا جواب ہاتھ کے اشارے سے دینا

اگر کوئی شخص سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارے سے دے تو یہ مکروہ تنزیہی ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ مفسداتِ نماز کے بیان میں گذر چکا ہے۔ اور اگر زبان سے سلام کا جواب دیدیا تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی، جیسا کہ اس سے قبل مفسداتِ نماز کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔

شارحؒ کی طرف سے چند اضافہ شدہ جزئیات

اگر نمازی سر کے اشارے سے کلام کرے یا کسی کلام کا جواب دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، مثال کے طور پر کسی نے نمازی سے بحالت نماز کسی چیز کا مطالبہ کیا یا نمازی کو درہم دکھایا اور پوچھا: کیا یہ کھرا ہے؟ اور اس نے سر کے اشارہ سے ہاں یا نہیں کے ذریعہ جواب دے دیا۔ یا کسی نے نمازی سے دریافت کیا کہ تم کتنی رکعتیں پڑھ چکے ہو؟ اس نے ہاتھ کے اشارہ سے جواب دیتے ہوئے کہا: وہ لوگ دو رکعت پڑھ چکے ہیں، تو ان صورتوں میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے نماز ہو جائے گی، البتہ اگر کسی نے نمازی سے کہا آگے بڑھ جا، چنانچہ نمازی اس کے کہنے سے آگے بڑھ گیا، یا کوئی شخص صف میں آکر شامل ہوا اور نمازی نے فوراً اس کے لئے جگہ خالی کردی تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی، شیخ حلبی وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے، لیکن یہ مسئلہ اس کے خلاف ہے جو البحر الرائق کے حوالہ سے پیچھے نقل کیا گیا ہے۔ (یہ مسئلہ باب الإمامة کے تحت گزرا ہے لہٰذا وہاں ملاحظہ کرلیں)۔

وَ كرهَ التربُّعُ تنزيهًا لِتركِ الجلسَةِ المَسنُونَةِ بِغيرِ عُذرٍ ولايكرَہُ خارِجَها، لأنَّهُ عليهِ الصَّلوٰةُ والسَّلامُ "كانَ جُلّ جُلوسِہٖ معَ أصحَابِہٖ التربُّعُ" وكَذا عمر رَضِي اللّٰهُ تعالىٰ عنهُ، والتَّثاؤُبُ ولَو خارجَها ذكره مسكِين لأنّهُ مِن الشّيطٰنِ، والأنبِياءُ محفُوظُونَ مِنهُ، وتغمِيضُ عَينِہٖ لِلنّهيِ، إلاَّ لِكمَالِ الخُشوعِ وقِيامُ الإمامِ فِي المِحرابِ، لاسُجودُہٗ فِيهِ وقدماہُ خارِجَهُ، لأنَّ العِبرةَ لِلقَدمِ مُطلقًا وإن لَم يَشتَبِہْ حَالُ الإمامِ إن علل بالتشبہِ وإن بِالاشتِباہِ وَلاَ اشتِباہَ، فَلاَ اشتِباہَ فِي نَفيِ الكراهةِ، وانفِرادُ الإمامِ على الدُّكانِ لِلنّهيِ، وقدر

الإرتِفَاعِ بِذِراعٍ ولَابأسَ بِمَا دُونَهُ، وقِيلَ مَا يقعُ بِه الإمتِيازُ وهُو الأوجهُ، ذكرهُ الكَمالُ وغيرهُ، وكرِهَ عكسُهُ فِي الأصحِّ، وهذا كُلّهُ عِندَ عدمِ العُذرِ كجُمعةٍ وعيدٍ، فلَو قامُوا علَى الرَّفرَفِ وَالإمامُ علَى الأرضِ أو فِي المحرابِ لضيقِ المَكانِ، لَم يكرَهْ. كمَا لَو كانَ معهُ بعضُ القَومِ فِي الأصحّ، وبه جرتِ العادةُ فِي جوامعِ المُسلِمِينَ، ومِن العُذرِ إرادةُ التّعلِيمِ أو التبليغِ كمَا بسط فى البحرِ، وقدمنَا كراهةَ القِيامِ فِي صف خَلفَ صف فيهِ فُرجةٌ لِلنّهي، وكَذا القِيامُ مُنفرِدًا، وإنْ لم يجدْ فُرجةً بلْ يجذب أحدًا مِن الصفِّ، ذكرهُ إبنُ الكَمالِ، لكنْ قالُوا: فِي زمانِنا تركُهُ أولى، فلِذا قالَ فِي البَحرِ: يكرَهُ وحدهُ إلّا إذَا لَم يجدْ فُرجةً، ولُبسُ ثوبٍ فِيهِ تماثِيلُ ذِي رُوحٍ، وأنْ يكُونَ فوقَ رأسِهِ أو بَينَ يدَيهِ أو بِحذائِهِ يُمنةً ويُسرةً أو محلُّ سُجُودِهِ تِمثالٌ ولَو فِي وِسادةٍ مَنصُوبةٍ لَا مفرُوشةٍ. واختلفَ فِيمَا إذَا كانَ التِّمثالُ خَلفَهُ والأظهَرُ الكَراهةُ وَ لَايكرَهُ لَو كانَتْ تحتَ قَدمَيهِ أو محلَّ جُلوسِهِ، لأنّهُ مهانةٌ أو فِي يدِهِ عبارةُ الشمنِي "بدنه" لأنّهَا مستُورةٌ بِثِيابِه أو علىَ خاتِمِهِ بنقشٍ غَيرِ مُستبِينٍ. قَالَ فِي البحرِ: ومفادُه كراهةُ المُستبِينِ لَا المُستريكس أو صرة أو ثوب آخرَ، وأقرّهُ المُصنِّفُ، أو كانَتْ صَغِيرةً لَاتتبَيّنُ تَفاصِيلُ أعضَائِهَا للنّاظِرِ قائِمًا، وهِي علَى الأرضِ، ذكرَهُ الحَلبِي. أو مَقطُوعةَ الرّأسِ أو الوَجهِ أو مَمحُوّةَ عُضوٍ لَاتعِيشُ بِدُونِهِ أو لِغيرِ ذِي رُوحٍ لَايكرَهُ، لأنّها لَاتُعبد، وخَبرُ جِبرَئِيلَ مخصُوصٌ بِغيرِ المهانَةِ كمَا بسطَهُ إبنُ الكَمالِ. واختَلَفَ المُحدِثُونَ فِي إمتِناعِ مَلائِكةِ الرّحمَةِ بِمَا علَى النقدَينِ فنَفاهُ عياضٌ، وأثبَتَهُ النّوَوِي.

نماز میں چہارزانو بیٹھنے کا شرعی حکم

نمازی کا نماز پڑھنے کی حالت میں بلاعذر چارزانو بیٹھنا مکروہِ تنزیہی ہے، اس لئے کہ اس نے مسنون بیٹھنے کا طریقہ چھوڑ دیا ہے، البتہ نماز سے باہر چارزانو بیٹھنا مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ اکثر بیٹھنا چار زانو ہوتا تھا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ خارج نماز چارزانو بیٹھنا بلاکراہت جائز ہے۔

نماز میں جمائی لینا

نماز اور نماز کے باہر دونوں حالتوں میں جمائی لینا مکروہ ہے، اسی کو ملا مسکین نے ذکر کیا ہے، اس لئے کہ جمائی لینا

شیطان کا عمل ہے اور حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اس سے محفوظ ہوتے ہیں۔ (بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کی جمائی لینا شیطان کا عمل ہے اور شیطان کی جانب سے ہوتا ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اسے حتی الامکان جہاں تک ہو سکے روکے۔ اور مسلم شریف میں اتنا اضافہ ہے کہ جمائی کو منہ پر ہاتھ رکھ کر روکو اس لئے کی شیطان داخل ہو جاتا ہے۔
(شامی/۲/۴۱۳)

نماز کی حالت میں آنکھیں بند کرنا

نماز کی حالت میں دونوں آنکھیں بند کرنا مکروہ تنزیہی ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں نماز کی حالت میں آنکھیں بند کرنے سے روکا گیا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو اسے چاہیے کہ اپنی آنکھیں بند نہ کرے۔ البتہ اگر کوئی شخص کمالِ خشوع و خضوع پیدا کرنے کے لئے آنکھیں بند کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا مکروہ ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، البتہ محراب کے اندر سجدہ کرنا مکروہ نہیں ہے، بشرطیکہ امام اس طرح کھڑا ہو کہ اس کے دونوں پاؤں محراب سے باہر ہوں، اس لئے کہ محراب کے اندر اور باہر ہونے میں قدم کا اعتبار ہوتا ہے۔ اور امام کا محراب میں کھڑا ہونا مطلقاً مکروہ ہے، خواہ امام کا حال مقتدیوں پر مشتبہ ہو یا نہ ہو اور خواہ مسجد میں محراب ہو یا نہ ہو۔ اور اگر مکروہ ہونے کی علت اہل کتاب کے ساتھ مشابہت کو قرار دیا جائے یا مکروہ ہونے کی علت امام کا حال مشتبہ ہونے کو قرار دیا جائے اور محراب میں کھڑے ہونے سے کچھ اشتباہ نہ ہوتا ہو تو پھر مکروہ نہ ہونے میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہ جاتا ہے۔ (خلاصہ یہ ہے کہ محراب میں اگر کھڑے ہونے کے مکروہ ہونے کی علت تشبہ باہل الکتاب ہے تو ہر صورت میں مکروہ ہے، خواہ امام کا حال مقتدیوں پر مشتبہ ہو یا نہ ہو۔ اور اگر کراہت کی علت اشتباہ قرار دی جائے تو جس صورت میں اشتباہ نہ ہو اس صورت میں کراہت باقی نہ رہے گی)۔ (شامی/۲/۴۱۴)

امام کا تنہا اونچی جگہ کھڑا ہونا مکروہ ہے

اگر امام دوکان یا کسی اتنی اونچی جگہ پر تنہا کھڑا ہے جس کی بلندی ایک ذراع کے برابر ہے تو مکروہ ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ اور اگر امام ایک ذراع کی لمبائی سے کم اونچی جگہ پر کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو

مکروہ نہیں ہے۔اور بعض حضرات فقہائے کرام فرماتے ہیں کی لمبائی میں ذراع کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ جس سے امام دوسرے تمام مقتدیوں سے بالکل ممتاز ہو جائے اتنی ہی اونچائی کا اعتبار ہے اور یہی قول مضبوط بھی ہے، اس قول کو علامہ کمال الدین اور دیگر محققین نے ذکر کیا ہے۔اور بدائع الصنائع میں بھی اسی قول کو ظاہر الروایہ قرار دیا گیا ہے اور یہی قول حدیث شریف کے موافق بھی ہے۔ (شامی/۲/۴۱۵)

صرف مقتدیوں کا اونچی جگہ پر کھڑا ہونا مکروہ ہے

جس طرح تنہا امام کا اونچی جگہ پر کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح مقتدیوں کا اونچی جگہ پر کھڑا ہونا اور امام کا تنہا نیچے ہونا مکروہ تحریمی ہے، اصح قول اس باب میں یہی ہے، اس میں امام کی بظاہر حقارت معلوم ہوتی ہے۔لیکن طحطاوی میں ہے کہ یہ صورت مکروہ نہیں ہے۔اور ان تمام صورتوں میں کراہت اس وقت ہے جبکہ جمعہ اور عیدین کا عذر نہ ہو، اگر جمعہ اور عیدین میں ازدحام کی وجہ سے مقتدی حضرات بالا خانوں میں کھڑے ہوں اور امام زمین پر یا محراب میں کھڑا ہو تو یہ مکروہ نہیں ہے۔ اور اس صورت میں بھی مکروہ نہیں ہے جب امام کے ساتھ کچھ مقتدی بھی کھڑے ہوں، اس بارے میں اصح قول یہی ہے، چنانچہ مسلمانوں میں جمعہ اور عیدین کے موقع پر ایسی عادت ہوگئی ہے کہ امام چبوترہ پر ہوتا ہے تو اس کے ساتھ کچھ مقتدی بھی ہوجاتے ہیں، اور ان عذروں میں تعلیم وتبلیغ کا عذر بھی معقول ہے یعنی امام تنہا اونچی جگہ پر اس لئے کھڑا ہو رہا ہے تاکہ مقتدی حضرات امام کے افعال کو دیکھ کر کچھ سیکھ سکیں یا اونچی جگہ پر اس لئے کھڑا ہو رہا ہے تاکہ تکبیر کی آواز تمام مقتدیوں تک پہنچ سکے تو اگر ایسی صورت ہو تو بھی مکروہ نہیں ہے، جیسا کہ البحر الرائق میں بیان کیا گیا ہے۔

صف اوّل میں جگہ ہوتے ہوئے پچھلی صف میں کھڑا ہونا

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ہم اس سے پہلے باب الامامۃ میں ذکر کر چکے ہیں کہ اگلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے پچھلی صف میں کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ اس طرح سے کھڑا ہونے سے روکا گیا ہے۔اسی طرح صف کے پیچھے بالکل تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے، اگرچہ اس کے اگلی صف میں کھڑا ہونے کی گنجائش نہ ہو ایسی صورت میں اس کو چاہیے کہ اگلی صف سے کسی کو کھینچ کر ساتھ کر لے، اس کے بعد کھڑا ہو۔اسی طرح ابن الکمال نے ذکر کیا ہے، لیکن علماء نے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں صف سے کسی کو نہ کھینچنا اولیٰ ہے، اس کو چاہیے کہ صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہو جائے، اس لئے کہ لوگ آج کل مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں، اسی وجہ سے البحر الرائق نامی کتاب میں لکھا ہے کہ صف میں تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے لیکن اس وقت تنہا کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے جب صف میں کوئی جگہ نہ ملے۔

تصویر والا کپڑا پہن کر نماز پڑھنے کا شرعی حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس کپڑے میں کسی جاندار مخلوق کی تصویر ہو اس کو پہن کر نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح اگر تصویر نمازی کے سر کے اوپر یا سامنے ہے، یا دائیں جانب یا بائیں جانب یا سجدہ کرنے کی جگہ میں ہو تو بھی مکروہ ہے۔ اور اگر وہ تصویر کسی ایسے تکیہ اور گدے میں ہو جو کھڑا رہتا ہو تو بھی مکروہ ہے۔ البتہ اگر گدا یا تکیہ بچھا ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے۔ ("تمثال" ذی روح مخلوق کی تصویر کو کہتے ہیں، جس کو گھروں میں رکھنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس گھر میں کسی جاندار مخلوق یا کتا کی تصویر ہوگی اس میں رحمت کے فرشتے نہیں داخل ہوتے ہیں)۔

اگر جاندار مخلوق کی تصویر نمازی کے پیچھے ہو تو کیا حکم ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر جاندار مخلوق کی تصویر نمازی کے پیچھے ہو تو آیا یہ مکروہ ہے یا نہیں؟ ظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں بھی بدستور کراہت ہے لیکن مکروہ تنزیہی ہے، تحریمی نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں نہ اس کی تعظیم پائی جارہی ہے اور نہ کسی کے ساتھ تشبہ پایا جارہا ہے۔ (شامی/۲/۴۱۷) (حضرت امام محمدؒ نے جامع الصغیر میں اس کی کراہت کی تصریح کی ہے جو امام محمد کی آخری تالیف ہے)۔

اگر تصویر نمازی کے پاؤں تلے ہو تو کیا حکم ہے؟

اگر تصویر نمازی کے پاؤں کے نیچے ہو یا نمازی کے بیٹھنے کی جگہ میں ہو تو یہ مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ اس حالت میں تصویر ذلت کی حالت میں رہتی ہے، یا تصویر ہاتھ کے اندر ہو تب بھی مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ وہ نمازی کے کپڑوں سے پوشیدہ رہتی ہے۔ شارح علیہ الرحمہ نے بتایا کہ یہاں "محشی" کی عبارت میں: فی یَدِهٖ کی جگہ فی بَدَنِهٖ ہے، یعنی خود نمازی کے جسم میں تصویر کا ہونا مکروہ نہیں ہے۔

انگوٹھی میں تصویر کا کندہ ہونے کا حکم

اگر تصویر کسی نمازی کی انگوٹھی میں منقش ہو، مگر وہ تصویر بالکل ظاہر نہ ہو، بلکہ مٹی مٹی سی معلوم ہوتی ہو تو یہ بھی مکروہ نہیں ہے۔ اور البحر الرائق میں ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر انگوٹھی پر تصویر بالکل صاف نمایاں اور ظاہر ہو تو مکروہ ہوگا، اسی طرح وہ تصویر بھی مکروہ نہیں ہے جو تھیلی یا بٹوے پر کسی دوسرے کپڑے سے چھپی ہو، یا تصویر بالکل اس قدر چھوٹی ہو کہ دیکھنے

والے کو اس کے اعضاء کی تفصیل نظر نہ آتی ہو جب وہ کھڑا ہو کر دیکھ رہا ہو اور تصویر زمین پر رکھی ہوئی ہو، اسی کو حلبی نے ذکر کیا ہے اور مصنف نے اس کو برقرار رکھا ہے۔ اسی طرح اگر تصویر کا سر یا چہرہ کٹا ہوا ہو، یا اس تصویر کا ایسا عضو مٹا ہوا ہو کہ جس کے بغیر آدمی زندہ باقی نہیں رہ سکتا ہے، یا وہ تصویر کسی غیر ذی روح کی ہو تو یہ مکروہ نہیں ہے، کیوں کہ اس طرح کی تصویروں کی پوجا نہیں کی جاتی ہے، لہٰذا اس وقت تشبہ بھی لازم نہ آئے گا۔ اور علامہ ابن عابدینؒ نے صراحت کی ہے کہ سر کٹا ہوا ہونے کہ حدیہ ہے کہ اس تصویر کا سر مٹا دیا گیا ہو، یا وہ حصہ کاٹ دیا گیا ہو، یا تصویر بنانے والے نے بنایا ہی نہ ہو یا بنا کر روشنائی ڈال کر ختم کر دیا ہو، یا اس کو کھرچ ڈالا ہو، تو ان صورتوں میں کراہت ختم ہو جائے گی۔ (شامی/۲/۴۱۸)

حدیث جبرئیل علیہ السلام

اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی حدیث اس تصویر کے بارے میں مخصوص ہے جو ذلیل نہ ہو، چنانچہ ابن الکمال نے اس کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر تصویر کے مکروہ ہونے کی علت یہ ہے کہ جہاں تصویر ہوتی ہے وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے ہیں، جیسا کی حدیث شریف میں ہے، مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیلؑ نے رسولِ اکرمؐ سے آنے کا وعدہ کر لیا تھا، لیکن جبرئیلؑ تشریف نہیں لائے تو آپؐ نے بعد میں فرمایا: آپ کیوں تشریف نہیں لائے؟ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ میں اس گھر میں داخل نہیں ہوتا ہوں جس میں کتے کی تصویر ہو، چنانچہ جب کتے کا بچہ نکالا گیا تو حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے۔ اس حدیث کی بنیاد پر تصویر کی کراہت دونوں صورتوں میں ہونی چاہیے خواہ ذلیل ہو خواہ ذلیل نہ ہو، اس لئے کہ حدیث شریف میں کوئی قید نہیں ہے۔ اور اگر تصویر کی کراہت مشابہت عبادت کی وجہ سے ہے تو تصویر سر پر سامنے ہو تب بھی مکروہ ہونی چاہیے اور دائیں بائیں ہونے میں کراہت نہیں ہونی چاہیے؟

جواب کا خلاصہ یہ ہے کی جہاں بھی تصویر کی کراہت مذکور ہے وہاں وہ تصویر مراد ہے جو ذلیل نہ ہو، کیوں کہ نسائی اور ابن حبان میں روایت آئی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام دروازے کے پاس آ کر ٹھہر گئے اور فرمایا کی پردہ میں جو تصویر ہے وہ دخول سے مانع ہے، اگر اس کو رکھنا ہی ہے تو اس کا سر کاٹ دیں یا گدا یا بچھونا بنالیں۔ (شامی/۲/۴۱۹)

نوٹوں اور روپیوں میں جو تصویریں ہوتی ہیں ان کا حکم

حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرات محدثین کرامؒ کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ روپیوں پیسوں پر جو تصویر ہوتی ہے اس کی وجہ سے رحمت کے فرشتے آتے ہیں یا نہیں؟ قاضی عیاض مالکی نے فرمایا کہ چھوٹی تصویر فرشتوں کی

آمد کے لئے مانع نہیں ہے۔ اور امام نوویؒ نے کہا کہ اس کے ہوتے ہوئے فرشتے نہیں آتے ہیں۔
(علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض کا قول احناف علماء کے قول کے مطابق ہے، چنانچہ فتح القدیر میں ہے کہ گھروں میں چھوٹی تصویر رکھنا مکروہ نہیں ہے)۔ (شامی/۲/۴۲۰)

وَ كرهَ تنزيهًا عدُّ الآيِ والسُّوَرِ والتسبيحِ باليَدِ فِي الصَّلاةِ مُطلقًا، ولَو نفلاً أمّا خارجَها فلايكرَهُ، كعدِّهِ بقَلبِهِ أو بغَمزِه أنامله، وعلَيهِ يُحملُ مَا جاءَ مِن صلاةِ التَّسبِيحِ. **فرع:** لابَأسَ بِاتّخاذِ المِسبحةِ بغَيرِ رِياءٍ كمَا بسطَ فِي البَحرِ. لَا يكرهُ قَتلُ حَيَّةٍ أو عَقرَبٍ إنْ خافَ الأذى، إذِ الأمرُ للإباحَةِ، لأنّهُ مَنفعةٌ لَنَا، فالأولىٰ تركُ الحَيّةِ البَيضَاءِ لِخوفِ الأذى، مُطلقًا ولَو بِعملٍ كَثِيرٍ علَى الأظهَرِ، لكنْ صَحّحَ الحَلبِي الفَسادَ، وَلايكرَهُ صَلاةٌ إلىٰ ظَهرِ قَاعِدٍ أو قَائِمٍ وَلَو يَتحدّثُ إلّا إذَا خِيفَ الغلطُ بحدِيثِهِ وَ لَا إلىٰ مُصحفٍ أو سَيفٍ مُطلقًا أو شَمعٍ أو سِراجٍ أو نَارٍ توقدُ، لأنّ المَجُوسَ إنّما تعبدُ الجَمرَ، لَا النّارَ المُوقدةَ، قنية. أو علىٰ بساطٍ فِيهِ تَماثِيلُ إن لَم يسجُدْ علَيهَا لِمَا مرَّ. **فُروع:** يكرَهُ إشتِمالُ الصمّاءِ والإعتِجارُ والتلثُّمُ والتنخمُ وكلُّ عملٍ قلِيلٍ بِلاعُذرٍ، كتعرضٍ لقُملَةٍ قبلَ الأذى، وترك كُلِّ سُنّةٍ ومُستحبٍّ، وحمل الطفلِ، و مَا وَرَدَ نسخ بِحَدِيثِ: إنّ فِي الصّلاةِ لَشغلاً، ويُباحُ قطعُها لِنحوِ قتلِ حيّةٍ، وندّ دابةٍ، وفور قِدرٍ، وضِياعِ مَا قِيمتُهُ درهَمٌ، لَهُ أو لِغَيرِهِ، ويستحِبُّ لِمُدافعةِ الأخبثَينِ، وللخُروجِ مِن الخِلافِ إنْ لَم يخَفْ فوتَ وَقتٍ أو جَماعةٍ، ويجبُ لإغاثةِ ملهُوفٍ وحرِيقٍ، لَا لِنداءِ أحدِ أبوَيهِ بِلاإستِغاثةٍ إلّا فِي النّفلِ، فإنْ عَلِمَ أنّهُ يُصلِّي لَابَأسَ أنْ لَايُجيبَهُ وإنْ لَم يعلَمْ أجابَهُ، وَ يكرَهُ تحرِيمًا إستِقبالُ القِبلةِ بالفرجِ ولَو فِي الخَلاءِ بالمدِّ، بيتَ التغوُّطِ، وكَذا إستِدبارُها، فِي الأصحِّ كمَا كرهَ لِبالغٍ امسَاكِ صبِي لِيبُولَ نحوهَا، وَ كمَا كرهَ مدُّ رِجلَيهِ فِي نومٍ أو غَيرِهِ إلَيهَا أي عمدًا لأنّهُ إساءةُ أدبٍ، قالَه منلا باكير، أو إلىٰ مُصحفٍ أو شَيءٍ مِن الكُتبِ الشّرعِيّةِ، إلّا أن يكُونَ علىٰ موضعٍ مُرتفعٍ عَنِ المُحاذاةِ فلايكرَهُ، قالهُ الكَمالُ، وَكَما كرهَ غَلقُ بابِ المَسجدِ إلّا لِخوفٍ علىٰ مَتاعِهِ، بِهِ يُفتىٰ.

نماز میں آیتوں کو شمار کرنے کا شرعی حکم

نمازوں میں آیتوں، سورتوں اور تسبیحوں کی تعداد شمار کرنا مطلقاً مکروہ تنزیہی ہے، خواہ نفل نماز ہی کیوں نہ ہو، البتہ نماز سے باہر شمار کرنے میں کسی طرح کی کوئی کراہت نہیں ہے، جس طرح کہ نمازی کا دل دل میں شمار کرنا اور انگلیوں کے پوروں پر شمار کرنا مکروہ نہیں ہے۔ اور صلاۃ التسبیح میں جو گننے کا حکم آیا ہے اس میں بھی دل دل میں یا انگلیوں کے پوروں پر گننا مراد ہے۔

مسئلہ: تسبیح کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ کوئی ریاکاری نہ ہو، جیسا کی علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (لفظ مِسبحہ میم کے کسرہ کے ساتھ، آلہ تسبیح کے معنی میں ہے، جو ایک تاگے میں پروئے ہوئے دانے کے ہوتے ہیں، اس کا رکھنا حضرات صوفیاء کرام میں بہت پہلے سے رائج ہے، البتہ اگر تسبیح رکھنے کا مقصد نام نمود اور ریاکاری ہو تو مکروہ ہے۔ اور تسبیح رکھنے کے جواز کے سلسلہ میں وہ حدیث ہے جو ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ میں مروی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کا بیان ہے کہ میں رسول اللہؐ کے ساتھ ایک عورت کے پاس گیا، اس کے سامنے کچھ گٹھلیاں و کنکریاں رکھی ہوئی تھیں جن پر وہ وظیفہ پڑھتی تھی، آپؐ نے دیکھ کر فرمایا کہ میں تجھ کو اس سے زیادہ آسان اور افضل بتادیتا ہوں۔ اس حدیث میں آپ نے گٹھلیوں اور کنکریوں پر وظیفہ پڑھنے سے منع نہیں فرمایا، بلکہ آسان طریقہ بتایا۔ معلوم ہوا کہ تسبیح رکھنا جائز ہے)۔ (تفصیل دیکھئے شامی/۲/۴۲۱)

نماز کی حالت میں سانپ بچھو مارنے کا حکم

اگر دورانِ نماز کوئی سانپ یا بچھو نظر آجائے اور یہ اندیشہ ہو کہ سانپ کاٹ لے گا یا بچھو ڈنک مارلے گا، تو ایسی صورت میں بحالت نماز سانپ یا بچھو کو مارنا مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ حکم اباحت کی وجہ سے ہے، کیونکہ اس میں ہمارے لئے نفع ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ سفید سانپ کو نہ مارے، بلکہ اس کو چھوڑ دے تاکہ کسی تکلیف میں مبتلا نہ ہوجائے۔ حدیث شریف میں سفید سانپ کو جن کہا گیا ہے، لہٰذا جنات و آسیب سے بچنے کے لئے اس کو نہ مارنا ہی افضل ہے، مارنے کی صورت میں نقصان کا خطرہ ہے۔ اگر سانپ یا بچھو سے کوئی خطرہ نہ ہو تو پھر نماز کی حالت میں مارنا مکروہ ہے۔ اور خطرہ کے وقت مطلقاً مارنا جائز ہے، خواہ عمل کثیر کی ضرورت کیوں نہ پیش آجائے۔ اس باب میں ظاہر روایت اور اظہر قول یہی ہے، لیکن حلبیؒ نے اس کی تصحیح کی ہے کہ عمل کثیر کے ارتکاب سے مارنا مفسد نماز ہے اور اسی قول کو علامہ شامیؒ نے حق قرار دیا ہے۔ (شامی/۲/۴۲۲)

کسی انسان کی پشت کی جانب رُخ کرکے نماز ادا کرنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بیٹھے یا کھڑے انسان کی پشت کی طرف رُخ کرکے نماز ادا کرنا مکروہ نہیں ہے،

اگرچہ وہ شخص باتیں کیوں نہ کر رہا ہو، لیکن اگر اس کی گفتگو کی وجہ سے نماز میں غلطی واقع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں اس کی پشت کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔

قرآن، تلوار اور چراغ کی جانب رُخ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم

قرآنِ مجید کی طرف یا لٹکی ہوئی تلوار کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرنا مطلقاً جائز ہے، اس میں کسی طرح کی کوئی کراہت نہیں ہے۔ اسی طرح موم بتی، یا چراغ یا اس آگ کی جانب رُخ کر کے نماز ادا کرنا جو روشن ہو مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ مجوسی لوگ انگارے کی عبادت کرتے ہیں، روشن آگ کی عبادت نہیں کرتے ہیں، لہٰذا اس میں تشبہ بالمجوس بھی نہیں ہے، اس لئے ان چیزوں کی جانب رُخ کر کے نماز ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے، یہ مسئلہ قنیہ میں مذکورہ ہے۔

مسئلہ: ایسے بستر پر نماز ادا کرنا جس پر تصویریں ہوں مگر تصویروں پر سجدہ نہ کرنا پڑے تو یہ بھی مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں تصویر کی اہانت ہے نہ کہ تعظیم، جیسا کہ اس سے قبل یہ مسئلہ گذر چکا ہے۔

نماز کی حالت میں چادر وغیرہ لپیٹنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نماز کی حالت میں چادر کو اس طرح لپیٹنا کہ ہاتھ باہر نہ نکل سکے مکروہ ہے، اس لئے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سے نماز میں چادر لپیٹنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح پگڑی یا دوپٹہ کو سر پر اس طرح لپیٹ کر نماز ادا کرنا کہ سر کا بیچ والا حصہ کھلا رہے مکروہ ہے، اسلئے کہ حدیث شریف میں اس سے روکا گیا ہے۔ اور نماز کی حالت میں منہ پر اس طرح کپڑا لپیٹنا کہ ناک اور منہ دونوں چھپ جائیں مکروہ ہے، اس لئے کہ مجوسی لوگ آگ کی عبادت کرتے ہوئے اسی طرح عبادت کرتے ہیں، اسلئے کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہے۔ اسی طرح سانس پر زور دے کر ناک کی ریزش نکالنا نماز کی حالت میں مکروہ ہے۔ اور بغیر عذر کے خواہ مخواہ کسی طرح کا بھی عمل قلیل کرنا مکروہ ہے، جیسا کہ تکلیف دینے سے پہلے جوں کا مارنا مکروہ ہے۔

نماز میں سنت و مستحب کا ترک کرنا

اور نمازی کے لئے ہر سنت و مستحب بلا عذر چھوڑنا مکروہ تنزیہی ہے۔ علامہ شامیؒ نے کہا کہ اگر سنت مؤکدہ ہو تو اس کا چھوڑنا مکروہ تحریمی ہوگا۔ اور اگر سنت غیر مؤکدہ چھوڑ دے تو یہ مکروہ تنزیہی ہوگا۔ اور فعل مستحب کو ترک کرنا بھی مکروہ تنزیہی ہوگا۔ (شامی ج ۱/ ۴۴۴)

بلاضرورت نماز کی حالت میں بچہ اٹھانا

بلا کسی ضرورت اگر نمازی نے بحالت نماز کسی بچہ کو اٹھالیا تو یہ مکروہ ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مکروہ کس طرح ہوگا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے بحالت نماز حضرت زینبؓ کی لڑکی امامہ کو اٹھایا تھا اور جب آپ سجدہ میں جاتے تھے تو اس کو رکھ دیتے تھے، پھر قیام کی حالت میں اٹھا لیتے تھے تو پھر مکروہ کس طرح ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے منسوخ ہو چکا ہے، اس حدیث پاک سے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا کہ: اِنَّ فِی الصَّلَاۃِ شُغلاً. بے شک نماز ایک مشغولی کی چیز ہے، جو دوسری باتوں کے لئے مانع ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے حضرت امامہ کو ضرورت کی وجہ سے اٹھایا تھا اور عند الحاجہ اٹھانا مکروہ نہیں ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ آپؐ نے یہ بتانے کے لئے ایسا کیا کہ حمل طفل مفسد نماز نہیں ہے۔ (شامی/۲/۴۲۵)

نماز کی نیت کو توڑنا کب جائز ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نمازی کے لئے بعض مرتبہ نماز کی نیت توڑنا مباح ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ نماز فرض ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً سانپ کا مارنا، سواری کا بھاگ جانا، ہانڈی کا اُبلنا اور ایسی چیز کا ضائع ہونا جس کی قیمت ایک درہم یا اس سے زیادہ ہو، خواہ وہ چیز نمازی کی ہو یا کسی دوسرے مسلمان بھائی یا غیر مسلم کی ہو۔ اسی طرح اگر یہ اندیشہ ہو کہ اگر نیت نہ توڑی گئی تو بھیڑیا بکری کو کھا جائے گا، تو ایسی صورت میں نیت توڑ کر پہلے بھیڑیا کو بھگائے اس کے بعد دوبارہ نماز ادا کرے۔ اور اگر ضائع ہونے والے سامان کی قیمت ایک درہم سے کم ہے، تو اس کی وجہ سے نماز کی نیت توڑنا جائز نہیں ہے۔ (شامی/۲/۴۲۶)

پیشاب یا پاخانہ کے دباؤ کے وقت نیت توڑنا مستحب ہے

اگر نمازی کو پیشاب یا پاخانہ کی حاجت ہو اور اس کی شدید ضرورت محسوس کرتا ہو، تو اس وقت اس کے لئے نیت توڑنا مستحب ہے کہ نماز سے نکل کر پہلے پیشاب و پاخانہ سے فارغ ہو جائے، اس کے بعد وضو کر کے دوبارہ نماز ادا کرے۔ اسی طرح اختلاف سے نکلنے کے واسطے بھی نیت توڑنا مباح ہے، مگر شرط یہ ہے کہ جماعت یا وقت نکل جانے کا خوف نہ ہوں۔

مظلوم کی مدد کے واسطے نیت توڑنا واجب ہے

مظلوم شخص کی فریاد پر، یا ڈوبنے والے کے استغاثہ پر، یا جلنے والے کی فریاد سن کر نماز کی نیت توڑنا واجب ہے، خواہ

مظلوم یا جلنے اور ڈوبنے والا شخص نمازی کو متعین کر کے پکار رہا ہو، یا یوں ہی فریاد کر رہا ہو۔ علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں کہ بظاہر ایسے وقت نیت توڑنا فرض ہونا چاہئے۔ اسی طرح اگر کسی نابینا کو کنویں میں گرتے دیکھے تو نیت توڑنا ضروری ہے۔
(شامی/۲/۴۲۶)

والدین کی آواز پر نماز کی نیت توڑنے کا حکم

والدین میں سے کسی ایک کی پکار کی وجہ سے نیت توڑنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ فریاد نہ کریں، البتہ نفل نماز کی نیت صرف والدین کی پکار پر ہی توڑی جاسکتی ہے، اس لئے کہ اس حالت میں جواب دینا واجب ہے۔ اور اگر ماں باپ کو معلوم ہے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے اس کے باوجود پکاریں تو اس وقت جواب نہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر ماں باپ کو اس کے نماز پڑھنے کا علم نہ ہو اور آواز لگائیں تو پھر جواب دینا چاہئے یہی افضل اور بہتر ہے۔

احکامِ مساجد کا بیان

قولہ یکرَہُ تحریمًا استِقبالُ القِبلۃِ بالفرجِ إلخ: اب تک حضرت مصنفؒ نماز کے اندر کے مکروہات کو ذکر کر رہے تھے، اب یہاں سے ان مکروہات کا بیان شروع فرما رہے ہیں جو نماز سے باہر ہیں، لیکن ان کے توابع میں داخل ہیں۔

بول و براز میں استقبالِ قبلہ کا حکم

چنانچہ فرماتے ہیں کہ پیشاب و پاخانہ کرتے وقت شرمگاہ کو قبلہ کی جانب کرنا مکروہ تحریمی ہے، اگر چہ بیت الخلاء کے اندر کیوں نہ ہو۔ ''خلاء'' پاخانہ گھر کو کہتے ہیں۔ اسی طرح پیشاب و پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی جانب پشت کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے، اس باب میں اصح قول یہی ہے۔ اور بالغ آدمی کیلئے مکروہ تحریمی ہے کہ وہ بچہ کو پکڑ کر قبلہ کی جانب رُخ کرا کے پیشاب و پاخانہ کرائے، اسلئے کہ جو فعل بچہ کیلئے بالغ ہونے کے بعد حرام ہے اس فعل کو نابالغی کی حالت میں کرانا بھی حرام ہے، جیسے کہ ریشم یا سونا کا استعمال مرد کے لئے حرام ہے، لہٰذا اگر کوئی بالغ آدمی کسی نابالغ بچہ کو سونا یا ریشم استعمال کرائے تو یہ بھی حرام ہوگا۔ (شامی/۲/۴۲۷)

قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا

قَولُہ کرہَ مَدُّ رِجلَیہِ فِی نَومٍ إلخ: اسی طرح سونے وغیرہ کی حالت میں جان بوجھ کر قبلہ کی جانب پاؤں پھیلانا

مکروہ تحریمی ہے، اسلئے کہ اس میں خانۂ کعبہ اور قبلہ کی بے ادبی ہے۔ اسی کو ملا باکیر نے بیان کیا ہے۔ اگر سہو ونسیان کی وجہ سے یا عذر کی وجہ سے کوئی شخص قبلہ کی طرف پاؤں پھیلائے تو یہ مکروہ نہیں ہے، جیسا کہ شامی میں ہے۔ (شامی/۲/۴۲۷)

قرآن شریف اور دینی کتابوں کی جانب پاؤں پھیلانا

قرآن مجید اور دینی کتابوں میں سے کسی بھی کتاب کی جانب پاؤں پھیلانا مکروہ ہے، البتہ اگر یہ کتابیں کسی اونچی جگہ پر ہوں اور نیچے پاؤں پھیلائے جائیں تو یہ مکروہ نہیں ہے، کمال الدین محقق نے اسی کو کہا ہے۔ اسی طرح اگر کتاب بہت زیادہ دور رکھی ہو تب بھی پاؤں پھیلانا مکروہ نہ ہوگا۔ (شامی/۲/۴۲۸)

بلا ضرورت مسجد کا دروازہ بند کرنا

اگر کوئی شخص بلا ضرورت مسجد کا دروازہ بند کرے اور اس میں تالا لگا دے تو یہ بھی مکروہ ہے، اس لئے کہ اس صورت میں نمازی کو نماز سے روکنا لازم آئے گا، ہاں اگر مسجد کے سامان چوری ہونے کا خطرہ ہو اور نماز کے بعد سامان کی حفاظت کے واسطے تالا لگا دے تو یہ مکروہ نہ ہوگا، یہی قول مفتی بہ بھی ہے۔

وَ كُرِهَ تَحْرِيمًا الوَطءُ فوقَهُ، والبَولُ والتغوُّطُ لأنَّهُ مَسْجِدٌ إلى عنانِ السَّماءِ واتِّخاذُهُ طَرِيقًا بِغَيرِ عُذرٍ وصرَّحَ فِي القنيَةِ بِفسقه باعتِيادِهِ وإدخالُ نَجاسةٍ فِيهِ وعَليهِ فلايَجُوزُ الإستِصباحُ بدُهنٍ نجسٍ فِيهِ ولاَ تطيينه بنجسٍ ولاَ البَولُ والفَصدُ فِيه ولَو فِي إنَاءٍ ويحرمُ إدخالُ صِبيان ومَجانِينَ حيثُ غَلبَ تَنجِيسُهُم، وإلاَّ فَيكرَهُ، ويَنبَغِي لِداخلِهِ تعاهُد نعلِهِ وخُفِّه وصلاته فِيهِما أفضلُ، لاَ يكرَهُ مَا ذكرَ فوقَ بَيتٍ جُعِلَ فِيهِ مسجِدٌ بَل ولا فيه، لأنَّهُ لَيسَ بمسجِدٍ شرعًا وَ أمَّا المُتخَذُ لِصلاةِ جَنازَةٍ أو عِيدٍ فهُو مَسجِدٌ فِي حقِّ جوازِ الإقتِداءِ وإن انفصلَ الصُّفوفُ رفقا بالنّاسِ لاَ فِي حقِّ غيرِهِ بِهِ يُفتىٰ، نهاية. فَحَلَّ دُخوله لِجُنبٍ وحَائضٍ كَفِناءِ مسجِدٍ ورِباطٍ ومدرسةٍ ومساجِد حياض وأسواق لاَ قوارِع، ولاَ بأسَ بِنقشِهِ خلا محرابِهِ فإنَّهُ يكرَهُ، لأنَّهُ يلهِي المُصلّي. ويَكرَهُ التكلُّفُ بدقَائقِ النُّقُوشِ ونحوهَا خُصوصًا فِي جِدارِ القِبلَةِ، قالَهُ الحَلبِي. وفِي حظرِ المُجتبىٰ: وقِيلَ يكرَهُ فِي المِحرابِ دونَ السَّقفِ و المُؤخَّرِ انتهىٰ. وظاهِرُهُ أنَّ المُرادَ بالمِحرابِ جِدارُ القِبلَةِ،

فليَحفظْ. بِجَصٍّ ومَاءِ ذَهَبٍ لَو بمالِهِ الحَلالِ لَا مِن مالِ الوَقفِ فإنّهُ حرامٌ وضمنَ مُتوليه لَو فعلَ النّقشَ أو البيَاضَ إلّا إذَا خِيفَ طمعَ الظّلمةِ فلَابأسَ بهِ، كَافِي. وإلّا إذَا كانَ لِاحكام البناءِ، أو الواقف فعل مثله لقولِهم: إنّهُ يعمر الوَقفُ كمَا كانَ، وتمامُهُ فِي البَحرِ.

مسجد کی چھت پر بیوی سے جماع کرنا

مسائل مسجد کو بیان کرتے ہوئے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ مسجد کی چھت پر بیوی سے جماع کرنا، اسی طرح مسجد کی چھت پر پیشاب و پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ مسجد (ساتوں) زمین کے نیچے سے لے کر آسمان کی بلندی تک مسجد ہی کے حکم میں ہے۔ نیز بلا ضرورت مسجد کو گذرگاہ بنالینا مکروہ تحریمی ہے۔ اور قنیہ نامی کتاب میں اس بات کی صراحت ہے کہ مسجد کو گذرگاہ بنالینا آدمی کے فاسق ہونے کے لئے کافی ہے۔ اگر کوئی شخص عذر کی وجہ سے مسجد سے گذرے تو جائز ہے۔ اور چونکہ مسجد جانے کے بعد تحیۃ المسجد پڑھنا چاہئے، اس لئے اس شخص کو روزانہ صرف ایک بار تحیۃ المسجد پڑھنا کافی ہوگا۔
(شامی/۲/۴۲۸)

مسجد میں نجاست لے جانا

مسجد میں نجاست داخل کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اسی مسئلہ پر یہ جزئیہ بھی نکلا ہے کہ مسجد میں ناپاک اور نجس تیل کا چراغ جلانا جائز نہیں ہے اور نہ مسجد کو ناپاک مٹی سے لیپنا جائز ہے اور نہ ہی مسجد میں پیشاب کرنا جائز ہے اور نہ ہی فصد کھلوانا، اگر چہ مسجد میں بیٹھ کر کسی برتن میں پیشاب کرے تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ جس شخص کے جسم پر نجاست لگی ہو اس کا مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے)۔ (شامی/۲/۴۲۸)

مسجد میں بچے اور پاگل کو لے جانا

بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں اس وقت لے جانا حرام ہوگا جب غالب گمان ہو کہ یہ مسجد کو ناپاک کر دیں گے۔ اور اگر غالب گمان نہ ہو تو ایسی صورت میں بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں لے جانا مکروہ ہوگا۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں حرمت سے مراد مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ بچوں اور پاگلوں کو مسجد لے جانے کے متعلق جو ممانعت ہے وہ ظنی الثبوت ہے اور دلیل ظنی سے مکروہ تحریمی کا ثبوت ہوتا ہے، اس لئے یہاں مکروہ تحریمی مراد ہے)۔ (شامی/۲/۴۲۹)

آدابِ مسجد کا بیان

جو لوگ مسجد میں داخل ہوں ان کو چاہئے کہ اپنے جوتوں اور موزوں کو دیکھ لیا کریں کہ کہیں ان میں نجاست تو نہیں لگی ہے۔ اگر موزے اور جوتے پاک وصاف ہوں تو ان میں نماز ادا کرنا افضل ہے اور افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہود جوتے پہن کر نماز پڑھنے کو برا سمجھتے تھے اس لئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہود کی مشابہت نہ کرو۔ اور اگر جوتے پاک وصاف ہوں تو ان کو پہن کر نماز ادا کرو۔ (لیکن علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس زمانے میں عام طور پر جوتوں کی طہارت کا بالکل خیال نہیں کیا جاتا ہے اس لئے عرفِ عام کی وجہ سے جوتا پہن کر مسجد جانا بے ادبی ہے، ان سے مسجد کا فرش نجاست سے آلودہ ہونے کا خطرہ رہتا ہے اور عہدِ رسالت میں یہ خطرہ نہ تھا)۔

جس گھر میں نماز پڑھتا ہو اس میں جماع کرنے کا حکم

جس گھر میں نماز ادا کرنے کے واسطے کوئی مخصوص جگہ بنائی ہو، اس گھر کی چھت پر جماع کرنا اور پیشاب و پاخانہ کرنا مکروہ نہیں ہے، بلکہ اس گھر میں اور اس جگہ میں یہ چیزیں مکروہ نہیں ہیں، اس لئے کہ وہ گھر اور وہ جگہ شرعی اعتبار سے مسجد کے حکم میں نہیں ہے، البتہ اس بات کا خوب خیال رکھا جائے کہ وہ جگہ ناپاک نہ ہونے پائے۔

جنازہ کی جگہ اور عیدگاہ کا حکم

وہ جگہ جس کو نمازِ جنازہ اور عیدین کی نماز ادا کرنے کے واسطے بنایا گیا ہو وہ صرف جوازِ اقتداء کے حق میں مسجد کے حکم میں ہے اگرچہ اس کی صفوں کے درمیان دوری واقع کیوں نہ ہو۔ اور عیدگاہ کو مسجد کے حکم میں لوگوں کی آسانی کے واسطے کیا گیا ہے، اقتداء کے علاوہ کسی اور حکم میں یہ عیدگاہ اور جنازہ پڑھنے کی جگہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے، اسی قول پر فتویٰ بھی ہے، جیسا کہ نہایہ میں مذکور ہے، لہٰذا جب عیدگاہ مستقل طور پر مسجد کے حکم میں نہیں ہے تو اس میں جنبی، حائضہ کے لئے داخل ہونا جائز ہے، جس طرح جنبی کے لئے مسجد کے صحن، خانقاہ، مدرسہ اور حوضوں اور بازاروں کی مسجدوں میں داخل ہونا جائز ہے۔ اور جو مسجد سڑک کے کنارے ہوتی ہے وہ تو حقیقتاً مسجد ہی ہے اگرچہ اس میں امام ومؤذن میں سے کوئی بھی متعین نہ ہوں۔

فناءِ مسجد: فناءِ مسجد سے مراد وہ جگہ ہے جو مسجد سے بالکل متصل ہو اور اس جگہ اور مسجد کے درمیان کوئی راستہ نہ ہو۔ اور حوض کی مسجد سے مراد وہ چبوترہ ہے جو حوض کے کنارے کنارے وضو کے بعد بنا دیا جاتا ہے، تاکہ وضو کرنے والا شخص وضو کرکے دو رکعت تحیۃ الوضو ادا کرے۔ اور مسجدِ سوق سے مراد وہ مسجد ہے جو سرائے وغیرہ میں نماز پڑھنے کے لئے

تاجروغیرہ بنالیتے ہیں۔

مسجد میں نقش ونگار کرنے کا شرعی حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ محراب والے حصہ کو چھوڑ کر مسجد کے بقیہ حصوں میں نقش ونگار کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، البتہ محراب میں نقش ونگار کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ اس کا نقش ونگار نمازی کو نماز سے غافل کرسکتا ہے اوراس نقش ونگار کی وجہ سے دھیان بٹ سکتا ہے، لیکن مسجد میں باریک خوشنما نقش ونگار کرنا مکروہ ہے، خاص طور پر جو دیوار قبلہ کی جانب ہے اس کا نقش ونگار کرنا، اس لئے کہ اس سے نمازی کا ذہن بٹ سکتا ہے، اسی کو حلبی نے کہا ہے۔اور مجتبیٰ نامی کتاب کے باب الحظر والاباحة میں لکھا ہے کہ بعض علمائے امت نے فرمایا کہ مسجد کے محراب میں نقش ونگار کرنا تو مکروہ ہے، البتہ چھت اور پچھلا حصہ نقش ونگار کرنا مکروہ نہیں ہے، بات مکمل ہوگئی۔اوراس کا ظاہر یہ ہے کہ محراب سے مراد قبلہ کی جانب والی دیوار ہے جو نمازیوں کے بالکل سامنے ہوتا ہے اس کو یادرکھنا چاہئے۔

وقف کے مال سے مسجد کا نقش ونگار کرنا جائز نہیں ہے

اگر کوئی شخص اپنے جیب خاص سے حلال مال سے مسجد کو چونا اور سونے کے پانی سے منقش کرے تو جائز ہے، اس میں وقف کا مال خرچ نہ کرے، اس لئے کہ اس کام میں وقف کا مال لگانا حرام ہے۔اگر مسجد کے متولی صاحب نے وقف کے مال سے مسجد کو منقش کردیا تو اس صورت میں متولی وقف کے مال کا ضامن ہوگا، ہاں اگر وقف کا مال بہت زیادہ ہو اور یہ خطرہ ہو کہ اگر خرچ نہ کیا جائے گا تو ظالم لوگ چھین لیں گے تو اس صورت میں اس رقم سے مسجد کو منقش کرنا جائز ہے۔اور متولی اس صورت میں ضامن نہ ہوگا جب متولی نے یہ کام مسجد کی مضبوطی کی نیت سے کی ہو، یا خود واقف ہی نے ایسا کیا ہو، اس لئے کہ حضرات فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ وقف کی تعمیر اسی طرح کی جائے جس طرح پہلے تھی اوراس مسئلہ کی پوری تفصیل البحرالرائق میں ہے۔(یہاں حضرت مصنف نے مالِ حلال کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر مالِ حرام سے مسجد کا نقش ونگار کیا تو یہ مکروہِ تحریمی ہوگا۔اور مسجد سے مسجد کا اندرونی حصہ مراد ہے)۔

فُروعٌ: أفضلُ المَساجِدِ مكّةُ، ثُمّ المَدِينةُ، ثُمّ القُدسُ، ثُمّ قُباء، ثُمّ الأقدمُ، ثُمّ الأعظمُ، ثمّ الأقربُ، ومسجدُ استاذهِ لدَرسهِ أو لِسماعِ الأخبارِ أفضل اتفاقًا، ومسجد حيّهِ أفضلُ مِن الجَامعِ، والصَّحيحُ انّ ما الحقَ بمَسجدِ المَدينةِ مُلحقٌ بهِ فِي الفَضيلةِ، نعم تحرّى الأوّل الأولى، وَهُو مائةٌ فِي مِائةِ ذِراعٍ، ذكرهُ مُلا علي فِي شرحِ لُبابِ المَناسكِ، ويحرمُ فِيهِ

السُّوالُ، ويكرَهُ الإعطَاءُ مطلقًا، وقِيلَ: إن تخطى، وإنشادُ ضَالّةٍ، أو شِعرٌ إلاّ مَا فِيهِ ذِكرٌ، ورَفعُ صَوتٍ بِذكرٍ إلاّ لِلمُتفقّهةِ، والوضُوءُ إلاّ فِيمَا أعدّ لذَالكَ، وغرسُ الأشجَارِ إلاّ لِنفعٍ كَتَقلِيلِ نزّ، وتكونُ للمسجِدِ، وأكل ونومٌ، إلاّ لِمعتكِفٍ وغَرِيبٍ، وأكلُ نحوِ ثُومٍ، ويمنعُ مِنهُ وَ كَذا كُلُّ مُؤذٍ ولَو بلِسانِهِ، وكلُّ عقدٍ إلاّ لِمعتكِفٍ بشرطِهِ، والكَلامُ المُباحُ، وقيّدهُ فِي الظّهيرِيّةِ بأنْ يجلِسَ لأجلِهِ، لكِن فِي النّهرِ الإطلاقُ أوجه، وتخصِيصُ مَكانٍ لِنفسهٖ، ولَيسَ لَهُ إزعاج غَيرِهِ مِنهُ ولَو مُدرِّسًا، وإذَا ضاق فللمُصلِّي إزعاجُ القاعد ولَو مُشتغِلاً بِقراءةٍ أو دَرسٍ، بَلْ ولأهلِ المَحلّةِ منع مَن لَيسَ مِنهُم عن الصّلاةِ فِيهِ ولَهُمْ نصب مُتول وجعل المسجدين واحداً وعكسُهُ لِصلاةٍ لاَ للدّرسِ، أو ذكر فِي المَسجِدِ عِظة وقرآن، فإستِماعُ العِظةِ أولٰى، ولاَينبَغِي الكِتابَةُ علىٰ جُدرانِهٖ، ولاَباسَ بِرمَيِ عُشِّ خُفّاشٍ وَ حَمامٍ لِتنقِيتِهٖ.

مسجدوں کے درمیان باہم فرقِ مراتب

تمام مسجدوں میں سب سے افضل مکہ مکرمہ کی مسجد ہے، یعنی خانۂ کعبہ ہے، کیونکہ یہ مسجد اس روئے زمین پر سب سے پہلے اللہ کی عبادت کے لئے قائم کی گئی ہے۔ ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا﴾ پھر اس کے بعد مدینہ منورہ کی مسجد نبوی افضل ہے، اس لئے کہ اس میں ایک رکعت نماز پڑھنے کا ثواب دیگر مسجدوں کے مقابلہ میں ایک ہزار رکعات پڑھنے کا ملتا ہے علاوہ مسجد حرام کے، اس میں ایک لاکھ رکعت پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ پھر اس کے بعد مسجد قدس یعنی بیت المقدس تمام مسجدوں میں افضل ہے۔ (حدیث شریف میں اس کی بہت فضیلت آئی ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ تمام انبیاء کی امامت فرمائی تھی اور یہیں سے آپ سفر معراج کے لئے روانہ ہوئے) پھر اس کے بعد تمام مسجدوں میں مسجد قباء افضل ہے، اس لئے کہ اس کی فضیلت میں ﴿اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ﴾ آیت نازل ہوئی۔ اور قرآن نے اس مسجد کا نام ”مسجد تقویٰ“ رکھا ہے۔ پھر ان چاروں مسجدوں کے بعد افضل وہ مسجد ہے جو سب سے زیادہ پرانی ہو۔ پھر جو سب سے زیادہ بڑی ہو، پھر جو سب سے زیادہ قریب ہو (فضیلت کی یہ ترتیب صاحب حلیہ نے اجناس سے نقل کی ہے)۔ اور البحر الرائق میں مسجد قدس کے بعد فضیلت میں شہر کی جامع مسجد ہے، پھر محلہ کی مسجدیں ہیں پھر عام سڑکوں کی مساجد ہیں۔ (شامی/۲/۴۳۲)

اور اپنے استاذ کی مسجد افضل ہے، سبق پڑھنا یا پھر حدیث شریف کا سماع کرنا مقصود ہو تو پھر استاذ کی مسجد ہی قدیم اور بڑی

مسجد سے افضل ہے تاکہ سبق کے سماع کی فضیلت اور نمازی کی فضیلت دونوں حاصل ہو جائیں، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

محلّہ کی مسجد کی اہمیت

اور اپنے محلّہ کی مسجد جس میں نماز پنج گانہ ہوتی ہو جامع مسجد سے افضل ہے۔ اور جامع مسجد سے مراد وہ مسجد ہے جس میں محلّہ کی مسجد سے جماعت بڑی ہوتی ہے، حتیٰ کہ فتاویٰ خانیہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر محلّہ کی مسجد میں کوئی مؤذن نہ ہو تو اس میں جا کر اذان کہے اور اس میں نماز ادا کرے اگرچہ تنہا ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ محلّہ کی مسجد کا حق زیادہ ہے۔ اور اگر محلّہ میں دو مسجدیں ہوں تو اس میں جائے جو پہلے بنی تھی، اگر دونوں برابر ہوں، ورنہ جو زیادہ قریب ہو اس میں جائے۔ (شامی/۲/۴۳۳)

مسجد نبوی کا وہ حصہ جو بعد میں اضافہ کیا گیا ہے اس کا حکم

اس بارے میں اصح قول یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی مسجد نبوی کا وہ حصہ جو بعد میں شامل کیا گیا ہے وہ ثواب وفضیلت میں اصل مسجد کے برابر ہے، یعنی اضافہ شدہ حصہ میں نماز پڑھنے سے بھی ایک ہزار نمازوں کا ثواب ملے گا، البتہ غور کر کے اصل مسجد کی جگہ نماز ادا کرنا اولیٰ ہے۔ اور عہد رسالت میں جو اصل مسجد تھی اس کی لمبائی سو ہاتھ تھی اور اسی قدر چوڑائی بھی۔ اس کو ملا علی قاری نے اپنی کتاب "لباب المناسک" کی شرح میں ذکر کیا ہے۔

مسجد میں سوال کرنے اور عطا کرنے کا حکم

مسجد میں لوگوں سے دست سوال دراز کرنا ہر حال میں حرام ہے۔ اور سوال کرنے والے کو مسجد میں عطا کرنا مکروہ ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ مسجد میں دینا اس وقت مکروہ ہے جب سوال کرنے والا لوگوں کی گردن پھلانگ کر اِدھر اُدھر جائے، ورنہ پھر مکروہ نہیں ہے۔ (شارح نے کتاب الحظر والاباحۃ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے)۔

مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا اور اشعار پڑھنا

مسجد میں گم شدہ چیز کے متعلق اعلان کرنا اور (گندے) اشعار پڑھنا مکروہ ہے البتہ جس اشعار میں مضامین درست ہوں اللہ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہو ان کو پڑھنا مکروہ نہیں ہے رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ جب تم کسی کو مسجد میں غم شدہ چیز کے متعلق اعلان کرتے ہوئے پاؤ تو تم کہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو واپس نہ کرے۔ اور مسجد میں اشعار پڑھنے کے متعلق فقیہ ابو اللیث نے کہا کہ اگر اشعار میں حمد، نعت ذکر متقیوں کا بیان ہو تو ان کا پڑھنا بہتر ہے اور اگر اشعار میں تاریخ بیان کی گئی

ہوتو پڑھنا مباح ہے اور اگر اس میں کسی مسلمان کی ہجو کی گئی ہو تو پڑھنا حرام ہے اور اگر خط وخال اور حسن کا تذکرہ ہے تو پڑھنا مکروہ ہے اور حدیث شریف میں جس جگہ بھی اشعار کے پڑھنے سے روکا گیا ہے ان سے برے اشعار مراد ہیں۔ (شامی/۲/۴۳۳)

مسجد میں ذکر جہری کرنا

مسجد میں بلند آواز سے ذکر واذکار کرنا مکروہ ہے، البتہ مسئلہ مسائل سیکھنے کے لئے مسجد میں آواز بلند کرنا مکروہ نہیں ہے۔ (اور یہاں اس قید کا اضافہ ہونا چاہئے کہ مسجد میں وہ ذکر جہری مکروہ ہے جس میں ریاکاری ہو، یا اس سے نمازیوں کو یا سونے والے مسافروں کو تکلیف ہوتی ہو، اگر مذکورہ باتیں نہیں ہیں تو باآواز بلند ذکر کرنا افضل ہے۔ اور بعض حضرات نے ذکر خفی کو ترجیح دی ہے)۔

مسجد کے اندر وضو اور غسل کرنے کا حکم

مسجد کے اندر وضو کرنا (اور مسجد میں غسل کرنا) مکروہ ہے اس لئے کہ عموماً اس پانی سے فطرتِ سلیمہ نفرت کرتی ہے، اس لئے کہ وہ پانی تھوک اور ناک کی ریزش سے خالی نہیں ہوتا ہے، البتہ حدود مسجد میں جو جگہ وضو کرنے ہی کے لئے بنائی گئی ہو اس جگہ وضو کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اور طحطاوی نے کہا کہ غیر جنبی کے لئے بھی مسجد میں نہانے کا یہی حکم ہے۔

مسجدوں میں درخت لگانا

مسجدوں میں درخت و پودے کو لگانا مکروہ ہے، البتہ اگر درخت لگانے کا مقصد مسجد کی آمدنی بڑھانا ہو اور اس میں مسجد کے لئے نفع ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے، جیسے مسجد کی نمی کو کم کرنا مقصد ہو۔ اور وہ درخت اور اس کا پھل مسجد ہی کا ہوگا، اس کی قیمت مسجد ہی کے کام میں خرچ کی جائے گی۔ (اس کے پھل کو اپنی ذات میں استعمال کرنا اس کی قیمت کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے)۔

مسئلہ: فتاویٰ عالم گیری میں ہے کہ اگر مسجد میں درخت لگانے سے نمازیوں کو درخت کے سایہ سے آرام ہوتا ہو اور اس کی وجہ سے جگہ میں تنگی نہ ہوتی ہو اور نہ جماعت میں خلل پڑتا ہو، تو اس صورت میں درخت لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور اگر درخت لگانے کا مقصد ذاتی نفع ہو، یا اس سے جماعت میں خلل پڑتا ہو، یا جگہ کی قلت ہو جاتی ہو، یا کافروں کی عبادت گاہوں کی مشابہت ہو جاتی ہو تو درخت لگانا مکروہ ہے۔ (شامی/۲/۴۳۵)

مسجدوں میں کھانا اور سونا

مسجدوں میں کھانا اور سونا مکروہ ہے، البتہ اعتکاف کرنے والوں اور مسافروں کے لئے اجازت ہے۔ اور کچا لہسن یا

پیاز یا اس جیسی بدبودار چیز (جیسے بیڑی سگریٹ وغیرہ) کھا کر آنے والے کو مسجد سے روکا جائے گا۔ اسی طرح مسجد میں آنے سے ہر اس شخص کو روکا جائے گا جو تکلیف پہنچانے والا ہو، خواہ وہ اپنی زبان ہی سے تکلیف کیوں نہ دیتا ہو۔ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیاز اور لہسن کھا کر مسجد میں آنے سے منع فرمایا ہے، اس لئے کہ اس میں بدبو ہوتی ہے اور لوگوں کو، نیز ملائکہ کو تکلیف پہنچتی ہے)۔ (شامی/۲/۴۳۵)

مسجد میں کسی طرح کا معاملہ کرنا

مسجد میں کسی طرح کا معاملہ کرنا (جیسے خرید وفروخت، ہبہ وغیرہ) مکروہ ہے، البتہ اعتکاف کرنے والے کے لئے مسجد میں معاملہ کرنے کی اجازت ہے، مگر اس کی شرطوں کے ساتھ (اور شرط یہ ہے کہ اس کا یہ معاملہ تجارت کی غرض سے نہ ہو، بلکہ اپنی یا اپنے عیال کی ضرورت کی وجہ سے معاملہ کر رہا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ سامان کو مسجد میں نہ منگواتا ہو)۔

مسجد میں دنیاوی کلام کرنا

مسجد میں دنیاوی گفتگو کرنا مکروہ ہے۔ اور فتاویٰ ظہیریہ میں یہ قید ہے کہ یہ کراہت اس وقت ہے جب مسجد میں گفتگو کرنے ہی کیلئے بیٹھا ہو، لیکن النہر الفائق میں مطلقاً بغیر کسی قید کے مسجد میں گفتگو کرنے کو مکروہ لکھا ہے، خواہ کسی بھی نیت سے بیٹھا ہو۔ (شامیؒ فرماتے ہیں نہر الفائق کے خلاف منقول ہے اور نہر الفائق کی بات میں شدتِ حرج بھی ہے) (شامی/۲/۴۳۶)

مسجد میں کسی جگہ کو اپنے واسطے مخصوص کرنا

مسجد میں اپنے لئے کسی خاص جگہ کو مخصوص کر لینا مکروہ ہے۔ اور اس مخصوص جگہ سے دوسرے آدمی کو ہٹانا جائز نہیں ہے، اگر چہ وہ دوسرا شخص درس دینے والا ہی کیوں نہ ہو، ہاں اگر جگہ تنگ ہو تو نمازی کے لئے جائز ہے کہ وہ بیٹھنے والے کو ہٹا دے، خواہ وہ بیٹھنے والا شخص پڑھنے میں مشغول ہو، یا درس و تدریس میں کیوں نہ مشغول ہو۔ اسی طرح اگر جگہ تنگ نہ بھی ہو لیکن خالی جگہ تک جانے میں صفوں کو پھاندنا پڑتا ہو تو بھی ہٹانا درست ہے۔ (شامی/۲/۴۳۷)

دوسرے محلہ والوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنا

اگر مسجد کی جگہ بالکل تنگ ہو محلہ والوں ہی کے لئے ناکافی ہو تو اس صورت میں محلہ والوں کے لئے جائز ہے کہ دوسرے محلہ سے آنے والوں کو نماز پڑھنے سے منع کر دیں۔

محلّہ والوں کے لئے مسجد کا متولی مقرر کرنا

محلّہ والوں کے لئے جائز ہے کہ وہ مسجد کے انتظام وانصرام کے واسطے متولی متعین کریں، تاکہ مسجد کا نظام عمدہ سے عمدہ طریقہ سے چل سکے۔اور محلّہ کی دو مسجدوں کو نماز کے واسطے ایک کر دینا بھی جائز ہے۔اور ایک مسجد کو دو کر لینا بھی جائز ہے، لیکن ایک مسجد کو دو کرنا درس وتدریس کے لئے یا ذکر واذکار کے لئے جائز نہیں ہے۔(اس لئے کہ مسجد کی تعمیر کا بنیادی مقصد وہاں ذکر واذکار کرنا اور درس وتدریس دینا نہیں ہے، بلکہ بنیادی مقصد فرض نمازوں کو باجماعت ادا کرنا ہے، اگرچہ عدم حرج کی صورت میں ذکر اور درس وتدریس کی بھی اجازت ہے، لیکن مقصد بناء میں داخل نہیں ہے۔اور اگر مسجد میں وعظ اور درسِ قرآن دونوں ہو رہا ہو تو اس صورت میں وعظ کا سننا افضل ہے۔اور یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو قرآن کی آیات کو سمجھ نہ سکتے ہوں، البتہ جن کے اندر قرآنی آیات سمجھنے کی صلاحیت ہو اور قرآن سے مناسبت رکھتے ہوں ان کے لئے قرآن کا سننا ہی افضل ہے۔اور عامی آدمی کے لئے وعظ ونصیحت کی باتیں سننا ہی افضل ہے۔ (شامی/۲/۴۳۷)

مسجد کی دیوار پر قرآنی آیات لکھنے کا شرعی حکم

مسجد کی دیواروں پر قرآنی آیات کو لکھنا غیر مناسب ہے، اس لئے کہ اس کے کرنے کے وقت اس کی بے ادبی ہوگی۔ اور پاؤں تلے روندا جائے گا، اس لئے بے ادبی سے بچنے کے لئے نہ لکھنا ہی بہتر ہے، البتہ اگر تختیوں پر لکھ کر لٹکایا جائے اور ادب واحترام سے رکھا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مسجد سے پرندوں کا گھونسلا نکالنا

مسجد کی صفائی کی غرض سے مسجد سے چمگادڑ اور کبوتر کے گھونسلوں کو نکالنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور صفائی کی قید اسلئے لگائی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں رہنے دو۔اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ پرندوں کے گھونسلوں کو پھینکنا جائز نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ گھونسلوں کا نکالنا مسجد کی صفائی کے لئے ہے تاکہ مسجد کا فرش گندہ نہ ہو اور مسجد کی صفائی شرعاً مطلوب ہے، حدیث میں جو حکم ہے وہ مسجد کے علاوہ کے لئے ہے۔ (شامی/۲/۴۳۷)

ابوحماد منظور القاسمی

۱۳/محرم الحرام ۱۴۲۶ھ=۲۳/فروری ۲۰۰۵ء بروز

بابُ الوِتر والنّوافلِ

یہ باب وتر اور نوافل کے بیان میں ہے

جب مصنف علیہ الرحمہ فرائض کے بیان سے فارغ ہوگئے تو اب وتر اور نوافل کا ذکر کر رہے ہیں۔ لفظ "وتر" — واؤ کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ مستعمل ہے۔ اس کے معنی: طاق کے ہیں۔ اور نوافل نَافِلَۃ کی جمع ہے، جس کے لغوی معنی زیادتی کے ہیں۔ اور اصطلاحِ شریعت میں نوافل ایسی عبادت کو کہتے ہیں جو ہمارے نفع کے لئے مشروع کی گئی ہو نہ کہ ہمارے نقصان کے لئے۔

كُلُّ سُنَّةٍ نَافِلَةٌ ولاَ عَكْسَ، هُوَ فَرضٌ عَمَلاً، وَ واجِبٌ اعتِقَادًا، وسُنَّةٌ ثُبوتًا، بِهٰذا وفَّقُوا بَينَ الرِّوايَاتِ، وعلَيهِ فلاَيُكفر بِضَمٍّ فسُكُونٍ، اى لاَينسب إلَى الكُفرِ، جَاحِدُهُ، وتذكرهُ فِي الفَجرِ مُفسِدٌ لَهُ، كَعكسِهِ بِشرطِهِ خِلافًا لَهُما، وَ لٰكِنَّهُ يَقضِي ولاَيصِحُّ قاعِدًا ولاَراكِبًا اتِّفاقًا، وهُو ثلاثُ ركعَاتٍ بِتسلِيمةٍ كَالمَغرِبِ، حتّٰى لَو نَسِيَ القُعودَ لاَيعُودُ، ولَو عادَ ينبغِي الفساد كمَا سَيجِيءُ، وَ لٰكِنَّهُ يقرَأُ فِي كُلِّ ركعةٍ مِنهُ فاتِحةَ الكِتابِ وسُورةً احتِياطًا، والسُّنَّةُ السُّوَرُ الثّلاثُ، وَ زِيادةُ المُعوِّذتَينِ لَم يَختَرْهَا الجُمهُورُ، وَ يُكبِّرُ قَبلَ رُكوعِ ثالثته رافِعًا يدَيهِ كمَا مَرَّ، ثُمَّ يعتَمِدُ، وقِيلَ: كَالدّاعِي، وَ يَقنتُ فِيهِ، ويسنُّ الدُّعاءُ المَشهُورُ، ويُصلِّي علَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عليهِ وسلَّمَ، بِهِ يُفتٰى. وصحَّ الجِدُّ بالكَسرِ بمعنَى الحَقِّ، مُلحِقٌ بِمعنَى لاحِقٍ، وَ نحفِدُ بِدالٍ مُهملَةٍ مَعنٰى نَسرعُ، فإنْ قرأ بذالٍ مُعجمَةٍ فَسدَتْ خاليةً. كأنَّهُ لأنَّهُ كلِمةٌ مُهملَةٌ، مخافتا علَى الأصحِّ مُطلقًا ولَو إمَامًا، لَحدِيثِ: "خَيرُ الدُّعاءِ الخفِي". وصحَّ الإقتِداءُ فِيهِ، ففِي غَيرِهِ أولٰى إنْ لَمْ يتحقَّقْ مِنهُ مَا يُفسِدُهَا فِي اعتِقادِهِ فِي الأصحِّ، كَمَا بسطَهُ فِي البَحرِ بِشَافِعِيٍّ مثلاً لَم يفصِلهُ بِسلامٍ لاَ إنْ فصلَهُ علَى الأصحِّ فِيهِما للإتِّحادِ، وإنِ اختلَفَ الإعتِقَادُ.

نمازِ وتر اور سنن ونوافل کا بیان

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہر سنت نفل ہے، لیکن ہر نفل سنت نہیں ہے۔ اس جملہ کے لانے کا مقصد یہ ہے کہ اس باب کے تحت سنتوں کا بھی بیان ہوگا، اگرچہ عنوان قائم کرتے وقت صرف نوافل اور وتر کا لفظ آیا ہے۔ سنت کا لفظ نہیں ذکر کیا ہے، اس لئے کہ سنت نفل میں داخل ہے، اس لئے کہ نفل کے معنی زیادتی کے ہیں اور سنت بھی فرض پر زائد ہوتی ہے، فرض کی تکمیل کے لئے۔

نمازِ وتر کا بیان اور اس کی اہمیت

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وتر عمل کے اعتبار سے فرض ہے، یعنی جس طرح فرض ادا کرنا لازم اور ضروری ہے اسی طرح وتر ادا کرنا بھی ضروری ہے اور جس طرح فرض نماز کی قضاء کی جاتی ہے، وتر نماز کی بھی قضاء کی جاتی ہے۔ اور جس طرح فرض کے ترک سے گناہ گار ہوتا ہے، وتر کے ترک سے بھی گناہ گار ہوگا۔ اور وتر اعتقاد کے اعتبار سے واجب ہے، یعنی وتر کے واجب ہونے کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے اور یہ اعتقاد رکھے کہ وتر کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ہے، قرآنِ پاک سے نہیں ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَلْوِتْرُ حَقٌّ، فَمَن لَّمْ یُوتِرْ فَلَیْسَ مِنِّی. وتر واجب ہے، جس نے وتر نہیں ادا کی وہ مجھ سے نہیں ہے۔ اور مسلم شریف میں ہے: اَوتِرُوا قَبلَ اَن تُصبِحُوا. صبح کرنے سے پہلے وتر ادا کرلو۔ حضرات فقہائے کرام نے اس طرح تمام روایات کے درمیان تطبیق دی ہے، یعنی وتر عملاً فرض ہے، اعتقاداً واجب ہے اور ثبوتاً سنت ہے، اسی وجہ سے وتر کے انکار کرنے والے کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا، کیونکہ یہ فرضِ عملی ہے، فرضِ اعتقادی نہیں ہے۔ اور وتر کے منکر کو کافر نہ قرار دینا اس کے سنت اور واجب ہونے کی دلیل ہے۔ (شامی/۲/۴۳۹)

نمازِ فجر میں وتر کا رہ جانا یاد آجائے تو کیا حکم ہے؟

اگر صاحبِ ترتیب کو فجر کی نماز میں وتر کا ذمہ میں رہ جانا یاد آجائے تو اس کی نمازِ فرض فاسد ہوجائے گی، جس طرح کہ اگر کسی کو نمازِ وتر ادا کرتے ہوئے یہ یاد آجائے کہ اس کے ذمہ فرض نماز باقی ہے تو شرط کے پائے جانے کے وقت نمازِ وتر فاسد ہوجاتی ہے۔ (شرط کے پائے جانے سے مراد یہ ہے کہ وقت نہ ہو اور اس کے ذمہ چھ نمازیں قضاء نہ ہوگئی ہوں اس لئے کہ ان اعذار کے وقت ترتیب ساقط ہوجاتی ہے) البتہ اس مسئلہ میں حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ نمازِ فجر میں وتر کے یاد آنے سے فجر کا فرض فاسد نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک وتر سنت ہے، لیکن نمازِ وتر کی قضاء ہوتی ہے اور اس کو

بالاتفاق نہ بیٹھ کرادا کرنا جائز ہے اور نہ سواری پر سوار ہو کر پڑھنا درست ہے، حالانکہ یہ بات مسلّم ہے کہ سنت کی قضاء نہیں ہوتی ہے اور سنت کو سواری پر سوار ہو کرادا کرنا جائز ہے، لیکن صاحبینؒ کے نزدیک وتر کو سنت ہونے کے باوجود بھی عام سنتوں سے علیحدہ مقام حاصل ہے۔

وتر کی نماز تین رکعات ہیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نمازِ وتر تین رکعتیں ہیں ایک سلام کے ساتھ، جس طرح مغرب کی نماز تین رکعت ہیں ایک سلام کے ساتھ، حتی کہ اگر نماز وتر ادا کرنے والا شخص قعدۂ اولیٰ میں بیٹھنے کے بجائے بھول کر کھڑا ہو گیا تو وہ لوٹ کر قعدۂ اولیٰ نہیں کرے گا، اگر کھڑا ہو جانے کے بعد قعدۂ اولیٰ کے لئے لوٹ آیا اور پھر قعدہ کیا تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ قیام جو فرض تھا اس کو چھوڑ کر واجب یعنی قعدہ کی طرف لوٹا، جس کی تفصیل آنے والی ہے۔

وتر نماز پڑھنے کی کیفیت

احتیاطاً وتر کی نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھی جائے گی۔ اور وتر کی تین رکعتوں میں تین سورتوں کا پڑھنا مسنون ہے، پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ، دوسری رکعت میں سورۂ کافرون اور تیسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھنا مسنون ہے۔ (لیکن ان ہی سورتوں کو علیٰ وجہ الدوام نہ پڑھا جائے، اس لئے کہ اس سے عوام الناس ان سورتوں کے پڑھنے کو واجب ہونے کا عقیدہ بنالیں گے، جو جائز نہیں ہے، لہٰذا کبھی کبھی ترک بھی کردینا چاہئے) اور معوذتین کی زیادتی کو جمہور فقہاءِ کرام نے پسند نہیں کیا ہے۔ (یعنی تیسری رکعت میں سورۂ اخلاص کے بعد سورۂ فلق اور سورۂ ناس کا ملانا پسند نہیں کیا ہے۔ صاحب البحر الرائق نے حلیہ سے نقل کیا ہے کہ سنن وغیرہ میں جو معوذتین کی زیادتی آئی ہے امام احمدؒ اور ابن معینؒ نے اس کا انکار کیا ہے اور اکثر اہل علم نے اس کو پسند نہیں کیا ہے)۔ (شامی/۲/۴۴۱)

تیسری رکعت میں سورت کے بعد رفع یدین کرنا

جب وتر کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ پڑھ چکے تو نمازی کو چاہئے کہ تیسری رکعت کے رکوع میں جانے سے پہلے اللہ اکبر کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو اُٹھائے اس کے بعد ہاتھ باندھ لے، جیسا کہ اس سے قبل گذر چکا ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ ہاتھ باندھنے کے بجائے ہاتھ کھلا ہوا رکھے، جس طرح دعاء کرنے والا شخص ہاتھ کھلا رکھتا ہے اور اس میں دعائے قنوت پڑھے۔ اور سنت یہ ہے کہ وہ دعائے قنوت پڑھے جو مشہور ہے۔ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر

درود پڑھے، اسی پر فتویٰ ہے۔

دعائے قنوت جو مشہور ہے

اللّٰهُمَّ إنَّا نَستعِينُكَ، ونَستغفِرُكَ، ونُؤمنُ بِكَ، ونتوَكَّلُ علَيكَ، ونُثنِي عليكَ الخَيرَ، ونَشكُرُكَ، ولاَ نَكفُرُكَ، وَنَخلَعُ، ونَترُكَ مَن يَفجُرُكَ. اَللّٰهُمَّ إيَّاكَ نَعبُدُ، وَلَكَ نُصَلِّي، وَنَسجُدُ، وإلَيكَ نَسعٰى، نَحفِدُ، وَنَرجُوا رَحمَتَكَ، وَنَخشٰى عَذَابَكَ، إنَّ عَذابَكَ الجِدَّ بِالكُفَّارِ مُلحِق.

لفظ "جِد" کسرہ کے ساتھ، حق کے معنی میں ہے۔ اور "مُلحِق" بمعنی لاَحِق ہے۔ اور نَحفِدُ دالِ مہملہ کے ساتھ ہے نَسرَعُ (ہم جلدی کرتے ہیں، تیزی سے دوڑتے ہیں) کے معنی میں۔ اگر کسی نے نَحفِدُ کو دالِ مہملہ کے بجائے دالِ معجمہ نَحفِذُ پڑھ دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ "خانیہ" میں ہے کہ نَحفِذُ مہمل کلمہ ہو جائے گا، جس کے کوئی معنی نہ ہوں گے، اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن طحطاوی میں ہے: نَحفِذُ کو مہمل قرار دینا قابلِ غور ہے، اس لئے کہ براق کی صفت میں آیا ہے: لَهُ جَنَاحَانِ يَحفِذُ بِهِمَا براق کے دو باز و تھے جن سے وہ چلنے میں مدد لیتے تھے۔ (شامی/۲/۴۴۳)

دعائے قنوت کا آہستہ پڑھنا

اور دعائے قنوت آہستہ پڑھے، اگرچہ امام ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ بہترین دعاء وہ ہے جو آہستہ ہو۔ اور دعائے قنوت کا آہستہ پڑھنا ہی زیادہ صحیح ہے، خواہ مقتدی ہو یا امام، یا منفرد، ادا نماز ہو یا قضاء، رمضان ہو یا غیر رمضان، بہر حال آہستہ پڑھنا ہی افضل ہے۔ (شامی/۲/۴۴۴)

وتر اور غیر وتر میں شافعی امام کی اقتداء کا حکم

حنفی شخص کے لئے جائز ہے کہ کسی شافعی المسلک امام کی اقتداء میں نماز ادا کرے، خواہ وتر کی نماز ہو یا غیر وتر کی، لیکن وتر کی نماز میں شافعی المسلک امام کی اقتداء کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ شافعی المسلک امام دو رکعت کے بعد سلام نہ پھیرے؛ بلکہ تین رکعت کے بعد ہی سلام پھیرتا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ شافعی المسلک امام سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو گیا ہو جو حنفی مسلک کے مطابق نماز کو فاسد کرنے والا ہو، اس باب میں یہی مسئلہ زیادہ صحیح ہے جیسا کہ اس مسئلہ کو البحر الرائق میں شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور حنفی مسلک والے کی شافعی مسلک والے کی اقتداء میں نماز اس لئے درست ہے کہ دونوں کی نیت میں اتحاد ہے، اگرچہ دونوں کا اعتقاد الگ الگ ہے، حنفی کا اعتقاد یہ ہے کہ وتر واجب

ہے اور شافعی المسلک جو امام ہے اس کا اعتقاد یہ ہے کہ وتر سنت ہے، مگر نیت چونکہ دونوں کی وتر ادا کرنے کی ہے اس لئے اقتداء درست ہو جائے گی۔ (شامی/۲/۴۴۵)

وَ لِذَا يَنوِى الوِترِ لَا الوِترِ الوَاجِب كَمَا فِى العِيدَينِ لِلإختِلَافِ ويَأتِى المَأمُومُ بِقُنوتِ الوِترِ ولَو بِشَافِعِي، يقنُتُ بعدَ الرُّكوعِ لأنَّهُ مجتهدٌ فيه، لَا الفجرِ، لأنَّهُ منسُوخٌ بَل يقِفُ ساكِتًا علَى الأظهَرِ، مُرسِلًا يدَيهِ، ولَو نَسِيَهُ أي القُنوتَ ثُمَّ تَذَكَّرَهُ فِي الرُّكُوعِ لايقنُتُ فِيهِ لِفواتِ مَحَلِّهِ. ولايعُودُ إلَى القِيَامِ فِي الأصحّ، لأنَّ فِيهِ رفضَ الفرضِ للوَاجِبِ فإنْ عادَ إليهِ وقنتَ ولَم يعدِ الرُّكوعَ لَم تفسُدْ صلاتُهُ لِكونِ ركُوعِهِ بعدَ قِراءةٍ تامةٍ وسجدَ للسَّهوِ قَنَتَ أو لاَ، لِزوَالِهِ عَن مَحَلِّهِ. رَكَعَ الإمامُ قَبلَ فَراغِ المُقتدِى مِن القُنوتِ قطعَهُ وتابَعَهُ ولَو لَم يَقرأ مِنهُ شَيئًا تَركَهُ إنْ خافَ فَوتَ الرُّكوعِ معهُ، بخلَافِ التَّشهُّدِ لأنَّ المُخالفةَ فِيمَا هُوَ مِن الأركَانِ أو الشَّرائطِ مفسدة، لاَ فِي غَيرِهَا، دُرَرْ. قَنَتَ فِي أولَى الوِترِ أو ثانيتهِ سهوًا لَم يقنُتْ فِي ثَالِثتِهِ أمَّا لَو شكَّ أنَّهُ فِي ثانِيتِهِ أو ثَالِثتِهِ كرَّرَهُ مَعَ القُعُودِ فِي الأصحّ، والفرقُ أنَّ السَّاهِي قنتَ علىٰ أنَّهُ موضعُ القُنوتِ فلايتكرَّرُ، بخلَافِ الشَّاكِ، ورجَّحَ الحَلبِي تكرَارهُ لهُما، وأمَّا المَسبُوقُ فيقنتُ مَع إمامِهِ فقط، ويصِيرُ مُدركًا بإدراكِ رُكوعِ الثَّالِثةِ، ولَايقنُتُ لِغيرِهِ إلَّا لِنازِلةٍ، فَيَقْنُتُ الإمامُ فِي الجَهْرِيّةِ، وقِيلَ فِي الكُلِّ. فَائدةٌ: خمسٌ يتبع فِيهَا الإمامَ: قُنوتٌ، وقُعودُ أوَّلٍ، وتكبِيرُ عِيدٍ، وسجدَةُ تِلاوَةٍ، وسهوٌ. وأربعةٌ لايتبعُ فِيهَا: زِيادةُ تكبِيرةِ عِيدٍ، أو جنازةٍ، ورُكنٌ، وقِيامٌ لِخَامسَةٍ. وثمَانِيةٌ تفعل مُطلقًا: الرَّفعُ لتحرِيمةٍ، والثَّناءُ، وتكبِيرُ إنتِقالٍ، وتسميعٌ، وتسبِيحٌ، وتشهُّدٌ، وسلامٌ، وتكبِيرُ تَشرِيقٍ.

وتر کی نیت کس طرح کرے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس میں اختلاف ہے کہ وتر واجب ہے یا سنت، اس لئے نیت کرتے وقت صرف وتر کی نیت کرے گا، وتر واجب کی نیت نہیں کرے گا، جس طرح کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں صرف عیدین کی نماز پڑھنے کی نیت کرے گا، عید واجب کی نیت نہیں کرے گا، اس لئے کہ نمازِ عیدین کے وجوب و عدم وجوب کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ ایک جماعت عیدین کی نماز کے وجوب کی قائل ہے، اور دوسری جماعت سنیت کی قائل ہے، اس لئے نیت

کرتے وقت مطلق عید کی نماز پڑھنے اور وتر کی نماز کی نیت کرے، اگر واجب ہوگی تو بھی شامل ہوگا اور سنت ہوگی تو بھی شامل ہوگا اور اس طرح سے امام اور مقتدی کی نیت یکساں ہوگی۔

مقتدی بھی قنوت پڑھے

اگر وتر کی نماز جماعت سے ہورہی ہو اور امام شافعی المسلک ہو تو اس صورت میں مقتدی دعائے قنوت رکوع کے بعد پڑھے گا، اس لئے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ وتر میں دعائے قنوت کب پڑھی جائے گی، رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد؟ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ رکوع سے پہلے دعائے قنوت کا محل ہے اور امام شافعی رکوع کے بعد دعائے قنوت کا محل قرار دیتے ہیں۔ یہاں امام شافعیؒ کی رعایت میں رکوع کے بعد پڑھنے کا حکم ہے۔

حنفی مقتدی فجر کی نماز میں قنوت نہ پڑھے

اگر کوئی حنفی فجر کی نماز کسی شافعی کے پیچھے ادا کر رہا ہے تو فجر کی نماز میں حنفی مقتدی شافعی کی اقتداء میں دعائے قنوت نہ پڑھے، اس لئے کہ عندالاحناف نمازِ فجر میں قنوت کے پڑھنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اور منسوخ حکم میں اقتداء جائز نہیں ہے، اس لئے حنفی مقتدی کو چاہئے کہ خاموش کھڑا رہے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو چھوڑے رہے، یہی قول زیادہ ظاہر ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ حنفی مقتدی بیٹھ جائے۔ بعض نے فرمایا کہ رکوع طویل کردے۔ اور بعض نے فرمایا کہ سجدہ میں چلا جائے اور سجدہ ہی میں پڑا رہے، یہاں تک کہ امام قنوت پڑھ کر سجدہ میں جائے۔ (شامی/۲/۴۴۶)

اگر قنوت بھول جائے تو کیا حکم ہے؟

تیسری رکعت میں سورۃ ملانے کے بعد قنوت پڑھنا کوئی شخص بھول گیا اور رکوع میں چلا گیا، پھر رکوع میں قنوت پڑھنا یاد آیا تو اب وہ قنوت نہ پڑھے اس لئے کہ قنوت کا جو محل تھا وہ فوت ہو چکا ہے۔ اور اصح قول کے مطابق قنوت پڑھنے کے لئے قیام کی جانب نہ لوٹے، اس لئے کہ رکوع چھوڑ کر قنوت پڑھنے کے لئے قیام کی طرف لوٹنا درحقیقت فرض چھوڑ کر واجب کی طرف لوٹنا لازم آئے گا جو جائز نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص قنوت پڑھنے کے لئے قیام کی جانب لوٹ آیا اور قنوت پڑھی اور اس نے دوبارہ رکوع نہیں کیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی، اس لئے کہ اس نے پہلا رکوع مکمل قرأت کے بعد کیا تھا، البتہ اس صورت میں اس پر سجدۂ سہو لازم ہے، خواہ قنوت پڑھی، خواہ نہ پڑھی ہو، اس وجہ سے کہ قنوت کا پڑھنا اپنی جگہ سے فوت ہو چکا ہے۔

مقتدی کے قنوت پڑھنے سے پہلے امام کا رکوع میں جانا

وتر کی نماز جماعت کے ساتھ ہو رہی تھی، تیسری رکعت میں رکوع میں جانے سے قبل امام اور مقتدی نے قنوت پڑھنا شروع کی، ابھی مقتدی کا پڑھنا مکمل بھی نہیں ہوا تھا، یا ابھی نہیں پڑھا تھا کہ امام قنوت پڑھ کر رکوع میں چلا گیا تو اس صورت میں مقتدی کو چاہئے کہ امام کی متابعت کرے اور وہ بھی رکوع میں چلا جائے۔ اور اگر امام کے ساتھ رکوع کے فوت ہونے کا خوف ہو تو قنوت پڑھنا چھوڑ دے اور امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائے۔ اس کے برخلاف تشہد کا حکم ہے، یعنی امام تشہد پڑھ کر اُٹھ گیا اور مقتدی کا تشہد پڑھنا ابھی باقی ہے تو مقتدی کو چاہئے کہ تشہد مکمل کر کے اُٹھے اور پھر امام کے ساتھ شریک ہو لے، اس لئے کہ جو چیزیں نماز کے ارکان یا شرائط میں سے ہیں ان میں امام کی مخالفت نماز کو فاسد کر دیتی ہے اور جو چیزیں نماز کے ارکان و شرائط کے اندر داخل نہیں ہیں ان میں امام کی مخالفت نماز کو فاسد نہیں کرتی ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ دُرر کے اندر ہے۔

(علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں علت یہ بیان کرنی چاہئے تھی کہ چونکہ دعائے قنوت پڑھنا مقتدی کے لئے سنت ہے اور امام کی متابعت واجب ہے، پس جب واجب کے فوت ہونے کا خوف ہو تو سنت کو ترک کیا جا سکتا ہے، بخلاف تشہد کے کہ اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ اور امام کی متابعت بھی واجب ہے، لہٰذا اس صورت میں ایک واجب کو ادا کرنے کے لئے دوسرے واجب کو چھوڑنا ضروری نہیں ہے)۔ (شامی/۲/۴۴۷)

اگر پہلی یا دوسری رکعت میں بھول کر قنوت پڑھ دیا تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص پہلی یا دوسری رکعت میں بھول کر قنوت پڑھ دی تو اب وہ تیسری رکعت میں دعائے قنوت نہیں پڑھے گا۔ اور اگر وتر پڑھنے والے کو یہ شک ہو جائے کہ وہ دوسری رکعت میں ہے یا تیسری رکعت میں ہے؟ تو اس کو چاہئے کہ وہ دونوں رکعتوں میں قنوت پڑھے اور دونوں رکعتوں میں قعدہ بھی کرے، اصح قول یہی ہے، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ تیسری رکعت وہ ہو یا یہ ہو۔ اور فرق دونوں میں یہ ہے کہ بھولنے والے نے اس گمان میں دعائے قنوت پڑھی تھی کہ ہو سکتا ہے کہ قنوت پڑھنے کی جگہ یہ ہو اس لئے اس کو مکرر نہیں کیا جائے گا، بخلاف شک کرنے والے کے۔ اور شیخ حلبیؒ نے فرمایا کہ راجح قول یہ ہے کہ بھولنے والا اور شک کرنے والا دونوں ہی دوبارہ دعائے قنوت پڑھیں گے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ حلیہ اور البحر الرائق میں بھی یہ مسئلہ ایسا ہی مذکور ہے)۔ (شامی/۲/۴۴۸)

اگر وتر میں کسی کی رکعت چھوٹ جائے تو وہ قنوت کب پڑھے؟

جس شخص کی ایک یا دو رکعت امام کے ساتھ وتر پڑھنے سے رہ گئی ہے اور وہ مسبوق ہو گیا ہے تو وہ اب دعائے قنوت کب

پڑھے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مسبوق شخص اپنے امام کے ساتھ صرف ایک بار ہی دعائے قنوت پڑھے گا، اس لئے کہ اس کی آخری رکعت وہی ہے جو اس نے امام کے ساتھ پڑھی ہے۔ اور جب ایک مرتبہ امام کے ساتھ قنوت پڑھ چکا ہے تو اب وہ دوبارہ نہیں پڑھے گا، اگر وتر کا امام تیسری رکعت کے رکوع میں تھا اور کوئی شخص رکوع کی حالت میں آکر شریک ہوا تو وہ شخص قنوت پانے والوں میں سے ہوگا اور تیسری رکعت اس کو پوری مل گئی ہے، لہٰذا بقیہ جو رکعتیں وہ ادا کرے گا اس میں قنوت نہیں پڑھے گا، اس لئے کہ یہ حکماً اس کی پہلی اور دوسری رکعت ہے اور پہلی اور دوسری رکعت دعائے قنوت کی جگہ نہیں ہے۔

قنوتِ نازلہ پڑھنے کا حکم

وتر کے علاوہ دوسری نمازوں میں قنوت نہ پڑھے، البتہ قنوتِ نازلہ دوسری نمازوں میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اگر مسلمانوں پر کوئی مصیبت آپڑے، یا ملک میں فرقہ وارانہ فساد ہو جائے تو اس وقت امام ہر جہری نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھے گا، یہی سفیان ثوریؒ اور امام احمدؒ کا قول ہے۔ اور بعض فقہاءؒ نے تمام نمازوں میں قنوتِ نازلہ پڑھنے کی اجازت دی ہے، خواہ نماز جہری ہو خواہ سری ہو، اسی کے قائل حضرت امام شافعیؒ ہیں۔ (الاشباہ والنظائر میں ''غایت'' نامی کتاب سے نقل کیا گیا ہے کہ مصیبت کے وقت امام صرف فجر کی نماز میں رکوع کے بعد قنوتِ نازلہ پڑھے گا۔ اور منیۃ المصلی کی شرح میں جو کچھ تحریر ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ قنوتِ نازلہ کا محل مخصوص طور پر نمازِ فجر ہے اس کے علاوہ کسی بھی سری اور جہری نماز میں قنوتِ نازلہ نہیں ہے، یہی احناف کا مذہب ہے اور اسی پر جمہور بھی ہیں۔ (شامی/۲/۴۴۹)

امام کی متابعت کتنی باتوں میں کی جائے گی؟

فائدہ: امام کی اتباع پانچ باتوں میں کی جاتی ہے، یعنی اگر امام کرے گا تو مقتدیوں کو بھی کرنا لازم ہوگا۔ اور اگر امام نہ کرے تو مقتدی بھی نہ کریں گے: (۱) قنوت پڑھنا۔ (۲) قعدۂ اولیٰ۔ (۳) تکبیر عیدین۔ (۴) سجدۂ تلاوت۔ (۵) سجدۂ سہو۔ اگر ان میں سے کوئی بھی امام کرے گا تو مقتدیوں کو بھی کرنا پڑے گا۔

اور چار چیزیں ایسی ہیں جن میں امام کی متابعت لازم نہیں ہے، یعنی اگر امام کرے گا تو مقتدیوں پر کرنا لازم نہیں ہے: (۱) عیدین کی تکبیر میں زیادتی کرنا۔ (۲) جنازہ کی نماز کی تکبیر چار سے زائد کہنا۔ (۳) امام کا کسی رکن کا زیادہ کرنا۔ (۴) امام کا پانچویں رکعت کے لئے فرض نماز میں کھڑا ہونا۔ ان میں سے اگر کوئی شئی امام کرے، مثلاً امام جنازہ میں چار تکبیر سے زائد کہے، یا عیدین کی نماز میں چھ تکبیرات سے زائد کہے، یا امام رکوع مکرر کر دے، تو ان تمام چیزوں میں مقتدی امام کی پیروی نہیں کرے گا۔

اور آٹھ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو مطلقاً کیا جائے گا، یعنی ان کو امام کرے یا نہ کرے مقتدی بہرحال کرے گا۔ وہ آٹھ چیزیں درج ذیل ہیں:

(۱) تکبیر تحریمہ کے لئے دونوں ہاتھوں کا اُٹھانا۔ (۲) ثناء- سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ إلخ پڑھنا۔ (۳) ایک رکن سے دوسرے رکن کی جانب منتقل ہوتے وقت اللہ اکبر کہنا۔ (۴) سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه کہنا، یعنی اگر امام سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه نہ بھی کہے تب بھی مقتدی "رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ" کہے گا۔ (۵) رکوع میں "سُبحان رَبِّي العظيم" اور سجدہ میں "سُبحان رَبِّي الأعلى" پڑھنا۔ (۶) التحیات پڑھنا۔ (۷) سلام پھیرتے وقت "السلامُ عَليكُم ورحمةُ اللّٰه" کہنا۔ (۸) نویں ذی الحجہ کی نمازِ فجر سے تیرہویں ذی الحجہ کی عصر تک تکبیر تشریق، یعنی: اللّٰهُ اكبر، اللّٰهُ اكبر، لَاإلٰهَ إلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اكبر، اللّٰهُ اكبر، وَلِلّٰهِ الحَمْدُ. پڑھنا۔ مذکورہ آٹھ چیزیں اگر امام نہ بھی کرے تو بھی مقتدی کو کرنا چاہئے، ان کا امام کی متابعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وَ سنَّ مُؤكَّدًا أربعٌ قبلَ الظُّهرِ وأربعٌ قبلَ الجُمُعَةِ وأربعٌ بعدَها بِتَسلِيمَةٍ فَلَو بِتَسلِيمتَينِ لَم تَنب عَنِ السُّنَّةِ، ولِذا لَو نَذرَهَا لَايخرُجُ عَنهُ بِتَسلِيمتَينِ وبعكسِهٖ يخرُجُ، وركعتانِ قَبلَ الصُّبحِ وبعدَ الظُّهرِ والمَغربِ والعِشاءِ شُرِعتِ البعدِيَّةُ لِجبرِ النُّقصَانِ، والقبلِيةُ لِقطعِ طَمعِ الشَّيطَانِ، ويَستحِبُّ أربعٌ قَبلَ العَصرِ، وقَبلَ العِشاءِ وبعدَها بِتَسلِيمَةٍ وإنْ شاءَ رَكعتَينِ وَ كَذَا بَعْدَ الظُّهرِ لِحدِيثِ التِّرمِذِي مَن حافَظَ علىٰ أربعٍ قبلَ الظُّهرِ وأربعٍ بعدَهَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ علَى النَّارِ وستٌّ بعدَ المَغربِ لِيكتَبَ مِن الأوَّابِينَ بِتَسلِيمَةٍ أو ثنتَينِ أو ثَلاثٍ، والأوَّلُ أَدْوَمُ وَاشقّ، وهَل تُحسَبُ المُؤكَّدةُ مِن المُستحبِّ ويُؤدَّى الكُلُّ بِتسلِيمَةٍ واحِدةٍ؟ اختارَ الكَمالُ: نعمْ، وَ حَرَّرَ إباحةَ رَكعتَينِ خَفِيفتَينِ قَبلَ المَغربِ، وأقرَّهُ فِي البحرِ والمصنف. وَ السُّنَن آكدُها سُنَّةُ الفجرِ اتِّفاقًا، ثُمّ الأربعُ قبلَ الظُّهرِ فِي الأصحِّ، لِحدِيثِ: "مَن تركَهَا لَم تَنلهُ شفاعَتِي". ثُمّ الكُلُّ سَواءٌ، وقِيلَ بِوُجوبِهَا فَلاتَجُوزُ صلاتُهَا قاعِدًا ولَا راكِبًا اتِّفاقًا بِلاعُذرٍ علَى الأصحِّ، ولايجُوزُ تركُها لعالِمٍ صارَ مرجعًا فِي الفتاوىٰ، بِخلَافِ باقِي السُّننِ فلَهُ تركُهَا لِحاجةِ النَّاسِ إلىٰ فتوَاهُ، ويخشَى الكُفرَ علىٰ مُنكِرِها وتقضى إذَا فَاتَتْ معهُ بخلَافِ البَاقِي، ولَو صَلَّى ركعتَينِ تطوُّعًا مع ظَنِّ أنَّ الفجرَ لَم يطلُع فإذَا هُو طَالِعٌ أو صَلَّى أربعًا فوقعَ ركعتانِ بعدَ طُلوعِهٖ لاتجزِيهِ عَن رَكعتَيهَا عَلَى الأصحِّ تَجنِيس.

لأنّ السُنّةَ مَا واظَبَ عليهِ الرّسُولُ ﷺ بتحريمةٍ مُبتداةٍ، وتكرَهُ الزّيادةُ علىٰ أربعٍ فِي نفلِ النّهارِ وعلىٰ ثمانٍ لَيلًا بتَسليمةٍ لأنّهُ لَم يرِدْ، والأفضَلُ فِيهِما الرباعُ بتسلِيمةٍ وقَالَا: فِي اللّيلِ مثنىٰ أفضل، قِيل وبهِ يُفتىٰ. ولَايُصلّي علَى النّبي ﷺ في القَعدةِ الأولىٰ فِي الأربعِ قَبلَ الظّهرِ وَالجُمُعةِ وبعدَهَا ولَو صَلّى ناسِيًا فعليهِ السهوُ، وقِيلَ: لا، شمني. وَلَايَستفتِحُ إذَا قامَ إلَى الثّالِثةِ منهَا لأنّهَا لتأكّدِها أشبهت الفريضة، وفِي البَواقِي مِن ذواتِ الأربعِ يُصلّي علَى النّبي ﷺ وَ يستفتِحُ ويتعوّذُ ولَو نَذرًا، لأنّ كُلّ شفعٍ صلوٰةٌ، وقِيلَ: لَايأتي فِي الكُلِّ وصحّحهُ فِي القُنيةِ. وكَثرةُ الرُّكوعِ والسُّجودِ أحبُّ مِن طُولِ القِيامِ كمَا فِي المُجتبىٰ. ورجّحهُ فِي البحرِ، لكن نظر فِيهِ فِي النّهرِ مِن ثلاثةِ أوجهٍ، ونقل عَن المِعراجِ أنّ هٰذا قول محمّدٍ، وأنّ مَذهبَ الإمامِ افضلِيّةُ القيامِ، وصحّحهُ فِي البدائعِ. قُلتُ: وهٰكذا رأيتهُ بنُسختَي المُجتبىٰ معزيًا لِمُحَمّد فَقطْ، فَتنبّهْ. وهَلْ طُولُ قِيامِ الأخرسِ افضلُ كالقَارِي؟ لَم أرهُ.

سنن مؤکدہ کا بیان

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ظہر سے پہلے چار رکعت، جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چار رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، چنانچہ اگر کسی نے چار رکعت کو ایک سلام سے پڑھنے کے بجائے دو سلام سے پڑھا، یعنی دو دو رکعت کر کے پڑھا تو یہ سنتِ مؤکدہ کے قائم مقام نہ ہوگی، اسی وجہ سے مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص چار رکعت پڑھنے کی نذر مانے اور اس کو دو سلاموں کے ساتھ ادا کرے تو نذر ادا نہ ہوگی، اسی طرح اگر کسی نے چار رکعت کی نذر دو سلاموں کے ساتھ مانی تھی اور اس نے ایک سلام کے ساتھ ادا کر دیا تو اس صورت میں اس کی نذر ادا ہو جائے گی، جیسا کہ کافی میں بھی یہ مسئلہ مذکور ہے۔

اور فجر کی فرض نماز سے پہلے دو رکعت، ظہر کے فرض کے بعد دو رکعت، مغرب اور عشاء کے بعد دو رکعت پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے، یہ سنن فرض نمازوں کے بعد اس لئے مشروع کی گئی ہیں کہ اگر فرض میں کمی ہوگئی ہو تو ان سنتوں کے ذریعہ تلافی ہو جائے۔ اور فرض نمازوں سے پہلے سنتیں اس لئے مشروع ہوئی ہیں تا کہ شیطان کا لالچ ختم ہو جائے۔ (مطلب یہ ہے کہ اگر فرض نماز میں بھول چوک کی وجہ سے کوئی کمی رہ گئی ہو تو بعد والی سنتیں اس کی کو پوری کر دیں گی۔ اور یہ سنتیں مؤکدہ اس لئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سنتوں کو پابندی کے ساتھ ادا فرمایا ہے، چنانچہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی فرض سے پہلے چار رکعت سنت اور دو رکعت فرض کے بعد، اسی طرح دو رکعت مغرب وعشاء

کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ اور دو رکعت فجر کی فرض نماز سے پہلے ادا کیا کرتے تھے۔ اور سنتِ مؤکدہ کو جان بوجھ کر چھوڑنے سے اسی طرح گناہ ملتا ہے جس طرح واجب کے چھوڑنے سے گناہ ملتا ہے)۔

سنن غیر مؤکدہ کا بیان

عصر کی نماز سے پہلے چار رکعات، اور عشاء کی نماز سے پہلے اور بعد میں چار رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھنا مستحب اور سنت غیر مؤکدہ ہے۔ اور اگر کسی شخص کی طبیعت عشاء کے بعد صرف دو رکعت پڑھنے کی ہے تو وہ صرف دو رکعت پڑھے۔ اسی طرح اگر ظہر کے بعد دو رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھنا چاہے تو چار رکعت پڑھے، اس لئے کہ ترمذی شریف میں حدیث ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ظہر سے پہلے چار رکعت اور ظہر کے بعد چار رکعت پڑھنے کی پابندی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ کو حرام کر دے گا، یعنی جہنم میں نہیں ڈالا جائے گا۔ مغرب کی فرض کے بعد چھ رکعتیں مستحب یعنی سنت غیر مؤکدہ ہیں، جو ان چھ رکعتوں کو پڑھے گا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے والوں میں لکھا جائے گا۔ ان چھ رکعتوں کو صلوٰۃ الاوابین کہتے ہیں، ان کو ایک سلام کے ساتھ، یا دو سلام کے ساتھ یا تین سلام کے ساتھ بھی ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن ایک سلام کے ساتھ ان چھ رکعتوں کو پڑھنا زیادہ شاق اور دیرپا ہوتی ہے اس لئے کہ اس میں نفس کو زیادہ دیر تک نماز میں روکے رکھا جاتا ہے۔ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ افضل ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرنا ہے اس لئے کہ اس میں مشقت کم ہے۔

سوال: کیا سنتِ مؤکدہ کو مستحب میں شمار کیا جائے گا اور یہ سب کی سب ایک سلام کے ساتھ ادا کی جاسکتی ہیں یا نہیں؟

جواب: علامہ کمالؒ نے کہا: جی ہاں، سنتِ مؤکدہ کو مستحب میں شمار کیا جاسکتا ہے اور سب کو ایک سلام کے ساتھ ادا کیا جاسکتا ہے۔ علامہ کمال نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ علماء کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ چار رکعتیں جو نمازِ ظہر کے بعد مستحب ہیں اور عشاء کے بعد، وہ چاروں الگ مستحب ہیں ان دو سنتوں کے علاوہ جو ظہر کے بعد اور عشاء کے بعد ہے یا ظہر کے بعد جو دو رکعتیں ہیں، اسی طرح عشاء کے بعد جو دو رکعتیں ہیں ان کو ملا کر چار رکعتیں ہیں، پھر اگر دو سنتِ مؤکدہ مل کر چار مستحب ہیں تو کیا ان کے ساتھ مل کر ایک ہی سلام کے ساتھ چاروں رکعتیں ادا ہو جائیں گی یا نہیں؟ اس بارے میں اکثر علماء فرماتے ہیں کہ ایک سلام سے یہ سنتِ مؤکدہ اور مستحب دونوں ادا نہ ہوں گی۔ اور خود صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں کہ اگر دو سنتِ مؤکدہ اور دو مستحب ملا کر چار رکعت ایک سلام کے ساتھ کوئی پڑھ لے تو ادا ہو جائے گی۔ اور اگر دونوں کو دو سلام سے پڑھے تو بھی تفصیل ہے۔ (دیکھئے شامی ۲/۲/۴۵۳)

نمازِ مغرب سے پہلے نفل

علامہ کمال الدین نے مغرب کی نماز سے پہلے ہلکی دونفل کا پڑھنا مباح لکھا ہے۔ صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم مصری اور خود مصنف نے اس کو برقرار رکھا ہے، یعنی مغرب کی فرض سے پہلے دونفل پڑھنے کی اجازت دی ہے، یہ دو رکعت نہ تو مستحب ہے اور نہ ہی مکروہ، بلکہ مباح ہے، لہٰذا نہایت اختصار کے ساتھ پڑھنا چاہئے، لیکن اکثر علماءِ احناف اور مالکیہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ (شامی/۲/۴۵۳)

فجر کی دو رکعت سنت تمام سنتوں میں سب سے زیادہ مؤکد ہیں

اور تمام سنتوں میں سب سے زیادہ مؤکد سنت بالاتفاق فجر کی دو رکعت سنت ہے۔ اس لئے کہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نوافل میں سے کسی بھی نفل کی اس قدر پابندی نہیں کرتے تھے جتنا کہ فجر کی دو رکعت کے بارے میں کرتے تھے۔ نیز مسلم شریف میں ہے کہ فجر کی دو سنتیں دنیا اور جو کچھ دنیا کے اندر ہے ان سب چیزوں سے بہتر ہیں۔ اور ابوداؤد میں ہے کہ اگر تم کو میدانِ جنگ میں گھوڑے روند بھی ڈالیں تب بھی تم اس دو رکعت سنت کو مت چھوڑنا۔ (شامی/۲/۴۵۳)

اور اصح قول کے مطابق فجر کی دو رکعت کے بعد سب سے زیادہ مؤکد سنت ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں ہیں، اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص ان سنتوں کو چھوڑے گا وہ میری شفاعت سے قیامت کے دن محروم رہے گا اور اسے میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔ اس کے بعد بقیہ تمام سنتوں کا درجہ برابر ہے۔

(اور یہاں شفاعت سے مراد شفاعتِ کبریٰ نہیں ہے، اس لئے کہ یہ شفاعت تو عام ہوگی، مومن، منافق سب کے لئے ہوگی، بلکہ یہاں شفاعت سے مراد وہ شفاعت ہے جو ترقی درجاتِ مومن کے لئے ہوگی)۔

فجر کی دو رکعت سنت کے متعلق احادیث میں جو تاکید آئی ہے اس کے پیش نظر بعض فقہاء نے اس کو واجب قرار دیا ہے، لہٰذا اس صورت میں اس سنت کو بلا عذر بیٹھ کر اور سواری پر سوار ہو کر ادا کرنا بالکل جائز نہ ہوگا۔ ہاں اگر کوئی شرعی عذر ہو تو اس صورت میں بیٹھ کر اور سواری پر سوار ہو کر ادا کرنا جائز ہوگا۔ اس باب میں یہی قول اصح ہے۔ اور فجر کی سنت اس عالم دین کے لئے چھوڑنا کسی حال میں جائز نہ ہوگا جس کی جانب لوگ فقہ و فتاویٰ کے لئے رجوع کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف دوسری سنتیں ہیں اگر فتاویٰ حاصل کرنے کے لئے لوگوں کا ہجوم ہو تو اس وقت ان سنتوں کو چھوڑ دینا جائز ہوگا۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر لوگ فتویٰ حاصل کرنے کے لئے خوب زیادہ جمع ہو جائیں اور مفتی یا عالم دین کو سنت

پڑھنے کا موقع نہیں ملتا ہے تو اس کے لئے فجر کی سنت کے علاوہ دوسری سنت کو چھوڑ کر فتویٰ دینا جائز ہے، لیکن جب لوگوں کا ہجوم ختم ہو جائے تو پھر فوراً پڑھ لے)۔ (شامی/۲/۴۵۴)

فجر کی سنت کا انکار کرنے والے کا حکم

جو شخص فجر کی سنت کی مشروعیت کا منکر ہو اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔ اور یہ اندیشہ اس وقت ہے جب اس کی مشروعیت کا انکار دلیل میں تاویل کر کے یا شبہ کی وجہ سے کرتا ہے اور خواہ مخواہ انکار کرتا ہے تو یقینی طور پر وہ کافر ہے، کیونکہ فجر کی دو رکعت سنت متفق علیہ اور دین اسلام سے بداہتاً معلوم ہے۔ (شامی/۲/۴۵۴)

فجر کی سنت کی قضاء کا حکم

اگر فجر کی سنت فرض کے ساتھ چھوٹ جائے تو اس صورت میں فرض کے ساتھ ساتھ سنت کی بھی قضاء ہے اور یہ قضاء زوال سے پہلے پہلے ہوگی۔ اور اگر صرف سنت ہی چھوٹ جائے تو اس کی قضاء نہیں ہے، اسی طرح اگر بقیہ دیگر سنتیں چھوٹ جائیں تو ان کی قضاء نہیں ہے، گو کہ فرض کے ساتھ کیوں نہ چھوٹ جائیں۔

اگر کسی نے دو رکعت نفل اس خیال سے پڑھی کہ ابھی فجر صادق طلوع نہیں ہوئی ہے، رات کا حصہ ابھی باقی ہے، پھر معلوم ہوا کہ فجر طلوع ہو چکی تھی، یا چار رکعتیں نماز پڑھیں، لیکن دو رکعت صبح ہو جانے کے بعد ادا ہوئی تو ان دونوں صورتوں میں یہ دو رکعت فجر کی سنت کے قائم مقام نہیں ہوگی۔ جیسا کہ تجنیس نامی کتاب میں یہ مسئلہ مذکور ہے، اس لئے کہ جس سنت کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی کے ساتھ ادا فرمائی ہے وہ الگ تحریمہ سے شروع کیا ہے۔

(نیز تجنیس میں مذکور ہے اگر فجر کی کسی نے رات سمجھ کر دو رکعت پڑھی لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی تو یہ دو رکعت فجر کی سنت کی جگہ کافی ہوگی۔ صاحب نہر الفائق نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ (شامی/۲/۴۵۵)

ایک سلام سے کتنی رکعات نفل ادا کی جاسکتی ہیں؟

اور ایک سلام سے دن کی نفلوں میں چار رکعت سے زیادہ اور رات میں آٹھ رکعت سے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے، اس لئے کہ اس سے زیادہ حدیث میں کہیں نہیں آیا ہے۔ دن میں ایک سلام سے زیادہ سے زیادہ چار رکعت اور رات میں زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعتیں پڑھ سکتے ہیں، اس سے زیادہ ایک سلام سے پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ اور افضل طریقہ یہ ہے کہ نفل ایک سلام سے صرف چار رکعتیں پڑھیں، خواہ دن میں ہو یا رات میں۔ اور حضراتِ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ خواہ رات ہو یا دن، دو دو

رکعت کر کے پڑھنا افضل ہے اور کہا گیا ہے کہ فتویٰ صاحبینؒ ہی کے قول پر ہے۔

سنتِ مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں درود پڑھنے کا شرعی حکم

ظہر سے پہلے اور جمعہ سے پہلے نیز جمعہ کے بعد جو چار رکعتیں سنت ہیں ان کے قعدۂ اولیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے۔ اور اگر کسی نے بھول کر قعدۂ اولیٰ میں پڑھ دیا تو اس پر سجدۂ سہو لازم ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہے، جیسا کہ شمنی میں ہے، لیکن فتویٰ اس بات پر ہے کہ سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ اور سنتِ مؤکدہ میں جب قعدۂ اولیٰ کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگا تو اس میں سُبحَانَكَ اللّٰهُمَّ الخ نہیں پڑھے گا، اس لئے کہ یہ سنتیں شدت تاکید کی وجہ سے فرض کے مشابہ ہوگئی ہیں۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ جو چار رکعتیں جمعہ کے بعد پڑھی جاتی ہیں اگر اس کے قعدۂ اولیٰ میں کوئی شخص آپؐ پر درود پڑھ دے تو اس کی وجہ سے اس پر سجدۂ سہو واجب ہونا مسلّم نہیں ہے، اس لئے کہ اس سنت کا حکم دوسری سنتِ مؤکدہ جیسا نہیں ہے، کیونکہ جمعہ کے بعد کی چار رکعات کو دو سلام سے بھی پڑھنا جائز ہے۔ (شامی/۲/۴۵۶)

سنن غیر مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں درود پڑھنے کا حکم

سنن مؤکدہ کے علاوہ جو بقیہ غیر سنن مؤکدہ کی چار رکعتیں ہیں ان کے قعدۂ اولیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر درود پڑھا جائے اور تیسری رکعت کے لئے قیام کے بعد سُبحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھا جائے اور تعوذ بھی پڑھا جائے اگر وہ نذر کی نماز ہو اس لئے کہ نفل کی ہر دو رکعت مستقل نماز ہے۔ اور بعض فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ کسی بھی سنن کے قعدۂ اولیٰ میں درود نہ پڑھا جائے اور نہ تیسری رکعت میں ثناء پڑھا جائے، قنیہ میں اسی قول کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔

کثرتِ رکعت نفل افضل ہے طولِ قیام سے

رکوع وسجود کی کثرت لمبے قیام سے افضل اور پسندیدہ ہے، جیسا کہ مجتبیٰ نامی کتاب میں مذکور ہے۔ اور اسی کو صاحب البحر الرائق نے راجح قرار دیا ہے، یعنی آدمی رکوع وسجود کی کثرت کے ذریعہ رکعتوں کی تعداد بڑھائے یہ زیادہ پسندیدہ ہے اس بات سے کہ قرأت طویل کر کے قیام لمبا کیا جائے اور کم رکعت پڑھی جائے۔ لیکن النہر الفائق نامی کتاب میں اس پر تین وجوہ سے اعتراض کیا گیا ہے۔

(پہلی وجہ یہ ہے کہ طولِ قیام کا بہتر ہونا اس لئے ہے کہ اس میں قرأت لمبی ہوگی اور دیر تک قرآن پڑھنے کا موقع ملے گا،

چاہے پورا قرآن ایک ہی رکعت میں مکمل پڑھا جائے، فرض ہی ادا ہوگا، کثرتِ سجود ورکوع اس درجہ میں نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں موضوع بحث نفل ہے اور یہ مسنون ہے لیکن اس کی تمام رکعتوں میں قرأت واجب ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ قرأت رکن زائد ہے جس کا کوئی اثر فضیلت میں نہیں ہے)۔ (شامی/۲/۴۵۷)

اور معراج الدرایہ سے نقل کیا گیا ہے کہ کثرتِ رکوع وسجود کا افضل ہونا حضرت امام محمدؒ کا قول ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ قیام افضل ہے۔ بدائع الصنائع میں اسی کی تصحیح کی گئی ہے۔ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی اس نسخہ مجتبیٰ میں یہی دیکھا ہے جو میرے پاس ہے۔ اور کیا گونگے کا لمبا قیام قاری کی طرح افضل ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ جزئیہ میری نظر سے نہیں گذرا ہے۔

(لیکن علامہ شامیؒ رحمتی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ گونگا بھی حکماً قاری کی طرح ہے اور اس کو قاری کی طرح ثواب ملتا ہے، اس لئے اس کے لئے بھی طول قیام ہی افضل ہوگا، کثرتِ سجود اور کثرتِ رکوع کے مقابلہ میں)۔ (شامی/۲/۴۵۸)

وَ يُسَنُّ تحيةُ ربِّ المَسجِدِ وهي ركعتانِ، واداءُ الفرضِ او غيرُهُ، وكذا دُخولُه بنيّةِ فرضٍ أو إقتداء ينوبُ عنهَا بِلانِيَّةٍ، وتكفِيهِ لكُلّ يومٍ مرّة، ولاتسقُطُ بالجُلوسِ عِندَنا، بحر. قُلتُ: وفِي الضِّياءِ عَنِ القُوتِ: مَن لَم يتمكّنْ منهَا لِحَدَثٍ أو غيرهِ يقُولُ ندبًا كلماتِ التّسبيح الأربع أربعًا، ولَو تكلّمَ بَينَ السنّةِ والفرضِ لايُسقطُها ولٰكِن ينقُصُ ثوابُها وقِيلَ تسقُطُ، وكَذا كُلُّ عَمَلٍ يُنافِي التَّحرِيمَةَ عَلَى الأصحّ قنية. وفِي الخُلاصَةِ: لَو اشتَغَلَ بِبَيعٍ وَ شِراءٍ أو أكلَ أعادَهَا وبِلُقمةٍ أو شُربةٍ لاتبطُلُ، ولَو جِيء بِطعامٍ، إنْ خافَ ذهابَ حلاوتِهِ أو بعضَها تناوَلهُ ثمّ سنن، إلاّ إذا خافَ فوتَ الوقتِ، ولَو أخّرهَا لآخر الوقتِ لاتكونُ سنّةً، وقِيل: تكُونُ. **فُروعٌ**: الإسفارُ بسنّةِ الفجر افضلُ، وقِيل: لاَ. نذر السّننَ وأتىٰ بالمَنذُورِ فهُو السنّةُ، وقِيلَ: لاَ، أراد النّوافِلِ يَنذُرهَا ثُمّ يُصَلِّيهَا، وقِيل: لاَ، ترك السنن إن رآهَا حقًّا أثم، وإلاّ كفر، والأفضلُ فِي النَّوافِلِ غير التّراوِيح المنزل إلاّ لِخوفِ شغلَ عَنهَا. والأصحُّ أفضلِيّة مَا كانَ أخشع واخلص، وندبَ رَكعتانِ بَعدَ الوُضُوءِ يَعنِي قَبلَ الجَفافِ كَمَا فِي الشُّرنبُلالِيّةِ عَنِ المَواهِبِ.

تحیۃ المسجد کا بیان

تحیۃ المسجد کی نماز مسنون ہے اور اس کی دو رکعتیں ہیں اور مسجد میں آکر فرض یا اس کے علاوہ نماز ادا کرنے میں مشغول

ہوجانا، اسی طرح فرض نماز کی ادا کی نیت سے یا اقتداء کی نیت سے مسجد میں داخل ہونا بغیر نیت کے بھی تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔ اس کے لئے الگ سے نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور تحیۃ المسجد کی نماز درحقیقت ربّ المسجد کے لئے تحیہ ہے۔ مسجد کے لئے تحیہ نہیں ہے۔ اور دن میں صرف ایک مرتبہ تحیۃ المسجد ادا کرنا پورے دن کے لئے کافی ہوجاتا ہے، ہر مرتبہ مسجد میں دخول پر تحیۃ المسجد مسنون نہیں ہے۔ (حدیث شریف میں ہے کہ جب تم مسجد میں آؤ تو اس وقت تک نہ بیٹھو جب تک دو رکعت تحیۃ المسجد ادا نہ کرلو۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بہتر یہ ہے کہ داخل ہوتے وقت تحیۃ المسجد ادا کرے، اس کے بعد مسجد میں بیٹھے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اگر مسجد میں داخلہ کے بعد بیٹھ گیا تو اب تحیۃ المسجد ادا کرنے سے ادا نہ ہوگا، بلکہ اس سے بھی تحیۃ المسجد ادا ہوجائے گا اس لئے کہ ابن حبان میں حدیث ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حضرت ابوذرؓ سے کہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ہیں، لہٰذا اُٹھو اور اس کو ادا کرلو)۔ (شامی/۲/۴۶۰)

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ قوت القلوب سے ضیاء نامی کتاب میں نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص باوضو نہ ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے تحیۃ المسجد پڑھنے پر قادر نہ ہو تو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہونے کے بعد چاروں تسبیحات کے الفاظ چار چار مرتبہ کہہ لے اور چار تسبیحات یہ ہیں: سبحان اللہ، اللہ اکبر، الحمد للہ لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر۔

سنت وفرض کے درمیان گفتگو کرنا

فرماتے ہیں کہ سنت اور فرض کے درمیان گفتگو کرنا سنت کو ساقط نہیں کرتا ہے، لیکن اس کے ثواب میں کمی پیدا کردیتا ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ فرض اور سنت کے درمیان گفتگو کرنے سے سنتیں ساقط ہوجاتی ہیں۔ لیکن یہ قول زیادہ صحیح نہیں ہے اور نہ اس پر لوگوں کا عمل ہے۔ اسی طرح ہر وہ عمل جو تحریمہ کے منافی ہو اصح قول کے مطابق سنت کو ساقط نہیں کرتا ہے، البتہ ثواب میں کمی ضرور پیدا کردیتا ہے، یہ مسئلہ "قنیہ" میں مذکور ہے۔

سنت اور فرض کے درمیان خرید وفروخت کا معاملہ کرنا

خلاصہ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص سنت پڑھنے کے بعد خرید وفروخت میں مشغول ہوجائے یا کھانے پینے میں مشغول ہوجائے تو ایسی صورت میں سنتوں کا اعادہ کرے۔ اور ایک لقمہ یا ایک گھونٹ پینے میں لگ جانے سے سنتیں باطل نہیں ہوتی ہیں۔

مسئلہ: اگر نمازی کے سامنے کھانا لایا گیا اور اس کو یہ خوف ہے کہ دیر سے کھانے کی صورت میں اس کی لذت جاتی رہے گی، یا اس کی لذت میں کچھ کمی آجائے گی تو ایسی صورت میں پہلے کھانا کھائے، اس کے بعد سنتیں پڑھے، لیکن اگر

کھانے میں مشغول ہونے کی صورت میں یہ اندیشہ ہو کہ وقت ختم ہو جائے گا تو پھر سنتیں پہلے پڑھ لے اور کھانا بعد میں کھائے۔ اور اگر کسی نے سنتوں کو آخری وقت تک کے لئے مؤخر کر دیا تو پھر سنتیں نہ ہوں گی۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ سنتیں ہو جائیں گی۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ دوسرا قول یعنی سنت ہو جانے کا قول صحیح ہے اور قولِ اوّل کی بنیاد یہ ہے کہ عمل منافی سنت کو ساقط کر دیتا ہے)۔ (شامی/۲/۴۶۱)

(حدیث شریف میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نقل کرتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب صبح طلوع ہوتی معلوم ہوتی تو فوراً آپ بستر سے اُٹھ کر ہلکی دو رکعتیں سنت پڑھتے تھے، پھر دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے تھے، یہاں تک کہ مؤذن اقامت کے لئے آتا اور اقامت شروع کرتا تو آپ تشریف لاتے اور فرض نماز کی امامت فرماتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ) فجر کی سنت اوّل وقت میں پڑھنا افضل ہے۔ (شامی/۲/۴۶۲)

سنت پڑھنے کی نذر ماننے کا حکم

اگر کوئی شخص سنت پڑھنے کی نذر مانے اور اس کو ادا کرے تو وہ نماز سنت ہی ہوگی۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ وہ نماز سنت نہ ہوگی۔ (اور نہر الفائق میں ہے کہ نذر کی وجہ سے جو سنت ادا کی جاتی ہے وہ سنت باقی نہیں رہتی ہے، بلکہ واجب ہوتی ہے، یعنی نماز تو سنت ہی رہے گی، لیکن اس کی ادائیگی واجب ہے)۔ (شامی/۲/۴۶۳)

نوافل کی نذر ماننے کا حکم

اگر کوئی شخص نفل نماز پڑھنے کا ارادہ کرے، پھر اس کی نذر مان لے پھر ادا کرے اور ایک قول یہ ہے کہ نذر نہ مانے۔ (راجح قول یہی ہے کہ جو چیزیں واجب نہیں ہیں ان کو نذر مان کر خواہ مخواہ واجب نہ کرے کہ اس کے ذمہ دَین ہو جائے؛ بلکہ اللہ ربّ العزت نے جو آسانیاں دے رکھی ہیں ان سے فائدہ اُٹھائے)۔ (شامی/۲/۴۶۳)

سنتوں کو ترک کرنے کا حکم

اگر کوئی شخص سنتوں کو حق جانتے ہوئے اور اس بات کا عقیدہ رکھتے ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں پھر سنتوں کو چھوڑ دے، ادا نہ کرے تو گنہگار ہوگا۔ اور اگر سنتوں کا ترک استخفافاً ہے، سنتوں کو حق نہیں جانتا ہے اور پھر چھوڑتا ہے تو ایسا کرنا کفر ہے، اس لئے کہ اس میں حقارت پائی گئی ہے۔

سنتوں کو گھر میں ادا کرنا افضل ہے

تراویح کے علاوہ دوسری تمام سنتوں کو گھر میں ادا کرنا افضل ہے، البتہ اگر یہ خوف ہے کہ گھر جا کر کسی کام میں مشغول ہو جائے گا، یا بال بچوں میں لگ کر سنت ترک ہو جائے گی تو ایسی صورت میں سنت مسجد ہی میں پڑھ لینا چاہئے۔ اور اس بارے میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ جہاں زیادہ خشوع وخضوع پیدا ہو وہاں سنت پڑھنا افضل ہے۔ (اور حدیث شریف میں ہے کہ فرض نمازوں کے علاوہ بقیہ نمازوں کو مسجد میں پڑھنا افضل ہے۔ اور تراویح چونکہ جماعت سے ہوتی ہے اس لئے اس کو مسجد میں ادا کرنا افضل ہے، اسی طرح تحیۃ المسجد بھی مسجد ہی میں ادا کی جائے گی، اور صلوٰۃ خوف وکسوف بھی مسجد ہی میں بہتر ہے)۔

تحیۃ الوضو کا حکم

وضو کرنے کے بعد اعضائے وضو خشک ہونے سے پہلے تحیۃ الوضو کے نام سے دو رکعت نماز ادا کرنا مستحب ہے، جیسا کہ شرنبلالیہ نے مواہب سے نقل کیا ہے۔ اور تحیۃ الوضو میں یہ بھی مستحب ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھے۔ (شامی/۲/۴۶۴)

وَ ندبَ أربعٌ فصَاعِدًا فِي الضُّحىٰ مِن بَعدِ الطُّلوعِ إلى الزَّوَالِ، و وَقتُهَا المُختارُ بعدَ رُبعِ النّهارِ. وفِي المُنية: أقلُّها ركعتَانِ، وأكثرُهَا اِثنَا عَشَرَ. وأوسطُها ثمانٌ، وهُو أفضلُها كمَا فِي الذخائرِ الأشرفيّةِ، لثُبوتِهِ بفِعلِهِ وقولِهِ عليه الصلوٰةُ والسّلام. وأمّا أكثرُها فبقَولِهِ فقط، وهٰذا لَو صلّى الأكثرَ بِسلامٍ واحدٍ، أمّا لَو فصلَ فكلُّ ما زَادَ أفضلُ كمَا أفادَهُ ابن حجرٍ فِي شرحِ البُخارِي. ومِن المَندُوباتِ ركعتَا السّفرِ والقُدم مِنهُ، وصلاةُ اللّيلِ، وأقلُّها على مَا فِي الجَوهرةِ ثمانٌ. ولَو جعلَهُ أثلاثًا فالأوسطُ أفضلُ، ولَو أنصافًا فالأخيرُ أفضَلُ، وإحياءُ لَيلَةِ العِيدَين، والنِّصف مِن شعبَانَ، والعَشر الأخيرُ مِن رمضانَ، والأوّلُ مِن ذي الحجّةِ، ويكُونُ بكُلِّ عِبادةٍ تعمُّ اللّيلَ أو أكثرهُ. ومِنهَا ركعتَا الإستِخارةِ وأربعُ صلاةُ التّسبيحِ بثلاثِ مَائةِ تَسبيحةٍ، وفضلُها عظيمٌ، وأربعُ صلاةُ الحَاجةِ، قِيل وركعتَانِ، وفِي الحَاوِي أنّها اثنَا عشرَ بِسلامٍ واحدٍ، وبسطنَاهُ فِي الخزائنِ. وتفرض القِراءَةُ عملًا فِي ركعتَي الفرضِ مُطلقًا أمّا تعيينُ الأوليين فوَاجبٌ علىَ المَشهُورِ، وكُلّ النّفلِ لِلمُنفَرِدِ لأنّ كُلّ شَفعٍ صَلاةٌ، لكِنّهُ لايعُمُّ الرُّباعيةَ المُؤكّدةَ فتأمّلْ، وَ كُلّ الوِترِ احتياطًا.

چاشت کی نماز کا بیان

فرماتے ہیں کہ آفتاب طلوع ہو جانے کے بعد سے لے کر زوال سے پہلے تک چاشت کی چار رکعتیں یا اس سے زیادہ پڑھنا مستحب ہے۔ اور اس کا افضل وقت یہ ہے کہ چوتھائی دن کے بعد پڑھے۔ اور چاشت کی کم از کم دو رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں۔ اور اوسط درجہ میں کم از کم آٹھ رکعتیں ہیں اور آٹھ رکعتیں پڑھنا ہی افضل ہے۔ جیسا کہ ذخائر اشرفیہ میں مذکور ہے جو ابن شحنہ کی تالیف ہے۔ اور چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھنا افضل ہیں، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل دونوں سے آٹھ رکعتیں ثابت ہیں۔ اور چاشت کی بارہ رکعات کا ثبوت صرف آپ علیہ السلام کے قول سے ہے۔ اور یہ آٹھ رکعتیں اس وقت افضل ہیں جب بارہ رکعات ایک سلام سے پڑھے۔ اور اگر جدا جدا کر کے پڑھے تو اس صورت میں جس قدر بھی زیادہ پڑھے افضل ہے، جیسا کہ ابن حجر عسقلانیؒ نے بخاری کی شرح میں اس کی صراحت کی ہے۔

سفر میں روانگی اور سفر سے واپسی میں نماز پڑھنا

اور مستحب نمازوں میں سے ایک نماز سفر میں جاتے وقت دو رکعات پڑھنا ہے۔ اور سفر سے واپسی پر بھی دو رکعات پڑھنا ہے (جس کو "صلوٰۃُ السّفَر" اور "صلوٰۃُ القُدُوم" کہا جاتا ہے۔ ان دونوں نمازوں کا بھی ثبوت احادیث رسول سے ہے۔ چنانچہ مقطم بن المقدام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کسی نے اپنے اہل وعیال کے پاس اس دو رکعت سے بہتر کوئی چیز نہیں چھوڑی جو سفر میں جاتے وقت وہ پڑھتا ہے۔ اور کعب بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے عام طور پر دن میں چاشت کے وقت تشریف لاتے تھے اور مسجد تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے۔ معلوم ہوا کہ "صلوٰۃ السفر" اور "صلوٰۃ القدوم" دونوں کا ثبوت حدیث شریف سے ہے)۔ (شامی/۲/۴۶۶)

نمازِ تہجد کا بیان

صلوٰۃ اللیل یعنی تہجد کی نماز مستحب ہے۔ اور یہ نمازوں کے نوافل سے افضل ہے۔ اور تہجد کی نماز کم از کم آٹھ رکعتیں ہیں، جیسا کہ "جوہرہ" نامی کتاب میں مذکور ہے۔ اور رات کو تین حصہ کر کے درمیان والے حصہ میں اس نماز کو ادا کرنا افضل ہے۔ اور اگر رات کو دو حصوں میں تقسیم کرے تو اخیر والے حصہ میں اس نماز کو پڑھنا افضل ہے۔ (حدیث شریف میں اس نماز کی بڑی فضیلت آئی ہے، چنانچہ مسلم شریف میں روایت ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرض نمازوں کے بعد افضل نماز تہجد کی نماز ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ تہجد کی نماز سنت ہے یا مستحب؟ قولی دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ تہجد کی

نماز مستحب ہے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت ہے۔علامہ شامیؒ نے تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ تہجد کی نماز سنت ہے)۔ (شامی/۲/۴۶۸)

عیدین کی راتوں میں جاگنا

عیدین کی راتوں میں جاگنا اور اس میں عبادت کرنا مستحب ہے۔اور پندرہویں شعبان کی رات میں جاگنا اور اس میں عبادت کرنا بھی مستحب ہے۔اور رمضان المبارک کی اخیر دس راتوں اور ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتوں میں جاگنا بھی مستحب ہے۔اور ہر رات میں عبادت کے لئے ایک خاص حصہ متعین ہو، یا پوری رات عبادت کے لئے ہو، یا اکثر حصہ ہو۔
(ان راتوں میں جو بھی چاہے عبادت کرے، خواہ نوافل پڑھے، خواہ تلاوتِ قرآن، یا ذکر واذکار کرے، ہر ایک کی اجازت ہے۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے اور اس کو صبح کی نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھنے کی نیت ہو تو اس کو پوری رات جاگنے کا ثواب ملے گا)۔ (شامی/۲/۴۶۹)

استخارہ کی نماز کا بیان

مستحب نمازوں میں سے دو رکعت استخارہ کی نماز بھی ہے۔(یعنی جب کوئی اہم کام سامنے آجائے اور اس کو کرنے اور نہ کرنے میں تردد ہو تو ایسی صورت میں اس کو چاہئے کہ دو رکعت نفل نماز پڑھے اور اس میں دعائے استخارہ پڑھے، جو حدیث شریف میں منقول ہے۔اور افضل یہ ہے کہ اس دعائے استخارہ کے اول وآخر میں حمد وصلوٰۃ پڑھے۔اور کتاب الاذکار میں ہے کہ بہتر یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھے۔اور مشائخ امت نے فرمایا کہ باوضو ہونے کی حالت میں سوئے اور قبلہ کی جانب رُخ کر کے سوئے، پس خواب میں سفیدی یا سبزی دیکھے تو اس کام کو کرے، انشاء اللہ اس کے حق میں خیر ہوگا۔اور اگر خواب میں لال یا کالا دیکھے تو نہ کرے؛ بلکہ اس سے باز رہے)۔ (شامی/۲/۴۷۱)

صلوٰۃ التسبیح کی نماز

اور صلوٰۃ التسبیح کی بھی چار رکعتیں مستحب ہیں۔اس میں تین سو تسبیحات پڑھی جائیں گی، اس نماز کی بہت بڑی فضیلت ہے۔(ہر روز ایک مرتبہ، یا رات میں ایک مرتبہ پڑھنا چاہئے۔اور اگر یہ نہ ہو سکے تو ہر ہفتہ میں ایک مرتبہ پڑھنا چاہئے۔اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو مہینہ میں ایک مرتبہ پڑھنا چاہئے۔اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو سال میں ایک مرتبہ پڑھنا چاہئے۔اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو زندگی میں تو کم از کم ایک مرتبہ پڑھ ہی لینا چاہئے۔صلوٰۃ التسبیح کے متعلق جو حدیث ہے وہ کثرتِ طرق کی وجہ سے

درجۂ حسن کی روایت ہے، جو قابل استدلال ہے، جن لوگوں نے صلوٰۃ التسبیح کے متعلق حدیث کو موضوع قرار دیا ہے ان کو وہم ہوگیا ہے)۔ (شامی/۲/۴۷۱)

صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا طریقہ

حدیث شریف میں حضرت عبداللہ ابن مبارک کی روایت ہے، سورۂ فاتحہ پڑھنے سے پہلے پندرہ مرتبہ "سُبحانَ اللّٰہِ والحَمدُ لِلّٰہِ ولاالٰہَ اِلَّا اللّٰہُ واللّٰہُ اکبر پڑھے، اس کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھے، پھر سورۃ پڑھنے کے بعد یہ تسبیح دس بار پڑھے، پھر رکوع میں دس بار، پھر رکوع سے سر اُٹھانے کے بعد قومہ میں دس بار، پھر سجدہ میں دس بار، پھر سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد جلسہ میں دس بار، پھر دوسرے سجدہ میں دس بار، یہ کل پچھتر مرتبہ ہوگئے۔ ہر رکعت میں اسی طرح پڑھے، تین سو تسبیحات ہو جائیں گی۔ اور پہلی رکعت میں سورۃ التکاثر، دوسری رکعت میں سورۃ العصر، تیسری رکعت میں سورۃ الکافرون اور چوتھی رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھے۔ یہ نماز اوقات مکروہہ کے علاوہ ہر وقت جائز ہے۔ اور تسبیحات کی گنتی دل دل میں کرے، یا انگلیوں کے پوروں سے گنتی کرے۔ (اگر صلوٰۃ التسبیح پڑھتے ہوئے سہو واقع ہو جائے اور سجدۂ سہو کرے تو اس میں دس دس مرتبہ تسبیح نہیں پڑھی جائے گی)۔ (شامی/۲/۴۷۲)

نمازِ حاجت کا بیان

اور مستحب نمازوں میں سے ایک نماز صلوٰۃ الحاجہ ہے۔ اور اس کی بھی چار رکعتیں مستحب ہیں۔ اور بعض لوگوں نے فرمایا کہ صلوٰۃ الحاجہ کی دو رکعتیں ہیں۔ اور حاوی قدسی میں ہے کہ صلوٰۃ الحاجہ بارہ رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ہیں۔ اس کی تفصیل ہم نے خزائن الاسرار میں بیان کر دی ہے۔

فرض کی صرف دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے

اور فرض کی دو رکعتوں میں مطلقاً قرأت کرنا عملی اعتبار سے فرض ہے، لیکن قرأت کے لئے پہلی دو رکعتوں کو متعین کرنا واجب ہے، اس بارے میں مشہور مذہب یہی ہے۔ (اور ''عملاً'' کا مطلب یہ ہے کہ قرأت صرف عملی اعتبار سے فرض ہے، اعتقادی اعتبار سے فرض نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اس کی فرضیت کا انکار کر دے تو کافر نہ ہوگا، اس لئے کہ اس میں اختلاف ہے، البتہ گنہگار ضرور ہوگا)۔ (شامی/۲/۴۷۳)

نفل کی ہر رکعت میں قرأت کرنا فرض ہے

نفل کی ہر رکعت میں منفرد کے لئے عملی اعتبار سے قرأت کرنا فرض ہے، اس لئے کہ نفل کا ہر شفعہ مستقل نماز ہے، لیکن یہ حکم چار رکعات والی سنت مؤکدہ کو شامل نہیں ہے، لہٰذا اس پر خوب غور کرلو۔ (اور چار رکعت والی سنت کو اس لئے مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ اس کے قعدۂ اولیٰ میں درود پڑھنے کا حکم نہیں ہے اور نہ ہی تیسری رکعت میں ثناء پڑھنے کا حکم ہے)۔ (شامی/۲/۴/۴۷۴)

اور بر بنائے احتیاط وتر کی ہر رکعت میں قرأت عملی اعتبار سے فرض ہے، اگر کسی بھی رکعت میں قرأت چھوڑ دے تو نماز نہ ہوگی۔

وَ لَزِمَ نفلٌ شرَعَ فِيهِ بتكبيرةِ الإحرامِ، أو بقِيامِ الثّالثةِ شروعًا صحيحًا، قصدًا إلَّا إذَا شرَعَ متنفِّلًا، خلفَ مُفترضٍ، ثمّ قطعَهُ واقتدىٰ ناويًا ذلكَ الفرضَ بعدَ تذكره، أو تطوُّعًا آخر، أو في صلوٰة ظان، أو أمي أو إمرَأة أو مُحدِث، يَعْني وأفسدَهُ فِي الحَالِ: أمَا لَو اختار المضى ثُمّ أفسدهُ لزِمَهُ القضَاءُ، ولَو عِندَ غُروبٍ وطُلوعٍ وإستِواءٍ علَى الظّاهِرِ، فإنْ أفسدَهُ حرمَ لقَولِهٖ تعالىٰ ﴿وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾ إلّا بِعذرٍ، وَ وَجَبَ قضَاؤُهٗ ولَو فساده بغَيرِ فِعلِهٖ كمُتيمِّمٍ رأىٰ ماءً، ومُصلِّيةٌ أو صائِمةٌ حاضتْ، واعلم أنّ ما يجِبُ علَى العَبدِ بالتِزامِهٖ نوعَان: مَا يجِبُ بالقَولِ وهُو النّذرُ وسيَجيئ، ومَا يجِبُ بالفِعلِ وهُو الشُّروعُ فِي النّوافِلِ ويجمَعُها قولُهٗ ۔

مِنَ النَّوَافِلِ سَبْعٌ تَلْزَمُ الشَّارِعْ ۔۔۔ اَخْذًا لِذٰلِكَ مِمَّا قَالَهُ الشَّارِعْ
صَومٌ، صَلٰوةٌ، طَوَافٌ، حَجُّهُ رَابِعْ ۔۔۔ عُكُوْفُهُ عُمْرَةٌ إحْرَامُهُ السَّابِعْ

وَ قَضٰى ركعتَينِ لَو نوىٰ أربعًا غير مُؤكّدةٍ علىٰ إختِيارِ الحَلبِي وغيره، وَ نقضَ فِي خِلالِ الشّفعِ الأوّلِ أو الثّاني أي وتشهد لِلأوّلِ، وإلّا يفسدُ الكُلُّ اتّفاقًا، والأصلُ انّ كُلّ شفعٍ صلاةٌ إلّا بِعارض إقتداء أو نَذر أو ترك قُعود أوّلٍ كَمَا يَقضِي ركعتَينِ لَو تركَ القِراءةَ فِي شفعَيهِ أو تركَهَا في الأوّلِ فقط أو الثّاني أو إحدىٰ ركعتَي الثّاني أو إحدىٰ ركعتَي الأوّلِ أو الأوّل او إحدىٰ الثّاني لا غير، لأنّ الأوّلَ لَمّا بطلَ لَم يَصح بناءُ الثّاني علَيهِ، فهٰذه تِسعُ صور للزُومِ ركعتين، وَ قَضى أربعًا فِي سِتّ صُورٍ لَو تركَ القِراءةَ فِي إحدىٰ كُل شفعٍ أو

فِي الثَّانِي و إحدَىٰ الأوّلِ وبِصورةِ القِراءةِ فِي الكُلِّ تبلُغ سِتةَ عشرَ، لكِن بقِي مَا إذَا لَم يقعُدْ، أو قعدَ ولَمْ يقُم لِثالثةٍ، أو قامَ ولَم يقيِّدهَا بِسجدةٍ أو قيّدهَا، فتنبّه، وميز المُتداخل وحكم مُؤ تم ولَو فِي تشهّدٍ كإمامٍ.

نفل شروع کرنے کے بعد لازم ہو جاتی ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے نفل کی نماز تکبیر تحریمہ کے ساتھ باقاعدہ صحیح طرح سے شروع کی، یا نفل دو رکعت مکمل کر کے تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا، تو اب اس نفل نماز کی تکمیل لازم ہو جاتی ہے، بشرطیکہ اس نفل نماز کا شروع کرنا قصداً اور صحیح طور پر ہو، لیکن اگر کسی شخص نے متنفل بن کر مفترض کے پیچھے نماز شروع کی پھر اس کو توڑ دیا اور اس فرض کی نیت کر کے اقتداء کر لی جب اس کو یاد آیا کہ فرض ابھی اس کے ذمہ باقی ہے، یا دوسری نفل کی نیت سے اقتدا کی تو ان دونوں صورتوں میں نفل قضاء اس کے ذمہ لازم نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے متنفل بن کر اس شخص کی اقتدء کی جو اس گمان میں نماز ادا کر رہا تھا کہ اس کے ذمہ فرض ہے حالانکہ اس کے ذمہ کوئی فرض نہیں تھا، تو اس پر کوئی قضا لازم نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے نفل کی نیت سے کسی اَن پڑھ شخص کی اقتدا کی، یا عورت کی اقتداء کی، یا کسی بے وضو شخص کی اقتداء کی، پھر امام کا حال معلوم ہونے کے بعد فوراً توڑ دیا تو اس پر نفل کی قضا لازم نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی نماز کی ابتداء ہی صحیح نہیں ہوئی ہے۔ اور اگر مقتدی امام کے ساتھ کچھ دیر تک ٹھہرا رہا جب کہ مقتدی کو امام کا حال معلوم تھا پھر کچھ دیر کے بعد اس نے نماز فاسد کی تو اس صورت میں نفل کی قضاء لازم ہے۔

اوقاتِ مکروہہ میں نفل نماز شروع کرنے سے بھی لازم ہو جاتی ہے

اور نفل نماز کی قضاء اس وقت بھی شروع کرنے سے لازم ہو جاتی ہے جب آفتاب غروب ہو رہا ہو، یا طلوع ہو رہا ہو، یا استواء کا وقت ہو، (یعنی اگر کوئی شخص ان اوقات ثلاثہ میں نماز نفل شروع کر کے فاسد کر دیگا تو اس نفل کی قضاء لازم ہوگی) اور نفل شروع کرنے کے بعد بلا عذر فاسد کرنا حرام ہے۔ اور اس کے حرام ہونے کی دلیل قرآن مجید کی آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿لَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ﴾ اے لوگو! اپنے اعمال کو برباد مت کرو۔ البتہ عذر کے وقت فاسد کرنا افضل ہے۔ (جیسے اوقاتِ مکروہہ میں نفل شروع کرنے سے نفل نماز تو شروع ہوگئی، لیکن اس کو اس وقت فاسد کرنا لازم ہے) اور بعد میں اس کی قضا واجب ہے، اگر چہ نفل نماز کا فساد نماز کے فعل سے نہ ہو۔ مثال کے طور پر تیمم سے نماز پڑھنے والا جب پانی کو دیکھ لے اور اس کے استعمال پر قادر ہو جائے، یا نماز پڑھنے والی عورت، یا روزہ رکھنے والی عورت کو حیض آجائے، ان صورتوں میں

نمازی کا کوئی دخل نہیں ہے؛ بلکہ خود بخود نماز ہو جائے گی اور قضاء لازم ہوگی۔اسی طرح اگر عذر کی وجہ سے فاسد کرے گا تب بھی قضاء واجب ہوگی۔

نوافل کا لزوم

حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ بندے پر لازم کرنے سے جو چیز لازم ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ ہے جو بندے کے قول کی وجہ سے اس پر لازم ہوتی ہے۔اس کو اصطلاح میں ''نذر'' کہتے ہیں۔ اور اس کا تفصیلی حکم بعد میں آئے گا۔دوسرا وہ ہے جو بندہ پر بندہ کے فعل کی وجہ سے لازم ہوتا ہے اور وہ نوافل کو شروع کرنا ہے، ان نوافل کو ایک شاعر نے اپنے اشعار میں بیان کیا ہے، جو شروع کرنے سے لازم ہوتے ہیں۔

نوافل میں سے سات نوافل ایسی ہیں کہ شروع کرنے والوں پر لازم ہو جاتی ہیں۔اور یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ہی سے لئے گئے ہیں۔اور سات نوافل یہ ہیں:

(۱) نفل نماز۔ (۲) نفل روزہ۔ (۳) نفل طواف۔ (۴) نفل حج۔
(۵) معتکف کا اعتکاف کرنا۔ (۶) نفل عمرہ۔ (۷) نفل احرام۔

مذکورہ ساتوں نوافل شروع کرنے کے بعد لازم ہو جاتی ہیں اور فاسد کرنے کی صورت میں قضاء واجب ہو جاتی ہے۔ طواف شروع کرنے کے بعد سات چکر مکمل کرنا ضروری ہے۔اگر درمیان میں چھوڑ دیا تو پھر بعد میں اسکی قضاء لازم ہے، اسی طرح اعتکاف شروع کرنے کے بعد لازم ہو جاتا ہے اور فاسد کرنے کی صورت میں قضاء لازم ہوتی ہے۔

نوافل کی قضاء کا حکم

صاحب تنویر الابصار فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے سنتِ مؤکدہ میں سے چار رکعت کی نیت کی اور اس نے شفعِ اوّل، یا شفعِ دوم کے درمیان ہی نماز فاسد کر دی تو شیخ حلبی وغیرہ فرماتے ہیں کہ وہ دو رکعت کی قضاء کرے گا۔اور شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شفعِ ثانی میں نیت توڑنے کی شرط یہ ہے کہ نمازی شفعِ اوّل میں التحیات پڑھ چکا ہو اور شفعِ اوّل میں التحیات نہ پڑھا ہو، یا التحیات کی مقدار نہ بیٹھا ہو اور شفعِ ثانی میں اس نے نیت توڑ دی تو اس صورت میں اس کو چاروں رکعت کی قضاء لازم ہوگی، اس لئے کہ دونوں ہی شفعے باطل ہو گئے۔اور اس بارے میں اصول یہ ہے کہ نفل کا ہر شفع مستقل نماز ہے، لیکن اقتداء یا نذر یا قعدۂ اولیٰ کے چھوڑ دینے کی وجہ سے دونوں شفعوں کا حکم ایک ہو جاتا ہے، مثلاً کوئی شخص نفل کی نیت سے ظہر کی جماعت میں شریک ہوا، پھر اس نے نیت توڑ دی تو اب اس کو چار رکعت قضاء کرنی ہوگی۔(سنتِ مؤکدہ جو چار رکعت ہیں اگر اس کے

شفعِ اوّل یا شفعِ ثانی میں نیت توڑدی تو بہرصورت چار ہی رکعت کی قضاء کرنی پڑے گی، اس لئے کہ سنتِ مؤکدہ ایک سلام سے شروع ہوجاتا ہے اوراس کے دونوں شفعوں کا حکم ایک نماز کا ہوتا ہے، البتہ اگر قعدۂ اخیرہ میں مقدارِ تشہد بیٹھنے کے بعد نیت توڑے گا تو اس صورت میں قضاء لازم نہ ہوگی)۔

نفل نماز میں قرأت کا ترک کرنا اوراس کے احکام

اگر کوئی شخص نفل نماز کے دوشفعوں میں قرأت ترک کردے یا صرف شفعِ اوّل کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت ترک کردے، یا صرف شفعِ ثانی کے دوسری دو رکعت میں قرأت ترک کردے، یا شفعِ ثانی کی صرف ایک رکعت میں قرأت ترک کردے، یا شفعِ وّل کی صرف ایک رکعت میں قرأت ترک کردے، یا شفعِ اوّل، اور شفعِ ثانی ہرایک کی ایک رکعت میں قرأت ترک کردے تو ان تمام صورتوں میں صرف ایک رکعت کی قضاء لازم ہوگی۔ ان صورتوں کے علاوہ میں نہیں۔ اور مذکورہ صورتوں میں صرف دورکعت کی قضاء لازم اس لئے ہے کہ جب شفعِ اوّل باطل ہوگیا تو اس پر شفعِ ثانی کی بنیاد رکھنا درست نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کل نوصورتیں ہیں جن میں دورکعت کی قضاء لازم ہے۔

چھ صورتیں ایسی ہیں جن میں چار رکعت کی قضاء کرے گا

فرماتے ہیں کہ چھ صورتیں ایسی ہیں جن میں چار رکعت قضاء لازم ہوگی۔ اور وہ چھ صورتیں یہ ہیں: ہر شفع کی ایک ایک رکعت میں قرأت چھوڑ دے، یا شفعِ ثانی میں قرأت ترک کردے، یا شفعِ اوّل کی پہلی رکعت میں قرأت چھوڑ دے، اور ہر رکعت میں قرأت کی مختلف صورتیں ملانے سے کل سولہ صورتیں بنتی ہیں۔ (پہلی چھ صورتوں میں کل نوصورتیں بنتی ہیں اور اخیر کی دوصورتوں میں کل چھ صورتیں بنتی ہیں، اس طرح کل پندرہ صورتیں ہوتی ہیں۔ اور چاروں رکعت میں قرأت کی مختلف صورتوں کو ملالی جائیں تو کل سولہ صورتیں بنتی ہیں جو ذیل کے نقشہ سے ظاہر ہے، جن رکعتوں میں قرأت کی اس میں ''ق'' لکھا گیا ہے۔ اور جن رکعتوں میں قرأت نہیں کی ان میں ''خ'' لکھا گیا ہے:

نقشہ قضاءِ نوافل کے متعلق

۱	رکعت اوّل	رکعت دوم	رکعت سوم	رکعت چہارم	(۱)
۲	خ	خ	خ	خ	(۱)
۳	خ	خ	ق	ق	(۱)

۴	ق	ق	خ	خ	(۱)
۵	ق	ق	ق	خ	(۱)
۶	ق	ق	خ	ق	(۱)
۷	ق	خ	ق	ق	(۱)
۸	خ	ق	ق	خ	(۱)
۹	خ	خ	خ	ق	(۱)
۱۰	ق	خ	ق	خ	(۲)
۱۱	خ	ق	خ	ق	(۲)
۱۲	ق	خ	خ	ق	(۲)
۱۳	خ	ق	ق	خ	(۲)
۱۴	ق	خ	خ	خ	(۲)
۱۵	ق	ق	ق	ق	(۲)

(۱) ان صورتوں میں صرف دو رکعت کی قضاء لازم ہے۔
(۲) ان صورتوں میں نفل شروع کر کے فاسد کرنے کے بعد چار رکعت کی قضاء لازم ہوگی۔

نفل میں قعدہ کا ترک کرنا

لیکن یہاں وہ صورت باقی رہی جس میں نمازی نے قعدہ نہ کیا ہو۔ (جس کی صورت علامہ شامیؒ یہ بیان کرتے ہیں کہ پہلی دونوں رکعتوں میں قرأت کی اور قعدۂ اولیٰ میں نہیں بیٹھا اور اس نے اخیر کی دونوں رکعتیں فاسد کردیں، اس کا حکم یہ ہے کہ چاروں رکعت کی قضاء کرے گا، جیسا کہ اس مسئلہ کو صاحب النہر الفائق نے ذکر کیا ہے)۔ (شامی/۲/۴۸۱)

یا دوسری رکعت کے بعد قعدہ تو کیا لیکن تیسری رکعت کے لئے نہیں اُٹھا (اس کی صورت یہ ہے کہ قرأت کو دونوں رکعتوں میں چھوڑ دیا اور تیسری رکعت کے لئے نہیں اُٹھا تو اس صورت میں صرف دو رکعتوں کی قضاء کرے گا، یا تیسری رکعت کے لئے کھڑا تو ہوا لیکن اس کے لئے ابھی سجدہ نہیں کیا، یا تیسری رکعت کو سجدہ سے مقید کر دیا تو ان دونوں صورتوں

میں حکم یہ ہے کہ طرفین کے نزدیک صرف دو رکعتوں کی قضاء کرے گا۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چار رکعت کی قضاء کرے گا)۔ (شامی/۲/۴۸۳)

اس میں خوب غور کرلے۔ اور داخل ہونے والی شکلوں کی تمیز کرے، یعنی وہ صورتیں جو بظاہر مختلف ہیں مگر ان کا حکم ایک ہے، ان میں غور وفکر کرکے قضاء کرے۔ اور اس مسئلہ میں مقتدی کا حکم امام کی طرح ہے، گو مقتدی امام کے ساتھ تشہد میں آکر شریک ہوا ہو، یعنی جن صورتوں میں امام پر چار رکعتوں کی قضاء لازم آئے گی، مقتدیوں پر بھی چار ہی رکعتوں کی قضاء لازم ہوگی۔

وَلاَ قَضاءَ لَو نَوىٰ أربعًا وقعدَ قدرَ التشهُّدِ ثُمَّ نقضَ لأن لَم يَشرَعٍ فِى الثَّانِي أو شرَعَ فِى فرضٍ ظَانًا أنَّهُ عليهِ فذكرَ اداءه القلبَ نفلاً غير مضمُونٍ لأنَّهُ شرعَ مُسقطًا لاَ مُلتزمًا أو صلّى أربعًا فأكثرَ لَم يقعُدْ بينَهُما استحسَانًا، لأنَّهُ بقِيامِهِ جعلَها صلاةً واحدةً فتبقَى واجبةً، والخاتمةُ هِي الفرِيضةُ. وفِى التّشرِيح: صلّى ألفَ ركعةٍ ولَم يقعُدْ إلاّ فى آخرِهَا صحَّ، خِلافًا لِمحمّدٍ، ويسجُدُ لِلسَّهوِ، ولايثنى ولَايتعوّذ، فليحفظْ. ويتنفَّلُ معَ قُدرتِهِ علىَ القِيامِ قاعدًا لاَ مُضطجعًا إلَّا بِعُذرٍ إبتداءً وَ كَذَا بِناءً بعدَ الشُّروعِ بِلاكَراهةٍ فِى الأصحّ كَعكسِهِ، بحر. وفِيه أجرُ غَيرِ النّبيِّ صَلَّى اللّهُ عليه وسلَّم علىَ النِّصفِ إلاَّ بِعُذرٍ، ولايُصلِّي بعدَ صلاةٍ مَفرُوضةٍ مثلَها فِي القِراءةِ أو فِى الجَماعَةِ، اولا تُعادُ عِندَ توهُّمِ الفَسادِ للنّهيِ. وما نقلَ أن الإمامَ قضى صلاةَ عُمرِهِ، فإن صحَّ نقُولُ: كانَ يُصلِّي المَغربَ والوِترَ أربعًا بثلاثِ قعدَاتٍ، ويقعُدُ فِي كُلِّ نفلِهِ كمَا فِي التشهُّدِ علَى المُختارِ وَيتنفَّلُ المُقِيمُ راكِبًا خارجَ المِصرِ محل القَصرِ مُؤمِئًا فلَو سجد اعتبر إيماء لأنّها إنّما شُرِعتْ بالإيماءِ، إلىٰ أيِّ جِهةٍ توجَّهتْ دابتُهُ ولَو إبتِداءً عِندَنا، أو علىٰ سرجِهِ نجسٌ كثيرٌ عند الأكثرِ، ولَو سيّرهَا بعملٍ قَليلٍ لاباسَ بِهِ، ولَو افتتحَ النفلَ راكِبًا ثُمَّ نزلَ بنىٰ، وفِى عكسِهِ لاَ لأنَّ الأوّلَ ادى أكملَ مما واجب، والثّاني بعكسِهِ، ولَو افتتحَهَا خارجَ المِصرِ ثُمَّ دخلَ المِصرَ أتمَّ علىٰ الدابة بإيماءٍ وقِيلَ لاَ بَل ينزِلُ، وعليهِ الأكثرُ، قالَه الحَلبِي. وقِيلَ: يتمُّ راكِبًا مَا لَم يبلُغْ مِنزِلَهُ، قهستانِي. ويَبنِي قائمًا إلَى القِبلَةِ أو قاعِدًا، ولَو ركِبَ تفسُدُ لأنَّهُ عملٌ كثيرٌ، بخِلافِ النُّزولِ، ولَو صَلّى علىٰ دابةٍ فِى شقِّ محمَلٍ وهُو يقدِرُ علَى

النُّزولِ بِنفسِهِ لاتجُوزُ الصَّلاةُ عليهَا إذَا كانَتْ واقِفةً، إلَّا أن تكُونَ عِيدانُ المحملِ علَى الأرضِ بانْ ركزَ تحتهُ خشبةً، وأمَّا الصَّلاةُ علَى العَجلَةِ إنْ كانَ طرفُ العَجلةِ علَى الدَّابةِ وهِيَ تَسيرُ أو لاَ تَسِيرُ فهِيَ صلاةٌ علَى الدَّابةِ، فتجُوزُ فِي حالةِ العُذرِ المَذكُورِ فِي التَّيمُّمِ لاَ فِي غيرِها ومِن العُذرِ المَطرُ، وطِينٌ يغِيبُ فيهِ الوَجهُ وذهاب الرُّفقاءِ، ودابة لاتركِبُ إلَّا بعناء أو بِمُعَينٍ ولَو محرمًا، لأنَّ قُدرةَ الغَيرِ لاتُعتبرُ حتَّى لَو كانَ مَعَ أمهِ مثلاً فِي شقي محملٍ، وإذَا نزلَ لَمْ تقدر تركب وحدَها جازَ لَهُ أيضًا، كمَا أفادهُ فِي البحرِ، فليحفَظْ. وإنْ لَم يكُنْ طرفُ العَجلةِ علَى الدَّابةِ جازَ لَو واقِفةً لِتعليلِهِم بأنَّهَا كَالسَّرِير هٰذا كُلُّهُ فِي الفَرضِ والوَاجِبُ بانواعِهِ وسُنَّةُ الفَجرِ بشَرطِ إيقافِهـا للقِبلةِ إن أمكنَـهُ، وإلَّا فَبقدرِ الإمكَانِ لِئلَّا يختَلِفَ بسَيرِها المَكان.

نمازوں کی قضاء کب واجب نہیں ہے؟

صاحب درمختار علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ نفل نماز کی قضاء اس شخص پر لازم نہیں ہے جس نے چار رکعت کی نیت کی، اور پہلی دو رکعت پر تشہد کی مقدار بیٹھا، اس کے بعد نیت توڑ دی۔ اور اس صورت میں قضاء لازم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے دوسری دو رکعت شروع ہی نہیں کی تھی اور پہلی دو رکعت پوری ہو چکی تھی۔

اور اس شخص پر بھی نفل کی قضاء لازم نہیں ہے جس نے فرض نماز اس نیت سے شروع کی تھی کہ اس کے ذمہ فرض باقی ہے پھر اس کو بعد میں خیال آیا کہ وہ فرض ادا کر چکا ہے، تو اب اس کی فرض نماز نفل میں بدل جائے گی۔ اور اگر اس نے یہ نماز فاسد کر دی تو اب اس پر اس کی قضاء لازم نہ ہوگی، اس لئے کہ نیت کرتے وقت اپنے ذمہ سے فرض ساقط کرنا مقصود تھا، کوئی الگ نماز اپنے ذمہ لازم کرنا مقصود نہیں تھا۔ (لیکن اگر یہ یاد آ جانے کے بعد کہ وہ فرض ادا کر چکا ہے کچھ دیر نماز ہی میں رہا پھر اس کے بعد نماز فاسد کی تو اس صورت میں قضاء لازم ہوگی جیسا کہ اس سے قبل یہ مسئلہ آ چکا ہے اور اس کے متعلق گفتگو ہو چکی ہے)۔ (شامی/۲/۴۸۲)

اسی طرح اس شخص پر بھی بطور استحسان قضاء لازم نہیں ہے جس نے چار یا اس سے زیادہ رکعتیں پڑھیں لیکن درمیان میں نہیں بیٹھا، اس لئے کی نمازی نے قعدہ کو ترک کر کے تمام نماز کو ایک نماز کے حکم میں کر دیا ہے لہٰذا قعدۂ اولیٰ اس کے ذمہ واجب باقی رہ گیا۔ اور قعدۂ اخیرہ میں ٹھہرا۔ (اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نفل کی ہر دو رکعت مستقل نماز ہے اور اس کا قعدہ فرض ہوتا

ہےاور ترکِ فرض سے نماز نہیں ہوتی ہے، لہٰذا اصول کے اعتبار سے شفعِ اوّل کی پہلی دو رکعت فاسد ہو جانی چاہیے تھی، مگر وہ دو رکعت کے بعد بیٹھا نہیں؛ بلکہ کھڑا ہوا، لہٰذا اس نے اس طرح کر کے تمام نماز کو ایک نماز کر دیا اور درمیانی قعدہ فرض کے اصول کے اعتبار سے واجب ہوا۔ اور اخیر کا قعدہ فرض۔ اور فرض اس نے ادا کیا ہے ترک نہیں کیا ہے، اس لئے نماز ہو جائے گی۔

ایک ہزار رکعت ایک سلام سے ادا کرنے کا حکم

"تشریح" نامی کتاب میں ہے کہ اگر کسی نے ایک ہزار رکعت پڑھی اور درمیان میں بھی نہیں بیٹھا؛ بلکہ اخیر رکعت میں بیٹھا تو اس کی یہ نماز درست ہو جائے گی۔ اور درمیانی قعدہ جو واجب تھا اس کے چھوڑنے کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ اور کسی بھی دو رکعت کے شروع میں نہ ثناء پڑھے گا اور نہ تعوذ کرے گا۔ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درمیانی قعدہ چھوڑنے کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی، اس لئے شفعِ اوّل کے قعدہ چھوڑنے کی وجہ سے شفعِ ثانی کی بناء اس پر درست نہ ہوئی۔

نفل نماز بیٹھ کر ادا کرنے کا حکم

قیام پر قدرت کے باوجود نفل نماز بیٹھ کرنا جائز ہے؛ البتہ لیٹ کر ادا کرنا درست نہیں ہے۔ ہاں اگر شرعی عذر ہو اور بیٹھنے پر قدرت بالکل حاصل نہ ہو تو ایسی صورت میں لیٹ کر نماز ادا کر سکتا ہے۔ اور یہ نفل نماز بیٹھ کر ادا کرنے کی اجازت ابتداءً بھی ہے، یعنی یہ جائز ہے کہ بیٹھ کر ہی نفل شروع کرے اور یہ بھی جائز ہے کہ کھڑے ہو کر شروع کرے۔ اور درمیان نماز میں بیٹھ جائے اور بیٹھ کر ادا کرے۔ اسی طرح کسی نے بیٹھ کر نفل شروع کی، پھر درمیان نماز میں کھڑا ہو گیا تو بھی اصح قول کے مطابق جائز ہے اور اس میں کسی طرح کی کوئی کراہت بھی نہیں ہے۔ اور آدمی بلا عذر نفل نماز بیٹھ کر ادا کرتا ہے تو اس کا ثواب آدھا کم ہو جاتا ہے، البتہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھ کر نفل پڑھنے کا ثواب بھی پورا ملتا ہے۔ آپؐ کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی ہے، بندہ۔ کے ثواب میں کمی ہوتی ہے، البتہ اگر کوئی شرعی عذر ہو اور اس کی وجہ سے نفل بیٹھ کر ادا کرتا ہو تو پھر پورا ثواب ملے گا، ثواب میں کمی نہیں ہوگی۔ (بخاری شریف میں ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھڑے ہو کر نفل نماز ادا کرنا افضل ہے اور جس نے نفل بیٹھ کر ادا کیا اس کو بیٹھنے والے کے مقابلہ میں آدھا ثواب ملے گا۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ بیٹھ کر یا لیٹ کر نفل نماز ادا کرنے کی اجازت تو ہے لیکن ثواب میں کمی ہو جاتی ہے)۔ (شامی/۲/۴۸۵)

فرض نماز کے بعد کی نمازیں اسی کے مثل ادا کرنا

صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ فرض نماز کے بعد کوئی شخص ایسی نماز نہ پڑھے جو قرأت یا جماعت میں فرض کے برابر ہو۔

(مثال کے طور پر ظہر کی نماز کے بعد چار سنتیں اس طرح نہ پڑھے کہ پہلی دو رکعت میں قرأت کرے اور اخیر کی دو رکعت میں فرض کی طرح قرأت نہ کرے، اس طرح ادا کرنا مکروہ ہے)۔ اور جب صرف نماز کے فاسد ہونے کا وہم ہو تو اس صورت میں نماز نہیں دہرائی جائے گی، اس لئے کہ حدیث شریف میں اس سے روکا گیا ہے۔

اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے متعلق جو یہ منقول ہے کہ آپ نے اپنی عمر بھر کی نماز کی قضاء فرمائی ہے، یعنی دوبارہ ادا کی ہے؟ تو اولاً یہ واقعہ ہی حضرت امام ابوحنیفہؒ کی جانب منسوب کرنا درست نہیں ہے۔ اور نہ امام صاحب سے اس طرح کرنا ثابت ہے۔ اور اگر بفرضِ محال مان بھی لیا جائے کہ یہ واقعہ حضرت امام کا درست ہے تو ہم جواب دیں گے کہ آپ مغرب اور وتر نماز کی قضاء میں چار رکعات پڑھتے ہوں گے اور تین قعدہ کرتے ہوں گے، یعنی دوسری رکعت کے بعد قعدۂ اولی کرتے ہوں گے اور تیسری رکعت کے بعد بھی اور چوتھی رکعت کے بعد بھی کہ اگر پہلی مغرب صحیح نہیں ہوئی تو یہ اس کے قائم مقام ہو جائے گی۔ اور اگر صحیح تھی تو یہ نفل ہو جائے گی۔ اور چونکہ نفل کی تین رکعتیں نہیں ہوتی ہیں اس لئے چار رکعتیں ادا کرتے تھے۔ اور ایک رکعت کی زیادتی سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔ (احقر اس جواب سے ہرگز مطمئن نہیں ہے بلکہ پہلا جواب ہی درست ہے)۔

نفل نماز بیٹھ کر ادا کرنے کا طریقہ

مختار قول کے مطابق نفل نماز اس طرح بیٹھ کر ادا کرے جس طرح تشہد میں بیٹھنا مختار ہے۔ (حضرت امام زفرؒ کا یہی قول ہے۔ اور امام صاحب سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ اور فقیہ ابواللیث نے کہا کہ فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ بیٹھنے میں اس کو اختیار ہے، چاہے تو چہار زانو بیٹھے اور اگر چاہے احتباء کی شکل میں بیٹھے۔ اور احتباء کی شکل یہ ہوتی ہے کہ سرین کے بل بیٹھ کر دونوں گھٹنے کھڑے کرے ان کے گرد حصار لینے کے لئے دونوں ہاتھ باندھ لینا)۔ (شامی/۲/۴۸۶)

نفل نماز سواری پر اشارہ سے ادا کرنا

اور مقیم شخص نفل نماز شہر کے باہر جہاں مسافر کے لئے قصر کرنا جائز ہوتا ہے، وہاں سواری پر اشارہ سے ادا کرنا جائز ہے اگر وہ سواری پر سجدہ بھی کرے گا تو اشارہ ہی سمجھا جائے گا، اس لئے کہ سواری پر نماز اشارہ ہی کے ساتھ مشروع کی گئی ہے۔ اور سواری پر نفل ادا کرنے کی صورت میں سواری جس طرف رُخ کرے اسی طرف نمازی بھی رُخ کر کے نماز ادا کرے، اگرچہ نفل شروع کرتے وقت ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ ہمارے نزدیک ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ سواری پر نماز پڑھنے میں قبلہ کی طرف

رُخ کرنا شرط نہیں ہے، نہ نیت باندھتے وقت ضروری ہے اور نہ درمیان نماز میں ضروری ہے، البتہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نیت باندھتے وقت قبلہ کی طرف رُخ ہونا شرط ہے پھر اس کے بعد کسی بھی طرف منہ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے)۔

اور اگر اس سواری کے زین پر زیادہ نجاست ہو تو بھی اکثر علماء کے نزدیک نماز درست ہو جائے گی۔ اور اس پر نماز درست ہوگی۔ (جب مقیم شخص سواری پر نفل پڑھ سکتا ہے تو مسافر شخص بدرجۂ اولیٰ پڑھ سکتا ہے، یہی مذہب اصح اور ظاہر الروایہ ہے)۔

سواری پر نفل ادا کرتے وقت عمل قلیل کرنے کا حکم

اگر سواری پر نفل ادا کرتے وقت عمل قلیل کے ذریعہ سواری کو ہانکا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یعنی اس کی وجہ سے نفل نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر نفل نماز سواری پر شروع کی، پھر سواری سے اُتر گیا تو اس صورت میں اسی نماز کی بناء کر سکتا ہے جو سواری پر شروع کی تھی۔ اور اگر کسی نے زمین پر نماز شروع کی اور کچھ رکعت ادا کرنے کے بعد سواری پر چڑھا تو اس صورت میں اس نماز پر بناء نہیں کر سکتا ہے بلکہ اس کو از سرِ نو نماز پڑھنی ہوگی، اس لئے کہ اس نے اوّل نماز کامل طور پر شروع کی تھی اور سواری پر چڑھنے کی وجہ سے اشارہ سے ادا ہوگی جو شروع کے برعکس ہے۔ (پہلی صورت میں جب سواری پر نماز شروع کی تھی تو اس کے ذمہ رکوع وسجدہ اشارہ سے کرنا تھا اور جب اُترا تو سجدہ واجب ہو گیا اس لئے درست ہے)۔

نفل نماز سواری پر شہر کے باہر شروع کی پھر شہر میں داخل ہو گیا تو کیا حکم ہے؟

اگر کسی نے نفل نماز شہر کے باہر سواری پر شروع کی تھی، پھر وہ شہر کے اندر داخل ہو گیا تو وہ اس صورت میں نماز نفل کو سواری ہی پر اشارہ سے پورا کر سکتا ہے۔ اور اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ شہر میں داخل ہونے کے بعد وہ سواری پر نماز کو پورا نہیں کر سکتا ہے، بلکہ اُتر کر زمین پر پورا کرے گا، اکثر فقہائے کرام کا یہی قول ہے اور اسی کو حلبی نے بیان کیا ہے۔ اور اس بارے میں ایک ضعیف قول یہ ہے کہ وہ سواری ہی پر نماز کو پورا کرے گا، جب تک اپنی منزلِ مقصود تک نہ پہنچ جائے، البتہ منزل میں اُتر کر پورا کرے گا، جیسا کہ قہستانی میں مذکور ہے۔

نفل نماز جب سواری سے اُتر کر زمین پر پورا کرے گا تو اس صورت میں اب قبلہ کی جانب رُخ کر کے پورا کرے گا، خواہ زمین پر نماز کھڑے ہو کر ادا کر رہا ہو، خواہ بیٹھ کر دونوں صورتوں میں قبلہ کی جانب رُخ کرنا لازم ہے۔ ایک شخص نے زمین پر نفل نماز شروع کی پھر درمیان نماز میں سواری پر چڑھ گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ عمل کثیر ہے اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، البتہ اوپر سے نیچے اُترنے میں عمل کثیر نہیں پایا جاتا ہے، لہٰذا اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

اگر کوئی شخص جانور پراسکے محمل میں ایک طرف نماز ادا کرے، حالانکہ وہ اس سے اُترنے پر بذاتِ خود قادر تھا تو اس صورت میں اس کی نماز جانور پر درست نہ ہوگی، جب کہ جانور کھڑا ہوا ہو، البتہ اگر محمل کے پائے زمین سے مل رہے ہوں، بایں طور کہ محمل کے نیچے لکڑی گاڑ دی گئی ہو جس سے محمل زمین سے ٹکا ہو تو اس صورت میں نماز ہو جائے گی۔ (فرض اور واجب نماز بغیر عذرِ شرعی کے سواری پر ادا کرنا درست نہیں ہے، البتہ عذر کی وجہ سے فرض، واجب نماز بھی سواری پر جائز ہے)۔

بیل گاڑی پر نماز ادا کرنے کا شرعی حکم

صاحبِ کتاب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بیل گاڑی پر نماز ادا کرے تو اگر وہ گاڑی بیل کے کندھے پر ہو تو وہ نماز گاڑی ہی پر پڑھنا سمجھا جائے گا، خواہ گاڑی چلتی ہو، خواہ گاڑی نہ چلتی ہو۔ اس طرح نماز ادا کرنا اُن عذروں کی وجہ سے جائز ہے جن کا تذکرہ تیمم کے باب میں بالتفصیل ہو چکا ہے۔ ان اعذار کے علاوہ میں نماز درست نہ ہوگی۔ (جن اعذار کا ذکر باب التیمم میں کیا گیا ہے وہ یہ ہیں: مال کا خوف ہو، جان کا خطرہ ہو، یا عورت کو کسی فاسق اور بدکار شخص کا خوف ہو) اور جن اعذار کی وجہ سے گاڑی پر نماز جائز ہوتی ہے، بارش ہونا ہے اور زمین کا اس طرح کیچڑ والی ہونا کہ اس میں چہرہ دھنس جائے۔ اور ساتھیوں کا چلا جانا ہے۔ اسی طرح جانور کا ایسا ہونا کہ بغیر مشقت کے اُتر کر سوار نہ ہو سکے، یا معین و مددگار کے بغیر سوار نہ ہو سکے، اگر چہ وہ معین محرم ہو، اس لئے کہ غیر کی قدرت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص کے پاس سواری نہیں ہے اور زمین ساری اس قدر گارا بنی ہوئی ہے کہ اس پر سجدہ نہیں کیا جا سکتا ہے تو اس صورت میں وہ کھڑا ہو کر اشارہ سے نماز ادا کر سکتا ہے۔ (شامی/۲/۴۸۹)

اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ محمل کے ایک طرف سوار ہوا اور ماں دوسری طرف سوار ہوئی اور صورتِ حال یہ ہے کہ اگر یہ شخص نماز ادا کرنے کے لئے اُترتا ہے تو اس کی ماں اکیلی سوار نہیں رہ سکتی ہے؛ بلکہ وہ الٹ کر گر سکتی ہے تو ایسی صورت میں اس مرد کے لئے محمل میں نماز ادا کرنا جائز ہے، جیسا کہ اس مسئلہ کو صاحب البحر الرائق نے البحر الرائق میں بیان کیا ہے، لہٰذا اس کو خوب اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔

اگر گاڑی کا کنارہ بیل پر نہ ہو؛ بلکہ زمین پر ٹھہری ہوئی ہو، چلتی نہ ہو تو اس صورت میں گاڑی پر فرض و واجب نماز ادا کرنا جائز ہے، اس لئے کہ یہ گاڑی درحقیقت تخت کے مانند ہو گئی ہے اور جس طرح تخت پر نماز ادا کرنا جائز ہے اسی طرح اس رُکی ہوئی بیل گاڑی پر نماز ادا کرنا جائز ہے جو زمین پر ٹھہری ہو اور اس کا کنارہ بیل کے کندھے پر نہ ہو۔ (ریل گاڑی پر کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا چاہئے، اس لئے کہ اس میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے میں گرنے کا کوئی خطرہ نہیں رہتا ہے، ہاں اگر ریل اس قدر برق رفتاری سے چل رہی ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مشکل ہو تو ایسی صورت میں بیٹھ کر ادا کرنے کی گنجائش ہے)۔

مذکورہ بالا تمام عذروں کا اعتبار فرض اور واجب اور اس جیسی نماز میں ہے یا ان عذروں کا اعتبار فجر کی سنت میں ہے، اس شرط کے ساتھ کہ سواری کو قبلہ کی جانب رُخ کر کے کھڑا کیا گیا ہو، اگر قبلہ کی طرف کھڑا کرنا ممکن ہو۔ اور اگر قبلہ کی جانب کھڑا کرنا ممکن نہ ہو تو جس طرف ممکن ہو اسی طرح کھڑا رکھے تاکہ اس کے چلنے سے مکان مختلف ہو۔ (خلاصہ یہ ہے کہ نوافل کے علاوہ فرض وواجب نماز کو سواری پر ادا کرنے کے لئے اتحادِ مکان اور قبلہ رُخ ہونا شرط ہے، اگر ایسا ممکن ہو تو بغیر عذر اس کو ساقط نہیں کیا جائے گا)۔ (شامی/۲/۴۹۱)

وَاَمَّا فِي النَّفلِ فتجوزُ على المحملِ والعَجلَةِ مُطلقًا فُرادىٰ لَا بجماعَةٍ إلّا على دَابـةٍ واحدَةٍ، ولَو جمعَ بَينَ نِيَّةِ فرضٍ ونفلٍ ولو تحية رجّح الفرضُ لِقوّتِـه، وابطلَها مُحمّدٌ والأئمّةُ الثلاثَةُ، ولَو نَذرَ ركعتَينِ بغيرِ طُهرٍ لَزِماهُ به عِندهُ اي ابي يُوسُفَ، كَمَا لَو نَذرَ بغيرِ قِراءةٍ او عُريانًا او ركعةً، وكَذا نِصفُ ركعَةٍ عِندَ ابِي يُوسُفَ، وهُو المُختارُ، واهدرهُ الثالث اى محمدٌ، اَو نذرَ عِبادةً فِي مَكان كَذا فأداه فِي أقل مِن شرفه جازَ لأنّ المَقصُودَ القُربةُ خِلافًا لزُفرَ والثَّلاثةِ، ولَو نَذرَتْ عبادةً كَصَومٍ وصَلاةٍ فِي غدٍ فَحَاضتْ فِيهِ يَلزَمُهَا قَضاؤهَا، لأنّهُ يمنَعُ الأداءَ لَا الوُجوبَ ولَو نَذرَتهَا يومَ حَيضِهَا لَا لأنّهُ نذرَ بمعصِيةٍ.

نوافل محمل میں ادا کرنے کا حکم

رہی نفل نماز کی بات تو اس کو محمل اور بیل گاڑی میں مطلقاً ادا کرنا جائز ہے۔ (خواہ گاڑی چل رہی ہو، خواہ گاڑی رُکی ہوئی ہو، قبلہ رُخ ہو یا قبلہ رُخ نہ ہو، خواہ اُترنے پر قادر ہو، خواہ اُترنے پر قادر نہ ہو)۔ (شامی/۲/۴۹۱)

نفل نماز تنہا تنہا ادا کرنا درست ہے، نفل نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا درست نہیں ہے، ہاں اگر تمام نمازیوں کی سواری ایک ہی ہے تو اس صورت میں نفل نماز جماعت کے ساتھ بھی درست ہے، اسی قول کو علامہ شامیؒ نے صحیح قرار دیا ہے۔

ایک نماز میں متعدد نیتوں کو جمع کرنے کا حکم

اگر نمازی ایک نماز میں متعدد نمازوں کی نیت کرے مثلاً فرض اور نفل کی نیت کو جمع کرے، خواہ تحیۃ الوضو یا تحیۃ المسجد ہی کیوں نہ ہو تو اس صورت میں فرض کی نیت کو ترجیح ہوگی، اسلئے کہ فرض کی نیت نفل کی نیت کے مقابلہ میں قوی ہے۔ اور حضرت امام محمدؒ اور دیگر ائمہ ثلاثہؒ۔ حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ۔ نے اس طرح کی نیت کو باطل قرار دیا ہے۔ (یعنی اس صورت میں وہ نماز فرض ہوگی اور نمازی کو نفل کا ثواب نہیں ملے گا۔ اور اگر کئی نفلوں کی نیت ایک نفل میں کرلے، مثلاً

تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو اور نماز اشراق کی نیت کرے تو نمازی کو تمام نیتوں کا ثواب ملے گا، جیسا کہ طحطاوی میں ہے)۔

بغیر طہارت نذر ماننے سے نذر کا وجوب

اگر کسی شخص نے دو رکعت نماز کی نذر مانی طہارت کے بغیر، تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک طہارت کے ساتھ وہ دو رکعت لازم ہوگی، جس طرح کہ اگر کوئی شخص بغیر قرأت کے نماز کی نذر مانے یا ننگے ہوکر نماز ادا کرنے کی نذر مانے یا ایک رکعت نماز پڑھنے کی نذر مانے، اسی طرح نصف رکعت نماز پڑھنے کی نذر مانے تو اس صورت میں اس پر دو رکعت ایسی لازم ہوگی جس میں قرأت بھی ہو، ستر چھپانا بھی لازم ہوگا اور آدھی رکعت نذر ماننے کی صورت میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دو رکعت لازم ہوگی، یہی مختار مذہب ہے۔ اور حضرت امام محمدؒ اس طرح کی نماز کو باطل قرار دیتے ہیں، یعنی حضرت امام محمدؒ کے نزدیک یہ نذر ہی نہیں ہوئی، لہٰذا اس پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ نذر معصیت ہے۔ اور اگر کسی نے نذر مانی کہ فلاں متعین جگہ میں عبادت کرے گا، پھر اس نے اس عبادت کو ایسی جگہ میں ادا کی جس کا شرف وفضیلت اس سے کم تھا تو بھی اس کی نماز ہو جائے گی، اس لئے کہ مقصود قربت تھی اور جس جگہ بھی عبادت کرے حاصل ہوگی۔ لیکن حضرت امام زفر اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ دوسرے مکان میں ادا کرنے سے نماز نہ ہوگی، بلکہ اسی متعینہ جگہ میں نماز ادا کرنا ضروری ہوگا۔

نذر ماننے کے بعد حیض میں عورت مبتلا ہوگئی تو کیا حکم ہے؟

اگر کسی عورت نے یہ نذر مانی کہ کل کا روزہ رکھوں گی، یا نماز پڑھوں گی، پھر جب کل آیا تو حیض میں مبتلا ہوگئی، ایسی صورت میں اس کی قضاء دوسرے دن لازم ہوگی، اس لئے کہ حیض، نماز روزہ کے ادا کرنے سے مانع ہے، واجب ہونے سے مانع نہیں ہے، لہٰذا جب اس کی نذر درست ہوگئی تو اب اس کی قضاء بھی لازم ہوگی۔ اور اگر عورت نے اپنے حیض کے دن نماز یا روزہ کی نذر مانی، مثال کے طور پر یوں کہا کہ: جس دن مجھے حیض آئے گا اس دن میں روزہ رکھوں گی، یا نماز پڑھوں گی تو اس صورت میں یہ نذر ہی درست نہیں ہے اس لئے کہ یہ معصیت کی نذر ہے، لہٰذا بعد میں اس کی قضاء بھی لازم نہ ہوگی۔

اَلتَّراوِیحُ سُنَّۃٌ مُؤکَّدۃٌ لِمُواظَبۃِ الخُلفاءِ الرَّاشدِین لِلرِّجالِ والنِّساءِ إجماعًا ووقتُھا بعدَ صلاۃِ العِشاءِ إلَی الفجرِ قبلَ الوِترِ وبعدَہٗ فِی الأصحِّ، فلَو فاتَہٗ بعضُھَا وقامَ الإمامُ إلَی الوِترِ أوتر مَعَہٗ ثُمَّ صَلّٰی مَا فاتَہٗ ویستَحِبُّ تاخِیرُھا إلی ثُلُثِ اللَّیلِ أو نِصفِہٖ، ولَاتکرَہُ بعدَہٗ فِی الأصحِّ، ولَاتقضی إذَا فاتَتْ أصلًا ولَا وحدَہٗ فِی الأصحِّ، فإنْ قضاھَا کانتْ نفلًا مُستحبًا ولَیسَ بِتراوِیحِ کسُنَّۃِ مغربٍ وعِشاء والجَماعۃُ فِیھَا سُنَّۃٌ علَی الکِفایۃِ

فِي الأصحّ، فلَو تركَهَا اهلُ مسجدٍ اَثِمُوا، إلاّ لَو تركَ بعضُهُمْ، وكُلُّ مَا شُرِعَ بِجَمَاعةٍ فالمَسجدُ فِيهِ افضلُ، قالَهُ الحَلبِي. وهِي عِشرُونَ ركعةً حِكمتُهُ مُساواةُ المكمّل للمُكمّل بِعشرِ تَسلِيمَاتٍ فلَو فعلَهَا بتسلِيمةٍ: فإنْ قعدَ لِكُلِّ شفعٍ صحّتْ بِكراهةٍ، وإلاّ نابتْ عَن شفعٍ واحدٍ، بهِ يُفتىٰ. يَجلِسُ نَدبًا بَينَ كُلِّ أربعةٍ بِقدرِهَا، وكَذا بينَ الخامِسةِ والوِترِ ويُخيّرونَ بينَ تَسبيحٍ وقِراءةٍ، وسُكوتٍ وصلاة فُرادىٰ، نَعمْ تكرَهُ صلاة ركعتَينِ بعدَ كُلِّ ركعتَينِ، والخَتمُ مَرّةً سُنّةٌ، ومرّتَينِ فضِيلةٌ، وثلاثًا افضلُ ولاَيُتركُ الخَتمُ لِكسَلِ القَومِ، لكن فى الإختِيارِ: الأفضلُ فِي زَمانِنا قَدرُ مَا لاَيثقُلُ عليهِمْ، واقرّهُ المُصنّفُ وغيرُهُ، وفِي المُجتبىٰ عَنِ الإمامِ: لَو قرأ ثلاثًا قِصارًا أو آيةً طوِيلةً فِي الفرضِ فقدْ أحسنَ ولَم يُسيءِ، فمَا ظَنُّكَ بالتّراوِيحِ؟ وفِي فَضائلِ رمضَانَ للزّاهِدِي: أفتى أبُوالفَضلِ الكرمَانِى والوَبرِي أنّهُ إذَا قرأ فِي التّراوِيحِ الفَاتحةَ وآيةً أو آيتَينِ لاَيكرَهُ، ومَن لَم يكُنْ عالِمًا بِاهلِ زمانِهِ فهُو جاهلٌ، ويأتِي الإمامُ والقَومُ بالثّناءِ فِي كُلِّ شفعٍ، ويَزِيدُ الإمامُ علىٰ التشهُّدِ إلاّ أن يملَّ القَومُ فيَاتِى بالصَّلوٰةِ ويَكتفِي باللّٰهُمّ صلِّ علىٰ محمّدٍ، لأنّهُ الفرضُ عِندَ الشّافعِي، ويترُكُ الدّعواتِ ويجتَنِبُ المُنكراتِ هذرمة القراءة، وَترك تعوّذ وتسمية، وطمأنينة، وتَسبِيح، وإستِراحة، وتكرَهُ قاعِدًا لِزيادةِ تأكُّدِها، حتّى قِيلَ لاتَصِحُّ معَ القُدرةِ علَى القِيامِ كَمَا يَكرَهُ تَأخِيرُ القِيامِ إلىٰ رُكوعِ الإمامِ للتشبُّهِ بالمُنافقِينَ، ولَو تركُوا الجَماعةَ فِي الفَرضِ لَم يُصلُّوا التَراوِيحَ جماعةً لأنّهَا تبعٌ، فمصلّيه وحدهُ يُصلّيهَا معهُ ولَو لَم يُصلِّهَا اى التّراويح بالإمامِ أو صلاّهَا مَعَ غيرِهِ لهُ أنْ يُصلِّي الوِترَ مَعَهُ بقِيَ لَو تركهَا الكُلُّ هَل يُصلُّونَ الوِترَ بجَماعةٍ؟ فليُراجِعْ.

نمازِ تراویح کا بیان اوراس کے مسائل واحکام

یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ احکامِ تراویح کو بیان فرمارہے ہیں، چونکہ تراویح کی نماز بھی دیگر سنتوں کی طرح ایک سنت نماز ہے، اس لئے حضرت مصنف علیہ الرحمہ اس کو سنتوں کی بحث میں ذکر کررہے ہیں، چنانچہ صاحب درمختار علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ تراویح کی نماز مردوں اور عورتوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے اوراجماعِ امت سے ثابت ہے، اس میں کسی

کا بھی اختلاف نہیں ہے۔تراویح کی نماز سنت مؤکدہ اس لئے ہے کہ حضراتِ خلفاءِ راشدینؓ نے اس کو پابندی کے ساتھ ادا فرمایا ہے۔(یہاں خلفاءِ راشدین سے مراد ان کی اکثریت ہے، حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت کے بعد حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابۂ کرام نے انکار نہیں کیا ہے اور انکار کرنے کا کوئی حق جواز بھی نہیں ہے، اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، آپؐ نے فرمایا کہ تم میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑلو اور اس کو مضبوطی سے تھام لو۔ (شامی/۲/۴۹۳)

تراویح کا وقت کب سے کب تک؟

فرماتے ہیں کہ تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے لے کر فجر طلوع ہونے تک ہے، وتر سے پہلے بھی تراویح کا وقت ہے اور وتر کے بعد بھی اصح ترین قول یہی ہے، یعنی تراویح کے اوقات کے متعلق تین اقوال ہیں اور ان میں اصح ترین قول یہی ہے۔ پہلا قول یہ ہے کہ تراویح کا وقت پوری رات ہے، یعنی غروبِ آفتاب سے لے کر طلوعِ فجر تک۔دوسرا قول یہ ہے کہ تراویح کا وقت عشاء اور وتر کے درمیان ہے، یعنی عشاء کی نماز کے بعد اور وتر کی نماز سے پہلے ہے۔اور تیسرا قول یہ ہے کہ تراویح کا وقت وتر کے بعد اور وتر سے پہلے بھی ہے، عشاء کے بعد سے لے کر فجر تک۔قولِ اوّل کی کسی نے بھی تصحیح نہیں کی ہے۔اور قولِ ثانی کی تصحیح ''خلاصہ'' میں کی گئی ہے۔اور ''غایۃ البیان'' میں اسی دوسرے قول کو متوارث وماثور قرار دیا گیا ہے۔ اور تیسرے قول کی تصحیح ہدایہ، خانیہ اور محیط وغیرہ میں کی گئی ہے۔اور اسی کو جمہور علماء کا قول قرار دیا گیا ہے۔ (شامی/۲/۴۹۴)

اگر تراویح کی کچھ رکعت چھوٹ جائے اور امام وتر میں مشغول ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

اگر تراویح پڑھنے والے کی کچھ رکعت تراویح کی چھوٹ گئی اور امام وتر کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوگیا، تو اب یہ شخص سب سے پہلے امام کے ساتھ شریک ہوکر وتر پڑھے گا، اس کے بعد وہ تراویح کی متروکہ رکعات کو ادا کرے گا، جو امام کے ساتھ پڑھنے سے رہ گئی ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز رمضان شریف میں جماعت سے ادا کرنا افضل ہے، گھر میں ادا کرنا افضل نہیں۔

تہائی رات تک تراویح کو مؤخر کرنا مستحب ہے

اور تراویح کی نماز کو ایک تہائی رات یا نصف رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔اور اصح ترین قول یہ ہے کی نصف رات کے بعد بھی تراویح کی نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔(البتہ ایک ضعیف قول یہ ہے کہ نصف رات کے بعد تراویح کی نماز مکروہ ہے، اس

لئے کی تراویح درحقیقت عشاء کے تابع ہے اور عشاء کی نماز نصف رات کے بعد مکروہ ہے، لہٰذا تراویح کی نماز بھی مکروہ ہوگی، لیکن اصل بات یہ ہے کی تراویح اگر چہ عشاء کے تابع ہے لیکن رات کی نماز ہے اور رات کی نماز آخر شب میں پڑھنا افضل ہے، لہٰذا جو رات کی نماز کے حکم میں ہوگی اس کو بھی موخر کرنا افضل ہوگا اور مکروہ نہ ہوگا۔ لیکن احسن یہ ہے کہ بالکل آخر شب تک مؤخر نہ کرے اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ فوت ہو جائے)۔ (اس کی مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیں: شامی/۲/۴۹۴-۲/۴۹۵)

نماز تراویح کی قضاء کا حکم شرعی

اور جب تراویح کی نماز بالکلیہ طور پر فوت ہو جائے تو اس کی قضاء واجب نہیں ہے۔ اور نہ تراویح کی نماز منفرداً قضاء ہے یہی اصح قول ہے اور جماعت کے ساتھ بھی اس کی قضاء نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص تراویح کی قضاء کرے تو تراویح کی نماز نہ ہوگی؛ بلکہ نفل مستحب نماز ہوگی۔ اور جس طرح مغرب اور عشاء کی سنتیں چھوٹ جانے سے ان کی قضاء نہیں ہے اسی طرح تراویح کی نماز چھوٹ جانے سے بھی قضاء نہیں ہے۔

تراویح کی جماعت کا حکم شرعی

اصح قول کے مطابق نماز تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، لہٰذا اگر کسی مسجد والے سب کے سب تراویح کی نماز چھوڑ دیں تو سب گنہگار ہوں گے۔ اور اگر مسجد کے لوگوں میں سے کچھ لوگوں نے تراویح کی جماعت قائم کر لی تو سارے لوگوں کے ذمہ سے سنت مؤکدہ کی ادائے گی کی کفایت کرے گا۔ (لیکن ثواب صرف تراویح پڑھنے والوں ہی کو ملے گا، تراویح نہ پڑھنے والوں کو کوئی ثواب نہ ملے گا، البتہ گناہ بھی نہ ہوگا) اور جن نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا جائز ہے ان نمازوں کی جماعت مسجد میں ہونا افضل ہے، اسی کو شیخ حلبیؒ نے کہا ہے۔

تراویح کی نماز بیس رکعات مسنون ہیں

تراویح کی نماز بیس رکعتیں دس سلام کے ساتھ مسنون ہے۔ اور اس کی حکمت یہ ہے کی مکمِّل (پوری کرنے والی) کا مکمَّل (جس کو پورا کیا جارہا ہے) کے برابر کرنا ہے۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ نوافل وسنن درحقیقت فرائض کی تکمیل کے واسطے مشروع ہیں، یعنی فرائض میں اگر کسی طرح کی کمی رہ گئی تو نوافل کے ذریعہ اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے دن رات کی نماز فرض سترہ رکعات ہیں اور تین وتر کی نماز واجب ہے، یہ کل بیس رکعتیں ہوتی ہیں۔ اسی لئے تراویح کو بھی بیس ہی رکعت رکھا گیا ہے، تاکہ بیس کے نقصان کی تلافی بیس تراویح سے ہو جائے۔ اور مصنف ابن شیبہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم بیس رکعت نماز تراویح رمضان المبارک میں پڑھتے تھے)۔

تراویح کی بیس رکعت کوایک سلام کے ساتھ ادا کرنے کا حکم

تراویح کی نماز بیس رکعت دس سلاموں کے ساتھ مشروع ہے، لیکن اگر کسی نے بیسوں رکعات کو ایک سلام کے ساتھ ادا کیا، پس اگر اس نے ہر دو رکعت کے بعد قعدہ کیا ہے تو کراہت کے ساتھ تراویح کی نماز ہو جائے گی۔ اور اگر وہ دو رکعت کے بعد نہیں بیٹھا ہے؛ بلکہ آخر میں جا کر بیسویں رکعت میں بیٹھا ہے تو یہ صرف دو رکعت کے قائم مقام ہوگی، فتویٰ اسی قول پر ہے۔

تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد بیٹھنا مستحب ہے

اور تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد اتنی ہی دیر بیٹھنا مستحب ہے، جتنی دیر چار رکعت پڑھنے میں لگا ہے۔ اسی طرح پانچویں ترویحہ اور وتر کے درمیان بیٹھنا بھی مستحب ہے، اور اس بیٹھنے کے درمیان نمازی کو اختیار ہے چاہے تسبیح پڑھے، چاہے قرآن کریم کی تلاوت کرے، چاہے خاموش بیٹھا رہے، چاہے الگ الگ نفلیں پڑھے، ہر طرح سے نمازی کو اختیار ہے۔ البتہ ہر دو رکعت کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ (اس لئے کہ بیٹھنے کی جگہ ہر چار رکعت کے بعد ہے دو رکعت کے بعد نہیں ہے۔ اور قہستانی نامی کتاب میں لکھا ہے کہ ہر ترویحہ میں یہ دعاء تین مرتبہ پڑلیا کرے:

سُبحانَ ذِی المُلكِ والمَلكُوتِ، سُبحانَ ذِی العِزَّةِ والعَظمَةِ والقُدرَةِ والكِبرِياءِ والجَبرُوتِ، سُبحانَ المَلِكِ الحَیِّ الَّذِی لَايَنامُ ولايَمُوتُ، سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ ربُّ المَلائِكَةِ والرُّوحِ لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، نَستغفِرُ اللّٰهَ، نسأَلُكَ الجَنَّةَ، ونعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ. (شامی/۲/۴۹۷)

تراویح میں ختم قرآن کا حکم

تراویح میں قرآنِ کریم کا ایک ختم کرنا مسنون ہے۔ اور دو مرتبہ ختم پڑھنا باعثِ فضیلت ہے۔ اور پورے رمضان میں تراویح کے اندر تین ختم قرآن پڑھنا افضل اور بہتر ہے۔ اور لوگوں کی کاہلی اور سستی کی وجہ سے ایک قرآن ختم پڑھنا چھوڑا نہ جائے۔ (اس لئے کہ اگر تراویح میں روزانہ دس دس آیتیں ہر رکعت میں پڑھے گا تو بآسانی ایک قرآن ختم ہو جائے گا، اس لئے کہ اگر مہینہ تیس دن کا ہے تو تراویح کی کل رکعتیں چھ سو ہوتی ہیں، اور قرآن کریم کی کل آیتیں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ہیں، لہٰذا اگر گیارہ گیارہ آیتیں ہر رکعت میں پڑھی گئیں تو ایک ختم تو بآسانی ہو جائے گا)۔

لیکن ''اختیار'' نامی کتاب میں لکھا ہے کہ ہمارے اس زمانے میں تراویح کی نمازیں اتنا ہی پڑھنا افضل ہے جتنا کہ

لوگوں کو گراں محسوس نہ ہو۔ مصنف وغیرہ نے اسی قول کو برقرار رکھا ہے۔ اور مجتبٰی نامی کتاب میں حضرت امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ اگر فرض نماز میں چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت پڑھے تو یہ بہتر ہے، اس کو برا نہیں کہا جائے گا، للہٰذا تراویح میں تمہارا کیا خیال ہے؟ (یعنی تراویح کی نماز میں اس قدر پڑھنا تو بدرجۂ اولٰی بہتر ہوگا) اور علامہ زاہدی نے کتاب فضائل رمضان میں تحریر کیا ہے کہ ابوالفضل کرمانی اور علامہ وبری نے اس کا فتویٰ دیا ہے کہ اگر کوئی شخص تراویح کی نماز میں سورۂ فاتحہ اور ایک آیت یا دو آیتیں پڑھے تو یہ مکروہ نہیں ہے۔ اور جو اپنے زمانے کے لوگوں کے احوال وکوائف اور مزاج سے واقف نہ ہوں وہ جاہل ہیں۔

تراویح میں ہر دو رکعت پر ثناء وغیرہ پڑھنا

امام اور مقتدی دونوں ہر شفع کے بعد ثناء پڑھیں گے۔ اور امام قعدہ میں التحیات کے بعد درود وغیرہ پڑھے گا، یعنی درود کے بعد کی دعاء بھی پڑھے گا، البتہ اگر مقتدی اُکتا جائیں تو امام تشہد کے بعد صرف درود شریف پڑھے گا۔ اور اس میں بھی صرف "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ" پر اکتفا کرے گا، پورا درود پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ اور امام یہ درود اس لئے پڑھے گا کہ درود شریف کا پڑھنا حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے اور امام درود کے بعد کی جو دعائیں ماثورہ ہیں ان کو چھوڑ دے گا، یہ امام کے لئے گنجائش ہے اور تراویح میں امام غیر مشروع باتوں سے اجتناب کرے، یعنی خوب جلدی جلدی تیزی کے ساتھ قرآن نہ پڑھے۔ اور تراویح پڑھانے میں امام نہ اعوذ باللہ کو ترک کرے، نہ تسمیہ کو ترک کرے اور نہ تعدیلِ ارکان کو چھوڑے اور نہ رکوع وسجدے کی تسبیحات کو ترک کرے، اسی طرح امام چار رکعت کے بعد بیٹھنا بھی ترک نہ کرے، بلکہ ان تمام چیزوں کو امام بجالائے۔

تراویح کی نماز بیٹھ کر ادا کرنے کا شرعی حکم

بلا عذر شرعی قیام پر قدرت کے باوجود تراویح کی نماز بیٹھ کر پڑھنا مکروہ ہے، اس لئے کہ تراویح کی نماز کی شدید تاکید آئی ہے، حتیٰ کہ کہا گیا کہ بیٹھ کر ادا کرنے سے تراویح صحیح نہ ہوگی۔ (ہاں اگر کوئی شخص قیام پر قادر ہی نہیں ہے تو اس کے لئے بیٹھ کر تراویح پڑھنا جائز ہے، جس طرح کہ تراویح میں مقتدیوں کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ اس وقت بیٹھے رہیں جب تک امام رکوع میں نہ جائے۔ امام جب رکوع میں جائے تو جلدی سے اُٹھ کر امام کے ساتھ شریک ہوجائے ایسا کرنا اس لئے مکروہ ہے کہ اس میں منافقوں کے ساتھ مشابہت ہے اور نماز میں تکاسل وسستی کا اظہار ہے جو درحقیقت منافقین کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى﴾ جب منافقین نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو نہایت سستی کے

ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر تکاسل کی وجہ سے نہ ہو بلکہ بڑھاپے کی وجہ سے ایسا کررہا ہو تو یہ مکروہ نہ ہوگا، جیسا کہ حلیہ میں ہے۔ (شامی/۲/۴۹۹)

اگر عشاء کی نماز جماعت سے نہ پڑھی جائے تو تراویح کا حکم

اگر تمام حضرات عشاء کے فرض نماز کی جماعت چھوڑ دیں تو وہ تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھیں گے، اس لئے کہ تراویح کی جماعت عشاء کے فرض نماز کی جماعت کے تابع ہے، پس جس آدمی نے عشاء کا فرض تنہا پڑھا ہے وہ تراویح کی نماز امام کے ساتھ ادا کرسکتا ہے۔اور اگر کسی شخص نے تراویح کی نماز امام کے ساتھ نہیں پڑھی ہے، یا کسی دوسرے امام کے ساتھ پڑھی ہے تو اس کے لئے امام کے ساتھ وتر جماعت کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔(اگر کسی نے عشاء کا فرض تنہا ادا کیا ہے تو اس کے لئے وتر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا جائز نہیں ہے۔اور اگر عشاء کا فرض جماعت سے پڑھا لیکن تراویح نہیں پڑھی ہے تو اس کے لئے وتر جماعت کے ساتھ پڑھنا جائز ہے)۔ (شامی/۲/۵۰۰)

اب رہا باقی یہ مسئلہ کہ اگر سارے لوگوں نے تراویح کی نماز نہیں پڑھی ہے، تو کیا یہ لوگ وتر کی نماز جماعت سے پڑھ سکتے ہیں؟ یا نہیں پڑھ سکتے ہیں؟ اس بارے میں حکم تلاش کرنا چاہئے اور مراجعہ کرنا چاہئے۔(علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ لوگ وتر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا نہیں کرسکتے ہیں، اس لئے کہ وتر کی جماعت اس وقت مسنون ہے جب تراویح کی نماز باجماعت ادا کی ہو، وتر کی جماعت درحقیقت تراویح کی جماعت کے تابع ہے)۔

وَلَا يُصَلَّى الوِترُ وَلا التطوُّعُ بجماعَةِ خَارِجَ رمضانَ اى يكرَهُ ذٰلكَ لَو علىٰ سبيلِ التّداعِي، بأنْ يقتدِيَ أربعةٌ بِواحدٍ كمَا فِي الدُّرَرِ، ولاَ خِلاَفَ فِي صحّةِ الإقتداءِ، إذْ لامَانِعَ، نهر. وفِي الأشبَاهِ عنِ البزازيّةِ: يكرَهُ الإقتداءُ فِي صلاةِ رغائب، وبراءة، وقدر، إلَّا إذَا قالَ: نذرتُ كذَا ركعةً بهٰذا الإمامِ جماعة أهـ. قُلتُ: وتتِمّةُ عِبارةِ البزازيـةِ منِ الإمامَةِ، ولاينبَغِي ان يتكلّفَ كل هـٰذا التكليف لأمرٍ مَكرُوهٍ، وفِي التاترخانِيّةِ: لَو لَم ينوِ الإمامة لاَ كَرَاهةَ عَلى الإمامِ، فليحفَظْ. وفِيهِ أى رمضانَ يُصلّى الوتر وقيامه بها وهَل الأفضلُ فِي الوترِ الجماعةُ أم المنزل؟ تصحيحان، لكن نقلَ شارحُ الوهبانية مَا يقتضِي انّ المَذهبَ الثّانِي، واقَرّهُ المُصنّفُ وغيرُهُ.

نفل اور وتر کی جماعت غیر رمضان میں

وتر اور دیگر نوافل کی جماعت رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں نہ کی جائے، اس لئے کہ رمضان کے علاوہ دوسرے

مہینوں میں نوافل کی جماعت بطور تداعی مکروہ ہے، اس طرح کہ چار آدمی کسی ایک آدمی کے پیچھے پڑھیں، جیسا کی درر البحار میں اس کی صراحت ہے، لیکن اقتداء کے صحیح ہونے میں اختلاف نہیں ہے، اس لئے کہ یہاں اقتداء کے لئے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ چار کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اگر نفل نماز میں ایک شخص نے کسی ایک شخص کے پیچھے اقتداء کرلی، یا دو آدمیوں نے مل کر کسی ایک آدمی کی اقتداء کرلی، تو یہ بلا کراہت درست ہے، لیکن اگر تین آدمیوں نے آکر کسی ایک آدمی کی اقتداء کرلی تو اس میں اختلاف ہے، نفل میں اگرچہ اقتداء فی نفسہ درست ہے لیکن اقتداء کرنے والے کو جماعت کا ثواب نہیں ملے گا، اس لئے کہ نوافل کی جماعت سنت نہیں ہے)۔ (شامی/۲/۵۰۰)

صلوٰۃ براءت وغیرہ کا حکم

الاشباہ والنظائر میں علامہ ابن نجیم مصریؒ نے فتاویٰ بزازیہ سے نقل کیا ہے کہ رغائب، برأت اور قدر کی نمازوں میں اقتداء کرنا مکروہ ہے، البتہ اس صورت میں اقتداء کرسکتا ہے جب وہ کہے کہ اس نے امام کے ساتھ اتنی رکعت جماعت کے ساتھ پڑھنے کی نذر مانی تھی۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کی باب الامامہ بزازیہ کی بقیہ عبارت یہ ہے کہ ایک مکروہ امر کے لئے یہ سراپا تکلف مناسب نہیں ہے۔ اور فتاویٰ تاتر خانیہ میں ہے کہ اگر امام نے امامت کی نیت نہیں کی تو اس صورت میں امام پر کوئی کراہت نہیں ہے، لہٰذا اس مسئلہ کو محفوظ کرلو۔

صلوٰۃ رغائب

اس نماز کے متعلق حضرت علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں کہ یہ نماز ماہِ رجب کے پہلے جمعہ کی رات کو پڑھی جاتی ہے۔ ابن الحاج نے ''مدخل'' میں لکھا ہے کہ اس نماز کی ایجاد ۴۸۰ھ کے بعد ہوئی ہے، اس نماز کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ بلکہ یہ نماز بدعت ضلالہ ہے، یہی وجہ ہے کہ علمائے اُمت نے اس نماز کی قباحت وشناعت کو اُجاگر کرتے ہوئے متعدد کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ (شامی/۲/۵۰۱، اور اس کی مزید تفصیل شامی/۲/۴۶۹ پر بھی دیکھا جاسکتا ہے)

شب برأت کی نماز

صلوٰۃ برأت سے وہ نماز مراد ہے جو پندرہویں شعبان کی رات میں پڑھی جاتی ہے۔ اور صلوٰۃ القدر سے وہ نماز مراد ہے جو رمضان المبارک کی ستائیسویں رات میں پڑھی جاتی ہے۔ ان سب نمازوں میں بھی جماعت مکروہ ہے، لہٰذا ان سب کو جماعت سے ادا کرنے کے واسطے نذر نہیں ماننا چاہیے۔ (شامی/۲/۵۰۱)

رمضان میں وتر کی جماعت

رمضان المبارک میں وتر اور تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنی چاہیے۔(یہاں قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے)۔لیکن یہاں ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ وتر کی نماز جماعت سے ادا کرنا افضل ہے، یا گھر میں تنہا پڑھنا افضل ہے؟ تو اس بارے میں دونوں قولوں کی تصحیح کی گئی ہے۔لیکن وھبانیہ کے شارح نے جو نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر کی نماز گھر پر پڑھنا افضل ہے۔اور اس کو مصنف نے باقی رکھا ہے۔لیکن علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں راجح قول یہ ہے کہ رمضان المبارک میں وتر کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرنا افضل ہے۔اور اسی پر آج تک لوگوں کا عمل چلتا رہا ہے۔اور اوپر بیان کردہ ضابطہ (کہ جو نمازیں جماعت کے ساتھ مشروع ہوتی ہیں ان کو مسجد میں پڑھنا افضل ہے) بھی اس بات کا متقاضی ہے کہ وتر کی نماز جماعت سے مسجد میں ہونا افضل ہے۔ (شامی/۲/۵۰۲)

أبو حماد منظور القاسمی پھراویؒ

خادم جامعة القرآن والسنه الخيريه، بجنور (يوپی)

۱٦/ محرم الحرام ١٤٢٦هـ

المصادف: ٢٦/فروری ٢٠٠٥م

ليلة يوم الأحد

بَابُ إدراكِ الفريضة

یہ باب فرض نماز کی جماعت حاصل کرنے کے بیان میں ہے

اس باب کے تحت حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرض نماز کی جماعت کے حاصل کرنے کا ذکر کریں گے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ دوسرے مسائل بھی بیان کریں گے جو اس باب کے مناسب ہوں گے۔

شرعَ فِيهَا أداءً خرجَ النّافِلةُ والمَنذُورةُ والقضاءُ فإنّه لايقطعُها مُنفرِدًا ثُمّ أُقِيمَتْ اى شرعَ فِي الفريضةِ فِي مُصلّاهُ، لا إقامة المُؤذِن، ولا الشروع فِي مكانٍ وهُو فِي غيرِه، يقطعُها لعذر احرازاً لِجمَاعَةٍ، كمَا لَو ندّت دابّتُه او فار قدرُها، او خافَ ضِياعَ دِرهمٍ من مالِه، أو كانَ فِي النّفلِ فَجيءَ بجَنازَةٍ وخافَ فوتَها قطعَهُ لإمكانِ قضَائِه، ويجبُ القطعُ لنحوِ إنجَاءِ غَريقٍ او حَريقٍ، ولَو دعاهُ أحدُ ابويهِ فِي الفَرضِ لَايُجيبُه، إلَّا ان يَستَغِيثَ به. وفِي النّفلِ إنْ عَلِمَ أنّهُ فِي الصّلاةِ فَدَعَاهُ لَا يُجِيبُهُ، وإلّا أجابَهُ قائمًا لأنّ القُعودَ مَشْرُوطٌ للتحلُّلِ، وهٰذا قطعٌ لاتحلّل ويكتفِي بِتَسلِيمَةٍ وَاحدَةٍ هُو الأصحُ غاية، وَ يقتَدِى بالإمامِ وهٰذا إن لَم يُقَيِّدِ الرّكعةَ الأُولىٰ بِسجدةٍ أو قيّدَها بِها فِي غيرِ رُباعِيّةٍ أو فِيهَا و لكن ضَمَّ إليهَا ركعةً أُخرىٰ وجوبًا، ثُمّ يأتمُّ إحرازًا لِلنفلِ و الجَماعةِ، وإنْ صَلّى ثلاثًا مِنهَا اى الرُّباعِيّةِ أتمّ مُنفرِدًا ثُمّ اقتدىٰ بالإمامِ مُتنفِّلًا، ويُدرِكُ بِذٰلكَ فضِيلةَ الجَماعَةِ، حَاوِي. إلّا فِي العَصْرِ فَلايقتَدِى لِكراهةِ النَّفلِ بعدَهُ، وَالشّارِعُ فِي نفلٍ لايقطَعُ مُطلقًا ويُتِمُّه ركعتَينِ، وَ كَذا سُنّةُ الظُّهرِ وسُنّةُ الجُمُعَةِ إذا أُقِيمتْ أو خطبَ الإمامُ يُتمُّها أربعًا، علَى القولِ الرّاجحِ لأنّها صَلاةٌ وَاحِدةٌ، ولَيسَ القَطعُ لِلإكمَالِ بَل لِلإبطَالِ، خِلافًا لِما رَجّحَهُ الكَمالُ. وكُرِهَ تَحرِيمًا لِلنَّهيِ خُروجُ مَن لَم يُصلِّ مِن مَسجِدٍ أُذِّنَ فِيهِ جرىٰ علَى الغَالِبِ، والمُرادُ دُخُولُ الوَقتِ أذّن فيه أو لَا، إلّا لِمَن ينتظِمُ بِه أمرُ جَماعَةٍ أخرىٰ أوْ كانَ الخُروجُ لِمسجِدِ حَيِّهِ ولَم يصلُّوا فِيهِ، أو لأستاذِهِ لِدَرسِه، أو لِسماعِ الوَعظِ، أو لِحاجَةٍ وَ مَن عزمَهُ أن يعودَ، نهر.

وَإلاّ لِمن صَلّی الظُّهرَ والعِشاءَ وحدَهُ مَرّةً فلايكرَهُ خروجُهُ بَل تركُهُ لِلْجَمَاعَةِ إلاّ عِندَ الشُّرُوعِ فِي الإقامَةِ فَيكرَهُ لِمُخالَفتِهِ الجَماعَةَ بِلاعُذرٍ، بَل يَقتَدِي مُتنَفِّلاً لِما مَرَّ وَإلاّ لِمَن صَلّی الفَجرَ والعَصرَ والمغربَ مَرَّةً فيخرُجُ مُطلقًا، وإن أُقيمتْ لِكراهةِ النَّفلِ بعدَ الأولَيين، وفِي المَغربِ أحد المحظُورَينِ، أو مخالفة الإمامِ بالإتمَامِ. وفِي النَّهرِ: يَنبَغِي أن يجبَ خُروجُهُ، لأنّ كراهةَ مكثِهِ بلاصلاةٍ أشدُّ، قُلتُ: أفَادَ القَهستَانِي أنّ كَراهةَ التنفُّلِ بِالثَّلاثِ تنزِيهِيّةٌ، وفِي المُضمَرَاتِ: لو اقتدیٰ فِيهِ لَاَسَاءَ، وإذا خافَ فوتَ ركعتَي الفَجرِ لِاشتِغالِهِ بسُنّتِها تركَها لكَونِ الجماعَةِ أكمَلَ، وإلاّ بِان رجَا إدراكَ ركعَةٍ فِي ظَاهِرِ المَذهبِ. وقِيلَ التشهُّدُ، واعتمدَهُ المُصنِّفُ والشُّرنبُلالِي تبعًا للبحرِ، لكن ضعّفَهُ فِي النّهرِ. لاَ يترُكُها بَل يُصلِّيها عِندَ بابِ المَسجِدِ إن وجدَ مَكانًا، وإلاّ تركَهَا، لأنّ تركَ المَكرُوهِ مقدمٌ على فعلِ السنّةِ، ثُمّ مَا قِيلَ: يشرعُ فِيهَا ثُمّ يُكبّرُ للفَرِيضةِ، أو ثُمّ يقطعُها ويَقضِيهَا، مردُودٌ بانّ درءَ المَفسدةِ مُقدّمٌ على جلبِ المَصلحةِ.

نماز شروع کرنے کے بعد اقامت کہی جائے تو کیا حکم ہے؟

نمازی نے اپنا فرض ادا کرنے کے لئے نیت باندھی اور نماز شروع کر دی، اسی دوران اسی فرض کی جماعت اس کی پڑھنے کی جگہ میں شروع ہوگئی تو اس صورت میں اس کے لئے حکم یہ ہے کہ اس جماعت میں شریک ہونے کی خاطر وہ اپنے اس فرض کی نیت توڑ کر چھوڑ دے جس کو اس نے شروع کیا تھا اور جماعت میں شامل ہو جائے۔ شارح علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ فرض کی قید سے نفل اور نذر کی نماز اور قضاء نماز نکل گئی ہے، اگر وہ ان نمازوں کو پڑھ رہا ہو اور جماعت شروع ہو جائے تو وہ اپنی نماز کو نہ چھوڑے اور شروع ہونے سے مراد فرض نماز کو شروع کرنا ہے۔ اور نماز شروع کرنے سے مراد مؤذن کی تکبیر نہیں ہے؛ بلکہ فرض نماز کا شروع کرنا ہے اور نہ ہی نماز کا ایسی جگہ شروع کرنا مراد ہے کہ شروع کرنے والا اس جگہ کے علاوہ میں ہو۔

نمازی کب نماز کو ترک کر سکتا ہے؟

جب نمازی تنہا نماز پڑھنے میں مشغول ہو اور اچانک جماعت کھڑی ہو جائے تو وہ جماعت کی فضیلت کی حفاظت کے لئے نماز کی نیت توڑ سکتا ہے، جس طرح کہ اس شخص کے لئے قطع صلوٰۃ جائز ہے جس کی سواری کا جانور بھاگ جائے، عورت نماز میں مشغول ہے اور ہانڈی اُبلنے لگے، یا ایک درہم کے برابر قیمت کی چیز ضائع ہو رہی ہو، یا وہ شخص نفل نماز میں مشغول تھا

کہ اتنے میں اس کے سامنے جنازہ لایا گیا اور نفل میں مشغول رہنے کی صورت میں جنازہ کی نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں وہ نفل کی نیت توڑ کر جنازہ کی نماز میں شریک ہوگا، اس لئے کہ نفل کی قضاء بعد میں بھی ممکن ہے۔

(اگر فرض نماز میں مشغول ہو اور جنازہ آجائے تو اس صورت میں فرض چھوڑ کر جنازہ میں شرکت نہیں کرے گا اس لئے کہ فرض نفل سے زیادہ قوی ہے)۔ (شامی/۲/۵۰۴)

نماز کی نیت توڑنا کب واجب ہے؟

فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص پانی میں ڈوب رہا ہو، یا آگ میں جل رہا ہو تو اس کے بچانے کے واسطے نماز کی نیت توڑنا واجب ہے، اسی طرح اور کوئی ایسا موقع ہو جہاں بچانے کی جدو جہد کرنی پڑے وہاں نماز کی نیت توڑنا واجب ہے۔

فرض نماز پڑھنے کی حالت میں والدین میں سے کوئی ایک بلائے تو اس صورت میں جواب دینا واجب نہیں ہے، نماز فرض سے فارغ ہونے کے بعد جواب دے، لیکن اگر والدین میں سے کوئی ایک فریاد کرے اور مدد طلب کرنے کے واسطے بلائے تو ایسی صورت میں نیت توڑ کر جواب دینا واجب ہے۔ اور اس فریاد میں والدین کے علاوہ دوسرے لوگ بھی شامل ہیں۔ اگر بیٹا نفل نماز میں مشغول ہو اور والدین کو معلوم ہو کہ بیٹا نماز میں مشغول ہے اس کے باوجود اس کو بلائیں تو اس صورت میں نماز توڑ کر جواب نہیں دے گا۔ اور اگر والدین کو یہ علم نہیں ہے کہ بیٹا نماز میں مشغول ہے پھر آواز دیں تو ایسی صورت میں نیت توڑ کر جواب دے گا۔

صاحب البحرالرائق علامہ ابن نجیم مصریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ نماز کا توڑنا کبھی حرام ہوتا ہے، کبھی مباح ہوتا ہے، کبھی مستحب ہوتا ہے اور کبھی واجب۔ اگر بلا عذر شرعی نماز توڑ دی جائے تو یہ حرام ہوگا۔ اور جماعت میں شریک ہونے کے لئے نماز توڑنا مستحب ہے۔ اور اگر مال ضائع ہو رہا ہو تو نماز توڑ کر مال کی حفاظت کرنا مباح ہے۔ اور کسی کی جان بچانے کے لئے نیت توڑنا واجب ہے۔ (شامی/۲/۵۰۵)

جماعت میں شرکت کے لئے نیت کب توڑے؟

جن حالتوں میں نماز کی نیت توڑ کر جماعت میں شرکت کی اجازت ہے یا شریعت کی طرف سے حکم ہے، اس حالت میں نماز کی قیام کی حالت میں نیت توڑے گا، اس لئے کہ نماز میں قعود اس وقت کے لئے ہے جب حلال ہونے کا ارادہ ہو۔ اور یہاں نماز کو توڑنا مقصود ہے، حلال کرنا مقصود نہیں ہے، لہٰذا نیت کو توڑنے میں صرف ایک سلام پھیرنا کافی ہے، یہی قول اصح ترین ہے، جیسا کہ غایۃ البیان میں ہے۔ (لیکن ایک ضعیف قول اس بارے میں یہ ہے کہ باقاعدہ قعود کرے اس کے بعد سلام

پھیرے۔لیکن علامہ شیخ طحطاوی فرماتے ہیں کہ ظاہر بات ہے کہ یہاں کوئی اختلاف نہیں ہے، اختلاف اس صورت میں ہے جب تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا ہو اور تیسری رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید نہ کیا ہو، تو اس صورت میں قطع صلوٰۃ بیٹھ کر کرے اور سلام پھیرے)۔ (شامی/۲/۵۰۵)

اور یہ نماز کا توڑنے والا شخص امام کے پیچھے اقتداء کرے، لیکن یہ اقتداء کرنا امام کے ساتھ شریک ہونا اس وقت ہے جب کہ اس نے ابھی پہلی رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو، یا اس نے پہلی رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید تو کر دیا؛ لیکن وہ نماز چار رکعات کے علاوہ نماز ہو، مثلاً: دو رکعت والی ہو، جیسے: فجر، یا تین رکعت والی ہو، جیسے: مغرب، اور نماز چار رکعت والی ہو اور اس کا سجدہ کر لیا ہو تو اب دوسری رکعت کا سجدہ بھی بطور وجوب شامل کر لے۔ اور دو رکعت مکمل کر لے؛ تاکہ گناہ گار نہ ہو، پھر امام کے ساتھ شریک ہو جائے؛ تاکہ جماعت کا بھی ثواب مل جائے اور نفل نماز کا بھی۔ اور اگر چار رکعت والی نماز میں سے تین رکعت پڑھ چکا تھا تب جماعت شروع ہوئی تو اب وہ نیت نہیں توڑے گا؛ بلکہ وہ چاروں رکعتیں تنہا پوری کرے گا، پھر نفل کی نیت سے امام کی اقتداء کرے گا اور اس اقتداء کی وجہ سے وہ جماعت کا ثواب پائے گا، جیسا کہ حاوی قدسی نامی کتاب میں ہے؛ البتہ اگر وہ عصر کی نماز ہو، یا مغرب کی نماز ہو تو نماز مکمل کرنے کے بعد امام کے ساتھ شامل نہیں ہوگا، اس لئے کہ عصر کے بعد نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے اور مغرب کی نماز میں اس لئے اقتداء نہیں کرے گا کہ اگرچہ نفل مغرب کے بعد مشروع ہے؛ لیکن تین رکعت نفل کی نماز نہیں ہے۔

سنت اور نفل شروع کرنے کے بعد جماعت کھڑی ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

جس نے نفل نماز، یا سنت نماز شروع کر رکھی ہے اور جماعت شروع ہو جائے تو وہ نماز قطع نہ کرے؛ بلکہ دو رکعت پوری کر کے جماعت میں شامل ہو، یہی حکم ظہر کی سنت اور جمعہ کی سنت کا ہے، یعنی اگر ظہر کی سنت یا جمعہ کی سنت پڑھتے ہوئے جماعت کھڑی ہو جائے تو فوراً سنت کو قطع نہ کرے؛ بلکہ جب چار رکعت پوری کر لے تو قطع کر کے جماعت میں شامل ہو۔ اسی طرح اگر جمعہ میں جمعہ سے پہلے کی سنت پڑھ رہا تھا کہ امام نے خطبہ شروع کر دیا تو راجح قول یہ ہے کہ چاروں رکعت پوری کرے اس کے بعد خطبہ کا سماع کرے، اس لئے کہ یہ چاروں رکعتیں درحقیقت ایک نماز کے حکم میں ہیں، لہٰذا یہاں درمیان میں نیت توڑنا تکمیل کرنے کے لئے نہیں ہوگا؛ بلکہ باطل کرنے کے لئے ہوگا، بخلاف اس قول کے جس کو کمال نے ترجیح دی ہے۔ (بایں طور کہ انھوں نے کہا ہے کہ دو رکعت پر سلام پھیر کر جماعت میں شامل ہو جائے، علامہ شامی کے نزدیک یہی قول راجح ہے اس لئے کہ فرض کے بعد اس کی قضاء کرنا ممکن ہے، ہدایہ وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے)۔ (شامی/۲/۵۰۶)

اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کا حکم

اور اس شخص کا مسجد سے باہر نکلنا جس نے نماز نہیں پڑھی ہے مکروہ تحریمی ہے، بشرطیکہ مسجد میں اذان ہو چکی ہو۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ماتن نے غالب کا اعتبار کرتے ہوئے اذان کی قید لگائی ہے، ورنہ یہاں دخولِ وقتِ نماز مراد ہے، خواہ اذان ہوگئی ہو، خواہ نہ ہوئی ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ نماز کا وقت ہو جانے کے بعد مسجد سے نماز پڑھے بغیر نکلنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ ابن ماجہ میں حدیث ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جس نے مسجد میں اذان کو پایا، پھر وہ بلا ضرورت مسجد سے باہر نکلا اور دوبارہ مسجد لوٹنے کا ارادہ نہیں ہے تو وہ منافق ہے''۔ حضرت ابوشعثاءؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ مسجد میں موجود تھے کہ جس وقت عصر کی اذان ہوئی ایک شخص مسجد سے باہر نکلا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: اس نے ابوالقاسم کی نافرمانی کی ہے۔ (شامی/۲/۵۰۷)

اذان کے بعد مسجد سے کن لوگوں کے لئے نکلنا جائز ہے؟

اذان ہو جانے کے بعد مسجد سے اس کے لئے نکلنا مکروہ نہیں ہے جو کہیں دوسری جگہ جماعت قائم کرتا ہو، یا اس مسجد سے نکل کر اپنے محلّہ کی مسجد جا رہا ہو، جب کہ محلّہ کے لوگوں نے ابھی اس میں نماز نہ پڑھی ہو، یا مسجد میں اذان ہونے کے بعد اپنے استاذ کے پاس پڑھنے کے لئے جا رہا ہے، یا وعظ سننے کے لئے جا رہا ہے، یا کسی ضرورت کے پیش نظر مسجد سے نکل رہا ہے، یا مسجد سے نکل کر جانے کے بعد دوبارہ آنے کا ارادہ ہے تو پھر مسجد سے اذان ہونے کے بعد نکلنا مکروہ نہیں ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ النہر الفائق میں ہے۔ نیز مسجد سے اذان کے بعد اس شخص کا نکلنا بھی مکروہ نہیں ہے جس نے ظہر اور عشاء کی نماز تنہا ایک مرتبہ پڑھ لی ہو، البتہ اس کے لئے جماعت کا ترک کرنا مکروہ ہے، یعنی جماعت کا انتظار کئے بغیر نماز تنہا پڑھنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر جماعت کے واسطے مسجد میں تکبیر ہو رہی ہو تو اس وقت نکلنا مکروہ ہے، اس لئے کہ اس صورت میں بظاہر بلا عذر جماعت کی مخالفت لازم آتی ہے؛ بلکہ ایسی صورت میں اس کو چاہئے کہ نفل کی نیت سے امام کے ساتھ شریک ہو جائے، جیسا کہ یہ مسئلہ پہلے بھی گذر چکا ہے۔

اگر کوئی شخص فجر، عصر اور مغرب کی نماز تنہا ایک مرتبہ پڑھ چکا ہے تو وہ مطلقاً مسجد سے نکل سکتا ہے، اگر چہ تکبیر شروع کیوں نہ ہو جائے، اسلئے کہ فجر اور عصر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور مغرب میں اقتداء اس لئے درست نہیں ہے کہ مغرب میں تین رکعت ہوتی ہے اور نفل میں تین رکعت نہیں ہے، اگر وہ اس میں ایک رکعت اپنی طرف سے ملاتا ہے تو امام کی مخالفت لازم آتی ہے اور النہر الفائق میں یہ مسئلہ مذکور ہے، اس شخص کو اس وقت مسجد سے نکل آنا واجب ہونا چاہئے، اس لئے کہ

جماعت ہو رہی ہو اور یہ بلانماز وہاں رُکا رہے یہ اشد ترین مکروہ ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ تین رکعت نفل پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اور ''مضمرات'' نامی کتاب میں یہ ہے کہ یہ جو مغرب کی نماز تنہا پڑھ چکا ہے اگر اس نے امام کی اقتداء کر لی ہے تو اس نے برا کام کیا ہے۔ اور غایۃ البیان میں ہے کہ تین رکعت نفل پڑھنا بدعت ہے۔ اور قاضی خاں نے جامع صغیر کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ تین رکعت نفل پڑھنا حرام ہے۔ اور صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں کہ جب حدیث میں منع ہے تو معلوم ہوا کہ ایسا کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔ (خلاصہ یہ ہوا کہ شارح علیہ الرحمہ کا تین رکعت نفل کو مکروہ تنزیہی قرار دینا درست نہیں ہے)۔ (شامی/۲/۵۱۰)

جماعت کی اہمیت

اگر آدمی کو یہ اندیشہ ہو کہ اگر وہ فجر کی سنت پڑھے گا تو اس کی فرض کی دو رکعت جماعت سے چھوٹ جائے گی، یعنی سنت فجر میں مشغول ہونے کی وجہ سے جماعت فوت ہو جائے گی تو ایسی صورت میں فجر کی سنت کو چھوڑ دے گا اور جماعت میں شریک ہو جائے گا، اس لئے کہ جماعت کی نماز سنت کے مقابلہ میں کامل تر ہے۔ (جماعت سے نماز پڑھنے کی فضیلت بہت آئی ہے۔ اور ترکِ جماعت پر شدید وعید آئی ہے)۔ اور اگر اس کو جماعت فوت ہونے کا خوف نہ ہو؛ بلکہ امید ہو کہ سنت فجر پڑھنے کے بعد بھی ایک رکعت نماز جماعت کے ساتھ مل جائے گی تو اس صورت میں ظاہر مذہب کے مطابق سنت فجر ادا کرے گا، اس کے بعد جماعت میں شریک ہوگا۔ اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اگر نمازی کو یہ اُمید ہے کہ فجر کی سنت پڑھنے کے بعد امام کو تشہد میں پالے گا تو بھی فجر کی سنت پڑھے گا، اس کے بعد امام کی اقتداء کرے گا، اسی قول پر مصنف اور شرنبلالی وغیرہ نے صاحب البحر الرائق کی پیروی کرتے ہوئے اعتقاد واعتماد کیا ہے، لیکن اس قول کو نہر الفائق میں ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

اگر فجر کی سنت پڑھنے کے بعد ایک رکعت نماز ملنے کا یقین ہے تو اس صورت میں فجر کی سنت کو نہ چھوڑے؛ بلکہ اس کو مسجد کے دروازے پر ادا کرے، بشرطیکہ وہاں ادا کرنے کی جگہ ہو۔ اور اگر وہاں سنت ادا کرنے کی جگہ نہ ہو تو سنت کو چھوڑ دے اس لئے کہ مکروہ فعل کا نہ کرنا فعل سنت کرنے پر مقدم ہے۔ (اس لئے کہ جب مسجد میں جماعت ہو رہی ہو تو مسجد میں سنت ادا کرنا مکروہ ہے)۔

افضل یہ ہے کہ سنت گھر میں پڑھ کر جائے، لیکن اگر سنت گھر میں پڑھ کر نہیں گیا تو مسجد کے دروازے کے پاس سنت ادا کرے، اگر وہاں سنت ادا کرنے کی جگہ ہو۔ اور اگر سنت ادا کرنے کی جگہ نہ ہو تو مسجد میں کسی ستون کی آڑ میں سنت ادا کرے۔ اور اشد ترین مکروہ یہ ہے کہ جہاں فرض نماز ہو رہی ہو وہاں فجر کی سنت ادا کرے۔ (شامی/۲/۵۱۱)

اگر کوئی شخص فجر کی سنت جماعت شروع ہونے سے پہلے شروع کر رکھی ہے پھر فرض کے لئے جماعت کھڑی ہوگئی اور فرض نماز کے لئے تکبیر کہی جانے لگی تو نماز قطع نہ کرے؛ بلکہ سنت پوری کر لے، کوئی کراہت نہیں ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے فجر کی سنت شروع کر کے توڑ دے اور اس کے بعد جماعت میں شریک ہو جائے اور فرض نماز کے بعد اس کی قضاء کرے، یہ قول مردود ہے، اس لئے کہ دفع مضرت جلب منفعت سے مقدم ہے۔ (یہ درحقیقت فقیہ اسماعیل زاہدی کے قول کی تردید ہے، انھوں نے کہا تھا کہ فجر کی جماعت ہو رہی ہو تو سنت شروع کر کے توڑ دے اور بعد میں قضاء کرے)۔

وَلَا يَقضِيهَا إلّا بطريقِ التبعِيّةِ لِـ قضَاءِ فَرضِها قَبلَ الزّوالِ لَا بعدَهُ فِي الأصحّ لِوُرُودِ الخبرِ بقضَائِهَا في الوَقتِ المُهمَلِ، بخِلافِ القِياسِ، فغيرُهُ عليهِ لايُقاسُ، بِخِلافِ سُنّةِ الظّهرِ وَ كَذَا الجُمعَةِ فإنّهُ إنْ خافَ فوتَ ركعةٍ يترُكُها ويقتَدِي ثُمّ يأتِي بهَا علىٰ انّهُ سُنّةٌ فِي وقتِهِ أيْ الظُّهرِ قَبلَ شفعِهِ عِندَ مُحمّدٍ وبِهِ يُفتىٰ، جوهرة. وأمّا مَاقبلَ العِشاءِ فمَندُوبٌ لايُقضىٰ أصلاً، وَلَايكونُ مُصلِّيًا جماعةً إتفاقًا مَن أدركَ ركعةً مِن ذَواتِ الأربَعِ لأنّه مُنفرِدٌ ببعضِها لَكِنّهُ أدركَ فضلَهَا وَلَو بإدرَاكِ التّشهُّدِ إتّفاقًا، لكِن ثوابُهُ دُونَ المُدرِكِ لِفواتِ التّكبِيرةِ الأولىٰ، واللاّحِقُ كَالمُدرِكِ، لكَونِهِ مُؤتمًّا حُكمًا، وكَذَا مُدرِكُ الثّلاثِ لايَكونُ مُصلِّيًا بِجماعَةٍ علَى الأظهَرِ، وقَالَ السرخَسِي: للأكثرِ حُكمُ الكُلِّ، وضعّفهُ فِي البحر. وإذَا أمِنَ فوتَ الوقتِ تطوّعَ مَا شَاءَ قَبلَ الفرضِ وإلّا لَا، بَل يحرُمُ التطوُّعُ لِتفوِيتِهِ الفرضَ، ويأتِي بالسنّةِ مُطلقًا ولَو صَلّى مُنفرِدًا علَى الأصحّ لِكَونِهَا مُكمّلات، وأمّا حقهُ عليهِ الصلاةُ والسّلامُ فَلِزِيادةِ الدّرجَاتِ، ثُمّ قولُ الدُّررِ: وإنْ فاتتهُ الجماعَةُ مُشكل بِما مَرّ، فتَدَبّر. ولَو اقتَدىٰ بإمامٍ راكعٍ فوقَفَ حتّى رفعَ الإمامُ رأسَهُ لَم يُدرِكْ المُؤتمُّ الركعَةَ لأنّ المُشاركَةَ فِي جُزءٍ مِن الرُّكنِ شَرطٌ، ولَم تُوجَدْ فيكُونُ مَسبُوقًا فيأتِي بِها بعدَ فَراغِ الإمامِ، بِخِلافِ مَا لَو أدركَهُ فِي القِيامِ ولَم يَركَعْ معهُ، فإنّهُ يصِيرُ مُدركًا لهَا فيكُونُ لاحِقًا فيأتِي بِهِ قبلَ الفراغِ، ومتىٰ لَم يُدرِكْ الرُّكُوعَ معهُ تجبُ المُتابعةُ فِي السجدَتَينِ وإن لَم تحسبا لهُ، ولَاتفسُدُ بِترَكِهِمَا، فلَو لَم يُدرِكِ الرّكعَةَ ولَم يُتابِعهُ، لكِنّهُ لَمّا سَلّمَ الإمامُ فَقَامَ وأتىٰ بِركعَةٍ فَصلاتُهُ تامّةٌ وقَد تَرَكَ واجبًا، نهر عن التّجنِيسِ. ولَو رَكَعَ قبلَ الإمامِ فَلحِقَهُ إمامُهُ فِيهِ صحّ رُكُوعُهُ، وكرِهَ تحريمًا إنْ قرأ الإمامُ قدرَ الفَرضِ، وإلّا لَا يُجزيهِ، ولَو سجدَ

المُؤتمُ مَرّتَينِ والإمامُ فِي الأولىٰ لَم تجزهُ سجدتُهُ حنِ الثّانِيةِ، وتمامُهُ فِي الخُلاصَةِ.

فجر کی سنت کی قضاء کب کی جائے گی؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ فجر کی سنت کی قضاء نہیں ہے؛ البتہ اگر فرض نماز بھی قضاء ہوگئی ہے تو فرض کے ساتھ ساتھ سنت کی بھی قضاء کی جائے گی۔ اور اس بارے میں اصح قول یہ ہے کہ فجر کی سنت کی قضاء صرف زوال سے پہلے ہے، زوال کے بعد فرض کے تابع بناء کر بھی سنت کی قضاء نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ حدیث شریف میں اس کی قضاء کا ذکر وقت مہمل میں خلاف قیاس آیا ہے، لہٰذا اس وقت پر دوسرے وقت کو قیاس نہیں کیا جائے گا۔ (وقت مہمل اس وقت کو کہتے ہیں جو کسی بھی فرض نماز کا وقت نہ ہو۔ اور یہ وقت طلوعِ شمس سے لے کر زوال تک ہے اور اس کے علاوہ کوئی بھی وقت ہمارے نزدیک مہمل نہیں ہے۔ مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے تشریف لاتے ہوئے اخیر رات میں کسی مقام پر آرام کرنے کے واسطے لیٹ گئے اور حضرت بلالؓ کو فرمایا تم جاگتے رہنا اور صبح ہوتے ہی بیدار کرنا، اتفاق سے حضرت بلالؓ کی آنکھ بھی لگ گئی اور نیند آ گئی، جب بیدار ہوئے تو سورج نکل چکا تھا، فجر کی نماز قضاء ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہاں سے فوراً چلو۔ کچھ دور جانے کے بعد آفتاب جب کچھ بلند ہوا تو آپؐ نے فجر کی سنتیں پڑھ کر فرض نماز جماعت سے ادا فرمائی۔ اس حدیث کی وجہ سے فقہاء فرماتے ہیں کہ زوال سے پہلے پہلے فجر کی سنت کی قضاء کی جائے گی، زوال کے بعد نہیں)۔ (شامی/۲/۵۱۲)

ظہر اور جمعہ کی سنت ادا کرتے وقت فرض نماز کا شروع کرنا

اس کے برخلاف ظہر سے پہلے کی سنت ہے، اسی طرح جمعہ سے پہلے کی چار رکعت سنت ہے، اگر نمازی کو یہ اندیشہ ہے کہ سنت ادا کرنے کی صورت میں فرض کی ایک رکعت چھوٹ جائے گی تو وہ اس صورت میں ظہر اور جمعہ کی سنت چھوڑ کر جماعت میں شریک ہوکر فرض نماز ادا کرے گا، پھر فرض پڑھنے کے بعد ظہر سے قبل والی سنت کو ادا کرے گا، اس کے بعد دو رکعت جو ظہر کے بعد کی سنت ہے اس کو پڑھے گا۔ اور یہ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور وہ سنت جو عشاء سے پہلے ہے وہ غیر مؤکدہ ہے اس کی قضاء بالکل نہیں ہے۔

(علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے فرض کے بعد دو رکعت والی سنت کو ادا کرے گا، اس کے بعد ظہر سے پہلے جو سنت کی چار رکعتیں رہ گئی ہیں ان کو ادا کرے گا۔ صاحب فتح القدیر نے اسی کو راجح قرار دیا ہے اور فتاویٰ عتابی میں ہے کہ یہی مختار مذہب ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول بھی یہی ہے)۔ (شامی/۲/۵۱۴)

ایک رکعت پانے والا جماعت سے نماز پڑھنے والا نہیں ہے

چار رکعات فرض نماز میں سے جس نے ایک رکعت جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہے وہ بالاتفاق جماعت سے نماز پڑھنے والا نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس نے زیادہ تر حصہ میں تنہا نماز ادا کی ہے، لیکن اس رکعت کا پانے والا شخص جماعت کے ثواب کو پائے گا، یعنی اس کو جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا، اگر چہ وہ امام کے ساتھ التحیات میں کیوں نہ شریک ہوا ہو۔ اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے؛ لیکن جس شخص نے امام کے ساتھ صرف ایک رکعت پائی اس کو ثواب اس کے مقابلے میں جس نے پوری رکعات امام کے ساتھ ادا کی ہیں کم ملے گا، اس لئے کہ اس کی تکبیر اولیٰ چھوٹ گئی ہے۔ اور وہ شخص جو لاحق ہے، مدرک کے حکم میں ہے، اس لئے کہ لاحق مقتدی کے حکم میں ہے۔ (خلاصہ یہ ہے کہ جتنا ثواب مدرک کو ملتا ہے اتنا ہی ثواب لاحق کو بھی ملتا ہے، اور مسبوق کو ان دونوں سے کم ثواب ملتا ہے)۔

اسی طرح جس شخص نے چار رکعات میں سے تین رکعات امام کے ساتھ شریک ہو کر ادا کیں وہ بھی جماعت سے نماز پڑھنے والا نہیں ہوگا، اس بارے میں قولِ اظہر یہی ہے؛ لیکن امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ جس نے اکثر رکعات امام کے ساتھ پڑھی ہیں وہ جماعت سے ادا کرنے والا ہوگا، اس لئے کہ اکثر کو کل کا حکم ہوتا ہے، لیکن صاحب البحر الرائق نے اس قول کی تضعیف کی ہے۔

گنجائش کے وقت فرض سے پہلے نفل ادا کرنا

اور جب مقتدی وقت کے فوت ہونے سے بالکل مامون ہو تو وہ فرض نماز سے پہلے جس قدر چاہے نوافل ادا کرسکتا ہے؛ البتہ اگر وقت کے ختم ہونے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں نفل نہیں ادا کرے گا؛ بلکہ ایسے وقت میں تو نفل ادا کرنا حرام ہوگا، اس لئے کہ نفل ادا کرنے سے فرض کا چھوڑنا لازم آئے گا۔

سنتِ مؤکدہ ادا کرنے کا حکم

اور نمازی سنتِ مؤکدہ ہر حال میں ادا کرے گا، خواہ وہ فرض نماز تنہا کیوں نہ ادا کر رہا ہو، اس بارے میں اصح قول یہی ہے، اس لئے کہ سنتیں درحقیقت فرض نماز میں ہونے والی کمیوں اور خامیوں کو پوری کرنے والی ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرض نماز میں تو کسی طرح کی کوئی کمی وخامی نہ تھی اور نہ اس کا احتمال بھی ہوسکتا ہے، پھر آپؐ نے سنتِ مؤکدہ کیوں پڑھی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ سنتیں ترقیاتِ درجات اور

بلندیٔ مقامات کا ذریعہ ہیں۔

صاحب دُرر کی ایک عبارت کا مطلب

صاحب دُرر نے لکھا ہے کہ سنتیں ادا کرے اگر چہ جماعت فوت کیوں نہ ہوجائے، ایک مشکل اور دشوار مسئلہ ہے لہٰذا خوب غور کرلو کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ (درحقیقت یہ ایک اعتراض ہے کہ جب صاحب دُرر پہلے یہ لکھ چکے ہیں کہ اگر یہ خوف ہو کہ جماعت فوت ہوجائے گی تو سنت چھوڑ دے اور جماعت میں شامل ہوجائے۔ اور یہاں فرماتے ہیں کہ جماعت چھوٹ جائے تب بھی سنت پڑھے، یہ تو قولِ اوّل کے بالکل خلاف ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں صاحب دُرر کو مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے، انھوں نے ماقبل کا دھیان نہیں دیا ہے اور انھوں نے یہ لکھا ہے کہ ایک شخص کی جماعت چھوٹ گئی ہے، لہٰذا اس نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اب تنہا ہی نماز پڑھ لوں تو سوال یہ ہے کہ اب اس حال میں سنت پڑھے گا یا نہیں؟ بعض علماء نے لکھا ہے کہ سنت نہ پڑھے، صرف فرض ادا کرلے، اس لئے کہ سنتیں اس وقت ادا کی جاتی ہیں جب فرض کو جماعت سے ادا کرے۔ صاحب دُرر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر چہ اس کی جماعت چھوٹ چکی ہو اور اکیلا نماز پڑھنا چاہتا ہو تب بھی وہ سنتِ مؤکدہ ادا کرے گا، سنتوں کو نہیں چھوڑے گا)۔ (شامی/۲/۵۱۶)

امام کو رکوع میں نہ پائے تو کیا حکم ہے؟

امام رکوع کی حالت میں تھا کہ ایک مقتدی آ کر امام کے پیچھے کھڑا ہوگیا، ابھی یہ مقتدی امام کے ساتھ رکوع میں نہیں گیا تھا کہ امام نے اپنا سر رکوع سے اُٹھالیا، تو اس صورت میں وہ مقتدی اس رکعت کا پانے والا نہ ہوگا، اس لئے کہ نماز کے جملہ ارکان میں سے کسی بھی رکن کے جزء میں امام کے ساتھ شرکت ضروری اور شرط ہے اور وہ شرکت یہاں رکوع میں نہیں پائی گئی ہے، لہٰذا یہ مقتدی اس رکعت میں مسبوق قرار پائے گا اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس رکعت کو ادا کرے گا۔ اس کے برخلاف اگر نمازی نے امام کو بحالتِ قیام پایا اور امام کے ساتھ رکوع میں نہیں گیا تو اس صورت میں وہ نمازی حکماً اس رکعت کا پانے والا ہوگا اور اس کو اس رکعت میں لاحق قرار دیا جائے گا، لہٰذا اب اس نمازی کو چاہئے کہ امام کے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے رکوع کرے اور بقیہ نماز امام کے ساتھ ادا کرے۔

امام کے ساتھ سجدہ میں شرکت کرنا

اگر مقتدی امام کو رکوع میں نہ پاسکے تو بھی مقتدی پر واجب ہے کہ دونوں سجدوں میں امام کی متابعت کرے، گرچہ یہ

دونوں سجدے مقتدی کے حق میں شمار نہیں کئے جائیں گے، لہٰذا جب مقتدی امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس رکعت کو ادا کرے گا تو اس وقت بھی دو سجدے کرنے ہوں گے۔ اور اگر مقتدی نے امام کو رکوع میں نہیں پایا اور اس نے امام کے ساتھ دونوں سجدوں کو چھوڑ دیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر کسی نے امام کے ساتھ رکوع نہیں پایا اور اس نے امام کے دونوں سجدوں میں متابعت بھی نہیں کی، لیکن جب امام نے سلام پھیرا اور نماز سے فارغ ہو گیا تو اس نے اُٹھ کر ایک رکعت ادا کر لی تو اس طرح اس کی نماز مکمل ہو جائے گی؛ البتہ وہ ایک واجب کا ترک کرنے والا قرار پائے گا، یہ مسئلہ نہر الفائق میں تجنیس سے نقل کیا گیا ہے۔

مقتدی امام سے پہلے رکوع میں چلا گیا تو کیا حکم ہے؟

اگر مقتدی امام سے پہلے رکوع میں چلا گیا، لیکن پھر امام نے اس مقتدی کو رکوع میں پا لیا تو اس صورت میں اس مقتدی کا رکوع صحیح ہو جائے گا، لیکن مقتدی کا اپنے امام سے پہلے رکوع میں جانا مکروہ تحریمی ہوگا کہ مقتدی امام کے فرض مقدار قرأت کرنے کے بعد امام سے پہلے رکوع میں چلا گیا۔ اور مکروہِ تحریمی اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی کو اپنے امام سے پہلے رکوع اور سجدہ میں جانے سے منع فرمایا ہے اور شدید وعید بیان فرمائی ہے۔ اور اگر امام نے مقتدی کو رکوع میں نہیں پایا، یا مقتدی نے اس وقت رکوع کیا جب امام نے فرض مقدار قرأت نہیں کی تھی تو یہ رکوع مقتدی کے لئے کافی نہ ہوگا، دوبارہ رکوع کرنا پڑے گا ورنہ نماز باطل ہو جائے گی۔

امام ابھی پہلے سجدہ میں تھا اور مقتدی نے دو سجدے کر لئے تو مقتدی کا یہ دوسرا سجدہ اس رکعت کے دوسرے سجدے کی جگہ کافی نہ ہوگا، اس کی پوری تفصیل ''خلاصہ'' نامی کتاب میں مذکور ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ مقتدی پر دوسرا سجدہ کرنا لازم ہوگا، ورنہ نماز باطل ہو جائے گی)۔

بابُ قضَاءِ الفوائتِ

فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرنیکا بیان اوراسکے احکام ومسائل

اس باب میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ فوت شدہ نمازوں کے احکام ومسائل کو بیان کریں گے۔ چونکہ ادا کرنا اصل ہے اس لئے اس کے مسائل واحکام کو مقدم کیا۔ اور نمازوں کی قضاء اور وقت پر ادانہ کرنا خلاف اصل ہے اس لئے اس کے مسائل کو بعد میں بیان فرمار ہے ہیں۔ انسان کبھی دنیاوی اُمور میں اُلجھ کر، کبھی اہل وعیال کے فتنوں میں پھنس کر، تو کبھی سستی اور سہل انگاری کی وجہ سے وقت پر نماز پڑھنا چھوڑ دیتا ہے اور بعد میں قضاء کرتا ہے، حضرت مصنف علیہ الرحمہ اس کے متعلق احکام بیان کرر ہے ہیں۔

لَمْ يقُلْ المَترُوكاتِ ظنًّا بالمُسلمِ خيرًا، إذِ التَّاخِيرُ بِلاعُذرٍ كَبِيرةٌ لاتَزُولُ بالقَضاء، بَل بالتَّوبَةِ أو الحجِّ، ومِن العُذرِ العدُوُّ، وخوفُ القابِلةِ موتَ الولد، لأنَّهُ عليهِ الصلاةُ والسّلامُ أخَّرَها يومَ الخَندَقِ، ثُمّ الأداءُ فعلُ الوَاجبِ فِي وَقتِهِ، وبالتَّحرِيمةِ فقطْ بالوَقتِ يكُونُ اداءً عِندَنا، وبِركعةٍ عِندَ الشّافِعِي، والإعادةُ فعل مِثلهُ وفِي وقتِهِ لِخلَلٍ غيرِ الفَسادِ لِقولِهِمْ: كُلُّ صلاةٍ أُدِّيتْ مَعَ كراهةِ التّحريمِ تُعادُ، أي وُجوبًا فِي الوَقتِ، وامّا بعدَهُ فندبًا، والقَضاءُ فعلُ الواجِبِ بعدَ وقتِهِ، وإطلاقُه على غيرِ الواجِبِ كَالّتِي قبلَ الظُّهرِ مجازًا.

مومنوں کے ساتھ حسن ظن کا معاملہ کرنا

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ نے یہاں مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن کا گمان کرتے ہوئے "بابُ قَضَاءِ الفَوَائِتِ" کا عنوان لگایا ہے، یعنی فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا عنوان قائم کیا ہے۔ "بابُ قضاءِ المَترُوكاتِ" یعنی چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضاء کا عنوان نہیں دیا ہے؛ تاکہ مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی نہ ہو۔ (اور ظُنُّوا بالمُؤمنِينَ خَيرًا پر عمل ہوجائے)۔ اس لئے کہ بلاعذر نمازوں کو مؤخر کرنا اور وقت پر ادانہ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ اس کی تلافی قضاء کرنے سے نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ اس کی معافی کے لئے توبہ کرنالازم ہوتا ہے، یا پھر حج کرنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں، اس لئے کہ حج مبرور

کبائر کو ختم کر دیتا ہے۔ الغرض نماز کو بلا عذر شرعی تاخیر کرنا گناہِ کبیرہ ہے، ہاں شرعی عذر کی وجہ سے تاخیر کی جا سکتی ہے۔

وہ اعذار جن کی وجہ سے نماز کو مؤخر کرنا جائز ہے

وہ اعذار شرعیہ جن کی وجہ سے نماز کو وقت سے مؤخر کرنا جائز ہے، دشمن کا ہونا ہے۔ (مثال کے طور پر اگر مسافر کو دشمن کا خوف ہو، یا چوروں کا ڈر ہو، یا راہزنوں کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں مسافر کے لئے وقتیہ نماز کو مؤخر کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وقت پر ادا کرنے کی کوئی سبیل نہ ہو)۔ (شامی/۲/ ۵۱۸)

اسی طرح اگر بچہ جنانے والی دائی کو یہ خوف ہو کہ اگر نماز وقت پر ادا کی جائے گی تو بچہ مر جائے گا، اسی طرح اگر دائی کو بچہ کی ماں کے مرنے کا خوف ہو تو بھی نماز کو مؤخر کرنا جائز ہے، اس لئے کہ یہ واقعۃً شرعی عذر ہے اور عذر کی وجہ سے نماز کو مؤخر کرنا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کے دن دشمنوں کی وجہ سے کئی نمازیں مؤخر فرمائی تھیں، یعنی وقت پر نہیں پڑھ سکے تھے؛ بلکہ بعد میں قضاء کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب دشمنوں کی طرف سے خطرہ ہو اور چاروں طرف سے دشمن محاصرہ کر لے تو ایسے وقت میں نماز کو مؤخر کیا جا سکتا ہے۔

اداء کی تعریف

اداء کی تعریف یہ ہے کہ واجب کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔ ہمارے نزدیک اگر وقت کے اندر تحریمہ ادا ہو جائے گا تو واجب ادا ہو جائے گا۔ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اگر ایک رکعت ادا ہو جائے تو واجب ادا ہو جائے گا۔

اعادہ کی تعریف

اعادہ کی تعریف یہ ہے کہ کسی خلل کی وجہ سے مثل واجب کو وقت واجب میں ادا کرنا۔ اور یہ خلل فساد کے علاوہ ہو، اس لئے کہ حضرات فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی اس کا اعادہ واجبی طور پر وقت کے اندر کیا جائے گا اور وقت کے بعد اس کا اعادہ کرنا مستحب ہے۔

قضاء کی تعریف

قضاء کی تعریف یہ ہے کہ فعل واجب کو اس کے وقت کے بعد ادا کیا جائے۔ اور غیر واجب پر قضاء کا لفظ مجازاً بولا جاتا ہے، مثال کے طور پر ظہر کی سنت اگر چھوٹ جائے تو فرض کے بعد ادا کی جائے گی، لیکن اس کے لئے قضاء کا لفظ بولنا بطور مجاز ہے۔ یہ چند چیزیں ضروری تھیں جن کو حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے یہاں ذکر کر دیا ہے، تاکہ آنے والے مسائل واحکام کے فہم میں

آسانی ہو۔اب اس کے بعد مسائل کا بیان شروع کررہے ہیں۔

اَلتَّرتِيبُ بينَ الفُروضِ الخَمسَةِ والوِترِ أداءً وقَضَاءً لازِمٌ يفُوتُ الجوازُ بِفوتِهِ، للخَبرِ المَشهُور "مَن نامَ عَن صَلاةٍ" وبهِ يَثبُتُ الفَرضُ العَملِي وقَضَاءُ الفَرضِ والوَاجِبِ، والسُّنَّةُ فرضٌ وواجِبٌ وسُنة لفٌّ ونشرٌ مُرتّبٌ، وجَميعُ أوقاتِ العُمُرِ وقتُ القَضاءِ إلاَّ الثلاثةُ المنهِيةُ كمَا مَرّ، فلَم يجُز تفريعٌ علَى اللُّزُومِ فَجرُ مَن تذكّرَ أنَّهُ لَم يُوتِر لوُجوبِهِ عِندَهُ، إلاَّ إستِثنَاءٌ مِن اللُّزوم فَلايَلزَمُ التَّرتِيبُ إِذَا ضاقَ الوَقتُ المُستحَبُّ حَقِيقةً، إِذ لَيسَ مِنَ الحِكمةِ تَفوِيتُ الوَقتِيّةِ لِتدارُكِ الفَائِتةِ، ولَو لَم يسعِ الوَقتُ كُل الفَوائِتِ فالأصحُّ جوازُ الوَقتِيّةِ، مجتبى. وفِيهِ ظَنّ مَن عَليهِ العِشَاءُ ضيق وقت الفجرِ فصَلاَّهَا وفِيهِ سعةٌ يُكرّرُها إلَى الطُّلوعِ وفرضه الأخير، أو نسيت الفَائِتةَ لأنَّهُ عُذرٌ أو فائت ستٌّ إعتِقادِيّةً لِدُخولِهَا فِي حدِّ التّكرَارِ المُقتَضِي لِلحَرَجِ، بِخُروجِ وقتِ السَّادِسةِ علىَ الأصحّ ولَو مُتفرّقةً أو قَدِيمةً علَى المُعتمَدِ، لأنّــهُ متى اختلفَ التّرجِيحُ رجعَ إطلاقُ المُتونِ، بحر. أو ظَنَّ ظَنًّا مُعتبَرًا اى يسقُطُ لُزومُ التّرتِيبِ أيضًا بالظَنِّ المُعتبَرِ، كمَن صلّى الظُّهرَ ذاكِرًا لِترَكِهِ الفجْرَ فَسدَ ظُهرُه، فإذَا قَضَى الفَجرَ ثُمَّ صَلَّى العَصرَ ذاكِرًا للظُّهرِ جازَ العَصرُ، إِذ لاَ فَائِتَةَ عَليهِ فِي ظَنّهِ حالَ أداءِ العَصرِ، وهُو ظَنٌّ مُعتَبرٌ لأنّهُ مُجتهدٌ فِيهِ.

نمازوں کی ترتیب لازم ہے

پانچوں فرض نماز اور وتر کے درمیان اداءً اور قضاءً دونوں صورتوں میں ترتیب لازم ہے، اگر ترتیب فوت ہوجائے تو فرض نماز اور وتر نماز کی صحت بھی فوت ہوجاتی ہے۔اور فرض نمازوں اور وتر کے درمیان ترتیب کا لازم ہونا اس حدیث مشہور کی وجہ سے ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مَنْ نامَ عَنْ صلوٰةٍ". جو شخص کسی نماز کے وقت سوجائے یا نماز کو بھول جائے اور اس کو اس وقت یاد آئے جب وہ امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا تو چاہئے کہ اس نماز کو پڑھ لے جس میں وہ ہے اسکے بعد اس نماز کو ادا کرے جو اس کو یاد آئی ہے، پھر اس نماز کا اعادہ کرے جو امام کے ساتھ اس نے پڑھی ہے۔اس حدیث شریف سے ترتیب کا فرض عملی ہونا ثابت ہوتا ہے۔(صدر الشریعہ نے ترتیب کو فرض قرار دیا ہے۔اور صاحب محیط نے شرط کہا ہے۔اور معراج الدرایہ نے ترتیب کو واجب کہا ہے)۔ (شامی/۲/۵۲۳)

نمازوں کی قضاء کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ فوت شدہ فرض نماز کی قضاء فرض ہے اور فوت شدہ واجب نماز کی قضاء بھی واجب ہے اور سنت کی قضاء بھی سنت ہے اور اوقاتِ منہیہ کے علاوہ زندگی کے تمام اوقات میں فوت شدہ نمازوں کی قضاء کی جاسکتی ہے۔ اور جن اوقات میں قضاء مکروہ ہے وہ طلوعِ آفتاب، غروبِ آفتاب اور استواء کا وقت ہے، جیسا کی اس کی تفصیل ماقبل میں گذر چکی ہے۔

لزومِ ترتیب پر مسائل کی تفریع

فرائض وواجبات کے درمیان چونکہ ترتیب لازم ہے اس لئے اس شخص کی فجر کی نماز جائز نہیں ہوتی ہے جس کو یاد ہو کہ وتر کی نماز نہیں پڑھی ہے، اس لئے کہ وتر کی نماز حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے؛ البتہ اگر فجر کا وقت مستحب تنگ ہو تو اس وقت وتر کی نماز ذمہ میں یاد ہونے کے باوجود بھی فجر کی نماز جائز ہوجائے گی، اس لئے کہ ایک فوت شدہ نماز کے لئے وقتیہ نماز کا فوت کردینا کوئی حکمت کی بات نہیں ہے۔ لفظ "اِلاَّ" کے ذریعہ لزوم سے استثناء کیا گیا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ مستحب وقت کے تنگ ہونے کی صورت میں ترتیب لازم باقی نہیں رہتی ہے۔

وجوبِ ترتیب کا حکم کب ساقط ہوتا ہے؟

اگر وقت کے اندر تمام فوت شدہ نمازوں کے اداء کرنے کی گنجائش نہ ہو تو اس بارے میں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ وقتیہ نماز کا پڑھنا جائز ہوگا، جیسا کہ یہ مسئلہ مجتبیٰ نامی کتاب میں مذکور ہے۔ (مثال کے طور پر ایک شخص ایسا ہے جس پر وتر اور عشاء کی نماز باقی ہے، پھر فجر کا وقت صرف اتنا باقی ہے کہ اس میں صرف وتر پڑھ سکتا ہے اور فجر کی نماز، عشاء کی نماز پڑھنے کی گنجائش نہ ہو تو اس صورت میں بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ جب تک وتر کی نماز نہ پڑھ لے گا صبح کی نماز نہ ہوگی۔ اور مجتبیٰ نامی کتاب میں اصح اس کو کہا ہے کہ فجر کی نماز جائز ہوگی خواہ وتر نہ پڑھی ہو)۔ (شامی/۲/۵۲۶)

اور مجتبیٰ نامی کتاب میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ ایک شخص کے ذمہ عشاء کی نماز واجب تھی اس کو یہ خیال ہوا کہ فجر کا وقت بالکل کم ہے، چنانچہ اس نے فجر کی نماز پڑھ لی، پھر معلوم ہوا کہ وقت کے اندر مزید گنجائش تھی، چنانچہ اس نے فجر کی نماز دوبارہ پڑھی تو جو نماز اخیر میں پڑھی گئی وہی فرض ہوگی، بقیہ نماز نفل ہوگی۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ وقت میں عشاء اور فجر دونوں پڑھنے کی گنجائش ہے تو پہلے عشاء کی قضاء پڑھے پھر فجر کی ادا پڑھے۔

فوت شدہ نمازوں کا بھول جانا

اور اگر نمازی فوت شدہ نمازوں کو بھول گیا اور وقتیہ نماز ادا کر لی تو اس صورت میں ترتیب ساقط ہو جائے گی، اس لئے کہ نسیان بھی ایک عذر ہے۔ اور اگر کسی نمازی کے ذمہ فوت شدہ نمازیں چھ ہو جائیں تو اس وقت بھی ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ اور فوت شدہ چھ نمازیں ذمہ میں ہونے سے ترتیب اس لئے ساقط ہوتی ہے کہ چھ نمازوں کا فوت ہونا اس تکرار کی حد میں داخل ہو جاتی ہیں جو تنگی کو چاہتی ہیں۔ (اس لئے کہ جب نمازیں ذمہ میں واجب ہو جائیں گی تو اس صورت میں ایک فرض کا تکرار لامحالہ ہوگا اور تکرار کی صورت میں ترتیب کو واجب قرار دینا باعث حرج و تنگی ہے، اس لئے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ اور چھ فرض نمازوں میں ''اعتقادی'' کی قید اس لئے لگائی ہے تاکہ اس سے وتر نکل جائے، وتر اعتقادی فرض نہیں ہے؛ بلکہ فرض عملی ہے۔

اور جب چھ نمازیں فوت ہو جائیں تو چھٹی نماز کے وقت نکلنے کے بعد ترتیب ساقط ہوتی ہے، اس بارے میں اصح قول یہی ہے۔ اور وہ چھ نمازیں جو فوت شدہ ہوں خواہ متفرق ہوں، خواہ قدیم نمازیں ہوں معتمد مذہب کے مطابق سب اس میں داخل ہیں، اس لئے کہ جب ترجیح میں اختلاف واقع ہوتا ہے تو اس وقت متون کے اطلاق کو ترجیح دی جاتی ہے، جیسا کہ البحر الرائق میں ہے۔ (اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ چھٹی نماز میں دخولِ وقت کا اعتبار ہے، یعنی چھٹی نماز کا وقت داخل ہوتے ہی ترتب ساقط ہو جائے گی، لیکن خروجِ وقت والے قول کو ترجیح حاصل ہے)۔

معتبر گمان سے ترتیب کا ساقط ہونا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ترتیب کا لزوم معتبر گمان سے بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص نے ظہر کی نماز ادا کی جب کہ اس کو یہ یاد ہے کہ اس نے فجر کی نماز نہیں پڑھی ہے تو اس صورت میں اس کا ظہر فاسد ہو جائے گا، پھر جب اس نے فجر کی نماز قضاء کی اور پھر عصر کی نماز پڑھی، جب کہ اس کو یاد تھا کہ اس کے ذمہ ظہر باقی ہے تو عصر کی نماز جائز ہو جائے گی، اس لئے کہ اس کے گمان کے مطابق جس وقت وہ نماز ادا کر رہا تھا اس کے ذمہ کوئی فوت شدہ نماز نہیں تھی اور گمان کا اعتبار کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

وَ فِي المُجتبىٰ: مَن جَهِلَ فَرضِيَّةَ التَرتِيبِ يَلحقُ بِالنّاسِي، واختارهُ جَمَاعةٌ مِن أئمّةِ بُخاريٰ، وعليهِ يخرجُ مَا فِي القُنية: صبِيٌّ بلغَ وقتَ الفَجرِ وصلّى الظُّهرَ مَعَ تذكرهٖ جَازَ، ولَايلزَمُ التّرتِيبُ بهٰذا القدرِ، وَلَايَعُودُ لُزُومُ التّرتِيبِ بَعدَ سُقُوطِهٖ بكثرتِها أي الفَوائتِ بِعودِ الفَوائِتِ إلَى القِلّةِ بِسببِ القَضاءِ لِبعضِهَا عَلَى المُعتمدِ، لأنّ السَاقِطَ لايَعُودُ وَ كَذَا لايَعُودُ التّرتِيبُ بعدَ سقوطِهٖ بِباقِي المُسقِطاتِ السّابقَةِ مِن النِّسيَانِ والضِّيقِ، حتّى لَو خرجَ الوَقتُ فِي خِلالِ الوَقتِيّةِ لَاتفسُدُ وهُو مُؤد، هُو الأصحُّ، مُجتبىٰ. لكِن فِي النّهرِ والسِّراجِ عَنِ الدِّرايَةِ: لَو سقطَ لِلنّسيَانِ والضيقِ ثُمّ تذكّرَ واتسعَ الوَقتُ يعُودُ اتِّفاقًا ونحوهُ فِي الأشبَاهِ فِي بيَانِ السّاقط لايَعُودُ، فليحرر. وفسادُ أصل الصَّلوٰةِ بِتركِ التّرتِيبِ مَوقُوفٌ عِندَ أبِي حنِيفةَ سواءٌ ظَنّ وُجُوبَ التّرتِيبِ او لَا، فَإنْ كَثُرتْ وصارتِ الفَوائِتُ مع الفَائتةِ ستًّا ظهَرَ صِحّتُها، بِخُروجِ الوَقتِ الخَامسةِ الّتِي هِي سَادِسَةُ الفَوائتِ، لأنّ دُخُولَ وَقتِ السّادِسةِ غير شرطٍ، لأنّهُ لَو تَركَ فجرَ يومٍ وأدّى باقِي صلواتِهٖ انقَلَبتْ صحِيحةً بعدَ طُلوعِ الشّمسِ، وإلّا بأنْ لَم تصِرْ سِتًّا لَا يظهرُ صِحّتُها بَل تَصِيرُ نَفلًا، وفِيهَا يُقالُ: صلاةٌ تصحح خمسًا وأخرىٰ تفسد خمسًا، ولَو مَاتَ وعليهِ صلواتٌ فائِتةٌ وأوصٰى بالكفّارَةِ يُعطِي لكُلِّ صلوٰةٍ نِصفَ صاعٍ مِن بُرٍّ كَالفِطرَةِ، وَ كَذَا حُكمُ الوِترِ والصّومِ، وإنّما يُعطِي مِن ثُلُثِ مالِهٖ ولَو لَم يَترُكْ مالًا يستقرضُ وارثُهُ نصف صاعٍ مثلًا ويدفعُهُ لفقِيرٍ ثُمّ يدفعُهُ الفَقِيرُ للوَارِثِ، ثُمّ، وثُمّ حتّى يتمّ. ولَو قَضَاهَا ورثتُهُ بأمرِهٖ لَم يجُز لأنّهَا عِبادَةٌ بدنِيّةٌ بِخلافِ الحَجّ لأنّهُ يقبلُ النِّيابةَ، ولَو أدّى للفقِيرِ أقلَّ مِن نصفِ صَاعٍ لَم يجُزْ، ولَو أعطَاهُ الكُلَّ جازَ، ولَو فدَى عَن صلوٰتِهٖ فِي مرضِهٖ لايصِحُّ، بِخلافِ الصّومِ.

ترتیب کی فرضیت کا علم نہ ہونا

''مجتبیٰ'' نامی کتاب میں مذکور ہے کہ جو شخص ترتیب کی فرضیت کو نہ جانتا ہو اس کو بھولنے کے ساتھ شامل کیا جائے گا۔ اور جس طرح بھولنے والے پر ترتیب لازم نہیں ہے اسی طرح ترتیب کی فرضیت کو نہ جاننے والے پر بھی ترتیب لازم نہیں ہوگی؛ بلکہ ترتیب ساقط ہو جائے گی، بخاریٰ کے علماء کی جماعت نے اسی کو پسند کیا ہے اور اسی قول پر وہ مسئلہ متفرع ہے جو

قنیہ نامی کتاب میں مذکور ہے کہ ایک بچہ فجر کے وقت میں بالغ ہوا اور اس نے فجر کی نماز نہیں پڑھی اور ظہر کی نماز پڑھی جب کہ اس کو فجر کی نماز نہ پڑھنا یاد تھی تو اس صورت میں ظہر کی نماز اس کی جائز ہو جائے گی اور اس عذر کی وجہ سے ترتیب لازم نہ ہوگی، اس وجہ سے کہ عموماً اس عمر میں بچہ کو ترتیب کے واجب ہونے کا علم نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اس کو بھی بھولنے والے کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا۔

ساقط شدہ ترتیب لوٹتی ہے یا نہیں؟

اور جو ترتیب چھ یا زیادہ نمازوں کے چھوٹ جانے سے ساقط ہوئی ہے وہ ترتیب دوبارہ لوٹ کر نہیں آئے گی، خواہ فوت شدہ نماز قضاء کر کے چھ نمازوں سے کم کیوں نہ ہو جائے، اس بارے میں قابل اعتماد مذہب یہی ہے، اس لئے کہ جو چیز ایک مرتبہ ساقط ہو جاتی ہے دوبارہ لوٹتی نہیں ہے۔ (مثال کے طور پر ایک شخص کے ذمہ ایک ماہ کی نماز قضاء تھیں، اس کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو گئی تھی پھر اس نے فوت شدہ نمازوں کی قضاء پڑھنی شروع کی اور ایک ماہ کی ساری نمازیں قضاء پڑھ لیں، مگر ایک نماز اب بھی اس کے ذمہ باقی رہ گئی اور اس نے وقتیہ نماز اس کے یاد ہوتے ہوئے ادا کر لی تو اس کی وقتیہ نماز ادا ہو جائے گی۔ (شامی/۲/۵۲۹) اگر ترتیب لوٹتی تو وقتیہ نماز صحیح نہ ہوتی۔ اور "معتمد" کی قید اس لئے لگائی ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ اگر فوت شدہ نمازیں پڑھتے پڑھتے کم رہ جائیں تو پھر ترتیب لوٹ آئے گی۔ صاحب ہدایہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، مگر "کافی" نامی کتاب میں اس کا رد کیا گیا ہے۔ اور معراج الدرایہ اور دیگر کتب فقہ میں مذکور ہے کہ ترتیب کے نہ لوٹنے پر ہی فتویٰ ہے۔ ہاں اگر فوت شدہ ساری نمازیں قضاء پڑھ لیں، فوت شدہ نمازوں میں سے کوئی نماز اس کے ذمہ باقی نہیں رہی تو اب وہ از سر نو صاحب ترتیب ہوگا، قدیم ترتیب لوٹ کر نہیں آئے گی)۔ (شامی/۲/۵۲۹)

اسی طرح جو ترتیب بھولنے کی وجہ سے، یا وقت میں تنگی ہونے کی وجہ سے ساقط ہوتی ہے وہ بھی نہیں لوٹتی ہے حتی کہ اگر وقتیہ نماز ادا کرتے ہوئے وقت ختم ہو جائے تو بھی وقتیہ نماز فاسد نہ ہوگی اور وہ اس نماز کا ادا پڑھنے والا تصور کیا جائے گا، اس مسئلہ میں یہی قول اصح ہے جیسا کہ "مجتبیٰ" نامی کتاب میں مذکور ہے، لیکن نہر الفائق اور سراج الوہاج میں معراج الدرایہ سے یہ مسئلہ نقل کیا ہے کہ اگر بھولنے یا تنگیٔ وقت کی وجہ سے ترتیب ساقط ہوئی پھر اس کو قضاء نماز یاد آ گئی اور وقت کے اندر اس کے ادا کرنے کی گنجائش بھی ہے تو اس صورت میں بالاتفاق ترتیب لوٹ آئے گی۔ اور اسی کی طرح الاشباہ والنظائر میں بھی ہے، جہاں صاحب کتاب نے یہ باب قائم کیا ہے کہ "الساقط لا یعود" کہ ساقط شدہ چیز لوٹ کر نہیں آتی ہے، لہٰذا اس مسئلے کی خوب تنقیح وتحقیق کرنی چاہئے۔ (خلاصہ اس کا یہ ہے کہ صاحب مجتبیٰ اور صاحب درایہ کی باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے

کہ صاحب مجتبیٰ نے جو ترتیب نہ لوٹنے کی بات کہی ہے یہ اس صورت میں ہے جب وقت نکل چکا ہو۔ اور صاحب درایہ نے ترتیب لوٹنے کی جو بات کہی ہے یہ اس صورت میں ہے جب وقت باقی ہو اور اس میں دونوں نمازوں کی گنجائش ہو، اس طرح سے دونوں قولوں کے درمیان کوئی تعارض باقی نہیں رہتا ہے)۔ (شامی/۲/۵۳۰)

ترکِ ترتیب سے اصل نماز فاسد نہیں ہوتی ہے

ترتیب کے چھوڑنے کی وجہ سے اصل نماز کا فاسد ہونا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک موقوف ہے، خواہ نمازی نے ترتیب کے واجب ہونے کا گمان کیا ہو یا نہ کیا ہو، لہٰذا اگر فوت شدہ نمازیں بہت زیادہ ہو جائیں اور جن نمازوں کا فاسد ہونا موقوف ہو چھ ہو جائیں، تو پانچوں نماز کے وقت نکلنے کے وقت جو فوت شدہ نمازوں کے ساتھ مل کر چھٹی شمار میں ہوں گی ان پانچوں نمازوں کی صحت لوٹ آئے گی اور پانچوں نمازیں درست ہو جائیں گی، اس لئے کہ چھٹی نماز کا وقت داخل ہونا شرط نہیں ہے، اس لئے کہ اگر ایک شخص نے کسی دن کی فجر کی نماز نہیں پڑھی اور اس دن کی بقیہ نمازیں اس نے ادا کر لی ہیں جب کہ اس کو یہ یاد ہے کہ فجر کی نماز نہیں پڑھی ہے تو دوسرے دن طلوع آفتاب کے بعد اس کی یہ پڑھی ہوئی نمازیں صحیح ہو جائیں گی۔

(علامہ شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شارح نے اصل نماز کے فاسد ہونے کا قول کہا ہے حالانکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اصل نماز فاسد نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ نماز کا وصف فاسد ہوتا ہے، یعنی فرض کی نیت سے نماز تو پڑھی تھی لیکن اس کا فرض ادا نہیں ہوا، یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ اس کی محنت ہی ضائع ہوگئی؛ بلکہ اس کو نفل نماز کا ثواب مل جاتا ہے، لہٰذا "اصل الصلوٰۃ" کے بجائے شارح کے لئے "وصف الصلوٰۃ" کہنا بہتر تھا۔ (شامی/۲/۵۳۰)

قَولُهُ وإلاَّ بِأنْ لَم تَصِرْ سِتًّا إلخ: اور جو نمازیں فساد موقوف کے طور پر فاسد ہوئی تھیں وہ چھ نہ ہوں؛ بلکہ اس سے کم ہوں تو اس صورت میں ان پانچوں نمازوں کی صحت نہیں لوٹے گی اور ان سے فرض ادا نہ ہوگا؛ بلکہ وہ نمازیں سب کی سب نفل ہو جائیں گی۔ (ایک شخص کے ذمہ مثال کے طور پر فجر کی نماز ہے جو اس نے نہیں پڑھی ہے، اب اس نے فجر کو چھوڑ دیا اور ظہر کی نماز پڑھی، عصر کی نماز پڑھی، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی اور پھر اس نے دوسرے دن طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی نماز پڑھ لی تو اب وہ ساری نمازیں (ظہر، عصر، مغرب اور عشاء) فاسد ہو جائیں گی اور نفل ہو جائیں گی۔ اور اگر اس نے فوت شدہ نماز فجر کو آفتاب کے طلوع ہونے تک نہیں پڑھا تو اس صورت میں وہ تمام نمازیں درست ہو جائیں گی جو بطور موقوف فاسد ہوئی تھیں۔ اسی کے متعلق بطور معمہ بنا کر کہا جاتا ہے: ایک ایسی نماز ہے جو پانچ نمازوں کو درست کر ڈالتی ہے اور دوسری ایک نماز ایسی ہے جو پانچ فرض نمازوں کو فاسد کر ڈالتی ہے)۔

فوت شدہ نمازوں کا فدیہ ادا کرنا

ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس کے ذمہ بہت ساری فوت شدہ نمازیں ہیں اس نے کفارہ دینے کی وصیت کی ہے تو ہر نماز کے بدلہ میں نصف صاع گیہوں فدیہ میں دیا جائے گا، جس طرح کہ صدقۃ الفطر میں ایک آدمی کی طرف سے نصف صاع گیہوں دیا جاتا ہے۔ (اور اگر مرنے والا شخص نماز کے ادا کرنے پر قادر تھا خواہ اشارہ ہی سے کیوں نہ ہو پھر اس نے ادا نہیں کیا ہے تو اس صورت میں اس پر لازم ہے کہ کفارہ دینے کی وصیت کر جائے)۔

نمازِ وتر کا فدیہ

جس طرح فرض نمازوں کا کفارہ دیا جاتا ہے، اسی طرح وتر نماز کا بھی کفارہ دینا ہوگا۔ اور روزہ چھوڑنے کی صورت میں بھی کفارہ دینا ہوگا۔ (گویا ہر دن چھ نمازوں کا فدیہ دیا جائے گا) اور نماز روزے کا فدیہ میت کے ترکہ میں سے ثلث مال سے دیا جائے گا۔ اور اگر میت نے اپنے ترکہ میں کچھ بھی مال نہیں چھوڑا یا اتنا کم مال چھوڑا کہ تمام نمازوں اور روزوں کا فدیہ نہ ہو سکے تو اس صورت میں میت کا وارث یہ حیلہ اور تدبیر کرے گا کہ نصف صاع گیہوں قرض لے اور وہ فقیر کے حوالہ کرے، پھر فقیر اس پر قبضہ کر کے میت کے وارث کو ہبہ کر دے، وارث پھر فقیر کو دیدے، فقیر پھر وارث کو ہبہ کر دے، پھر وارث فقیر کو دیدے، اسی طرح اتنی مرتبہ آپس میں لین دین کرے کہ تمام نمازوں کا فدیہ ہو جائے (مگر یہ حیلہ وارث کے ذمہ واجب نہیں ہے)۔

میت کی طرف سے وارثوں کا نماز روزہ ادا کرنیکا حکم

اگر میت کے وارثین میت کے حکم سے اس کی فوت شدہ نمازوں کی قضاء کریں تو یہ نمازیں میت کی طرف سے درست نہ ہوں گی اور میت کے ذمہ سے ساقط نہ ہوں گی، اس لئے کہ نماز ایک خالص بدنی عبادت ہے اور بدنی عبادت میں نیابت درست نہیں ہے؛ بلکہ بذاتِ خود مکلف کو کرنے کا حکم ہے، اس کے برخلاف حج ہے اس میں نیابت جائز ہے، یعنی اگر وارث نے میت کی طرف سے حج کر دیا تو میت کی طرف سے حج ادا ہو جائے گا اور میت کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جائے گا، اگرچہ میت نے وصیت نہیں کی ہے اور یہ اس لئے ہے کہ حج عبادتِ مالیہ اور بدنیہ دونوں سے مرکب ہے، لہٰذا اس میں عذر کے وقت نیابت جائز ہے۔

ایک فقیر کو نصف صاع سے کم دینا

اگر ایک فقیر کو نصف صاع سے کم فدیہ دیا تو یہ جائز نہ ہوگا؛ بلکہ ایک فقیر کو کم از کم نصف صاع گیہوں دے تو جائز ہوگا۔ اور اگر تمام نمازوں کا فدیہ ایک ہی فقیر کو دیدیا تو بھی جائز ہے۔ (کفارۂ یمین، کفارۂ ظہار اور کفارۂ افطار میں عدد شرط ہے، ایک ہی فقیر کو سارا مال دیدینا درست نہیں ہے؛ بلکہ ہر فقیر کو دینا ضروری ہوگا۔ اس کے برخلاف نماز روزہ کے فدیہ کی کل رقم ایک فقیر کو دینا بھی جائز ہے)۔

مرض الموت میں اپنی نماز کا خود فدیہ دینے کا حکم

اگر کوئی شخص اپنے مرض الموت میں خود اپنی نماز کا فدیہ دے تو یہ درست نہ ہوگا؛ بلکہ اس پر واجب ہے کہ فدیہ دینے کی وصیت کرکے مرے، البتہ روزہ کا فدیہ بذاتِ خود ادا کرنا جائز ہے، لیکن اس فدیہ کی صحت اس کی موت کے بعد ثابت ہوگی۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ میں تتمہ سے نقل کیا ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے یہ پوچھا گیا کہ مرض الموت میں بذاتِ خود نماز کا فدیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت حسن بن علیؓ نے فرمایا: جائز نہیں ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ سے یہ معلوم کیا گیا کہ کیا شیخ فانی پر نماز کا فدیہ اس کی زندگی میں واجب ہے، جس طرح کہ روزہ کا فدیہ واجب ہے؟ حضرت امام ابو یوسفؒ نے نفی میں جواب دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ حیات میں نماز کا فدیہ روا نہیں ہے)۔ (شامی/۲/۵۳۵)

وَ يَجُوزُ تَاخِيرُ الفَوائِتِ وإنْ وَجبتْ علىَ الفورِ لِعُذرِ السّعي علَى العَيالِ وفِي الحَوائجِ علَى الأصحِّ وسَجدة التِلاوَةِ والنّذر المطلَق وقَضَاء رَمضَانَ مُوسعٌ. وضيق الحُلوانى، كذَا فِي المُجتبىٰ. ويعذرُ بالجَهلِ حربيٌّ أسلمَ ثمه ومكث مُدّةً فلاقضاءَ عَليهِ لأنّ الخِطابَ إنّمَا يلزَمُ بالعِلمِ أو دليله ولَم يُوجد، كَمَا لاَ يَقضِي مُرتدٌّ مَا فاتَهُ زمنهَا وَلاَ مَاقبلَهَا، إلاّ الحجَّ لأنَهُ بالرِدّةِ يصِيرُ كَالكَافِرِ الأصلِي، وَ لِذَا يَلزَمُ بإعَادَةِ فرضٍ أداءهُ ثمّ ارتدَّ عقبَهُ وتَابَ اى أسلمَ فِي الوَقتِ لأنَهُ حبطَ بالرِدّةِ، قالَ تعالىٰ ﴿وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِالْإِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ﴾ وخَالفَ الشّافعىُّ بدليلِ ﴿فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ﴾ قُلنَا: افادتْ عملَينِ و جَزاءَينِ: إحباط العَملِ، والخُلود فِي النّارِ، فالإحبَاطُ بالرِدّةِ، والخُلودُ بالمَوتِ عَليهَا، فَليحفظْ.
فُروعٌ: صَبيٌّ احتلمَ بعدَ صَلاة العِشاءِ وَاستيقظَ بعدَ الفَجرِ لَزِم قضاؤُهَا. صَلّى فِي مَرضِهِ

بالتَّيمُّمِ والإيْمَاء مَا فَاتَهُ فِي صِحَّتِهِ صَحَّ، و لايُعِيدُ لَو صحَّ، كثرة الفوائِتِ نوىٰ اوّلَ ظهر عليـه أو آخرهُ، وكَذَا الصَّومُ لَو مِن رَمضَانَينِ هُـو الأصحُّ، وينبَغِي ان لايطَّلعَ غيرُهُ علىٰ قَضائِهِ لأنَّ التاخِيرَ معصِيةٌ فلايظهِرُها.

قضاء نمازوں میں تاخیر کی گنجائش ہے

صاحب درمختار علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ فوت شدہ نمازیں جو ذمہ میں واجب ہیں ان کو فوراً ادا کرنا واجب ہے، لیکن عذر کی وجہ سے ان نمازوں کو مؤخر کرنا بھی جائز ہے، جیسے کہ اہل وعیال کے لئے کمانا ہو، یا دوسری اپنی ضرورتیں ہوں تو اصح قول کے مطابق فوت شدہ نمازیں دیر سے بھی ادا کی جاسکتی ہیں۔ (الغرض جتنی فرصت ملے تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کرسکتا ہے، لیکن چھوڑنا جائز نہیں ہے)۔

سجدۂ تلاوت وغیرہ کی قضاء میں بھی تاخیر کی گنجائش نہیں ہے

اور سجدۂ تلاوت (جو خارجِ نماز واجب ہوا ہے) نذرِ مطلق اور رمضان کے روزے کی قضاء میں وسعت ہے، یعنی جب بھی موقع ملے ان کو ادا کرسکتا ہے؛ البتہ امام طوانی نے اس میں تنگی پیدا کی ہے، چنانچہ موصوف فرماتے ہیں کہ خواہ سجدۂ تلاوت ہو، یا نذرِ مطلق، یا رمضان شریف کا روزہ، جلدی سے ادا کرے تاخیر نہ کرے، جیسا کہ یہ مسئلہ مجتبیٰ نامی کتاب میں مذکور ہے۔

حربی شخص کے لئے شرعی عذر

جس حربی نے دارالحرب میں اسلام قبول کیا ہے اور دارالحرب ہی میں کچھ مدت تک رکا رہا ہے (اور دین کے مسائل واحکام کو نہیں سیکھا ہے) تو اس کو مسائل واحکام نہ جاننے کی وجہ سے شرعی اعتبار سے معذور سمجھا جائے گا اور اس پر قضاء واجب نہ ہوگی، اس لئے کہ شریعت اسلامیہ کا خطاب علم، یا دلیل علم کی بنیاد پر لازم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ نہ علم پایا گیا اور نہ ہی دلیل علم پایا گیا۔ (اور دلیل علم سے مراد دارالاسلام میں ہونا ہے، اس لئے کہ دارالاسلام میں اسلام کے فرائض ومسائل عام طور پر سارے لوگ جانتے ہیں، لہٰذا دارالاسلام میں جہالت عذر نہ ہوگا اور جس قدر بھی نمازیں فوت ہوئی ہیں ان کی قضاء کرے گا)۔ (شامی/٢/٥٣٦)

کیا مرتد شخص زمانۂ ارتداد کی فوت شدہ نمازیں قضاء کرے گا؟

جو لوگ مرتد اور اسلام سے نکل گئے ہوں پھر اسلام میں داخل ہو گئے ہوں تو ان پر ان نمازوں کی قضاء نہیں ہے جو انھوں نے زمانۂ ارتداد یا زمانۂ ردّت سے پہلے چھوڑی ہیں، اس لئے کہ ارتداد کی وجہ سے وہ اصل کافر کی طرح ہو جاتا ہے تو جس طرح اصل کافر پر زمانۂ کفر کی فوت شدہ نمازوں کی قضاء واجب نہیں ہے اسی طرح مرتد شخص سے بھی زمانۂ ردّت میں فوت شدہ نمازوں کی قضاء واجب نہیں ہے؛ البتہ حج کی قضاء کرے گا، یعنی اس کا اعادہ کرے گا، اس لئے کہ حج کا وقت پوری زندگی ہے، پس جب ردّت کی وجہ سے حج باطل ہو گیا اور پھر مسلمان ہونے کی حالت میں حج کا وقت پالیا تو اس پر اس کا اعادہ لازم ہے۔

اور مرتد چونکہ اصل کافر کی طرح ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اس پر اس فرض کا اعادہ لازم ہو گا جس کو اس نے اس وقت ادا کیا اور پھر مرتد ہو گیا اور پھر اسی نماز کے وقت میں مسلمان ہو گیا، اس لئے کہ مرتد ہونے کی وجہ سے اس کا وہ فرض جو اس نے پڑھا ہے باطل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے ﴿وَ مَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ﴾ جو شخص ایمان واسلام سے پھر کر کفر اختیار کرے گا اس کا عمل برباد ہو جائے گا۔ (اور چونکہ ابھی اس نماز کا وقت باقی تھا اور مسلمان ہو گیا تو اس پر دوبارہ نماز فرض ہو گئی ہے، اس لئے اس کا اعادہ لازم اور ضروری ہے)۔ لیکن حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس پر فرض کا اعادہ لازم نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے اندر دیا ہے ﴿فَیَمُتْ وَ هُوَ کَافِرٌ﴾ اس آیت میں احباطِ عمل کو کفر پر موت ہونے پر معلق کیا گیا ہے، یعنی اگر مرتد ہونے کی حالت ہی میں موت ہو جائے تو عمل باطل ہو جائے گا ورنہ نہیں۔ علمائے احناف کہتے ہیں کہ اس آیت میں دو کاموں اور دو جزاؤں کا فائدہ پہنچایا گیا ہے، دو جزاؤں میں سے ایک عمل کا باطل ہونا ہے اور دوسرے جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے، اس میں پہلی جزاء یعنی احباطِ عمل تو ردّت کی وجہ سے ہے اور دوسری جزاء یعنی مرتد شخص کا ہمیشہ جہنم میں رہنا حالت ارتداد میں مرنے کی وجہ سے ہے، لہٰذا اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔

شارح کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل کا بیان

چند مسائل جو ماتن سے رہ گئے تھے شارح علیہ الرحمہ ان کو بیان کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ ایک بچہ جو نابالغ تھا، عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد سویا اور نیند میں اس کو احتلام ہو گیا اب فجر کے بعد وہ بیدار ہوا تو اس پر عشاء کی نماز کی قضاء پڑھنا لازم ہوگی۔ اس لئے کہ سونے سے پہلے وہ نابالغ تھا، عشاء کی نماز اس پر فرض نہ تھی؛ بلکہ نفل کی حیثیت سے پڑھی تھی، اب جب

رات میں بالغ ہوگیا تو اس پر عشاء کی نماز فرض ہوگئی، چاہے وہ سویا ہوا کیوں نہ تھا اس لئے کہ سونا خطابِ شرعی کے لئے مانع نہیں ہے، لہٰذا بیدار ہونے کے بعد غسل کر کے عشاء کی نماز ادا کرے۔

تندرستی کی حالت میں فوت شدہ نمازوں کی قضاء بیماری کی حالت میں

ایک بیمار اور مریض نے بیماری کی حالت میں تیمم کر کے اشارہ کے ساتھ وہ نماز قضاء پڑھی جو اس کی زمانۂ صحت میں فوت ہوگئی تھی تو اس کی یہ نماز درست ہوگی اور تندرستی کے بعد اس نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے؛ بلکہ بیماری کی حالت میں جو قضاء پڑھی ہے وہی نماز کافی ہے۔

فوت شدہ نمازوں کی نیت کس طرح کرے؟

اگر بہت ساری نمازیں ذمہ میں واجب ہو جائیں اور ان کی قضاء کرے تو اس طرح نیت کرے کہ پہلی ظہر کی نماز ادا کر رہا ہوں جو ذمہ میں ہے، پھر اس کے بعد دوسری ظہر ادا کر رہا ہوں، اسی طرح تمام فوت شدہ نمازیں ادا کرے۔ (یعنی سب سے پہلی ظہر جو ذمہ میں ہے اس کو ادا کر رہا ہوں پھر اس کے بعد کی ظہر کو ادا کر رہا ہوں، پھر اس کے بعد کی، الیٰ آخرہ دوسری نمازوں کو بھی اسی طرح ادا کرے) اسی طرح اگر کسی کے دو رمضان کے روزے قضاء ہوگئے ہوں تو اس طرح نیت کرے کہ پہلے رمضان کے روزے کی قضاء رکھ رہا ہوں، جب پہلے رمضان کا روزہ ادا ہو جائے تو دوسرے رمضان کے روزے کی قضاء کی نیت کرے، اس مسئلہ میں یہی قول اصح ترین ہے۔

قضاء نمازیں اعلانیہ ادا نہ کی جائیں

اور جن لوگوں کے ذمہ قضاء نمازیں ہوں ان کو چاہئے اعلانیہ طور پر قضاء نہ کریں اور قضاء کرتے وقت دوسروں کو مطلع ہونے نہ دیں؛ بلکہ قضاء نمازیں چھپ کر ادا کریں، اس لئے کہ نمازوں کو تاخیر سے ادا کرنا معصیت اور گناہ کی بات ہے، لہٰذا اس کو ظاہر نہیں کیا جائے گا، اسی وجہ سے علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ قضاء نمازوں کو کھلے عام پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔ اور مسجد میں بھی فوت شدہ نمازوں کی قضاء مکروہِ تحریمی ہے۔ (شامی/۲/۵۳۹)

بابُ سُجُودِ السَّهوِ

سجدۂ سہو کے احکام ومسائل کا بیان

چونکہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے، نماز میں داخل ہوکر نمازی کے دل میں مختلف وسواس وخطرات پیدا کرتا رہتا ہے اور نماز سے خشوع وخضوع ختم کرنے کے لئے جان توڑ کوشش کرتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اس کی یہ اہم عبادت خشوع وخضوع کے ساتھ ادا نہ ہو؛ بلکہ اس میں کمی پیدا ہوجائے، شیطان نماز میں داخل ہوکر کہتا ہے: فلاں چیز یاد کرو، فلاں چیز یاد کرو، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی بسا اوقات نماز کے واجبات کو بھول جاتا ہے، جس سے شیطان خوش ہوتا ہے اس لئے شریعت نے شیطان کی خوشی پر پانی پھیرنے کے لئے سجدۂ سہو کو واجب کیا ہے اس لئے شیطان ذلیل وخوار اور ناکام ہوکر لوٹ جاتا ہے۔

مِن إضافةِ الحُكمِ إلىٰ سَبَبِه، وأولاهُ بالفَوائتِ، لأنّهُ لإصلاحِ مَا فَاتَ، وهُو والنِّسيَانُ والشَّكُّ واحدٌ عِندَ الفُقهَاءِ، والظَّنُّ الطَرَفُ الرَّاجِحُ، والوَهْمُ الطَّرَفُ المَرجُوحُ، يَجبُ لَه بعدَ سلامٍ واحِدٍ عَن يَمِينِه فَقَط لأنّهُ المَعهُودُ، وبِهِ يحصُلُ التَّحلِيلُ وهُو الأصحُّ، بحر عنِ المُجتبىٰ. وعلَيهِ لَو أتىٰ بِتَسلِيمتَينِ سقطَ عَنهُ السُّجُودُ، ولَو سجدَ قَبلَ السَّلامِ جازَ وكرِهَ تَنزِيهًا، وعِندَ مالكٍ: قَبلَهُ فِي النُّقصَانِ، وبعدَهُ فِي الزِّيادَةِ، فيُعتبرُ القَافُ بالقَافِ والدَّالُ بالدَّالِ، سَجدَتَانِ وَ يَجبُ أيضًا تَشهُّدٌ وسَلامٌ لأنَّ سُجودَ السَّهوِ يرفعُ التشهُّدَ دُونَ القعدَةِ لِقوّتِها، بخلاَفِ الصُّلبِيّةِ فإنّهَا ترفعُهُما، وكَذَا التِّلاوِيّةُ علَى المُختَارِ، ويأتِي بالصَّلاةِ علَى النَّبِي صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّمَ، والدُّعاءِ فِي القُعودِ الأخِيرِ فِي المُختَارِ، وقِيلَ فِيهِما احتِياطًا، إذَا كانَ الوَقتُ صالِحًا فلَو طَلعَتِ الشَّمسُ فِي الفجرِ، أو احمَرّتْ فِي القَضَاءِ أو وجدَ مِنهُ ما يقطَعُ البِناءَ بعدَ السَّلامِ، سقطَ عنهُ، فتح. وفِي القنية: لَو بنىٰ النَّفلَ علىٰ فرضٍ سهَا فِيهِ لم يَسجُدْ بِتَركِ مُتعلِّقٍ بِيَجِبُ وَاجِبٍ مِمّا مرَّ فِي صِفةِ الصَّلاةِ، سهوًا، فلاَسُجُودَ فِي العَمدِ، قِيلَ إلّا فِي أربعٍ: تَركُ القَعدَةِ الأولىٰ، وصلاتُهُ فِيه علَى النّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عليهِ وسلَّمَ، وتفكرُهُ

عمدًا حتّٰی شغلَهُ عَن رُكنٍ وتَاخِيرُ سجدَةِ الرَّكعةِ الأولٰى إلٰى آخرِ الصَّلاةِ، نهر. وإنْ تكرَّرَ لأنَّ تكرارَهُ غيرُ مَشرُوعٍ كَرُكُوعٍ مُتعلّقٌ بتركِ وَاجِبٍ قَبلَ قِراءةِ الواجِبِ لِوُجوبِ تَقدِيمِها، ثُمَّ إنَّما يتحقَّقُ التركُ بالسُّجُودِ، فلَو تذكَّرَ ولَو بعدَ الرَّفعِ مِنَ الرُّكوعِ عادَ ثُمَّ أعادَ الرُّكوعَ إلّا أنّهُ فِي تذكرِ الفَاتحةِ يُعِيدُ السُّورةَ أيضًا، وتَاخِيرِ قِيامٍ إلٰى الثَّالِثةِ بزِيادَةٍ علٰى التَّشهُّدِ بِقَدرِ رُكنٍ وقِيلَ بحَرفٍ. وفِي الزَّيلعِي: الأصحُّ وجوبُهُ باللّٰهُمَّ صَلِّ علٰى مُحَمَّدٍ.

چنداصطلاحات کا بیان

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "بابُ سُجُودِ السَّھو" میں حکم اضافت اس کے سبب کی طرف ہے، اس لئے کہ نماز میں سہو کا واقع ہونا سبب ہے سجدہ کے واجب ہونے کا، لہٰذا اصل میں اس طرح ہے "بابُ وُجوبِ سجُودِ السّھوِ" گویا اس میں مضاف محذوف ہے۔ اور یہ بتانا مقصود ہے کہ بعض صورتوں میں سجدہ کرنا واجب ہوتا ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "بابُ سُجودِ السَّھو" کو "بابُ قضاءِ الفوائتِ" کے بعد بالکل متصل اس لئے بیان کیا ہے کہ سجدۂ سہو درحقیقت اس چیز کی اصلاح کے لئے واجب ہوتا ہے جو نماز میں فوت ہوجاتی ہے، تو فوائت سے ایک گونہ مناسبت ہوگئی ہے، اس لئے اس باب کو متصلاً ذکر فرمایا ہے۔

نسیان اور شک وغیرہ میں فرق

حضرات فقہاءِ امت کے نزدیک ''نسیان'' اور ''شک'' دونوں ایک چیز ہیں۔ اور ''ظن'' طرف راجح کو کہتے ہیں۔ اور ''وہم'' طرف مرجوح کو کہتے ہیں۔ (علامہ شامی علیہ الرحمہ نے البحر الرائق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ لغت کے اعتبار سے نسیان اور سہو کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، ضرورت کے وقت جو یاد نہ آئے اس کو سہو اور نسیان کہتے ہیں۔ اور رملی نے کہا کہ سہو درحقیقت کسی معلوم چیز کے متعلق غافل ہوجانا ہے، ادنیٰ غور وفکر کے بعد وہ شئی معلوم ہوجائے۔ اور ''نسیان'' کہتے ہیں: شئی معلوم کا بالکل زائل ہوجانا۔ اور حکماء فرماتے ہیں کہ سہو کہتے ہیں کہ صورت کا قدرتِ مدرکہ سے زائل ہونا قوتِ حافظہ میں موجود ہوتے ہوئے۔ اور ''نسیان'' کہتے ہیں صورت کا قدرتِ مدرکہ اور قوتِ حافظہ دونوں سے بالکل غائب ہوجانا۔ اور جب کسی چیز کے ہونے نہ ہونے میں کسی بھی جانب کو ترجیح دیئے بغیر تردد ہو تو اس کو ''شک'' کہتے ہیں۔ اور اگر اس میں کسی بھی جانب ترجیح حاصل ہو تو اس کو ''ظن'' کہتے ہیں۔ اور جس جانب کو ترجیح حاصل نہ ہو اس کو مرجوح اور ''وہم'' کہتے ہیں)۔ (شامی/۲/۵۳۹)

سجدۂ سہو کرنے کا شرعی طریقہ

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نمازی پر سہو کے دو سجدے صرف دائیں طرف سلام پھیرنے کے بعد واجب ہوتے ہیں، اس لئے کہ صرف دائیں طرف سلام پھیر کر سہو کے دو سجدے کرنا پہلے سے چلا آرہا ہے اور ایک ہی سلام سے تحلیل بھی حاصل ہو جاتی ہے، یعنی تحریمہ کے بعد جو چیزیں حرام ہوئی تھیں وہ سب کی سب ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد حلال ہو جاتی ہیں اور آدمی نماز سے نکل جاتا ہے اور اس بارے میں یہی صحیح قول ہے، جس کو صاحب البحر الرائق نے البحر الرائق میں مجتبیٰ نامی کتاب سے نقل کیا ہے۔

اگر کوئی شخص دونوں طرف سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے؟

ماقبل میں ابھی ابھی یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ صرف ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کرے۔ اس سے یہ مسئلہ نکلا کہ اگر کسی نے دونوں طرف سلام پھیر دیا تو اس سے سجدۂ سہو ساقط ہو جائے گا۔ (اس لئے کہ دوسرا سلام درحقیقت صرف قوم کی تحیہ کے لئے ہوتا ہے، لہٰذا یہ دوسرا سلام کلام کے مشابہ ہو گیا، لہٰذا دوسرا سلام بھی پھیر دینے سے سجدۂ سہو ساقط ہو جائے گا اور اس کو دوبارہ نماز ادا کرنی ہوگی، دونوں سلام پھیرنے کے بعد صرف سجدۂ سہو سے کام نہیں چلے گا)۔ (شامی/۲/۵۴۱)

سلام پھیرنے سے پہلے سجدۂ سہو کرنے کا حکم

اگر کسی نے سجدۂ سہو سلام پھیرنے سے پہلے کر لیا تو یہ جائز ہے، لیکن قبل السلام سجدۂ سہو کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر نماز میں کوئی کمی واقع ہوئی ہو تو قبل السلام سجدۂ سہو کرے اور اگر نماز میں کچھ زیادتی ہوئی ہے تو بعد السلام سجدۂ سہو کرے، لہٰذا حضرت امام مالکؒ کے نزدیک قبلیت کا قاف نقصان کے قاف کے ساتھ معتبر ہے۔ اور لفظ ''بعد'' کی دال زیادہ کی دال کے ساتھ معتبر ہے۔ (ایک مرتبہ حضرت امام ابو یوسفؒ، امام مالکؒ کی مجلس میں موجود تھے اور یہی مسئلہ چل پڑا تو امام ابو یوسفؒ نے سوال کیا کہ حضرت اگر نماز میں کچھ کمی بھی ہو اور کچھ زیادتی بھی تو کس طرح سہو کا سجدہ ادا کرے گا قبل السلام یا بعد السلام؟ تو حضرت امام مالکؒ یہ اعتراض سن کر خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے)۔

سجدۂ سہو کے واجبات

سہو کے دو سجدے واجب ہیں اور التحیات کا پڑھنا اور سلام کا پھیرنا بھی واجب ہے، اس لئے کہ سجدۂ سہو التحیات پڑھنے کو ختم کر دیتا ہے، لیکن قعدۂ اخیرہ کو دور نہیں کرتا ہے اس لئے کہ قعدۂ اخیرہ سجدۂ سہو سے زیادہ قوی ہے، کیونکہ قعدۂ اخیرہ فرض ہے

اور سجدۂ سہو واجب۔ (اور فرض، واجب سے قوی ہوتا ہے) البتہ نماز کا سجدہ قعدۂ اخیرہ اور التحیات دونوں کو دور کر ڈالتا ہے اور قولِ مختار کے مطابق سجدۂ تلاوت کا بھی یہی حال ہے۔ گو کہ یہ سجدۂ تلاوت واجب ہے، چونکہ سجدۂ تلاوت قرأت کا اثر اور تابع ہے اور قرأت کا رکن ہے اس لئے سجدۂ تلاوت کو بھی اس کا حکم دے دیا گیا ہے۔ اور سجدۂ سہو کرنے کے بعد قعدۂ اخیرہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے گا اور اس کے بعد دعاء بھی، مختار قول یہی ہے۔ اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ احتیاطاً دونوں قعدوں میں درود شریف اور دعاء پڑھے۔

کن وقتوں میں سجدۂ سہو جائز نہیں ہے

اگر نمازی پر کسی واجب کے چھوٹنے کی وجہ سے یا تقدیم و تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوا تو سجدۂ سہو اس وقت ادا کرے جب وقت کے اندر اس کی گنجائش ہو، لہٰذا اگر فجر کی نماز میں آفتاب نکل آئے، یا قضاء نماز میں آفتاب سرخ ہو جائے، یا نمازی کی طرف سے کوئی ایسی حرکت پائی گئی جو سلام کے بعد نماز کی بناء کو قطع کر دے، تو ان صورتوں میں اس سے سجدۂ سہو ساقط ہو جائے گا، جیسا کہ یہ مسئلہ فتح القدیر میں ہے۔ اور قنیہ نامی کتاب میں یہ جزئیہ ہے کہ اگر کسی نے نفل کی بناء اس فرض پر کی ہے جس میں اس نمازی سے بھول واقع ہوئی ہے تو وہ اس صورت میں سجدۂ سہو نہ کرے، یعنی فرض کے بعد سجدۂ سہو نہ کرے؛ بلکہ نفل کے اخیر میں کرے گا۔

سجدۂ سہو کب واجب ہوتا ہے؟

نمازی کے ذمہ سجدۂ سہو اس وقت لازم ہوتا ہے جب نمازی سے بھول کر ان واجبات میں سے کوئی واجب چھوٹ جائے جن کا ذکر "باب صفۃ الصلوٰۃ" کے تحت گذر چکا ہے، لہٰذا اگر کسی نے واجب کو قصداً چھوڑ دیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہے؛ بلکہ اس نماز کا اعادہ لازم ہے۔

عمداً واجب ترک کرنے کا حکم

اگر کسی نے جان بوجھ کر واجباتِ نماز میں سے کسی واجب کو چھوڑ دیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہے؛ بلکہ اس پر اس نماز کا اعادہ لازم ہے۔ لیکن ایک ضعیف قول یہ ہے کہ چار صورتوں میں قصداً بھی واجب چھوڑنے سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے اور اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔ وہ چار صورتیں درج ذیل ہیں: (۱) قعدۂ اولیٰ کو جان بوجھ کر چھوڑ دینا۔ (۲) قعدۂ اولیٰ میں جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا، یعنی التحیات کے بعد درود شریف پڑھنا۔ (۳) نماز میں

جان بوجھ کر اتنی دیر سوچنا کہ ایک رکن کی مقدار ہو جائے۔ (۴) پہلی رکعت کے سجدہ کو اخیر رکعت تک مؤخر کرنا۔ ان چار صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے اور نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، جیسا کہ النہر الفائق میں ہے۔

متعدد واجبات چھوٹ جائیں تب بھی دو سجدے کافی ہیں

اگر واجب کا ترک ایک نماز میں متعدد بار ہو جائے، تب بھی سجدۂ سہو دو ہی واجب ہوں گے متعدد سجدۂ سہو واجب نہ ہوں گے، اس لئے کہ سجدۂ سہو کا تکرار غیر مشروع ہے۔ (شامی میں ہے کہ اگر کوئی شخص نماز کے تمام واجبات کو چھوڑ دے تب بھی دو ہی سجدے واجب ہوں گے)۔ (شامی/۲/۵۴۳)

ترکِ واجب کی مثال

ترکِ واجب کی مثال یہ ہے کہ واجب قرأت سے پہلے رکوع کرنا، اس لئے کہ قرأت کا رکوع پر مقدم کرنا واجب ہے اور قرأت کا ترک اس وقت لازم آئے گا جب وہ سجدے میں چلا جائے، پس اگر اس کو قرأت سجدہ میں جانے سے پہلے پہلے یاد آجائے اگر چہ رکوع سے سر اُٹھانے کے بعد ہی کیوں نہ یاد آجائے تو اس صورت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ ساتھ سورۃ کا بھی اعادہ کرے، یعنی ایک شخص کو رکوع یا قومہ میں یہ یاد آیا کہ اس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی ہے، تو اب یہ شخص سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورۃ کا بھی اعادہ کرے گا، تاکہ دونوں کے درمیان ترتیب قائم رہے۔

تیسری رکعت کے لئے اُٹھنے میں تاخیر کرنے کی وجہ سے سجدۂ سہو کا حکم

اور ترکِ واجب کی دوسری مثال یہ بھی ہے کہ تیسری رکعت کے لئے اُٹھنے میں تاخیر کرنا، وہ اس طرح کہ التحیات پڑھنے کے بعد تیسری رکعت کے لئے اُٹھنے کے بجائے ایک رکن کی ادائیگی کی مقدار تاخیر کر دے تو سجدۂ سہو واجب ہے۔ اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ التحیات پر اگر ایک حرف کی بھی زیادتی کی گئی تو سجدۂ سہو لازم ہوگا، لیکن علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ اس بارے میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اگر التحیات کے بعد قعدۂ اولیٰ میں "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ" کا اضافہ کر دے تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ (اور یہ مسئلہ پہلے آچکا ہے کہ جب تک ''وعلیٰ آلِ محمد'' نہیں پڑھے گا سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا، یہی اکثر علماء کا قول ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔ اور وجوبِ سجدۂ سہو کی وجہ درود شریف پڑھنا نہیں بلکہ تیسری رکت کے لئے اُٹھنے میں تاخیر کرنا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص التحیات پڑھ کر چپ چاپ خاموش بیٹھا رہا تب بھی سجدۂ سہو واجب ہوگا)۔ (شامی/۲/۵۴۴)

وَالجَهرُ فِيمَا يُخافتُ فِيه للإمامِ وعكسُهُ لِكُلِّ مُصلٍّ فِي الأصحِ، والأصحُ تقدِيرُهُ بِقدرِ مَا يَجوزُ بِهِ الصَّلاةُ فِي الفصلَينِ. وقِيلَ قائلُهُ قاضي خان: يجبُ السهو بِهِما أي بالجَهرِ والمخافَتةِ مُطلقًا أي قَلَّ أو كَثُرَ وهُو ظَاهرُ الرِّوايَةِ واعتمَدَهُ الحُلوانِي علىٰ مُنفرِدٍ مُتعلّقٌ بِيَجِبُ، ومُقتدٍ بِسهوِ إمامِهِ إن سجدَ إمامُهُ لِوجوبِ المُتابعةِ لَا بسَهوِهِ أصلاً والمَسبُوقُ يسجُدُ معَ إمامِهِ مُطلقًا سواءٌ كانَ السَّهوُ قبلَ الإقتِداءِ او بعدَهُ ثُمَّ يقضِي مَا فاتَهُ ولَو سهَا فِيه سجدَ ثانِيًا، وكَذَا اللاحِقُ، لكِنَّهُ يسجُدُ فِي آخرِ صلاتِهِ، ولَو سجدَ معَ إمامِهِ أعادَهُ، والمُقيمُ خلفَ المُسافِرِ كَالمَسبُوقِ، وقِيلَ كَاللاحِقِ، سهَا عَنِ القُعودِ الأوّلِ مِن الفرضِ ولَو عمليًّا، أمّا النّفلُ فيعُودُ مَا لَم يقيّد بالسّجدَةِ، ثُمّ تذكّرَهُ عادَ إليهِ وتشهَّدَ، ولَاسهوَ علَيهِ فِي الأصحِّ، مَا لَمْ يستقِمْ قائِمًا فِي ظَاهرِ المَذهَبِ وهُوَ الأصحُّ، فتح. وإلّا أي وإن اسْتقامَ قائِمًا لَا يعُودُ لاشتِغالِهِ بِفرضِ القِيامِ وسَجدَ لِلسَّهوِ لِتركِ الوَاجِبِ فلَو عادَ إلَى القُعُودِ بعدَ ذَلِكَ تفسُدُ صلاتُه لِرفضِ الفَرضِ لِمَا لَيسَ بِفرضٍ، وصحّحَهُ الزّيلعِيُّ، وقِيلَ لَا تفسُدُ، لكنّهُ يكُونُ مُسيئًا ويسجُدُ لِتاخِيرِ الوَاجِبِ وهُو الأشبَهُ كمَا حَقّقهُ الكَمالُ وهُو الحَقُّ، بحر. وهٰذا فِي غيرِ المُؤتمِّ، أمّا المُؤتمُّ فيعُودُ حتمًا، وإنْ خافَ فوتَ الرّكعَةِ لأنّ القُعودَ فرضٌ علَيهِ بِحُكمِ المُتابعَةِ، سراج. وظَاهرُهُ أنّهُ لَو لَم يعدْ بطلَتْ، بحر. قُلتُ: وفِيهِ كلامٌ، والظّاهِرُ أنّها واجِبةٌ فِي الوَاجبِ، فَرضٌ فِي الفَرضِ، نهر. ولَنا فِيها رِسالةٌ حافلةٌ فراجِعْها.

جہری نمازوں میں سری قرأت کردی تو کیا حکم ہے؟

اور جن نمازوں میں سراً قرأت کرنے کا حکم ہے ان میں بلند آواز سے قرأت کرنا اور جن نمازوں میں جہراً قرأت کرنے کا حکم ہے ان میں سراً یعنی آہستہ قرأت کرنا بھی سجدۂ سہو کو واجب کر دیتا ہے۔ (حضرت علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں صاحب درمختار علامہ حصکفیؒ سے ایک غلطی ہوگئی ہے، ان کو عبارت اس طرح بنا کر پیش کرنی چاہئے تھی: وَالجَهرُ فِيمَا يخافتُ لِكُلِّ مُصلٍّ یعنی جن نمازوں میں بلند آواز سے قرأت کرنے کا حکم ہے ان میں آہستہ کردی تو تمام نمازیوں پر سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ وعَكسُهُ للإمامِ اور جن نمازوں میں آہستہ کرنے کا حکم تھا ان میں بلند آواز سے قرأت کردی تو اس صورت میں صرف امام پر سجدۂ سہو واجب ہوگا، اس لئے کہ جہری نماز میں منفرد پر جہر واجب نہیں ہے بالاتفاق، کہ اس کے

ترک پر سجدۂ سہو کرے۔ (شامی/۲/۵۴۵)

سری یا جہری نمازوں میں کتنی مقدار سر و جہر کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؟

اس بارے میں اصح قول کے مطابق جہری نماز میں اتنی مقدار سراً قرأت کرنا جو جوازِ نماز اور صحت نماز کے لئے کافی ہو۔اور سری نماز میں قرأت کی اتنی مقدار بلند آواز سے پڑھنا کہ نماز درست ہو جاتی ہے، سجدۂ سہو واجب کر دیتا ہے۔اور کہا گیا ہے کہ اس کے قائل قاضی خاں ہیں کہ سری میں جہر کرنے سے اور جہری میں سر کرنے سے مطلقاً سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، خواہ مقدار تھوڑی ہو یا زیادہ اور یہی قول ظاہر الروایہ ہے۔اور اسی قول پر امام حلوانی نے اعتماد کیا ہے۔(مگر شارح علیہ الرحمہ نے قولِ اوّل کو اصح قرار دیا ہے، اس لئے کہ بخاری و مسلم میں ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور سورۃ پڑھتے تھے۔اور اخیر کی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے اور کبھی آیت پڑھنے کی آواز آپ سنا دیتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ سری نماز میں کچھ کلمات بلند آواز سے پڑھ دینا جائز ہے، اس سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا ہے، اسی لئے شارح نے قولِ اوّل کو اصح قرار دیا ہے۔اور ہدایہ، فتح القدیر، تبیین الحقائق اور منیۃ المصلی میں اسی قول کی تصحیح کی گئی ہے)۔ (شامی/۲/۵۴۵)

منفرد اور مقتدی پر سجدۂ سہو کا حکم

واجب کے چھوڑنے کی وجہ سے سجدۂ سہو منفرد پر بھی واجب ہوتا ہے اور مقتدی پر بھی، لیکن مقتدی پر اس کے امام کے سہو کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔اگر مقتدی کا امام سجدۂ سہو کرے گا تو امام کی متابعت میں مقتدیوں پر بھی سجدۂ سہو کرنا لازم ہوگا۔اور مقتدیوں کے سہو کی وجہ سے امام پر سجدۂ سہو بالکل واجب نہیں ہوتا ہے اور نہ خود مقتدیوں پر سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے، اس لئے کہ اگر مقتدی سلام سے پہلے سجدۂ سہو کرے گا تو امام کی مخالفت لازم آتی ہے اور اگر سلام کے بعد سجدۂ سہو کرے گا تو وہ نماز سے نکل چکا ہے۔

مسبوق شخص پر سجدۂ سہو

اور مسبوق شخص جس کی ایک رکعت یا دو رکعت امام کے ساتھ چھوٹ گئی، وہ بھی اپنے امام کے ساتھ مطلقاً سجدۂ سہو کرے گا، خواہ امام سے یہ غلطی اس کے اقتداء کرنے سے پہلے ہوئی ہو یا اقتداء کرنے کے بعد ہوئی ہو، بہر صورت مسبوق اپنے امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرے گا۔اور سجدۂ سہو کے بعد جب امام سلام پھیرے گا تو مسبوق اپنی ما بقیہ نماز کو الگ سے پورا کرے

گا۔اور اگر مسبوق اس مابقیہ نماز کی ادائیگی میں کوئی موجب سہو کام کرے گا تو مسبوق اس میں دوبارہ سجدۂ سہو کرے گا، اس لئے کہ مسبوق اپنی ان رکعتوں میں منفرد کی طرح ہے۔

لاحق شخص پر سجدۂ سہو

اسی طرح اگر کوئی شخص لاحق ہے تو اس پر بھی اپنے امام کی بھول کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہے، یعنی جس طرح امام سجدۂ سہو کرے گا لاحق شخص بھی سجدۂ سہو کرے گا، لیکن لاحق اپنی نماز کے اخیر میں سجدۂ سہو کرے گا۔اور اگر اس نے امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرلیا تھا تو اپنی نماز کے اخیر میں دوبارہ سجدۂ سہو کرے گا۔

مقیم مقتدی، مسافر امام کے پیچھے سجدۂ سہو کس طرح ادا کرے؟

اگر کوئی شخص مقیم ہے اور مسافر امام کے پیچھے نماز ادا کررہا ہے تو وہ مقیم مقتدی مسبوق کی طرح ہے، یعنی امام کے ساتھ ہی سجدۂ سہو کرے گا۔اور بعض علماء نے فرمایا کہ مقیم مقتدی مسافر امام کے پیچھے اگر نماز ادا کررہا ہو تو یہ لاحق کے حکم میں ہے۔اور لاحق شخص جس طرح اپنے امام کی اقتداء میں سجدۂ سہو کرتا ہے اسی طرح مقیم مقتدی بھی مسافر امام کے پیچھے سجدۂ سہو کرے گا، یعنی مقیم مقتدی امام کے سلام پھیرنے کے بعد بقیہ نماز ادا کرے گا تو اس کے اخیر میں سجدۂ سہو کرے گا۔

فرض نماز میں قعدۂ اولیٰ بھول گیا تو کیا حکم ہے؟

اگر نمازی فرض نماز میں قعدۂ اولیٰ بھول گیا اور بیٹھنے کے بجائے تیسری رکعت کے لئے اُٹھنے لگا، پھر اس کو خیال آیا کہ قعدۂ اولیٰ بھول گیا، تو اس پر واجب ہے کہ قعدۂ اولیٰ کی جانب لوٹ آئے اور التحیات پڑھے، بشرطیکہ وہ بالکل سیدھا کھڑا نہ ہوگیا ہو۔اور اصح قول کے مطابق اس کی وجہ سے اس پر سجدۂ سہو بھی واجب نہیں ہے اور یہی ظاہر مذہب بھی ہے۔"عملیاً" کی قید لگا کر شارح نے یہ بتایا کہ فرض عام ہے، خواہ فرض اعتقادی ہو، جیسے نماز پنج گانہ، یا صرف فرضِ عملی ہو، جیسے: وتر کی نماز، اس باب میں دونوں قسم کے فرض کا حکم یکساں ہے، یعنی اگر سیدھا نہ کھڑا ہوا ہو تو بیٹھ جائے اور التحیات پڑھے۔اور اگر نماز نفل ہو اور اس میں قعدۂ اولیٰ بھول جائے اور تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوجائے تو جب تک تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو یاد آنے کے بعد بیٹھ جائے اور التحیات پڑھے۔

فرض اور وتر نماز میں قعدۂ اولیٰ بھول کر بالکل کھڑا ہوگیا تو کیا حکم ہے؟

اگر کسی شخص نے فرض نماز یا وتر نماز کا قعدۂ اولیٰ بھول کر نہیں کیا اور بالکل سیدھا کھڑا ہوگیا، اس کے بعد اس کو قعدۂ اولیٰ یاد

آیا تو اب یہ شخص قعدۂ اولیٰ کی جانب نہیں لوٹے گا، اس لئے کہ قیام فرض ہے اور قیام میں مشغول ہے، لہٰذا فرض کو چھوڑ کر واجب کی جانب نہیں لوٹے گا۔ اور چونکہ قعدۂ اولیٰ واجب تھا اور وہ چھوٹ گیا اس لئے اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

اور اگر فرض و واجب نمازوں میں قعدۂ اولیٰ بھول کر تیسری رکعت کے لئے بالکل سیدھا کھڑا ہو گیا اور یاد آنے کے بعد التحیات کے لئے بیٹھ گیا تو اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ اس نے فرض (قیام) کو غیر فرض (قعدۂ اولیٰ) کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اس قول کی علامہ زیلعی نے تصحیح کی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی، لیکن ایسا کرنے والے کو برا قرار دیا جائے گا۔ اور تاخیر واجب کی وجہ سے اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ اور یہ دوسرا قول یعنی نماز کے فاسد نہ ہونے کا قول حق سے زیادہ مشابہ ہے، جیسا کہ اس کی تحقیق علامہ ابن الکمال نے کی ہے، اور یہی بات حق ہے، جیسا کہ البحر الرائق میں ہے۔ اور یہ حکم مقتدی کے علاوہ (منفرد اور امام) کے لئے ہے۔ باقی رہا مقتدی کا مسئلہ اگر وہ قعدۂ اولیٰ چھوڑ کر کھڑا ہو جائے تو وہ یقینی طور پر التحیات کے لئے بیٹھ جائے، اگر چہ اس کو اس رکعت کے چھوٹنے کا اندیشہ ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ مقتدی پر امام کی متابعت میں بیٹھنا فرض ہے، جیسا کہ سراج الوہاج نامی کتاب میں مذکور ہے۔ (اس مسئلہ کی صورت یہ ہوگی: ایک شخص امام کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا، امام دو رکعتوں کے بعد بیٹھ گیا اور مقتدی بھول کر سیدھا کھڑا ہو گیا، امام کے ساتھ قعدہ میں نہیں بیٹھا تو مقتدی پر واجب ہے کہ وہ بھی بیٹھ جائے اور التحیات پڑھے، اگر چہ مقتدی کو یہ ڈر ہو کہ التحیات پڑھنے سے امام کے ساتھ تیسری رکعت فوت ہو جائے گی)۔ (شامی/۲/۵۵۰)

اور یہاں جو یہ کہا گیا ہے کہ قعدہ میں امام کی متابعت فرض ہے اس کا ظاہر قول اس بات کا متقاضی ہے کہ اگر مقتدی قعدہ کے لئے لوٹا نہیں تو اس صورت میں اس کی نماز باطل ہو جائے گی، جیسا کہ البحر الرائق میں ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس میں کلام ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ واجب نماز میں امام کی پیروی واجب ہے اور فرض نماز میں امام کی متابعت فرض ہے، جیسا کہ نہر الفائق میں ہے۔ امام کی متابعت کرنے کے سلسلہ میں ہمارا ایک مفید رسالہ ہے لہٰذا آپ اس کا مطالعہ کرلیں۔

وَلَو سَها عَنِ القُعودِ الأخِيرِ كُلِّهِ أو بعضِهِ عَادَ ويَكفِي كونُ كِلَا الجَلسَتَينِ قَدرَ التَشهُّدِ مَا لَم يُقَيِّدها بسجدَةٍ لأنّ مَا دُونَ الرّكعةِ محلُ الفَرضِ وسجدَ للسَّهوِ لِتأخِيرِ القُعودِ وإنْ قَيَّدَها بسجدَةٍ عامدًا أو نَاسِيًا أو ساهِيًا أو مُخطِئًا تحوّلَ فرضُهُ نفلاً برَفعِهِ الجَبهةَ عِندَ محمّدٍ، بهِ يُفتىٰ، لأنّ تمامَ الشَيءِ بآخرِهِ، فلَو سبقَهُ الحدثُ قبلَ رفعِهِ توضَّأ وبنىٰ خلافًا لأبِي يُوسُفَ، حتّى قَالَ: زه صلاةٌ فسدت أصلَحها الحدِيثُ والعِبرةُ للإمامِ، حتّى لو عَادَ ولَم يَعلَم بهِ القَومُ حتّى سجدُوا لَم تَفسُدْ صلاتُهُمْ مَا لَم يتعَمّدُوا السجُودَ، وفِيه يلغز: أي

مُصلٍّ ترکَ القعُودَ الأخیرَ وقیّدَ الخَامِسةَ بِسجدَۃٍ ولَم یبطُلْ فرضُہُ؟ وضمَّ سادِسةً ولَو فِی العَصرِ وَ الفَجرِ، إنْ شاءَ لاِختِصاصِ الکَراھۃِ والإتمامِ بالقَصدِ ولاَیسجُدُ للسَّھوِ علَی الأصحِّ لأنَّ النُّقصَانَ بالفَسادِ لاینجبرُ وإنْ قعدَ فِی الرَّابعَۃِ مثلاً قدرَ التَّشھُدِ ثمَّ قامَ عادَ وسلَّمَ، ولَو سَلَّمَ قائِمًا صحَّ، ثُمَّ الأصحُّ انَّ القومَ یَنْتَظِرُونَہُ، فإن عَادَ تَبِعُوہُ وإنْ سجدَ للخَامِسةِ سلَّمُوا لأنَّہُ تمَّ فرضُہُ إذْ لَم یبقَ علیہِ إلاَّ السَّلامُ وضمَّ إلیھَا سادِسةً وَلَو فِی العَصرِ، وخَامِسةً فِی المغرِبِ ورابعَۃً فِی الفجرِ، بہٖ یُفتیٰ، لِتصِیرَ الرَّکعتَانِ لہُ نفلاً والضَّمُّ ھُنا آکدُ، ولا عھْدَۃَ لَو قطعَ، ولاَ باْسَ بإتمامِہٖ فِی وقت کراھۃٍ علَی المُعتَمَدِ، وسجدَ للسَّھوِ فِی الصُّورتَینِ لِنُقصَانِ فَرضِہٖ بتأخِیرِ السَّلامِ فِی الأولیٰ وترکِہٖ فِی الثَّانِیۃ وَ الرَّکعتَانِ لاینوِ بانِ عنِ السُّنۃِ الرَّاتِبۃِ بعدَ الفَرضِ فِی الأصحِّ، لأنَّ المُواظبَۃَ علیھِما إنَّمَا کانتْ بِتحرِیمَۃٍ مُبتداۃٍ، ولَو اقتدیٰ بہٖ فِیھِما صلاَّھا أیضًا، و إنْ أفسدَ قضَاھُما، بہٖ یُفتیٰ، نِقایۃ.

اگر نمازی قعدۂ اخیرہ بھول جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص پورے قعدۂ اخیرہ کو بھول جائے، یا اس کے کسی حصہ کو بھول جائے اور زائد رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو اس صورت میں جب تک اس نے زائد رکعت کے لئے سجدہ نہیں کیا ہے رکعت کو چھوڑ دے اور لوٹ کر بیٹھ جائے، اس لئے کہ جو ابھی مکمل ایک رکعت نہ ہوئی ہو وہ قابل ترک ہے، اس کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ اور چونکہ قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنے میں تاخیر ہوگئی ہے اس لئے اس پر سجدۂ سہو بھی واجب ہوگا۔ حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں جلسوں کو ملا کر تشہد کی مقدار ہو گیا تو کافی ہے، نماز ہو جائے گی۔

قعدۂ اخیرہ میں بھول کر کھڑا ہو گیا اور زائد رکعت کا سجدہ کر لیا تو کیا حکم ہے؟

اگر قعدۂ اخیرہ میں بھول کر کھڑا ہونے کے بعد اس نے زائد رکعت کا سجدہ بھی کر لیا، خواہ زائد رکعت کا سجدہ جان بوجھ کر کر لیا، خواہ بھول کر کیا، خواہ سہو کی وجہ سے کیا، خواہ غلطی سے کیا، بہرصورت سجدہ کر لینے کے بعد اس کی یہ فرض نماز نفل نماز میں بدل جائے گی۔ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک سجدہ پورا اس وقت ہوتا ہے جب سجدہ سے سر اٹھا لیا جائے۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سجدہ کے لئے سر زمین پر رکھنے ہی سے سجدہ پورا ہو جاتا ہے، لیکن یہاں فتویٰ حضرت امام محمدؒ کے قول پر ہے، اس لئے کہ کسی شئی کی تکمیل اس کے اخیر تک پہنچ جانے سے ہوتی ہے، لہٰذا اگر کسی کو سجدہ سے سر اٹھانے سے پہلے پہلے

حدث لاحق ہوگیا اور وضوٹوٹ گیا تو وضو کرے اور پھر بناء کرے، یعنی وضو کر کے قعدۂ اخیرہ کرے اور نماز کو مکمل کرے، یہ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔اور حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کی نماز سجدہ میں جاتے ہی فاسد ہوگئی ہے، پھر حدث سے اس کی اصلاح کس طرح ہوسکتی ہے؟ کیونکہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے یہاں سر کو زمین پر رکھتے ہی سجدہ ادا ہوجاتا ہے، لہٰذا اب قعدۂ اخیرہ کی گنجائش نہیں رہی، اس لئے اس کی فرض نفل سے بدل گئی ہے، لہٰذا اب فرض کی اصلاح نہیں ہوسکتی ہے۔اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک سجدہ کی تکمیل سجدہ سے سر اُٹھانے کے بعد ہوئی ہے اور ابھی اس نے سر اُٹھایا نہیں ہے اس لئے ابھی اس کا فرض باطل بھی نہیں ہوا ہے، لہٰذا قعدۂ اخیرہ کر کے اصلاح کی جاسکتی ہے۔

اور زائد رکعت میں امام کے سجدہ کا اعتبار ہے، مقتدیوں کے سجدے کا اعتبار نہیں ہے، یہاں تک کہ امام زائد رکعت کے لئے کھڑے ہونے کے بعد بیٹھ گیا اور مقتدیوں کو اس کا علم نہ ہوسکا، یہاں تک کہ مقتدیوں نے زائد رکعت کا سجدہ کرلیا تو اس سے مقتدیوں کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور ان کی فرض نماز نفل سے نہیں بدلے گی، جب تک کہ مقتدی جان بوجھ کر زائد رکعت میں امام کی پیروی نہ کرلیں۔اور اسی مسئلہ میں یہ چیستاں پوچھتے ہیں کہ وہ کون سا نمازی ہے جس نے قعدۂ اخیرہ کو چھوڑ دیا اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کرلیا اس کے باوجود اس کا فرض باطل نہیں ہوا؟

پانچویں رکعت کو سجدہ سے مقید کر لینے کے بعد چھٹی رکعت ملانے کا حکم

جب قعدۂ اخیرہ میں بھول کر نہیں بیٹھ سکا اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کرلیا تو اگر وہ چاہے تو چھٹی رکعت بھی اس میں شامل کرلے، خواہ عصر کی نماز کیوں نہ ہو، یا چوتھی رکعت شامل کرلے، خواہ فجر کی نماز کیوں نہ ہو، یہاں عصر میں چھٹی رکعت کا اس میں ملانا مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ کراہت اس وقت ہے جب ارادۃً نفل پڑھ رہا ہو۔اور یہاں یہ صورت نہیں ہے اور یہاں عصر کے بعد بھی نہیں ہوا ہے کہ ابھی عصر پڑھی نہیں ہے، اور اس صورت میں اصح قول کے مطابق سجدۂ سہو بھی نہیں کرے گا اس لئے کہ فساد کی تلافی سہو سے نہیں ہوا کرتی ہے۔اور یہاں قعدۂ اخیرہ فرض تھا اور وہ ادا نہ ہوسکا اس لئے اس کا فرض باطل ہوگیا اور یہی فرض نفل میں بدل گیا۔

قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنے کے بعد اُٹھ گیا تو کیا حکم ہے؟

اگر نمازی قعدۂ اخیرہ میں بیٹھا اور التحیات پڑھی، پھر اس خیال سے اُٹھ گیا کہ یہ قعدۂ اولیٰ ہے تو اس صورت میں وہ پلٹ کر قعدۂ اخیرہ کے لئے بیٹھے گا۔اور بیٹھ کر سلام پھیرے گا۔اور اگر اس نے کھڑے کھڑے سلام پھیر دیا تو بھی نماز صحیح ہوجائے گی، اگرچہ بیٹھ کر سلام پھیرنا مسنون طریقہ ہے۔پھر اس میں اصح ترین بات یہ ہے کہ اگر امام التحیات کے بعد بھول کر کھڑا

ہوگیا تو مقتدی حضرات کھڑے نہ ہوں گے؛ بلکہ امام کے لوٹنے کا انتظار کریں گے، پس جب امام پلٹ کر التحیات کے لئے بیٹھے گا اور سلام پھیرے گا تو مقتدی بھی اس کی پیروی کرتے ہوئے سلام پھیریں گے۔ اور اگر امام نے پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا اور مقتدی حضرات بیٹھے رہیں تو اب مقتدیوں کو اجازت ہے کہ وہ اپنے اپنے طور پر سلام پھیر کر نماز پوری کرلیں۔ اس لئے کہ نماز کے تمام فرائض مکمل ہو چکے ہیں اور امام پر سلام پھیرنے کے علاوہ کوئی ذمہ داری باقی نہیں رہی تھی، اس لئے اب مقتدی خود اپنے طور پر سلام پھیرے گا۔

البتہ جب امام نے پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو اب اسکو چاہئے کہ اس میں چھٹی رکعت بھی ملالے (اگر ظہر، عشاء اور عصر کی نماز ہو، اور اگر مغرب کی نماز تھی تو امام چوتھی رکعت کے ساتھ پانچویں رکعت کو شامل کرلے گا۔ اور اگر فجر کی نماز تھی تو امام تیسری رکعت کے ساتھ چوتھی رکعت کو شامل کرلے گا، اسی پر فتویٰ ہے)۔ اور امام کو مزید ایک رکعت ملانے کا حکم اس لئے ہے تاکہ امام کی دو رکعت نفل نماز ہوجائے اور یہاں ملانے کی زیادہ تاکید آئی ہے۔ اور اگر پانچویں رکعت کے بعد چھٹی نہ ملائے یا چوتھی رکعت کے بعد پانچویں نہ ملائے، یا تیسری رکعت کے بعد چوتھی رکعت نہ ملائے بلکہ ایک ہی زائد رکعت پر نماز ختم کر ڈالے تو اس پر قضاء لازم نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس نے اس نفل کو بالقصد شروع نہیں کیا تھا۔ اور معتمد قول کے مطابق اس کو یعنی زائد رکعت کو اوقاتِ مکروہہ میں ادا کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، کیونکہ یہ نفل قصداً نہیں شروع کی گئی ہے، اور دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو کرنا ہوگا، یعنی زائد رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو اور پلٹ کر قعدۂ اخیرہ کرلیا ہو، یا زائد رکعت کا سجدہ کرلیا ہو، پہلی صورت میں سجدۂ سہو تو اس لئے واجب ہوگا کہ سلام پھیرنے میں تاخیر ہوئی ہے۔ اور دوسری صورت میں سلام ترک ہوا ہے، اس لئے دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہے۔

زائد رکعتیں سنت راتبہ کے قائم مقام نہیں ہوسکتی ہیں

اور قعدۂ اخیرہ میں بھول کر کھڑے ہو کر جو اس نے زائد دو رکعتیں پڑھی ہیں وہ دونوں رکعتیں اصح قول کے مطابق اس سنتِ مؤکدہ کے قائم مقام نہیں ہوسکتی ہیں جو فرض نمازوں کے بعد پڑھی جاتی ہیں، اس لئے کہ سنت مؤکدہ جو فرض نمازوں کے بعد ہے وہ مستقل تحریمہ کے ساتھ ہے، دوسری نماز کے ضمن میں نہیں ہیں، اس لئے یہ دونوں رکعتیں سنتِ مؤکدہ کے قائم مقام نہیں ہوسکتی ہیں۔ اور اگر کوئی نمازی امام کی ان دو زائد رکعتوں میں اقتداء کرے گا جو اس نے قعدۂ اخیرہ کے بعد ملائی ہیں تو وہ نمازی ان دو زائد رکعتوں کو بھی پڑھے گا، یعنی یہ مقتدی بھی چھ رکعتیں پڑھے گا۔ اور اگر مقتدی ان دو رکعتوں کو فاسد کردے تو صرف ان ہی دو رکعتوں کی قضاء کرے گا، اسی قول پر فتویٰ ہے، جیسا کہ شرح النقایہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

وَلَو تَرَكَ القُعودَ الأوّلَ فِي النَّفلِ سهوًا سجدَ ولَم تفسُد إستِحسَانًا لأنّهُ كَمَا شرعَ ركعتَينِ شرعَ أربعًا أيضًا، وقدّمناهُ أنّهُ يعودُ مَا لَم يُقيِّد الثَّالثةَ بسجدةٍ وقِيلَ لاَ، وإذَا صلّى ركعتَينِ فرضًا أو نَفلاً وسَهَا فِيهِما فسجدَ لَهُ بعدَ السَّلامِ ثُمّ شفعَ عليهِ لم يكُن لهُ ذالكَ البناء أي يكرَهُ لهُ تحريمًا، أراد بناء لِئلاّ يبطُلَ سُجودُهُ بلاضَرُورةٍ، بخلافِ المُسافِرِ إذَا نوَى الإقامَةَ لأنّهُ لَو لَم يبنِ بطلَتْ، ولَو فعلَ مَا لَيسَ لَهُ مِن البِناءِ صَحَّ بناؤُهُ لِبقاءِ التَّحريمَةِ، ويُعِيدُ هُو والمُسافِرُ سجُودَ السّهوِ علَى المُختارِ لِبُطلانِهِ بِوُقُوعِهِ فِي خِلالِ الصَّلاة، سلاَم مَن عَلَيهِ سُجودُ سهوٍ يُخرِجهُ مِن الصَّلاةِ خروجًا موقُوفًا إنْ سجدَ عادَ إليهَا وإلاّ لاَ، وعلَى هٰذا فيصِحُّ الإقتِداءُ بِـهِ ويَبطُلُ وُضوءَهُ بالقَهقهَةِ، ويَصيرُ فـرضُهُ أربعًا بنيّةِ الإقامَةِ إنْ سجدَ للسَّهوِ فِي المَسائلِ الثَّلاثِ وإلاّ يسجد لاتثبتُ الأحكامُ المَذكُورةُ، كَذا فِي غَايَةِ البَيَانِ، وهُو غلطٌ فِي الأخيرَتَينِ، والصَّوابُ أنّـهُ لايبطُلُ وُضوءهُ، ولايتغَيّرُ فرضُهُ سجدَ أو لاَ، لِسُقوطِ السُّجودِ بالقَهقهَةِ وكَـذا بالنِّيَةِ، لئَلاّ يقعَ فِي خِلالِ الصَّلاةِ، وتمامُهُ فِي البحرِ والنّهرِ، ويَسجُدُ للسَّهوِ ولَو مَعَ سلامِـهِ نَاوِيًا لِلقَطعِ لأنَّ نِيَّةَ تغيِيرِ المَشرُوعِ لغوٌ، مَا لَم يتحوّلْ عنِ القِبلةِ أو يتكلّمْ لِبُطلانِ التَّحريمَةِ، ولَونَسِيَ السَّهوَ او سجدةً صُلبِيَّةً أو تِلاوِيَّةً يلزمهُ ذالكَ مَا دامَ فِي المَسجِدِ، فتح. سلّمَ مُصلِّي الظُّهرِ مثلاً علَى راسِ الرَّكعتَينِ توهُّمًا إتمامَها أتمّها أربعًا وسجدَ لِلسَّهوِ لأنَّ السَّلامَ ساهِيًا لايبطُلُ لأنّهُ دُعاءٌ مِن وجهٍ بخِلافِ مَا لَو سلّمَ علَىٰ ظَنّ انَّ فرضَ الظُّهرِ ركعتَانِ، بانْ ظنَّ أنّهُ مُسافِرٌ أو أنها الجُمعَةَ أو كانَ قريبَ عهدٍ بالإسلامِ فظنَّ انَّ فرضَ الظُّهرِ ركعتان، أو كانَ فِي صلاةِ العشاءِ فظنَّ أنها التَّراويحُ فسلّمَ أو سلّم ذاكرًا انَّ عليهِ رُكنًا حيثُ تبطُلُ لأنّهُ سلام عمدٍ، وقِيلَ لاتبطُلُ حتّى يَقصُدَ بهِ خِطابَ آدمي وَالسَّهو فِي صلاةِ العِيدِ والجُمعةِ والمَكتُوبَةِ والتطوُّعِ سواءٌ، والمُختارُ عِندَ المُتأخِّرينَ عدمُهُ فِي الأولَيينِ لِدفعِ الفِتنَةِ كَمَا فِي جمعة البحرِ، وأقرُّهُ المُصنِّفُ، وبهِ جزمَ فِي الدُّرَرِ.

نفل کے قعدۂ اولیٰ چھوڑنے کا حکم شرعی

اگر کوئی شخص نفل نماز میں بھول سے قعدۂ اولیٰ چھوڑ دے تو وہ سجدۂ سہو کرے اور از روئے استحسان اس کی نماز فاسد نہیں

ہوگی، اس لئے کہ جب اس نے دو رکعتیں شروع کی تھیں اسی وقت اس نے چار رکعتیں بھی شروع کی تھیں۔ اور یہ بات ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ جب تک اس نے تیسری رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کرلیا ہے پلٹ کر قعدہ کرسکتا ہے۔ اور اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ جب نمازی قعدۂ اولی بھول کر چھوڑ دیا اور تیسری رکعت کے لئے بالکل سیدھا کھڑا ہوگیا تو پلٹ کر قعود کے لئے نہ لوٹے، اس لئے کہ نفل نمازیں حکم میں فرض کی طرح ہوگئی ہیں۔ (اصول کے اعتبار سے اس طرح کی نفل نماز فاسد ہوجانی چاہئے تھی اس لئے کہ نفل کی ہر دو رکعت مستقل نماز ہے اور قعدۂ اخیرہ فرض ہے، جو یہاں نہیں پایا گیا ہے، لیکن از روئے استحسان اس کی نماز فاسد نہ ہوگی)۔

دو رکعت میں بھول گیا تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے فرض یا نفل میں سے دو رکعت نماز پڑھی اور اس نماز میں اس سے سہو ہوگیا، چنانچہ اس نے اصول و ضابطہ کے مطابق ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کیا، پھر اس نماز پر دوسری دو رکعت کی بناء ڈالنے کا ارادہ کیا تو اس کے لئے ایسا کرنا مکروہِ تحریمی ہے تاکہ اس کا سجدۂ سہو کرنا بلاضرورت باطل نہ ہوجائے، اس لئے کہ سجدۂ سہو واجب ہے اور واجب کو بلاضرورت فاسد کرنا درست نہیں ہے۔

البتہ اگر مسافر نے دو رکعت نماز پڑھی اور کچھ بھول ہوگئی، چنانچہ اس نے ان میں سجدۂ سہو کرلیا اس کے بعد اس نے اقامت کی نیت کرلی اور مذکورہ دو رکعتوں میں مزید دو رکعت ملاکر چار رکعت کرنا چاہا تو اس کو اختیار ہے اگر ایسا کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، اس لئے کہ اگر وہ مزید دو رکعت اس میں شامل نہیں کرتا ہے حالانکہ وہ اقامت کی نیت کی وجہ سے مقیم ہوچکا ہے اور چار رکعت اس پر واجب ہوچکی ہے تو اس کی یہ پڑھی ہوئی دو رکعت باطل ہوجائے گی۔ اور اگر اس میں دو رکعت شامل کرلیتا ہے تو صرف سجدۂ سہو باطل ہوگا جو واجب ہے، لیکن فرض باقی رہ جائے گا، لہٰذا فرض باقی رکھنے کے لئے واجب کو باطل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سجدۂ سہو کرنے کے بعد بناء کرنے کا حکم

سجدۂ سہو کرلینے کے بعد اس کو بناء نہیں کرنا چاہئے تھا، لیکن اگر کسی نے بناء کرلیا ہے تو اس کی بناء جائز اور درست ہوگی، اس لئے کہ تحریمہ باقی ہے۔ اور اب وہ شخص اور مسافر دونوں سجدۂ سہو کو دوبارہ کریں گے۔ اس بارے میں مختار مذہب یہی ہے، اسلئے کہ پہلا سجدۂ سہو درمیانِ نماز میں واقع ہونے کی وجہ سے باطل ہوگیا ہے۔ (اور دوسرا غیر مختار مذہب یہ ہے کہ اس سجدۂ سہو کو دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ سجدۂ سہو نقصان کی تلافی کے لئے تھا اور یہ ہوچکا ہے، لہٰذا اس کا

اعتبار کیا جائے گا)۔ (شامی/۲/۵۵۵)

جس شخص پر سجدۂ سہو واجب تھا اس نے سلام پھیر دیا تو کیا حکم ہے؟

ایک شخص کے ذمہ سجدۂ سہو واجب تھا، لیکن اس نے سجدۂ سہو کئے بغیر سلام پھیر دیا تو یہ سلام اس نمازی کو نماز سے باہر کردے گا، لیکن اس نمازی کا نماز سے باہر رہنا موقوف رہے گا، یعنی اگر سلام پھیرنے کے بعد دوبارہ سجدۂ سہو کیا تو پھر نماز میں داخل ہو جائے گا اور اگر سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو نہیں کیا تو وہ پھر نماز میں نہیں لوٹے گا۔

مسئلہ بالا پر ایک جزئیہ کی تفریع

مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص کے ذمہ سجدۂ سہو واجب تھا، اس نے سجدۂ سہو نہیں کیا اور سلام پھیر دیا، تو اس سلام پھیرنے کی وجہ سے وہ نماز سے نکل جاتا ہے، پھر اگر سجدۂ سہو کر لیتا ہے تو نماز میں داخل ہو جاتا ہے، تو اس سے ایک مسئلہ متفرع کرتے ہوئے مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی اقتداء شرعی اعتبار سے درست ہوگی، جس نے سلام پھیر دیا اور اس پر سہو کا سجدہ باقی ہے۔ اور جس پر سجدۂ سہو واجب ہو وہ سلام پھیر دے اس کے بعد وہ قہقہہ لگا کر ہنس دے تو اس سے اس کا وضو باطل ہو جائے گا۔ اور اقامت کی نیت کرنے کی وجہ سے اس کی نماز دو رکعت کے بجائے چار رکعت ہو جائے گی، بشرطیکہ اس نے ان تینوں مسئلوں میں سجدۂ سہو کر لیا ہو۔ اور اگر سلام کے بعد سہو کا سجدہ نہیں کیا ہے تو یہ مذکورہ احکام اس کے لئے ثابت نہ ہوں گے، جیسا کہ عام کتابوں میں مذکور ہے۔ (بعض نسخوں میں یہاں "عامۃ الکتب" کے بجائے "غایۃ البیان" لکھا ہے اور یہی درست بھی ہے)۔

اوپر کے مسئلوں کی تحقیق

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اخیر کے دونوں مسئلے ((۱) قہقہہ لگانے کی صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا۔ (۲) اور اقامت کی نیت سے فرض دو رکعت کے بجائے چار رکعت ہو جائیں گی اگر سجدۂ سہو کیا ہے، لیکن اگر سجدۂ سہو نہیں کیا ہے تو نہ وضو باطل ہوگا نہ دو رکعت چار رکعت ہوں گی) غلط ہیں۔ درست بات یہ ہے کہ قہقہہ لگانے سے نہ اس کا وضو ٹوٹے گا اور نہ اقامت کی نیت سے اس کا فرض بدل کر دو رکعت کی بجائے چار رکعت ہو جائے گا، خواہ سجدۂ سہو کرے یا نہ کرے، اس لئے کہ جب وہ سلام کے بعد قہقہہ لگا کر ہنسا تو اس کی وجہ سے سجدۂ سہو ساقط ہو گیا، اس لئے کہ سلام کے بعد تو نماز سے نکلنا موقوف تھا، لیکن سلام کے بعد منافیٔ نماز فعل پایا گیا، اس لئے وہ قطعی طور پر نماز سے نکل گیا اور اب اس پر سجدۂ سہو بھی باقی نہیں رہا ہے، لہٰذا

یہاں وضو ٹوٹنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے، اس طرح اقامت کی نیت کی وجہ سے سہو کا سجدہ ساقط ہوگیا، تاکہ نماز کے درمیان میں ہونا لازم نہ آئے۔اوراس کی پوری تحقیق البحرالرائق اور نہرالفائق میں ہے۔

اگر نمازی نے بھول کر سلام پھیر دیا حالانکہ اس پر سجدۂ سہو واجب ہے تو کیا حکم ہے؟

ایک شخص کے ذمہ سجدۂ سہو واجب تھا، اس نے بھول کر اس نیت سے سلام پھیر دیا کہ وہ نماز کو ختم کر رہا ہے، تو اگر سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رُخ سے پھرا نہیں ہے اور نہ کسی سے بات چیت کی ہے تو اس کو چاہئے کہ سجدۂ سہو کرے، کیونکہ اس کی نماز ختم کرنے کی نیت معتبر نہیں ہے، ہاں اگر وہ سلام پھیرنے کے بعد قبلہ سے پھر چکا ہے یا کسی سے بات چیت کر لی ہے تو پھر سجدۂ سہو کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے کہ قبلہ کی جانب سے رُخ مڑنے کی وجہ سے اور گفتگو کی وجہ سے تحریمہ باطل ہو چکا ہے۔

مسئلہ: اگر نمازی سہو کا سجدہ، یا نماز کا سجدہ، یا تلاوت کا سجدہ بھول جائے تو جب تک وہ مسجد سے نہیں نکلا ہے اس پر ان تمام سجدوں کا ادا کرنا لازم ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ بھولنے کے بعد وہ مسجد ہی میں تھا، پھر یاد آ گیا تو ان سجدوں کا ادا کر لینا لازم ہوگا۔

چار رکعت سمجھ کر دو ہی رکعت پر سلام پھیر دیا تو کیا حکم ہے؟

ظہر کی نماز پڑھنے والا شخص یہ سمجھ کر کہ چار رکعت مکمل ہو چکی ہے دو ہی رکعت پر سلام پھیر دے، پھر خیال آیا کہ دو ہی رکعت ہوئی تھیں، تو اس کو چاہئے کہ چار رکعت پوری کرے اور بعد میں سجدۂ سہو کرے، اس لئے کہ بھول کر سلام پھیرنا نماز کو باطل نہیں کرتا ہے، اس لئے کہ سلام بھی درحقیقت ایک طرح کی دعاء ہے اور دعاء نماز کو باطل نہیں کرتی ہے۔

یہ سمجھ کر کہ ظہر کی دو ہی رکعت فرض ہے سلام پھیر دیا تو کیا حکم ہے؟

اس کے برخلاف اگر اس نے یہ سمجھ کر دو رکعت پر سلام پھیر دیا کہ ظہر کی دو ہی رکعت من جانب اللہ فرض ہے، یا اس نے اپنے آپ کو مسافر سمجھا، یا اس نے اس کو نمازِ جمعہ سمجھ لیا، یا وہ نماز پڑھنے والا شخص نومسلم تھا اس نے یہ یقین کر کے کہ ظہر کی دو ہی رکعت فرض ہے، چنانچہ دو ہی رکعت پر سلام پھیر دیا، یا وہ عشاء کی نماز میں تھا اور اس کو تراویح سمجھ لیا اور دو ہی رکعت پر سلام پھیر دیا، یا سلام اس حال میں پھیرا کہ اس کو یاد تھا کہ اس کے ذمہ ایک رکن باقی ہے، تو ان تمام صورتوں میں نماز باطل ہو جائے گی، اس لئے کہ اس کا یہ سلام پھیرنا عمداً پایا گیا ہے۔ اور اس بارے میں ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اس وقت تک نماز باطل نہیں ہوگی جب تک سلام سے کسی آدمی کو مخاطب کرنا مقصود نہ ہو۔

عیدین اور جمعہ کی نماز میں سجدۂ سہو کرنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نمازِ عیدین، نمازِ جمعہ، نمازِ فرض اور نفل نماز سب کی سب برابر ہیں۔ اور ان میں سے ہرایک کے لئے سجدۂ سہو ہے۔ اور متاخرین علمائے امت کے نزدیک مختار مذہب یہ ہے کہ نمازِ عیدین اور نمازِ جمعہ میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہے، فتنہ کو دور کرنے کے واسطے، جیسا کہ یہ مسئلہ البحر الرائق میں ''کتاب الجمعہ'' کے اندر ہے۔ مصنف علیہ الرحمہ نے اسی کو برقرار رکھا ہے اور اسی پر صاحب دُرر نے یقین کیا ہے۔ (عیدین اور جمعہ میں چونکہ ازدحام کثرت سے ہوتا ہے، گاؤں دیہات کے لوگ کثرت سے آتے ہیں جو مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں، تو اگر ان میں سجدۂ سہو کیا جائے گا تو دیہاتی لوگ تردد میں پڑ جائیں گے اس لئے سجدۂ سہو نہیں ہے)۔

وَ إذَا شَكَّ فِي صلاتِهِ مَن لَم يكُن ذٰلكَ أي الشَّكُّ عادةً لَهُ وقِيلَ مَن لَم يَشُكَّ فِي صلاةٍ قَطُّ بعدَ بُلوغِهِ، وعليهِ أكثرُ المَشائخِ، بحر عَن الخلاصةِ، كَمَا صلّى إستأنفَ بعملٍ مُنافٍ وبِالسّلامِ قاعدًا أولىٰ لأنّه المُحلِّلُ، وإنْ كَثُرَ شكُّهُ عَملَ بغالِبِ ظَنِّهِ إنْ كانَ لهُ ظنٌّ للحَرجِ، وإلّا أخذَ بالأقلِّ لِتيقُّنِهِ، وقَعدَ فِي كُلّ موضعٍ توهَّمه موضعَ قُعوده ولَو واجِبًا لِئَلّا يصيرَ تاركًا فرضَ القُعودِ أو واجبه وَاعلم أنه إذَا شغلهُ ذٰلكَ الشكُّ فتفكر، قَدرَ أداءِ رُكنٍ ولَم يشتغِل حالةَ الشّكِّ بِقراءَةٍ ولا تَسبِيحٍ ذكرَهُ فِي الذَّخِيرةِ، وجبَ عليهِ سُجودُ السَّهوِ فِي جميعِ صُورِ الشكِّ سواءٌ عمِلَ بالتَّحرّي أو بنىٰ علَى الأقلِّ، فتح. لِتأخِيرِ الرّكنِ، لكِن فِي السِّراجِ: أنّهُ يَسجُدُ للسّهوِ فِي أخذِ الأقلِّ مُطلقًا، وفِي غلبةِ الظنِّ إنْ تفكّرَ قدرَ رُكنٍ. **فُروعٌ:** أخبرَهُ عدلٌ بأنّهُ ما صلّى أربعًا وشكَّ فِي صِدقِهِ وكِذبِهِ أعادَهُ إحتياطًا ولَو اختلفَ الإمامُ والقومُ، فلَو الإمامُ علىٰ يقينٍ لَم يعد، وإلّا أعادَ بقولِهِم. شكَّ أنّها ثانيةُ الوِترِ أم ثالِثتُه قنتَ وقعدَ ثمّ صلّى أخرىٰ وقنتَ أيضًا فِي الأصحّ. شَكَّ هَل كبَّرَ للإفتِتاحِ أو لَا، أو أحدثَ أولَا، أو أصابهُ نَجاسَةٌ أو لَا، أو مَسَحَ رأسَهُ أو لَا، استقبَلَ إنْ كانَ أوّلَ مرّةٍ وإلّا لَا، واختلفَ لَو شكَّ فِي أركانِ الحجِّ، وظَاهِرُ الرِّوايَةِ البِناءُ علىٰ الأقلِّ، وعليكَ بالأشباهِ فِي قَاعِدةِ: "اليقِينُ لايزُولُ بالشكِّ".

اگر تعدادِ رکعات میں شک ہو جائے تو کیا کرے؟

اگر کسی کو نماز میں شک ہو جائے کہ اس نے تین رکعت پڑھی ہے یا چار رکعت، اور نماز میں شک پڑنا یہ اس کی عادت نہ ہو؛ بلکہ اتفاق سے ایسا شک واقع ہو گیا ہو، یا اس شخص کو تعدادِ رکعت کے متعلق شک ہو جائے جس کو بالغ ہونے کے بعد کسی نماز میں شک واقع ہوا ہی نہ ہو، تو ایسا شخص اپنی نماز دوبارہ شروع سے پڑھے گا اور منافیٔ نماز عمل کے ذریعہ اپنی اس نماز کو ختم کر دے جس میں شک ہوا تھا۔ اور افضل یہ ہے کہ بیٹھ کر سلام پھیر دے تا کہ اس کی پہلی نماز ختم ہو جائے، پھر دوبارہ نئے تحریمہ سے نماز شروع کرے۔ (شارح علیہ الرحمہ نے یہاں "فِی صَلَاتِہٖ" کا اضافہ اس لئے فرمایا ہے کہ اگر شک نماز سے فراغت کے بعد واقع ہوا ہے یا تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد ہوا ہے تو اس کا اعتبار نہیں ہے، ہاں اگر تعیین فرض میں شک ہو جائے تو اس کا اعتبار ہو گا)۔ (شامی/۲/۵۶۰)

اگر وقوعِ شک عام بات ہو تو کیا حکم ہے؟

اگر کسی کو نماز میں تعیین رکعت کے متعلق شک ہونے کی عادت ہو، یعنی کثرت کے ساتھ شک میں پڑتا ہو گویا شک میں پڑنا ایک طرح سے اس کی عادت ہو گئی ہے، تو اس طرح کے شک میں پڑنے والا شخص اپنے غالب گمان پر عمل کرے گا۔ اگر غالب گمان یہ ہے کہ اس نے تین ہی رکعت پڑھی ہے تو اس صورت میں تین رکعت مان کر چوتھی رکعت مزید ملالیں گے۔ اور اگر غالب گمان یہ ہے کہ وہ چوتھی رکعت پڑھ چکا ہے تو اس صورت میں اسی پر عمل کرے گا۔ اور غالب گمان پر عمل اس وقت کیا جائے گا جب کہ اس کا یہ گمان تنگی اور حرج میں مبتلا کرنے کا باعث نہ ہو۔

اور اگر غالب گمان کسی بھی طرف نہ ہو؛ بلکہ دونوں پہلو برابر ہوں تو اس صورت میں اقل کو لیا جائے گا، اس لئے کہ اقل تو متعین اور متیقن ہے۔ مثال کے طور پر نماز میں یہ شک واقع ہوا کہ تین رکعت ہوئی، یا چار رکعت ہوئی، کسی بھی جانب غالب گمان نہیں ہے تو اس صورت میں اس کو تین ہی رکعت مان لیں گے اور چوتھی رکعت مزید پڑھ لے۔ اور جہاں جہاں قعدہ کا وہم ہو وہاں وہاں قعدہ کرے، اگر چہ وہ قعدہ فی الحقیقت واجب ہی کیوں نہ ہو، تا کہ وہ جان بوجھ کر کسی فرض قعدہ یا واجب قعدہ کا چھوڑنے والا نہ ہو اور اس طرح سے اس کا فرض ادا ہو جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شک کی صورت میں قعدہ کے لئے اوّل اور ثانی دونوں رکعت میں بیٹھے گا، تا کہ احتیاط پر عمل ہو جائے اور اس کا قعدہ چھوٹنے نہ پائے۔

شک کی وجہ سے رکن کی ادائیگی میں تاخیر کرنا

اگر نمازی کو یہ شک اس طرح مشغول کر دے کہ رکن واحد کی مقدار اسی شک میں گذر جائے اور اس دوران نمازی

قرأت، تسبیح میں مشغول نہ رہ سکے؛ بلکہ شک کے متعلق سوچنے میں لگ گیا تو شک کی تمام صورتوں میں اس پر سجدۂ سہو واجب ہے، خواہ ظن غالب پر عمل کیا ہو، یا اقل پر بنا کیا ہو، بہر صورت سجدۂ سہو واجب ہے جیسا کہ فتح القدیر اور ذخیرہ نامی کتاب میں مذکور ہے۔ اور سجدۂ سہو کا واجب ہونا اس لئے ہے کہ رکن کی ادائیگی میں تاخیر ہوئی ہے۔ (اگر نماز میں تفکر کی کیفیت صرف تھوڑی دیر رہی، یعنی ایک رکن کی ادائیگی کی مقدار سے کم رہی تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہے)۔

لیکن سراج الوہاج نامی کتاب میں مذکور ہے کہ اگر نمازی شک کی وجہ سے اقل پر عمل کرے تو سجدۂ سہو کرے گا، چاہے ایک رکن کی ادائیگی کی مقدار تاخیر ہو یا ایک رکن کی مقدار تاخیر نہ کی ہو۔ اور ظن غالب کی صورت میں اگر ایک رکن ادا کرنے کی مقدار تک سوچنے میں لگ گیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے، ورنہ واجب نہیں ہے اس لئے کہ ظن غالب یقین کے درجہ میں ہے، لہٰذا اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، ہاں اگر سوچ طویل ہو جائے تو اس وقت سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

شارح کی طرف سے اضافہ شدہ جزئیات کا بیان

ایک شخص نماز پڑھنے میں مشغول تھا کہ ایک عادل دین دار شخص نے یہ بتایا کہ تم نے چار رکعت نہیں پڑھی ہے، نمازی کو اس خبر دینے والے کے بارے میں شک ہو گیا کہ وہ اپنی خبر میں جھوٹا ہے یا سچا ہے؟ تو اس صورت میں نمازی کو چاہئے کہ اپنی نماز احتیاطاً دوبارہ ادا کرے۔ اور اگر نمازی کو یہ یقین ہو کہ اس نے چار رکعت پڑھی تو اس صورت میں خبر دینے والے کا اعتبار نہ کرے۔

اور اگر نماز کی رکعتوں میں امام اور مقتدی دونوں اختلاف کریں، مثال کے طور پر امام یہ کہے کہ چار رکعت پوری ہوگئی اور مقتدی لوگ کہیں کہ چار رکعت پوری نہیں ہوئی ہے؛ بلکہ تین ہی رکعت ہوئی ہیں۔ اور امام کو اپنی بات پر بالکل یقین ہے کہ پوری چار رکعت پڑھی جا چکی ہیں، تو مقتدیوں کے کہنے کی وجہ سے نماز کا اعادہ نہیں کرے گا۔ اور اگر امام کو یقین کامل نہیں ہے؛ بلکہ امام خود شک میں مبتلا ہے کہ تین رکعت ہوئی ہے یا چار رکعت؟ تو اس صورت میں امام مقتدیوں کی بات مان کر نماز دوبارہ پڑھے گا۔ (علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ امام کو یقین ہونے کی صورت میں اگر چہ امام اپنی نماز نہیں دہرائے گا لیکن چونکہ مقتدیوں کے گمان کے مطابق خود ان کی نماز فاسد ہے اس لئے مقتدی حضرات اپنی اپنی نماز کا اعادہ کریں گے)۔ (شامی/۲/۵۶۳)

وتر کے متعلق شک ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر کسی نمازی کو وتر کی رکعتوں میں شک ہو جائے کہ یہ وتر کی دوسری رکعت ہے یا تیسری رکعت ہے؟ تو وہ اس میں بھی قنوت پڑھے گا اور قعدہ کرے گا اور پھر اس کے بعد جو رکعت پڑھے گا اس میں بھی قنوت پڑھے گا اور قعدہ کرے گا، اس باب

میں یہی اصح ترین قول ہے۔

اگر نمازی کو نماز کے بعد اُمور کے متعلق شک ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

اگر نمازی کو یہ شک ہوجائے کہ اس نے تحریمہ کے لئے تکبیر کہی ہے یا نہیں کہی ہے؟ یا یہ شک ہوجائے کہ حدث لاحق ہوا ہے یا نہیں؟ یا اس بارے میں شک ہوجائے کہ اس کے کپڑے میں نجاست لگی ہے یا نہیں؟ یا اس میں شک ہوگیا کہ وضو کرتے وقت اس نے سر کا مسح کیا ہے یا نہیں؟ تو اگر اس کو اس طرح کا شک پہلی مرتبہ ہوا ہے تو از سر نو نماز پڑھے گا۔ اور اگر اس طرح کا شک ہوتا اس کی عام عادت ہے تو دوبارہ نماز نہیں پڑھے گا۔ (یعنی پہلی صورت میں از سر نو نماز پڑھے۔ دوسری صورت میں وضو کرے۔ تیسری صورت میں نجاست کو دھو کر کپڑا پاک کرے۔ اور چوتھی صورت میں سر کا مسح کرے)۔

ارکانِ حج میں شک ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

اگر حج کے ارکان میں شک ہوجائے کہ فلاں رکن حج ادا کیا ہے یا ادا نہیں کیا، تو اس وقت حاجی کیا کرے گا؟ تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے، لیکن ظاہر روایت یہ ہے کہ کمتر پر بناء کرے۔ (مثال کے طور پر طوافِ زیارت میں شک ہوجائے کہ اس نے تین چکر لگائے ہیں یا سات؟ تو اس صورت میں تین چکر مان کر چار چکر اور لگانے ہوں گے) شارح علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس مسئلے کو الاشباہ والنظائر میں اس قاعدہ کے تحت دیکھیں کہ "اَلْيَقِيْنُ لَا يَزُوْلُ بِالشَّكِّ" یقین شک کی وجہ سے ختم نہیں ہوتا ہے۔ (ظاہر روایت کے مقابلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ ارکان حج میں شک واقع ہونے کی صورت میں حج کرنے والا شخص غلبۂ ظن پر عمل کرے، اس لئے کہ رکن کا تکرار اور اس پر زیادتی حج کے لئے مفید نہیں ہے البحر الرائق میں اسی قول کو اکثر علماء کا مذہب قرار دیا ہے)۔ (شامی/۲/۵۶۴)

ابو حماد منظور القاسمی پھراوی
خادم جامعۃ القرآن والسنۃ الخیریہ بجنور (الہند)
۱۹/محرم الحرام ۱۴۲۶ھ - یکم مارچ ۲۰۰۵ء

بابُ صلاةِ المريضِ

یہ باب بیمار شخص کے نماز پڑھنے کے احکام ومسائل کے بیان میں

نماز ایک ایسی عظیم الشان عبادت الٰہی ہے جو انسانی زندگی کے ساتھ ہر وقت لگی ہے۔ بالغ ہونے کے بعد جب نماز انسان پر فرض ہوجاتی ہے تو اب اس کو ہر حال میں ادا کرنا لازم ہے، خواہ تندرستی کی حالت میں ہو، خواہ بیماری کی حالت میں، خواہ بحالتِ سفر ہو، یا بحالت حضر، خواہ گھر میں راحت وسکون میں ہو یا میدانِ جہاد میں کفار کی تلواروں کے سائے میں ہو، بہرصورت نماز فرض ہے اور ادا کرنی ضروری ہے، تو چونکہ بیماری کی حالت میں بھی نماز معاف نہیں ہے؛ بلکہ اس حالت میں بھی ادا کرنا ضروری ہے اس لئے اب اس باب میں مصنف علیہ الرحمہ بیماروں کی نماز کے مسائل کو بیان کریں گے، اسی مقصد عظیم کے پیش نظر یہ عنوان قائم کیا گیا ہے۔

مِن إضافةِ الفِعلِ لفاعِلِه أو محلِه، ومناسبتُهُ كونُه عارضًا سماوِيًّا فتأخر سجودَ التِّلاوةِ، وضرورة مَن تعذَّرَ عليهِ القِيامَ أى كُلُّهُ لِمرضٍ حقِيقِيٍّ وحدهُ أن يلحقهُ بالقِيامِ ضَررٌ، بهِ يُفتىٰ. قبلَها أو فِيهَا أى الفرِيضةِ أو حُكمِيٍّ بأنْ خاف زِيادتَهُ أو بطاءِ برئِهِ بِقِيامِهِ، أو دَورانِ رأسِهِ، أو وجدَ لِقيامِهِ ألمًا شدِيدًا او كانَ لَو صلّى قائمًا سلسُ بولِهِ، أو تعذّرَ عليهِ الصَّومُ كمَا مَرّ، صَلّى قاعِدًا ولَو مُستندًا إلى وِسادَةٍ أو إنسَانٍ فإنَّهُ يلزمُهُ ذٰلكَ على المُختارِ كَيفَ شَاءَ على المَذهَبِ، لأنَّ المَرضَ أسقطَ عَنهُ الأركَانَ فالهَيئَاتُ أولىٰ، وقَالَ زُفرُ: كَالمُتشهِّدِ، قِيل وبهِ يُفتىٰ. بِرُكوعٍ وسُجُودٍ وإنْ قدرَ علىٰ بعضِ القِيامِ ولَو مُتكِئًا علىٰ عصًا او حَائِطٍ قَامَ لُزومًا بقَدرِ مَا يقدِرُ ولَو قدرَ آيةٍ أو تكبِيرةٍ علَى المَذهَبِ، لأنَّ البعضَ مُعتبرٌ بالكُلِّ، وإنْ تعذَّرَا لَيسَ تعذُّرُهما شرطًا بَل تعذُّرُ السُّجُودِ كافٍ لَا القِيامُ أومأَ بالهمزِ قاعِدًا وهُو أفضلُ مِن الإيماءِ قائمًا لقربه مِن الأرضِ، ويجعَلُ سُجودَهُ أخفضَ مِن رُكوعِهِ لزُومًا ولَا يرفَعُ إلىٰ وجهِهِ شيئًا يسجُدُ عليهِ فإنَّهُ يكرَهُ تحريمًا، فإنْ فعلَ بالبناءِ لِلمَجهُولِ

ذكرهُ العَينِي، وهُو يُخفِضُ رَاسَهٖ لِسُجُودِهٖ أكثرَ مِن رُكوعِهٖ صحّ على أنهُ إيماءٌ لاسجُودٌ إلّا ان يجدَ قُوّةَ الأرضِ، وإلّا يخفضْ لَا يصِحُّ لعَدمِ الإيماءِ، وإنْ تعذّرَ القعودُ ولَو حُكمًا أوما مُستلقِيًا علىٰ ظَهرِهٖ وَ رِجلاهُ نحوَ القِبلَةِ غيرَ انّهُ ينصِبُ رُكبتَيهُ لِكراهَةِ مدِّ الرِّجلِ إلَى القِبلَةِ، ويرفَعُ راسَهُ يسيرًا لِيصِيرَ وجهُهُ إليهَا أو علىٰ جَنبِهِ الأيمَنِ أو الأيسَرِ وَ وجهُهُ إليهَا والأوّلُ أفضلُ علَى المُعتمَدِ، وإنْ تعذّرَ الإيماءُ بِراسِهٖ وكثُرتِ الفَوائتُ بأنْ زادتْ علىٰ يومٍ وليلةٍ سقطَ القَضاءُ عَنهُ وإنْ كانَ يُفهِمُ فِي ظَاهِرِ الرِّوايةِ وعليهِ الفتوىٰ كمَا فِي الظَّهيرِيّةِ، لأنّ مُجرّدَ العَقلِ لَايكفِي لِتوجُّهِ الخِطابِ، وأفادَ بسُقوطِ الأركانِ سقوطَ الشّرائطِ عِندَ العِجزِ بالأولىٰ، ولايُعِيدُ فِي ظَاهِرِ الرِّوايَةِ، بدائع.

اس باب میں صلوٰۃ کی نسبت مریض کی طرف ایسی ہے جس طرح فعل کی نسبت فاعل کی طرف ہوتی ہے، یعنی بیمار کا نماز پڑھنا، یا صلوٰۃ کی نسبت مریض کی طرف اسی طرح ہے جس طرح فعل کی نسبت اس کے محل کی طرف ہوتی ہے، یعنی بیماری کی حالت میں نماز ادا کرنا۔

گذشتہ باب اور اس باب کے درمیان مناسبت

اب رہا یہ **سوال** کہ "بَابُ سُجُودِ السَّهو" اور "بَابُ صَلاةِ المَرِيض" کے درمیان کیا نسبت ہے؟ تو اس کا **جواب** یہ ہے کہ ان دونوں بابوں کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ جس طرح بھولنا ایک سماوی عارض ہے، اسی طرح بیماری بھی ایک آسمانی عارض ہے جو بلا ارادہ کے لاحق ہو جاتی ہے اور آدمی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا ہے، جس طرح بھولنے میں کوئی دخل نہیں ہوتا ہے اس طرح دونوں بابوں میں مناسبت ہے، اسی وجہ سے سجودِ سہو کے بعد صلاۃ المریض کا عنوان قائم کیا ہے۔ اور سجدۂ تلاوت کا ذکر مؤخر کیا ہے تاکہ ان کے درمیان حائل نہ ہو۔

کن لوگوں کے لئے بیٹھ کر نماز ادا کرنا جائز ہے؟

جس شخص پر کسی بیماری کی وجہ سے کھڑا ہو کر نماز ادا کرنا دشوار ہو، پورے طور پر کھڑا نہ ہو سکتا ہو، یا کھڑا ہونے کی صورت میں نقصان کا اندیشہ ہو، اب یہ بیماری نمازی میں پہلے سے موجود تھی، یا نماز میں داخل ہونے کے بعد بیماری پیدا ہوئی ہو، یا وہ شخص کسی عذرِ حکمی کی وجہ سے کھڑا نہ ہو سکتا ہو، مثال کے طور پر اس کو یہ ڈر ہو کہ کھڑے ہونے سے بیماری مزید بڑھ جائے گی، یا

کھڑے ہونے کی وجہ سے بیماری ٹھیک ہونے میں تاخیر ہوگی، یا کھڑے ہونے سے سر چکراتا ہو، یا کھڑے ہونے سے شدید تکلیف محسوس ہوتی ہو، یا کھڑے ہوکر نماز پڑھنے سے پیشاب جاری ہوجاتا ہو، یا کھڑے ہونے کی وجہ سے روزہ اس پر دشوار ہوجانے کا خطرہ ہو، جیسا کہ پہلے بھی گذرا ہے تو ان تمام عذروں کی وجہ سے وہ شخص بیٹھ کر جس طرح چاہے نماز پڑھ سکتا ہے، اگرچہ تکیہ پر ٹیک لگا کر ہو، یا کسی انسان کی جانب ٹیک لگا کر ہو، اس لئے کہ مختار قول کے مطابق یہ بیٹھنا اس پر لازم ہے اور جس طرح بھی ممکن ہو بیٹھے، اس لئے کہ بیماری نے اس سے ارکان کو ساقط کردیا ہے تو ہیئت کو تو بدرجۂ اولیٰ ساقط کردے گی۔ لہٰذا کسی خاص ہیئت پر بیٹھنا ضروری نہیں ہے۔ حضرت امام زفر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا شخص اس طرح بیٹھے جس طرح التحیات میں بیٹھا جاتا ہے۔ اور بعض لوگوں نے فرمایا کہ اسی قول پر فتویٰ ہے، چنانچہ صاحب تجنیس، صاحب خلاصہ اور صاحب ولوالجیہ ان کے قائل ہیں، اس لئے کہ اس طرح بیٹھنا مریض پر آسان ہے، لیکن صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں کہ آسانی اس میں ہے کہ کسی خاص ہیئت کے ساتھ بیٹھنے کو مقید نہ کیا جائے۔ (شامی/۲/۵۶۶)

معذور شخص کا رکوع وسجود کے ساتھ نماز ادا کرنا

ایسا آدمی جو کسی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز ادا کرتا ہو اس کو چاہئے کہ وہ اپنی نماز باقاعدہ رکوع وسجود کے ساتھ ادا کرے، یعنی بیٹھنے کی حالت میں ان ارکان کو بجالائے، ان کے واسطے اشارہ نہ کرے، اس لئے کہ جن ارکان کو وہ کامل طور پر ادا کرسکتا ہے ان کو بغیر عذر کے ناقص نہیں ادا کرنا چاہئے۔

نماز کے کچھ حصہ میں کھڑے ہونے کی قدرت ہو تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص نماز میں کچھ دیر کے لئے قیام پر قادر ہو اگرچہ کچھ دیر کھڑا ہونا لاٹھی یا دیوار پر ٹیک لگا کر کیوں نہ ہو تو وہ جتنی دیر بھی قیام کرسکتا ہے اتنی دیر واجبی طور پر قیام کرے، اگرچہ صرف اللہ اکبر کہنے کی مقدار یا ایک بڑی آیت پڑھنے کی مقدار کھڑا رہ سکتا ہو، تو مذہب کی روایت کے مطابق اتنی ہی دیر تک کھڑا رہے، اس لئے کہ نماز میں تھوڑی دیر قیام کرنا اسی طرح معتبر ہے جس طرح پوری نماز میں کھڑا ہونا معتبر ہے، گویا بعض کا حکم کل کی طرح ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح پوری نماز میں کھڑے ہونے پر قدرت ہونے کی وجہ سے پوری نماز میں کھڑا ہونا لازم ہے اسی طرح اگر نماز کے کچھ حصہ میں کھڑے ہونے پر قدرت ہو تو کچھ حصہ میں کھڑا ہونا لازم ہے۔ (یہاں علماء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر نمازی بیماری کی وجہ سے پوری نماز میں کھڑا نہیں ہوسکتا ہے؛ بلکہ کچھ دیر کھڑا ہوسکتا ہے تو نمازی کو چاہئے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد بآسانی جس قدر کھڑا رہ سکتا ہے کھڑا رہے، اس کے بعد بیٹھ جائے اور بیٹھ کر نماز پوری کرے)۔ (شامی/۲/۵۶۷)

رکوع وسجدہ کرنے پر قدرت نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

ایک شخص نماز میں قیام پر تو قادر ہے لیکن وہ رکوع وسجدہ کرنے پر قادر نہیں ہے تو اس کو اشارہ سے رکوع وسجدہ کرنا چاہئے اور بیٹھ کر رکوع وسجدے کو اشارے سے ادا کرنا افضل ہے، کھڑے ہو کر اشارہ کر کے ادا کرنے سے، اس لئے کہ وہ زمین سے زیادہ قریب ہے۔ اور جس قدر رکوع کے لئے سر جھکائے اس سے کچھ زیادہ سجدہ کے لئے سر جھکائے۔ اور اس طرح کرنا لازم ہے۔ اور کسی چیز کو اُٹھا کر چہرہ کی طرف لے جا کر اس پر سجدہ نہ کرے، اس لئے کہ کسی شئی کو اُٹھا کر اس پر سجدہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ ماتن نے فرمایا تھا کہ جب رکوع وسجدہ دونوں دشوار ہو جائیں تو یہاں دونوں کا دشوار ہونا شرط نہیں ہے؛ بلکہ اگر کوئی شخص رکوع تو کرسکتا ہے لیکن سجدہ کرنے پر قدرت نہ ہو تو وہ بھی رکوع وسجدہ دونوں کو بیٹھ کر اشارہ سے ادا کرسکتا ہے۔

اونچی جگہ پر سجدہ کرنے کا حکم شرعی

مسئلہ: اگر کوئی اونچی چیز زمین پر رکھی ہوئی ہو اور اس پر سجدہ کرے تو جائز ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیماری کی حالت میں ایک تکیہ پر سجدہ کیا تھا جو زمین پر رکھا ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع نہیں فرمایا، تو معلوم ہوا کہ جائز ہے۔ (شامی/۲/۵۶۸)

اگر بیٹھ کر نماز نہیں پڑھ سکتا ہے تو کس طرح پڑھے؟

اگر نمازی پر بیٹھنا بھی دشوار ہو جائے، اگرچہ حکماً ہی کیوں نہ ہو، تو اس صورت میں نمازی اپنی پیٹھ پر چت لیٹ کر سر کے اشارہ سے نماز ادا کرے گا، اس طرح کہ دونوں پاؤں قبلہ کی جانب کر کے دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر دے تا کہ قبلہ کی طرف پاؤں کا پھیلانا لازم نہ آئے، اس لئے کہ قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا مکروہ ہے اور سر کے نیچے تکیہ وغیرہ رکھ کر سر کچھ اُٹھادے تا کہ اس کا چہرہ قبلہ کی جانب ہو جائے۔

اور چت لیٹ کر نماز پڑھنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ معذور شخص دائیں کروٹ یا بائیں کروٹ لیٹے اور چہرہ کا رُخ قبلہ کی طرف کرے، اسکے بعد اشارہ سے نماز ادا کرے، لیکن اس میں پہلا طریقہ چت لیٹنے والا افضل ہے اور یہی معتمد مذہب ہے۔

اگر چت لیٹ کر اشارہ سے بھی نماز نہیں پڑھ سکتا ہے تو کیا حکم ہے؟

اگر بیماری اس قدر شدید ہوئی کہ چت لیٹ کر سر کے اشارہ سے بھی نماز پڑھنا دشوار ہو جائے اور فوت شدہ نمازیں بھی

بہت ہوجائیں، اس طرح کہ ایک دن اور ایک رات سے زیادہ ہوجائیں تو اس صورتِ حال میں اس شخص سے نماز شریعت کی جانب سے ساقط ہوجاتی ہے، اگرچہ ظاہر الروایہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر قضاء ہے، لیکن فتویٰ اس بات پر ہے کہ اس پر قضاء نہیں ہے جیسا کہ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے، اس لئے کہ صرف عقل ہونا خطاب شرعی کے عائد ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ جب مجبوری کے وقت ارکانِ نماز ساقط ہوجاتے ہیں تو شرائط نماز مجبوری کے وقت بدرجۂ اولیٰ ساقط ہوں گی۔ اور جو نمازیں مجبوری کی وجہ سے ارکان یا شرائط کی رعایت کے بغیر پڑھی گئی ہیں وہ نمازیں دوبارہ نہیں پڑھی جائیں گی، اس بارے میں ظاہر الروایہ یہی ہے، جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے۔

وَلَوِ اشتبَهَ علىٰ مريضٍ أعدادُ الرَّكعاتِ والسَّجدَاتِ لِنعاسٍ يلحقُهُ لَايلزَمُهُ الأداءُ ولَو أدّاهَا بتَلقِينِ غيرِهٖ ينبغِي أن يجزِيهُ، كذَا فِي القُنية، ولَم يؤم بعينِهٖ وقَلبِهٖ وحاجِبِهٖ خِلافًا لِزفرَ، وَلَو عرضَ لَهُ مرضٌ فِي صلاتِهٖ يُتِمُّ بِمَا قدرَ علَى المُعتمَدِ، ولَو صَلّى قاعِدًا بِرُكوعٍ وسُجودٍ فصح بنىٰ، ولَو كانَ يُصلِّي بالإيماءِ فصح لايبني، إلَّا إذَا صحَّ قبلَ أن يُؤمِي بالرُّكوعِ والسُّجودِ كمَا لَو كانَ يُؤمِي مضطجِعًا ثُمَّ قدرَ علَى القُعودِ وَلَم يقدِرْ علَى الرُّكوعِ والسُّجودِ فإنَّهُ يستأنِفُ علَى المُختارِ لأنَّ حالةَ القُعودِ أقوىٰ فلَم يجُزْ بِناؤُهُ علَى الضَّعِيفِ وَ لِلمُتطوِّعِ الاتكاءُ علىٰ شيءٍ كَعَصًا وجدارٍ معَ الإعيَاءِ أي التعبِ بلاكَراهةٍ وبِدُونِهٖ يكرَهُ، ولَهُ القُعودُ بِلاكَراهةٍ مُطلقًا هُو الأصحُّ، ذكرَهُ الكمالُ وغيرُهُ. صَلَّى الفرضَ فِي فُلكٍ جازَ قاعِدًا بِلَاعُذرٍ صحَّ لِغلبةِ العجزِ وأسَاءَ وقالاَ: لَايصِحُّ إلَّا بعُذرٍ وهُو الأظهرُ، بُرهان. والمَربُوطَةُ فِي الشطِّ كالشطِّ فِي الأصحِّ، والمَربُوطةُ بِلُجّةِ البحرِ إنْ كانَ الرِّيحُ يُحرِّكُها شدِيدًا فكالسَّائرةِ، وإلَّا فكالواقِفةِ ويلزمُ إستِقبالُ القِبلَةِ عِندَ الإفتِتاحِ وكُما دارَتْ، ولَو أمَّ قومًا فِي فُلكَينِ مَربُوطَتينِ صحَّ وإلَّا لَا، وَمَنْ جُنَّ أو أُغمِيَ علَيهِ ولَو بِفزعٍ مِن سَبُعٍ أو آدمِيٍ يومًا وليلةً قضَى الخمسَ، وإنْ زادَتْ وقتُ صلاةٍ سادِسةٍ لَا لِلحرجِ، ولَو افاقَ فِي المُدّةِ، فإن لِإفاقتِهٖ وقتٌ معلومٌ قضَى وإلَّا لَا. زالَ عقلُهُ بِبَنجٍ أو خمرٍ أو دَواءٍ لَزِمَهُ القَضاءُ وإنْ طالَتْ لأنَّهُ بصُنعِ العِبادِ كالنّومِ. ولَو قُطعَتْ يداهُ ورِجلاهُ مِن المِرفقِ والكَعبِ وبِوجهِهٖ جَراحةٌ صلّى بغَير طَهارةٍ ولَا تيمّمٍ، ولَا يُعِيدُ هُو الأصحُّ، وقَد مَرَّ فِي التَيمُّمِ، وقِيلَ: لَاصلوٰةَ عليهِ، وقِيلَ: يلزَمُهُ غَسلُ موضَعِ القَطعِ، **فُروعٌ:** أمكَنَ الغَرِيقَ الصَّلاةُ

بالإیماءِ بِلاعَملٍ کثیرٍ لزِمهُ الأداءُ وإلاَّ لاَ، أمرَهُ الطَّبِیبُ بالاستِلقَاءِ لِبزغِ المَاءِ مِن عَینِهِ صَلّٰی بالإیماءِ، لأنَّ حُرمةَ الأعضاءِ کَحُرمةِ النَّفسِ، مریضٌ تحتَهُ ثِیابٌ نجِسةٌ وکُلّمَا بَسَطَ شَیئًا تنجّسَ مِن ساعَتِهِ صلّٰی علٰی حَالِهِ، وکَذَا لَو لَمْ یتنَجَّسْ إلاَّ أنّهُ یلحقُهُ مشقّةٌ بتحرِیکِهِ۔

جس نمازی کو رکعت وغیرہ یاد نہ رہے اس کا حکم

اگر بیمار شخص پر اونگھ کی بیماری کی وجہ سے رکعتوں کی تعداد اور سجدوں کی تعداد مشتبہ ہو جائے کہ اس نے کتنی رکعت پڑھی ہیں اور کتنے سجدے کئے ہیں تو جب مریض کی حالت اس نازک مرحلہ میں پہنچ جائے تو اس پر نماز کا ادا کرنا لازم نہیں ہے۔ اور اگر وہ دوسروں کی تلقین پر نماز ادا کرے گا تو یہ اس کے لائق ہے کہ اس کی طرف سے کافی ہو جائے، جیسا کہ یہ مسئلہ قنیہ میں مذکور ہے۔

آنکھ، دل اور بھنوؤں کے اشارہ سے نماز ادا کرنے کا حکم

اگر آدمی اس قدر بیمار ہو جائے کہ وہ چت لیٹ کر سر کے اشارہ سے بھی نماز ادا نہیں کر سکتا ہے تو اس کے ذمہ سے نماز ساقط ہو جاتی ہے۔ اور آنکھ، دل اور بھنوؤں کے اشارہ سے نماز ادا کرنا کافی نہیں ہے۔ آنکھ، دل اور بھنوؤں کے اشارہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے؛ البتہ حضرت امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دل کے اشارہ کا اعتبار ہے (چنانچہ اگر بیمار شخص سر کے اشارہ سے نماز ادا نہیں کر سکتا ہے تو دل کے اشارہ سے نماز ادا کرے۔ اور اگر اس سے بھی اشارہ نہیں کر سکتا ہے تو بھنوؤں سے اشارہ کر کے نماز ادا کرے۔ اور اگر بھنوؤں سے بھی اشارہ کرنے پر قدرت نہ ہو تو آنکھ سے اشارہ کرے اور اگر اس سے بھی عاجز ہو تو دل سے اشارہ کرے)۔ (شامی/۲/۵۷۱)

دورانِ نماز بیماری لاحق ہونا

اگر نماز پڑھتے ہوئے دورانِ نماز کوئی بیماری لاحق ہو جائے تو اب وہ نمازی جس قدر بھی قادر ہو اسی طرح نماز ادا کرے۔ اس مسئلہ میں معتمد قول یہی ہے۔ اگر بیٹھ کر ادا کر سکتا ہے تو بیٹھ کر ادا کرے، اور اگر رکوع وسجدہ کے ساتھ ادا کر سکتا ہے تو رکوع سجدہ کے ساتھ ادا کرے۔ اور اگر اشارہ سے چاہے تو اشارہ سے نماز ادا کرے۔

ایک بیمار شخص بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز ادا کر رہا تھا کہ دورانِ نماز اللہ تعالیٰ نے بیماری دور کر دی اور وہ تندرست ہو گیا تو اب وہ بقیہ نماز کھڑے ہو کر ادا کرے گا اور ایسا کرنا درست ہے۔ اور اگر بیماری کی وجہ سے اشارہ کے ساتھ نماز ادا

کررہاتھا کہ نماز پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے صحت سے نواز دیا تو اب بقیہ نماز کی بناء اس پر نہ کرے گا؛ بلکہ ازسرنو دوبارہ نماز ادا کرے گا؛ البتہ اگر وہ رکوع وسجدہ کو اشارہ کرکے ادا کرنے سے پہلے تندرست ہوگیا تو اس صورت میں بقیہ نماز کو اس پر بناء کرسکتا ہے، جس طرح کہ اگر کوئی شخص لیٹ کر اشارہ سے نماز ادا کررہا تھا پھر وہ نماز ہی کی حالت میں بیٹھنے پر قادر ہوگیا، لیکن وہ رکوع وسجدہ ادا کرنے پر قادر نہ ہوسکا تو اس صورت میں مختار مذہب یہ ہے کہ ازسرنو دوبارہ نماز ادا کرے گا، اس لئے کہ بیٹھنے کی حالت لیٹنے کی حالت سے قوی تر ہے، لہٰذا قوی حال کی بناء ضعیف پر نہیں ہوسکتی ہے۔ (اور اگر بناء کردیا جائے تو خلافِ ضابطہ لازم آئے گا)۔

نفل نماز ٹیک لگا کر پڑھنے کا حکم

تھکن کی وجہ سے نفل نماز پڑھنے والے کو کسی لاٹھی یا دیوار سے ٹیک لگانا بلا کراہت جائز ہے۔ اور بغیر تھکان کے سستی کی وجہ سے نفل نماز ٹیک لگا کر ادا کرنا مکروہ ہے۔ اور نفل نماز پڑھنے والے کے لئے نفل نماز بیٹھ کر ادا کرنا ہر حال میں جائز ہے۔ اس بارے میں یہی صحیح مذہب ہے، اور اسی کو کمال وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

کشتی میں نماز ادا کرنے کا حکم

اگر کسی نے بلاعذر چلتی ہوئی کشتی میں بیٹھ کر نماز ادا کی ہے تو یہ جائز ہے، اس لئے کہ چلتی کشتی میں عام طور پر سر چکرانے کا عذر ہوا کرتا ہے، لیکن اگر کشتی میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنا ممکن تھا پھر اس نے بلاعذر بیٹھ کر نماز ادا کی تو اس نے برا کیا۔ اور حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ چلتی ہوئی کشتی میں بلاعذر بیٹھ کر نماز ادا کرنا صحیح نہیں ہے اور نماز نہیں ہوتی ہے، ظاہر الروایہ میں اس بارے میں یہی ہے جیسا کہ ''برہان'' میں ہے۔

اور وہ کشتی جو کنارے پر بندھی ہوئی ہو اصح قول کے مطابق کنارہ کے مثل ہے، لہٰذا اس کشتی میں فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور وہ کشتی جو سمندر کی موج میں بندھی ہوئی ہو اور تیز ہوا اس کو ہچکولے دے رہی ہو تو وہ فرض ادا کرنے کے حق میں چلتی ہوئی کشتی کی مانند ہے، اس میں فرض نماز بیٹھ کر ادا کرنا جائز ہے۔ اور اگر تیز ہوا اس کو ہچکولے نہ دے رہی ہو تو وہ کھڑی ہوئی کشتی کے حکم میں ہے، اس میں فرض نماز بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہیں ہوگا۔

کشتی میں استقبالِ قبلہ کا حکم

اور کشتی میں نماز ادا کرنے کی صورت میں یہ لازم ہے کہ نماز شروع کرتے وقت نمازی کا چہرہ قبلہ کی جانب ہو اور جب

جب کشتی کا رُخ گھومے نمازی بھی اپنا چہرہ قبلہ کی جانب گھمائے۔اور اگر قبلہ رُخ نماز پڑھنا ممکن نہ ہوتو اس صورت میں نماز پڑھنے میں اس وقت تک تاخیر کرے جب تک وقت نکل جانے کا خوف پیدا نہ ہوجائے۔اخیر وقت میں بحالت مجبوری جس طرف بھی رُخ ہونماز ادا کرے۔

اگر امام نے ایسی قوم کی امامت کی جو دو مختلف بندھی ہوئی کشتیوں میں کھڑے ہوں تو یہ امامت صحیح ہے، بشرطیکہ دونوں کشتیاں ملی ہوئی پاس پاس ہوں اور اگر ایسا نہ ہوتو پھر امامت درست نہیں ہوگی۔

پاگل اور بے ہوش شخص پر کب قضاء ہے؟

جو شخص دیوانہ ہوجائے، یا اس پر بے ہوشی طاری ہوجائے اگر چہ کسی درندے یا کسی آدمی کے خوف سے ہو اور اسی حالت میں ایک دن اور ایک رات مکمل گذر جائے تو وہ دیوانہ اور بے ہوش شخص ٹھیک ہوجانے کے بعد پانچوں وقت کی نماز قضاء کرے گا،لیکن اگر دیوانگی اور بے ہوشی کی مدت پانچ نمازوں سے زیادہ تک رہی اور چھٹی نماز کا وقت داخل ہوگیا اور ابھی وہ ہوش میں نہیں آیا ہے تو اب ہوش میں آنے کے بعد یا جنون ٹھیک ہونے کے بعد گذشتہ نمازوں کی قضاء واجب نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں اس پر تنگی ہے۔اور اگر مدت کے اندر ہوش آتا رہا اور جنون جاتا رہا ہو اور افاقہ کا وقت متعین ہوتو بعد میں قضاء کرے گا، ورنہ قضاء نہیں کرے گا، اس لئے کہ جب افاقہ کا وقت متعین نہیں ہے تو وہ افاقہ قابل اعتماد بھی نہیں ہے۔

بھنگ، افیون اور شراب سے عقل جاتی رہے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

اگر نمازی کی عقل بھنگ یا شراب پینے یا دوسری نشہ آور دواء استعمال کرنے کی وجہ سے زائل ہوگئی اور ایک طویل مدت تک اسی حالت میں پڑا رہا تو اس زمانہ کی نمازوں کی قضاء اس پر لازم ہوگی، اس لئے کہ یہ عقل کا زائل ہونا خود بندے کے فعل سے ہوا ہے اور جو عقل بندے کے فعل سے زائل ہو وہ نیند کی طرح ہے، جس طرح نیند کی حالت میں کوئی نماز قضاء ہوجائے تو بیدار ہونے کے بعد اسکی قضاء لازم ہے، اسی طرح یہاں بھی ہوش میں آنے کے بعد تمام نمازوں کی قضاء لازم ہے جو اس زمانہ میں فوت ہوئی ہوں۔

جن کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں وہ کس طرح نماز ادا کریں؟

اگر کسی شخص کے دونوں ہاتھ کہنی سے اور دونوں پاؤں ٹخنے سے کٹے ہوئے ہوں اور اس کے چہرہ پر زخم ہوتو ایسا شخص بغیر

طہارت یعنی وضو اور تیمم کے بغیر نماز ادا کرے گا اور پھر ان نمازوں کو وہ بعد میں اعادہ بھی نہیں کرے گا، اس مسئلہ میں یہی قول زیادہ صحیح ہے اور یہ مسئلہ "بابُ التَّیَمُّم" کے تحت بھی گذر چکا ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ ایسے شخص پر نماز ہی واجب نہیں ہے مگر یہ قول ضعیف ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ کٹی ہوئی جگہوں کا دھونا اس پر لازم ہے۔ (لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ اس کو کوئی دوسرا وضو کرانے والا موجود ہو ورنہ نہیں)۔

سمندر میں ڈوبنے والے کی نماز کا حکم

ایک شخص سمند میں ڈوب رہا تھا لیکن وہ اس حال میں بلا عمل کثیر اشارہ سے نماز ادا کر سکتا ہے، تو اس کو نماز ادا کرنا لازم ہے۔ اور اگر بلا عمل کثیر ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو پھر اس پر قضاء لازم نہیں ہے۔ (بلا عمل کثیر نماز ادا کرنا اس طرح ممکن ہے کہ سہارے کے لئے اس کو تختہ مل گیا، یا تیرنے میں خوب ماہر ہو)۔

اعضاء کی حفاظت کے لئے چت لیٹ کر نماز ادا کرنا

مسلمان طبیب حاذق نے چت لیٹے رہنے کا حکم اس لئے دیا کہ اس کی آنکھ سے پانی نکالا گیا تھا تو ایسا شخص چت لیٹنے کی حالت میں اشارہ سے نماز ادا کرے گا، اس لئے کہ انسان کے اعضاء کی حرمت جان کی حرمت کی طرح ہے، یعنی جس طرح جان کا بچانا فرض ہے اسی طرح اعضاء کا بچانا بھی فرض ہے۔

ایسا بیمار جس کا کپڑا برابر ناپاک رہتا ہو اس کی نماز

ایک شخص بیمار ہے اور اس کے نیچے ناپاک کپڑے بچھے ہوئے ہیں اور جب جب بھی اس کے نیچے کوئی چیز بچھائی جاتی ہے اسی وقت ناپاک ہو جاتی ہے تو وہ بیمار اسی حال میں نماز ادا کرے گا، یا وہ کپڑے ناپاک تو فوراً نہ ہوتے ہوں مگر بیمار کو اُٹھانے بیٹھانے میں مشقت ہوتی ہو تو بھی اسی حال میں نماز ادا کرے گا، کیوں کہ یہ کپڑے اس بیمار کے لئے حکماً پاک ہیں۔

بابُ سُجُودِ التِّلاوَةِ

یہ باب سجدۂ تلاوت کے بیان میں ہے

اس باب میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ ان مسائل کو بیان کریں گے جو سجدۂ تلاوت سے متعلق ہوں گے۔ تلاوتِ قرآن کی وجہ سے جو سجدہ واجب ہوتا ہے اسی کو ''سجدۂ تلاوت'' کہتے ہیں، جس کے تفصیلی مسائل عبارت کے ذیل میں آئیں گے۔

مِنْ إضافةِ الحُكمِ إلٰى سَببِهِ تَجِبُ بِـ سببِ تِلاوَةِ آيةٍ أىْ أكثرِهَا معَ حرفِ السّجدَةِ مِن اربعَ عَشرةَ آيةً أربعٌ فِي النِّصفِ الأوّلِ وعشرٌ فِي الثّاني مِنها أولٰى الحجّ أمّا ثانِيتُه فصلاتِيّةٌ لِإقتِرانِها بالرُّكوعِ وصٓ خِلافًا للشّافعِيّ واحمدؒ، ونفى مالكٌ سجُودَ المُفصّلِ بشرطِ سماعِها فَالسّببُ التِّلاوةُ وإن لَم يُوجَدِ السّماعُ، كتِلاوةِ الأصمِّ، والسّماعُ شرطٌ فِي حقِّ غيرِ التّالي ولَو بالفارسِيّةِ إذَا اخبَرَ أو بشرطِ الإئتمامِ أى الإقتِداءُ بِمَن تلاهَا فإنّهُ سببٌ لوُجوبِهَا ايضًا، وإن لَمْ يسمَعْها ولَم يحضُرهَا للمُتابعَةِ، ولَو تَلاهَا المُؤتمُّ لَم يَسجُد المُصلِّي أصلًا لَا فِي الصّلاةِ ولاَ بعدَها، بِخِلافِ الخَارِجِ لأنّ الحجرَ ثبتَ لِمعينِين فلايعدُوهُمْ، حتّٰى لَو دخلَ معهُمْ سقطَتْ، ولَاتجبُ علىٰ مَن تَلَا فِي رُكوعِهِ او سجُودِهِ، أو تشهُّدِهِ للحجرِ فِيهَا عَنِ القِراءَةِ بِشُروطِ الصّلاةِ المُتقدّمةِ خلَا التّحرِيمةِ ونيّةِ التعيين، ويُفسِدُها مَا يفسدُها، ورُكنُها: السُّجودُ أو بدلهُ كرُكوعِ مُصَلٍّ وإيماءُ مريضٍ وراكبٍ وهِي سجدَةٌ بينَ تكبِيرتَينِ، مَسنُونتَينِ جهرًا وبَينَ قِيامَينِ مُستحبّينِ بِلارَفعِ يدٍ وتشهُّدٍ وسلامٍ، وفِيهَا تسبِيحُ السُّجودِ فِي الأصحِّ علىٰ مَن كانَ مُتعلِّقٌ بيجبُ أهلًا لِوجوبِ الصّلاةِ لأنّها مِن أجزائِهَا أداءً كالأصمِّ إذَا تلَا، أو قضاءً كالجُنُبِ والسكرانِ والنّائمِ فلَاتجبُ علىٰ كافِرٍ وصبِيٍّ ومجنونٍ وحائضٍ ونفساءَ قرؤوا أو سَمِعُوا لأنّهُمْ ليسُوا اهلًا لَها وتَجبُ بتلاوَتِهِم يعني المَذكُورِينَ خلَا المَجنونَ المُطبِقَ فَلاتجِبُ بِتِلاوتِهِ لعدمِ أهلِيّتِهِ، ولَو قصر

جنُونُه فكانَ يومًا وليلةً او اقلّ تلزمُهُ: تلاَ أو سمعَ، وإن أكثرَ لاتلزمُهُ، بَل تلزمُ مَن سمِعَهُ علىٰ مَا حــرّرهُ مُنلا خُسرُو، لكِن جزمَ الشُّرُنبلالي بِاختِلافِ الرِّوايةِ. ونقلَ الوُجوبَ بالسَّماعِ مِن المَجنُونِ، عنِ الفتاوىٰ الصغيرى والجَوهَرة، قُلت: و بهٖ جزمَ القهستَانِي.

سجدۂ تلاوت کا وجوب

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "بَابُ سُجُودِ التِّلَاوَةِ" میں حکم کی اضافت سبب کی طرف ہے، یعنی تلاوت کرنے کے سبب سے سجدہ واجب ہوتا ہے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں اضافۃ الفعل الی السبب کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے، یا یہاں حکم محکوم بہ کے معنی میں ہے)۔ (شامی/۲/۵۷۵)

پورے قرآن میں چودہ سجدے واجب ہیں

پورے قرآن مجید میں چودہ سجدے ہیں ان میں سے کسی ایک آیت کی تلاوت کرنے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے۔ شارح علیہ الرحمہ نے اس کی صراحت کی ہے کہ ایک آیت کا اکثر حصہ بھی حرف سجدہ کے ساتھ تلاوت کرنا پوری آیت کی تلاوت کرنے کے حکم میں ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص پوری آیت نہ پڑھ کر آیت کا اکثر حصہ پڑھے اور سجدے والا حرف بھی پڑھے تو اسکی وجہ سے بھی سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔

قرآنِ کریم میں تلاوت کے جو چودہ سجدے ہیں ان چودہ سجدوں میں سے چار سجدے تو قرآن کے نصف اوّل میں ہیں اور بقیہ دس سجدے نصف ثانی میں ہیں۔ اور پر متن میں جو تلاوت کی قید آئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی آیت سجدہ کی تلاوت نہیں کی؛ بلکہ اس کو لکھا یا اس کا ہجے کیا تو اس پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے جیسا کہ شامی میں ہے۔ اور لفظ تلاوت کے مطلق ہونے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تلاوت کرنا عام ہے، خواہ نماز کے اندر تلاوت کرے یا نماز سے باہر، بہرصورت سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، دیکھ کر تلاوت کرے یا زبانی، ہرصورت میں سجدۂ تلاوت لازم ہوگا۔

ضروری تنبیہ

یہاں علامہ شامیؒ نے ایک نوٹ لکھا اور فرمایا کہ سورۂ نمل میں سجدۂ تلاوت رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ پر ہے۔ اور سورۂ ص میں حُسْنَ مَاٰب پر، حم السجدہ میں وَ هُمْ لَا يَسْاَمُوْنَ پر۔ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس سورۃ میں سجدہ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ پر ہے۔ لیکن حدیث شریف میں حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ اس میں لَا يَسْاَمُوْنَ پر سجدہ ہے، لہٰذا

احتیاط اس میں ہے کہ لَا یَسْاَمُوْنَ پر سجدہ کیا جائے اس لئے کہ یہ بعد میں ہے۔اور ایک آیت کی تاخیر مضر نہیں ہے اور ایک آیت کی تقدیم سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ (شامی/۲/۵۷٦)

چودہ سجدوں کا ذکر

قرآنِ کریم میں جو چودہ سجدوں کا ذکر ہے ان میں ایک سورۂ حج کا پہلا سجدہ ہے اور سورۂ حج کا دوسرا سجدہ سجدۂ تلاوت نہیں ہے؛ بلکہ نماز کا سجدہ ہے، اس لئے کہ یہ سجدہ رکوع سے بالکل ملا ہوا ہے۔اور ایک سجدۂ تلاوت سورۂ صٓ میں ہے، لیکن حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ صٓ میں سجدۂ تلاوت نہیں ہے اور اس کی جگہ وہ حضرات سورۂ حج کے دونوں سجدوں کو سجدۂ تلاوت قرار دیتے ہیں۔اور حضرت امام مالکؒ مفصل سورتوں میں سجدہ کو نہیں مانتے ہیں، یعنی سورۂ نجم، اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ اور اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ اِلخ میں سجدہ کو نہیں مانتے ہیں، اس لئے حضرت امام مالکؒ کے نزدیک سجدۂ تلاوت کی تعداد چودہ نہیں ہے؛ بلکہ گیارہ ہے اور بقیہ اماموں کے نزدیک چودہ سجدے ہیں۔

وجوبِ سجدۂ تلاوت کے اسباب

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت اس وقت واجب ہوتا ہے جب آیاتِ سجدہ میں سے کسی آیت کو سنے، لہٰذا وجوبِ سجدۂ تلاوت، کے تین اسباب ہیں:

۱- آیتِ سجدہ کی تلاوت ہے، اگر چہ وہ خود تلاوت کی آواز نہ سنے جیسے بہرے آدمی کا تلاوت کرنا۔

۲- آیتِ سجدہ کا کسی آدمی سے سننا اور یہ شرط تلاوت کرنے والے کے علاوہ کے حق میں ہے جس نے خود تلاوت نہیں کی بلکہ کسی دوسرے سے صرف سنا ہے اگر چہ فارسی میں ہو، پھر بھی سجدۂ تلاوت واجب ہے، بشرطیکہ اس کو بتایا گیا ہو کہ یہ آیت سجدہ ہے۔اگر سامع کو آیتِ سجدہ ہونا معلوم نہ ہو تو اس پر سجدہ واجب نہیں ہے۔

۳- وہ مقتدی جس کے امام نے آیتِ سجدہ پڑھی ہے، اس لئے کہ آیت سجدہ کی تلاوت کرنے والے امام کی اقتداء کرنا بھی سجدۂ تلاوت کو واجب کرتا ہے، اگر چہ مقتدی نے امام سے آیت سجدہ پڑھتے ہوئے نہ سنا ہو اور آیت سجدہ پڑھتے وقت موجود بھی نہ ہو تو بھی مقتدی پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، اس لئے کہ مقتدی پر امام کی متابعت ضروری ہے۔(اقتداء کی وجہ سے جو سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ امام سجدۂ تلاوت کرے۔اگر امام سجدۂ تلاوت نہیں کرے گا تو مقتدی پر سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا، چاہے مقتدی نے امام کو آیت سجدہ پڑھتے ہوئے پایا ہو)۔

اور اگر آیت سجدہ کی تلاوت مقتدی کرے گا تو اس صورت میں دوسرے نمازی بالکل سجدۂ تلاوت نہیں کریں گے، نہ نماز کے اندر اور نہ نماز سے باہر، یعنی نہ آیت سجدہ کا پڑھنے والا شخص سجدہ کرے گا، نہ امام سجدۂ تلاوت کرے گا اور نہ ہی دوسرے مقتدی سجدہ کریں گے۔ اس کے برخلاف وہ شخص جو نماز سے باہر ہے وہ سجدۂ تلاوت کرے گا، کیونکہ قرأت کی ممانعت معین اشخاص کے لئے ہوتی ہے، لہٰذا ان سے یہ ممانعت اپنی حد سے تجاوز نہیں کرے گی، حتیٰ کہ اگر وہ ان کے ساتھ خارج نماز میں داخل ہوا تو اس سے بھی سجدۂ تلاوت ساقط ہو جائے گا۔

رکوع وسجود میں آیت سجدہ پڑھنے سے عدم وجوبِ سجدہ کا حکم

اگر کوئی شخص اپنے رکوع یا اپنے سجدے میں آیت سجدہ کی تلاوت کرے یا آیت سجدہ کی تلاوت تشہد میں کرے تو ان صورتوں میں اس پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کو ارکانِ نماز میں قرأت سے روک دیا گیا ہے۔

(علامہ مرغینانی نے فرمایا کہ اس صورت میں بھی اس پر سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا اور وہ نماز کے اندر اس سجدہ کو ادا کرے گا۔ اور یہ درست ہے کہ رکوع وغیرہ میں قرأت کی ممانعت ہے۔ جس طرح کہ جنبی شخص کو قرآن کی تلاوت سے روکا گیا ہے، لیکن اگر جنبی شخص تلاوت کرے گا تو اس پر بھی سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، ایسے ہی رکوع میں آیت سجدہ پڑھنے پر بھی سجدۂ تلاوت واجب ہے، شامیؒ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے)۔

سجدۂ تلاوت کس طرح ادا کیا جائے اور کب؟

اور سجدۂ تلاوت ان تمام شرطوں کے ساتھ واجب ہے جو ماقبل میں گذر چکی ہیں سوائے تکبیر تحریمہ کے، سجدۂ تلاوت ادا کرنے کے لئے تکبیر تحریمہ اللہ اکبر نہیں کہا جائے گا، نیز سجدۂ تلاوت ادا کرنے کے لئے تعیین نیت بھی شرط نہیں ہے، البتہ مطلقاً یہ نیت کرنا کہ یہ سجدۂ تلاوت ہے شرط ہے۔ اور جن چیزوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے ان ہی تمام چیزوں سے سجدۂ تلاوت بھی فاسد ہو جاتا ہے۔ اور فساد کی صورت میں اس کا لوٹانا واجب ہے۔ (اور علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ عورتوں کے محاذات سے سجدۂ تلاوت فاسد نہیں ہوتا ہے اور سجدۂ تلاوت میں قہقہہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے)۔

سجدۂ تلاوت کے ارکان

اور سجدۂ تلاوت کا رکن: سجدہ کرنا، یا سجدہ کا بدل ادا کرنا ہے، جیسے نماز پڑھنے والے نے دورانِ نماز آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کی جگہ رکوع کرلیا اور اسی میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلی، یا بیمار شخص یا سواری پر سوار شخص نے اشارہ سے ادا کیا تو ان

صورتوں میں سجدہ کا بدل ادا کیا گیا ہے اور جائز ہے۔ (رکوع سے سجدۂ تلاوت اس وقت ادا ہوگا جب نماز کے اندر تلاوت کی گئی ہو۔ اور اگر کسی نے خارجِ نماز آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ کے بجائے رکوع کرلیا تو یہ کافی نہ ہوگا، لیکن بیمار نے حالت صحت میں آیت سجدہ پڑھی تھی اور اس کا سجدہ بیماری کی حالت میں اشارہ سے ادا کیا تو جائز ہے)۔ (شامی/۲/۵۸۰)

سجدۂ تلاوت ادا کرنے کا شرعی طریقہ

صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت اس طرح ادا کرے کہ وہ اللہ اکبر بلند آواز سے کہتا ہوا سجدہ میں جائے اور ایک سجدہ ادا کر کے اللہ اکبر کہتے ہوئے اُٹھ جائے اور کھڑا ہو جائے۔ اگر سجدۂ تلاوت ادا کرنے والا منفرد ہے تو تکبیر اتنی زور سے کہے کہ وہ خود سن سکے۔ اور اگر امام ہے تو اس قدر زور سے کہے کہ دوسرے مقتدی بھی اس کو سن لیں۔ (شامی/۲/۵۸۰)

اسی کو حضراتِ فقہاء نے اس طرح بیان کیا ہے کہ سجدۂ تلاوت ایک سجدہ ہے جو دو بلند مسنون تکبیروں اور دو مستحب قیام کے درمیان میں کیا جاتا ہے۔ سجدۂ تلاوت میں اللہ اکبر کہتے ہیں، نہ ہاتھ اُٹھایا جائے گا اور نہ التحیات پڑھی جائے گی اور نہ سلام پھیرا جائے گا، البتہ سجدۂ تلاوت میں اصح روایت کے مطابق تسبیح ''سبحان ربی الاعلیٰ'' تین بار پڑھی جائے گی۔

(صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں کہ اگر سجدۂ تلاوت فرض نماز میں ادا کیا جائے تب تو اسی تسبیح کو پڑھے، لیکن اگر سجدۂ تلاوت نفل نماز میں، یا نماز سے باہر ادا کیا جائے تو یہ تسبیح بھی پڑھ سکتا ہے اور اگر چاہے تو وہ دعاء پڑھے جو احادیث شریفہ میں منقول ہے۔ جیسے: **سَجَدَ وَجهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ و صَوَّرَهُ، وشَقَّ سَمْعَهُ وبصرَهُ بحَولِهِ وقُوَّتِهِ فَتبارَكَ اللّٰهُ احسنُ الخَالِقِينَ.** یا اس کے علاوہ دوسری دعاء پڑھے)۔ (شامی/۲/۵۸۰)

سجدۂ تلاوت کن لوگوں پر واجب ہے؟

سجدۂ تلاوت ان ہی لوگوں پر واجب ہے جن پر نماز واجب ہے، خواہ ادا کے طور پر ہو یا قضاء کے طور پر ہو۔ اور سجدۂ تلاوت کے واجب ہونے کے لئے وجوبِ نماز کی اہلیت اس لئے معتبر ہے کہ سجدۂ تلاوت نماز کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے، یعنی اگر اس کو نماز کی حالت میں ادا کیا جائے تو یہ سجدہ نماز کا جزو ہوتا ہے۔ ادا کی مثال، جیسے بہرا شخص جس نے آیتِ سجدہ کی تلاوت کی ہو۔ اور بطور قضاء کی مثال جیسے جنبی، مدہوش اور سونے والا، یعنی اگر جنبی آیت سجدہ سنے گا تو پاک ہونے کے بعد ادا کرے گا۔ اور مدہوش آدمی اگر آیتِ سجدہ سنے گا تو ہوش میں آنے کے بعد سجدۂ تلاوت ادا کرے گا۔ اسی طرح سونے والا اگر نیند میں آیتِ سجدہ پڑھے تو بیدار ہونے کے بعد سجدۂ تلاوت اصح قول کے مطابق واجب ہے۔ (شامی/۲/۵۸۱)

کن کن لوگوں پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے؟

پانچ قسم کے لوگوں پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے، یعنی اگر یہ آیت سجدہ پڑھیں تو ان پر سجدہ واجب نہ ہوگا اور وہ پانچ قسم کے لوگ ہیں:

۱- کافر، اگر کوئی کافر آیتِ سجدہ کی تلاوت کرے تو اس پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے۔
۲- بچہ، اگر کوئی نابالغ بچہ آیتِ سجدہ کی تلات کرے تو اس پر سجدہ واجب نہیں ہے۔
۳- مجنون شخص اگر آیت سجدہ کی تلاوت کرے تو اس پر بھی سجدہ واجب نہیں ہے۔
۴- حائضہ عورت اگر تلاوت کرے اور آیتِ سجدہ آجائے تو اس پر بھی سجدہ واجب نہیں ہے۔
۵- نفاس والی عورت اگر آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو اس پر بھی سجدہ واجب نہیں ہے۔

مذکورہ پانچوں قسم کے لوگوں پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے، خواہ یہ لوگ خود تلاوت کریں یا کسی سے سنیں۔ اور واجب اس لئے نہیں ہے کہ یہ لوگ نماز کے اہل نہیں ہیں، یعنی ان پر نماز واجب نہیں ہے، نہ اداء واجب ہے نہ قضاء، لیکن ان لوگوں کی تلاوت کرنے کی وجہ سے سننے والوں پر سجدہ واجب ہوگا، علاوہ اس پاگل کے پڑھنے کے جس کو افاقہ نہ ہوتا ہو اور اس کا جنون چھ یا اس سے زیادہ نمازوں تک باقی رہتا ہو، اس طرح کہ پاگل سے کوئی آیت سجدہ سن لے گا تو اس پر سجدہ واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ ایسا پاگل خود نماز کا اہل نہیں ہوتا ہے، لیکن اگر اس پاگل کا جنون مختصر ہو ایک دن اور ایک رات تک ہو، یا اس سے بھی کم ہو تو اس پر سجدہ لازم ہوگا، خواہ خود پڑھے یا کسی دوسرے سے سنے، اور اگر جنون ایک رات و دن سے زیادہ ہو جائے تو اس پر خود سجدہ لازم نہ ہوگا، البتہ ملا خسرو کی تصریح کے مطابق جو اس سے آیت سجدہ سنے گا اس پر سجدہ واجب ہوگا۔ اور اس بارے میں شرنبلالی نے اختلاف روایت پر یقین کیا ہے۔ اور مجنون سے آیتِ سجدہ سننے کے بعد سجدہ کا واجب ہونا ''فتاویٰ صغریٰ'' اور ''جوہرہ'' سے نقل کیا ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ قہستانی نے اسی پر یقین کیا ہے۔ (شرنبلالی نے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص مجنون سے آیتِ سجدہ تلاوت کرتے ہوئے سنے تو اس سامع پر آیتِ سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں روایتیں دو طرح کی ہیں اور دونوں کی تصحیح کی گئی ہے، ان میں صحیح یہ ہے کہ سجدہ واجب نہ ہوگا)۔ (شامی/۲/۵۸۲)

لَا تجِبُ بِسماعِهِ مِن الصَّدى والطَّيرِ ومِن كُلِّ تَالٍ حَرفًا، ولَا بالتَّهجِّي، أشباهُ. وَ لا مِنَ المُؤتمِّ لَو كانَ السَّامِعُ فِي صلاتِهِ اي صلاةِ المُؤتمِ، بِخِلافِ الخَارجِ كَمَا مَرَّ. وهِيَ علَى التَّراخِي علَى المُختارِ، ويكرهُ تاخِيرُهَا تنزِيهًا، ويكفِيهِ أن يَّسجُدَ عددَ مَا علَيهِ بِلاتعيِينِ

ويكُونُ مُؤدِّيًا، وتسقُطُ بالحَيضِ والرِّدَّةِ إنْ لَمْ تَكُن صَلويةً فعَلَى الفَورِ لِصَيرُورتِهَا جُزءً مِنهَا، ويَأثمُ بتأخِيرِهَا ويَقضِيهَا مَا دامَ فِي حُرمةِ الصَّلاةِ ولَو بعدَ السّلامِ، فتح. ثُمّ هٰذهِ النِّسبةُ هِي الصَّوابُ، وقَولُهُمْ "صلاتِيّةٌ" خطأٌ قالَهُ المُصنِّف، لكِن فِي الغَايةِ أنّهُ خطأٌ مُستعمَلٌ، وهُو عِندَ الفُقهاءِ خَيرٌ مِن صوابٍ نادِرٍ، وَ مَن سمِعَها مِن إمامٍ ولَو بِاقتِدائهِ بهٖ فائتمّ بهٖ قبلَ أن يسجُدَ الإمامُ لَهَا سجدَ معَهُ، وَ لَو ائتمّ بعدَهُ لاَ يسجُدُ أصلاً، كَذَا أطلقَ فِي الكَنزِ تبعًا للأصلِ، وإن لَم يقتَدِ بِهٖ أصلاً سجدَهَا وَ كَذا لَو اقتدىٰ بهٖ فِي ركعةٍ أخرىٰ علىٰ مَا اختارهُ البزدَوِيّ وغيرُهُ، وهُو ظاهِرُ الهِداية، ولَو تَلاهَا فِي الصَّلاةِ سجدَهَا فِيهَا لاَ خارِجَها لِمَا مَرّ. وفِي البدائِعِ: وإذَا لَم يسجُدْ أثِمَ فتَلزمُهُ التّوبَةُ، إلّا إذَا فسدَتِ الصَّلٰوةُ بغَيرِ الحَيضِ فلَو به تسقُطُ عنهَا السجدَةُ، ذَكرهُ فِي الخُلاصَةِ، فَيسجُدُها خارِجَها لأنّها لَمّا فسدتْ لَم يبقَ إلاّ مجرّد التِّلاوة فَلَمْ يكُن صلويه، ولَو بعدَ ما سجدَهَا لَم يعدْها، ذكرهُ فِي القنية. ويُخالفُهُ مَا فِي الخَانِية: تلاهَا فِي نفلٍ فأفسدَه قضاهُ دُونَ السّجدَةِ، إلّا أن يحملَ علىٰ مَا إذَا كانَ بعدَ سجودِها، وتُؤدى برُكوعٍ وسُجودٍ غيرَ رُكوعِ الصَّلاةِ وسُجودِها فِي الصَّلاةِ وَ كَذا فِي خارِجِها ينوب عَنهَا الرّكوع فِي ظاهِرِ المَروى، بزّازية. لَهَا أى لِلتِّلاوةِ، وتُؤدّى برُكوعِ صلاةٍ، إذَا كانَ الرّكوعُ علَى الفورِ مِن قِراءةِ آيةٍ أو آيتينِ، وكَذَا الثّلاثُ على الظَّاهِرِ كمَا فِي البَحرِ. إنْ نواهُ أى كونَ الرُّكوعِ لِسُجودِ التِّلاوَةِ علَى الرّاجِحِ، وَ تؤدى بسُجودِها كَذالِكَ أى علَى الفورِ. وإنْ لَم يَنوِ بالإجماعِ، ولَو نواهَا فِي رُكوعه ولَو لَم ينوِهَا المُؤتمُّ لَم تجزهُ، ويسجُدُ إذَا سلّمَ الإمامُ ويُعيدُ القعدَةَ، ولَو تركَهَا فَسدَتْ صلاتُهُ، كَذَا فِي القنية. وينبغِي حملُهُ علَى الجَهريّةِ. نعمْ لَو ركعَ وسجدَ لَها فورًا نابَ بلاَنِيّةٍ، ولَو سجدَ لَها فظَنّ القومُ أنّهُ ركعَ، فمَن ركعَ رفضه وسجدَ لَهَا، ومَن ركعَ وسجدَ سجدةً أجزأتهُ عَنهَا، ومَن رَكَعَ و سَجدَ سَجْدَتَينِ فَسَدَتْ صَلاتُهُ، لأنّهُ انفردَ بركعةٍ تامةٍ.

صدائے بازگشت اور پرندے سے آیتِ سجدہ سننے کا حکم

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ صدائے بازگشت اور پرندے سے آیتِ سجدہ سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایک ایک حرف علیحدہ علیحدہ کرکے پڑھے، یا ہجے کرکے آیتِ سجدہ پڑھے تو اس کے سننے سے بھی سجدۂ

تلاوت واجب نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ الاشباہ والنظائر میں ہے۔ اور نہ اس مقتدی سے آیتِ سجدہ سننے سے سجدہ واجب ہوتا ہے جو سننے والا مقتدی کی نماز میں ہو، یعنی سامع اور مقتدی دونوں ایک ہی نماز پڑھ رہے ہوں، ہاں اگر مقتدی سے آیت سجدہ وہ شخص سنے جو نماز سے باہر ہے تو اس پر سجدہ واجب ہے، جیسا کہ اس سے پہلے بھی گذرا ہے۔

سجدۂ تلاوت فوراً واجب ہے یا اس میں تاخیر کی گنجائش ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مذہب مختار کے مطابق سجدۂ تلاوت تراخی کے ساتھ واجب ہے، یعنی پوری زندگی میں کبھی بھی ادا کرسکتا ہے۔ اور یہ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سجدۂ تلاوت علی الفور واجب ہے۔ لیکن زندگی میں جب بھی ادا کرے گا ادا ہی کہلائے گا قضاء نہیں کہلائے گا اور تاخیر کے سبب گناہ بھی نہیں ہوگا۔ لیکن سجدۂ تلاوت کو بلا وجہ مؤخر کرنا مکروہِ تنزیہی ہے۔ (اس لئے کہ کبھی کبھی طولِ زمان کی وجہ سے آدمی بھول جاتا ہے) اور اس کے لئے یہ کافی ہے کہ اس پر جتنے سجدے واجب ہیں بلاتعیین ادا کرے اور اس طرح ادا کرنے سے ادا کرنے والا ہی کہا جائے گا۔ اور سجدۂ تلاوت حیض اور ارتداد کی وجہ سے ساقط ہوجاتا ہے (جیسا کہ فتاویٰ خانیہ وغیرہ کتاب میں موجود ہے)۔ (شامی/۲/۵۸۴)

نماز میں آیتِ سجدہ تلاوت کرنے سے سجدہ فوراً واجب ہے

اگر نماز میں کوئی سجدہ والی آیت تلاوت کرے تو اس کا سجدہ علی الفور واجب ہے، اس لئے کہ وہ سجدہ نماز کا جزو ہوجاتا ہے اور اس سجدہ کو مؤخر کرنے سے گناہ گار ہوگا۔ اور جب تک منافیٔ نماز کوئی فعل سرزد نہیں ہوا ہے نماز کے بعد بھی قضاء کرسکتا ہے، اگرچہ سلام پھیرنے کے بعد ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ یہ مسئلہ فتح القدیر میں مذکور ہے۔ (شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ماتن کا قول ''صلویہ'' اس میں الف کو واؤ سے جو بدلا گیا ہے اور یاء کے ساتھ جو نسبت کی گئی ہے بالکل درست ہے)۔ اور جن حضرات نے یہاں ''صلاتیہ'' کہا ہے وہ غلط ہے، اسی کو مصنف نے فرمایا ہے، لیکن غایہ میں لکھا ہے کہ یہ ایسی غلطی ہے جو عام طور پر مستعمل ہے اور ایسی غلطی جو عام طور پر مستعمل ہو اس صواب اور درست سے بہتر ہے جو نادر ہو۔

امام سے آیتِ سجدہ سننے کا حکم

جو شخص آیت سجدہ اپنے امام سے سنے، اگرچہ وہ امام اسی شخص کے اقتداء کی وجہ سے بنا ہو، چنانچہ اس مقتدی نے امام کے سجدۂ تلاوت سے پہلے اقتداء کرلی تو اب اس صورت میں وہ شخص امام کے ساتھ سجدۂ تلاوت کرے گا۔ اور اگر اس نے امام

کے سجدۂ تلاوت کر لینے کے بعد اقتداء کی ہے تو اب وہ سجدہ بالکل نہیں کرے گا نہ نماز کے اندر سجدہ کرے گا اور نہ نماز کے باہر سجدہ کرے گا۔ کنز الدقائق میں یہ مسئلہ اسی طرح مطلق بیان کیا گیا ہے۔ اور اگر اس سامع نے امام کی اقتداء نہیں کی ہے نہ اس رکعت میں اقتداء کی اور نہ دوسری رکعت میں اقتداء کی تو وہ نماز سے باہر سجدۂ تلاوت کرے گا، اسی طرح اگر اس نے دوسری رکعت میں امام کی اقتداء کی تب بھی سجدۂ تلاوت کرے گا، لیکن نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ کرے گا، جیسا کہ اس مسئلہ کو علامہ بزدوی اور صاحب ہدایہ وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔

سجدہ والی آیت نماز میں تلاوت کرنا

اگر کسی نے سجدہ والی آیت نماز میں تلاوت کی تو اس کا سجدہ نماز کے اندر ہی ادا کرنا واجب ہے، اس لئے کہ جو سجدہ نماز کے اندر واجب ہوتا ہے وہ نماز کا جزء ہوتا ہے، لہٰذا اس کو نماز سے باہر ادا نہیں کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ گذر چکا ہے۔ اور بدائع الصنائع میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ جو سجدہ نماز کے اندر واجب ہوا ہے اگر اس کو نماز کے اندر نہیں ادا کیا تو گناہ گار ہوگا اور اس پر توبہ و استغفار لازم ہوگا، اس لئے کہ اس نے واجب کو ترک کر دیا ہے، اور جس نماز میں آیتِ سجدہ پڑھی گئی تھی وہ نماز حیض کے علاوہ کسی اور وجہ سے فاسد ہوگئی تو اس سجدہ کو نماز سے باہر ادا کرے گا۔ اور اگر نماز حیض کی وجہ سے فاسد ہوئی تو ایسی صورت میں اس سے سجدہ ہی ساقط ہو جائے گا، اس مسئلہ کو "خلاصہ" نامی کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔

سجدۂ تلاوت کی نماز کے فاسد ہونے کا حکم شرعی

اگر سجدہ والی آیت تلاوت کرنے کے بعد نماز فاسد ہوگئی ہے تو اب اس کا سجدہ خارج نماز ادا کرے گا، اس لئے کہ جب نماز فاسد ہوگئی تو اب سجدۂ تلاوت کے علاوہ کچھ بھی اس کے ذمہ باقی نہیں رہا، لہٰذا اب وہ نماز کے اندر باقی نہیں رہا۔ اور اگر سجدۂ تلاوت ادا کرنے کے بعد نماز فاسد ہوگئی تو اب یہ سجدہ دوبارہ ادا نہیں کیا جائے گا جیسا کہ قنیہ نامی کتاب میں مذکور ہے، لیکن فتاویٰ قاضی خاں میں اس کے مخالف یہ ہے کہ اگر نفل نماز میں آیتِ سجدہ کی تلاوت کی ہے، پھر اس نفل کو فاسد کر دیا تو اس نفل کی قضاء کرے گا، لیکن سجدۂ تلاوت کی قضاء نہیں کرے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے فاسد ہونے سے سجدۂ تلاوت ذمہ میں باقی نہیں رہتا ہے۔ اور متن کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے فاسد ہونے کے بعد سجدۂ تلاوت ذمہ میں باقی رہتا ہے اور نماز سے باہر ادا کرے گا، تو ان دونوں مسئلوں میں تعارض ہوگیا۔ تو اب اس کا حل یہ ہے کہ فتاویٰ قاضی خاں کے مسئلہ کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ سجدۂ تلاوت کرنے کے بعد نفل فاسد کی گئی ہے تب خارج نماز سجدۂ تلاوت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (شامی/۲/۵۸۶)

سجدۂ تلاوت کی ادائیگی رکوع وسجود کے ذریعہ کرنا

اور سجدۂ تلاوت حالت نماز میں ایسے رکوع اور سجدے کے ذریعہ بھی ادا ہو جاتا ہے جو رکوع اور سجدہ نماز کے علاوہ کے لئے ہو۔ اسی طرح خارجِ نماز بھی رکوع، سجدۂ تلاوت کے قائم مقام ہو جاتا ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ فتاویٰ بزازیہ میں مذکور ہے۔ (صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے نماز میں سجدہ والی آیت پڑھی، سجدۂ تلاوت ادا کرنے کے بجائے اس کے لئے مستقل رکوع کرلیا جو نماز کے رکوع کے علاوہ تھا، یا اس سجدۂ تلاوت کے لئے نماز کے سجدہ کے علاوہ سجدہ کرلیا تو اس کا سجدۂ تلاوت ادا ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر خارجِ نماز میں سجدۂ تلاوت کو رکوع یا سجدہ کے ذریعہ ادا کرے تب بھی ادا ہو جائے گا، مگر رکوع سے سجدۂ تلاوت ادا ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ تلاوت کے بعد فوراً رکوع کیا جائے، اگر تاخیر کی گئی تو پھر اس کے لئے سجدہ ہی کرنا پڑے گا، خواہ داخل نماز ہو یا خارجِ نماز ہو)۔ (شامی/۲/۵۸۲)

نماز کے رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرنا

اگر کسی شخص نے نماز کے اندر آیتِ سجدہ پڑھی اور اس کے بعد رکوع میں چلا گیا اور اسی میں سجدۂ تلاوت کی ادائیگی کی نیت کرلی تو سجدۂ تلاوت ادا ہو جائے گا، بشرطیکہ آیتِ سجدہ پڑھنے کے بعد فوراً سجدہ کیا ہو۔ اسی طرح اگر آیتِ سجدہ پڑھنے کے بعد مزید ایک دو آیت پڑھ کر رکوع کیا اور اس میں سجدۂ تلاوت کی نیت کی تب بھی سجدہ ادا ہو جائے گا۔ اور کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق میں ہے کہ اگر تین آیتیں پڑھ کر بھی رکوع میں گیا تب بھی سجدۂ تلاوت ادا ہو جائے گا، بشرطیکہ اس میں سجدۂ تلاوت کی ادائیگی کی نیت کرے، راجح قول یہی ہے۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے نماز میں آیتِ سجدہ پڑھی اور اس کے بعد رکوع کیا، پھر علی الفور سجدہ کیا تو نماز کے اس سجدہ سے بھی سجدۂ تلاوت بالاجماع ادا ہو جائے گا، اگرچہ سجدۂ تلاوت ادا کرنے کی نیت نہ کی ہو۔ امام نے اپنے رکوع میں سجدۂ تلاوت کرنے کی نیت کی اور مقتدیوں نے نیت نہیں کی تو اس صورت میں صرف امام کی نیت مقتدیوں کے لئے کافی نہیں ہوگی؛ بلکہ مقتدی حضرات امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنا سجدۂ تلاوت ادا کریں۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ قعدہ بھی دوبارہ کریں۔ اور اگر مقتدیوں نے قعدہ ترک کر دیا تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ سجدۂ تلاوت سے قعدۂ اخیرہ باطل ہو جاتا ہے، لہٰذا سجدۂ تلاوت کے بعد قعدۂ اخیرہ دوبارہ کرنا ہوگا، جیسا کہ یہ مسئلہ "قنیہ" نامی کتاب میں مذکور ہے۔ اور مناسب یہ ہے کہ اس صورت کو جہری نمازوں پر محمول کیا جائے، اس لئے کہ سری نمازوں میں مقتدیوں کو امام کا پڑھنا معلوم نہیں ہو سکتا ہے۔

رکوع کے بعد فوراً سجدہ کرنا سجدۂ تلاوت کے لئے کافی ہے

ہاں اگر نمازی نے رکوع کرنے کے بعد فوراً نماز کے لئے سجدہ کیا تو یہ نماز کا سجدہ مقتدی کے لئے بلانیت سجدۂ تلاوت کے قائم مقام ہوجائے گا۔ اور اگر امام نے سجدۂ تلاوت کیا اور مقتدیوں نے یہ سمجھا کہ امام نے رکوع کیا اور تمام مقتدی رکوع میں چلے گئے تو معلوم ہونے کے بعد چاہئے کہ رکوع چھوڑ کر امام کے ساتھ سجدۂ تلاوت میں شریک ہوجائیں۔ اور جس نے رکوع کیا اور ایک سجدہ بھی کرلیا تو اس کے لئے یہ سجدہ، سجدۂ تلاوت کے لئے کافی ہوگا۔ اور جس نے رکوع کے بعد دو سجدے کئے تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی، اس لئے کہ اس کی یہ تنہا ایک رکعت ہوگئی اور ایک رکعت کی زیادتی نماز کو فاسد کرنے والی ہے۔

لَو سَمِعَ المُصلِّي السجدَةَ مِن غَيرِهِ لَم يَسجُدْ فِيهَا لأنّها غيرُ صلاتِيّةٍ بَلْ يسجُدُ بعدَهَا لِسماعِهَا مِن غير محجُورٍ، ولَو سجدَ فِيهَا لَم تجزهُ لأنّهَا ناقصَةٌ لِلنّهيِ فلايتادّىٰ بهَا الكَامِلُ وَ أعادَهُ أى السُّجُودَ لِمَا مَرَّ، إلَّا إذَا تلاهَا المُصلِّي غير المُؤتمّ ولَو بعدَ سماعِهَا، سراج. دُونَهَا أى الصَّلاةِ لأنّ زيادةَ مَا دُونَ الرَّكعةِ لَا تَفسُدُ إلَّا إذَا تابعَ المُصلِّي التَّالِي فتَفسُدُ لِمُتابعتِهِ غيرَ إمامِهِ ولاَ تُجْزِئُهُ عَمَّا سَمِعَ، تجنِيس وغيره. وإنْ تَلاهَا فِي غيرِ الصَّلاةِ فسجدَ ثُمّ دخلَ الصَّلاةَ فتلاهَا فِيهَا سجدَ أُخرىٰ وَ لَو لَم يسجد أولاً كَفتهُ واحِدةٌ، لأنّ الصَّلوتِيّةَ أقوىٰ مِن غَيرِهَا فتستتبع غيرها، وإنِ اختلفَتِ المَجلِسُ، ولَو لَم يسجُدْ فِي الصَّلاةِ سَقطَتَا فِي الأصحّ، وأثِمَ، كمَا مَرَّ، ولَو كَرَّرهَا فِي مَجلسَينِ تكررت، وفِي مجلسٍ واحِدٍ لاتتكَرَّرُ بَل كَفتهُ واحِدَةٌ، وفِعلُها بعدَ الأولىٰ أولىٰ، قنية. وفِي البحر: التّاخِيرُ أحوطُ، والأصلُ أنّ مَبنَاهَا عَلَى التداخُلِ دفعًا للحَرجِ بِشرطِ إتّحادِ الآيةِ والمَجلسُ وَهُو تداخُلٌ فِي السَّبَبِ بِأنْ يَجعَلَ الكُلَّ كَتِلاوَةٍ وَاحِدةٍ فتكُونُ الواحِدَةُ سَبَبًا والبَاقِي تبعًا لَها، وهُو ألِيَقُ بالعِبادَةِ لأنّ تركَهَا معَ وُجُودِ سَببِهَا شنِيعٌ. لَا تداخُل فِي الحُكمِ بأن يَجعلَ كُلّ تلاوةٍ سببًا لسجدَةٍ فتداخلت السجداتُ فاكتفى بِواحدةٍ، لأنّهُ ألِيَقُ بالعُقُوبةِ لأنّها للزجرِ، وهُو ينزَجِرُ بواحِدةٍ فيحصُلُ المَقصُودُ، وَالكريمُ يعفُو مَعَ قِيامِ سببِ العُقوبَةِ، وأفادَ الفرْق بقَولِهِ فتَنُوبُ الواحِدَةُ فِي تَداخُلِ السَّبَبِ عمّا قَبلَهَا وعمّا بعدَهَا ولاَ تَنُوبُ فِي تَداخُلِ الحُكمِ إلّا عمّا قَبلَها، حتّى لَو زنىٰ فحدّ، ثُمّ زنىٰ فِي المَجلِسِ حدّ ثانِيًا وَ إسداء الثّوبِ

ذاهبًا وآيبًا وانتِقالُهُ مِن غُصنِ شجرَةٍ إلىٰ آخرَ، وسَبحُهُ فِي نهرٍ أو حوضٍ تبدِيلٌ لِلمَجلسِ او الآية فتجبُ سجدَةٌ أو سجدَاتٌ أخرىٰ بخِلافِ زَوايَا مَسجدٍ وبيتٍ وسفِينةٍ سائرةٍ وفعلٍ قلِيلٍ، كأكلِ لُقمتَينِ وقِيامٍ وردِّ السّلامِ، وكذا دابة يُصلِّي علَيهَا لأنّ الصّلاةَ تجمعُ الأماكِنَ ولَو لَم يُصلِّ تتكرَّرُ كمَا تتكرَّرُ لَو تبدَّلَ مَجلِسُ سامِعٍ دُونَ تَالٍ حتّٰى لَو كرَّرَهَا راكِبًا يُصلِّي وغُلامُهُ يمشِي تتكرَّرُ علَى الغُلامِ لاَ الرَّاكِبِ، لاَ تتكرَّرُ فِي عَكسِهِ وهُو تبدُّلُ مجلِسِ التّالِي دُونَ السَّامِعِ علَى المُفتىٰ بِه، وهٰذا يُفِيدُ ترجِيحَ سَبَبِيةِ السِّماعِ، وأمّا الصلاَةُ علَى الرَّسُولِ ﷺ فكذالِكَ عِندَ المُتقدِّمِينَ. وقَالَ المُتأخِّرُونَ: تتكرَّرُ، إذْ لاَ تداخُلَ فِي حُقُوقِ العِبادِ، وأمّا العُطاسُ فالأصحُّ أنّهُ إذْ زادَ علَى الثّلاثِ لاَيُشَمِّتهُ، خلاصة.

نمازی نے غیرنمازی سے آیتِ سجدہ سن لی تو کیا حکم ہے؟

اگر نماز پڑھنے والے شخص نے حالت نماز میں غیر نمازی سے سجدہ کی آیت تلاوت کرتے سنا تو اس صورت میں نمازی سجدۂ تلاوت نماز میں ادا نہیں کرے گا، اس لئے کہ یہ سجدہ نماز کے اندر تلاوت کرنے کی وجہ سے واجب نہیں ہوا ہے؛ بلکہ نمازی جب اپنی نماز سے فراغت حاصل کرلے تو اس کے بعد سجدۂ تلاوت کو ادا کرے گا، اس لئے کہ اس نمازی نے آیتِ سجدہ کو اس شخص سے سنا ہے جس پر کوئی روک نہیں تھا؛ بلکہ آزاد اور نماز سے باہر تھا۔ اور اگر نمازی نے غیر نمازی سے حالت نماز میں آیتِ سجدہ سنی اور اس کا سجدہ نماز کے اندر ہی ادا کرلیا تو یہ سجدہ، سجدۂ تلاوت کی طرف سے کافی نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ سجدہ ناقص ہے ممانعت کی وجہ سے، لہٰذا اس ناقص سجدہ سے کامل سجدہ ادا نہیں ہوگا، چنانچہ جو سجدہ نماز کے اندر کیا اس کا اعادہ کرے گا، اس لئے کہ پہلے ناقص ادا ہوا تھا جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ ہاں اگر آیتِ سجدہ مقتدی کے علاوہ دوسرے نمازی نے پڑھی ہے، اگرچہ دوسرے سے سننے کے بعد پڑھی ہے تو وہ پھر سجدہ کا اعادہ نہیں کرے گا، جیسا کہ سراج الوہاج نامی کتاب میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

صورتِ مسئلہ

اس مسئلے کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نماز ادا کررہا تھا اس نے نماز میں آیتِ سجدہ کی تلاوت کی اور یہ آیتِ سجدہ کی تلاوت کسی غیر سے آیتِ سجدہ سننے سے پہلے ہو یا بعد میں، چنانچہ اس نمازی نے نماز کے اندر ہی سجدۂ تلاوت کیا تو اس

صورت میں وہ سجدۂ تلاوت کو دوبارہ ادا نہیں کرے گا۔ اور اس میں غیر مقتدی کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ مقتدی کا پڑھنا اس میں معتبر نہیں ہے، مقتدی سنی ہوئی آیتِ سجدہ کا سجدہ نماز کے بعد کرے گا۔ (شامی/۲/۵۸۹)

اعادۂ سجدۂ تلاوت ہے نہ کہ اعادۂ نماز

اگر مصلی نے غیر مصلی سے آیتِ سجدہ سنی اور نماز کے اندر سجدہ کرلیا تو وہ سجدہ شریعت کی نظر میں معتبر نہیں ہوگا؛ بلکہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس سجدے کا اعادہ کرنا ہوگا، لیکن نماز کا اعادہ نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ ایک رکعت سے کم کی زیادتی سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے؛ البتہ اگر نمازی تلاوت کرنے والے کی متابعت کرے گا، یعنی اس کے ساتھ یہ بھی سجدہ کرے گا تو اپنے امام کے علاوہ غیر کی متابعت کرنے کی وجہ سے نماز فاسد ہوجائے گی اور نماز کا یہ سجدہ سنی ہوئی آیتِ سجدہ کی طرف سے کافی نہ ہوگا، جیسا کہ یہ مسئلہ تجنیس اور دیگر کتب فقہ میں موجود ہے۔

ایک ہی آیتِ سجدہ کو خارجِ نماز اور داخلِ نماز پڑھنے کا حکم

اگر کسی شخص نے آیتِ سجدہ کو نماز سے باہر پڑھا اور سجدۂ تلاوت کیا پھر اس کے بعد وہ شخص نماز میں داخل ہوا اور نماز میں اسی آیتِ سجدہ کو پھر پڑھا تو وہ شخص اس کے لئے دوسرا سجدہ کرے گا۔ اور اگر اس نے پہلے سجدہ نہیں کیا تھا اور نماز میں داخل ہوکر اسی آیتِ سجدہ کو پڑھا تو اس کے لئے ایک ہی سجدہ دونوں کے لئے کافی ہوجائے گا، اس لئے کہ نماز کا سجدہ اپنے غیر سے قوی تر ہے، لہٰذا وہ اپنے غیر کو تابع بنالے گا، اگرچہ مجلس مختلف ہو۔ (لیکن البحر الرائق میں لکھا ہے کہ دونوں سجدوں کی طرف سے ایک سجدہ اس وقت کافی ہوگا جب کہ دونوں کی مجلس ایک ہو۔ اور اگر دونوں کی مجلس بدل گئی ہے، مثال کے طور پر خارج نماز کی مجلس الگ تھی اور یہ مجلس الگ ہے تو ایسی صورت میں نماز کے اندر کا سجدۂ تلاوت کرنے سے پہلا سجدہ ذمہ سے ساقط نہ ہوگا، اس کے لئے نماز کے بعد دوسرا سجدہ کرنا ہوگا)۔ (شامی/۲/۵۹۰)

اور اگر اس نے نماز کے اندر سجدۂ تلاوت نہیں کیا تو اصح قول کے مطابق دونوں سجدے ساقط ہوجائیں گے اور گناہ گار ہوگا جیسا کہ اس سے پہلے گذر چکا ہے۔

دو مجلسوں میں آیتِ سجدہ کے تکرار کا حکم شرعی

اگر کسی نے دو مجلسوں میں ایک ہی آیتِ سجدہ کو مکرر پڑھا ہے تو اس پر سجدے بھی مکرر واجب ہوں گے۔ اور اگر کسی نے ایک ہی آیتِ سجدہ کو ایک ہی مجلس میں بار بار پڑھا ہے تو اس پر صرف ایک ہی سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، متعدد سجدے واجب

نہ ہوں گے۔ اور افضل یہ ہے کہ پہلی مرتبہ آیت سجدہ پڑھنے کے بعد فوراً سجدۂ تلاوت کرے، جیسا کہ قنیہ نامی کتاب میں لکھا ہے۔ اور البحر الرائق میں ہے کہ سجدۂ تلاوت کو تاخیر کرنے میں زیادہ احتیاط ہے۔ (اور اگر کسی نے آیت سجدہ کی تلاوت کی پھر اس کا سجدہ کرلیا پھر اسی مجلس میں دوبارہ اسی آیت سجدہ کو پڑھا تو اس پر دوسرا سجدہ واجب ہوگا)۔ (شامی/۲/۵۹۱)

تکرارِ سجدہ کے اسباب وعوامل

تین چیزیں ہیں جن کی وجہ سے مکرر سجدہ کرنا واجب ہوتا ہے: (۱) آیت کا اختلاف، یعنی مجلس تو ایک ہے لیکن اس میں آیات سجدہ پڑھیں یا کسی سے سنیں تو اس صورت میں جتنی آیتیں پڑھے گا اتنے ہی سجدے اس پر واجب ہوں گے۔ (۲) اختلافِ سماع، یعنی سننے میں اختلاف، پہلے ایک آیت سجدہ سنی، پھر دوسری آیت سجدہ سنی، تو اس صورت میں بھی متعدد سجدے واجب ہوں گے۔ (۳) اختلافِ مجلس، یعنی اگر کوئی شخص ایک ہی آیت سجدہ کو مختلف مجلس میں پڑھے تو اس پر مختلف سجدے واجب ہوں گے۔

سجدۂ تلاوت کے واجب ہونے کا قاعدہ

وجوبِ تکرارِ سجدہ کا بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ سجدہ کا مدار تداخل پر ہے، یعنی ایک سجدہ دوسرے سجدہ کے تابع ہوجاتا ہے بشرطیکہ آیت سجدہ اور مجلس ایک ہو۔ اور تداخل کا حکم اس لئے ہے تاکہ ہر بار سجدہ کو واجب کرنے میں حرج اور دقت واقع نہ ہو، اسی طرح اگر کسی ایک آیت سجدہ کو خود پڑھا، پھر اسی مجلس میں اسی آیت سجدہ کو کسی سے سنا تو اس صورت میں بھی ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔

تداخل کی قسمیں

تداخل کی دو قسمیں ہیں: (۱) تداخل فی السبب۔ (۲) تداخل فی الحکم۔ تکرارِ سجدہ نہ کرنا تداخل سبب میں داخل ہے، بایں طور کہ ہر دفعہ کی تلاوت کو ایک دفعہ کی تلاوت قرار دیا جائے گا، لہٰذا سبب کا سبب ایک ہی قرار پائے گا۔ ایک سجدۂ تلاوت ایک مرتبہ پڑھنے کی طرف سے ہوجائے اور باقی ساری تلاوتیں اسی کے تابع ہوجائیں گی۔ اور عبارت میں اس کو تداخل فی السبب کہنا زیادہ لائق اور مناسب ہے، اس لئے کہ سجدہ کے سبب پائے جانے کے باوجود اس کو چھوڑنا برا ہے، یہ تداخل فی الحکم نہیں ہے کہ ہر تلاوت کو الگ اور مستقل سجدہ کا سبب قرار دیا جائے، پھر یہ کہا جائے کہ سجدہ ایک دوسرے میں داخل ہوگیا ہے، اس لئے ایک سجدہ پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اس کا حکم عقوبات کے زیادہ مناسب ہے، اس لئے کہ عقوبات درحقیقت جرم

اور معصیت سے روکنے کے لئے ہوتی ہیں۔اور آدمی ایک مرتبہ سزا پاکر جرم سے باز آجاتا ہے اور اس طرح سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور سزا کے سبب پائے جانے کے باوجود اللہ رب العالمین کی ذات سے امید ہے کہ معاف کردے گا۔ (مثال کے طور پر ایک شخص نے دوبار شراب پی، یا دوبار زنا کیا تو یہاں اگر چہ سبب دو ہیں مگر سزا ایک ہی دی جائے گی، اور دوسری سزا اسی میں داخل ہو جائے گی)۔

تداخل فی السبب اور تداخل فی الحکم کے درمیان فرق

حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے تداخل فی السبب اور تداخل فی الحکم کے درمیان اس طرح فرق ظاہر کیا ہے کہ ایک سجدۂ تلاوت تداخل فی السبب میں ایک مجلس میں پہلے پڑھی ہوئی آیتِ سجدہ اور بعد میں پڑھی ہوئی آیتِ سجدہ دونوں کی طرف سے کافی ہوگا۔(مثال کے طور پر ایک شخص نے ایک مجلس میں تین یا چار مرتبہ آیتِ سجدہ پڑھی، اس طرح کہ دو مرتبہ پڑھ کر سجدۂ تلاوت کرلیا پھر بعد میں اسی مجلس میں اسی آیت کو دوبارہ پڑھا تو اس پر دوبارہ سجدۂ تلاوت کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ پہلا سجدہ ہی کافی ہوگا، اس لئے کہ پہلی تلاوت وجوبِ سجدہ کا سبب ہے، لہٰذا بعد کے تمام سجدے اسی کے تابع ہوں گے)۔اور تداخل فی الحکم کے اندر یہ صورت نہیں ہے بلکہ اگر دو مرتبہ تلاوت کرنے سے دو سجدے کر لئے تھے پھر بعد میں اسی آیت کو دوبارہ پڑھا تو ایک سجدہ اور کرنا لازم ہوگا، کیونکہ پہلے سجدے کے بعد جدید سبب پایا گیا ہے، ہاں سجدۂ تلاوت کرنے سے پہلے جو تلاوت کی گئی ہے ان سب کی طرف سے ایک ہی سجدہ کافی ہے، مثال کے طور پر ایک شخص نے زنا کیا اور اس پر حد جاری ہوگئی پھر حد لگنے کے بعد اسی مجلس میں اس نے دوبارہ زنا کیا تو ایسی صورت میں اس پر دوبارہ حد لگائی جائے گی، کیونکہ یہ دوسرا سبب پایا گیا ہے۔

کپڑا کا تانا تنتے ہوئے آنا جانا تبدیل مجلس ہے

اگر کوئی شخص آیتِ سجدہ کی تلاوت کرتے ہوئے کپڑے کے واسطے تانا تنتے ہوئے آئے جائے، یا ایک درخت کی شاخ سے دوسرے درخت کی شاخ پر جائے، اسی طرح حوض ونہر میں تیرے تو مجلس یا آیت کا بدلنا ہے، پس اس صورت میں اس پر ایک یا چند سجدے واجب ہوں گے۔(مثال کے طور پر جاتے ہوئے تلاوت کرنے سے ایک سجدہ واجب ہوگا اور واپس ہوتے ہوئے تلاوت کرنے سے دوسرا سجدہ واجب ہوگا، اسی طرح اگر درخت کی پہلی شاخ پر آیتِ سجدہ سنی تو ایک سجدہ واجب ہوگا، اور پھر اسی آیت کو دوسری شاخ پر سنا تو دوسرا سجدہ واجب ہوگا)۔

مسجد، کمرہ اور عملِ قلیل کا حکم

اس کے برخلاف اگر کوئی شخص مسجد، گھر اور چلتی ہوئی کشتی کے گوشوں میں چل کر تلاوت کرے گا تو اس پر ایک ہی سجدہ واجب ہوگا، اسی طرح فعل قلیل کے فاصلہ سے آیت سجدہ تلاوت کرنے سے بھی مجلس نہیں بدلتی ہے، مثال کے طور پر ایک آیتِ سجدہ تلاوت کر کے دولقمہ منہ میں ڈالا، پھر اسی آیت کو دوبارہ پڑھا تو اس صورت میں اس پر صرف ایک سجدہ واجب ہوگا، اسی فعل قلیل کے اندر کھڑا ہونا اور سلام کا جواب دینا بھی داخل ہے، یعنی اگر کسی شخص نے آیتِ سجدہ کی تلاوت کی، اسکے بعد کھڑا ہو گیا یا کسی سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیا، اس کے بعد دوبارہ اسی آیتِ سجدہ کو پڑھا تو اس پر صرف ایک سجدہ واجب ہوگا، اس لئے کہ قیام اور سلام کا جواب فعل قلیل کے اندر داخل ہے، اسی کے حکم میں سواری کا وہ جانور ہے جس پر وہ نماز ادا کر رہا ہے، وہ بھی ایک ہی مجلس کے حکم میں ہے، کیونکہ نماز تمام جگہوں کو ایک جگہ کے حکم میں کر دیتی ہے، لیکن اگر سواری کے جانور پر نماز نہیں پڑھ رہا تھا؛ بلکہ صرف سوار ہے اور آیتِ سجدہ کو بار بار پڑھ رہا ہے تو پھر متعدد سجدے واجب ہوں گے، اس لئے کہ سواری کا چلنا سوار کی طرف منسوب ہوا کرتا ہے، تو اب ایسا ہو گیا گویا وہ خود چل رہا ہے۔

تلاوت کرنے والے کی مجلس متحد ہو اور سامع کی مجلس مختلف ہو تو کیا حکم ہے؟

اگر آیتِ سجدہ کی تلاوت کرنے والے کی مجلس ایک ہو اور سننے والے کی مجلس مختلف ہو، یعنی مجلس بدل بدل کر آیتِ سجدہ سن رہا ہو تو اس صورت میں سامع پر متعدد سجدے واجب ہوں گے، اگرچہ ایک ہی آیتِ سجدہ کو متعدد مجلسوں میں کیوں نہ سنا ہو۔ مثال کے طور پر نمازی نے آیتِ سجدہ کو سواری پر نماز پڑھتے ہوئے بار بار پڑھا اور اس کا غلام اس کے ساتھ پیدل چل رہا تھا تو اس صورت میں غلام پر متعدد سجدے واجب ہوں گے اور سوار پر صرف ایک سجدہ واجب ہوگا۔

ہاں اگر مسئلے کی صورت اس کے برعکس ہو، بایں طور کہ تلاوت کرنے والے کی مجلس مختلف ہو اور اس کی مجلس بدل رہی ہو اور سامع کی مجلس ایک ہو تو اس صورت میں سامع پر مفتی بہ قول کے مطابق صرف ایک سجدہ واجب ہوگا، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سننا بھی سبب ہے اور قابل ترجیح سبب ہے۔

ایک مجلس میں درود شریف متعدد بار پڑھنے کا حکم

رسولِ اکرم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر درود شریف کا نذرانہ پیش کرنے کا قاعدہ متقدمین علماء کے نزدیک اسی طرح ہے جس طرح سجدۂ تلاوت کا بیان ابھی ہوا ہے، یعنی جب تبدل مجلس نہ ہو، ایک درود ایک مجلس

کے لئے کافی ہے، البتہ متاخرین علماء فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی سننے کے بعد ہر مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حقوق العباد میں تداخل نہیں ہوتا ہے۔ اور رہا چھینکنے والے کے جواب کا مسئلہ تو اس بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تین بار سے زیادہ چھینکے تو اس کا جواب نہیں دیا جائے گا، جیسا کہ خلاصہ نامی کتاب میں مذکور ہے۔

وَ كُرِهَ تركُ آيةِ سجدَةٍ وقِراءَةُ باقِي السُّورَةِ لأنَّ فِيهِ قَطعَ نَظْمِ القُرآنِ، وتغييرُ تالِيفِهِ، واتِّبَاعُ النَّظمِ والتَّالِيف مأمُورٌ بِهِ، بدائع. ومَفادُهُ أنَّ الكَراهَةَ تَحرِيمِيَّةٌ لَا يكرَهُ عَكسُهُ ولٰكِن ندبَ ضَمُّ آيةٍ أو آيتينِ إليهَا قَبلَها او بعدَهَا، لِدفعِ وهمِ التَّفضِيل، إذِ الكُلُّ مِن حيثُ أنَّهُ كلامُ اللّٰهِ فِي رُتبةٍ، وإنْ كانَ لِبعضِهَا زِيَادَةُ فَضِيلةٍ باشتِمالِهِ علىٰ صِفاتِهِ تعالىٰ، واستحسنَ إخفَاؤُها عَن سامِعٍ غَيرِ مُتهَيِّ لِلسُّجُودِ، واختلفَ التصحِيح فِي وُجوبِهَا علىٰ مُتشَاغِلٍ بعملٍ ولاَ يَسمَعُهَا، والرَّاجِحُ الوُجُوبُ زجرًا لَهُ عَن تَشاغُلِهِ عَن كَلامِ اللّٰهِ فنزلَ سَامِعًا لأنَّهُ بِعرضِية أن يَسمعَ، ولَو سمعَ آيةَ سجدَةٍ مِن قومٍ مِن كُلِّ واحِدٍ مِنهُم حرفًا لَم يَسجُدْ لأنَهُ لَم يَسمَعْهَا مِن تَالٍ، خانية. فقَدْ أفادَ أنَّ إتِّحادَ التَّالِي شَرطٌ.

{مُهِمَّةٌ لِكُلِّ مُهِمَّةٍ} فِي الكَافِي: قِيلَ مَن قَرأ آيةَ السَّجدَةِ كُلَّها فِي مجلسٍ وسجدَ لِكُلِّ مِنهَا كَفاهُ اللّٰهُ مَا أهمَّهُ، وظَاهِرُهُ أنَّهُ يقرؤُهَا ولاءً ثُمَّ يَسجُدُ، ويحتَمِلُ أن يَسجُدَ لِكُلِّ بعدَ قِراءَتِها، وهُو غَيرُ مَكرُوهٍ كمَا مَرَّ، وسجدَةُ الشُّكرِ مُستحبَّةٌ، بِهِ يُفتىٰ، لٰكِنَّها تكرَهُ بعدَ الصَّلاةِ، لأنَّ الجَهلَةَ يعتقِدُونَهَا سُنَّةً او واجِبةً، وكُلُّ مُباحٍ يؤدِي إليهِ فَمَكرُوهٌ، ويكرَهُ للإمامِ أن يقرَأهَا فِي مخافتة، ونحو جُمعةٍ وعِيدٍ، إلاَّ أن تكُونَ بحيثُ تؤدى بِرُكوعِ الصَّلاة أو سجودِها ولَو تلاَ علىَ المِنبَرِ سجدَ، وسجدَ السَّامِعُونَ.

آیتِ سجدہ چھوڑ کر پڑھنے کا شرعی حکم

قرآنِ کریم کی تلاوت اس طرح کرنا کہ جہاں آیتِ سجدہ ہو اس کو چھوڑ دے اور باقی سورت پڑھے مکروہ ہے، اس لئے کہ اس صورت میں نظم قرآن کا قطع کرنا ہے اور اس کی تالیف و ترتیب کو بگاڑنا ہے، حالانکہ قرآنِ کریم کے نظم اور اس کی ترتیب کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے۔ اور اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہاں مکروہ ہونے کی بات کہی

گئی ہے اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔ (نظم قرآن کے اتباع کے متعلق خداوند قدوس کا ارشاد ہے: ﴿فَإِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ یعنی جب ہم قرآن کی تلاوت کریں تو تم اس کی اتباع کرو)۔

بقیہ آیات کو چھوڑ کر صرف آیتِ سجدہ پڑھنا

اس کے برعکس کرنا مکروہ نہیں ہے، یعنی صرف آیت سجدہ کو پڑھنا اور بقیہ سورۃ کو ترک کرنا مکروہ نہیں ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ اس آیت سجدہ کے ساتھ اس کے آگے یا پیچھے سے ایک دو آیت ملا لے، تا کہ ایک آیت کو دوسری آیت پر فضیلت دینے کا وہم دور ہو جائے، اس لئے کہ اللہ کے کلام ہونے کی حیثیت سے تمام آیتیں مرتبہ میں یکساں ہیں، البتہ ایک آیت کو دوسری آیت پر اس حیثیت سے فضیلت حاصل ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہے۔

آیتِ سجدہ آہستہ پڑھنا افضل ہے

افضل اور مستحسن یہ ہے کہ آیت سجدہ کو آہستہ پڑھا جائے اور ان لوگوں کو نہ سنایا جائے جو سجدہ کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوں۔ (مثال کے طور پر سننے والا بے وضو ہو یا ان پر سجدہ کرنا شاق گذرتا ہو، تو آیتِ سجدہ آہستہ پڑھنا چاہئے تا کہ سننے والا شخص سجدہ نہ کر کے گناہ میں مبتلا نہ ہو)۔ (شامی/۲/۵۹۶)

کام میں مشغولی کی وجہ سے آیتِ سجدہ کو نہ سننا

جو شخص کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے آیتِ سجدہ نہ سنے تو اس پر آیتِ سجدہ واجب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، لیکن اس بارے میں راجح قول یہ ہے کہ ایسے شخص پر بھی آیت سجدہ واجب ہے، تا کہ اس کی تنبیہ ہو سکے کہ تلاوتِ قرآن کے وقت وہ دیگر کاموں میں کیوں مشغول رہا اور قرآنِ کریم نہیں سنا، لہٰذا اس کو سننے والے کے درجے میں اُتار لیا جائے گا، اس لئے کہ وہ ایسے موقع پر تھا کہ اس کو سننا چاہئے۔ (لیکن علامہ ابن عابدین شامیؒ نے مختلف کتب فتاویٰ سے نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اس شخص پر اصح قول کے مطابق سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے، اس لئے کہ سامع پر وجوبِ تلاوت کے لئے سماع شرط ہے، یا سماع وجوب سجدہ کا سبب ہے اور یہ یہاں نہیں پایا گیا ہے اس لئے واجب نہ ہوگا)۔ (شامی/۲/۵۹۶)

ایک ایک حرف مختلف آدمیوں سے سننا

اگر کوئی شخص آیتِ سجدہ کو ایک قوم سے اس طرح سنے کہ ہر ایک شخص سے ایک ایک حرف سنا، تو اس صورت میں اس پر سجدہ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ اس نے آیتِ سجدہ کو تلاوت کرنے والے سے نہیں سنا ہے، جیسا کہ فتاویٰ خانیہ میں ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تلاوت کرنے والے کا ایک ہونا شرط ہے، یعنی آیتِ سجدہ ایک شخص پڑھے۔

ایک اہم بات

''کافی'' نامی کتاب میں لکھا ہے کہ بعض علماء نے فرمایا کہ جو شخص تمام آیاتِ سجدہ کو ایک مجلس میں پڑھے اور ہر آیت سجدہ کے لئے سجدہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو ہر آنے والے حادثہ سے حفاظت کرے گا۔ اور اس کے ظاہر کا تقاضہ یہ ہے کہ کل آیاتِ سجدہ کو پہلے ایک ساتھ پڑھے، یکے بعد دیگرے پڑھے، پھر چودہ سجدے کرے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ایک ایک آیتِ سجدہ پڑھتا جائے اور اس کے لئے سجدہ کرتا جائے، بہر حال ان چودہ آیاتِ سجدہ کو ایک ساتھ پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

سجدۂ شکر کا بیان

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدۂ شکر ادا کرنا مستحب ہے، اس پر فتویٰ بھی ہے۔ (اور یہی حضراتِ صاحبینؒ کا قول ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا قول ''محیط'' نامی کتاب میں نقل کیا گیا ہے کہ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: ''لَا أَرَاهَا وَاجِبَةً'' میں اس سجدۂ شکر کو واجب نہیں سمجھتا ہوں، اس لئے کہ اگر یہ سجدۂ شکر واجب ہوتا تو اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ بندہ پر یہ سجدہ ہمہ وقت رہے، اس لئے کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہر وقت اُترتی رہتی ہے اور ہر وقت سجدۂ شکر واجب قرار دینے میں حرج اور تنگی ہے۔ الغرض حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز تو ہے، البتہ واجب اور مسنون نہیں ہے)۔ (شامی/۲/۵۹۷)

سجدۂ شکر نماز کے بعد ادا کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ نماز کے بعد سجدۂ شکر ادا کرنے سے جاہل اور کم پڑھے لکھے لوگ اس کو واجب یا سنت ہونے کا اعتقاد کرلیں گے۔ اور شریعت کا اُصول وضابطہ ہے کہ ہر وہ مباح اور جائز امر جس کے کرنے سے عوام واجب یا سنت ہونے کا عقیدہ کرنے لگیں وہ مکروہ ہے۔

سرّی نمازوں میں آیتِ سجدہ کی تلاوت کرنا مکروہ ہے

امام کے لئے ان نمازوں میں آیتِ سجدہ کی تلاوت کرنا مکروہ ہے جن میں قرأت آہستہ کی جاتی ہے، اسی طرح جمعہ کی نماز اور عیدین کی نماز میں بھی آیتِ سجدہ تلاوت کرنا مکروہ ہے۔ (اس لئے کہ جمعہ وعیدین میں ہر قسم کے لوگ حاضر ہوتے ہیں، آیتِ سجدہ پڑھنے کے بعد سجدہ کرنے سے عوام میں افراتفری ہو جائے گی)۔ ہاں اس طرح پڑھنا مکروہ نہیں ہے کہ سجدۂ تلاوت نماز ہی کے رکوع یا سجود میں ادا ہو جائے۔ (بایں طور کہ آیتِ سجدہ پڑھنے کے فوراً بعد رکوع میں چلا گیا یا سجدہ کرلیا تو اس صورت میں سرّی نمازوں میں آیتِ سجدہ کی تلاوت مکروہ نہیں ہے)۔

خطیب کا آیتِ سجدہ منبر پر پڑھنا

اگر امام نے منبر پر چڑھنے کے بعد آیتِ سجدہ پڑھا، تو اس صورت میں امام خود بھی سجدۂ تلاوت کرے گا اور تمام سننے والے حضرات بھی سجدہ کریں گے۔ (امام منبر پر بھی سجدہ کرسکتا ہے، اسی طرح اگر چاہے تو منبر سے اُتر کر سجدۂ تلاوت کرے۔ اور جو لوگ خطیب سے آیتِ سجدہ نہ سنیں ان پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے، البتہ نماز کے اندر اگر مقتدی امام سے آیتِ سجدہ نہ بھی سنے گا تب بھی مقتدی پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر ایک مرتبہ سجدہ والی آیت پڑھی اور آپ اُترے پھر سجدۂ تلاوت ادا فرمایا اور آپ کے ساتھ صحابۂ کرامؓ نے بھی سجدہ ادا فرمایا)۔ (شامی/۲/۵۹۹)

ابو حماد منظور القاسمی پھراوی
خادم جامعۃ القرآن والسنۃ الخیریہ، بجنور، یو-پی، (الہند)
۲۴/محرم الحرام ۱۴۲۶ھ شنبہ
۴/مارچ ۲۰۰۵ء

بابُ صلاةِ المُسافِر

یہ باب مسافر کی نماز کے احکام و مسائل کے بیان میں ہے

انسان ہمیشہ گھر ہی میں نہیں رہتا ہے؛ بلکہ زندگی کی ضروریات کی تکمیل کے واسطے گھر سے باہر سفر بھی کرنا پڑتا ہے۔ کسبِ معاش کے لئے، تحصیل علم کے لئے، یا کسی اور ضرورت کی وجہ سے وطن اصلی سے دور جانا پڑتا ہے، اس میں مشقتوں اور پریشانیوں کا سامنا بھی رہتا ہے، اس لئے شریعتِ مطہرہ نے مسافروں کے لئے کچھ ضروری احکام بیان کئے ہیں اور نمازوں کے کچھ احکام بیان کئے ہیں۔ رُباعی نماز میں مسافر چار رکعت کے بجائے دو رکعت ادا کرے گا، لیکن سوال یہ ہے کہ مقیم مسافر کب بنتا ہے؟ کتنی دور سفر کرے تب اس پر مسافر کا اطلاق ہوتا ہے؟ اور مسافر بننے کے لئے کیا شرائط ہیں؟ ان ہی مسائل کو بیان کرنے کے واسطے مصنف علیہ الرحمہ نے اس باب کو قائم فرمایا ہے۔

مِنْ إضافةِ الشَّيءِ إلَى شرطِهِ او محلِّهِ، ولاَ يخفى أنَّ التِّلاوَةَ عارضٌ، هُو عِبادةٌ، والسَّفرُ عارضٌ مُباحٌ إلاَّ بِعارِضٍ، فلِذَا أخَّرَ، وسُمِّيَ به لأنَّهُ يسفرُ عَن أخلاقِ الرِّجالِ. مَن خرجَ مِن عُمارةِ موضعِ إقامتِهِ مِن جانِبِ خُروجِهِ، وإنْ لَم يُجاوِزْ مِن الجانِبِ الآخَرِ. وفِي الخَانِيةِ: إذْ كانَ بينَ الفِناءِ والمِصرِ أقلُّ مِن غلوةٍ ولَيسَ بَينَهُما مزرعةٌ يشترطُ مُجاوزَتُهُ وإلاَّ فَلاَ، قَاصِدًا ولَو كافِرًا، ومَن طافَ الدُّنيَا بِلاَ قَصدٍ لَم يُقصِّرْ، مَسِيرةَ ثَلاثةِ أيَّامٍ ولَيالِيهَا مِن أقصرِ السَّنةِ، ولاَيُشترطُ سَفرُ كُلِّ يومٍ إلَى اللَّيلِ بَل إلَى الزَّوالِ، ولاَ اعتِبارَ بالفَراسِخِ علَى المَذهَبِ، بالسَّيرِ الوَسطِ مع الاِستِراحَاتِ المُعتَادةِ، حتَّى لَو أسرَعَ فوَصلَ فِي يومَينِ قصر، ولَو لِموضعٍ طَرِيقَانِ، احدُهُما مُدّةُ السَّفرِ، والآخَرُ اقلُّ قصرَ فِي الأوَّلِ لاَ الثّانِي.

صلاۃ کی اضافت مسافر کی طرف کیسی ہے؟

اس میں شئی کی اضافت اس کی شرط یا اس کے محل کی طرف ہے، یعنی نماز قصر پڑھنے کے لئے مسافر ہونا شرط ہے، یا مسافر

قصر نماز کا محل ہے، جب تک آدمی مسافر نہ ہوگا قصر نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا۔ اور اہل علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ تلاوت ایک عارض اور پیش آنے والی چیز ہے اور وہ عبادت ہے اور سفر بھی ایک عارضی چیز ہے اور مباح ہے، مگر کسی مانع کی وجہ سے اس کی اباحیت ختم نہیں ہوتی ہے (جیسے چوری اور ڈکیتی کے لئے سفر کرنا) اسی وجہ سے سفر کے احکام کو بعد میں بیان کیا گیا ہے۔ اور تلاوت چونکہ اصلاً عبادت ہے اس لئے اس کو پہلے بیان کیا گیا ہے۔

''سفر'' کو سفر کہنے کی وجہ

''سفر'' کو سفر اس لئے کہا جاتا ہے کہ سفر کے دوران لوگوں کے اخلاق وعادت سامنے آجاتے ہیں اور سفر ان کے اخلاق کو لوگوں کے سامنے کھول دیتا ہے، یا سفر کی وجہ سے زمین وزمان کے احوال ظاہر ہوجاتے ہیں، اسی وجہ سے ''سفر'' کا نام سفر رکھا گیا ہے۔

مقیم شخص مسافر کب ہوتا ہے؟

جو شخص اپنی اقامت کی جگہ کی آبادی سے سفر کے ارادے سے نکل جائے، یعنی جس طرف سے خروج کیا ہے اس طرف سے آبادی سے باہر ہوجائے، چاہے دوسری طرف سے آبادی سے خروج نہ کیا ہو، تو اس صورت میں مقیم شخص مسافر ہوجائے گا۔ اور چار رکعت والی نماز دو رکعت ادا کرے گا۔ اور اس آبادی کے باغات آبادی کے اندر داخل نہیں مانے جائیں گے، یہاں آبادی سے مراد صرف گھر اور مکانات وغیرہ ہیں۔ اور فتاویٰ خانیہ میں لکھا ہے کہ اگر شہر اور فناءِ شہر کے درمیان دو سو گز کا فاصلہ ہو اور ان دونوں کے درمیان کھیت نہ ہو تو اس فناءِ شہر سے خروج کرنا بھی قصر کے جواز کے لئے شرط ہوگا۔ اور اگر دونوں کے درمیان کھیت ہو تو ان سے خروج شرط نہ ہوگا۔

قصر پڑھنے کے لئے سفر کی نیت سے نکلنا شرط ہے

مسافر کے لئے قصر نماز پڑھنا اس وقت جائز ہے جب اپنی موضع اقامت سے سفر کی نیت سے نکلا ہو، اگرچہ اس نے حالت کفر میں اس کا ارادہ کیا ہو، پھر مسلمان ہوگیا ہو، تو وہ قصر ہی پڑھے گا۔ اور جو شخص سفر کی نیت کے بغیر پوری دنیا کا چکر کیوں نہ لگالے وہ قصر نماز نہیں پڑھ سکتا ہے، یعنی اگر اس نے ایک ساتھ ۸۷/ کلومیٹر چلنے کا ارادہ نہیں کیا؛ بلکہ تھوڑا تھوڑا چلتا رہا اور اس کا ارادہ بدلتا رہا تو اس کے لئے قصر کرنا جائز نہیں ہے۔

قصر کے لئے مسافت شرعی

قصر کے جائز ہونے کے لئے سال کے چھوٹے دن سے تین دن اور تین رات سفر کے ارادہ سے چلنا ضروری ہے۔ اور سفر میں یہ شرط نہیں ہے کہ پورے دن اور پوری رات چلتا رہے؛ بلکہ صبح سے لے کر زوال تک چلنے کی شرط ہے۔ اور مذہب کے مطابق فرسخوں کا اعتبار نہیں ہے۔ اور چلنے میں آرام کرتے ہوئے درمیانی چال چلنا معتبر ہے، جس میں عادت کے مطابق آرام کرنا بھی داخل ہے۔ اگر کوئی شخص تین دن کی راہ کو تیزی سے چل کر دو دن میں طے کرلے تو بھی قصر کرے گا۔

کلومیٹر کے اعتبار سے مسافت سفر کی مدت

اس دور میں چونکہ میلوں کا حساب باقی نہیں رہا ہے؛ بلکہ کلومیٹر کا حساب چلتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کلومیٹر کے اعتبار سے کتنے کلومیٹر سے سفر کرنے پر قصر واجب ہے؟ تو جاننا چاہئے کہ اس بارے میں دورِ حاضر کے معروف ومشہور فقیہ حضرت مولانا شبیر احمد قاسمی شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد نے نہایت عرق ریزی اور جانفشانی کے ساتھ لکھا ہے کہ:

> ”مسافتِ سفر کے بارے میں شامی وغیرہ معتبر کتبِ فقہ میں چار اقوال نقل کئے گئے ہیں: ۶۲/میل، ۴۷/میل، ۴۸/میل، ۴۵/میل۔ (شامی کراچی/۲/۱۲۳) لیکن اکابر فقہاء واہل فتاویٰ نے ۴۸/میل کو ترجیح دی ہے۔ اور ۴۸/میل شرعی، موجودہ زمانے کے حساب سے ۸۷/کلومیٹر، ۸۲۷/میٹر، ۴۰/سینٹی میٹر، کا ہوتا ہے۔ اور اگر ۴۵/شرعی میل کا اعتبار کیا جائے تو میٹروں کے حساب سے ۸۲/کلومیٹر، ۶۹۶/میٹر سے کم کی مسافت میں قصر جائز نہ ہوگا۔ اور بعض اکابر سے ۴۸/میل انگریزی بھی منقول ہے۔ اور ۴۸/میل انگریزی موجودہ میٹروں کے حساب سے ۷۷/کلومیٹر، ۲۴۸/میٹر، ۵۱/سینٹی میٹر، ۲/ملی میٹر کا ہوتا ہے۔ اگر اس قول پر کوئی عمل کرتا ہے تو اکابر کے قول کے اعتبار سے صحیح مانا جاسکتا ہے، جنھوں نے ۴۸/میل انگریزی مراد لیا ہے۔ لیکن فقہ کی کسی کتاب میں اس کی کوئی صراحت نہیں ملتی ہے، اس لئے شرعی میل کا لحاظ رکھتے ہوئے ۸۲/کلومیٹر، ۶۹۶/میٹر سے کم کی مسافت میں قصر نہیں کرنا چاہئے۔ (ایضاح المسائل/ص:۶۸)

اگر منزل تک پہنچنے کے لئے دو راستے ہوں تو کس کا اعتبار ہوگا؟

اگر منزلِ مقصود تک جانے کے لئے دو راستے ہوں، ایک راستے سے جانے کی صورت میں مسافت سفر مکمل ہو جاتی ہو اور دوسرے راستے سے جانے کی صورت میں مسافت شرعی سے کم ہو تو اس صورت میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر مدتِ سفر والے راستہ سے سفر کرے گا تو قصر کرے گا اور اگر مختصر راستہ سے وہاں جائے گا تو قصر نہیں کرے گا۔

صَلّی الفرضَ الرُّباعِيَّ رَكعتَينِ وُجوبًا، لِقولِ ابنِ عبّاسٍؓ: "إنّ اللّٰهَ فرضَ علىٰ لِسانِ نبيِّكُم صلاةَ المُقيمِ أربعًا والمُسافِرِ ركعَتينِ". ولِهٰذا عدلَ المُصنِّفُ عَن قَولِهِم قصرَ، لأنّ الركعتَينِ لَيستَا قصرًا حقيقةً عِندنَا بَل هُما تَمامُ فرضِهِ، والإكمالُ لَيسَ رُخصةً فِي حقِّهِ بَل إساءةٌ. قُلتُ: وفِي شروحِ البُخاري أنّ الصلواتِ فُرِضَتْ ليلةَ الإسراءِ ركعتَينِ رَكعَتَينِ سفرًا وحضرًا إلّا المغرِبَ، فلمّا هَاجرَ عليهِ الصلاةُ والسلاَمُ واطمأنَّ بالمدِينةِ زِيدتْ إلّا الفجر لِطُولِ القِراءةِ فِيهَا، والمغرِب لأنّها وِترُ النّهارِ، فلمّا استقرَّ فرضُ الرّباعِيّةِ خفّفَ مِنهَا فِي السّفرِ عِندَ نُزولِ قولِهِ تعالىٰ: ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ وكانَ قصرُها فِي السّنةِ الرّابعَةِ مِن الهِجرةِ، وبِهٰذا تجتمعُ الأدلّةُ انتهٰى كلامهُمْ فليُحفظ.
ولَو كانَ عاصِيًا بِسفرِهِ لأنّ القُبحَ المُجاوِرَ لَايعدِمُ المَشرُوعِيّةَ.

مسافر چار رکعت والی نماز فرض کو دو رکعت ادا کرے گا

جو شخص ستاسی (۸۷) کلومیٹر سفر کے ارادہ سے نکلے گا وہ چار رکعت والی فرض نماز وجوبی طور پر دو ہی رکعت ادا کرے گا۔
اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے اوپر تمہارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ فرض قرار دیا ہے کہ مقیم شخص فرض چار رکعت ادا کرے اور مسافر شخص دو رکعت ادا کرے۔ اسی لئے مصنف علیہ الرحمہ نے دیگر فقہاءِ کرام کے لفظ قصر سے عدول فرمایا ہے اور صَلی الفَرض الخ فرمایا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں حقیقت کے اعتبار سے ہمارے نزدیک قصر نہیں ہیں؛ بلکہ مسافر کے لئے دو ہی رکعت پوری فرض ہے اور مسافر کے لئے رباعی نماز کو مکمل پڑھنے کی اجازت نہیں ہے؛ بلکہ اس طرح کرنا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے اور برا فعل ہے۔

قصر کے متعلق شارح کا قول

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ بخاری شریف کی شروحات میں یہ آیا ہے کہ معراج کی رات میں نماز سفر وحضر میں دو ہی رکعتیں فرض ہوئی تھیں، یعنی مقیم کے لئے بھی دو ہی رکعتیں فرض ہوئی تھیں اور مسافر کے لئے بھی دو ہی رکعتیں فرض ہوئی تھیں، سوائے مغرب کی نماز کے، یہ تو ہر ایک کے لئے تین رکعت فرض تھی، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور مدینہ منورہ میں سکون واطمینان کے ساتھ اقامت پذیر ہوئے تو مغرب اور فجر کو چھوڑ کر بقیہ وقتوں میں دو رکعتوں کا اضافہ کر دیا گیا، فجر کی نماز تو چار اس لئے نہیں کی گئی کہ اس میں اور نمازوں کے مقابلہ میں قرأت لمبی ہوتی ہے اور مغرب کی نماز میں اس لئے اضافہ نہیں ہوا کہ وہ دن کی وتر اور طاق نماز ہے، پھر جب چار رکعتیں فرض کر دی گئیں، تو پھر جب قرآنِ کریم کی یہ آیت نازل ہوئی ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ تم پر اس سلسلے میں کوئی حرج اور تنگی نہیں ہے کہ تم بحالتِ سفر نماز کو قصر کرو، تو مسافروں پر تخفیف کر دی گئی۔ اور یہ قصر کے متعلق آیت کا نزول ۴ھ میں ہوا۔ اور اسی وجہ سے دلائل کا اجتماع ہوتا ہے۔ شراحِ حدیث کی بات مکمل ہوئی، سو اس کو محفوظ کر لو۔

شارحین کی اس تفصیل سے حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ثابت ہوتا ہے کہ مسافر بھی چار رکعت کی چار ہی پڑھ سکتا ہے، مگر احناف علماء کے یہاں مسافر کے لئے چار رکعت والی فرض نماز کو دو رکعت پڑھنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ دو ہی رکعتیں پڑھنا لازم اور ضروری ہے، اگر چہ وہ اپنے سفر میں معصیت کرنے والا کیوں نہ ہو، اس لئے کہ برائی کا لاحق ہونا جواز کو ختم نہیں کر سکتا ہے، قصر کا حکم اپنی جگہ ہے اور برائی الگ چیز ہے۔

حتّٰى يَدخُلَ موضعَ مقامِهِ إنْ سارَ مُدَّةَ السَّفرِ، وإلاّ فيُتِمُّ بمُجرَّدِ نِيَّةِ العَودِ لِعدمِ استِحكامِ السّفرِ أو ينوِيَ وَلَو فِي الصّلاةِ إذَا لَم يخرُجْ وقتُها ولَم يَكُ لاَحِقًا، إقامَةَ نِصفِ شهرٍ حقِيقةً او حُكمًا لِما فِي البزّازيّةِ وغيرِها، لَو دخلَ الحاجُّ الشّامَ وعَلِمَ أنّهُ لايخرُجُ إلاّ معَ القَافِلةِ فِي نِصفِ شوّال اتَمَّ، لأنّهُ كنَاوِي الإقامَةِ بِمَوضِعٍ وَاحِدٍ صَالِحٍ لَهَا مِن مِصرٍ أو قَريَةٍ أو صحراءِ دارِنَا وهُوَ مِن أهلِ الأخبِيَةِ، فيُقصِرُ إنْ نوىٰ الإقامةَ فِي أقلَّ مِنهُ اى مِن نِصفِ شهرٍ أو نوىٰ فِيهِ لكِن فِي غَيرِ صالحٍ أو كَبحرٍ او جزيرةٍ، أو نوىٰ فِيهِ لكِن بِمَوضِعَينِ مُستقِلَّينِ كَمكّةَ ومِنًى فلَو دخلَ الحاجُّ مكّةَ أيّامَ العَشرِ لَم تصِح نِيّتُهُ لأنّهُ يخرُجُ إلىٰ مِنًى وعرفَةَ فصارَ كنِيّةِ الإقامَةِ فِي غَيرِ موضِعِهَا، وبعدَ عودِهِ مِن مِنًى تصِحُّ كمَا لَو نوىٰ مبيته بأحدِهما

أو كانَ احدُهُما تبعًا للآخرِ بحَيثُ تجبُ الجُمعةُ علىٰ سَاكِنِهَا للإتّحادِ حُكمًا أو لَمْ يكُن مُستقِلاً بِرأيِهِ كَعَبدٍ وإمرأةٍ أو دخلَ بلدةً ولَم ينوِهَا أي مُدّةَ الإقامَةِ بَل ترقب السّفرَ غدًا أو بعدَهُ ولَو بقِيَ علىٰ ذالكَ سنِينَ إلاّ أن يعلَمَ تاخرَ القَافِلةِ نِصفَ شهرٍ كَمَا مَرَّ، وكَذَا يُصلِّي ركعتَينِ عسكرٌ دخلَ أرضَ حربٍ أو حاصَرَ حِصنًا فِيهَا بخِلافِ من دَخلَها بأمانٍ، فَإنّهُ يتِمُّ، أو حاصرَ أهلَ البَغيِ دارنَا فِي غَيرِ مِصرٍ معَ نِيّةِ الإقامَةِ مُدّتها لِلتَّردُّدِ بَينَ القَرارِ والفَرارِ.

مسافر کب تک قصر کرے گا؟

مسافر آدمی اس وقت تک نماز قصر کرتا رہے گا جب تک اپنی جائے اقامت میں داخل نہ ہو جائے، بشرطیکہ وہ سفر کی نیت سے مدتِ سفر طے کیا ہو۔ اور اگر اس نے مسافتِ سفر پوری نہیں کی تھی کہ واپسی کا ارادہ کرلیا تو پوری نماز ادا کرے گا، اس لئے کہ اس کا سفر مستحکم نہیں ہوسکا ہے۔ (یعنی اگر کوئی مدتِ سفر کی مسافت طے کرکے واپس ہوا ہے تو قصر ہی کرتا رہے گا جب تک کہ وہ اپنی جائے اقامت میں داخل نہ ہو جائے گا۔ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ جس طرح ابتداء میں قصر کے لئے شہر سے نکلنا شرط ہے اسی طرح بقاءِ قصر کے لئے مدتِ سفر کا پورا ہونا بھی ضروری ہے)۔ (شامی/۲/۶۰۴)

اگر مسافر نصف ماہ کی نیت کسی جگہ رُکنے کی کرے تو کیا حکم ہے؟

اگر مسافر کسی ایسی جگہ پندرہ یوم رُکنے کی نیت کرے جو جگہ رُکنے کے لائق ہو، خواہ شہر ہو یا گاؤں یا دارالاسلام کا جنگل ہو، یا مسافر خیمہ زن لوگوں میں ہو، تو اس صورت میں مسافر قصر نہیں کرے گا۔ اور اگر مسافر اہل خیمہ میں نہ ہو اور وہ جنگل میں پندرہ یوم رُکنے کی نیت کرے تو اس کی نیت معتبر نہیں ہوگی۔ شارح علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ مسافر نے اگرچہ اقامت کی نیت نماز میں کی ہو اور نماز کا وقت نہیں نکلا ہو اور مسافر لاحق نہ ہو، تو اس صورت میں اس کو چار رکعت والی فرض نماز دو رکعت پڑھنی ہوگی۔ اور اگر نماز میں اس کا وقت ختم ہوگیا ہے اور اسی میں اقامت کی نیت کرلی ہے تو اس صورت میں چار رکعت نہیں پڑھنی ہوگی بلکہ دو رکعت پڑھی جائے گی۔

اور مسافر نے پندرہ یوم کی نیت جو کی ہے، خواہ حقیقتاً پندرہ یوم ٹھہرنے کی نیت کی ہو یا حکمی طور پر ٹھہرنے کی نیت کی ہو، دونوں طرح کی نیت قیام میں معتبر ہے۔ اور اس کی مثال فتاویٰ بزازیہ میں یہ دی ہے کہ اگر حاجی ملک شام میں داخل ہوا اور اس کو یہ یقین کامل ہے کہ وہ اس قافلہ کے ساتھ نکلے گا جو پندرہ شوال کو جائے گا تو اس صورت میں وہ پوری نماز پڑھے گا، اس لئے کہ وہ اقامت کی نیت کرنے والے کی طرح ہوگیا ہے۔

اگر مسافر نے پندرہ دن سے کم اقامت کی نیت کی تو کیا حکم ہے؟

اگر مسافر نے کسی جگہ پندرہ یوم سے کم رُکنے کی نیت کی، یا نیت تو پندرہ یوم رُکنے کی ہے لیکن ایسی جگہ میں اقامت کی نیت کی ہے جو اقامت کے لائق نہیں ہے جیسے کہ دریا یا ایسے جزیرہ میں ٹھہرنے کی نیت کی جس میں آبادی نہ ہو، یا قابل اقامت جگہ ٹھہرنے کی نیت کرے لیکن دو مستقل جگہ ملا کر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے، جیسے کہ مکہ اور منیٰ دونوں جگہ ملا کر پندرہ یوم ٹھہرنے کی نیت کرے، (خواہ وہ دونوں شہر ہوں یا دونوں گاؤں ہوں، یا ایک شہر ہو اور ایک گاؤں ہو) تو ان تمام صورتوں میں وہ مقیم نہ ہوگا؛ بلکہ مسافر ہی رہے گا، لہٰذا اس پر قصر واجب ہوگا، اتمام جائز نہ ہوگا۔

حاجی کے لئے ایامِ حج میں اقامت کی نیت درست نہیں ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر حاجی دس دنوں کے واسطے مکہ میں داخل ہوا اور اقامت کی نیت کرلی، تو اس کی یہ نیت شرعی اعتبار سے درست نہیں ہے، اس لئے کہ وہ منیٰ اور عرفات میں لازمی طور پر جائے گا، لہٰذا اس کی یہ نیت کرنا ایسا ہوگیا جیسا کہ اس نے اقامت کی نیت ایسی جگہ میں کی ہو جو اقامت کے لائق نہ ہو، البتہ اگر حاجی منیٰ سے لوٹنے کے بعد اقامت کی نیت کرے گا تو اس کی یہ نیت اقامت درست ہوگی، جس طرح کہ اگر کسی نے دو جگہوں میں سے کسی جگہ رات میں رُکنے کی نیت متعین طور پر کرلی ہے تو یہ نیت درست ہوگی، مثال کے طور پر اس نے یہ نیت کی ہے کہ رات منیٰ میں گذارے گا اور دن مکہ میں گذارے گا اس لئے کہ اقامت میں رات میں رہنے کا اعتبار ہوتا ہے، لہٰذا جب منیٰ میں داخل ہوگا مقیم ہو جائے گا اور جب مکہ میں داخل ہوگا تو مسافر رہے گا اور قصر پڑھے گا اور منیٰ میں اتمام کرے گا۔

جو کسی کے تابع ہو اس کی نیت کا اعتبار نہیں

یا ان دونوں جگہوں میں کوئی ایک جگہ دوسرے کے تابع ہو، اس طرح کہ اس کے باشندوں پر اتحادِ حکمی کی وجہ سے جمعہ واجب ہوتا ہو، جیسے کہ ایک گاؤں ہے جو شہر سے بالکل قریب ہے اور اس قدر قریب ہے کہ شہر کے جمعہ کی اذان اس گاؤں میں آتی ہو، تو ایسی دو جگہوں میں اقامت کی نیت کرنا درست ہے، بایں طور کہ اس طرح نیت کرے کہ شہر میں دس دن رہوں گا اور دیہات میں پانچ دن رہوں گا، تو درست ہے اس لئے کہ دونوں حکماً ایک ہیں۔

اسی طرح وہ شخص بھی قصر کرے گا جو اپنی رائے میں مستقل نہ ہو؛ بلکہ کسی دوسرے کے تحت ہو، جیسے کہ غلام اور عورت ہے۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ میاں بیوی سفر کر رہے ہوں تو میاں کی نیت کا اعتبار ہے، بیوی کی نیت غیر معتبر ہے۔ اسی طرح اگر

آقا اور غلام دونوں سفر کر رہے ہوں تو اس صورت میں آقا کی نیت کا اعتبار ہوگا غلام کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا)۔

نیت اقامت کے بغیر سالوں رُک گیا تو قصر پڑھے گا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص اپنی رباعی نماز دو رکعت قصر پڑھے گا جو کسی شہر میں داخل ہوا اور کسی کام کے انتظار میں اقامت کی نیت نہ کرے؛ بلکہ یہ سوچتا ہے کہ کل جاؤں گا، پرسوں جاؤں گا، اسی طرح وہ بغیر نیت اقامت کے سالوں ٹھہر گیا تو بھی وہ مسافر ہی رہے گا اور اپنی رُباعی نمازیں قصر پڑھے گا۔ ہاں اگر اس کو یقینی طور پر معلوم ہے کہ رفقائے سفر پندرہ یوم کے بعد روانہ ہوں گے تو پھر وہ شخص مقیم کے حکم میں ہوجائے گا اور اتمام کرے گا، جیسا کہ یہ مسئلہ گذر چکا ہے۔

دارالحرب میں جو لشکر رہتا ہو وہ بھی مسافر کے حکم میں ہے

اسی طرح جو اسلامی لشکر دارالحرب میں رہتا ہو، یا دارالحرب میں کسی قلعہ کے محاصرہ پر لگا ہو، یا جس لشکر نے دارالاسلام کے غیر شہری علاقہ میں باغیوں کا محاصرہ کر رکھا ہو اور اقامت کی نیت کر رکھی ہو تو ان تمام صورتوں میں اس لشکر کے لوگ مسافر رہیں گے۔ اور دو رکعتیں نماز ادا کریں گے۔ محاصرہ کی صورت میں اقامت کی نیت کے باوجود مسافر اس لئے رہیں گے کہ ٹھہرنے اور کوچ کرنے میں تردّد ہے، اس لئے مقیم نہیں ہوں گے۔ البتہ جو شخص دارالحرب میں ویزا لے کر داخل ہوا اور حکومت کی طرف سے اس کو امن مل گیا وہ اپنی نماز پوری کرے گا، کیونکہ اس کے قیام میں تردّد نہیں ہے۔ باغی شریعت کی اصطلاح میں ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو خلیفۂ وقت کے خلاف آواز بلند کریں اور خلیفۂ وقت کی اطاعت سے انکار کریں۔

بِخِلافِ أهلِ الأخبِيَةِ كَعَرَب وتُركمان نووهَا فِي المَفازَةِ فإنّها تصِحُّ فِي الأصحّ وبه يُفتىٰ، إذا كانَ عِندهُمْ مِن المَاءِ والكَلاءِ مَا يكفِيهِمْ مُدّتَها، لأنّ الإقامَةَ أصلٌ إلاّ إذَا قصدُوا موضعًا بينَهُما مُدّة السّفرِ فيقصّرونَ إنْ نووا سفرًا، وإلاّ لاَ، ولَو نوىٰ غيرهمُ الإقامةَ معهُمْ لَم يصِح فِي الأصحّ، والحَاصِلُ أنّ شُروطَ الإتمَامِ سِتّةٌ: النيّةُ، والمُدّةُ، واستِقلاَلُ الرّأى، وترك السّير، واتّحادُ المَوضعِ، وصلاحِيتُهُ، قهستَاني. فلَو أتَمّ مُسافِرٌ إنْ قعدَ فِي القَعدةِ الأولىٰ تمّ فرضُهُ ولكِنّهُ أساءَ لَو عامِدا لِتاخِيرِ السّلام، وترك وَاجب القَصر، وواجب تكبِيرة إفتِتاح لِنفل وخلط النّفل بالفَرضِ، وهٰذا لاَيحِلُّ كمَا حرّرَهُ القَهستَانِي، بعدَ أن فسر "أساء" "بِأثِمَ"، واستحقّ النّارَ، ومَا زادَ نفلٌ كمُصلِّي الفَجرِ أربعًا وإنْ لَم يقعُدْ بَطلَ

فَرضَهٗ وصَارَ الكُلُّ نفلاً لِتركِ القَعدَةِ المَفرُوضَةِ، إلاَّ إذَا نوَى الإقامَةَ قَبلَ اَنْ يُقَيِّدَ الثَّالثَةَ بسجدَةٍ، لكِنَّهٗ يُعيدُ القِيامَ والرُّكُوعَ لوُقوعِهٖ نفلاً فلاينُوبُ عنِ الفَرضِ، ولَو نوىٰ فِي السَّجدَةِ صَارَ نَفلاً.

خانہ بدوش کا نیت جنگل میں کرنا

اس کے برخلاف اگر اہل خیمہ یعنی خانہ بدوش جیسے بدو اور ترکمان جنگل میں اقامت کی نیت کریں گے تو ان کی یہ نیت اقامت درست ہوگی، اس بارے میں اصح قول یہی ہے اور اسی قول پر اہل علم کا فتویٰ بھی ہے۔ لیکن نیت اقامت کے درست ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ان کے پاس اتنا پانی اور چارہ ہو کہ مدتِ اقامت کے لئے کافی ہو۔ اور خانہ بدوش کی نیت اقامت جنگل میں اس لئے درست ہے کہ یہی ان لوگوں کا اصل مکان ہے۔ (اور علامہ شامیؒ نے اس بارے میں دوسرا ضعیف قول یہ نقل فرمایا ہے کہ خانہ بدوش بھی اپنی نماز قصر ہی پڑھیں گے اور جنگل میں نیت اقامت درست نہیں ہوگی)۔ (شامی/۲/۶۰۸)

البتہ اگر خانہ بدوش کسی ایسی جگہ کا ارادہ کریں کہ ان دونوں جگہوں کے درمیان مدت سفر کا فاصلہ ہو تو اگر وہ سفر کی نیت کریں تو قصر کریں گے۔ اور اگر سفر کی نیت نہیں کریں گے تو قصر نہیں کریں گے۔ اور اگر خانہ بدوش کے ساتھ دوسرے لوگ اقامت کی نیت کریں تو اصح قول کے مطابق ان کی نیت درست نہیں ہوگی۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر مسافر کے اندر چھ شرطیں پائی جائیں تو قصر کرنا جائز نہ ہوگا، ورنہ قصر جائز ہوگا۔ اور وہ چھ شرطیں درج ذیل ہیں:

۱- سفر کی نیت کرنا، یعنی سفر کی نیت سے نکلنا۔

۲- مدتِ سفر یعنی موجودہ کلومیٹر کے حساب سے ۸/۷۷ کلومیٹر کا سفر کرنا اور پندرہ یوم کی نیت کرنا۔

۳- مستقل رائے کا مالک ہونا، یعنی کسی کے تابع نہ ہونا۔

۴- چلنے کو بند کرنا، اگر وہ جنگل اور صحراء میں ہو اور شہر اور آبادی میں چلنا بند کرنے سے اقامت کی نیت نہیں ہوتی ہے۔

۵- ٹھہرنے کی جگہ کا متحد ہونا۔

۶- ٹھہرنے کی جگہ کا لائقِ اقامت ہونا۔

اگر مسافر قصر کے بجائے اتمام کرلے تو کیا حکم ہے؟

شرعی مسافر پر رُباعی نماز میں قصر واجب ہے، لیکن اگر کسی مسافر نے قصر کرنے کے بجائے اتمام کرلیا اور چار رکعت پڑھ ڈالی اور دو رکعت کے بعد قعدۂ اولیٰ میں بیٹھا ہے تو اس سے فرض ادا ہو جائے گا، دو رکعت سے جو زائد پڑھی گئی وہ نفل ہو جائے گی، جیسے کہ فجر میں دو رکعت کی جگہ چار رکعت ادا کرنے کی صورت میں دو رکعت نفل ہو جائے گی، مگر اس نے دو رکعت کی جگہ چار رکعت پڑھ کر پورا کیا ہے، اگر اس نے ایسا جان بوجھ کر کیا تو برا کیا، اسی لئے کہ اس سے سلام پھیرنے میں تاخیر ہوئی۔ اور قصر جو واجب تھا اس کا چھوڑنا لازم آیا، نیز نفل کے لئے تکبیر تحریمہ جو ضروری تھی وہ رہ گئی اور نفل کو فرض کے ساتھ ملا دیا، حالانکہ یہ چاروں چیزیں درست نہیں تھیں جیسا کہ علامہ قہستانی نے نقل کیا ہے۔ اور علامہ قہستانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ "اساء" کا جو لفظ آیا ہے اس کے معنی "اثم" کے ہیں، یعنی دو رکعت سے زیادہ جان بوجھ کر پڑھنا گناہ ہے اور مستحق عذاب ہوگا۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسافر کے لئے دو رکعت کے بجائے چار رکعت پوری نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔

اگر مسافر نے چار رکعت پڑھی اور قعدۂ اولیٰ نہیں کیا تو کیا حکم ہے؟

اگر مسافر نے رُباعی فرض نماز میں دو کے بجائے چار رکعت پڑھ دیں اور قعدۂ اولیٰ میں نہیں بیٹھا تو اس صورت میں فرض باطل ہو جائے گا۔ اور اس کی یہ ساری نماز نفل ہو جائے گی، قعدۂ مفروضہ کے چھوڑنے کی وجہ سے، مسافر کے لئے قعدۂ اولیٰ ہی درحقیقت قعدۂ اخیرہ ہے، البتہ اگر اس مسافر نے دوسری رکعت کے بعد اور تیسری رکعت کے سجدہ کرنے سے پہلے اقامت کی نیت کرلی ہے تو اس صورت میں اس کی فرض نماز باطل نہ ہوگی، لیکن اس صورتِ حال میں اس مسافر کو تیسری رکعت کے قیام اور رکوع کو لوٹانا پڑے گا، کیونکہ تیسری رکعت کا قیام اور رکوع نفل ہوا تھا جو فرض کے قائم مقام نہیں ہوسکتا ہے۔ اور اگر تیسری رکعت کے سجدہ میں اقامت کی نیت کی ہے تو فرض باطل ہو جائے گا اور ساری نماز نفل ہو جائے گی۔

وَصَحَّ إقتِداءُ المُقيمِ بالمُسافِرِ فِي الوَقتِ وبعدَهُ فإذا قامَ المُقِيمُ إلَى الإتمامِ لايقرأُ ولايسجدُ للسهوِ، فِي الأصحِ لأنَهُ كَاللاحِقِ، والقَعدَتانِ فرض عليهِ، وقِيلَ لاَ، قنية. وندبَ للإمامِ هذا يُخالِفُ الخَانِيةَ وغيرَها أنّ العِلمَ بحالِ الإمامِ شرطٌ. لكِن فِي حاشِيةِ الهِدايةِ للهندِي: الشرطُ العِلمُ بحالِهِ فِي الجُملةِ لاَ فِي حالِ الإبتداءِ. وفِي شرح الإرشَادِ: ينبَغِي أن يخبرهُمْ قَبلَ شُروعِهِ، وإلاّ فبعدَ سلامِهِ، أنْ يَقولَ بعدَ التّسلِيمَتَينِ فِي الأصحّ، أتِمُّوا صَلاتَكُم فإنِّي مُسافِرٌ لِدَفعِ توهُمِ أنَهُ سَهَا، ولَو نَوىٰ الإقامَةَ لاَ لِتحقِيقِهَا بَل ليتم صلاةُ

المُقيمِينَ لَم يَصِرْ مُقِيمًا، وأمّا إقتِداءُ المُسافِرِ بالمُقِيمِ فيَصِحُّ فِي الوَقتِ ويتِمُّ لاَ بعدَهُ فِيمَا يتغيَّرُ، لأنّهُ إقتداءُ المُفتَرِضِ بالمُتنَفِّلِ فِي حقِّ القَعدَةِ لَو اقتدىٰ فِي الأولَيينِ أو القِراءة لَو فِي الأخرَيينِ، ويَأتِي المُسافِرُ بالسُّنَنِ إنْ كانَ فِي حالِ أمنٍ وقرارٍ وإلاّ بأنْ كانَ فِي خوفٍ وفرارٍ لاَ يأتِي بِهَا، هُو المُختارُ، لِأنّهُ تركٌ لِعُذرٍ، تجنيس. قِيلَ الا سُنّةَ الفَجرِ، وَالمُعتبَرُ فِي تغيِيرِ الفَرضِ آخرُ الوَقتِ وهُو قَدرُ مَا يسَعُ التَّحرِيمة فإنْ كانَ المُكَلَّفُ فِي آخِرِهِ مُسافِرًا وجبَ ركعتانِ وإلاّ فأربعٌ لأنّهُ المُعتبرُ فِي السببِيّةِ عِندَ عدمِ الأداءِ قبلَهُ، الوَطنُ الأصلِي هُو موطِنُ ولادَتِهِ أو تأهلِهِ أو توطّنِهِ يَبطُلُ بِمثلِهِ إذَا لَم يَبقَ لَهُ بالأوّلِ أهل، فلَو بقِيَ لَم يبطُلْ بل يتمُّ فيهما لا غير، ويبطُلُ وطنُ الإقامَةِ بِمثلِهِ وبالوَطنِ الأصلِي وَ بإنشاءِ السَّفرِ وَالأصلُ أنّ الشَّيءَ يَبطُلُ بِمثلِهِ، وبِما فوقَهُ لاَ بِمَا دُونَهُ، ولَم يذكر وطنَ السُّكنىٰ، وهُو مَا نوى فِيه أقلّ مِن نِصفِ شهرٍ لِعدمِ فائدتِهِ، ومَا صَوّرهُ الزيْلَعِي ورده فِي البحرِ.

مقیم مقتدی کی نماز مسافر امام کے پیچھے

مقیم مقتدی کا مسافر امام کے پیچھے نماز ادا کرنا درست ہے، خواہ وقت کے اندر ہو یا وقت کے بعد ہو۔ اور جب مقیم مقتدی، مسافر امام کے دو رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد اپنی بقیہ دو رکعت ادا کرنے کے واسطے کھڑا ہوگا تو اس میں قرأت نہیں کرے گا۔ اور اصح قول کے مطابق نہ ہی سجدۂ سہو ادا کرے گا، اس لئے کہ مقیم مقتدی لاحق کی طرح ہے۔ اور مقیم مقتدی پر دونوں قعدہ فرض ہیں ایک تو امام کی پیروی میں اور دوسرا قعدہ اس کے لئے اخیر ہونے کی وجہ سے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ مقیم مقتدی پر قعدۂ اولیٰ تو فرض ہی نہیں ہے۔ (مقتدی مقیم جب اپنی نماز ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوگا تو الحمد للہ پڑھنے کی مقدار تک خاموش کھڑا رہے گا، اس کے بعد رکوع وسجدہ کرے گا)۔

مسافر امام کے لئے اپنے مسافر ہونے کا اعلان کرنا

جب امام مسافر ہو تو اس کے لئے مستحب ہے کہ دو رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں سے یہ بتادے کہ تم اپنی بقیہ نماز پوری کرلو میں مسافر ہوں۔ اور یہ کہنا اس وجہ سے مستحب ہے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ امام سے بھول ہوگئی ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ قول فتاویٰ خانیہ وغیرہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ فتاویٰ خانیہ میں لکھا ہے کہ مقتدی کے لئے اپنے امام کا حال جاننا شرط ہے۔ اور یہاں متن سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ مقتدیوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اس کا امام مقیم

ہے یا مسافر، تو اس طرح بظاہر دونوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے، چنانچہ اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے شارح علیہ الرحمہ آگے تحریر کرتے ہیں کہ: ''لیکن ہدایہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ فی الجملہ امام کے حال کا علم ہونا شرط ہے اور ابتداء ہی سے امام کا حال جاننا ضروری اور لازم نہیں ہے''۔ اور شرح الارشاد نامی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر امام مسافر ہو تو نماز شروع کرنے سے پہلے مقتدیوں سے یہ کہہ دے کہ میں مسافر ہوں تم لوگ میرے سلام کے بعد اپنی اپنی نماز پوری کر لینا۔ اور اگر نماز شروع کرنے سے پہلے نہ بتا سکے تو سلام پھیرنے کے بعد اعلان کر دے: بھائی! اپنی نماز پوری کرلو، میں مسافر ہوں۔

مقتدیوں کو پوری نماز پڑھنے کے لئے اقامت کی نیت کرنا

اگر مسافر امام اقامت کی نیت اس لئے کرے تا کہ مقتدیوں کو مکمل نماز پڑھائے اور حقیقت کے اعتبار سے اقامت کی نیت نہ کی ہو تو اس طرح سے نیت کرنے کی وجہ سے وہ مقیم نہیں ہوگا۔ اور جو چار رکعات پڑھائے گا تو اگر قعدۂ اولیٰ میں بیٹھا تھا تو دو رکعت فرض ہو جائے گی اور دو رکعت نفل، لیکن مقتدیوں کی نماز جنھوں نے اس کے پیچھے پوری پڑھی ہے فاسد ہو جائے گی، کیونکہ متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز نہیں ہوتی ہے۔ (شامی/۲/۶۱۲)

اگر مسافر شخص مقیم کی اقتداء میں نماز ادا کرے تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی مسافر کسی مقیم کے پیچھے وقت کے اندر نماز ادا کرے تو نماز ہو جائے گی۔ اور اس صورت میں مسافر مقتدی مقیم امام کی پیروی میں چار رکعت نماز ادا کرے گا، یعنی امام کی متابعت کی وجہ سے مسافر کی نماز بھی دو رکعت کے بجائے چار رکعت ہو جائے گی، البتہ وقت گذر جانے کے بعد مسافر شخص کسی مقیم شخص کی اقتداء ان نمازوں میں نہیں کر سکتا ہے جو بدل جاتی ہیں، جیسے ظہر، عصر اور عشاء، اس لئے کہ مقیم شخص جو قضاء پڑھ رہا ہے اس میں قعدۂ اولیٰ اس پر واجب ہے اور مسافر مقتدی پر قعدۂ اولیٰ فرض ہے۔ اسی طرح اخیر کی دو رکعتوں میں مقیم کے لئے قرأت سنت ہے اور مسافر ان میں اقتداء کرے گا تو اس کے لئے قرأت فرض ہوگا، لہٰذا یکسانیت نہ پہلی دو رکعتوں میں ہو سکتی ہے اور نہ اخیر کی رکعتوں میں ہو سکتی ہے، البتہ فجر اور مغرب میں خروجِ وقت کے بعد بھی اقتداء درست ہے اس لئے کہ یہ نماز مسافر اور مقیم سب کے لئے یکساں ہیں، بدلتی نہیں ہیں۔

حالتِ سفر میں سنت مؤکدہ پڑھنے کا شرعی حکم

سوال یہ ہے کہ مسافر حالت سفر میں سنن مؤکدہ جو نماز سے پہلے ہیں یا جو فرض نماز کے بعد ہیں ادا کرے گا یا نہیں؟ تو اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ مسافر حالتِ سفر میں اگر امن وسکون کی حالت میں ہے تو

سنن مؤکدہ ادا کرے گا۔ اور اگر سفر کی حالت میں امن وسکون نہ ہو؛ بلکہ خوف زدہ ہو، یا قرار وفرار کے درمیان ہوتو اس صورت میں مختار مذہب کے مطابق مسافر سنن مؤکدہ نہیں ادا کرے گا، اس لئے کہ یہ سنتوں کا چھوڑنا عذر کی وجہ سے ہے، البتہ سنت فجر کے متعلق بعض علماء نے فرمایا کہ اس کو حتی الامکان نہ چھوڑے؛ بلکہ پوری طرح ادا کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ فجر کی سنت کی تاکید زیادہ آئی ہے۔

قصر کا اعتبار کب ہے؟

اور سفر کی وجہ سے رُباعی نماز میں چار رکعت سے دو رکعت ہونا یہ نماز کے اخیر وقت میں قابل اعتبار ہے۔ اور اخیر وقت سے مراد اتنا وقت ہے کہ اس میں مسافر تحریمہ باندھ سکتا ہو، لہٰذا اگر مسلمان عاقل وبالغ، شرع کا مکلّف اخیر وقت میں مسافر ہوگا تو اس پر چار کی جگہ دو رکعت پڑھنا واجب ہے۔ اور اگر وہ اخیر وقت میں مسافر نہیں ہے؛ بلکہ وہ مقیم ہو چکا ہے تو پھر چار ہی رکعت پڑھنا واجب ہے۔ اس لئے کہ سببیت میں اخیر وقت کا اعتبار کیا گیا ہے، بشرطیکہ اس کو پہلے ادا نہ کیا ہو۔

(علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نماز کا سبب وجوب وہ جزء ہے جو اداء سے متصل ہے اور اس سے پہلے نماز کو ادا نہیں کیا ہے تو پھر وقت کا اخیر جزء وجوبِ نماز کا سبب ہے۔ اور اگر اس نے اس سے پہلے نماز نہیں ادا کی اور وقت نکل گیا تو اب وجوبِ نماز کا سبب کل وقت ہوگا)۔ (شامی/۲/۶۱۴)

وطن اصلی کب باطل ہوتا ہے؟

وطن اصلی، وطن اصلی سے باطل ہو جاتا ہے، جب کہ وطن اصلی اوّل میں اس کے گھر والے نہ رہے ہوں۔ اور اگر پہلے وطن میں اہل وعیال ہوں تو پھر وہ باطل نہیں ہوگا، جب وہ شخص وہاں پہنچے گا تو اتمام کرے گا، یعنی پوری چار رکعت ادا کرے گا۔ اور دوسرے وطن میں بھی پوری نماز ادا کرے گا، خواہ وہاں اقامت کی نیت کرے یا نہ کرے، اس لئے کہ وہ دونوں جگہ اس کے لئے وطن اصلی قرار پائے ہیں۔

وطن اصلی کی تعریف

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ فقہاءِ کرام کی اصطلاح میں وطن اصلی وہ ہے جہاں اس کی پیدائش ہوئی ہو، یا جہاں اس نے شادی کرلی ہو، یا جہاں اس نے اپنا وطن بنالیا ہو۔

وطن اقامت کی تعریف

وطن اقامت اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں آدمی نے پندرہ دن یا پندرہ دن سے زیادہ رکنے کی نیت کر لی ہے، جس طرح وطن اصلی، وطن اصلی سے باطل ہو جاتا ہے اسی طرح وطن اقامت بھی اس جیسے وطن اقامت سے باطل ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر میرا وطن اقامت اس وقت جامعۃ القرآن والسنۃ الخیریہ بجنور ہے، اب میں یہاں چھوڑ کر دیوبند یا دہلی چلا جاؤں اور وہاں پندرہ یوم رہنے کی نیت کرلوں یا اس سے زیادہ کی نیت کرلوں تو اس سے اب میرا سابقہ وطن اقامت بجنور باطل ہو جائے گا اور بجنور جب بھی آؤں گا تو قصر کروں گا، الا یہ کہ اقامت کی نیت کرلوں۔

اور وطن اقامت وطن اصلی سے بھی باطل ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر میں بجنور جو میرا وطن اقامت ہے، یہاں سے میں اپنے وطن اصلی پہرا، ضلع گریڈیہہ جھارکھنڈ چلا جاؤں تو اس سے وطن اقامت باطل ہو جائے گا اور دوبارہ بجنور جب بھی آؤں گا تو قصر نماز پڑھوں گا، الا یہ کہ دوبارہ اقامت کی نیت کرلوں۔ اسی طرح وطن اقامت سفر کی نیت سے چلنے کی وجہ سے بھی باطل ہو جاتا ہے، مثلاً میں بجنور سے ۸/۷ کلومیٹر سفر کی نیت سے روانہ ہوں تو اس سے بجنور کا وطن اقامت ختم ہو جائے گا، جب تک کہ دوبارہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ رہنے کی نیت نہ کروں۔ اور اگر میں دوبارہ اقامت کی نیت نہ کروں اور اس شہر سے گذروں تو میں مسافر رہوں گا اور قصر پڑھوں گا۔

ایک ضابطہ کلیہ

اس سلسلے میں ایک ضابطہ کلیہ یہ ہے کہ شئی اپنی ہم مثل یا شئی اپنے سے اونچی چیز سے باطل ہو جاتی ہے اور اس سے کم تر سے باطل نہیں ہوتی ہے، لہٰذا وطن اصلی قوی تر ہے اس لئے وطن اصلی سے وطن اقامت باطل ہو جائے گا، لیکن وطن اقامت سے وطن اصلی باطل نہیں ہوگا، اسلئے کہ وطن اقامت وطن اصلی سے کم تر ہے۔

وطن سکنیٰ کی تعریف

وطن سکنیٰ وہ جگہ ہے جہاں آدمی پندرہ یوم سے کم قیام کی نیت کرے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مصنف نے وطن سکنیٰ کا تذکرہ نہیں کیا ہے، اس لئے کہ اس کے ذکر کرنے میں کوئی خاص فائدہ نہیں ہے۔ اور امام زیلعیؒ نے وطن سکنیٰ کے لئے جو صورت مسئلہ بتائی ہے صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیمؒ نے اس کو رد فرمایا ہے۔

صورتِ مسئلہ بقولِ علامہ زیلعیؒ

بقولِ زیلعی وطن سکنی کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنے شہر سے کسی گاؤں کی طرف بلانیت سفر کر کے گیا اور وہاں پندرہ یوم سے کم رہنے کی نیت کی ہے تو اس صورت میں وہ مقیم ہے اور پوری نماز پڑھے گا، پھر وہ اس گاؤں سے سفر کے ارادہ کے بغیر نکلا، ابھی کہیں رات بھی نہیں گذری تھی اور نہ ہی وہ اپنے شہر پہنچا تھا کہ اس نے سفر کی نیت کر لی تو اب وہ قصر کرے گا، اس لئے کہ وہ مسافر ہو گیا ہے۔ اب اگر وہ شخص اتفاق سے اس آبادی سے گذرے گا تو پوری نماز ادا کرے گا، اس لئے کہ یہاں کوئی ایسی چیز نہیں پائی گئی ہے جو وطن سکنی کو باطل کر دے، نہ اس سے اوپر کوئی چیز پائی گئی نہ اس کے مثل، لہٰذا اس کا پہلا وطن سکنی باقی رہے گا اور اس کے پاس سے گذرنے سے اتمام کرے گا۔ (شامی/۲/۶۱۵)

وَالْمُعتَبَرُ نِيَّةُ الْمَتبُوعِ لأَنَّهُ الأصلُ لاَ التَّابِعِ كَامْرأةٍ وفَّاهَا مَهْرَهَا الْمُعجّل وعَبدٍ غيرمكاتبٍ وجُندي إذَا كانَ يرتزقُ مِن الأميرِ أو بيتِ المَالِ وأجِيرٍ وأسيرٍ وغريمٍ وتِلمِيذٍ مَع زوجٍ ومولٰى وأمِيرٍ ومُستأجِرٍ لَفٌّ ونشرٌ مُرتَّبٌ. قُلتُ: فقيدُ المَعيةِ مُلاحظٌ فِي تحقيقِ التبعيةِ مَع مُلاحظةِ شرطٍ آخرَ محقق لذلكَ، وهُو الارتزاقُ فِي مَسئلةِ الجُندِي، و وَفاءُ المَهرِ فِي المَرأةِ، وعدمُ كِتابة العَبدِ، وبه بأن جواب حادِثة جزيرة كريد سنة ثمَانِين وألف، ولابُدَّ مِن عِلمِ التابعِ بنيّةِ المَتبُوعِ فَلَو نَوَى المَتبُوعُ الإقامَةَ ولَم يعلَمِ التَابعُ فَهُو مُسافِرٌ حتّٰى يعلمَ علَى الأصحِّ، وفِي الفَيضِ: وبهٖ يُفتى كمَا فِي المُحِيط وغيره، دفعًا للضّررِ عَنهُ، فمَا فِي الخُلاصَةِ عَبدٌ مُسَافِرٌ أم مولاهُ فنوَى المولٰى الإقامةَ، إنْ اتمّ صحّتْ صلاتُهما، وإلاَّ لاَ، مبنيّ علٰى خلافِ الأصحّ، والقَضاءُ يحكِي أى يشابهُ الأداء سفرًا وحضرًا لأنَّهُ بعدَ ما تقرَّرَ لايتغيرُ، غيرَ أنّ المَرِيضَ يقضِي فائتَةَ الصحّةِ فِي مرضِه بمَا قَدَرَ. **فُروعٌ**: سَافرَ السُّلطانُ قصرَ، تزوّجَ المُسافِرُ ببلدٍ صارَ مُقيمًا علىَ الأوجُهِ، طَهرتِ الحَائضُ وبقِيَ لمَقصَدِهَا يومَانِ تتِمُّ فِي الصّحِيحِ، كصبيّ بلغَ، بخِلافِ كافرٍ أسلمَ، عبدٌ مُشترَكٌ بينَ مُقيمٍ ومُسافرٍ إنْ تَهايا قصرَ فِي نوبَةِ المُسافِرِ وإلا يفرضُ عليهِ القُعودُ الأوّلُ ويُتمُّ احتِياطًا ولايتمُّ بمقِيمٍ أصلاً، وهُو ممّا يلغزُ، قَالَ لِنِسَائِهِ: مَن لَم تَدرِ مِنكُنّ كَم رَكعَةً فرض يوم وليلة فهِيَ طالقٌ، فقالَتْ احداهُنّ عِشرونَ، والثّانِيةُ سبعةَ عشرَ، والثّالثةُ خمسةَ عشرَ، والرّابعةُ احدىٰ عشر، لَم يطلقن لأنّ الأولىٰ ضمّت الوِتر، والثّانيةُ تركتهُ، والثّالثةُ ليومِ الجمعةِ والرّابعةُ للمُسافِرِ، واللّٰه أعلم.

سفر میں کس کی نیت معتبر ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ سفر میں متبوع کی نیت معتبر ہے، اس لئے کہ متبوع ہی اصل ہے۔ (اقامت کرنے اور سفر کرنے میں، یہی مختار ہے) لہٰذا تابع کی نیت کا اعتبار نہیں ہے، مثال کے طور پر عورت اپنے شوہر کے ساتھ سفر کرے تو شوہر کی نیت کا اعتبار ہوگا، عورت کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا، مگر بیوی کی نیت کے غیر معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ شوہر نے اس کو مہر معجّل ادا کردیا ہو۔ اور اگر شوہر نے بیوی کا مہر معجّل ادا نہ کیا ہو تو اس صورت میں بیوی شوہر کے تابع نہ ہوگی، اس لئے کہ بیوی مہر معجّل کے وصول کرنے کے واسطے اپنے آپ کو روک سکتی ہے اور شوہر اس کو سفر میں نہیں لے جاسکتا ہے اور بیوی کو اختیار ہے کہ جہاں شوہر رہے وہاں یہ نہ رہے۔ الغرض شوہر جب تک مہر معجّل ادا نہیں کرے گا اس وقت تک بیوی تابع قرار نہ پائے گی۔ (شامی/۲/۶۱۶)

غلام کی نیت کا اعتبار نہیں ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ غیر مکاتب غلام کی نیت آقاء کے ساتھ معتبر نہیں ہے، یعنی اگر آقا اور غلام دونوں سفر کریں تو اقامت کی نیت کرنے میں آقا کی نیت کا اعتبار رہوگا، غلام کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔ ہاں اگر غلام مکاتب ہے تو اس کی نیت کا اعتبار ہوگا، اس لئے کہ مکاتب غلام پر آقا کی اطاعت ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح اگر فوجیوں کے ساتھ اس کا چیف کمانڈر اور افسر موجود ہو، جو ان کے کھانے پینے کا ذمہ دار ہو تو فوجیوں کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا؛ بلکہ اس کے افسر اور کمانڈر کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ اسی طرح اگر ان فوجیوں کے کھانے کی ذمہ دار حکومت اور بیت المال ہو تب بھی نیت کا اعتبار نہیں ہے، البتہ اگر فوجی اپنے پاس سے کھاتے ہوں تو اس وقت ان کی نیت سفر و اقامت کے متعلق معتبر ہوگی۔ اسی طرح مستاجر کے ساتھ اجیر کی نیت کا اعتبار نہیں ہے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ مزدور کی نیت مزدوری پر رکھنے والے کے ساتھ اس وقت معتبر نہیں ہوگی جب مزدور کو مشاہرہ یعنی ماہانہ تنخواہ ملتی ہو، یا سالانہ تنخواہ ملتی ہو، لیکن اگر یومیہ ملتا ہو تو وہ معاملہ شام کے وقت کام سے فارغ ہونے کے بعد فسخ کرسکتا ہے، لہٰذا یومیہ والے مزدور کی نیت معتبر ہوگی)۔ (شامی/۲/۶۱۷)

اسی طرح قید کرنے والے کے ساتھ قیدی کی نیت کا اعتبار نہیں ہے۔ اور قرض خواہ کے ساتھ قرض دار کی نیت کا اعتبار نہیں ہے، بشرطیکہ قرض دار مفلس نہ ہو۔ اور اگر قرض دار مفلس ہو تو اس کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ اور استاذ کے ساتھ شاگرد کی نیت کا اعتبار نہیں ہے جب کہ اسکے کھانے کا ذمہ دار استاذ ہو، یعنی اگر استاذ و شاگرد سفر کررہے ہوں تو استاذ کی نیت معتبر ہوگی نہ کہ شاگرد کی۔ (علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر بالغ بیٹا باپ کی خدمت کرتا ہو تو اس کی نیت کا بھی اعتبار نہیں ہوتا ہے۔ (شامی/۲/۶۱۷)

صاحب درمختار کی رائے گرامی

شارح تنویر الابصار علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ معیت کی قید قابل لحاظ اس وقت ہے جب تبعیت بھی پائی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ دوسری شرط بھی پائی جائے۔ اور اسی دوسری شرط کی وجہ سے تبعیت ثابت ہوئی ہے، وہ فوجی کے مسئلہ میں کھانا ملنا ہے اور بیوی کے مسئلہ میں مہر معجّل کا ادا کرنا ہے۔ اور غلام کے مسئلہ میں مکاتب نہ ہونا ہے۔ اگر فوجی کو امیر یا حکومت کی طرف سے کھانا نہ ملتا ہو، یا بیوی کو مہر معجّل ادا نہ کیا، یا غلام مکاتب ہو تو ان صورتوں میں ان کی نیتوں کا اعتبار ہوگا۔

جزیرہ کرید کے حادثہ کا جواب

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس دوسری شرط کی وجہ سے جزیرہ کرید کے حادثہ جو ۱۰۸۰ھ میں پیش آیا تھا کا جواب بخوبی ظاہر ہو گیا ہے۔ (جزیرہ کرید میں حادثہ یہ پیش آیا تھا کہ لشکر شکست کھانے کے بعد اِدھر اُدھر منتشر ہو گیا، کمانڈر اور امیر کے ساتھ نہیں رہا اور نہ اس کی طرف سے لشکریوں کے کھانے کا انتظام رہا، لہٰذا وہ لشکر اپنے امیر کے تابع بھی نہ رہا؛ بلکہ خود مستقل الرائے ہو گیا، لہٰذا اس کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ (شامی/۲/۶۱۸)

تابع اپنے متبوع کی نیت کا علم رکھے

مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تابع کے لئے ضروری ہے کہ متبوع کی نیت کا علم رکھے، چنانچہ اگر متبوع نے اقامت کی نیت کر لی اور تابع کو اس کا علم نہیں ہے تو اس صورت میں جب تابع کو علم نہ ہوگا اصح قول کے مطابق مسافر رہے گا۔ اور ''فیض'' نامی کتاب میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ ''محیط'' نامی کتاب میں بھی ہے۔ اور یہ حکم اس لئے ہے کہ تاکہ تابع ضرر سے محفوظ رہ سکے۔ (اس لئے کہ اگر وہ مسافر ہے تو قصر کا حکم ہے اور اتمام مبنی عنہ ہے، پس وہ مجبور ہوگا، پس اگر اس کو دو رکعت کی جگہ چار رکعتیں پڑھنی پڑ گئیں متبوع کے اقامت کی نیت کرنے کی وجہ سے اور یہ تابع کو معلوم نہیں ہے تو اس سے تابع ضرر عظیم میں گرفتار ہو جائے گا)۔ (شامی/۲/۶۱۸)

سفر میں غلام کی امامت کا حکم شرعی

''خلاصہ'' نامی کتاب میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ ایک غلام نے اپنے آقا کی امامت کی، اور آقا نے اقامت کی نیت کر لی تو اگر غلام چار رکعتیں پڑھے گا تو آقا اور غلام دونوں کی نمازیں درست ہوں گی۔ اور اگر دو رکعت غلام پڑھے گا تو اس صورت میں نہ آقا کی نماز ہوگی اور نہ غلام کی، اس مسئلہ کی بنیاد اصح قول کے خلاف پر ہے۔

نمازِ قضاء کا حکم شرعی

مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قضاء نماز ادا نماز کے مشابہ ہے؛ سفر میں بھی اور حضر میں بھی، اس لئے کہ ذمہ میں ثابت ہوجانے کے بعد وہ بدلتی نہیں ہے۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حالت سفر میں نماز قضاء ہوگئی اور اس کو اقامت کی حالت میں ادا کررہا ہے تو دو ہی رکعت قضاء کرے گا، اس لئے کہ اسکے ذمہ دو ہی رکعت واجب ہوئی تھی، اور شئی واجب ہونے کے بعد بدلتی نہیں ہے)۔

اسی طرح اگر مقیم ہونے کی حالت میں نماز فوت ہوگئی اور اس کی قضاء سفر کی حالت میں کی جائے تو چار رکعت قضاء کی جائے گی، اس لئے کہ نماز ذمہ میں جس طرح واجب ہوئی ہے اسی طرح وقت کے بعد ادا بھی کی جاتی ہے، اس میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے، البتہ وقت کے اندر نیت کے بدل جانے سے نماز بدل جاتی ہے۔ (مسافر تھا اقامت کی نیت کرلی تو اب اتمام کرے گا، یا مقیم تھا سفر کی نیت سے نکل گیا تو اب قصر پڑھے گا)۔ (شامی/۲/۶۱۸)

البتہ اگر مریض حالتِ مرض میں زمانہ صحت کی فوت شدہ نمازوں کی قضا پڑھے تو جس طرح قدرت ہو اسی طرح ادا کرے، اور اگر زمانہ مرض کی فوت شدہ نمازیں زمانہ صحت وتندرستی میں ادا کرے تو اس صورت میں باقاعدہ قیام ورکوع وسجود کے ساتھ ادا کرے۔ (شامی/۲/۶۱۸)

شارح کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل

اگر بادشاہ سفر کے ارادے سے نکلے تو مسافر ہوجائے گا اور وہ قصر کرے گا۔ اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ اگر بادشاہ اپنی حکومت میں چکر لگائے تو قصر نہیں کرے گا۔ اور اگر اپنے ملک کے علاوہ کسی دوسری جگہ سفر کرے گا تو قصر کرے گا، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں قصر کرے گا، اس میں ولایت اور غیر ولایت کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ خلفاءِ راشدین جب مدینہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو انھوں نے قصر نماز پڑھی ہے۔ اور علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے یہ کہا کہ بادشاہ اگر اپنی حکومت کے حصہ میں سفر کرے گا تو قصر نہیں کرے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بادشاہ رعیتوں کے احوال جاننے کے لئے سفر کرے اور مقصود حاصل ہونے کے بعد فوراً رجوع کا ارادہ ہو اور مدتِ سفر کی نیت بھی نہ کی ہو تو قصر نہیں کرے گا۔ (شامی/۲/۶۱۹)

اگر مسافر کسی شہر میں نکاح کرلے تو کیا حکم ہے؟

اگر مسافر کسی شہر میں شادی کرلے تو محض شادی کرنے ہی کی وجہ سے مقیم ہوجائے گا، خواہ اس نے اس شہر کو وطن نہ بنایا ہو،

یا پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کی ہو، اسی طرح اگر کسی عورت نے حالتِ سفر میں کسی جگہ کسی مرد سے نکاح کرلیا تو بالاتفاق عورت مقیم ہوجائے گی، جیسا کہ قہستانی وغیرہ نے اس کو نقل کیا ہے۔ (شامی/۲/۶۱۹)

مسافر و مقیم کے درمیان مشترک غلام کا حکم

ایک غلام ہے جو مقیم اور مسافر کے درمیان مشترک ہے، یعنی غلام میں دونوں کا حصہ برابر ہے تو اگر اس کو مسافر سفر میں لے جائے تو مسافر کی باری میں یہ غلام اپنی نماز جو چار رکعت والی ہے دو رکعت پڑھے گا اور نہ اس پر قعدۂ اولیٰ فرض ہوگا اور احتیاطاً پوری نماز پڑھے گا اور غلام مقیم کے ساتھ بالکل پوری نہیں پڑھے گا۔

ایک فقہی پہیلی

ایک شخص کی زوجیت میں چار بیویاں ہیں، تمام بیویوں کو جمع کر کے کہا کہ تم میں سے جو بھی یہ نہ جانے کہ دن رات میں کتنی نمازیں فرض ہیں تو اس پر طلاق ہے، چنانچہ ایک بیوی نے کہا کہ دن رات میں بیس رکعتیں فرض ہیں، دوسری بیوی نے کہا سترہ رکعتیں فرض ہیں، تیسری بیوی نے کہا کل پندرہ رکعتیں فرض ہیں، چوتھی بیوی نے کہا دن رات میں کل گیارہ رکعتیں فرض ہیں۔ تو اس صورت میں کسی بھی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی، اس لئے کہ پہلی بیوی نے جو یہ کہا کہ دن رات میں بیس فرض ہیں اس نے وتر کو شامل کرلیا جو فرض عملی ہے۔ ۴/ظہر کی، ۴/عصر کی، ۳/مغرب کی، ۴/عشاء کی، ۲/فجر کی اور ۳/وتر کی۔ یہ کل ملا کر بیس رکعتیں ہوگئیں، لہٰذا اس پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور دوسری بیوی نے جو سترہ رکعت فرض بتایا ہے وہ اپنے قول میں سچی ہے، بایں طور کہ اس نے وتر کو شامل نہیں کیا۔ اور تیسری بیوی نے جمعہ کے دن کے فرائض کو بیان کیا ہے، جمعہ کے دن کل پندرہ رکعتیں فرض ہیں، اس لئے کہ جمعہ کی دو ہی رکعت فرض ہے۔ اور چوتھی بیوی نے جو یہ کہا کہ دن رات میں کل گیارہ رکعتیں فرض ہیں یہ بھی اپنے قول میں سچی ہے، اس لئے کہ اس نے مسافر کی نماز کو شامل کیا ہے اور مسافر پر کل گیارہ رکعتیں فرض ہیں: ۲/فجر کی، ۲/ظہر کی، ۲/عصر کی، ۳/مغرب کی، اور ۲/عشاء کی۔ یہ کل گیارہ رکعتیں ہوئیں، تو چونکہ ہر ایک بیوی نے اپنے اپنے اعتبار سے صحیح جواب دیا ہے اس لئے کسی پر بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب

أبو حماد منظور القاسمی پھراوی

خادم جامعة القرآن والسنّة الخيرية، بجنور (یوپی)

الليلة المتخلّلة ٢٤-٢٥/ محرم الحرام ١٤٢٦ھ

المصادف: ٦/مارس، ٢٠٠٥م، يوم الإثنين، الساعة العاشرة ليلاً

بَابُ الجُمُعَةِ

یہ باب جمعہ کے احکام ومسائل کے بیان میں

اس باب، کے تحت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں جمعہ سے متعلق کچھ ضروری باتیں سپردِ قلم کردی جائیں تاکہ ناظرین کو خاطر خواہ فائدہ ہوسکے اور کما حقہ اس سے استفادہ کرسکیں۔ تو اس بارے میں معلوم ہونا چاہئے کہ لفظ "جمعہ" جو ہفتہ کے ایک دن کا نام ہے فصیح زبان ولغت کے اعتبار سے جیم اور میم دونوں کے پیش کے ساتھ ہے، لیکن اس کا استعمال جیم کے پیش اور میم کے سکون کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔

جمعہ کو جمعہ کہنے کی وجہ

جمعہ کو جمعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ جمعہ ہی کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق جمع اور پوری کی گی تھی۔ بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جمعہ کو جمعہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے دنیا میں اتارے گئے تو اسی دن حضرت حواء علیہا السلام سے ملاقات کی تھی۔ اس کے علاوہ حضرات علمائے کرام نے اور بھی وجہ تسمیہ بیان کی ہے، چنانچہ بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ اس دن چوں کہ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں اس لیے اسے یوم الجمعہ کہا جاتا ہے۔

دورِ جاہلیت میں جمعہ کا نام

جمعہ ــــ ایک اسلامی نام ہے۔ دورِ جاہلیت میں اس دن کا نام عروبہ تھا۔ لیکن بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ عروبہ بہت قدیم نام تھا، زمانۂ جاہلیت میں ہی یہ نام بدل چکا تھا اور اس کا نام جمعہ رکھ دیا گیا تھا۔

جمعہ کا دن رسول اکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل زمانۂ جاہلیت میں بھی ایک خاص امتیاز اور شرف وفضیلت کا دن مانا جاتا تھا، مگر جب فاران کی چوٹی سے اسلام کا سورج طلوع ہوا تو اس نے اس دن کو اس کی حقیقی عظمت وفضیلت کے پیش نظر بہت ہی زیادہ باعظمت اور بافضیلت قرار دیا۔

امم سابقہ میں اس دن عبادت کرنے کا حکم

پچھلی امتوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس دن عبادت کرنے کا حکم دیا تھا، مگر انہوں نے اپنے تمرد وسرکشی اور اپنی بدنصیبی کی بناء پر اس میں اختلاف کیا اور پھر ان کی تمرد وعناد کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس عظیم الشان سعادت سے محروم رہ گئے۔ اور جمعہ کی فضیلت وسعادت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے حصہ میں آئی۔ یہودیوں نے سنیچر کا دن مقرر کرلیا، اس خیال سے کہ اسی دن اللہ تبارک وتعالیٰ تمام مخلوقات کی تخلیق سے فارغ ہوا تھا۔ عیسائیوں نے اتوار کا دن اپنی عبادت کے لیے مقرر کرلیا، اس خیال سے کہ اسی دن سے مخلوق کی تخلیق کی ابتداء ہوئی تھی، چنانچہ آج تک دونوں فرقے ان ہی دودنوں میں عبادت کا اہتمام کرتے ہیں، اس دن تمام کام کاج چھوڑ کر چرچ اور گرجا گھروں میں عبادت کے لیے ضرور جاتے ہیں۔ عیسائی حکومتوں میں اسی وجہ سے اتوار کے دن تمام سرکاری دفاتر اور تعلیم گاہیں بند رہتی ہیں اور تمام ملازمین کی تعطیل رہتی ہے۔ لیکن افسوس ہے بعض مسلم حکومتیں بھی اس سے مرعوب اور متاثر ہو کر اپنے ملکوں میں عسائیوں کی طرح اتوار کے دن تعطیل کرتی ہیں اور جمعہ کے دن دفاتر کھلے رکھتے ہیں، تعطیل نہیں کرتے ہیں یہ نہایت افسوس کا مقام اور مرعوبیت کی بات ہے، ورنہ تو اسلامی حکومتوں میں جمعہ کے دن تعطیل رہنی چاہیے تھی۔

نماز جمعہ کی فرضیت

جمعہ کی نماز فرضِ عین ہے۔ قرآنِ مجید، احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ اور اسلام کے شعائر میں سے ایک عظیم الشان شعار ہے۔ نمازِ جمعہ کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر اور اس کو بلا عذر شرعی چھوڑنے والا شدید وعید کا مستحق اور فاسق ہے۔ نمازِ جمعہ کے بارے میں ارشاد ربانی ہے

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۃ الجمعہ/ پارہ:۲۸، آیت:۹)

اے ایمان والو! جب نمازِ جمعہ کے لیے اذان کہی جائے تو اللہ تعالی کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید وفرخت بند کردو۔ اور یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم اس کو جانو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مراد نمازِ جمعہ اور اس کا خطبہ ہے۔ اور ''سعی'' سے مراد نمازِ جمعہ کے لیے نہایت اہتمام کے ساتھ مسجد جانا ہے۔ نمازِ جمعہ کی فرضیت رسولِ اکرم سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ ہی میں معلوم ہوگئی تھی، لیکن کفارِ مکہ کے غلبہ کے سبب آپ نے نمازِ جمعہ مکہ میں نہیں ادا فرمائی۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لاتے ہی

آپؐ نے نماز جمعہ شروع کردی اور مدینہ منورہ آپؐ کے تشریف لے جانے سے پہلے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ اپنے اجتہادِ صائب اور کشف صادق سے نماز جمعہ شروع کر چکے تھے۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو باقاعدہ جمعہ کی نماز شروع فرمائی۔ تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ پہلی نمازِ جمعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۲/ ربیع الاوّل ۱ھ کو مدینہ منورہ میں سالم کے علاقہ میں ادا فرمائی۔

بِتَثْلِيْثِ المِيْمِ وَ سُكُوْنِهَا. هِيَ فَرضُ عَيْنٍ يَكْفُرُ جَاحِدُهَا لِثُبُوتِهَا بالدَّلِيلِ القَطعِيِّ كَمَا حقَّقَهُ الكَمالُ، وهِيَ فرضٌ مُستقِلٌّ آكَدُ مِنَ الظُّهرِ، ولَيَسَتْ بدلاً عنهُ، كَمَا حَرَّرَهُ البَاقَانِي معزيًا لِسري الدِّين ابن الشَّحنةِ، وفِي البحر: وقَدْ أفتَيْت مِرارًا بعدمِ صَلوٰةِ الأربَعِ بعدَهَا بِنِيَّة اخر ظُهر خَوفَ اعتِقَادِ عدمِ فَرضِيَّةِ الجُمُعَةِ وَ هُوَ الاِحْتِيَاطُ فِي زَمَانِنَا، وأمَّا مَن لاَ يخَافُ عَليه مَفسدة مِنهَا فالأولى أن تكُونَ فِي بيته خفية.

نمازِ جمعہ اور اس کے متعلق ضروری احکام ومسائل

صاحب درمختار علامہ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں کہ لفظ جمعہ میں جیم پر پیش ہے اور میم پر تینوں حرکتیں پڑھی جاسکتی ہیں اور میم کو سکون کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے۔

نماز جمعہ فرض عین ہے اور اس کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہے، اس لیے کہ اس کی فرضیت کا ثبوت دلیل قطعی قرآن کریم کی آیت ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ سے ہے، جیسا کہ محقق کمال الدین نے اس کو ثابت کیا ہے۔ اور نمازِ جمعہ ایک مستقل فرض ہے۔ اور نماز ظہر سے زیادہ موکد ہے جمعہ ظہر کا بدل نہیں ہے، جیسا کہ علامہ محمود بن برکات الباقانی نے شیخ سری الدین ابن الشحنہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

نمازِ جمعہ کی تاکید ظہر سے زیادہ

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں کہ: نمازِ جمعہ کی تاکید نماز ظہر سے زیادہ اس لیے ہے کہ جمعہ کی نماز بلاعذر شرعی چھوڑنے پر جو وعید حدیث شریف میں آئی ہے وہ ظہر کے چھوڑنے پر نہیں ہے۔ بلاعذرِ شرعی تین جمعہ مسلسل چھوڑ دینے والے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص بلاعذر شرعی تین جمعہ لگاتار چھوڑ دے گا، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ الغرض ترکِ جمعہ کی صورت میں عقاب سخت ہے اس لیے ظہر سے زیادہ موکد ہے۔ نیز جمعہ میں جو شرطیں ہیں وہ نماز ظہر کے لیے نہیں ہیں۔ (شامی/۳/۴)

ایک سوال اوراس کا جواب

یہاں ایک **سوال** پیدا ہوتا ہے کہ صاحب کتاب نے یہ فرمایا کہ جمعہ مستقل فرض ہے، ظہر کا بدل نہیں ہے۔ یہ صاحب کتاب کے اس قول کے منافی ہے جو انہوں نے نیت کی بحث میں "باب شُرُوطِ الصَّلٰوۃ" کے تحت ذکر کیا ہے کہ وہاں جمعہ کو ظہر کا بدل قرار دیا ہے اور یہاں اس کی نفی فرما رہے ہیں؟

اس سوال کا **جواب** یہ ہے کہ جہاں مصنف نے جمعہ کا بدل ظہر کو قرار دیا ہے وہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ ظہر کے وقت میں اصل کے اعتبار سے ظہر ہی فرض ہے لیکن جمعہ کی وجہ سے ظہر ساقط ہو جاتا ہے اور جمعہ فرض ہو جاتا ہے، اگر چہ جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کا وقت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص جمعہ کے دن جمعہ چھوٹ جانے سے پہلے ظہر کی نماز ادا کرے تو ذمہ سے فرض ساقط ہو جائے گا اور یہ فعل مکروہِ تحریمی ہوگا، جمعہ پڑھنا پڑے گا۔ (شامی/۳/۴)

جمعہ کے دن احتیاطاً ظہر پڑھنے کا شرعی حکم

علامہ ابن نجیم مصریؒ کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق میں لکھتے ہیں کہ: میں نے نمازِ جمعہ کے بعد چار رکعت آخر ظہر کی نیت سے اس اندیشہ کی بنیاد پر پڑھنے سے منع کیا کہ جاہل یہ نہ سمجھیں کہ نمازِ جمعہ فرض نہیں ہے۔ اور اس طرح کا فتویٰ میں نے متعدد بار دیا ہے۔ اور ہمارے زمانے میں احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے، البتہ جس شخص کی طرف سے جمعہ کی فرضیت کے متعلق عقیدہ خراب ہونے کا خطرہ نہ ہو تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ اس چار رکعت کو اپنے گھر میں چھپ کر ادا کرلے۔ (اور ہمارے اس زمانے میں بھی احتیاطاً ظہر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی جانب بعض حضرات یہ منسوب کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک جمعہ فرض نہیں ہے، امام صاحب پر یہ سراسر بہتان تراشی اور الزام ہے)۔

وَيُشْتَرَطُ لِصِحَّتِهَا سَبْعَةُ أَشْيَاءَ : الْأَوَّلُ : الْمِصْرُ وَهُوَ مَا لَا يَسَعُ أَكْبَرُ مَسَاجِدِهِ أَهْلَهُ الْمُكَلَّفِينَ بِهَا وَعَلَيْهِ فَتْوَى أَكْثَرِ الْفُقَهَاءِ. مُجْتَبَى لِظُهُورِ التَّوَانِي فِي الْأَحْكَامِ وَظَاهِرُ الْمَذْهَبِ أَنَّهُ كُلُّ مَوْضِعٍ لَهُ أَمِيرٌ وَقَاضٍ يَقْدِرُ عَلَى إِقَامَةِ الْحُدُودِ كَمَا حَرَّرْنَاهُ فِيمَا عَلَّقْنَاهُ عَلَى الْمُلْتَقَى. وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ : إِذْنُ الْحَاكِمِ بِبِنَاءِ الْجَامِعِ فِي الرُّسْتَاقِ إِذْنٌ بِالْجُمُعَةِ اتِّفَاقًا عَلَى مَا قَالَهُ السَّرَخْسِيُّ وَإِذَا اتَّصَلَ بِهِ الْحُكْمُ صَارَ مُجْمَعًا عَلَيْهِ فَلْيُحْفَظْ أَوْ فِنَاؤُهُ بِكَسْرِ الْفَاءِ وَهُوَ مَا حَوْلَهُ اتَّصَلَ بِهِ أَوْ لَا، كَمَا حَرَّرَهُ ابْنُ الْكَمَالِ وَغَيْرُهُ لِأَجْلِ مَصَالِحِهِ كَدَفْنِ الْمَوْتَى وَرَكْضِ

الْخَيْلِ وَالْمُخْتَارُ لِلْفَتْوَى تَقْدِيرُهُ بِفَرْسَخٍ ذَكَرَهُ الْوَلْوَالِجِيُّ . وَ الثَّانِي : السُّلْطَانُ وَلَوْ مُتَغَلِّبًا أَوْ امْرَأَةً فَيَجُوزُ أَمْرُهَا بِإِقَامَتِهَا لَا إِقَامَتُهَا أَوْ مَأْمُورَهُ بِإِقَامَتِهَا وَلَوْ عَبْدًا وَلِيَ عَمَلَ نَاحِيَةٍ وَإِنْ لَمْ تَجُزْ أَنْكِحَتُهُ وَأَقْضِيَتُهُ . وَاخْتُلِفَ فِي الْخَطِيبِ الْمُقَرَّرِ مِنْ جِهَةِ الْإِمَامِ الْأَعْظَمِ أَوْ مِنْ جِهَةِ نَائِبِهِ هَلْ يَمْلِكُ الِاسْتِنَابَةَ فِي الْخُطْبَةِ ؟ فَقِيلَ لَا مُطْلَقًا أَيْ لِضَرُورَةٍ أَوْ لَا إِلَّا أَنْ يُفَوِّضَ إِلَيْهِ ذَلِكَ (وَقِيلَ إِنْ لِضَرُورَةٍ جَازَ) وَإِلَّا لَا وَقِيلَ نَعَمْ يَجُوزُ مُطْلَقًا بِلَا ضَرُورَةٍ لِأَنَّهُ عَلَى شَرَفِ الْفَوَاتِ لِتَوَقُّتِهِ فَكَانَ الْأَمْرُ بِهِ إِذْنًا بِالِاسْتِخْلَافِ دَلَالَةً وَلَا كَذَلِكَ الْقَضَاءُ وَهُوَ الظَّاهِرُ مِنْ عِبَارَاتِهِمْ . فَفِي الْبَدَائِعِ : كُلُّ مَنْ مَلَكَ الْجُمُعَةَ مَلَكَ إِقَامَةَ غَيْرِهِ وَفِي النُّجْعَةِ فِي تَعْدَادِ الْجُمُعَةِ لِابْنِ جُرْبَاشَ إِنَّمَا يُشْتَرَطُ الْإِذْنُ لِإِقَامَتِهَا عِنْدَ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ ، ثُمَّ لَا يُشْتَرَطُ بَعْدَ ذَلِكَ بَلْ الْإِذْنُ مُسْتَصْحَبٌ لِكُلِّ خَطِيبٍ وَتَمَامُهُ فِي الْبَحْرِ وَمَا قَيَّدَهُ الزَّيْلَعِيُّ لَا دَلِيلَ لَهُ ، وَمَا ذَكَرَهُ مُنْلَا خُسْرُو وَغَيْرُهُ رَدَّهُ ابْنُ الْكَمَالِ فِي رِسَالَتِهِ خَاصَّةً بَرْهَنَ فِيهَا عَلَى الْجَوَازِ بِلَا شَرْطٍ وَأَطْنَبَ فِيهَا وَأَبْدَعَ وَلِكَثِيرٍ مِنْ الْفَوَائِدِ أَوْدَعَ . وَفِي مَجْمَعِ الْأَنْهُرِ :أَنَّهُ جَائِزٌ مُطْلَقًا فِي زَمَانِنَا لِأَنَّهُ وَقَعَ فِي تَارِيخِ خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ وَتِسْعِمِائَةٍ إِذْنٌ عَامٌّ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى . وَفِي السِّرَاجِيَّةِ :لَوْ صَلَّى أَحَدٌ بِغَيْرِ إِذْنِ الْخَطِيبِ لَا يَجُوزُ إِلَّا إِذَا اقْتَدَى بِهِ مَنْ لَهُ وِلَايَةُ الْجُمُعَةِ ، وَيُؤَيِّدُ ذَلِكَ أَنَّهُ يَلْزَمُ أَدَاءُ النَّفْلِ بِجَمَاعَةٍ وَأَقَرَّهُ شَيْخُ الْإِسْلَامِ . مَاتَ وَالِي مِصْرٍ فَجَمَّعَ خَلِيفَتُهُ أَوْ صَاحِبُ الشُّرَطِ بِفَتْحَتَيْنِ حَاكِمُ السِّيَاسَةِ أَوْ الْقَاضِي الْمَأْذُونُ لَهُ فِي ذَلِكَ جَازَ لِأَنَّ تَفْوِيضَ أَمْرِ الْعَامَّةِ إِلَيْهِمْ إِذْنٌ بِذَلِكَ دَلَالَةً فَلِقَاضِي الْقُضَاةِ بِالشَّامِ أَنْ يُقِيمَهَا وَأَنْ يُوَلِّيَ الْخُطَبَاءَ بِلَا إِذْنٍ صَرِيحٍ وَلَا تَقْلِيدِ الْبَاشَا ، وَقَالُوا :يُقِيمُهَا أَمِيرُ الْبَلَدِ ثُمَّ الشُّرَطِيُّ ثُمَّ الْقَاضِي ثُمَّ مَنْ وَلَّاهُ قَاضِي الْقُضَاةِ وَنَصْبُ الْعَامَّةِ الْخَطِيبَ غَيْرُ مُعْتَبَرٍ مَعَ وُجُودِ مَنْ ذُكِرَ أَمَّا مَعَ عَدَمِهِمْ فَيَجُوزُ لِلضَّرُورَةِ. وَجَازَتْ الْجُمُعَةُ بِمِنًى فِي الْمَوْسِمِ فَقَطْ لِـ وُجُودِ الْخَلِيفَةِ أَوْ أَمِيرِ الْحِجَازِ أَوْ الْعِرَاقِ أَوْ مَكَّةَ وَوُجُودِ الْأَسْوَاقِ وَالسِّكَكِ وَكَذَا كُلُّ أَبْنِيَةٍ نَزَلَ بِهَا الْخَلِيفَةُ وَعَدَمُ التَّعْيِيدِ بِمِنًى لِلتَّخْفِيفِ لَا تَجُوزُ لِأَمِيرِ الْمَوْسِمِ لِقُصُورِ وِلَايَتِهِ عَلَى أُمُورِ الْحَجِّ حَتَّى لَوْ أُذِنَ لَهُ جَازَ وَلَا بِعَرَفَاتٍ لِأَنَّهَا مَفَازَةٌ. وَتُؤَدَّى فِي مِصْرٍ وَاحِدٍ بِمَوَاضِعَ كَثِيرَةٍ مُطْلَقًا عَلَى الْمَذْهَبِ وَعَلَيْـهِ الْفَتْوَى شَرْحُ الْمَجْمَعِ لِلْعَيْنِيِّ وَإِمَامَةُ فَتْحِ الْقَدِيرِ دَفْعًا لِلْحَرَجِ ، وَعَلَى الْمَرْجُوحِ فَالْجُمُعَةُ لِمَنْ سَبَقَ تَحْرِيمَةً وَتَفْسُدُ بِالْمَعِيَّةِ وَالِاشْتِبَاهِ ، فَيُصَلِّي بَعْدَهَا آخِرَ ظُهْرٍ ، وَكُلُّ ذَلِكَ

خِلَافُ الْمَذْهَبِ، فَلَا يُعَوَّلُ عَلَيْهِ كَمَا حَرَّرَهُ فِي الْبَحْرِ وَفِي مَجْمَعِ الْأَنْهُرِ مَعْزِيًّا لِلْمَطْلَبِ، وَالْأَحْوَطُ نِيَّةُ آخِرِ ظُهْرٍ أَدْرَكْتُ وَقْتَهُ لِأَنَّ وُجُوبَهُ عَلَيْهِ بِآخِرِ الْوَقْتِ فَتَنَبَّهْ.

صحت جمعہ کے لیے شرطیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کے لیے سات شرطیں حضرات فقہائے کرام نے بیان فرمائی ہیں، جو ذیل میں اولاً اجمالاً درج کی جاتی ہیں، پھر تفصیل کے ساتھ بیان کی جائیں گی:

(۱) شہر کا ہونا۔ (۲) بادشاہ کا ہونا۔ (۳) ظہر کا وقت ہونا۔ (۴) خطبہ پڑھنا۔
(۵) خطبہ کا جمعہ کی نماز سے پہلے ہونا۔ (۶) جماعت کا ہونا۔ (۷) مسجد میں عام اجازت ہونا۔

اب ہم اس اجمال کے بعد اس کی تفصیل کر رہے ہیں۔

نماز جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے پہلی شرط شہر کا ہونا ہے

نماز جمعہ کی صحت کے لیے حضرات فقہائے کرام نے پہلی شرط شہر کا ہونا قرار دیا ہے۔اور شہر کا مطلب یہ ہے کہ ایسی بڑی آبادی جس کی سب سے بڑی مسجد میں اس کے وہ تمام باشندے نہ سما سکیں جن پر جمعہ کی نماز فرض ہے اور اسی پر اکثر فقہاءِ کرام کا فتویٰ ہے، جیسا کہ مجتبیٰ نامی کتاب میں مذکور ہے۔اور یہ فتویٰ اس لیے دیا گیا ہے کہ احکام پر عمل کرنے میں لوگ سستی کرنے لگے ہیں۔اور ظاہر مذہب کے مطابق شہر ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں امیر، قاضی ہو جو شرعی حدود کے قائم کرنے کی قدرت رکھتا ہو، جیسا کہ ہم نے اس کو ملتقی الابحر کے حاشیہ میں صاف طور پر لکھ دیا ہے۔اور قہستانی نامی کتاب میں ہے کہ اگر حاکم کسی گاؤں دیہات میں جامع مسجد تعمیر کرنیکی اجازت دے تو اس کی یہ اجازت متفقہ طور پر جمعہ کی اجازت مانی جائے گی، جیسا کہ اس کو امام سرخسی نے بیان کیا ہے۔اور جب اس اجازت کی وجہ سے جمعہ کی اجازت حاصل ہوگئی تو اب بالاجماع جمعہ کی نماز تسلیم کی جائے گی لہٰذا اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ قصبہ کبیرہ اور قریۂ کبیرہ جس میں بازار بھی ہو اور حاکم وقت وہاں جامع مسجد بنانے کی اجازت دیدے اور جمعہ کے ادا کرنیکی اجازت دیدے تو وہاں جمعہ جائز ہے۔اور اس کے بعد کوئی اختلاف باقی نہیں رہ جاتا ہے، بلکہ مسئلہ متفق علیہ ہو جاتا ہے، البتہ قریہ صغیرہ جہاں قاضی وغیرہ نہ ہو وہاں جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے۔ (شامی/۳/۶)

فناءِ مصر کا حکم

نماز جمعہ کی صحت کے لیے شہر کا ہونا شرط ہے اور اگر شہر نہ ہو بلکہ فنائے شہر ہو تو اس میں بھی جمعہ کی نماز جائز ہے۔اور

فنائے شہر سے مراد وہ جگہ ہے جو شہر کے ارد گرد ہو اور شہر کے منافع کے لیے ہو جیسے قبرستان اور گھوڑ دوڑ کی جگہ، خواہ یہ جگہ شہر سے بالکل متصل ہو یا شہر سے متصل نہ ہو، جیسا کہ ابن الکمالؒ وغیرہ نے اس کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ اور فنائے شہر کے متعلق فتویٰ کے لیے مختار مذہب یہ ہے کہ اس کا تعین ایک فرسخ یعنی تین میل کہا جائے گا اس کو ولوالجی نے ذکر کیا ہے۔

فنائے مصر کے بارے میں علامہ شامیؒ کی تحقیق انیق

حضرت علامہ ابن عابدین شامیؒ نے لکھا ہے کہ بعض محققین علماء نے فناءِ مصر کی تعریف کر کے مطلق چھوڑ دیا ہے اور اس کی کچھ حد متعین نہیں کی ہے اور بعض محققین علماء نے اس کی مسافت بھی متعین کر دی ہے، چنانچہ فنائے مصر کی مسافت کی تحدید کے متعلق کم وبیش نو اقوال ہیں بعض نے اس کی تحدید ایک میل، بعض نے دو میل، بعض نے تین میل سے کی ہے۔ اور بعض علماء نے یہ فرمایا کہ جہاں تک شہر کی آواز پہنچتی ہو، یا جہاں اذان کی آواز جاتی ہو وہ سب فناءِ مصر میں داخل ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ فنائے مصر کی تحدید ہر شہر کی اپنی ضرورت کے لحاظ سے کی جائے گی، اس لئے مطلق رکھنا ہی بہتر ہے۔ (شامی/۳/۷)

نمازِ جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے دوسری شرط بادشاہ کا ہونا ہے

نماز جمعہ کی صحت کے لیے دوسری شرط بادشاہ کا ہونا ہے، اگر چہ اس نے غلبہ حاصل کر کے یہ حیثیت حاصل کی ہو، یا بادشاہ عورت ہو لہٰذا اس کے حکم سے جمعہ قائم کرنا درست ہوگا، لیکن خود اس عورت کا جمعہ ادا کرنا اس حیثیت سے کہ وہ امام بن کر جمعہ پڑھائے یا خطبہ دے جائز نہیں ہے۔ یا جس آدمی کو سلطان وقت نے جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی ہے اگر وہ غلام ہی کیوں نہ ہو کہ اس کو کسی علاقہ کا عامل بنایا گیا ہو (تو اس کی اجازت سے بھی جمعہ قائم کرنا جائز ہے) لیکن اس مامور غلام کے کیے ہوئے نکاح اور کیے ہوئے فیصلے اور مقدمات جائز نہ ہوں گے، اس لیے کہ یہ دونوں امر اس کے نافذ ہوتے ہیں جس کو غیر پر حق ولایت حاصل ہو اور غلام کو خود اپنے نفس پر ولایت حاصل نہیں ہے، اس کا مالک کوئی دوسرا ہوتا ہے، لہٰذا غلام مالک بن کر نکاح اور مقدمات میں فیصلے نہیں کر سکتا ہے۔

خطیب کا اپنا نائب مقرر کرنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایسا خطیب جو خلیفہ کی طرف سے یا اس کے نائب کی طرف سے متعین ہو اس میں اختلاف ہے کہ وہ بطور خود اپنی مرضی سے حاکم کی اجازت کے بغیر اپنی جگہ دوسرے کو خطیب بنا سکتا ہے یا نہیں؟ تو بعض علماء نے فرمایا کہ اسے ایسا کرنے کی اجازت بالکل نہیں ہے، خواہ ضرورت کی وجہ سے نائب مقرر کر رہا ہو یا بلا ضرورت، البتہ

اگر خلیفہ نے اس کو بطور مختار خطیب بنا دیا ہو تو پھر دوسرا خطیب متعین کرنا جائز ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ اگر خلیفہ کا مقرر کردہ خطیب اس طرح کسی ضرورت کی وجہ سے کرے تو یہ جائز ہے۔ اور اگر بلا ضرورت دوسرے کو خطیب بنا دیا تو پھر جائز نہیں ہے۔ اور اس بارے میں بھی تیسرا قول یہ ہے کہ بلا ضرورت بھی اس کو نائب بنانے کی اجازت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کا وقت ایک محدود وقت ہے، اس کے نکل جانے سے جمعہ فوت ہو جاتا ہے، لہٰذا جب اس کو ادائے جمعہ کی اجازت ہے تو ضمنی طور پر اس کو اپنا نائب مقرر کرنے کی بھی اجازت ہوگی، البتہ قاضی بنانے میں یہ صورت نہیں ہوگی، کیوں کہ وہ محدود وقت میں محصور نہیں ہوتا ہے، لہٰذا قاضی اپنا نائب حاکم وقت کی اجازت کے بغیر نہیں بنا سکتا ہے، چنانچہ یہی بات حضرات فقہائے کرام کی عبارتوں سے ظاہر ہے۔

اور بدائع الصنائع میں ہے کہ ہر وہ شخص جو جمعہ کا مالک ہے اور جمعہ قائم کرنے کا مختار ہے وہ اس بات کا بھی مختار ہوگا کہ وہ اپنا نائب کسی غیر کو بنا دے۔ اور علامہ ابن جرباش کی تصنیف "النجعة في تعداد الجمعة" میں لکھا ہے کہ جمعہ کے قائم کرنے کی اجازت کی شرط صرف مسجد بنانے کے وقت ہے اس کے بعد اجازت حاصل کرنا شرط نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مسجد بناتے وقت اقامت جمعہ کی اجازت حاصل ہو گئی ہے تو اب دوبارہ اجازت حاصل کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ ہر خطیب کو سابقہ اجازت باقی رہتی ہے۔ اور اس کی پوری تفصیل کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق میں ہے۔ اور علامہ زیلعی نے جو یہ قید لگائی ہے کہ خطیب اپنا نائب اس وقت مقرر کر سکتا ہے جب بے وضو ہو جائے اس کے علاوہ میں اپنا نائب متعین نہیں کر سکتا ہے، اس دعویٰ پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور جس کو ملا خسرو وغیرہ نے بیان کیا ہے، علامہ ابن الکمال نے اس کا اپنے ایک خاص رسالہ میں رد کیا ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ بادشاہ کی اجازت کی شرط کے بغیر بھی خلیفہ بنانا جائز ہے۔ اور اپنے اس دعویٰ کو دلائل سے مدلل کیا ہے۔ اور ابن الکمال نے اس رسالہ میں نئے طریقے سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور بہت سے فوائد پر روشنی ڈالی ہے۔ اور مجمع الانہر نامی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ ہمارے اس زمانے میں خطیب کو اپنا نائب مقرر کرنے کا مطلقاً اختیار ہے، خواہ اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو، اس لئے کہ ۹۴۵ھ میں بادشاہ کی طرف سے عام اجازت مل گئی ہے کہ ہر خطیب اپنا نائب بنا سکتا ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔ علامہ شامی اس فتویٰ پر تعلیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ غالباً شارح کے زمانے کے علماء کا فتویٰ مراد ہے، لہٰذا یہ فتویٰ ہمیشہ ہر زمانے کے لئے عام نہ ہوگا۔ (شامی/۱۲/۳)

اور فتاویٰ سراجیہ میں ہے کہ اگر کسی شخص نے خطیب کی اجازت کے بغیر جمعہ کی نماز پڑھائی تو جمعہ کی نماز جائز نہ ہوگی، ہاں اگر اس کی اقتداء وہ شخص کرے جس کو جمعہ قائم کرنے کا اختیار ہے تو ضمناً اجازت سمجھی جائے گی اور نماز درست ہوگی۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اگر جمعہ کی نماز صحیح نہ مانی جائے تو نفل نماز جماعت سے ادا کرنا لازم آئے گا جو

مکروہ تحریمی ہے۔اور شیخ الاسلام نے اسی کو باقی رکھا ہے۔(مگر شیخ حلبی نے لکھا ہے کہ نفل کی وہ جماعت مکروہ ہے جو نفل کی نیت سے شروع کی جائے اور جو نماز فرض کی نیت سے شروع کی گئی ہو اور وہ نفل بن گئی تو اس کی جماعت مکروہ نہیں ہے)۔ (کشف الاسرار/۲/۲۳)

قاضی اور حاکم کے مرنے کی صورت میں خلیفہ کا جمعہ قائم کرنا

شہر کے والی کا انتقال ہو گیا (یا فتنہ کے اندیشہ سے حاضر جمعہ نہیں ہوا) چنانچہ اس والی کے نائب نے یا حاکم فوجداری نے یا اس قاضی نے جمعہ پڑھایا جس کو جمعہ پڑھانے کی اجازت حاصل تھی تو یہ جائز ہے اور جمعہ کی نماز درست ہو جائے گی، اس لئے کہ جب عوام الناس کے معاملات ان کے ذمہ سپرد ہیں تو ضمناً جمعہ قائم کرنے کی بھی اجازت حاصل ہوگی، لہٰذا شام کے قاضی القضاۃ کے لئے جمعہ قائم کرنا اور بادشاہ کی صریح اجازت کے بغیر خطیبوں کو اختیار دینا جائز ہے۔

اقامت جمعہ میں ترتیب کا لحاظ رکھنا

حضرات فقہائے کرام نے جمعہ قائم کرنے کے اختیار کے متعلق یہ ترتیب بیان کی ہے کہ سب سے پہلے جمعہ قائم کرنے کا حقدار حاکم شہر ہے، پھر اس کے بعد حاکم سیاست ہے، پھر قاضی شہر ہے، پھر وہ شخص ہے جس کو قاضی القضاۃ نے مقرر کیا ہو۔ مذکورہ لوگوں کے ہوتے ہوئے عام لوگوں کا خطیب مقرر کرنا نا قابل اعتبار ہے، البتہ اگر مذکورہ حضرات میں سے کوئی بھی شخص جمعہ قائم کرنے کے لئے موجود نہ ہو تو ضرورت کے وقت عوام خطیب مقرر کر سکتے ہیں۔(اور مبسوط میں ہے کہ اگر حاکم کافر ہو تو اس صورت میں مسلمانوں کے لئے از خود جمعہ قائم کرنا درست ہے اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی قاضی ہو جائے گا، پھر اس قاضی پر شرعی اعتبار سے یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ مسلمانوں سے درخواست کرے کہ وہ اپنا مسلمان امیر منتخب کرلیں)۔ (شامی/۳/۱۴)

منیٰ میں جمعہ قائم کرنا کب درست ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صرف حج کے موسم میں منیٰ کے اندر جمعہ جائز ہے، کیوں کہ اس وقت خلیفہ یا امیر حجاز یا امیر عراق یا امیر مکہ موجود رہتا ہے اور اس وقت بازار اور گلی کوچے بھی ہوتے ہیں۔اسی طرح ان تمام جگہوں پر جمعہ جائز ہے جہاں خلیفہ موجود ہو۔(حاصل کلام یہ ہے کہ منیٰ حج کے موسم میں شہر کے حکم میں ہو جاتا ہے اور کوئی نہ کوئی خلیفہ یا حاکم وقت موجود ہوتا ہے اس لئے جمعہ درست ہے۔اور ایام حج کے علاوہ میں منیٰ گاؤں کے حکم میں رہتا ہے، اس لئے جمعہ جائز

نہیں ہوتا ہے۔ اور خلیفہ جب اپنے ملک کا دورہ کرتا ہے تو اگر چہ وہ مسافر کے حکم میں ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود جس شہر میں اترے گا جمعہ درست ہوگا اس لئے کہ اس کی ولایت عام ہے)۔ (شامی/۳/۱۵)

اور منیٰ میں حاجیوں پر اس لئے عید کی نماز نہیں ہے کہ وہ حج کے افعال میں مشغول ہوتے ہیں لہٰذا آسانی اور سہولت کے پیش نظر حجاج کرام سے عید کی نماز ساقط کردی گئی ہے۔ حج کے امیر کے موجود ہونے کے باوجود جمعہ کی نماز درست نہ ہوگی، اس لئے کہ اس کی ولایت صرف امورِ حج تک محدود ہے، البتہ اگر حاکم وقت امیر حج کو جمعہ قائم کرنیکی اجازت دیدے تو پھر جمعہ جائز ہوگا۔

میدان عرفات میں جمعہ کی نماز کا حکم

میدانِ عرفات چوں کہ جنگل ہے اور شہر سے بالکل باہر ہے اس لئے جمعہ کی نماز میدان عرفات میں درست نہیں ہے۔ میدانِ عرفات میں کوئی عمارت نہیں ہے صرف میدان ہی میدان ہے اس لئے جمعہ جائز نہ ہوگا۔ اس کے برخلاف منیٰ میں جمعہ جائز ہوگا، اس لئے کہ منی کے اندر عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔

ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ ادا کرنے کا حکم

ایک شہر میں متعدد جگہوں پر جمعہ ادا کرنا جائز ہے اور جمعہ ادا ہو جاتا ہے، خواہ شہر چھوٹا ہو یا بڑا، اس شہر کے درمیان سے نہر کبیر جاری ہو یا نہر کبیر جاری نہ ہو۔ اور ایک شہر میں دو یا دو سے زیادہ مسجدوں میں جمعہ ادا کرنا ظاہر مذہب کے مطابق جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، جیسا کہ علامہ عینی کی شرح مجمع اور فتح القدیر کے باب الامامہ میں لکھا ہے۔ اور ایک شہر میں متعدد جمعہ کے جواز کا قول دفع حرج اور تکلیف دور کرنے کے لئے ہے، تا کہ لوگ حرج اور پریشانی میں مبتلا نہ ہوں، اور جمعہ ادا کرنے کے واسطے زیادہ دور نہ چلنا پڑے۔

تعدد جمعہ کا جواز نہ مانا جائے تو جمعہ کا حکم

اگر قول مرجوح پر عمل کرتے ہوئے یہ مان لیا جائے کہ ایک شہر میں صرف ایک جگہ جمعہ جائز ہے متعدد مقامات پر جمعہ جائز نہیں ہے تو اس صورت میں اس مسجد کا جمعہ درست ہوگا جس کا تحریمہ پہلے ہوگا اور اس مسجد کا جمعہ فاسد ہوگا جس کا تحریمہ بعد میں ہوگا معیت اور اشتباہ کی صورت میں جب جمعہ فاسد ہوگا تو ایسے لوگوں کو جمعہ کی سنتوں کے بعد چار رکعت آخر ظہر کی نیت سے ظہر پڑھنی ہوگی، لیکن سب کے سب قوی مذہب کے خلاف ہے لہٰذا اس پر اعتماد مکمل طور پر نہیں کیا جا سکتا ہے جیسا کہ

البحرالرائق میں بیان کیا گیا ہےاور مجمع الانہر نامی کتاب میں مطلب کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے کہ سب سے زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ نیت اس طرح کرے کہ سب سے بعد والا ظہر جس کو میں نے پایا ہے اور ابھی ادا نہیں کیا ہے وہ ادا کر رہا ہوں، اس لئے کہ اس پر ظہر کا وجوب اخیر وقت میں ہوگا، لہٰذا اس مسئلہ کو خوب غور سے سن لو اور محفوظ رکھو۔

وَ الثَّالِثُ وَقْتُ الظُّهْرِ فَتَبْطُلُ الْجُمُعَةُ بِخُرُوجِهِ مُطْلَقًا وَلَوْ لَاحِقًا بِعُذْرِ نَوْمٍ أَوْ زَحْمَةٍ عَلَى الْمَذْهَبِ لِأَنَّ الْوَقْتَ شَرْطُ الْأَدَاءِ لَا شَرْطُ الِافْتِتَاحِ . وَ الرَّابِعُ : الْخُطْبَةُ فِيهِ فَلَوْ خَطَبَ قَبْلَهُ وَصَلَّى فِيهِ لَمْ تَصِحَّ . وَ الْخَامِسُ : كَوْنُهَا قَبْلَهَا لِأَنَّ شَرْطَ الشَّيْءِ سَابِقٌ عَلَيْهِ بِحَضْرَةِ جَمَاعَةٍ تَنْعَقِدُ الْجُمُعَةُ بِهِمْ وَلَوْ كَانُوا صُمًّا أَوْ نِيَامًا فَلَوْ خَطَبَ وَحْدَهُ لَمْ يَجُزْ عَلَى الْأَصَحِّ كَمَا فِي الْبَحْرِ عَنِ الظَّهِيرِيَّةِ، لِأَنَّ الْأَمْرَ بِالسَّعْيِ لِلذِّكْرِ لَيْسَ إِلَّا لِاسْتِمَاعِهِ وَالْمَأْمُورُ جَمْعٌ وَجَزَمَ فِي الْخُلَاصَةِ بِأَنَّهُ يَكْفِي حُضُورُ وَاحِدٍ وَكَفَتْ تَحْمِيدَةٌ أَوْ تَهْلِيلَةٌ أَوْ تَسْبِيحَةٌ لِلْخُطْبَةِ الْمَفْرُوضَةِ مَعَ الْكَرَاهَةِ وَقَالَا : لَا بُدَّ مِنْ ذِكْرٍ طَوِيلٍ وَأَقَلُّهُ قَدْرُ التَّشَهُّدِ الْوَاجِبِ بِنِيَّتِهَا ، فَلَوْ حَمِدَ لِعُطَاسِهِ أَوْ تَعَجُّبًا لَمْ يَنُبْ عَنْهَا عَلَى الْمَذْهَبِ كَمَا فِي التَّسْمِيَةِ عَلَى الذَّبِيحَةِ ، لَكِنَّهُ ذَكَرَ فِي الذَّبَائِحِ أَنَّهُ يَنُوبُ فَتَأَمَّلْ. وَيُسَنُّ خُطْبَتَانِ خَفِيفَتَانِ وَتُكْرَهُ زِيَادَتُهُمَا عَلَى قَدْرِ سُورَةٍ مِنْ طِوَالِ الْمُفَصَّلِ بِجَلْسَةٍ بَيْنَهُمَا بِقَدْرِ ثَلَاثِ آيَاتٍ عَلَى الْمَذْهَبِ وَتَارِكُهَا مُسِيءٌ عَلَى الْأَصَحِّ كَتَرْكِهِ قِرَاءَةَ قَدْرِ ثَلَاثِ آيَاتٍ ، وَيَجْهَرُ بِالثَّانِيَةِ لَا كَالْأُولَى وَيَبْدَأُ بِالتَّعَوُّذِ سِرًّا. وَيُنْدَبُ ذِكْرُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ وَالْعَمَّيْنِ لَا الدُّعَاءُ لِلسُّلْطَانِ وَجَوَّزَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ، وَيُكْرَهُ تَحْرِيمًا وَصْفُهُ بِمَا لَيْسَ فِيهِ ، وَيُكْرَهُ تَكَلُّمُهُ فِيهَا إِلَّا لِأَمْرٍ بِمَعْرُوفٍ لِأَنَّهُ مِنْهَا ، وَمِنَ السُّنَّةِ جُلُوسُهُ فِي مَخْدَعِهِ عَنْ يَمِينِ الْمِنْبَرِ وَلُبْسُ السَّوَادِ وَتَرْكُ السَّلَامِ مِنْ خُرُوجِهِ إِلَى دُخُولِهِ فِي الصَّلَاةِ . وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : إِذَا اسْتَوَى عَلَى الْمِنْبَرِ سَلَّمَ مُجْتَبَى وَطَهَارَةٌ وَسَتْرُ عَوْرَةٍ قَائِمًا وَهَلْ هِيَ قَائِمَةٌ مَقَامَ رَكْعَتَيْنِ؟ الْأَصَحُّ لَا، ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ كَشَطْرِهَا فِي الثَّوَابِ ؛ وَلَوْ خَطَبَ جُنُبًا ثُمَّ اغْتَسَلَ وَصَلَّى جَازَ ، وَلَوْ فَصَلَ بِأَجْنَبِيٍّ فَإِنْ طَالَ بِأَنْ رَجَعَ لِبَيْتِهِ فَتَغَدَّى أَوْ جَامَعَ وَاغْتَسَلَ اسْتَقْبَلَ خُلَاصَةٌ : أَيْ لُزُومًا لِبُطْلَانِ الْخُطْبَةِ سِرَاجٌ ، لَكِنْ سَيَجِيءُ أَنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ اتِّحَادُ الْإِمَامِ وَالْخَطِيبِ .

نماز جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے تیسری شرط ظہر کا وقت ہونا ہے

صاحب کتاب حضرت علامہ علاء الدین حصکفی صحت جمعہ کے لئے تیسری شرط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صحت جمعہ

کے لئے ظہر کا وقت ہونا شرط ہے لہٰذا اگر جمعہ کی نماز ادا کرتے ہوئے ظہر کا وقت نکل جائے تو اس صورت میں جمعہ کی نماز مطلقاً باطل ہوجائے گی، اگرچہ مقتدی سونے یا بھیڑ کی عذر کی وجہ سے لاحق بن گیا ہو، اس مسلہ میں قابل اعتماد ... یہی ہے اس لئے کہ ظہر کا وقت ہونا ادائیگی جمعہ کے لئے شرط ہے، وقت کے اندر صرف شروع کرنا شرط نہیں ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اگر جمعہ کی نماز ادا کرتے ہوئے عصر کا وقت داخل ہوجائے تو جمعہ کی نماز باطل نہیں ہوگی یہ قول درست نہیں ہے، مثال کے طور پر نوادر میں مذکور ہے کہ ایک امام نماز جمعہ پڑھا رہا تھا اور ایک مقتدی بھیڑ کی وجہ سے رکوع وسجدہ پر قادر نہیں ہوسکا یہاں تک کہ امام نے سلام پھیر دیا اس کے بعد فوراً عصر کا وقت داخل ہوگیا تو وہ مقتدی جمعہ کی نماز پوری کرے گا، نوادر کا یہ مسئلہ درست نہیں ہے بلکہ غلط ہے)۔ (شامی/۳/۱۹)

صحت جمعہ کے لئے چوتھی شرط خطبہ کا ہونا

جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کے لئے چوتھی شرط یہ ہے کہ جمعہ کے وقت کے اندر اندر خطبہ پڑھا جائے، چنانچہ اگر کسی نے دخول وقت سے پہلے خطبہ پڑھا اور وقت کے داخل ہونے کے بعد جمعہ ادا کیا تو اس صورت میں جمعہ کی نماز درست نہ ہوگی، اس لئے کہ جمعہ کا خطبہ وقت کے اندر دینا شرط ہے۔

صحت جمعہ کے لئے پانچویں شرط خطبہ کا نماز سے پہلے ہونا ہے

نماز جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے پانچویں شرط یہ ہے کہ خطبہ نماز سے پہلے پڑھا جائے، اس لئے کہ شئی کی شرط شئی پر مقدم ہوتی ہے اور خطبہ جمعہ کے لئے شرط ہے لہٰذا نماز جمعہ پر مقدم ہونا بھی ضروری ہے، اگر نماز سے پہلے خطبہ نہ پڑھا جائے تو جمعہ کی نماز نہ ہوگی۔

مسئلہ: جو جمعہ کی نماز پڑھائے اسی کے لیے خطبہ دینا ضروری نہیں ہے، چنانچہ خلاصہ نامی کتاب میں صراحت ہے کہ اگر سلطان کی اجازت سے کسی بچے نے خطبہ پڑھ دیا اور نمازِ جمعہ کسی بالغ شخص نے پڑھایا تو یہ جائز ہے، جمعہ کی نماز بلا کسی کراہت کے ہوجائے گی۔ (شامی/۳/۱۹)

خطبہ جمعہ کن لوگوں کی موجودگی میں پڑھا جائے؟

اور خطبہ جمعہ ان لوگوں کی موجودگی میں امام پڑھے جن کی موجودگی سے جمعہ کی نماز منعقد ہوتی ہے، یعنی حاضرین عاقل، بالغ، آزاد اور مرد ہوں، اگرچہ بہرے اور سوئے ہوئے کیوں نہ ہوں۔ (معلوم ہوا کہ صحت جمعہ کے لیے حاضرین کے لیے

خطبہ سننا ضروری نہیں ہے، بلکہ ان کا موجود رہنا ضروری ہے) چنانچہ اگر امام اکیلا خطبہ پڑھے اور کوئی بھی شخص موجود نہ ہو تو قولِ اصح کے مطابق جمعہ کی نماز درست نہ ہوگی، جیسا کہ اس مسئلہ کو صاحب البحرالرائق نے فتاویٰ ظہیریہ سے نقل کیا ہے، اس لئے کہ جمعہ کے دن مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ذکر کے لئے سعی کرو ﴿فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ﴾ اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ اور سعی الی الذکر کا حکم صرف سننے کے لئے دیا گیا ہے۔ اور جس لفظ کے ذریعہ حکم دیا گیا ہے وہ جمع کا صیغہ ہے، لہٰذا صرف ایک شخص کا حاضر ہونا کافی نہیں ہوگا۔ اور نمازِ جمعہ کی صحت کے لئے سوتے ہوئے اور بہرے کا پایا جانا اس لئے کافی ہے کہ اگرچہ سننا نہیں پایا جاتا ہے، لیکن خطیب کے سامنے موجود تو ہوتے ہیں، اگر عذر نہ ہوتا تو ضرور سنتے۔ اور خلاصہ نامی کتاب میں تصریح ہے کہ اگر خطبہ کے وقت خطیب کے سامنے ایک مقتدی ہو تو بھی کافی ہے۔ (مگر علامہ شامیؒ نے اس کی صراحت کی ہے کہ خلاصہ کا یہ قول صحیح نہیں ہے)۔

صحت جمعہ کے لئے کتنا لمبا خطبہ ضروری ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ خطبۂ مفروضہ ایک مرتبہ اَلحَمدُ لِلّٰہ یا ایک مرتبہ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ یا ایک مرتبہ سُبحَانَ اللّٰہ کہنے سے کراہت کے ساتھ ادا ہو جائے گا، یعنی ایک مرتبہ سُبحَانَ اللّٰہ یا اَلحَمدُ لِلّٰہ کہنا خطبہ میں فرض ادا ہونے کے لئے کافی ہے، لیکن اس قدر اختصار کے ساتھ خطبہ پڑھنا مکروہ ہے۔ اور حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ خطبہ میں طویل ذکر ضروری ہے، جس کی کم از کم مقدار تشہدِ واجب کے برابر ہے۔ اور ایک مرتبہ سُبحَانَ اللّٰہ، اَلحَمدُ لِلّٰہ کہنے سے خطبہ اس وقت ادا ہوگا جب خطبہ کی نیت سے کہے، چنانچہ اگر چھینکنے کی وجہ سے اَلحَمدُ لِلّٰہ کہا، یا کسی تعجب خیز چیز کو دیکھ کر سُبحَانَ اللّٰہ کہا تو اصح مذہب کے مطابق یہ خطبہ کے قائم مقام نہیں ہوگا۔ جس طرح کہ جانور ذبح کرتے وقت اگر چھینکنے والے نے اَلحَمدُ لِلّٰہ کہا تو تسمیہ علی الذبیحہ کے قائم مقام نہیں ہوگا۔ لیکن حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب الذبائح میں لکھا ہے کہ چھینکنے والے کا اَلحَمدُ لِلّٰہ کہنا خطبہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے، لہٰذا اس مسئلہ میں خوب غور کر لیا جائے۔

خطبہ کا مسنون طریقہ

مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جمعہ میں دو ہلکے خطبے مسنون ہیں۔ اور دونوں خطبوں کو اس قدر لمبا کرنا کہ طوال مفصل میں سے کسی سورت کے برابر ہو جائے مکروہ ہے، جس طرح کہ اس طرح مختصر خطبہ دینا کہ تین آیت سے بھی کم ہو مکروہ ہے اور معتمد مذہب کے مطابق دونوں خطبوں میں تین آیت کی مقدار بیٹھنا مسنون ہے۔ اور دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کو چھوڑنے والا شخص اصح قول کے مطابق برا کرنے والا ہے۔ (اور خطیب دو خطبوں کے درمیان منبر پر اتنی دیر تک بیٹھا رہے کہ

تمام اعضاء اپنی جگہ پر آجائیں اور دونوں خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز نہیں ہے)۔

خطبہ بلند آواز سے پڑھنا

جمعہ کے دونوں خطبوں کو بلند آواز سے پڑھنا چاہیے لیکن پہلے خطبہ کی بہ نسبت دوسرے خطبہ میں آواز پست رکھنی چاہیے۔ اور خطبہ شروع کرنے سے پہلے آہستہ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم پڑھے (اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرے پھر شہادتین اور درود شریف پڑھے، پھر مسلمان حاضرین کو کچھ نصیحت کرے اور قرآن کریم کی آیات پڑھے۔ اور قرآنی آیات پڑھنے سے پہلے صرف اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم پڑھے، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم نہ پڑھے)۔ (شامی/٣/٢١) اور مستحب یہ ہے کہ خطبہ میں حضرات خلفائے راشدین کا ذکر کرے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کے دونوں چچا حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ذکر کرے۔ اور سلطان وقت کے لئے خطبہ میں دعاء مانگنا مستحب نہیں ہے۔ علامہ قہستانی نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اور بادشاہ کے ایسے اوصاف بیان کرنا جو اس میں نہ ہوں مکروہ تحریمی ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہیے۔

خطبہ کے دوران چہرہ اِدھر اُدھر گھمانا

علامہ شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے منہاج النووی میں دیکھا ہے کہ خطبہ دیتے وقت خطیب کو دائیں جانب اور بائیں جانب التفات نہیں کرنا چاہیے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اپنی شرح میں فرمایا کہ یہ حکم اس لئے ہے کہ یہ بدعت ہے۔ سنت طریقہ یہ ہے کہ خطیب اپنا چہرہ حاضرین کی طرف رکھے اور قبلہ کا استدبار کرے، اس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح خطبہ دیتے تھے۔ (شامی/٣/٢١)

خطبہ کے دوران گفتگو کرنا

خطیب کے لئے دورانِ خطبہ بلا ضرورت گفتگو کرنا مکروہ ہے البتہ اگر گفتگو کے ذریعہ نیکی کا حکم کرنا ہو تو دوران خطبہ کلام کرنا مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ یہ بھی خطبہ ہی میں داخل ہے، کیوں کہ اچھی باتوں کا حکم کرنا خطبہ کا جزو ہے۔ البتہ علامہ طحاوی نے دورانِ خطبہ بات کرنے کو مکروہ تحریمی لکھا ہے۔

وہ امور جو خطیب کے لئے سنت ہیں

سنت یہ ہے کہ خطیب اپنے منبر کی دائیں جانب بیٹھے، اور کالا لباس پہنے اور جب اپنی جگہ سے خطبہ دینے کے لئے نکلے اس

وقت سے لے کر نماز میں داخل ہونے تک کسی کو سلام نہ کرے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب امام منبر پر تشریف لیجائے اور ٹھیک سے بیٹھ جائے تو حاضرین کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے، جیسا کہ یہ مسئلہ مجتبیٰ نامی کتاب میں مذکور ہے۔

مخدع: اس خلوت خانہ کو کہا جاتا ہے جو پہلے زمانے میں مسجدوں میں بنا ہوا ہوتا تھا، اب اس کا رواج ختم ہو چکا ہے۔ اور خطبہ سے پہلے امام کے لئے مسجد کے محراب میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ (شامی/۳/۲۳)

خطبہ دیتے وقت خطیب کا پاک رہنا اور ستر کا چھپانا

اور خطیب کے لئے یہ بھی سنت ہے کہ خطبہ دیتے وقت باوضو رہے اور ستر کو چھپائے رکھے۔ اور کھڑے ہو کر خطبہ دینا مسنون ہے۔ (شرح منیہ میں ان چیزوں کو واجبات میں شمار کیا ہے، یعنی باوضو ہو کر خطبہ دینا، اسی طرح ستر چھپا کر خطبہ دینا اور کھڑے ہو کر خطبہ دینا واجب ہے۔ لیکن اصح بات یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں سنت ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص بے وضو خطبہ دے یا خطبہ بیٹھ کر دے یا خطبہ دیتے وقت ستر کھل جائے تو ان صورتوں میں خطبہ کا اعادہ واجب نہ ہوگا۔ (شامی/۳/۲۳)

کیا خطبہ دو رکعت نماز کے قائم مقام ہے

اب یہاں **سوال** یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ خطبہ جو نماز جمعہ سے قبل دیا جاتا ہے دو رکعت کے قائم مقام ہوتا ہے؟ اس کا **جواب** یہ ہے کہ اصح قول کے مطابق خطبہ دو رکعت کے قائم مقام نہیں ہوتا ہے۔ اسی کو علامہ زیلعی نے ذکر کیا ہے، البتہ خطبہ ثواب کے اعتبار سے نماز جمعہ کے جزو کی طرح ہے، خطبہ واقعی دو رکعت نماز کے قائم مقام نہیں ہے۔

جنابت کی حالت میں خطبہ دینا

اگر کسی شخص پر غسل جنابت واجب تھا اور اس نے جنابت کی حالت ہی میں خطبہ دیدیا اس کے بعد غسل کیا اور پاک ہو کر نماز جمعہ پڑھائی تو یہ نماز اور خطبہ دونوں ہی جائز ہیں، لیکن اس صورت میں افضل یہ ہے کہ خطبہ لوٹا لے اور دوبارہ خطبہ دے کر نماز جمعہ ادا کرے۔ (شامی/۳/۲۴)

خطبہ اور نماز کے درمیان فصل کرنے کا حکم

اگر امام نے خطبہ اور نماز کے درمیان کسی اجنبی کام کے ذریعہ فصل کر دیا اور اس قدر طویل فصل کر دیا کہ امام اپنے گھر جا کر کھانا کھائے، یا گھر جا کر بیوی سے جماع کر کے غسل بھی کر کے واپس آجائے تو اس قدر طویل فصل ہو جانے کی صورت میں دوبارہ خطبہ پڑھنا ہوگا، جیسا کہ خلاصہ نامی کتاب میں لکھا ہے، اس لئے کہ پہلا خطبہ لازمی طور پر باطل ہو چکا ہے، جیسا کہ

سراج الوہاج میں ہے۔اور یہ بات عنقریب آنے والی ہے کہ امام اور خطیب کا ایک ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ جائز ہے کہ خطبہ ایک شخص پڑھائے اور نماز کوئی دوسرا شخص پڑھا دے،اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وَ السَّادِسُ : اَلْجَمَاعَۃُ وَاَقَلُّهَا ثَلَاثَۃُ رِجَالٍ وَلَوْ غَیْرَ الثَّلَاثَۃِ الَّذِیْنَ حَضَرُوْا الْخُطْبَۃَ سِوَی الْاِمَامِ بِالنَّصِّ لِاَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الذَّاکِرِ وَهُوَ الْخَطِیْبُ وَثَلَاثَۃٌ سِوَاهُ بِنَصٍّ -فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ - فَاِنْ نَفَرُوا قَبْلَ سُجُوْدِهٖ وَقَالَا قَبْلَ التَّحْرِیْمَۃِ بَطَلَتْ وَاِنْ بَقِیَ ثَلَاثَۃُ رِجَالٍ وَلِذَا اَتٰی بِالتَّاءِ اَوْ نَفَرُوا بَعْدَ سُجُوْدِهٖ اَوْ عَادُوْا وَاَدْرَکُوْهُ رَاکِعًا اَوْ نَفَرُوا الْخُطْبَۃَ وَصَلّٰی بِآخَرِیْنَ لَا تَبْطُلُ وَاَتَمَّهَا جُمُعَۃً . وَ السَّابِعُ : اَلْاِذْنُ الْعَامُّ مِنَ الْاِمَامِ ، وَهُوَ یَحْصُلُ بِفَتْحِ اَبْوَابِ الْجَامِعِ لِلْوَارِدِیْنَ کَافِیْ فَلَا یَضُرُّ غَلْقُ بَابِ الْقَلْعَۃِ لِعَدُوٍّ اَوْ لِعَادَۃٍ قَدِیْمَۃٍ لِاَنَّ الْاِذْنَ الْعَامَّ مُقَرَّرٌ لِاَهْلِهٖ وَغَلْقُهُ لِمَنْعِ الْعَدُوِّ لَا الْمُصَلِّیْ ، نَعَمْ لَوْ لَمْ یُغْلَقْ لَکَانَ اَحْسَنَ کَمَا فِیْ مَجْمَعِ الْاَنْهُرِ مَعْزِیًّا لِشَرْحِ عُیُوْنِ الْمَذَاهِبِ قَالَ : وَهٰذَا اَوْلٰی مِمَّا فِی الْبَحْرِ وَالْمِنَحِ فَلْیُحْفَظْ فَلَوْ دَخَلَ اَمِیْرٌ حِصْنًا اَوْ قَصْرَهُ وَاَغْلَقَ بَابَهُ وَصَلّٰی بِاَصْحَابِهٖ لَمْ تَنْعَقِدْ وَلَوْ فَتَحَهُ وَاَذِنَ لِلنَّاسِ بِالدُّخُوْلِ جَازَ وَکُرِهَ ، فَالْاِمَامُ فِیْ دِیْنِهٖ وَدُنْیَاهُ اِلَی الْعَامَّۃِ مُحْتَاجٌ ، فَسُبْحَانَ مَنْ تَنَزَّهَ عَنِ الْاِحْتِیَاجِ .

نماز جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے چھٹی شرط جماعت کا ہونا ہے

نماز جمعہ کی صحت کے لئے چھٹی شرط یہ ہے کہ جمعہ کی نماز جماعت سے ادا کی جائے اور اس میں امام کے علاوہ کم از کم تین مرد ہوں خواہ یہ تین مرد غلام ہوں یا مسافر ہوں یا بیمار ہوں یا ان پڑھ اور گونگے ہوں، چونکہ ان سب کے اندر امامت جمعہ کی صلاحیت ہے اس لئے ان حضرات کی موجودگی میں بھی جمعہ ادا ہو جائے گا۔ (شامی/۳/۲۴)

اور امام کے علاوہ تین مرد کا ہونا نص سے ثابت ہے، اس لئے کہ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہ نص قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ذکر کرنے والا ہو اور وہ امام اور خطیب ہے اور تین افراد اس کے علاوہ ہوں، اور خطبہ میں ان تین مرد کے علاوہ بھی شریک ہوں (یہاں مردوں کی قید لگائی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر جمعہ میں صرف عورتیں یا صرف بچے موجود ہوں تو شرط پوری نہ ہوگی اور جمعہ ان کی وجہ سے درست نہ ہوگا اس لئے کہ ان میں امامت جمعہ کی صلاحیت نہیں ہے)۔ (شامی/۳/۲۴)

دورانِ نماز جمعہ مقتدیوں کا بھاگنا

چنانچہ اگر امام کے سجدہ کرنے سے پہلے جماعت میں حاضر مقتدی حضرات چلے جائیں تو اس صورت میں جمعہ باطل ہو

جائے گا اور ظہر کی نماز ادا کرنی ہوگی۔ اور حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر مقتدی حضرات تکبیر تحریمہ سے پہلے چلے جائیں تو جمعہ باطل ہوگا اور مقتدی لوگ تحریمہ میں موجود رہیں اور اس کے بعد چلے جائیں تو جمعہ باطل نہیں ہوگا، بلکہ امام اکیلا ہی جمعہ کی نماز مکمل کرے گا، اس کی نماز جمعہ ادا ہو جائے گی، از سر نو ظہر پڑھنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔

اگر جمعہ کی نماز سے سارے مقتدی بھاگ گئے صرف تین مرد جماعت میں باقی رہ گئے ہیں یا امام کے سجدہ مکمل کرنے کے بعد مقتدی حضرات چلے گئے، یا وہ تحریمہ اور خطبہ کے بعد چلے گئے لیکن بعد میں وہ لوگ لوٹ آئے اور امام کو رکوع میں پالیا یا خطبہ کے بعد لوگ چلے گئے اور امام نے ایسے تین مقتدیوں کے ساتھ نماز جمعہ پڑھائی جو خطبہ میں شریک نہیں تھے تو ان تمام صورتوں میں جمعہ باطل نہیں ہوگا اور امام جمعہ کی نماز ہی مکمل کرے گا اس لئے کہ سجدہ کرنے کے بعد جماعت شرط نہیں ہے۔

نماز جمعہ کے صحیح ہونے کیلئے ساتویں شرط اجازت عامہ ہونا

نمازِ جمعہ کی صحت کے لئے حضرات فقہاء کرام نے ساتویں شرط یہ بیان فرمائی ہے کہ جمعہ ایسی مسجد میں درست ہے جس میں امام اور خلیفہ کی طرف سے شرکت کی عام اجازت ہو، اور اجازت عامہ جامع مسجد کے دروازے کو تمام آنے والوں کے لئے کھلا رکھنے سے حاصل ہوتا ہے یعنی جن لوگوں پر جمعہ واجب ہے ان کے آنے پر کوئی روک تھام نہ ہو، جیسا کہ یہ مسئلہ کافی میں ہے، لہٰذا اگر کسی جگہ قلعہ کا دروازہ دشمن کی وجہ سے بند کر دیا جاتا ہے یا وہاں دروازہ بند کرنے کا عام رواج ہو، دروازہ بند کر کے نمازیوں کو روکنا مقصود نہ ہو تو اس میں کوئی نقصان کی بات نہیں ہے جبکہ نمازیوں کے آنے کے وقت دروازہ کھول دیا جاتا ہو، اس لئے کہ عام اجازت تو حاکم کی طرف سے ہے اور دروازہ بند کرنا دشمنوں کے خوف سے ہے، نمازیوں کو شرکت سے روکنے کے لئے نہیں ہے، ہاں اگر دروازہ بند کیا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے جیسا کہ یہ مسئلہ مجمع الانہر میں شرح عیون المذاہب کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے اور جو کچھ البحر الرائق اور منح الغفار میں ہے اس سے یہ اولیٰ اور بہتر ہے، لہٰذا اس کو اچھی طرح یاد کرلو۔

شاہی قلعہ اور محل میں نماز جمعہ کا حکم

اگر خلیفہ وقت قلعہ میں یا اپنے محل میں داخل ہوا اور اس کا دروازہ بند کرلیا تاکہ کوئی اور نہ آسکے، اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرلی تو اس صورت میں جمعہ کی نماز جائز نہ ہوگی ہاں اگر قلعہ یا محل کا دروازہ کھول دیا اور لوگوں کو شرکت کی اجازت دیدی تو جمعہ کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام وقت اپنے دین اور دنیا دونوں میں عوام کا محتاج ہوتا ہے، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو احتیاج سے پاک اور صاف ہے

وَشَرْطٌ لِافْتِرَاضِهَا تِسْعَةٌ تَخْتَصُّ بِهَا إِقَامَةٌ بِمِصْرٍ وَأَمَّا الْمُنْفَصِلُ عَنْهُ فَإِنْ كَانَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ تَجِبُ عَلَيْهِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَبِهِ يُفْتَى كَذَا فِي الْمُلْتَقَى، وَقَدَّمْنَا عَنِ الْوَلْوَالِجِيَّةِ تَقْدِيرَهُ بِفَرْسَخٍ وَرَجَّحَ فِي الْبَحْرِ اعْتِبَارَ عَوْدِهِ لِبَيْتِهِ بِلَا كُلْفَةٍ وَصِحَّةٌ وَأُلْحِقَ بِالْمَرِيضِ الْمُمَرِّضُ وَالشَّيْخُ الْفَانِيُّ وَحُرِّيَّةٌ وَالْأَصَحُّ وُجُوبُهَا عَلَى مُكَاتَبٍ وَمُبَعَّضٍ وَأَجِيرٍ وَيَسْقُطُ مِنَ الْأَجْرِ بِحِسَابِهِ لَوْ بَعِيدًا وَإِلَّا لَا، وَلَوْ أَذِنَ لَهُ مَوْلَاهُ وَجَبَتْ وَقِيلَ يُخَيَّرُ جَوْهَرَةٌ وَرَجَّحَ فِي الْبَحْرِ التَّخْيِيرَ وَذُكُورَةٌ مُحَقَّقَةٌ وَبُلُوغٌ وَعَقْلٌ ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَغَيْرُهُ وَلَيْسَا خَاصَّيْنِ وَوُجُودُ بَصَرٍ فَتَجِبُ عَلَى الْأَعْوَرِ قُدْرَتُهُ عَلَى الْمَشْيِ جَزَمَ فِي الْبَحْرِ بِأَنَّ سَلَامَةَ أَحَدِهِمَا لَهُ كَافٍ فِي الْوُجُوبِ لَكِنْ قَالَ الشُّمُنِّيُّ وَغَيْرُهُ: لَا تَجِبُ عَلَى مَفْلُوجِ الرِّجْلِ وَمَقْطُوعِهَا وَعَدَمُ حَبْسٍ وَ عَدَمُ خَوْفٍ وَ عَدَمُ مَطَرٍ شَدِيدٍ وَوَحْلٍ وَثَلْجٍ وَنَحْوِهِمَا وَفَاقِدُهَا أَيْ هَذِهِ الشُّرُوطِ أَوْ بَعْضِهَا إِنِ اخْتَارَ الْعَزِيمَةَ وَ صَلَّاهَا وَهُوَ مُكَلَّفٌ بَالِغٌ عَاقِلٌ وَقَعَتْ فَرْضًا عَنِ الْوَقْتِ لِئَلَّا يَعُودَ عَلَى مَوْضُوعِهِ بِالنَّقْضِ وَفِي الْبَحْرِ هِيَ أَفْضَلُ إِلَّا لِلْمَرْأَةِ. وَيَصْلُحُ لِلْإِمَامَةِ فِيهَا مَنْ صَلَحَ لِغَيْرِهَا فَجَازَتْ لِمُسَافِرٍ وَعَبْدٍ وَمَرِيضٍ وَتَنْعَقِدُ الْجُمُعَةُ بِهِمْ أَيْ بِحُضُورِهِمْ بِالطَّرِيقِ الْأَوْلَى، وَحَرُمَ لِمَنْ لَا عُذْرَ لَهُ صَلَاةُ الظُّهْرِ قَبْلَهَا أَمَّا بَعْدَهَا فَلَا يُكْرَهُ غَايَةٌ فِي يَوْمِهَا بِمِصْرٍ لِكَوْنِهِ سَبَبًا لِتَفْوِيتِ الْجُمُعَةِ وَهُوَ حَرَامٌ فَإِنْ فَعَلَ ثُمَّ نَدِمَ وَ سَعَى عَبَّرَ بِهِ اتِّبَاعًا لِلْآيَةِ وَلَوْ كَانَ فِي الْمَسْجِدِ لَمْ يَبْطُلْ إِلَّا بِالشُّرُوعِ قَيَّدَ بِقَوْلِهِ إِلَيْهَا لِأَنَّهُ لَوْ خَرَجَ لِحَاجَةٍ أَوْ مَعَ فَرَاغِ الْإِمَامِ أَوْ لَمْ يُقِمْهَا أَصْلًا لَمْ تَبْطُلْ فِي الْأَصَحِّ فَالْبُطْلَانُ بِهِ مُقَيَّدٌ بِإِمْكَانِ إِدْرَاكِهَا بِأَنِ انْفَصَلَ عَنْ بَابِ دَارِهِ وَالْإِمَامُ فِيهَا، وَلَوْ لَمْ يُدْرِكْهَا لِبُعْدِ الْمَسَافَةِ فَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا يَبْطُلُ السِّرَاجُ بَطَلَ ظُهْرُهُ لَا أَصْلُ الصَّلَاةِ وَلَا ظُهْرُ مَنِ اقْتَدَى بِهِ وَلَمْ يَسْعَ أَدْرَكَهَا أَوْ لَا بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ مَعْذُورٍ وَغَيْرِهِ عَلَى الْمَذْهَبِ.

نماز جمعہ کے فرض ہونے کی شرطیں

نماز جمعہ کے فرض ہونے کے لیے کل نو شرطیں ہیں، جو جمعہ ہی کے ساتھ خاص ہیں (ماتن علیہ الرحمہ نے فرضیت جمعہ کے لیے کل گیارہ شرطیں لکھی ہیں اور عقل و بلوغ کا اضافہ کیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ دونوں شرطیں نماز جمعہ کے ساتھ خاص نہیں ہیں اس لیے شارح نے صرف نو شرطیں لکھی ہیں)۔ اب ہم ان شرطوں کو سب سے پہلے اجمالی طور پر ذکر کرتے ہیں

پھر تفصیلی طور پر بیان کریں گے: (۱) شہر میں مقیم ہونا۔ (۲) تندرست وصحت مند ہونا۔ (۳) آزاد ہونا۔ (۴) مرد ہونا۔ (۵) عاقل ہونا۔ (۶) بالغ ہونا۔ (۷) بینا ہونا۔ (۸) چلنے پر قدرت ہونا۔ (۹) قید نہ ہونا۔ (۱۰) خوف کا نہ ہونا۔ (۱۱) سخت بارش کا نہ ہونا۔ فرضیت جمعہ کے لئے یہ کل گیارہ شرطیں ہیں اب ہم ان کی تفصیل بیان کرتے ہیں

فرضیت جمعہ کی پہلی شرط مقیم ہونا ہے

نماز جمعہ کے فرض ہونے کے لئے پہلی شرط شہر میں مقیم ہونا ہے۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ مسافر پر نماز جمعہ فرض نہیں ہے) اسی طرح اس شخص پر بھی جمعہ واجب نہیں ہے جو شہر سے علیحدہ رہے البتہ اگر شہر سے اتنی دوری پر ہے کہ شہر میں جو جمعہ کی اذان ہوتی ہے اس کی آواز وہاں تک پہنچتی ہے تو حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس پر جمعہ واجب ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے، جیسا کی ملتقی الابحر میں ہے۔ اور ولوالجیہ نامی کتاب کے حوالہ سے یہ بات ماقبل میں نقل کر چکے ہیں کہ شہر سے متصل ہونے کا اندازہ ایک فرسخ سے کیا جائیگا (ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے)۔ اور البحر الرائق میں اس قول کو ترجیح دی گئی ہے کہ نمازی شہر سے اتنا قریب ہو کہ نماز جمعہ پڑھ کر بآسانی اپنے گھر لوٹ آئے، اس کو کسی طرح کی کوئی پریشانی پیش نہ آئے۔

(لیکن شامی میں ہے کہ محقق قول کے مطابق میل کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ فناء شہر سے مراد وہ جگہ ہے جہاں شہر کے منافع کی چیزیں موجود ہوں)۔ (شامی/۳/۲۷)

فرضیت جمعہ کی دوسری شرط تندرستی کا پایا جانا ہے

فرضیت جمعہ کی دوسری شرط تندرستی ہے یعنی جمعہ اس شخص پر واجب ہے جو تندرست اور صحت مند ہو لہٰذا بیمار شخص پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے اور بیمار شخص کے حکم میں وہ شخص بھی داخل ہے جو بیمار کی تیمارداری کرے دیکھ بھال کرنے پر اس طرح لگا ہو کہ اگر وہ جمعہ کی نماز کے لئے چلا جائے تو مریض کا کوئی پرسان حال نہ رہے اور اسی طرح شیخ فانی بھی مریض ہی کے حکم میں داخل ہے اس پر بھی شرعی اعتبار سے جمعہ واجب نہیں ہے۔ اور شیخ فانی سے مراد وہ شخص ہے جو چلنے پھرنے سے بالکل عاجز ہو جائے۔

نماز جمعہ واجب ہونے کے لئے تیسری شرط آزاد ہونا ہے

جمعہ کی نماز فرض ہونے کے لئے تیسری شرط آزاد ہونا ہے، یعنی نماز جمعہ اس پر واجب ہے جو آزاد ہو لہٰذا غلام پر جمعہ کی نماز شرعی اعتبار سے واجب نہیں ہے مگر اس میں تفصیل یہ ہے کہ مکاتب غلام پر جمعہ واجب ہے اس بارے میں اصح قول یہی ہے اور اسی طرح اصح قول کے مطابق جمعہ اس غلام پر بھی واجب ہے جس کا بعض حصہ آزاد ہو چکا ہو اور بقیہ حصہ کی آزادی

کے لئے کمائی کرتا ہو۔ اور جمعہ کی نماز مزدور پر بھی واجب ہے۔ اور اگر مزدور جامع مسجد سے دور ہو اور جمعہ ادا کرنے کے لئے جامع مسجد جاتا ہے تو جتنا وقت جمعہ کے لئے مسجد تک جانے اور آنے میں میں لگا ہے اتنے وقت کی مزدوری حساب سے وضع کر لی جائے گی اور اگر جامع مسجد قریب ہے اور وہاں جمعہ پڑھنے کے لئے جاتا ہے تو اس کی مزدوری میں سے کوئی حصہ بھی وضع نہ ہوگا (لیکن اگر مالک کی طرف سے جمعہ ادا کرنے کی اجازت ہو یا ڈیوٹی گھنٹے کے اعتبار سے متعین ہو تو پھر اس صورت میں مزدوری وضع نہیں کی جائے گی)۔

مولیٰ کی طرف سے غلام کو نماز جمعہ ادا کرنے کی اجازت

اگر آقا نے اپنے غلام کو جمعہ کی نماز ادا کرنے کی اجازت دے رکھی ہے تو اس صورت میں غلام پر بھی جمعہ کی نماز واجب ہے۔ اور بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ غلام کو اختیار دیا جائے گا چاہے وہ نماز جمعہ ادا کرے چاہے ظہر کی نماز ادا کرے۔ البحر الرائق میں تخییر والے قول کو راجح قرار دیا گیا ہے۔ اور فتاویٰ ظہیریہ میں اسی قول پر اعتماد کیا گیا ہے اور یہی قول قواعد واصول کے مناسب بھی ہے۔

فرضیت جمعہ کے لئے چوتھی شرط مرد کا ہونا

فرضیت جمعہ کے لئے چوتھی شرط حضرات فقہائے کرام نے مرد ہونے کو بیان کیا ہے لہٰذا عورت اور خنثیٰ مشکل پر جمعہ کی نماز واجب نہیں ہے شارح علیہ الرحمہ نے ذکور کے ساتھ محققة کی قید لگائی ہے تاکہ خنثیٰ مشکل نکل جائے، اس پر جمعہ کی نماز واجب نہیں ہے۔ (شامی/۳/۲۸)

تنبیہ: ابھی حال ہی میں امریکہ کے اندر شہر واشنگٹن میں امینہ ودود نام کی ایک عورت نے جمعہ کی نماز پڑھائی ہے جس میں مرد عورتیں سبھی شریک تھے مسلمانوں نے اس کو اپنی مسجدوں میں نماز پڑھانے کی اجازت نہیں دی تو اس نے ایک چرچ میں نماز پڑھائی۔ ظاہر ہے کہ یہ بالکل حرام اور ناجائز ہے۔ مصر کے ایک مفتی نے اس امامت کو ناجائز قرار دیا ہے اور عالم اسلام میں اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جارہی ہے، اس لئے کہ یہ قرآن وحدیث کے بالکل خلاف اور متصادم ہے

فرضیت جمعہ کے لئے پانچویں اور چھٹی شرط عاقل و بالغ ہونا ہے

فرضیت جمعہ کے لئے پانچویں شرط بالغ ہونا ہے، لہٰذا نابالغوں پر جمعہ کی نماز واجب نہیں ہے۔ اور چھٹی شرط عاقل ہونا ہے لہٰذا غیر عاقل، پاگل، دیوانہ اور مجنون پر واجب نہیں ہے۔ اس کو زیلعی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے

ہیں کہ یہ دونوں شرطیں جمعہ کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ تمام عبادات اسلامیہ کی فرضیت کے لئے شرط ہے، جس طرح کہ مسلمان ہونا تمام عبادت کے فرض ہونے کے لئے ضروری شرط ہے اس کے بغیر کوئی بھی اسلامی عبادت بندے پر فرض نہیں ہوتی ہے۔ (شامی/۳/۲۸)

فرضیت جمعہ کے لئے ساتویں شرط بینا ہونا ہے

فرضیت جمعہ کے لئے ساتویں شرط بینا ہونا ہے۔ اس سے معلوم ہوا جو شخص آنکھوں سے بالکل نابینا ہے اور اندھا ہے تو اس پر واجب نہیں ہے، البتہ جو شخص ایک آنکھ سے کانا ہو اس پر جمعہ واجب ہے۔ اسی طرح بقول علامہ شامی چوندھے شخص پر بھی جمعہ واجب ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی نابینا ایسا ہے جو بلا کسی قائد کے بازاروں میں چلتا ہے اور گلی کوچوں سے بخوبی واقف ہے اور بغیر کسی سے پوچھے مسجد چلا جاتا ہے اس میں اس کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی ہے اس صورت میں اس پر جمعہ کی نماز واجب ہے، اس لئے کہ ایسا اندھا اس مریض کے درجہ میں ہے جو بذات خود نکلنے پر قادر ہو۔ (شامی/۳/۲۹)

فرضیت جمعہ کے لئے آٹھویں شرط چلنے پر قادر ہونا ہے

فرضیت جمعہ کہ لئے آٹھویں شرط یہ ہے کہ نمازی چلنے پر قادر ہو۔ اور کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق میں ہے کہ ایک پاؤں کا صحیح سالم ہونا فرضیت جمعہ کے لئے کافی ہے، یعنی لنگڑے شخص پر جمعہ واجب ہے، لیکن علامہ شمنی وغیرہ نے فرمایا کہ اس شخص پر جمعہ شرعی اعتبار سے واجب نہیں ہے جس کے پیر پر فالج پڑ گیا ہو یا جس کا پیر کٹا ہوا ہو۔ (مراد یہ ہے کہ وہ چلنے پر قادر نہ ہو، اگر چلنے پر قادر ہے تو جمعہ واجب ہے)۔ (شامی/۳/۲۹)

فرضیت جمعہ کے لئے نویں اور دسویں شرط قید نہ ہونا اور خوف کا نہ ہونا ہے

نماز جمعہ کے فرض ہونے کے لئے نویں شرط یہ ہے کہ جمعہ اس شخص پر واجب ہے جو قید خانے میں بند نہ ہو، لہٰذا جو شخص مظلوم بن کر مقید ہو تو اس پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ اور فرضیت جمعہ کے لئے دسویں شرط یہ ہے کہ حاکم اور دشمن کا خوف نہ ہو۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مقروض مفلس کو یہ خوف ہو کہ قرض خواہ اسے پکڑ کر جیل میں بند کر دے گا تو اس پر بھی جمعہ کی نماز واجب نہیں ہے، جس طرح کہ اس کے لئے تیمم کرنا جائز ہے)۔ (شامی/۳/۲۹)

فرضیت جمعہ کے لئے گیارہویں شرط شدید بارش کا نہ ہونا

فرضیت جمعہ کے لئے گیارہویں شرط شدید بارش، کیچڑ اور برف وغیرہ کا نہ ہونا ہے، لہٰذا اگر شدید بارش ہو یا سخت آندھی طوفان ہو، یا راستے میں شدید کیچڑ ہو کہ مسجد تک جانا دشوار ہو تو اس صورت میں جمعہ کی نماز واجب نہیں ہے۔

جن کے اندر بعض شرط مفقود ہوں ان کا جمعہ ادا کرنیکا حکم

جس شخص کے اندر مذکورہ شرائط میں سے کوئی بھی شرط نہ پائی جائے، یا کچھ شرطیں تو پائی جائیں اور کچھ شرطیں نہ پائی جائیں اور وہ عزیمت پر عمل کرتے ہوئے نمازِ جمعہ ادا کرلے اور وہ عاقل و بالغ ہو تو اس صورت میں اس کی نمازِ جمعہ ادا ہوجائے گی اور وقتیہ فرض سے سبکدوش ہوجائے گا، تاکہ اس موضوع پر نقض لازم نہ آئے، مطلب یہ ہے کہ اگر اس کی نماز کو جمعہ کا فرض قرار نہ دیں، بلکہ اس پر ظہر کی نماز ہی واجب قرار دیں تو اس صورت میں نقض موضوع لازم آئے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ ظہر کی نماز اس کے حق میں رخصت ہے اور اس نے مشقت کو برداشت کر کے عزیمت پر عمل کرلیا تو لامحالہ اس کا جمعہ صحیح ہوجائے گا۔ (شامی/۳/۲۹)

اور البحرالرائق میں ہے کہ تمام معذورین کے لئے جمعہ کی نماز پڑھنا افضل ہے، ظہر کی نماز پڑھنے کے مقابلے میں، البتہ صرف عورت کے لئے جمعہ پڑھنا افضل نہیں ہے، اس لئے کہ عورت کی نماز اس کے گھر میں باہر کی نماز سے افضل ہے۔ (شامی/۳/۳۰)

جمعہ کی نماز پڑھانے کا حق دار کون ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس کے اندر دوسری نمازوں کی امامت کی صلاحیت ہوتی ہے وہ جمعہ کی نماز کی بھی امامت کرسکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غلام، مسافر اور بیمار کے لئے جمعہ کی امامت کرانا درست ہے اور ان حضرات کی موجودگی میں جمعہ بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔ (مطلب یہ ہے کہ اگر صرف یہی لوگ موجود ہوں اور ان ہی میں سے کوئی ایک امام بن جائے تو بھی جمعہ درست ہے)۔

جمعہ کے دن جمعہ کی نماز ادا کرنے سے قبل ظہر پڑھنے کا حکم

مسئلہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ کوئی بھی شرعی عذر نہ ہو ان کے لئے جمعہ کے دن شہر میں نمازِ جمعہ سے قبل ظہر کی نماز ادا کرنا حرام ہے، البتہ نمازِ جمعہ ہوجانے کے بعد ان کے واسطے ظہر ادا کرنا مکروہ نہیں ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ غایۃ البیان میں مذکور

ہے۔ اور ظہر کی نماز جمعہ سے پہلے ادا کرنا اس لئے حرام ہے کہ وہ جمعہ کے فوت کرنے کا سبب بنتا ہے اور جمعہ کا فوت کرنا حرام ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ حرام کا سبب بھی حرام ہوتا ہے، اس لئے جمعہ کے دن شہر میں جمعہ سے قبل ظہر ادا کرنا حرام ہوگا۔

(یہاں علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ شارح نے "یَوْمِهَا" کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے کا فوت شدہ ظہر ادا کرے تو یہ حرام نہیں ہے۔ اور شہر کی قید اس لئے لگائی ہے کہ گاؤں دیہات میں جمعہ کی نماز سے قبل ظہر کی نماز ادا کرنا حرام نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کسی طرح کی کوئی کراہت ہے، اس لئے کہ دیہات میں جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے)۔

ظہر پڑھنے کے بعد جمعہ پڑھنے کے لئے چلنے سے ظہر باطل ہو جاتا ہے

اگر کوئی غیر معذور جمعہ کے دن شہر میں جمعہ سے پہلے ظہر کی نماز ادا کرلے، پھر وہ اپنے اس فعل پر نادم وشرمندہ ہو اور جمعہ کی نماز پڑھنے کے ارادہ سے چل دے، اس طرح کہ وہ اپنے گھر کے دروازے سے جدا ہو جائے تو اس صورتِ مذکورہ میں اس کی ظہر کی فرضیت باطل ہو جائے گی، اصل نماز باطل نہ ہوگی، وہ پڑھی ہوئی ظہر کی نماز نفل کے حکم میں ہو جائے گی، خواہ اس شخص کو جمعہ کی نماز ملے یا نہ ملے اور اس شخص کی ظہر کی نماز باطل نہ ہوگی جس نے غیر معذور کے پیچھے نماز پڑھی ہوگی۔ اور جمعہ کے لئے سعی نہیں کی ہے اور اس میں معذور اور غیر معذور کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے، اس بارے میں یہ اصح مذہب ہے۔

سعی سے تعبیر کرنے کی وجہ

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ماتن علیہ الرحمہ نے چلنے کو سعی سے تعبیر کیا ہے قرآن کریم کی آیت فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ کی اتباع کرتے ہوئے اور نمازی نے جمعہ کے دن مسجد میں ظہر کی نماز ادا کرلی تو جب تک جمعہ شروع نہیں کرے گا ظہر کی نماز باطل نہ ہوگی۔ اور ماتن نے یہ قید لگائی ہے وہ جمعہ کی سنت سے سعی کی ہو تب اس کا ظہر باطل ہوگا اس لئے کہ اگر کوئی شخص جمعہ کے دن ظہر پڑھ کر اپنے کسی کام سے نکلا، یا امام کا جمعہ کی نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد نکلا یا امام نے سرے سے جمعہ کی نماز قائم ہی نہ کی ہو، تو ان تمام صورتوں میں اصح قول کے مطابق ظہر کی نماز باطل نہ ہوگی اس لئے کہ مذکورہ بالا صورتوں میں اس کا نکلنا جمعہ کے لئے نہیں ہوا ہے پس سعی الی الجمعہ کے ساتھ جمعہ کا باطل اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ جمعہ کا پالینا ممکن ہو لہٰذا اگر مسافت کی دوری کی وجہ سے جمعہ نہیں پاسکا تو اصح قول کے مطابق اس کا جمعہ باطل نہ ہوگا جیسا کہ یہ مسئلہ سراج الوہاج نامی کتاب میں مذکور ہے۔ (لیکن علامہ شامی نے لکھا ہے کہ بطلانِ ظہر کو جمعہ پالینے کے امکان کے ساتھ مقید کرنا درست نہیں)۔ (شامی/٣/٣١)

وَكُرِهَ تَحْرِيمًا لِمَعْذُورٍ وَمَسْجُونٍ وَمُسَافِرٍ أَدَاءُ ظُهْرٍ بِجَمَاعَةٍ فِي مِصْرٍ قَبْلَ الْجُمُعَةِ وَبَعْدَهَا لِتَقْلِيلِ الْجَمَاعَةِ وَصُورَةِ الْمُعَارَضَةِ وَأَفَادَ أَنَّ الْمَسَاجِدَ تُغْلَقُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إلَّا الْجَامِعَ. وَكَذَا أَهْلُ مِصْرٍ فَاتَتْهُمْ الْجُمُعَةُ فَإِنَّهُمْ يُصَلُّونَ الظُّهْرَ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إقَامَةٍ وَلَا جَمَاعَةٍ. وَيُسْتَحَبُّ لِلْمَرِيضِ تَأْخِيرُهَا إلَى فَرَاغِ الْإِمَامِ وَكُرِهَ إنْ لَمْ يُؤَخِّرْ هُوَ الصَّحِيحُ. وَمَنْ أَدْرَكَهَا فِي تَشَهُّدٍ أَوْ سُجُودِ سَهْوٍ عَلَى الْقَوْلِ بِهِ فِيهَا يُتِمُّهَا جُمُعَةً خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ كَمَا يُتِمُّ فِي الْعِيدِ اتِّفَاقًا كَمَا فِي عِيدِ الْفَتْحِ لَكِنْ فِي السِّرَاجِ أَنَّهُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ لَمْ يَصِرْ مُدْرِكًا لَهُ وَيَنْوِي جُمُعَةً لَا ظُهْرًا اتِّفَاقًا فَلَوْ نَوَى الظُّهْرَ لَمْ يَصِحَّ اقْتِدَاؤُهُ ثُمَّ الظَّاهِرُ أَنَّهُ لَا فَرْقَ بَيْنَ الْمُسَافِرِ وَغَيْرِهِ نَهْرٌ بحثًا. إذَا خَرَجَ الْإِمَامُ مِنْ الْحُجْرَةِ إنْ كَانَ وَإِلَّا فَقِيَامُهُ لِلصُّعُودِ شَرْحُ الْمَجْمَعِ فَلَا صَلَاةَ وَلَا كَلَامَ إلَى تَمَامِهَا وَإِنْ كَانَ فِيهَا ذِكْرُ الظَّلَمَةِ فِي الْأَصَحِّ خَلَا قَضَاءِ فَائِتَةٍ لَمْ يَسْقُطْ التَّرْتِيبُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْوَقْتِيَّةِ فَإِنَّهَا لَا تُكْرَهُ سِرَاجٌ وَغَيْرُهُ لِضَرُورَةِ صِحَّةِ الْجُمُعَةِ وَإِلَّا لَا، وَلَوْ خَرَجَ وَهُوَ فِي السُّنَّةِ أَوْ بَعْدَ قِيَامِهِ لِثَالِثَةِ النَّفْلِ يُتِمُّ فِي الْأَصَحِّ وَيُخَفِّفُ الْقِرَاءَةَ.

وَكُلُّ مَا حَرُمَ فِي الصَّلَاةِ حَرُمَ فِيهَا أَيْ فِي الْخُطْبَةِ خُلَاصَةٌ وَغَيْرُهَا فَيَحْرُمُ أَكْلٌ وَشُرْبٌ وَكَلَامٌ وَلَوْ تَسْبِيحًا أَوْ رَدَّ سَلَامٍ أَوْ أَمْرًا بِمَعْرُوفٍ بَلْ يَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَسْتَمِعَ وَيَسْكُتَ بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ قَرِيبٍ وَبَعِيدٍ فِي الْأَصَحِّ مُحِيطٌ وَلَا يَرُدُّ تَحْذِيرَ مَنْ خِيفَ هَلَاكُهُ لِأَنَّهُ يَجِبُ لِحَقِّ آدَمِيٍّ، وَهُوَ مُحْتَاجٌ إلَيْهِ، وَالْإِنْصَاتُ لِحَقِّ اللَّهِ تَعَالَى، وَمَبْنَاهُ عَلَى الْمُسَامَحَةِ وَكَانَ أَبُو يُوسُفَ يَنْظُرُ فِي كِتَابِهِ وَيُصَحِّحُهُ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِأَنْ يُشِيرَ بِرَأْسِهِ أَوْ يَدِهِ عِنْدَ رُؤْيَةِ مُنْكَرٍ وَالصَّوَابُ أَنَّهُ يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ سَمَاعِ اسْمِهِ فِي نَفْسِهِ، وَلَا يَجِبُ تَشْمِيتٌ وَلَا رَدُّ سَلَامٍ بِهِ يُفْتَى وَكَذَا يَجِبُ الِاسْتِمَاعُ لِسَائِرِ الْخُطَبِ كَخُطْبَةِ نِكَاحٍ وَخُطْبَةِ عِيدٍ وَخَتْمٍ عَلَى الْمُعْتَمَدِ. وَقَالَا : لَا بَأْسَ بِالْكَلَامِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ وَبَعْدَهَا وَإِذَا جَلَسَ عِنْدَ الثَّانِي وَالْخِلَافُ فِي كَلَامٍ يَتَعَلَّقُ بِالْآخِرَةِ أَمَّا غَيْرُهُ فَيُكْرَهُ إجْمَاعًا وَعَلَى هَذَا فَالتَّرْقِيَةُ الْمُتَعَارَفَةُ فِي زَمَانِنَا تُكْرَهُ عِنْدَهُ لَا عِنْدَهُمَا. وَأَمَّا مَا يَفْعَلُهُ الْمُؤَذِّنُونَ حَالَ الْخُطْبَةِ مِنْ التَّرَضِّي وَنَحْوِهِ فَمَكْرُوهٌ اتِّفَاقًا وَتَمَامُهُ فِي الْبَحْرِ وَالْعَجَبُ أَنَّ الْمُرَقِّيَ يَنْهَى عَنْ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ بِمُقْتَضَى حَدِيثِهِ ثُمَّ يَقُولُ : أَنْصِتُوا رَحِمَكُمْ اللَّهُ. قُلْت :إلَّا أَنْ يُحْمَلَ عَلَى قَوْلِهِمَا فَتَنَبَّهْ

معذورین کیلئے جمعہ کے دن ظہر کی نماز ادا کرنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ معذور، محبوس اور مسافر کے لئے شہر میں جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے خواہ جمعہ کی نماز سے پہلے ظہر کی جماعت کی جائے یا جمعہ کے بعد ظہر کی جماعت کی جائے بہر صورت مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ اس صورت میں جمعہ کی جماعت میں کمی آجاتی ہے اور جمعہ سے معارضہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: ظہر کی قضاء نماز کا جماعت کے ساتھ جمعہ کے دن ادا کرنا مکروہ نہیں ہے اسی طرح گاؤں والوں کے لئے جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ گاؤں والوں پر جمعہ واجب نہیں ہے لہذا گاؤں کے لئے جمعہ کا دن اور غیر جمعہ کا دن سب برابر ہیں۔ (شامی/۳/۳۲)

جمعہ کے دن جامع مسجد کے علاوہ دوسری مسجدوں کو بند رکھنا

جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت کیساتھ ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے اس سے یہ مسئلہ مستفاد ہوا کہ جمعہ کے دن جامع مسجد کے علاوہ دوسری تمام مساجد بند رکھی جائیں تا کہ کوئی شخص اس دن ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا نہ کر سکے اور اس کا موقع ہی باقی نہ رہے اسی طرح جمعہ کے دن شہر میں ان لوگوں کیلئے بھی ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے جن کی نماز جمعہ فوت ہو گئی ہو، پس جن لوگوں کا جمعہ فوت ہو جائے وہ ظہر کی نماز بغیر اذان بغیر اقامت اور بغیر جماعت کے ادا کرے گا اور مریض کے لئے مستحب یہ ہے ظہر کی نماز اس وقت تک ادا نہ کرے جب تک کہ امام جمعہ کی نماز پڑھا کر فارغ نہ ہو جائے اور امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے سے پہلے مریض کے لئے ظہر کی نماز ادا کرنا مکروہ تنزیہی ہے، اس بارے میں یہی قول صحیح ہے۔

جو شخص امام کو تشہد یا سجدہ سہو میں پائے اس کا حکم

جو شخص جمعہ کی نماز کو تشہد میں پائے، یا اس وقت شریک ہوا جب امام سجدہ سہو میں تھا۔ (ان لوگوں کے قول کے مطابق جو جمعہ میں بھی سجدہ سہو کو واجب قرار دیتے ہیں) تو اس صورت میں حضرات شیخین کے نزدیک وہ جمعہ کی نماز پوری کرے گا جس طرح کہ اگر کوئی شخص عیدین کی نماز میں التحیات میں آکر شریک ہو تو وہ بالاتفاق عیدین کی نماز پوری کرے گا جیسا کہ فتح القدیر کے باب العید میں اس کی صراحت موجود ہے اس میں حضرت امام محمدؒ کا اختلاف ہے، حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ التحیات یا سجدہ سہو میں شریک ہونے والا شخص جمعہ کا پانے والا نہ ہوگا (بلکہ اگر امام کو دوسری رکعت کے رکوع میں پایا تو جمعہ کی نماز ادا کرے گا اور اگر اس کے بعد امام کے ساتھ شریک ہوا تو ظہر کی نماز ادا کرے گا۔ (شامی/۳/۳۳)

سراج الوھاج میں لکھا ہے کہ حضرت امام محمد کے نزدیک تشہد میں آ کر شریک ہونے والے کی نماز عید ادا نہ ہوگی؛ بلکہ بقیہ نماز نفل کی طرح پوری کرے گا عید کی طرح پوری نہ کرے گا (لیکن علامہ شامی نے فرمایا کہ تشہد میں شریک ہونے والا شخص عید کی نماز ہی پوری کرے گا اور یہی قول صحیح ہے)۔ (شامی/۳/۳۴)

مسئلہ: نماز جمعہ میں جو شخص التحیات میں آ کر شریک ہوا ہے وہ بالاتفاق جمعہ کی نیت کرے گا ظہر کی نماز کی نیت نہیں کرے گا اگر شریک ہونے والا شخص ظہر کی نیت سے شریک ہوگا تو اس کی اقتدا درست نہ ہوگی، اس لئے کہ امام کی نیت سے مطابقت باقی نہ رہے گی، حالاں کہ امام کی نیت سے مقتدی کی نیت کی مطابقت ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں مسافر اور غیر مسافر کے اندر کوئی امتیاز نہیں ہے جو بھی تشہد میں آ کر شریک ہوگا جمعہ کی نماز پوری کرے گا جیسا کی النہر الفائق میں ہے۔

جب امام جمعہ کا خطبہ دینے کے واسطے حجرہ سے نکل جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر امام حجرہ میں ہو اور وہاں سے خطبہ کے لئے نکلے یا امام مسجد میں تھا اور خطبہ دینے کے لئے منبر پر چڑھنے کے واسطے اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تو اس کے بعد سے لے کر جب تک امام خطبہ مکمل نہ کر لے اس وقت تک نہ کوئی بات چیت کرنا جائز ہے اور نہ نماز جائز ہے اگر چہ خطبہ میں ظالموں کا تذکرہ ہی کیوں نہ ہو اس بارے میں اصح قول یہی ہے۔ (اور ایک دوسرا قول یہ ہے کہ جب خطبہ میں ظالموں کا تذکرہ ہو تب کلام کرنا جائز ہے لیکن فتویٰ قول اول پر ہے)۔ (شامی/۳/۳۵)

خطبہ کے دوران قضاء نماز پڑھنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا کہ خطبہ کے دوران کوئی نماز جائز نہیں ہے اب اس کے استثنی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ البتہ ان قضاء نمازوں کو خطبہ کے دوران ادا کرنا جائز ہے کہ جن میں اور وقتیہ نماز میں ترتیب ساقط نہ ہوئی ہو، تو اس وقت اس قضاء شدہ نماز کا ادا کرنا مکروہ نہیں ہے، جیسا کہ سراج الوھاج وغیرہ نامی کتاب میں مذکورہ ہے بلکہ اس کا پڑھنا واجب ہے؛ کیوں کہ جمعہ کی نماز کی صحت اس کے پڑھنے پر موقوف ہے، ہاں اگر ترتیب واجب نہ ہو تو دوران خطبہ قضاء نماز پڑھنا بھی شرعی اعتبار سے مکروہ ہے۔

اگر امام خطبہ کے لئے نکلا اور کوئی شخص سنت پڑھ رہا ہو یا وہ نفل کی تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو رہا ہو، تو اس صورت میں وہ اپنی سنت اور نفل کو اصح قول کے مطابق پوری کرے گا اور اب ان نمازوں میں قرأت بقدر واجب مختصر کرے گا۔

محرمات خطبہ

اور جو چیزیں نماز میں حرام ہیں وہی تمام چیزیں خطبہ کے دوران بھی حرام ہیں جیسا کہ خلاصہ وغیرہ میں مذکورہ ہے چنانچہ

اس اصول کے پیش نظر خطبہ کے دوران کھانا پینا اور کلام کرنا اگرچہ تسبیح یا سلام کا جواب یا امر بالمعروف ہی کیوں نہ ہو حرام ہے اور اس وقت اس پر خطبہ کا غور سے سننا اور خاموش رہنا واجب ہے خواہ خطبہ سننے والے امام کے قریب بیٹھے ہوں یا امام سے دور بیٹھے ہوں جہاں خطبہ کی آواز نہ پہنچتی ہو، بہرصورت اصح قول کے مطابق خطبہ کے خاموش رهنا اور اس کی طرف کان لگانا واجب ہے جیسا محیط نامی کتاب میں ہے۔

اگر کسی کے ہلاک ہونیکا خوف ہو تو دوران خطبہ بولنے کی اجازت ہے

خطبہ کے دوران بولنے یا کوئی کام کرنے کی اجازت نہیں ہے؛ البتہ کسی آدمی کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے تو اس وقت دوران خطبہ اس کو خبردار کرنا اور اس کو بچانے کی کوشش کرنا لازم ہے خواہ اس کے لئے کچھ بولنا پڑے یا کچھ کرنا پڑے، اس لئے کہ یہ حقوق انسانی ہے اور اس وقت وہ اس کا محتاج ہے، لہٰذا انسانی فریضہ عائد ہوتا ہے کہ اس کو خبردار کرے، اور خطبہ کے دوران خاموش رہنا اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کے ادا نہ کرنے پر درگذر کرسکتا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ اگر وہ خطبہ کے دقت امام سے دور رہتے تھے کہ آواز وہاں تک نہیں پہنچ پاتی تھی تو وہ اپنی کتاب کا مطالعہ کرتے تھے اور اس کی تصحیح کرتے رہتے تھے (اس کی بنیاد اس قول ضعیف پر ہے جس میں صراحت ہے کہ اگر خطبہ کے وقت اتنا دور بیٹھا ہے کہ آواز وہاں تک نہیں پہنچ پاتی ہے تو بات کرنا اور کتاب دیکھنا جائز ہے لیکن اس وقت بھی احوط یہی ہے کہ خاموش رہے اور اسی پر فتویٰ ہے)۔ (شامی/۳/۳۶)

خطبہ کے وقت اشارہ سے روکنا

اگر کوئی شخص دوران خطبہ منکرات دیکھے، اور اپنے سر یا ہاتھ کے اشارہ سے منع کرے تو اصح قول کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں ہے، سر یا ہاتھ کے اشارہ سے منکر باتوں کا روکنا جائز ہے۔ اور خطبہ کے دوران اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنے تو دل۔دل میں درود شریف پڑھ لے، زبان سے درود شریف نہ پڑھے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ زبان سے آہستہ پڑھ لے۔

خطبہ کے دوران سلام کا جواب دینا

خطبہ کے دوران چھینکنے والے اور سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے، اس بارے میں مفتی بہ قول یہی ہے۔ (اور بعض علما نے فرمایا ہے کہ اگر چھینکنے والا چھینکنے کے بعد الحمد للہ کہے تو آہستہ کہے، اور بہتر یہی ہے اپنے دل میں

کہہ لے، زبان سے اس کا اظہار نہ کرے۔

خطبہ جمعہ کے علاوہ دوسرے خطبوں کا غور سے سننے کا حکم

جس طرح جمعہ کا خطبہ سننا واجب ہے اسی طرح تمام خطبوں کا سننا بھی معتمد قول کے مطابق واجب ہے جیسے کہ نکاح کا خطبہ، عیدین کا خطبہ اور ختم قرآن کا خطبہ وغیرہ، ان تمام خطبوں کا غور سے سننا واجب ہے۔ اور حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ خطبہ سے پہلے اور خطبہ کے بعد اور جب دوسرے خطبہ کے لئے امام بیٹھے اس وقت کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ اختلاف اس کلام سے متعلق ہے جو آخرت کے بارے میں ہو، اور آخرت کے علاوہ دنیاوی کلام کرنا تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

امام کے سامنے ترقیہ کرنا

اور اسی اختلاف میں وہ ترقیہ بھی داخل ہے جو ہمارے زمانے میں مروج ہے، حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک یہ ترقیہ مکروہ نہیں ہے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک ترقیہ مکروہ ہے (ترقیہ کی صورت یہ تھی کہ جب موذن تکبیر کہتا تھا تو اس سے پہلے وہ امام کے سامنے کھڑا ہو کر إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ إلخ پڑھتا تھا پھر اس کے بعد وہ حدیث شریف پڑھتا تھا جس میں یہ حکم دیا گیا کہ جب خطبہ پڑھا جا رہا ہو تو اس وقت کسی سے یہ کہنا بھی کہ "چپ رہو" لغو ہے، یہ طریقہ بدعت ہے، قرنِ اوّل میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہئے)۔ (شامی/٣/٣٧)

حضرات صحابہ کرام کے نام سن کر رضی اللہ عنہم کی آواز بلند کرنا

صاحب درمختار علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ خطبہ کے وقت صحابہ کرام کے نام سن کر موذنین حضرات "رضی اللہ عنہم" کی آواز جو بلند کرتے ہیں، یا اسی طرح کی کوئی اور آواز بلند کرتے ہیں، بالاتفاق مکروہ ہے اور اس کی پوری تفصیل کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق میں ہے۔ (عرب کے بعض علاقہ میں رواج تھا کہ جب امام خطبہ میں خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی لیتے تھے تو موذن بلند آواز سے رضی اللہ عنہم کہتے تھے اور جب سلطان کا نام آتا تھا تو خَلَّدَ اللّٰهُ مُلْكَهُ کہتے تھے یا دوسرے دعائیہ کلمات کہتے تھے)۔ جو لوگ امام کے سامنے ترقیہ میں حدیث شریف، آیت کریمہ پڑھتے ہیں ان پر تعجب ہے کہ ایک طرف تو وہ حدیث شریف سناتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب امام خطبہ کے لئے نکلے تو بالکل خاموش رہو۔ اور دوسری طرف خود یہ کہتے ہیں کہ "خاموش رہو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے" اس حدیث شریف کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ وہ صاحبین کے اس قول پر عمل کرتے ہیں جس میں انھوں نے فرمایا کہ خطبہ سے پہلے امر بالمعروف میں کوئی حرج ومضائقہ نہیں ہے، لہٰذا اس وقت ترقیہ حدیث شریف کے خلاف نہیں ہوگا۔

وَوَجَبَ سَعْيٌ إِلَيْهَا وَتَرْكُ الْبَيْعِ وَلَوْ مَعَ السَّعْيِ، فِي الْمَسْجِدِ أَعْظَمُ وِزْرًا بِالْأَذَانِ الْأَوَّلِ فِي الْأَصَحِّ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي زَمَنِ الرَّسُولِ بَلْ فِي زَمَنِ عُثْمَانَ. وَأَفَادَ فِي الْبَحْرِ صِحَّةَ إِطْلَاقِ الْحُرْمَةِ عَلَى الْمَكْرُوهِ تَحْرِيمًا وَيُؤَذَّنُ ثَانِيًا بَيْنَ يَدَيْهِ أَيِ الْخَطِيبِ. أَفَادَ بِوَحْدَةِ الْفِعْلِ أَنَّ الْمُؤَذِّنَ إِذَا كَانَ أَكْثَرَ مِنْ وَاحِدٍ أَذَّنُوا وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ وَلَا يَجْتَمِعُونَ كَمَا فِي الْجَلَابِيِّ والتمرتاشي ذَكَرَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ. إِذَا جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَإِذَا أَتَمَّ أُقِيمَتْ وَيُكْرَهُ الْفَصْلُ بِأَمْرِ الدُّنْيَا ذَكَرَهُ الْعَيْنِيُّ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُصَلِّيَ غَيْرُ الْخَطِيبِ لِأَنَّهُمَا كَشَيْءٍ وَاحِدٍ فَإِنْ فَعَلَ بِأَنْ خَطَبَ صَبِيٌّ بِإِذْنِ السُّلْطَانِ وَصَلَّى بَالِغٌ جَازَ هُوَ الْمُخْتَارُ. لَا بَأْسَ بِالسَّفَرِ يَوْمَهَا إِذَا خَرَجَ مِنْ عُمْرَانِ الْمِصْرِ قَبْلَ خُرُوجِ وَقْتِ الظُّهْرِ كَذَا فِي الْخَانِيَّةِ لَكِنْ عِبَارَةُ الظَّهِيرِيَّةِ وَغَيْرِهَا بِلَفْظِ دُخُولِ بَدَلَ خُرُوجٍ. وَقَالَ فِي شَرْحِ الْمُنْيَةِ: وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يُكْرَهُ السَّفَرُ بَعْدَ الزَّوَالِ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَهَا وَلَا يُكْرَهُ قَبْلَ الزَّوَالِ. الْقَرَوِيُّ إِذَا دَخَلَ الْمِصْرَ يَوْمَهَا إِنْ نَوَى الْمُكْثَ ثَمَّةَ ذَلِكَ الْيَوْمَ لَزِمَتْهُ الْجُمُعَةُ وَإِنْ نَوَى الْخُرُوجَ مِنْ ذَلِكَ الْيَوْمِ قَبْلَ وَقْتِهَا أَوْ بَعْدَهُ لَا تَلْزَمُهُ لَكِنْ فِي النَّهْرِ إِنْ نَوَى الْخُرُوجَ بَعْدَهُ لَزِمَتْهُ وَإِلَّا لَا. وَفِي شَرْحِ الْمُنْيَةِ: إِنْ نَوَى الْمُكْثَ إِلَى وَقْتِهَا لَزِمَتْهُ، وَقِيلَ لَا كَمَا لَا تَلْزَمُ لَوْ قَدِمَ مُسَافِرٌ يَوْمَهَا عَلَى عَزْمِ أَنْ لَا يَخْرُجَ يَوْمَهَا وَلَمْ يَنْوِ الْإِقَامَةَ نِصْفَ شَهْرٍ. يَخْطُبُ الْإِمَامُ بِسَيْفٍ فِي بَلْدَةٍ فُتِحَتْ بِهِ كَمَكَّةَ وَإِلَّا لَا كَالْمَدِينَةِ. وَفِي الْحَاوِي الْقُدْسِيِّ: إِذَا فَرَغَ الْمُؤَذِّنُونَ قَامَ الْإِمَامُ، وَالسَّيْفُ فِي يَسَارِهِ، وَهُوَ مُتَّكِئٌ عَلَيْهِ. وَفِي الْخُلَاصَةِ: وَيُكْرَهُ أَنْ يَتَّكِئَ عَلَى قَوْسٍ أَوْ عَصًا.

اذان جمعہ کے بعد تمام کام کاج چھوڑ کر جمعہ کی تیاری کرنا

جمعہ کے دن اذان اول کے بعد نماز جمعہ کی تیاری کرنا اور خرید وفروخت کو چھوڑ دینا اصح قول کے مطابق واجب ہے، گو یہ پہلی اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھی بلکہ اس اذان کا اضافہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا ہے شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مسجد کی طرف جاتے ہوئے بھی خرید وفروخت چھوڑ دینا چاہیے، اور مسجد میں تو خرید وفروخت کرنا بہت بڑا سنگین گناہ ہے۔ (لیکن علامہ شامی نے سراج الوھاج کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر مسجد جاتے ہوئے کوئی شخص خرید وفروخت کرے اور نماز جمعہ کی تیاری میں کوئی حرج نہ ہوتو اس میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

مکروہ تحریمی کے لئے لفظ حرمت کا استعمال کرنا

کنز الدقائق کی مشہور عربی شرح البحر الرائق میں لکھا ہے کہ مکروہ تحریمی کے لئے حرمت کا لفظ اطلاق کرنا صحیح ہے۔ (یہ درحقیقت اس سوال کا جواب ہے کہ صاحب ہدایہ نے اذان اول کے وقت خرید وفروخت کو حرام لکھا ہے حالاں کہ مکروہ تحریمی ہے تو اس کا **جواب** یہ ہے کہ حرام کا لفظ مکروہ تحریمی کے لئے بھی کبھی کبھی بولا جاتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔) (شامی/۳/۳۸)

اذانِ اوّل کے مصداق کے بارے میں اختلاف

علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے کہ اذان اول سے کون سی اذان مراد ہے اس بارے میں حضرات فقہائے کرام کے درمیان اختلاف ہے چنانچہ بعض علماء کا یہ کہنا ہے کہ اذانِ اوّل سے مراد وہ اذان ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد امام کے سامنے دی جاتی ہے اس لئے کہ مشروعیت کے اعتبار سے یہی اذان اول ہے، کیوں کہ عہد نبوی، خلافت ابوبکرؓ اور خلافت عمرؓ میں صرف یہی اذان تھی، جب حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں آبادی بڑھ گئی، لوگ زیادہ ہوگئے، تو آپ نے اپنے زمانے میں مزید ایک اذان کا اضافہ فرمادیا، لہٰذا حقیقت اور مشروعیت کے اعتبار سے اذانِ اوّل یہی ہوگی۔ لیکن علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ پہلی اذان وہ شمار ہوگی جو وقت داخل ہونے کے بعد پہلے ہوتی ہے اور مسجد کے منارہ سے پہلے پکاری جاتی ہے۔ (شامی/۳/۳۸)

جمعہ کی اذانِ ثانیہ کہاں دی جائے

جب امام منبر پر خطبہ دینے کے لئے بیٹھ جائے تو موذن دوسری اذان امام یعنی خطیب کے روبرو دے۔ اور ماتن نے یہاں لفظ یُؤَذِّنُ واحد کا صیغہ لایا ہے اس سے یہ مسئلہ مستفاد ہوا کہ اگر اذان دینے والے کئی ایک ہوں تو وہ سب ایک ساتھ مل کر نہ کہیں گے بلکہ یکے بعد دیگرے اذان کہیں گے، جیسا کہ جلابی اور تمرتاشی میں مذکورہ ہے اس کو قہستانی نے ذکر کیا ہے۔

خطبہ اور اقامت کے درمیان فصل کرنے کا شرعی حکم

جب خطیب خطبہ سے فارغ ہوجائے تو فوراً اقامت کہی جائے۔ خطبہ اور اقامت کے درمیان کسی دنیاوی امر کی وجہ سے فاصلہ کرنا مکروہ ہے، اس کو عینی نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے۔ (الغرض جوں ہی خطبۂ ثانیہ ختم ہو فوراً نماز جمعہ کے لئے اقامت شروع کردی جائے، فاصلہ نہ کیا جائے۔ اور دنیاوی امور کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اگر امر بالمعروف یا نہی عن

المنکر کی وجہ سے فاصلہ ہو جائے یا صفیں سیدھی کرانے کی وجہ سے تاخیر ہو جائے یہ مکروہ نہیں ہے اور مسنون یہ ہے منبر محراب کی بائیں جانب ہو، رسول اللہؐ کے منبر شریف میں تین سیڑھیاں تھیں۔ (شامی/۳/۳۹)

جمعہ کی نماز خطیب ہی پڑھائے تو بہتر ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ خطیب کے علاوہ کوئی دوسرا شخص جمعہ کی امامت کرائے اس لئے کہ خطبہ اور نماز دونوں ایک شئی کے درجے میں ہیں، لہٰذا خطبہ اور جمعہ ایک ہی آدمی کو پڑھانا مناسب ہے، لیکن اگر غیر خطیب نماز جمعہ پڑھائے تو بھی جائز ہے چنانچہ اگر بادشاہ کی اجازت سے کسی بچہ نے خطبہ دیا اور نماز کسی بالغ شخص نے پڑھائی تو یہ جائز ہے اور اس بارے میں مختار مذہب یہی ہے۔ (فتاویٰ الحجہ میں ہے غیر خطیب کے لئے جمعہ کی نماز پڑھانا جائز نہیں ہے، لیکن اکثر علماء کرام جواز کے قائل ہیں)۔

جمعہ کے دن سفر کرنے کا شرعی حکم

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جمعہ کے دن ظہر کے وقت داخل ہونے سے پہلے شہر کی آبادی سے نکل چکا ہے تو اس کے لئے جمعہ کے دن سفر کرنے میں کوئی حرج شرعی نہیں ہے، جیسا کہ فتاویٰ خانیہ میں ہے، لیکن فتاویٰ ظہیریہ وغیرہ کی عبارت میں دخول کے بدلہ میں خروج کا لفظ ہے۔ (اور یہاں سفر سے مراد ایسی جگہ سفر کرنا ہے جہاں کے باشندوں پر جمعہ کی نماز واجب نہ ہو)۔ (کذافی الشامی/۳/۴۰)

اور شرح المنیہ میں لکھا ہے کہ صحیح قول کے مطابق جمعہ کے دن زوال کے بعد جمعہ کی نماز ادا کرنے سے پہلے سفر کرنا مکروہ ہے؛ البتہ زوال سے پہلے سفر کرنا مکروہ نہیں ہے، کیوں کہ زوال سے پہلے جمعہ فرض نہیں ہوتا ہے۔

گاؤں کے باشندے جن پر جمعہ واجب نہیں ہے اگر جمعہ کے دن شہر آئیں تو کیا حکم ہے

گاؤں دیہات کے باشندے پر جمعہ کی نماز واجب نہیں ہے، اگر وہ لوگ جمعہ کے دن شہر آئیں اور وہاں اس دن قیام کی نیت کرلیں تو ان پر جمعہ کی نماز واجب ہے اور اگر اسی دن شہر سے چلے جانے کا ارادہ ہو تو اس صورت میں ان پر جمعہ کی نماز واجب نہیں ہے؛ خواہ جانے کا ارادہ جمعہ کے وقت سے پہلے کیا ہو یا بعد میں، لیکن نہر الفائق میں یہ لکھا ہے کہ اگر جمعہ کے وقت داخل ہو جانے کے بعد جانے کا ارادہ کیا تو اس صورت میں جمعہ واجب ہوگا، اور اگر وقت کے داخل ہونے سے پہلے جانے کا قصد کرلیں تو جمعہ واجب نہ ہوگا۔ اور شرح المنیہ میں ہے کہ اگر ان کا ارادہ جمعہ کی نماز کے وقت تک رکنے کا ہے تو ان پر جمعہ

لازم ہوگا۔ اور ایک دوسرا ضعیف قول یہ ہے کہ جمعہ لازم نہ ہوگا جیسا کہ اس مسافر پر جمعہ کی نماز واجب نہیں ہے جو جمعہ کے دن شہر میں اس ارادہ کے ساتھ آیا ہے کہ وہ اس دن شہر سے واپس نہیں ہوگا، اور نہ اس نے شہر میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت کی ہے، ہاں اگر وہ شہر میں پندرہ یوم کی اقامت کی نیت کرلے گا تو اس پر جمعہ کی نماز واجب ہوگی۔

خطبہ دیتے وقت عصا یا تلوار ہاتھ میں لینے کا حکم

جس ملک یا شہر کو قوت وطاقت سے فتح کیا گیا ہے جیسے مکہ مکرمہ ہے وہاں امام جمعہ کا خطبہ تلوار کے سہارے دیگا۔ اور جو شہر قوت وطاقت سے فتح نہیں ہوا جیسے مدینہ منورہ تو وہاں امام تلوار لے کر خطبہ نہیں دے گا، حاوی قدسی نامی کتاب میں مذکور ہے کہ جب مؤذن امام کے سامنے دوسری اذان دے چکے تو امام خطبہ دینے کے واسطے اس طرح کھڑا ہو کہ اس کے بائیں ہاتھ میں تلوار ہو جس پر وہ ٹیک لگائے ہوئے ہو۔ اور خلاصہ نامی کتاب میں ہے کہ خطبہ میں نیزہ اور لاٹھی کا سہارا لینا مکروہ ہے۔ (لیکن خلاصہ کی اس عبارت پر علماء نے اعتراض کیا ہے کہ خلاصہ کی عبارت صحیح نہیں ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ حدیث شریف میں اس کی صراحت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لاٹھی کے سہارے خطبہ دیا ہے، چنانچہ علامہ شامی محیط نامی کتاب کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جس طرح خطبہ میں کھڑا ہونا سنت ہے اسی طرح خطبہ میں عصا کا سہارا لینا بھی سنت ہے۔ (شامی/۳/۴۱)۔ اور البحر الرائق میں ہے کہ تلوار لٹکا کر خطبہ دے۔ اور نہر الفائق میں ہے کہ تلوار کی نوک کو زمین پر رکھے اور اس پر ہاتھ کا سہارا دیکر خطبہ دے تاکہ دونوں باتیں حاصل ہوجائیں۔

فُرُوعٌ سَمِعَ النِّدَاءَ وَهُوَ يَأْكُلُ تَرَكَهُ إِنْ خَافَ فَوْتَ جُمُعَةٍ أَوْ مَكْتُوبَةٍ لَا جَمَاعَةٍ، رُسْتَاقِيٌّ. سَعَى يُرِيدُ الْجُمُعَةَ وَحَوَائِجَهُ أَنَّ مُعْظَمَ مَقْصُودِهِ الْجُمُعَةُ نَالَ ثَوَابَ السَّعْيِ إِلَيْهَا، وَبِهَذَا تَعْلَمُ أَنَّ مَنْ شَرَّكَ فِي عِبَادَتِهِ فَالْعِبْرَةُ لِلْأَغْلَبِ. الْأَفْضَلُ حَلْقُ الشَّعْرِ وَقَلْمُ الظُّفُرِ بَعْدَهَا، لَا بَأْسَ بِالتَّخَطِّي مَا لَمْ يَأْخُذِ الْإِمَامُ فِي الْخُطْبَةِ وَلَمْ يُؤْذِ أَحَدًا إِلَّا أَنْ لَا يَجِدَ إِلَّا فُرْجَةً أَمَامَهُ فَيَتَخَطَّى إِلَيْهَا لِلضَّرُورَةِ وَيُكْرَهُ التَّخَطِّي لِلسُّؤَالِ بِكُلِّ حَالٍ وَسُئِلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَنْ سَاعَةِ الْإِجَابَةِ فَقَالَ: مَا بَيْنَ جُلُوسِ الْإِمَامِ إِلَى أَنْ يُتِمَّ الصَّلَاةَ، وَهُوَ الصَّحِيحُ. وَقِيلَ: وَقْتُ الْعَصْرِ وَإِلَيْهِ ذَهَبَ الْمَشَايِخُ كَمَا فِي التَّاتَارْخَانِيَّةِ وَفِيهَا سُئِلَ بَعْضُ الْمَشَايِخِ لَيْلَةُ الْجُمُعَةِ أَفْضَلُ أَمْ يَوْمُهَا؟ فَقَالَ: يَوْمُهَا. وَذُكِرَ فِي إِحْكَامَاتِ الْأَشْبَاهِ مِمَّا اخْتَصَّ بِهِ يَوْمُهَا قِرَاءَةُ الْكَهْفِ فِيهِ وَمَنْ فَهِمَ عَطْفَهُ عَلَى قَوْلِهِ، وَيُكْرَهُ إِفْرَادُهُ بِالصَّوْمِ، وَإِفْرَادُ لَيْلَتِهِ بِالْقِيَامِ فَقَدْ وَهَمَ، وَفِيهِ تَجْتَمِعُ الْأَرْوَاحُ وَتُزَارُ الْقُبُورُ وَيَأْمَنُ الْمَيِّتُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمَنْ مَاتَ فِيهِ

أَوْ فِي لَيْلَتِهِ أَمِنَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ، وَلَا تُسَجَّرُ فِيهِ جَهَنَّمُ ، وَفِيهِ يَزُورُ أَهْلُ الْجَنَّةِ رَبَّهُمْ تَعَالٰى.

چند اضافہ شدہ مسائل کا بیان

اگر کوئی شخص کھاتے وقت اذان سنے اور اس کو جمعہ کی نماز یا فرض نماز کے چھوٹ جانے کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں کھانا ترک کردے اور جمعہ کی نماز میں یا فرض نماز ادا کرلے، اس کے بعد کھانا کھائے، اور اگر کھانے کی وجہ سے جماعت چھوٹ جانے کا خوف ہو تو ایسی صورت میں کھانا نہ چھوڑے۔ (اس لئے کہ ایسا کھانا جس کی طرف طبیعت لگی رہتی ہو، یا اس کو دیر سے کھانے سے اس کی لذت ختم ہوجانے کا خطرہ ہو تو یہ ایسا عذر شرعی ہے کہ جس کی وجہ سے جماعت چھوڑنا جائز ہے)۔

دیہاتیوں کا جمعہ پڑھنے کے مقصد سے شہر آنا

اگر کوئی دیہات کا باشندہ جس پر جمعہ واجب نہیں ہے وہ جمعہ کے ارادے سے اور دوسری ضرورتوں کی وجہ سے شہر آیا، اور اس کا اہم ترین مقصد جمعہ ادا کرنا ہے، تو اس صورت میں اس کو جمعہ کے لئے چلنے کا بھی ثواب ملے گا، اس مسئلہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص اپنی عبادت میں شرک کی آمیزش کردے اور کوئی دوسرا مقصد شامل کردے تو جو زیادہ غالب ہوگا اس کا اعتبار ہوگا۔ (مثلاً ایک شخص حج کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کا سفر کرتا ہے لیکن اس میں تجارت کی بھی نیت کرلیتا ہے تو اگر زیادہ غالب حج کا ارادہ ہے تو اس صورت میں حج کا ثواب ملے گا ورنہ حج کا ثواب نہ ملے گا اسی طرح اگر نماز میں اس قدر فرض کی نیت اور لوگوں کی مذمت دور کرنے کی نیت ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہم ترین مقصد ضرورت ہو یا دونوں مقاصد برابر ہوں تو کوئی ثواب نہ ملے گا)۔ (شامی/۳/۴۱)

جمعہ کے دن ناخن اور بال بنوانا

افضل یہ ہے کہ جمعہ کے دن جمعہ کے بعد بال بنوائے اور ناخن ترشوائے۔ (لیکن فتاویٰ تاتر خانیہ میں لکھا ہے کہ جمعہ کے دن نمازِ جمعہ سے پہلے ناخنوں کا کاٹنا اور مونچھ بنانا مکروہ ہے، اسلئے کہ جمعہ میں ایک طرح سے حج کی سی کیفیت ہوجاتی ہے، لہٰذا جس طرح حج میں فراغت حج کے بعد بال بنواتے ہیں اسی طرح جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد بال بنوانا بہتر ہوگا)۔ (شامی/۳/۴۲)

گردن پھاند کر آگے جانے کا حکم شرعی

جب تک امام خطبہ دینا شروع نہ کرے اس وقت تک لوگوں کی گردنیں پھاند کر آگے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ اس سے کسی کو کوئی تکلیف نہ ہوتی ہو، اور اگر وہ اپنے سامنے خالی جگہ کے علاوہ کوئی جگہ نہ پائے تو اس خالی جگہ کو پُر

کرنے کے لئے لوگوں کی گردنیں پھاند کر وہاں تک جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ ضرورت ہے۔(اور خطبہ شروع ہو جانے کے بعد گردنیں پھاند کر آگے جانا جائز نہیں ہے اسی طرح کسی کو تکلیف پہنچا کر آگے جانا جائز نہیں ہے)۔ (شامی/۳/۴۲)

سوال کرنے کے لئے گردنیں پھاندنے کا حکم

سوال کرنے کے واسطے لوگوں کی گردنیں پھاند کر آگے جانا ہر حال میں مکروہ ہے، خواہ کسی کو تکلیف ہو یا نہ ہو۔(مسجد میں مانگنے والے سائل کو دینے کے متعلق حضرات علمائے کرام کے درمیان اختلاف ہے لیکن اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ اگر سوال کرنے والے نمازیوں کے سامنے سے نہ گذریں اور گردنوں کو نہ پھاندیں، اور نہ ہی اصرار کے ساتھ مانگیں، تو اس صورت میں مسجد میں مانگنا اور دینا دونوں ہی جائز ہیں۔ اور اگر مانگنے والا مذکورہ بالا صفت کے ساتھ متصف نہ ہو تو فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ اس کو دینا جائز نہیں ہے)۔ (شامی/۳/۴۲)

وہ جمعہ کی وہ ساعت جس میں دعاء قبول ہوتی ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا گیا ہے کہ جمعہ کے دن وہ کون سی گھڑی ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب امام خطبہ دینے کے لئے منبر پر بیٹھتا ہے اس وقت سے لے کر نماز مکمل ہونے تک کا وقت قبولیت دعاء کا وقت ہے اور یہی قول صحیح ہے۔ اور اس بارے میں ایک دوسرا قول یہ ہے کہ جمعہ کے دن قبولیت دعاء کا وقت عصر کا وقت ہے، چنانچہ مشائخ امت اُسی کی طرف گئے ہیں، جیسا کہ تاتر خانیہ میں مذکور ہے۔

جمعہ کا دن افضل ہے یا جمعہ کی رات؟

اور فتاویٰ تاتر خانیہ میں لکھا ہے کہ بعض مشائخ سے یہ سوال کیا گیا کہ جمعہ کا دن افضل ہے یا جمعہ کی رات؟ تو انھوں نے یہ جواب دیا کہ جمعہ کا دن افضل ہے، اس لئے کہ جمعہ کی رات کی فضیلت بھی جمعہ کی نماز ہی کی وجہ سے ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ نماز جمعہ دن میں مشروع ہے نہ کہ رات میں۔

جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھنا

الاشباہ والنظائر کے احکام جمعہ میں لکھا ہے کہ جمعہ کے دن جو امور مختص ہیں اور جن کی وجہ سے جمعہ کے دن کو فضیلت ہے ان میں سے ایک سورۂ کہف پڑھنا بھی ہے، خواہ جمعہ کی رات میں ہو یا جمعہ کے دن میں ہو۔ حدیث شریف میں مذکورہ ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھتا ہے وہ اس جمعہ سے لے کر آئندہ جمعہ تک بلکہ مزید تین دن تک محفوظ رہتا ہے اور اس

کے لئے نور بنتا ہے۔ (شامی/۳/۴۳)

ایک وہم کا ازالہ

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے قرأت کہف کا عطف **یکرہ افراد بالصوم الخ** پر سمجھا ہے ان سے غلطی ہوئی ہے، اس لئے کہ انھوں نے ایک مسنون چیز کو مکروہ چیز میں داخل کر دیا ہے حالاں کہ اس کا عطف **یکرہ** پر نہیں ہے۔ اور تمام دنوں کو چھوڑ کر صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنا اور تمام راتوں کو چھوڑ کر صرف جمعہ کی رات میں قیام کرنا مکروہ ہے اور یہی بات معتمد ہے، شروع میں اس کا حکم تھا بعد میں پھر منع کر دیا گیا۔ (شامی/۳/۴۳)

جمعہ کی فضیلت واہمیت

جمعہ ہی کے دن تمام روحیں جمع ہوتی ہیں، اور اسی دن قبروں کی زیارت کی جاتی ہے اور اس دن مردے عذاب سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور جس شخص کا انتقال جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں ہو جائے وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔ اور جمعہ کو جہنم گرم نہیں کی جاتی ہے اور جمعہ ہی کے دن اہل جنت اپنے پروردگار کے دیدار سے مشرف ہوتے ہیں۔

عذابِ قبر کے متعلق اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک عذاب قبر برحق ہے۔ منکر نکیر کا سوال کرنا اور قبر کا ضغطہ برحق ہے۔ اور کافروں کو قبر میں قیامت تک عذاب ہوتا رہے گا، البتہ جمعہ کے دن اور رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں عذاب قبر اٹھالیا جاتا ہے اور عذابِ قبر کی تکلیف جس طرح روح محسوس کرے گی جسم بھی اس تکلیف کا احساس کرے گا۔ اور فرماں بردار مومن کو قبر میں عذاب نہ ہوگا، بلکہ صرف قبر اس کو بھینچے گی، جس سے مومن ایک گھبراہٹ اور خوف محسوس کرے گا۔ (شامی/۳/۴۴)

ابوحماد غلام رسول منظور القاسمی پھراوی
خادم الافتاء والحدیث النبوی، بجامعۃ القرآن والسنۃ، الخیریہ بجنور
۲۴/صفر المظفر ۱۴۲۶ھ، مطابق: ۳/اپریل ۲۰۰۵ء

بَابُ العِيدَيْنِ

یہ باب عید الفطر وعید الاضحیٰ کے احکام ومسائل کے بیان میں

اس باب میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں کے احکام ومسائل کا بیان ہوگا۔ ابواب الجمعہ کے بعد متصلاً باب العیدین کو ذکر کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح جمعہ کی نماز میں جماعت شرط ہے اور قرأت بلند آواز سے ہوتی ہے، اسی طرح عیدین کی نماز میں بھی جماعت شرط ہے اور قرأت بلند آواز سے ہوتی ہے۔ اسی طرح نمازِ عیدین ان ہی لوگوں پر واجب ہے جن پر جمعہ واجب ہے اس لئے جمعہ کے بعد عیدین کا ذکر کر رہے ہیں باب الجمعہ کو اس لئے بھی مقدم فرمایا کہ جمعہ کا ثبوت کتاب اللہ سے ہے اور سال میں کثرت سے آتا ہے۔ اور عیدین کی نماز کا ثبوت قرآن سے نہیں ہے بلکہ حدیث شریف سے ہے نیز یہ نماز بھی سال میں صرف ایک مرتبہ پڑھی جاتی ہے اس لئے عیدین کے بیان کو موخر کیا ہے۔ (شامی/۳/۴۲)

یکم شوال کو عید الفطر کی نماز ادا کی جاتی ہے اور دسویں ذی الحجہ کو عید الاضحیٰ کی نماز ادا کی جاتی ہے اور ان دونوں کے مجموعہ کو ''عیدین'' کہتے ہیں۔ یہ دونوں تاریخیں اسلام خوشی ومسرت کا دن ہے جس میں دو رکعت بطور شکر کے ادا کی جاتی ہے جو عند الاحناف واجب ہے اور دوسرے علماء کے نزدیک سنت موکدہ ہے۔

سُمِّيَ بِهِ لِأَنَّ لِلّٰهِ فِيهِ عَوَائِدَ الْإِحْسَانِ، وَلِعَوْدِهِ بِالسُّرُورِ غَالِبًا أَوْ تَفَاؤُلًا ، وَيُسْتَعْمَلُ فِي كُلِّ يَوْمِ فِيهِ مَسَرَّةٌ وَلِذَا قِيلَ : عِيدٌ وَعِيدٌ صِرْنَ مُجْتَمِعَةً ☆ وَجْهُ الْحَبِيبِ وَيَوْمُ الْعِيدِ وَالْجُمُعَةُ. فَلَوْ اجْتَمَعَا لَمْ يَلْزَمْ إِلَّا صَلَاةُ أَحَدِهِمَا ، وَقِيلَ الْأُولَى صَلَاةُ الْجُمُعَةِ ، وَقِيلَ صَلَاةُ الْعِيدِ كَذَا فِي الْقُهُسْتَانِيِّ عَنْ التُّمُرْتَاشِيِّ. قُلْت : قَدْ رَاجَعْت التُّمُرْتَاشِيَّ فَرَأَيْته حَكَاهُ عَنْ مَذْهَبِ الْغَيْرِ وَبِصُورَةِ التَّمْرِيضِ فَتَنَبَّهْ وَشُرِعَ فِي الْأُولَى مِنْ الْهِجْرَةِ تَجِبُ صَلَاتُهُمَا فِي الْأَصَحِّ عَلَى مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ الْجُمُعَةُ بِشَرَائِطِهَا الْمُتَقَدِّمَةِ سِوَى الْخُطْبَةِ فَإِنَّهَا سُنَّةٌ بَعْدَهَا ، وَفِي الْقُنْيَةِ : صَلَاةُ الْعِيدِ فِي الْقُرَى تُكْرَهُ تَحْرِيمًا أَيْ لِأَنَّهُ اشْتِغَالٌ بِمَا لَا يَصِحُّ لِأَنَّ الْمِصْرَ شَرْطُ الصِّحَّةِ. وَتُقَدَّمُ صَلَاتُهَا عَلَى صَلَاةِ الْجِنَازَةِ إِذَا اجْتَمَعَا لِأَنَّهُ وَاجِبٌ عَيْنًا وَالْجِنَازَةُ

كِفَايَةً وَ تُقَدَّمُ صَلَاةُ الجِنَازَةِ عَنِ الخُطْبَةِ وَعَلَى سُنَّةِ الْمَغْرِبِ وَغَيْرِهَا وَالْعِيدِ عَلَى الْكُسُوفِ ، لَكِنْ فِي الْبَحْرِ قُبَيْلَ الْأَذَانِ عَنِ الْحَلَبِيِّ الْفَتْوَى عَلَى تَأْخِيرِ الْجِنَازَةِ عَنِ السُّنَّةِ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ كَأَنَّهُ إِلْحَاقٌ لَهَا بِالصَّلَاةِ لَكِنْ فِي آخِرِ أَحْكَامِ دِينِ الْأَشْبَاهِ يَنْبَغِي تَقْدِيمُ الْجِنَازَةِ وَالْكُسُوفِ حَتَّى عَلَى الْفَرْضِ مَا لَمْ يَضِقْ وَقْتُهُ فَتَأَمَّلْ.

عید کی وجہ تسمیہ

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عید کا نام عید اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ کے انعامات بندوں پر بار بار ہوتے ہیں۔اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ دن عام طور پر خوشی ومسرت کا پیغام لے کر آتا ہے یا بطور نیک فال کے عید کا نام عید رکھا گیا ہے؛ تاکہ فرصت ومسرت لے کر واپس آئے۔اور لفظ عید کا استعمال ہر اس دن کے لئے ہوتا ہے جس میں خوشی ہو، اسی وجہ سے کسی نے یہ شعر کہا ہے ؎

تین عیدیں جمع ہوگئیں ہیں: محبوب کا دیکھنا، عید کا دن اور جمعہ کا دن، اور یہ تینوں خوشی کے اوقات ہیں۔

جمعہ اور عید کا اجتماع

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر جمعہ اور عید دونوں ایک دن جمع ہوجائیں تو ان دونوں میں سے کوئی ایک ہی نماز لازم ہے۔بعض علماء نے فرمایا کہ اس دن صرف جمعہ کی نماز افضل اور اولیٰ ہے۔اور بعضوں نے کہا اس دن عید کی نماز افضل ہے، جیسا کہ قہستانی میں تمرتاشی سے نقل کیا ہے۔شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے تمرتاشی کا مراجعہ کیا تو اس طرح نہیں پایا بلکہ انھوں نے غیر کے مذہب کو کمزور قول کے ساتھ نقل کیا ہے، لہٰذا اس مسئلہ میں غلطی میں نہیں پڑنا چاہیے۔

(لیکن اس بارے میں صحیح بات، وہ ہے جو امام محمد نے جامع صغیر میں نقل کی ہے کہ اگر جمعہ اور عید ایک ہی دن جمع ہوجائیں تو عید کی نماز سنت ہے اور جمعہ فرض، لہٰذا ان دونوں میں سے کسی کو بھی ترک نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ دونوں کو اپنے اپنے وقت پر ادا کرنا لازم ہوگا۔ (شامی/۳/۴۵)

عید کی نماز کی تاریخ مشروعیت

نماز عید کی مشروعیت ہجرت کے پہلے سال میں ہوئی ہے، (چنانچہ ابوداود شریف میں روایت ہے انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ سال کے دو دنوں

میں کھیلتے ہیں اور خوشی مناتے ہیں، آپؐ نے ان سے دریافت کیا کہ ان دنوں میں تم لوگ کیوں خوشی مناتے ہو اور کیوں کھیل کود کرتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ وہ دودن ہیں جن میں ہم دورِ جاہلیت میں بھی کھیلا کرتے تھے۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دو دنوں کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے بدل دیا ہے)۔ (مشکوۃ/۱/۱۲۶)

عیدین کی نماز کن لوگوں پر واجب ہے؟

اصح قول کے مطابق عیدین کی نماز ان ہی لوگوں پر ان ہی شرائط کے ساتھ واجب ہے جن پر جمعہ کی نماز جمعہ کی شرائط کے ساتھ واجب ہے، جن شرائط کا ذکر ماقبل میں گذر چکا ہے البتہ عیدین کی نماز کے لئے خطبہ شرط نہیں ہے بلکہ خطبہ نمازِ عید کے بعد صرف سنت ہے، جبکہ جمعہ کی نماز کے لئے خطبہ شرط اور واجب ہے، لہٰذا صرف اسی میں فرق ہے اور بقیہ شرطوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

گاؤں میں عیدین کی نماز کا حکم شرعی

قنیہ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ دیہاتوں میں عیدین کی نماز مکروہ تحریمی ہے؛ کیوں کہ عیدین کی نماز پڑھنا درحقیقت ایسی نماز میں مشغول ہونا ہے جو دیہات میں درست نہیں ہے، اس لئے کہ عیدین کی نماز کی صحت کے لئے شہر کا ہونا شرط ہے، دیہات میں عیدین کی نماز درست نہیں ہے۔

عیدین کی نماز اور جنازے کی نماز جمع ہو جائیں تو کیا حکم ہے؟

اگر عید اور جنازے کی نماز جمع ہو جائیں تو عید کی نماز پہلے پڑھی جائے گی، اس کے بعد جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی، اس لئے کہ عید کی نماز واجب لعینہٖ ہے اور جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہے۔ (کچھ لوگوں کے ادا کرنے سے سارے لوگوں کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔ اور عید کی نماز تو ہر عاقل، بالغ، آزاد مسلمان پر جو شہر میں رہتا ہو اس پر واجب ہے)۔

اور جنازہ کی نماز، خطبہ عید اور مغرب وغیرہ کی سنتوں سے پہلے ادا کی جائے گی، کیوں کہ جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہے اور خطبہ عید سنت ہے۔ اور عید کی نماز نماز کسوف پر مقدم ہوگی، یعنی نماز عید، اور نماز کسوف دونوں ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو پہلے عید کی نماز پڑھی جائے گی، اس کے بعد کسوف کی نماز ادا کی جائے گی، لیکن البحر الرائق میں باب الاذان سے کچھ پہلے حلبی کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ فتویٰ اس بات پر ہے کہ نماز جنازہ، وقتیہ نمازوں کی سنتوں کے بعد پڑھی جائے گی اور مصنف نے بھی اسی کو برقرار رکھا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ فرض نمازوں کے بعد کی سنتوں کو فرض کے ساتھ لاحق کیا

ہے، کہ وہ فرض نمازوں کے تابع ہیں، لہٰذا فرض نمازوں کے بعد سنت پڑھی جائے، پھر اس کے بعد جنازہ کی نماز ادا کی جائے، اس بارے میں مفتی بہ قول یہی ہے۔

لیکن الاشباہ والنظائر کے اخیر میں لکھا ہے کہ مناسب یہ ہے کہ نمازِ جنازہ اور سورج گہن کی نماز کو فرض نمازوں پر مقدم کرے، اگر فرض نمازوں کا وقت تنگ نہ ہو لہٰذا اس مسئلہ میں خوب غور کرلیا جائے، لیکن بحر کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے کہ فتویٰ پہلے قول پر ہے۔

وَنُدِبَ يَوْمَ الْفِطْرِ أَكْلُهُ حُلْوًا وِتْرًا وَلَوْ قَرَوِيًّا قَبْلَ خُرُوجِهِ إِلَى صَلَاتِهَا وَاسْتِيَاكُهُ وَاغْتِسَالُهُ وَتَطَيُّبُهُ بِمَا لَهُ رِيحٌ لَا لَوْنٌ وَلُبْسُهُ أَحْسَنَ ثِيَابِهِ وَلَوْ غَيْرَ أَبْيَضَ وَأَدَاءُ فِطْرَتِهِ صَحَّ عَطْفُهُ عَلَى أَكْلِهِ لِأَنَّ الْكَلَامَ كُلَّهُ قَبْلَ الْخُرُوجِ، وَمِنْ ثَمَّ أَتَى بِكَلِمَةِ ثُمَّ خُرُوجُهُ لِيُفِيدَ تَرَاخِيَهُ عَنْ جَمِيعِ مَا مَرَّ مَاشِيًا إِلَى الْجَبَّانَةِ وَهِيَ الْمُصَلَّى الْعَامُّ، وَالْوَاجِبُ مُطْلَقُ التَّوَجُّهِ وَالْخُرُوجُ إِلَيْهَا أَيْ الْجَبَّانَةِ لِصَلَاةِ الْعِيدِ سُنَّةٌ وَإِنْ وَسِعَهُمْ الْمَسْجِدُ الْجَامِعُ هُوَ الصَّحِيحُ وَلَا بَأْسَ بِإِخْرَاجِ مِنْبَرٍ إِلَيْهَا لَكِنْ فِي الْخُلَاصَةِ: لَا بَأْسَ دُونَ إِخْرَاجِهِ، وَلَا بَأْسَ بِعَوْدِهِ رَاكِبًا. وَنُدِبَ كَوْنُهُ مِنْ طَرِيقٍ آخَرَ وَإِظْهَارُ الْبَشَاشَةِ وَإِكْثَارُ الصَّدَقَةِ وَالتَّخَتُّمُ وَالتَّهْنِئَةُ بِتَقَبَّلَ اللَّهُ مِنَّا وَمِنْكُمْ لَا تُنْكَرُ وَلَا يُكَبِّرُ فِي طَرِيقِهَا وَلَا يَتَنَفَّلُ قَبْلَهَا مُطْلَقًا يَتَعَلَّقُ بِالتَّكْبِيرِ وَالتَّنَفُّلِ كَذَا قَرَّرَهُ الْمُصَنِّفُ تَبَعًا لِلْبَحْرِ لَكِنْ تَعَقَّبَهُ فِي النَّهْرِ وَرَجَّحَ تَقْيِيدَهُ بِالْجَهْرِ. زَادَ فِي الْبُرْهَانِ وَقَالَا: الْجَهْرُ بِهِ سُنَّةٌ كَالْأَضْحَى وَهِيَ رِوَايَةٌ عَنْهُ وَوَجْهُهَا ظَاهِرُ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ﴾ وَوَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ بِدْعَةٌ فَيَقْتَصِرُ عَلَى مَوْرِدِ الشَّرْعِ. اهـ. وَكَذَا لَا يَتَنَفَّلُ بَعْدَهَا فِي مُصَلَّاهَا فَإِنَّهُ مَكْرُوهٌ عِنْدَ الْعَامَّةِ وَإِنْ تَنَفَّلَ بَعْدَهَا فِي الْبَيْتِ جَازَ بَلْ يُنْدَبُ تَنَفُّلٌ بِأَرْبَعٍ وَهَذَا لِلْخَوَاصِّ أَمَّا الْعَوَامُّ فَلَا يُمْنَعُونَ مِنْ تَكْبِيرٍ وَلَا تَنَفُّلٍ أَصْلًا لِقِلَّةِ رَغْبَتِهِمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَحْرٌ. وَفِي هَامِشِهِ بِخَطِّ ثِقَةٍ وَكَذَا صَلَاةُ رَغَائِبَ وَبَرَاءَةٍ وَقَدْرٍ لِأَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَأَى رَجُلًا يُصَلِّي بَعْدَ الْعِيدِ فَقِيلَ أَمَا تَمْنَعُهُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؟ فَقَالَ أَخَافُ أَنْ أَدْخُلَ تَحْتَ الْوَعِيدِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى عَبْدًا إِذَا صَلَّى﴾.

مستحبات عید کا بیان

عید الفطر کے دن مستحب ہے کہ نماز عید الفطر کے لئے جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھائے مثلاً کھجور وغیرہ کھائے۔ اور

مستحب یہ ہے کہ طاق عدد کھائے مثلاً تین کھائے، یا پانچ عدد کھائے، خواہ وہ دیہات کا رہنے والا ہی کیوں نہ ہو، اور عید کے دن مسواک کرنا، غسل کرنا اور خوشبو لگانا، جس میں خوشبو ہو رنگ نہ ہو مستحب ہے۔ اور عید کے دن اپنے موجود تمام کپڑوں میں سے جو عمدہ کپڑا ہے اس کو استعمال کرنا بھی مستحب ہے، اگر چہ وہ کپڑا سفید نہ ہو۔ (یہاں مستحب سے مراد سنت ہے، اس لئے کہ یہ تمام سنتیں مردوں کے ساتھ خاص ہیں اور مستحب بول کر سنت مراد لینا درست ہے)۔

عیدگاہ جانے سے پہلے صدقۃ الفطر ادا کرنا

اور مستحب ہے کہ عیدگاہ جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کردے، پھر عیدگاہ عید کی نماز پڑھنے کے لئے جائے، شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں وَاَدَاءُ فِطْرَتِهٖ کا عطف آکلہ پر ہے، اور نفس صدقۃ الفطر تو واجب ہے لیکن عیدگاہ جانے سے پہلے نکالنا مستحب ہے اس لئے کہ یہاں عیدگاہ جانے سے پہلے کی بات چل رہی ہے، اسی لئے حضرت مصنف نے اس کے بعد کلمہ "ثُمَّ" سے بیان کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ مذکورہ بالا تمام امور عیدگاہ جانے سے پہلے ادا کرنا مستحب ہے اس کے بعد پیدل عیدگاہ جانا مستحب ہے۔ اور نماز عید کے لئے مطلقاً عیدگاہ جانا سنت ہے، خواہ پیدل ہو خواہ سواری کے ذریعہ ہو، اگر چہ جامع مسجد میں اتنی گنجائش ہو کہ لوگ اس میں آسکتے ہوں اس کے باوجود عیدگاہ نماز عید کے لئے جانا سنت ہے، یہی قول صحیح ہے۔ (اور فتاویٰ خلاصہ اور خانیہ میں یہ ہے کہ امام کے لئے سنت ہے کہ خود عیدگاہ تشریف لے جائے تاکہ لوگوں کو عید کی نماز پڑھائے اور شہر کی جامع مسجد کے لئے کسی کو نائب بنائے، جو یہاں کمزور اور عیدگاہ جانے سے عاجز لوگوں کی نماز عید پڑھائے اور عید کی نماز دو جگہوں پر بالاتفاق جائز ہے اور اگر امام اپنا نائب نہ بنائے تو یہ بھی اختیار ہے۔ (شامی/۳/۴۹)

منبر کو عیدگاہ لے جانا

ماتن فرماتے ہیں کہ منبر کو عیدگاہ کی جانب لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن خلاصہ نامی کتاب میں ہے کہ عیدگاہ میں منبر تعمیر کردینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، البتہ منبر کو عیدگاہ لے جانے میں مضائقہ ہے لہٰذا اس سے بچنا بہتر ہے۔ (اور اس زمانے میں فتویٰ اس بات پر ہے کہ عیدگاہ میں منبر تعمیر کرادینا جائز اور احسن ہے)۔ (شامی/۳/۴۹)

عیدگاہ سے سواری سے واپس ہونا

اور اگر لوگ نماز عید پڑھ کر سواری سے واپس ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ جس راستہ سے عیدگاہ گیا ہے اس کے علاوہ سے واپس ہو، اس لئے کہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے

دن راستہ بدل کر واپس ہوتے تھے۔ اور شرح المنیہ میں راستہ بدل کر واپسی کے استحباب کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ اس کے اندر گواہ زیادہ ہوں گے، اس لئے کہ قیامت کے دن جگہیں بھی گواہی دیں گی۔

عید کے دن خوشی و مسرت کا اظہار کرنا

عید کے دن خوشی و مسرت کا اظہار کرنا، اور خوب زیادہ صدقہ کرنا، انگوٹھی پہننا، ایک دوسرے کو مبارک بادی دینا بھی مستحب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے اور تمہاری طرف سے اسے قبول فرمائے اور اس مبارک بادی کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ (اور اس طرح سے اس لئے کہا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں سے اس بارے میں کچھ بھی منقول نہیں ہے۔ امام مالکؒ نے اس مبارک بادی کو ناجائز کہا ہے۔ اور امام اوزاعیؒ نے اس کو بدعت قرار دیا ہے، لیکن محقق ابن امیر حاج نے اس کو فی الجملہ مستحب اور جائز قرار دیا ہے اور انھوں نے صحیح سندوں کے ساتھ صحابۂ کرام کے بہت سارے آثار نقل کیے ہیں۔ (شامی/۳/۴۹)

عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیر کہنا

عید الفطر میں عیدگاہ سے جب راستہ بدل کر واپس ہو تو واپسی میں تکبیر نہ کہے، اور عید الفطر کے دن عید کی نماز ہونے سے قبل نہ عیدگاہ میں نفل نماز پڑھے نہ ہی گھر میں، جیسا کہ مصنف نے اس کو صاحب بحر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے باقی رکھا ہے۔ (خلاصہ نامی کتاب میں یہ ہے عید الفطر میں نہ بلند آواز سے تکبیر کہے اور نہ پست آواز میں، اور حضرات صاحبین کے نزدیک عید الفطر میں تکبیر کہے گا لیکن پست آواز سے کہے گا، حضرت امام ابوحنیفہؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے، لیکن اصح قول یہ ہے کہ عید الفطر میں تکبیر نہ کہے گا)۔ (شامی/۳/۵۰) لیکن نہر الفائق میں اس کا تعاقب کیا گیا ہے اور تکبیر نہ کہنے کو جہر کے ساتھ مقید کیا ہے، مطلب یہ ہے عید الفطر میں تکبیر تو کہے گا لیکن بلند آواز سے نہ کہے گا بلکہ آہستہ آواز سے کہے گا، اور اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ اور برہان نامی کتاب میں اس کا اضافہ ہے کہ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک عید الفطر میں عیدگاہ جاتے ہوئے اسی طرح بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت ہے جس طرح عید الاضحیٰ میں سنت ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے۔ اور عید الفطر میں بلند آواز سے تکبیر کہنے کی وجہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے ﴿وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ﴾ الآیۃ تم گنتی پوری کرو۔ اور چاہئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس لئے کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے۔ اس آیت میں درحقیقت نعمتوں کا اظہار مقصود ہے اور بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور بڑائی ظاہر کرنا بھی نعمت ہے اس لئے بلند آواز سے تکبیر کہی جائے گی۔ اور وہ جو پہلی وجہ ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے وہ مورد شرع پر منحصر ہے، لہٰذا جہاں

بلند آواز کی اجازت ہے وہاں بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہوگا اور جہاں بلند آواز سے ذکر کرنا ممنوع ہے وہاں ناجائز ہوگا۔

عید کی نماز کے بعد عید گاہ میں نفل پڑھنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح عید الفطر کے دن عید کی نماز ہو جانے کے بعد عید گاہ میں نفل نماز نہیں پڑھے گا، اس لئے کہ یہ اکثر فقہائے کرام کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ تشریف لے جاتے اور نہ اس سے پہلے کوئی نفل پڑھتے تھے اور نہ اس کے بعد کوئی نفل پڑھتے تھے۔ اور عید کی نماز ہو جانے کے بعد نفل پڑھنے کی جو نفی ہے وہ محمول ہے عید گاہ پر، یعنی عید گاہ میں نہیں پڑھتے تھے۔ (شامی/۳/۵۱)

اگر کوئی شخص عید کی نماز ہو جانے کے بعد گھر میں آکر نفل نماز پڑھے تو یہ جائز ہے، بلکہ عید کی نماز ہو جانے کے بعد گھر میں آکر چار رکعت نفل پڑھنا مستحب ہے، لیکن یہ استحباب صرف خواص لوگوں کے حق میں ہے۔ (ابن ماجہ میں روایت ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز سے پہلے کچھ بھی نہیں پڑھتے تھے، البتہ جب آپ عید کی نماز پڑھ کر گھر تشریف لے جاتے تھے تو وہاں دو رکعت نفل پڑھتے تھے۔ اور قہستانی نے چار رکعت پڑھنے کو افضل کہا ہے۔

نفل پڑھنے اور تکبیر سے عوام کو نہ روکنا

اور عوام الناس کو چوں کہ خیر کے کاموں سے رغبت اور دلچسپی کم ہوتی ہے اس لئے ان کو تکبیر کہنے اور نفل پڑھنے سے بالکل نہیں روکا جائے گا بلکہ اگر وہ پڑھیں تو ان کو پڑھنے دیا جائے گا، خواہ تکبیر بلند آواز سے پڑھے یا آہستہ آواز سے، اسی طرح خواہ عید سے پہلے مسجد یا گھر میں نفل پڑھنے سے نہیں روکا جائے گا۔ (شامی/۳/۵۲)

نماز شب برأت اور نماز شب قدر کا حکم

البحر الرائق کے حاشیہ میں ایک مستند عالم دین کے ہاتھ سے لکھا ہے کہ اسی طرح عوام الناس کو صلاۃ رغائب اور شب قدر شب برأت کی نماز سے نہیں روکا جائے گا، اس لئے کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ عید کی نماز کے بعد نفل نماز پڑھ رہا ہے تو کسی نے کہا اے امیر المومنین آپ اس آدمی کو کیوں نہیں روکتے ہیں؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں وعید میں داخل نہ ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

کہ: ﴿أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى﴾ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو روکتا ہے بندہ کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔
(نوٹ) صلاۃ رغائب اور شب برأت یا شب قدر کی نماز کے متعلق جتنی حدیثیں بیان کی جاتی ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ اور علمائے امت کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ موضوع روایت پر عمل کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ حرام ہے۔ (شامی/۳/۵۲)

وَوَقْتُهَا مِنَ الِارْتِفَاعِ قَدْرَ رُمْحٍ فَلَا تَصِحُّ قَبْلَهُ بَلْ تَكُونُ نَفْلًا مُحَرَّمًا إِلَى الزَّوَالِ بِإِسْقَاطِ الْغَايَةِ فَلَوْ زَالَتِ الشَّمْسُ وَهُوَ فِي أَثْنَائِهَا فَسَدَتْ كَمَا فِي الْجُمُعَةِ كَذَا فِي السِّرَاجِ وَقَدَّمْنَاهُ فِي الِاثْنَيْ عَشَرِيَّةِ. وَيُصَلِّي الْإِمَامُ بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ مُثْنِيًا قَبْلَ الزَّوَائِدِ ، وَهِيَ ثَلَاثُ تَكْبِيرَاتٍ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ وَلَوْ زَادَ تَابَعَهُ إِلَى سِتَّةَ عَشَرَ لِأَنَّهُ مَأْثُورٌ، لَا أَنْ يَسْمَعَ مِنَ الْمُكَبِّرِينَ فَيَأْتِيَ بِالْكُلِّ وَيُوَالِي نَدْبًا بَيْنَ الْقِرَاءَتَيْنِ وَيَقْرَأُ كَالْجُمُعَةِ. وَلَوْ أَدْرَكَ الْمُؤْتَمُّ الْإِمَامَ فِي الْقِيَامِ بَعْدَمَا كَبَّرَ كَبَّرَ فِي الْحَالِ بِرَأْيِ نَفْسِهِ لِأَنَّهُ مَسْبُوقٌ ، وَلَوْ سُبِقَ بِرَكْعَةٍ يَقْرَأُ ثُمَّ يُكَبِّرُ لِئَلَّا يَتَوَالَى التَّكْبِيرُ فَلَوْ لَمْ يُكَبِّرْ حَتَّى رَكَعَ الْإِمَامُ قَبْلَ أَنْ يُكَبِّرَ الْمُؤْتَمُّ لَا يُكَبِّرُ فِي الْقِيَامِ وَ لَكِنْ يَرْكَعُ وَيُكَبِّرُ فِي الرُّكُوعِ عَلَى الصَّحِيحِ لِأَنَّ لِلرُّكُوعِ حُكْمَ الْقِيَامِ فَالْإِتْيَانُ بِالْوَاجِبِ أَوْلَى مِنَ الْمَسْنُونِ كَمَا لَوْ رَكَعَ الْإِمَامُ قَبْلَ أَنْ يُكَبِّرَ فَإِنَّ الْإِمَامَ يُكَبِّرُ فِي الرُّكُوعِ وَلَا يَعُودُ إِلَى الْقِيَامِ لِيُكَبِّرَ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ فَلَوْ عَادَ يَنْبَغِي الْفَسَادُ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الزَّوَائِدِ وَإِنْ لَمْ يَرَ إِمَامُهُ ذَلِكَ إِلَّا إِذَا كَبَّرَ رَاكِعًا كَمَا مَرَّ فَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ عَلَى الْمُخْتَارِ لِأَنَّ أَخْذَ الرُّكْبَتَيْنِ سُنَّةٌ فِي مَحَلِّهِ وَلَيْسَ بَيْنَ تَكْبِيرَاتِهِ ذِكْرٌ مَسْنُونٌ وَلِذَا يُرْسِلُ يَدَيْهِ وَيَسْكُتُ بَيْنَ كُلِّ تَكْبِيرَتَيْنِ مِقْدَارَ ثَلَاثِ تَسْبِيحَاتٍ هَذَا يَخْتَلِفُ بِكَثْرَةِ الزِّحَامِ وَقِلَّتِهِ. وَيَخْطُبُ بَعْدَهَا خُطْبَتَيْنِ وَهُمَا سُنَّةٌ فَلَوْ خَطَبَ قَبْلَهَا صَحَّ وَأَسَاءَ لِتَرْكِ السُّنَّةِ ، وَمَا يُسَنُّ فِي الْجُمُعَةِ وَيُكْرَهُ يُسَنُّ فِيهَا وَيُكْرَهُ وَ الْخُطَبُ ثَمَانٌ بَلْ عَشْرٌ يَبْدَأُ بِالتَّحْمِيدِ فِي ثَلَاثٍ خُطْبَةِ جُمُعَةٍ وَاسْتِسْقَاءٍ وَنِكَاحٍ وَيَنْبَغِي أَنْ تَكُونَ خُطْبَةُ الْكُسُوفِ وَخَتْمِ الْقُرْآنِ كَذَلِكَ وَلَمْ أَرَهُ وَيَبْدَأُ بِالتَّكْبِيرِ فِي خَمْسٍ: خُطْبَةِ الْعِيدَيْنِ وَثَلَاثِ خُطَبِ الْحَجِّ إِلَّا أَنَّ الَّتِي بِمَكَّةَ وَعَرَفَةَ يَبْدَأُ فِيهَا بِالتَّكْبِيرِ ثُمَّ بِالتَّلْبِيَةِ ثُمَّ بِالْخُطْبَةِ، كَذَا فِي خِزَانَةِ أَبِي اللَّيْثِ، وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَسْتَفْتِحَ الْأُولَى بِتِسْعِ تَكْبِيرَاتٍ تَتْرَى أَيْ مُتَتَابِعَاتٍ وَالثَّانِيَةَ بِسَبْعٍ هُوَ السُّنَّةُ وَ أَنْ يُكَبِّرَ قَبْلَ نُزُولِهِ مِنَ الْمِنْبَرِ أَرْبَعَ عَشْرَةَ وَإِذَا صَعِدَ عَلَيْهِ لَا يَجْلِسُ عِنْدَنَا، مِعْرَاجٌ. وَ أَنْ يُعَلِّمَ النَّاسَ فِيهَا أَحْكَامَ صَدَقَةِ الْفِطْرِ لِيُؤَدِّيَهَا

مَنْ لَمْ يُؤَدِّهَا وَيَنْبَغِي تَعْلِيمُهُمْ فِي الْجُمُعَةِ الَّتِي قَبْلَهَا لِيُخْرِجُوهَا فِي مَحَلِّهَا وَلَمْ أَرَهُ، وَهٰكَذَا كُلُّ حُكْمٍ أُحْتِيجَ إِلَيْهِ، لِأَنَّ الْخُطْبَةَ شُرِعَتْ لِلتَّعْلِيمِ.

نمازعید کا وقت

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ نماز عید کا وقت آفتاب کا ایک نیزہ بلند ہو جانے کے بعد سے لے کر زوال آفتاب سے کچھ پہلے تک ہے، لہٰذا اگر کوئی آفتاب کے ایک نیزہ کے برابر بلند ہونے سے پہلے عید کی نماز ادا کرلے تو اس کی عید کی نماز درست نہ ہوگی؛ بلکہ وہ نفل حرام ہوگی، یعنی ایسی نفل نماز جس سے روکا گیا ہے۔ اور یہاں إلی الزوال میں إلی اسقاط غایت کے لئے ہے یعنی غایت مغیّا میں داخل نہیں ہے، لہٰذا زوال آفتاب سے پہلے پہلے عید کا وقت رہے گا اور زوال ہوتے ہی عید کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: اگر عید کی نماز کے درمیان سورج ڈھل جائے تو عید کی نماز باطل ہو جائے گی جس طرح کہ اگر جمعہ کی نماز پڑھتے ہوئے اگر عصر کا وقت داخل ہو گیا اور ظہر کا وقت ختم ہو گیا تو جمعہ باطل ہو جاتا ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ سراج الوھاج میں مذکور ہے۔ اور ہم نے اس مسئلہ کو مسائل اثنا عشریہ (بارہ اختلافی مسائل) کے ذیل میں اس سے پہلے ذکر کر دیا ہے۔ (اور نماز کے فاسد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز جو پڑھ رہا تھا وہ نہیں ہوگی البتہ نفل ہو جائے گی اور نفل نماز کا ثواب مل جائے گا)۔ (شامی/۳/۸۴)

نماز عید کی ترکیب

اور نماز عید امام صاحب لوگوں کو دو رکعت پڑھائے گا، اس طرح کہ تکبیراتِ زوائد سے پہلے ثنا پڑھے گا، پھر اس کے بعد تین تکبیر زائد کہے گا، اور ہر رکعت میں تین تین تکبیر زائد ہے، اگر امام تکبیر زوائد دونوں رکعتوں میں ملا کر چھ سے زیادہ کہے تو اس صورت میں مقتدی حضرات سولہ تکبیرات اپنے امام کی پیروی کرے گا یعنی امام کے ساتھ مقتدی بھی تکبیرات کہے گا اس لئے کہ سولہ تکبیرات تک حدیث میں ذکر موجود ہے اور مقتدی تکبیرات زوائد بلا واسطہ امام سے نہیں سن رہا ہے بلکہ مکبّر کے توسط سے سن رہا ہے تو اگر تکبیر سولہ تکبیرات سے زیادہ کہے گا تو اس میں بھی مقتدی اس کی پیروی کرے گا اور تمام تکبیرات بجالائے گا، اس وجہ سے کہ ممکن ہے کہ مکبّر نے غلطی کی ہو۔

مسئلہ: اگر امام سولہ تکبیرات سے زائد تکبیرات کہے تو مقتدی پر اس کی پیروی لازم نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں امام کی غلطی بالکل یقینی ہے۔ اور اگر زائد تکبیرات مکبّر سے سنی تو زوائد میں بھی اتباع کرے گا، اس وجہ سے کہ ممکن

ہے کہ یہ غلطی مکبّر کی ہو۔ (شامی/۳/۵۵)

تکبیراتِ زوائد کہنے کا طریقہ

عید کی نماز میں چھ تکبیرات زائد ہیں۔ان کے کہنے کا طریقہ یہ ہے کہ امام سب سے پہلے تکبیر تحریمہ کے بعد نیت باندھ لے گا اس کے بعد ثنا پڑھے گا پھر تین تکبیر زائد کہے گا اور ہر تکبیر میں دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے گا اور پھر چھوڑ دے گا، اس کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھے گا اور کوئی سورت ملائے گا اور بقیہ نماز ادا کرے گا۔ پھر دوسری رکعت میں ختم سورت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے تین زائد تکبیر کہے گا اور ہر تکبیر کہتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے گا اور چھوڑ دے گا اور چوتھی تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں چلا جائے گا اور بقیہ نماز عام نمازوں کی طرح ادا کرے گا۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ امام دونوں قرأت لگاتار کرے۔(اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں تکبیرات زوائد قرأت سے پہلے کہے اور دوسری رکعت میں تکبیرات زوائد قرأت کے بعد اور رکوع سے پہلے کہے، اس طرح دونوں قرأت کے درمیان تکبیرات زوائد حائل نہ ہوں گی)۔اور نماز عید میں جمعہ جیسی قرأت کرنا مسنون ہے، یعنی پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلٰى اور دوسری رکعت میں هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَة.

نمازِ عید میں اخیر رکعت میں شریک ہونے کا حکم

اگر مقتدی امام کو قیام میں اس وقت پایا جب امام تکبیرات زوائد کہہ کے فارغ ہو چکا تھا تو مقتدی اس وقت اپنے مسلک کے مطابق تکبیرات زائد کہہ لے)۔(یعنی اگر وہ شافعی المسلک ہے تو سات تکبیرات کہہ لے اور اگر حنفی المسلک ہے تو تین تکبیرات زائد کہہ لے)۔کیوں کہ وہ مقتدی مسبوق کے درجہ میں ہے اور مسبوق اپنی نماز میں امام کا تابع نہیں ہوتا ہے۔اور اگر اس مقتدی کی ایک رکعت چھوٹ گئی ہے تو جب وہ اپنی چھوٹی ہوئی رکعت ادا کرنے کے لئے کھڑا ہو گا تو سب سے پہلے قرأت کرے گا پھر قرأت کے بعد تکبیرات زوائد کہے گا، اس کے بعد رکوع میں جائے گا تا کہ اس کی تکبیر لگاتار نہ ہو جائے۔ (اس لئے کہ اگر وہ قرأت سے پہلے تکبیر کہے گا اور قرأت کے بعد امام کے ساتھ بھی تکبیر کہے گا تو دونوں رکعتوں میں تکبیرات کا مسلسل ہونا لازم آئے گا)۔ (شامی/۳/۵۶)

نمازِ عید کا مسبوق اپنی نماز کس طرح ادا کرے گا

پس اگر مقتدی زائد تکبیر نہیں کہی یہاں تک کہ امام مقتدی کے تکبیر کہنے سے پہلے رکوع میں چلا گیا تو اس صورت میں

مقتدی قیام کی حالت میں تکبیرات زوائد نہیں کہے گا؛ بلکہ وہ امام کے ساتھ رکوع کرے گا۔ اور اصح قول کے مطابق رکوع میں ہی تکبیر زوائد کہے گا، اس لئے کہ رکوع قیام کے حکم میں ہے، لہٰذا اس میں تسبیحات مسنونہ کے ادا کرنے کے بجائے بہتر یہ ہے کہ تکبیراتِ زوائد جو واجب ہیں ان کو ادا کرلے۔

اگر امام زائد تکبیر چھوڑ کر رکوع میں چلا گیا تو کیا حکم

جس طرح کہ اگر عید کی نماز پڑھاتے ہوئے امام تکبیر زوائد کہنے سے پہلے رکوع میں چلا گیا تو اس تکبیر کو امام رکوع میں ادا کرے گا۔ اور ظاہر الروایہ کے مطابق تکبیر زوائد کہنے کے لئے قیام کی طرف امام نہیں لوٹے گا، اگر امام رکوع سے قیام کی طرف تکبیر زوائد کے لئے لوٹے گا تو اصول کے اعتبار سے اس کی نماز فاسد ہو جانی چاہیے۔ (لیکن اس بارے میں اصح قول یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی)۔

عیدین کی نماز میں تکبیراتِ زوائد کہنے کا طریقہ

عیدین کی نماز میں زائد تکبیرات کہنے کا طریقہ یہ ہے کہ: تکبیر کہتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے اگرچہ اس کا امام تکبیرات زوائد کہتے وقت ہاتھ اُٹھانے کا قائل نہ ہو، البتہ اگر ان تکبیرات زوائد کو رکوع میں ادا کرے گا تو مختار مذہب کے مطابق دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں تک نہیں اٹھائے گا، اس لئے کہ رکوع میں دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں گھٹنوں کو پکڑنا سنت ہے، اور تکبیرات زوائد کے وقت ہاتھوں کا اٹھانا بھی سنت ہے لہٰذا ایک سنت کو ادا کرنے کے لئے دوسری اس سنت کو ترک نہیں کیا جا سکتا ہے جو اپنے محل میں ہے۔

اور عیدین کی تکبیرات زوائد کے درمیان کوئی ذکر مسنون نہیں ہے، اسی وجہ سے حکم یہ ہے کہ تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دے، اس لیے کہ ہاتھوں کو اٹھا کر وہاں باندھنا سنت ہے جہاں کو ذکر مسنون ہو اور ہر دو تکبیر کے درمیان تین مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہنے کی مقدار میں خاموش رہنا چاہیے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ سکوت کی مقدار درحقیقت کثرتِ ازدحام اور قلت ازدحام پر موقوف ہے، اگر مجمع بہت زیادہ ہے تو دو تکبیروں کے درمیان زیادہ دیر تک سکوت کرے اور مجمع کم ہو تو زیادہ دیر تک سکوت اختیار نہ کرے، اس لیے کہ سکوت کا مقصد اشتباہ کو ختم کرنا ہے اس لیے سکوت کی مقدار ازدحام کی قلت وکثرت پر موقوف ہے۔

خطبہ عید نماز کے بعد ہوگا

علامہ حصکفیؒ صاحب دُرمختار فرماتے ہیں کہ امام عید کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد دو خطبے پڑھے اور یہ دونوں خطبے

پڑھنا سنت ہے۔اوراگر کسی نے نماز سے پہلے ہی عید کا خطبہ پڑھ دیا تو اگر چہ یہ خطبہ بھی درست ہے لیکن اس نے نماز سے پہلے خطبہ دے کر برا کیا، کیوں کہ اس نے سنت کی خلاف ورزی کی ہے اور سنت طریقہ کو چھوڑ دیا ہے۔اور جو چیزیں نمازِ جمعہ میں مسنون یا مکروہ ہیں وہی تمام چیزیں نماز عید میں بھی مسنون و مکروہ ہیں۔(لیکن علامہ طحطاویؒ نے خطبۂ عید اور خطبۂ جمعہ میں دو چیزوں میں فرق بیان کیا ہے(۱) خطبہ عید میں پہلے تکبیر کہنا مسنون ہے، جب کہ یہ جمعہ کے خطبہ میں مسنون نہیں ہے۔(۲) خطبۂ جمعہ میں خطبہ شروع کرنے سے پہلے منبر پر بیٹھنا مسنون ہے جب کہ عید کے خطبہ میں منبر پر بیٹھنا مسنون نہیں ہے۔

خطبوں کی تعداد اور ان کا طریقہ

فرماتے ہیں کہ کل خطبات آٹھ ہیں؛ بلکہ دس ہیں: (۱) خطبہ جمعہ۔ (۲) خطبہ عید الفطر۔ (۳) خطبہ عید الاضحیٰ۔(۴) خطبہ نکاح۔ (۵) میدان عرفات کا خطبہ۔ (۶) نماز کسوف کا خطبہ۔ (۷) نماز استسقاء کا خطبہ۔ (۸) یوم الترویہ کا خطبہ۔ (۹) خطبہ ختم قرآن۔ (۱۰)

مذکورہ بالا تین خطبے الحمد للہ سے شروع کیے جائیں گے اور وہ تین خطبے یہ ہیں:(۱) خطبہ جمعہ(۲) خطبہ استسقاء(۳) خطبہ نکاح۔ اور مناسب یہ ہے کہ جس طرح مذکورہ بالا تینوں خطبے کا آغاز الحمد اللہ سے کیا جاتا ہے اسی طرح کسوف کا خطبہ اور ختم قرآن کا خطبہ بھی الحمد للہ سے شروع کیا جائے۔شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے خطبہ کسوف اور خطبہ ختم قرآن کا حکم کہیں صراحت کے ساتھ نہیں دیکھا ہے۔اور پانچ خطبات اللہ اکبر سے شروع کئے جائیں: (۱) عید الفطر کا خطبہ۔ (۲) عید الاضحیٰ کا خطبہ۔ (۳) حج میں یوم الترویہ یعنی اٹھویں ذی الحجہ کا خطبہ۔ (۴) میدان عرفات کا خطبہ جو نویں ذی الحجہ کو امام دے گا۔ (۵)

ان خطبوں کو تکبیر اَللّٰہُ اَکبـر سے شروع کرنا مسنون ہے؛ البتہ جو خطبہ مکہ مکرمہ اور عرفہ میں دیا جائے اس میں تو شروع اَللّٰہُ اَکبـر سے کرے لیکن بعد میں تلبیہ بھی پڑھے، پھر اس کے بعد خطبہ شروع کرے، جیسا کہ ابو اللیث کتاب خزانۃ الروایات میں ہے۔

نماز عید کا خطبہ کس طرح دیا جائے

عیدین کے خطبہ میں مستحب یہ ہے کہ سب سے پہلے نو مرتبہ اَللّٰہُ اَکبـر مسلسل کہے۔اور دوسرے خطبہ میں سات مرتبہ اَللّٰہُ اَکبـر مسلسل کہے، یہ سنت طریقہ ہے۔اور مستحب یہ ہے کہ منبر سے اترنے سے قبل چودہ مرتبہ اَللّٰہُ اَکبـر کہے اور جب عید کا خطبہ دینے کے لیے منبر پر چڑھے تو خطبہ دینے سے پہلے نہ بیٹھے ہمارے نزدیک یہی مسنون ہے، جیسا کہ معراج

میں ہے (اس لیے کہ منبر پر بیٹھنا درحقیقت اذان ختم ہونے کے انتظار میں ہوتا ہے اور عیدین کے خطبہ میں اذان ہی نہیں ہے جو انتظار میں بیٹھے گا)۔

خطبہ میں عوام کو کس چیز کی تعلیم دی جائے؟

اور مستحب یہ ہے کہ عید کے خطبہ میں امام، لوگوں کو صدقۂ فطر کے احکام ومسائل بیان کرے، تاکہ جو لوگ صدقۂ فطر ادا نہ کئے ہوں وہ ادا کردیں، اور مناسب یہ ہے کہ عید سے پہلے جو جمعہ ہو اس میں صدقۂ فطر کے مسائل واحکام بیان کردے تاکہ لوگ اس کو وقت پر ادا کردیں اور میں نے اس مسئلہ کو صراحت کے ساتھ کہیں دیکھا نہیں ہے، (لیکن علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں کہ حدیث شریف میں اس طرح کا مضمون آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دو دن پہلے خطبہ دیتے اور اس میں لوگوں کو صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم دیتے تھے، شارح نے یہ مضمون یہیں سے اخذ کیا ہے)۔ (شامی/٣/٥٨)

اسی طرح امام کو چاہیے کہ جن احکام ومسائل کی ضرورت ہو ان کو خطبہ میں بیان کرے، اس لیے کہ خطبہ کی مشروعیت کا مقصد لوگوں کی تعلیم ہے اور احکام شریعت اور دینی مسائل سے واقف کرانا ہے۔

وَلَا يُصَلِّيهَا وَحْدَهُ إِنْ فَاتَتْ مَعَ الْإِمَامِ وَلَوْ بِالْإِفْسَادِ اتِّفَاقًا فِي الْأَصَحِّ كَمَا فِي تَيَمُّمِ الْبَحْرِ، وَفِيهَا يُلْغَزُ : أَيُّ رَجُلٍ أَفْسَدَ صَلَاةً وَاجِبَةً عَلَيْهِ وَلَا قَضَاءَ ؟ وَلَوْ أَمْكَنَهُ الذَّهَابُ إِلَى إِمَامٍ آخَرَ فَعَلَ لِأَنَّهَا تُؤَدَّى بِمِصْرٍ وَاحِدٍ بِمَوَاضِعَ كَثِيرَةٍ اتِّفَاقًا فَإِنْ عَجَزَ صَلَّى أَرْبَعًا كَالضُّحَى وَتُؤَخَّرُ بِعُذْرٍ كَمَطَرٍ إِلَى الزَّوَالِ مِنَ الْغَدِ فَقَطْ فَوَقْتُهَا مِنَ الثَّانِي كَالْأَوَّلِ وَتَكُونُ قَضَاءً لَا أَدَاءً كَمَا سَيَجِيءُ فِي الْأُضْحِيَّةِ وَحَكَى الْقُهُسْتَانِيُّ قَوْلَيْنِ (وَأَحْكَامُهَا أَحْكَامُ الْأَضْحَى لَكِنْ هُنَا يَجُوزُ تَأْخِيرُهَا إِلَى آخِرِ ثَالِثِ أَيَّامِ النَّحْرِ بِلَا عُذْرٍ مَعَ الْكَرَاهَةِ وَبِهِ أَيْ بِالْعُذْرِ بِدُونِهَا فَالْعُذْرُ هُنَا لِنَفْيِ الْكَرَاهَةِ وَفِي الْفِطْرِ لِلصِّحَّةِ وَيُكَبِّرُ جَهْرًا اتِّفَاقًا فِي الطَّرِيقِ قِيلَ، وَفِي الْمُصَلَّى، وَعَلَيْهِ عَمَلُ النَّاسِ الْيَوْمَ لَا فِي الْبَيْتِ، وَيُنْدَبُ تَأْخِيرُ أَكْلِهِ عَنْهَا وَإِنْ لَمْ يُضَحِّ فِي الْأَصَحِّ ، وَلَوْ أَكَلَ لَمْ يُكْرَهْ أَيْ تَحْرِيمًا وَيُعَلِّمُ الْأُضْحِيَّةَ وَتَكْبِيرَ التَّشْرِيقِ فِي الْخُطْبَةِ وَوُقُوفُ النَّاسِ يَوْمَ عَرَفَةَ فِي غَيْرِهَا تَشْبِيهًا بِالْوَاقِفِينَ لَيْسَ بِشَيْءٍ هُوَ نَكِرَةٌ فِي مَوْضِعِ النَّفْيِ فَتَعُمُّ أَنْوَاعَ الْعِبَادَةِ مِنْ فَرْضٍ وَوَاجِبٍ وَمُسْتَحَبٍّ فَيُفِيدُ الْإِبَاحَةَ، وَقِيلَ يُسْتَحَبُّ ذَلِكَ كَذَا فِي مِسْكِينٍ. وَقَالَ الْبَاقَانِيُّ : لَوْ اجْتَمَعُوا لِشَرَفِ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلِسَمَاعِ الْوَعْظِ بِلَا وُقُوفٍ وَكَشْفِ رَأْسٍ جَازَ بِلَا كَرَاهَةٍ اتِّفَاقًا

عید کی نماز چھوٹ جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر عیدین کی نماز امام کے ساتھ فوت ہو جائے اگر چہ یہ فوت کرنا نماز کے فاسد کر دینے کی وجہ سے ہو، تو بالاتفاق اصح قول کے مطابق وہ اس نماز کو تنہا نہیں ادا کرے گا، جیسا کہ البحر الرائق کے باب التیمم میں ہے۔ اور اسی مسئلہ میں بطور چیستاں سوال کیا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے جو اپنے ذمہ واجب نماز کو فاسد کر ڈالتا ہے اور اس کے باوجود بھی اس پر قضاء واجب نہیں ہے؟ (اس کا **جواب** یہ ہے کہ وہ ایسا شخص ہے جس نے عید کی نماز امام کے ساتھ چھوڑ دی یا فاسد کر دی اب اس پر تنہا عید کی نماز واجب نہیں ہے)۔ اگر کسی کی نماز عید امام کے ساتھ چھوٹ جائے اور دوسرے امام کے ساتھ جا کر عید کی نماز پڑھنا ممکن ہو تو اس کو چاہیے کہ کسی دوسری جگہ جائے اور وہاں امام کی اقتداء میں نماز عید ادا کرے، اس لیے کہ عید کی نماز ایک شہر میں متعدد جگہ بالاتفاق جائز ہے (اختلاف صرف نماز جمعہ کے متعلق ہے) پس اگر عید کی نماز پڑھنے سے بالکل عاجز ہو جائے تو ایسی صورت میں مستحب یہ ہے کہ چاشت کی طرح چار رکعت پڑھ لے، جیسا کہ قہستانی میں ہے اور یہ چار رکعت پڑھنا نماز عید کی قضاء نہ ہوگی اس لیے کہ نماز عید کی کیفیت کے ساتھ ادا نہیں کی گئی ہے۔ (شامی/۳/۵۹)

عید کی نماز کو عذر کی وجہ سے موخر کرنا

اگر کوئی واقعی شرعی عذر ہو مثلاً شدید بارش ہو عیدگاہ جانا دشوار ہو، یا شہر میں کرفیو نافذ ہو، تو ایسی صورت میں عید کی نماز کو دوسرے دن زوال تک مؤخر کی جاسکتی ہے، یعنی دوسرے دن زوال سے کچھ پہلے تک پڑھ لینا ضروری ہوگا، اس کے بعد تک صرف نماز عید کو مؤخر کرنے کی اجازت نہیں ہے اور دوسرے دن عید کی نماز کا وقت ایسا ہی رہتا ہے جیسا کہ پہلے دن رہتا ہے لیکن دوسرے دن نماز عید پڑھنے سے قضا ہوگی ادا نہیں ہوگی، جیسا کہ کتاب الاضحیہ میں اس کا بیان مستقل طور پر آئے گا۔ اور اس بارے میں قہستانی نے دو قول نقل کیے ہیں: (۱) دوسرے دن عید کی نماز قضا ہوگی۔ (۲) دوسرے دن بھی عید کی نماز ادا ہی ہوگی قضا نہ ہوگی۔ (کذا فی الطحطاوی)

عید الاضحیٰ کے احکام و مسائل

اور عید الاضحیٰ کے احکام و مسائل عید الفطر ہی کے احکام و مسائل ہیں، لیکن عید الاضحیٰ کی نماز کو بلا عذر قربانی کے تیسرے دن تک موخر کرنا کراہت کے ساتھ جائز ہے اور عذر کی وجہ سے بلا کراہت بارہویں ذی الحجہ تک عید الاضحیٰ کی نماز مؤخر کرنا جائز ہے، لہٰذا عید الاضحیٰ میں عذر کراہت دور کرنے کے لیے شرط ہے اور عید الفطر میں عذر صحت نماز کے لیے شرط ہے یعنی

عیدالاضحیٰ کی نماز بلا عذر شرعی بھی بارہویں ذی الحجہ تک موخر کر سکتے ہیں گو یہ ایسا کرنا مکروہ ہے لیکن عید الفطر کی نماز بلا عذر شرعی مؤخر کرنا درست نہیں ہے۔

عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیر کہنا

عید قرباں میں عیدگاہ جاتے ہوئے راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہنا چاہیے اس میں کسی بھی امام کا اختلاف نہیں ہے۔ اور اس بارے میں ایک ضعیف قول یہ ہے کہ عیدگاہ میں بھی بلند آواز سے تکبیر کہنا چاہیے، چنانچہ آج کل لوگوں کا اسی پر عمل بھی ہے؛ البتہ گھر میں تکبیر نہ کہی جائے، اس لیے کہ گھر میں تکبیر کہنا مسنون نہیں ہے البتہ فی نفسہ ذکر مشروع ہے۔

عیدالاضحیٰ میں نماز کے بعد کھانا

اور عیدالاضحیٰ میں مستحب یہ ہے کہ کھانے کو نماز سے مؤخر کرے، یعنی عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد کھانا کھائے، اگرچہ وہ قربانی نہ کرتا ہو، یہی اصح قول ہے، لیکن اگر کسی نے نماز سے پہلے کھالیا تو یہ مکروہ تحریمی نہیں ہے۔ (بلکہ علامہ شامیؒ بدائع کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ نماز سے پہلے کھالینا مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے، اس لیے کہ کھانے کو مؤخر کرنا امر مستحب ہے اور ترک مستحب سے کراہت لازم نہیں آتی ہے، اس لیے کہ ثبوت کراہت کے لیے خاص دلیل کی ضرورت ہے اور یہاں کوئی عام دلیل بھی نہیں ہے)۔ (شامی/۳/۶۰)

عیدالاضحیٰ کا خطبہ

اور امام کو چاہیے کہ عیدالاضحیٰ کے خطبہ میں قربانی اور ایام تشریق کے احکام و مسائل کی تعلیم دے اور ضروری مسائل بیان کرے۔ (تاکہ لوگ ان مسائل سے واقف ہو جائیں اور مناسب یہ ہے کہ عیدالاضحیٰ سے پہلے جو جمعہ آئے اس میں ہی تکبیر تشریق اور قربانی کے احکام بتادے)۔ (شامی/۳/۶۰)

عرفہ کے دن قیام عرفات کی مشابہت اختیار کرنا

اور نویں ذی الحجہ کو لوگوں کا عرفات کی مشابہت میں ٹھہرنا یعنی نویں ذی الحجہ کو جس طرح حجاج کرام میدان عرفات میں جا کر ٹھہرتے ہیں، وہاں دعائیں کرتے ہیں، اللہ کے سامنے گریہ وزاری کرتے ہیں، اسی طرح اگر لوگ اپنی اپنی جگہوں پر حجاج کرام کی مشابہت میں عرفہ منانے لگیں تو اس کی کچھ حقیقت نہیں ہے، یعنی نہ یہ فرض ہے نہ واجب نہ مستحب، پس زیادہ سے زیادہ صرف مباح ہو سکتا ہے، بلکہ موضع النفی میں اس کو بعض علماء نے تو امر منکر قرار دیا ہے اور ملا مسکین نے عرفہ منانے کو

مستحب لکھا ہے، مگر یہ قول ضعیف ہے۔ اور علامہ باقانیؒ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ اس دن کی شرافت عظمت، اور فضیلت وبرتری کے پیش نظر وعظ سننے کے لیے جمع ہوں، وقوف نہ کریں، سر نہ کھولیں، تو ایسا کرنا بالاتفاق بلا کراہت جائز ہے۔

وَيَجِبُ تَكْبِيرُ التَّشْرِيقِ فِي الْأَصَحِّ لِلْأَمْرِ بِهِ مَرَّةً وَإِنْ زَادَ عَلَيْهَا يَكُونُ فَضْلًا قَالَهُ الْعَيْنِيُّ . صِفَتُهُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ هُوَ الْمَأْثُورُ عَنْ الْخَلِيلِ. وَالْمُخْتَارُ أَنَّ الذَّبِيحَ إِسْمَاعِيلُ. وَفِي الْقَامُوسِ أَنَّهُ الْأَصَحُّ قَالَ : وَمَعْنَاهُ مُطِيعُ اللَّهِ عَقِبَ كُلِّ فَرْضٍ عَيْنِيٍّ بِلَا فَصْلٍ يَمْنَعُ الْبِنَاءَ (أُدِّيَ بِجَمَاعَةٍ) أَوْ قُضِيَ فِيهَا مِنْهَا مِنْ عَامِهِ لِقِيَامِ وَقْتِهِ كَالْأُضْحِيَةِ مُسْتَحَبَّةٍ خَرَجَ جَمَاعَةُ النِّسَاءِ وَالْعُرَاةِ لَا الْعَبِيدِ فِي الْأَصَحِّ. جَوْهَرَةٌ، أَوَّلُهُ مِنْ فَجْرِ عَرَفَةَ وَآخِرُهُ إِلَى عَصْرِ الْعِيدِ بِإِدْخَالِ الْغَايَةِ فَهِيَ ثَمَانُ صَلَوَاتٍ وَوُجُوبُهُ عَلَى إِمَامٍ مُقِيمٍ بِمِصْرٍ وَ عَلَى مُقْتَدٍ مُسَافِرٍ أَوْ قَرَوِيٍّ أَوْ امْرَأَةٍ بِالتَّبَعِيَّةِ لَكِنَّ الْمَرْأَةَ تُخَافِتُ، وَيَجِبُ عَلَى مُقِيمٍ اقْتَدَى بِمُسَافِرٍ وَقَالَا بِوُجُوبِهِ فَوْرَ كُلِّ فَرْضٍ مُطْلَقًا وَلَوْ مُنْفَرِدًا أَوْ مُسَافِرًا أَوْ امْرَأَةً لِأَنَّهُ تَبَعٌ لِلْمَكْتُوبَةِ إِلَى عَصْرِ الْيَوْمِ الْخَامِسِ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ وَعَلَيْهِ الِاعْتِمَادُ وَالْعَمَلُ وَالْفَتْوَى فِي عَامَّةِ الْأَمْصَارِ وَكَافَّةِ الْأَعْصَارِ. وَلَا بَأْسَ بِهِ عَقِبَ الْعِيدِ لِأَنَّ الْمُسْلِمِينَ تَوَارَثُوهُ فَوَجَبَ اتِّبَاعُهُمْ، وَعَلَيْهِ الْبَلْخِيُّونَ، وَلَا يُمْنَعُ الْعَامَّةُ مِنْ التَّكْبِيرِ فِي الْأَسْوَاقِ فِي الْأَيَّامِ الْعَشْرِ وَبِهِ نَأْخُذُ بَحْرٌ وَمُجْتَبَى وَغَيْرُهُ وَيَأْتِي الْمُؤْتَمُّ بِهِ وُجُوبًا وَإِنْ تَرَكَهُ إِمَامُهُ لِأَدَائِهِ بَعْدَ الصَّلَاةِ. قَالَ أَبُو يُوسُفَ : صَلَّيْت بِهِمْ الْمَغْرِبَ يَوْمَ عَرَفَةَ فَسَهَوْت أَنْ أُكَبِّرَ فَكَبَّرَ بِهِمْ أَبُو حَنِيفَةَ وَالْمَسْبُوقُ يُكَبِّرُ وُجُوبًا كَاللَّاحِقِ لَكِنْ عَقِبَ الْقَضَاءِ لِمَا فَاتَهُ، وَلَوْ كَبَّرَ الْإِمَامُ لَا تَفْسُدُ ، وَلَوْ لَبَّى فَسَدَتْ وَيَبْدَأُ الْإِمَامُ بِسُجُودِ السَّهْوِ لِوُجُوبِهِ فِي تَحْرِيمَتِهَا ثُمَّ بِالتَّكْبِيرِ لِوُجُوبِهِ فِي حُرْمَتِهَا ثُمَّ بِالتَّلْبِيَةِ لَوْ مُحْرِمًا لِعَدَمِهِمَا خُلَاصَةٌ. وَفِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ : لَوْ بَدَأَ بِالتَّلْبِيَةِ سَقَطَ السُّجُودُ وَالتَّكْبِيرُ .

تکبیر تشریق کا شرعی حکم

اصح قول کے مطابق ہر فرض نماز کے بعد جو جماعت مستحبہ کے ساتھ ادا کی گئی ہو تکبیر تشریق ایک بار واجب ہے اس لیے کہ اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایک مرتبہ سے زیادہ تکبیر تشریق کہے تو اس کو زیادہ ثواب ملے گا، جیسا کہ علامہ عینی نے بیان کیا ہے۔ (بعض علماء نے تکبیر تشریق کہنے کو سنت قرار دیا ہے جب کہ علماء کی اکثریت اس کے وجوب کے قائل ہے اور

اس کا وجوب باری تعالیٰ کے اس ارشاد ﴿وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ﴾ اور ﴿وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ﴾ سے ثابت ہے بعض مفسرین نے "أیّام مَعدُودات" اور "أیّام مَعلُومات" سے "ایام تشریق" مراد لیا ہے اور بعض نے "أیّام معدودات" سے "ایام تشریق" اور "أیّام مَعلومَات" سے ایام ذی الحجہ مراد لیا ہے۔ (شامی/۳/۶۱-۶۲)

تکبیر تشریق کے الفاظ اور اس کا طریقہ

تکبیر تشریق کے کہنے کا طریقہ یہ ہے کہ کہے: اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر، لاإلٰہ إلاّ اللّٰہ، و اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر، ولِلّٰہ الحَمدُ، یہ کلمات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہیں۔ (اور ان کلمات کی حقیقت، واقعہ کی مختصر تشریح یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لخت جگر نورِ نظر حضرت اسماعیلؑ کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ذبح کر رہے تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام جنت سے ایک دنبہ لے کر حاضر ہوئے اور اسماعیلؑ کو ہٹا کر دنبہ لٹا دیا اور چھری دنبہ کے گلے پر چلی، جب حضرت جبرئیل علیہ السلام کو یہ خطرہ ہوا کہ جلدی میں حضرت اسماعیلؑ کو ہی ذبح نہ کر ڈالیں، چنانچہ اس وقت حضرت جبرئیل نے کہا: اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر۔ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت جبرئیل کو دیکھا تو بول پڑے: لاإلٰہ إلاّ اللّٰہ، واللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فدیہ آنے کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے کہا: اللّٰہ أکبر، وللّٰہ الحَمد۔ یہ واقعہ حضرات فقہاءِ کرام ذکر کرتے ہیں، محدثین کے نزدیک اس کا ثبوت نہیں ہے)۔ (شامی/۳/۶۲)

ذبیح کون تھا؟

اس بارے میں مختار یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ اور قاموس میں ہے کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے اور لفظ "اسماعیل" کے معنی عبرانی زبان میں مُطِیعُ اللّٰہ کے ہیں (اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنے والا)۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ ذبیح کا حکم کس سے متعلق تھا؟ حضرت امام احمد بن حنبلؒ، اور اکثر محدثین کا قول یہ ہے ذبیح حضرت اسماعیلؑ تھے۔ ابو حاتم نے اس کو صحیح، بیضاوی نے اظہر کہا ہے۔ اور ہدی میں ہے کہ یہی قول صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے نزدیک صواب ہے۔ اور جن حضرات نے یہ فرمایا کہ ذبیح حضرت اسحاق تھے وہ متعدد وجوہ سے مردود ہے۔ اور فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے قول اوّل کو راجح قرار دیا ہے اور فرمایا کہ یہ قول قرآن وسنت کے زیادہ مطابق ہے۔ (شامی/۳/۶۲)

تکبیر تشریق کب واجب ہے؟

تکبیر تشریق ہر اس فرض عین نماز کے بعد متصلاً واجب ہے جو جماعت مستحبہ کے ساتھ ادا کی گئی ہے اور "متصلاً" کا

مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی ایسا مانع نہ ہو جو بناء نماز کو روک دینے والا ہو، لہٰذا اگر نماز کے بعد پیشاب پڑ جائے یا باہر چلا جائے یا کچھ کھا پی لے تو پھر تکبیر تشریق اس سے ساقط ہو جائے گی۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس فرض نماز کے بعد بھی تکبیر کہی جائے گی جو اسی سال کی نماز کی قضاء کی گئی ہے اس لئے کہ تکبیرات کا وقت باقی ہے۔ جس طرح کہ اگر قربانی پہلے دن نہ کر سکے تو دوسرے، تیسرے دن کر لے، کیوں کہ وہ بھی قربانی ہی کا دن ہے۔

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جماعت مستحب کی قید سے عورتوں اور ننگوں کی جماعت نکل گئی ہے کیوں کہ ان کی جماعت مستحب نہیں ہے۔ لیکن اصح قول کے مطابق غلاموں کی جماعت اس سے خارج نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غلاموں کی جماعت کے بعد بھی تکبیر تشریق واجب ہے اسلئے کہ جماعت میں آواز کا ہونا شرط نہیں ہے، جیسا کہ الجوہرۃ النیرہ میں ہے۔ اور شارح علیہ الرحمہ جو فرضِ عین کی قید لگائی ہے اس سے وتر کی نماز نفل نماز، عیدین کی نماز خارج ہو گئی ہے۔ ان نمازوں کے بعد تکبیر تشریق واجب نہیں ہے۔ اور جمعہ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق واجب ہوگی اس لئے کہ جمعہ فرضِ عین ہے۔ اور علمائے بلخ کے نزدیک عید کی نماز کے بعد بھی تکبیر تشریق واجب ہے۔ اور مسلمانوں کا اسی پر توارث چلا آرہا ہے، لہٰذا عید کی نماز کے بعد تکبیر کہنا بھی واجب ہے۔ (شامی/۳/۶۳)

تکبیر تشریق کب سے شروع کی جائے گی؟

تکبیر تشریق کی ابتداء نویں ذی الحجہ کی نماز فجر سے ہوتی ہے اور ختم عید کی نماز عصر پر ہے بس یہ کل آٹھ نمازیں ہوئی جن میں تکبیر تشریق واجب ہے۔ ایسے امام جو شہر پر مقیم ہے اور مسافر مقتدی، نیز گاؤں والوں اور علاقوں پر بھی تکبیر تشریق امام کے اتباع میں واجب ہے، لیکن عورتیں تکبیر تشریق بلند آواز سے نہ کہیں گیں بلکہ آہستہ آواز سے کہیں گیں، اس طرح اس مقیم پر تکبیر تشریق واجب ہے جو کسی مسافر کی اقتداء کرے۔ اور حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ تکبیر تشریق ہر نماز کے بعد مطلقاً واجب ہے خواہ وہ منفرد ہو، مسافر ہو یا عورت ہو، اس لئے کہ تکبیر تشریق فرض نمازوں کے تابع ہے، لہٰذا جن لوگوں پر نماز فرض ہوگی ان لوگوں پر تکبیر تشریق بھی واجب ہوگی۔

تکبیر تشریق ۱۳/ذی الحجہ کے عصر تک کہی جائے گی

تکبیر تشریق نویں ذی الحجہ سے شروع ہو کر ۱۳/ذی الحجہ کی عصر تک کہی جائے گی یعنی پانچویں دن کی عصر تک کہی جائے گی، اس طرح حضرات صاحبین کے قول کے مطابق تکبیر تشریق کل تیئس ۲۳ نمازوں میں کہی جائے گی۔ اور یہی قول قابل اعتماد ہے اور عام ملکوں میں اسی پر عمل اور اسی پر فتویٰ ہے اور تمام زمانوں میں اسی پر فتویٰ رہا ہے۔ (اس لئے کی حضرات

صاحبین کا یہ قول دلیل کے اعتبار سے قوی ہے)۔

نمازِ عید الاضحیٰ کے بعد تکبیر تشریق کہنے کا حکم

عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے مسلمان اس پر برابر عمل کرتے آرہے ہیں، لہٰذا ان کی اتباع اور پیروی لازم ہے حضرات علمائے بلخ اس کے قائل ہیں، اور عام لوگوں کو عشرہ ذی الحجہ میں بازاروں کے اندر تکبیر تشریق کہنے سے نہیں روکا جائے گا، ہم علمائے احناف اسی کو اختیار کرتے ہیں، جیسا کی البحر الرائق اور مجتبیٰ نامی وغیرہ کتاب میں ہے۔

کلمہ لابأس بہ کبھی مستحب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کلمہ لَابَأْسَ کا استعمال کبھی کبھی بعض مقامات پر مندوب و مستحب کے معنی میں ہوتا ہے، جیسا کی البحر الرائق میں کتاب الجنائز اور کتاب الجہاد میں ہے۔ اور ان جگہوں میں سے ایک جگہ یہ بھی ہے جہاں کلمہ لَابَأْسَ بِہٖ مندوب کے معنی میں مستعمل ہوا ہے اور مطلب یہ ہے کہ عید کی نماز کے بعد تکبیر تشریق کہنا مستحب ہے۔ (شامی/۳/۶۵)

تکبیر تشریق مقتدیوں پر بھی واجب ہے

اگر امام تکبیر تشریق کہنا چھوڑ دے تو مقتدیوں پر واجب ہے کہ تکبیر تشریق کہیں، تاکہ نماز کے بعد تکبیر ادا ہو جائے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نویں ذی الحجہ کو لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھائی، میں تکبیر تشریق کہنا بھول گیا تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے لوگوں کو تکبیر کہلائی، یعنی امام حضرت ابو حنیفہؒ نے تکبیر کہی اور آپ سے سن کر تمام مقتدیوں نے تکبیر تشریق کہی۔

اس سے مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے اور مقتدیوں میں سے کسی کو یاد ہو تو وہ تکبیر کہہ کر دوسرے تمام لوگوں کو یاد دلا دے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ استاذ کی موجودگی میں شاگرد کے لئے امامت کرنا جائز ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ استاذ کو چاہئے کہ اپنے لائق و فائق شاگرد کی عظمت کو لوگوں کے سامنے خوب ظاہر کرے، تاکہ لوگ اسکی عزت کریں۔ (شامی/۳/۶۵)

لاحق اور مسبوق تکبیر تشریق کب ادا کریں؟

لاحق کی طرح مسبوق پر بھی واجب ہے کہ اپنی فوت شدہ رکعت ادا کرنے کے بعد تکبیر تشریق کہے۔ لیکن اگر لاحق اور

مسبوق امام کے ساتھ ہی تکبیر کہہ دیں تو نماز فاسد نہ ہوگی۔(اس لئے کہ تکبیر بھی ایک ذکر ہے) اور اگر مقتدی اپنے امام کے ساتھ لبیک کہے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی (اس لئے کہ لبیک انسان کے کلام کے مشابہ ہے۔ اور حضرت امام محمدؒ سے مروی ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کو خطاب کیا جاتا ہے جو ایک ذکر ہے، جیسا کہ مجتبیٰ میں ہے)۔ (شامی/۳/۶۵)

اگر امام پر سجدۂ سہو واجب ہو تو کیا حکم ہے؟

امام سب سے پہلے سجدۂ سہو سے ابتداء کرے گا اس لئے کہ سجدۂ سہو تکبیر تحریمہ کے باقی رہنے کی حالت میں کرنا واجب ہے، اس کے بعد تکبیر تشریق کہے، اس لئے کہ تکبیر تشریق کا بلا فصل کہنا واجب ہے۔ پھر اگر امام حالت احرام میں ہے تو لبیک کہے اس لئے کہ لبیک کہنا تحریمہ کے اندر یا بلا فصل لازم نہیں ہے، جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔ اور ولوالجیہ میں ہے کہ اگر لبیک کہنے سے ابتداء کرے گا تو سجدۂ سہو اور تکبیر تشریق دونوں ہی ساقط ہو جائیں گے، اس لیے کہ تکبیر کلام الناس کے مشابہ ہے اور کلام الناس نماز کو فاسد کر دیتا ہے، اس لیے سجدۂ سہو ساقط ہو جائے گا۔

بابُ الکُسُوفِ

یہ باب نمازِ کسوف کے احکام ومسائل کے بیان میں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ اس باب میں سورج گرہن لگنے اور چاند گرہن لگنے کے وقت جو نماز پڑھی جاتی ہے اس کے ضروری احکام ومسائل بیان کریں گے۔ مشہور اہل لغت اور اہل علم کا قول یہ ہے کہ "کُسُوف" عربی زبان میں سورج گرہن لگنے کو کہتے ہیں۔ اور چاند گرہن کے لیے "خُسُوف" کا لفظ عربی میں آتا ہے۔ آفتاب وماہتاب اللہ تعالیٰ کی الوہیت وربوبیت اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے اس بات کی دو نشانیاں ہیں کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے تابعدار اور مطیع ہیں، جب اللہ چاہتا ہے ان سے روشنی کو سلب کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے واپس کر دیتا ہے۔ اور کسوف وخسوف علامت قیامت میں سے ایک علامت ہے۔ خسوف وکسوف کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو نماز پڑھنے، صدقہ کرنے اور دعائیں کرنے کے لیے کہا ہے جیسا کہ احادیث شریفہ میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔

مُنَاسَبَتُهُ إِمَّا مِنْ حَيْثُ الِاتِّحَادُ أَوِ التَّضَادُ ثُمَّ الْجُمْهُورُ أَنَّهُ بِالْكَافِ وَالْخَاءِ لِلشَّمْسِ وَالْقَمَرِ يُصَلِّي بِالنَّاسِ مَنْ يَمْلِكُ إِقَامَةَ الْجُمُعَةِ بَيَانٌ لِلْمُسْتَحَبِّ، وَمَا فِي السِّرَاجِ لَا بُدَّ مِنْ شَرَائِطِ الْجُمُعَةِ إِلَّا الْخُطْبَةَ رَدَّهُ فِي الْبَحْرِ عِنْدَ الْكُسُوفِ رَكْعَتَيْنِ بَيَانٌ لِأَقَلِّهَا ، وَإِنْ شَاءَ أَرْبَعًا أَوْ أَكْثَرَ كُلَّ رَكْعَتَيْنِ بِتَسْلِيمَةٍ أَوْ كُلَّ أَرْبَعٍ مُجْتَبَى وَصِفَتُهَا كَالنَّفْلِ أَيْ بِرُكُوعٍ وَاحِدٍ فِي غَيْرِ وَقْتٍ مَكْرُوهٍ بِلَا أَذَانٍ وَ لَا إِقَامَةٍ وَ لَا جَهْرٍ وَ لَا خُطْبَةٍ وَيُنَادِي : الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ لِيَجْتَمِعُوا وَيُطِيلُ فِيهَا الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ وَالْقِرَاءَةَ وَالْأَدْعِيَةَ وَالْأَذْكَارَ الَّذِي هُوَ مِنْ خَصَائِصِ النَّافِلَةِ ثُمَّ يَدْعُو بَعْدَهَا جَالِسًا مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ أَوْ قَائِمًا مُسْتَقْبِلَ النَّاسِ وَالْقَوْمُ يُؤَمِّنُونَ حَتَّى تَنْجَلِيَ الشَّمْسُ كُلُّهَا ، وَإِنْ لَمْ يَحْضُرِ الْإِمَامُ لِلْجُمُعَةِ صَلَّى النَّاسُ فُرَادَى فِي مَنَازِلِهِمْ تَحَرُّزًا عَنِ الْفِتْنَةِ كَالْخُسُوفِ لِلْقَمَرِ وَالرِّيحِ الشَّدِيدَةِ وَالظُّلْمَةِ الْقَوِيَّةِ نَهَارًا وَالضَّوْءِ الْقَوِيِّ لَيْلًا وَالْفَزَعِ الْغَالِبِ وَنَحْوِ ذَلِكَ مِنَ الْآيَاتِ الْمَخُوفَةِ كَالزَّلَازِلِ وَالصَّوَاعِقِ وَالثَّلْجِ

وَالْمَطَرِ الدَّائِمَيْنِ وَعُمُومِ الْأَمْرَاضِ، وَمِنْهُ الدُّعَاءُ بِرَفْعِ الطَّاعُونِ وَقَوْلُ ابْنِ حَجَرٍ : بِدْعَةٌ أَيْ حَسَنَةٌ ، وَكُلُّ طَاعُونٍ وَبَاءٌ وَلَا عَكْسَ، وَتَمَامُهُ فِي الْأَشْبَاهِ. وَفِي الْعَيْنِيِّ : صَلَاةُ الْكُسُوفِ سُنَّةٌ : وَاخْتَارَ فِي الْأَسْرَارِ وُجُوبَهَا صَلَاةُ الْخُسُوفِ حَسَنَةٌ وَكَذَا الْبَقِيَّةُ . وَفِي الْفَتْحِ : وَاخْتُلِفَ فِي اسْتِنَانِ صَلَاةِ الِاسْتِسْقَاءِ فَلِذَا أَخَّرَهَا.

باب العیداور باب الکسوف کے درمیان مناسبت

حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے نماز عید کے بعد فوراً نمازِ کسوف کا باب قائم کیا ہے۔ ان دنوں بابوں کے درمیان مناسبت یا تو اتحاد کے اعتبار سے ہے یا مناسبت ایک دوسرے کی ضد ہونے کے اعتبار سے ہے۔ (اتحاد کے اعتبار سے مناسبت اس طرح ہے کہ جس طرح عید کی نماز دن میں ہوتی ہے نمازِ کسوف بھی دن میں ہوتی ہے۔ اور جس طرح عیدین کی نماز کے لئے اذان وتکبیر نہیں ہوتی ہے نماز کسوف کے لئے بھی نہیں ہوتی ہے۔ اور ایک دوسرے کی ضد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عید میں خوشی اور امن کا اظہار ہوتا ہے نماز کسوف میں خوف وغم کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی طرح عید کی نماز کے لئے جماعت شرط ہے، لیکن نماز کسوف کے لئے جماعت شرط نہیں ہے۔ عید میں بلند آواز سے قرأت واجب ہے اور نمازِ کسوف میں آہستہ قرأت کرنا ہے)۔ (شامی/۳/۶۶)

کسوف اور خسوف میں فرق

جمہور حضرات فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ سورج گہن کے لیے کاف کے ساتھ لفظ "کسوف" آتا ہے۔ اور چاند کے گہن کے لیے خاء کے ساتھ لفظ "خسوف" ہے۔ اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ کسوف اور خسوف دونوں لفظ سورج گہن لگنے اور چاند گہن لگنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، لیکن جوہرؔی نے کہا کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (شامی/۳/۶۷)

نماز کسوف کا بیان

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ نمازِ کسوف وہ شخص لوگوں کو پڑھائے جو جمعہ قائم کرنے کا ذمہ دار ہو۔ (جیسے قاضی، سلطان، نائب قاضی، جامع مسجد کا امام، باوقار عالم دین وغیرہ)۔ اور سراج الوھاج نامی کتاب میں مذکور ہے کہ نمازِ کسوف کے لئے وہی تمام شرطیں لازم اور ضروری ہیں جو جمعہ کے لئے ہیں، لیکن نمازِ کسوف کے لئے خطبہ ضروری نہ ہوگا، جب کہ نمازِ جمعہ کی صحت کے لئے خطبہ شرط ہے، اس کی صاحب البحر الرائق نے تردید کی ہے۔

رکعاتِ نمازِ کسوف

نمازِ کسوف امام کم از کم دو رکعات پڑھائے گا، اور اگر طبیعت چاہے تو چار رکعت بھی پڑھا سکتا ہے اور اگر اس سے زیادہ پڑھانا چاہے تو زیادہ بھی پڑھا سکتا ہے لیکن ہر دو رکعت یا چار رکعت پر سلام پھیرنا ضروری ہوگا جیسا کی مجتبیٰ نامی کتاب میں ہے۔ اور نمازِ کسوف نمازِ نفل کی طرح ادا کرے گا اور ایک رکوع کرے گا اور ایسے وقت میں ادا کرے گا جب مکروہ وقت نہ ہو۔ اور نمازِ کسوف کے لئے نہ اذان ہوگی نہ اقامت۔ اور قرأت میں جہر کریں گے اور ایک رکعت میں ایک ہی رکوع کرے گا۔ (اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ ایک رکعت میں دو رکوع ہیں اور ہمارے نزدیک ایک رکعت میں صرف ایک ہی رکوع ہے)۔

مکروہ وقت نمازِ کسوف ادا کرنا

حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر سورج مکروہ وقت میں گہن لگا ہے تو اس وقت نمازِ کسوف ادا نہیں کی جائے گی (اس لئے کی اوقات مکروہہ میں نوافل پڑھنا جائز نہیں ہے بلکہ ممنوع ہے)۔ اور حضرت مصنف نے جو یہ فرمایا کہ نمازِ کسوف میں قرأت بلند آواز سے نہیں کی جائے گی بلکہ آہستہ آواز سے کی جائے گی، یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔ اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک اس میں قرأت بلند آواز سے ہے لیکن عمل امام صاحب کے قول پر ہے۔ (شامی/۳/۶۷)

نمازِ کسوف کی اطلاع

چوں کہ نمازِ کسوف میں اذان مشروع نہیں ہے اس لیے لوگوں کو مطلع کرنے کے لیے "الصلوٰۃُ جَامِعَۃٌ" کہہ کر آواز لگا دی جائے، اور اس نماز میں رکوع سجدہ قرأت اور ادعیہ ماثورہ اور اذکارِ مسنونہ کو خوب طول دیا جائے، جو در حقیقت نوافل کے خواص میں سے ہیں، اس کے بعد قبلہ رو بیٹھ کر یا لوگوں کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو کر اس وقت تک دعاء کرتے رہیں جب تک کہ سورج پورے طور پر روشن نہ ہو جائے، اور لوگ اس کی دعاء پر آمین کہتے رہیں۔ (طول قرأت یہ ہے کہ اگر یاد ہو تو پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ اور دوسری رکعت میں سورہ آل عمران پڑھے۔ اور اگر یہ دونوں سورتیں یاد نہ ہوں تو اسی کے برابر جو بھی سورتیں یاد ہوں وہ پڑھے، اور مستحب یہ ہے کہ جب تک سورج گہن رہے تو سارا وقت نماز اور دعاء میں صرف کرے، اور نماز اگر ہلکی ہو تو دعاء لمبی کر دے، اور اگر دعاء مختصر ہو تو قرأت لمبی کر دے)۔ (شامی/۳/۶۸)

اگر امام جمعہ نہ ہو تو کون امامت کرے؟

اگر نمازِ کسوف میں امام جمعہ نہ حاضر ہو سکے، یا وہ شخص موجود نہ ہو جس کی ذمہ داری پر جمعہ ادا ہوتا ہے تو ایسی صورت میں

لوگ تنہا تنہا اپنے اپنے گھروں میں نماز ادا کریں گے، تاکہ فتنہ اور جھگڑے سے محفوظ رہ سکیں۔ جس طرح سے چاند گہن لگنے سے تنہا تنہا اپنے گھروں میں نماز ادا کرتے ہیں، خواہ امام جمعہ موجود ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جماعت کے ساتھ چاند گہن لگنے کی نماز پڑھنے کا ثبوت نہیں ہے، لیکن اس کی جماعت بھی ہمارے نزدیک جائز ہے البتہ سنت نہیں ہے۔ (شامی/٣/٦٩)

حادثاتِ سماویہ کے وقت نماز پڑھنا

اگر آسمانی حادثات ہو جائیں، مثال کے طور پر بہت سخت آندھی چلے، خواہ دن میں ہو خواہ رات میں، اسی طرح دن میں سخت تاریکی ہو جائے، یا رات میں بہت زیادہ روشنی ہو جائے، یا جب دشمن وغیرہ کا خوف غالب ہو جائے، یا اس جیسے کوئی اور خوفناک حادثات پیش آجائیں، جیسے سخت زلزلہ کا آنا، بجلی کا کڑکنا، برف باری ہونا، مسلسل سخت بارش ہونا، یا کوئی وبائی مرض پھیل جائے تو مذکورہ بالا حالات میں ہر شخص تنہا تنہا نماز ادا کرے گا۔ اور طاعون کی وجہ سے بھی دو رکعت نفل پڑھ کر دعاء کی جائے گی۔ اور ابن حجرؒ نے جو اس کو بدعت قرار دیا ہے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ بدعتِ حسنہ ہے۔ ہر طاعون وبا ہے، لیکن ہر وبا طاعون نہیں ہے۔ اور اس کی پوری تفصیل علامہ ابن نجیم کی کتاب الاشباہ والنظائر میں مذکور ہے۔ (حدیث شریف میں ہے إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلّٰى جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگتے تھے)۔

نماز کسوف اور نماز خسوف کا حکم

عینی میں مذکور ہے کہ سورج گہن کی نماز مسنون ہے۔ لیکن ''اسرار'' نامی کتاب میں سورج گہن لگنے کی نماز کے واجب ہونے کے قول کو راجح قرار دیا ہے اور جب چاند گہن لگ جائے اس وقت نماز پڑھنا صرف مستحسن ہے۔ اور اسی طرح بقیہ نمازیں بھی مستحسن ہیں۔ اور فتح القدیر میں ہے کہ نمازِ استسقاء کے مسنون ہونے کے بارے میں اختلاف ہے، اس لیے اس کے بیان کو مصنف نے مؤخر کیا ہے۔

بابُ الاستسقاء

یہ باب بارانِ رحمت کی طلب کے بیان میں

استسقاء کے لغوی معنی: ''پانی طلب کرنا'' ہے۔ اور شریعت کی اصطلاح میں: سخت قحط، اور خشک سالی کے وقت مخصوص طریقے سے طلب بارش کے لیے اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھنا اور اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنا، اپنی غلطی و گناہوں پر نادم ہو کر بارگاہِ الٰہی میں توبہ کرنا، خشک سالی کے وقت دو رکعت نماز پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ میں قحط سالی ہوگئی تو آپ تمام مسلمانوں کے ساتھ عیدگاہ تشریف لے گئے اور وہاں دو رکعت نماز ادا فرما کر اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمائی، جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت میں موجود ہے۔

هُوَ دُعَاءٌ وَاسْتِغْفَارٌ لِأَنَّهُ السَّبَبُ لِإِرْسَالِ الْأَمْطَارِ بِلَا جَمَاعَةٍ مَسْنُونَةٍ بَلْ هِيَ جَائِزَةٌ وَ بِلَا خُطْبَةٍ وَقَالَا : تُفْعَلُ كَالْعِيدِ وَهَلْ يُكَبِّرُ لِلزَّوَائِدِ؟ خِلَافٌ وَ بِلَا قَلْبِ رِدَاءٍ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ وَ بِلَا حُضُورِ ذِمِّيٍّ وَإِنْ كَانَ الرَّاجِحُ أَنَّ دُعَاءَ الْكَافِرِ قَدْ يُسْتَجَابُ اسْتِدْرَاجًا ، وَأَمَّا قَوْلُه تَعَالَى وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ فَفِي الْآخِرَةِ شُرُوحٌ. مَجْمَعٌ، وَإِنْ صَلَّوْا فُرَادَى جَازَ فَهِيَ مَشْرُوعَةٌ لِلْمُنْفَرِدِ ، وَقَوْلُ التُّحْفَةِ وَغَيْرِهَا ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ لَا: صَلَاةَ أَيْ بِجَمَاعَةٍ. وَيَخْرُجُونَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ لِأَنَّهُ لَمْ يُنْقَلْ أَكْثَرُ مِنْهَا مُتَتَابِعَاتٍ وَيُسْتَحَبُّ لِلْإِمَامِ أَنْ يَأْمُرَهُمْ بِصِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ قَبْلَ الْخُرُوجِ وَبِالتَّوْبَةِ ثُمَّ يَخْرُجُ بِهِمْ فِي الرَّابِعِ، مُشَاةً فِي ثِيَابٍ غَسِيلَةٍ أَوْ مُرَقَّعَةٍ مُتَذَلِّلِينَ مُتَوَاضِعِينَ خَاشِعِينَ لِلّٰهِ نَاكِسِينَ رُءُوسَهُمْ، وَيُقَدِّمُونَ الصَّدَقَةَ فِي كُلِّ يَوْمٍ قَبْلَ خُرُوجِهِمْ وَيُجَدِّدُونَ التَّوْبَةَ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلْمُسْلِمِينَ وَيَسْتَسْقُونَ بِالضَّعَفَةِ وَالشُّيُوخِ وَالْعَجَائِزِ وَالصِّبْيَانِ وَيُبْعِدُونَ الْأَطْفَالَ عَنْ أُمَّهَاتِهِمْ. وَيُسْتَحَبُّ إِخْرَاجُ الدَّوَابِّ وَالْأَوْلَى خُرُوجُ الْإِمَامِ مَعَهُمْ، وَإِنْ خَرَجُوا بِإِذْنِهِ أَوْ بِغَيْرِ إِذْنِهِ جَازَ، وَيَجْتَمِعُونَ فِي الْمَسْجِدِ بِمَكَّةَ وَبَيْتِ الْمَقْدِسِ وَلَمْ يَذْكُرِ الْمَدِينَةَ كَأَنَّهُ لِضِيقِهِ وَإِنْ دَامَ الْمَطَرُ حَتَّى أَضَرَّ فَلَا بَأْسَ بِالدُّعَاءِ

بِحَسْبِهٖ وَصَرْفِهٖ حَيْثُ يَنْفَعُ ، وَاِنْ سُقُوا قَبْلَ خُرُوْجِهِمْ نُدِبَ اَنْ يَخْرُجُوا شُكْرًا لِلّٰهِ تَعَالٰى .

نمازِ استسقاء کی حقیقت

نمازِ استسقاء درحقیقت اللہ رب العزت والجلال سے دعاء کرنی ہے اوراپنے گناہوں سے معافی کی درخواست کرنی ہے، اس لئے کہ دعاء واستغفار بارش کے برسنے کا سبب ہوتا ہے۔ (امام لوگوں کی طرف رخ کرکے کھڑے ہوکر ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ میں دعا کرے گا: اَللّٰهُمَّ اَسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا هَنِيْئًا مَرِيْعًا غَدَقًا مُجَلِّلاً سَحًّا طَبَقًا دَائِمًا. یا اس طرح کے دوسرے الفاظ سے دعا کرے۔ اور لوگ قبلہ رخ ہوکر بیٹھے ہوئے ہوں اور امام کی دعاء پر آمین کہتے رہیں)۔ (شامی ۳/۷۰)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک استسقاء صرف دعاء واستغفار کرنا ہے۔ اس میں نہ جماعت مسنونہ ہے اور نہ ہی خطبہ ہے، البتہ جماعت مسنونہ کے ساتھ ادا کرنا بھی جائز ہے، مکروہ نہیں ہے۔ حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس میں دعاء عید کی نماز کی طرح کی جائے یعنی بلا اذان واقامت کے دو رکعت نماز پڑھی جائے، پھر امام زمین پر کھڑے ہوکر عصا کے سہارے خطبہ دے اور خطبہ میں زیادہ تر اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی کی درخواست کرے۔ اور کیا اس نماز میں تکبیر زوائد بھی کہی جائیں گی یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے، چنانچہ حضرت امام محمدؒ ایک روایت کے مطابق فرماتے ہیں کہ ہاں اس میں تکبیر زوائد بھی کہی جائے گی۔ لیکن حضرات صاحبینؒ کی مشہور روایت یہ ہے کہ تکبیر نہیں کہی جائے گی۔ (جیسا کی شامی میں مذکور ہے)۔ (شامی ۳/۷۱)

نمازِ استسقاء میں چادر کا پلٹنا

نماز استسقاء میں دعاء کرتے وقت چادر کو نہیں پلٹا جائے گا۔ البتہ حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ چادر پلٹی جائے گی۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ خطبہ کا کچھ حصہ پڑھنے کے بعد چادر اس طرح پلٹے کہ دایاں کنارہ بائیں طرف آجائے اور بایاں کنارہ دائیں طرف آجائے، اور نیچے کا حصہ اوپر آجائے اور اوپر کا حصہ نیچے۔ اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کرنا ثابت ہے۔ اور اس باب میں بقول علامہ شامیؒ فتویٰ حضرت امام محمدؒ کے قول پر ہے۔ (شامی ۳/۷۱)

نماز استسقاء میں ذمی، کافر وغیرہ شریک نہ ہوں

نمازِ استسقاء ادا کرنے کے واسطے جب باہر جائیں گے تو وہاں میدان میں کوئی ذمی اور کافر نہ ہو۔ اگرچہ راجح قول یہ ہے

کہ کافروں کی دعاء بھی کبھی کبھی قبول ہو جاتی ہے۔ اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے: ﴿وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِيْنَ إِلَّا فِيْ ضَلَالٍ﴾ کہ کافروں کی دعاء نہیں ہے مگر گمراہ ہونا، تو یہ آیت آخرت کے متعلق ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ کافر جب جہنم میں عذاب کے اندر مبتلا ہوں گے تو تخفیف عذاب کے لئے فرشتوں سے درخواست کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں گے لیکن ان کی دعاء قبول نہ ہوگی اور وہ ہمیشہ عذابِ الٰہی میں مبتلا رہیں گے۔

نمازِ استسقاء تنہا تنہا پڑھنے کا شرعی حکم

اگر لوگ نمازِ استسقاء تنہا تنہا پڑھیں تو بھی جائز ہے، اس لئے کہ یہ نماز در حقیقت منفرد ہی کے لئے مشروع ہوئی ہے۔ اور تحفہ وغیرہ نامی کتاب میں جو یہ مذکور ہے کہ استسقاء کیلئے نماز نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نہیں ہے۔

طلب باران رحمت کے لئے کتنے دن تک نکلا جا سکتا ہے؟

اور نمازِ استسقاء کے واسطے مسلسل تین دن تک نکلیں گے اور تین دن سے زیادہ نکلنا شریعت میں منقول نہیں ہے۔ اور امام کے لئے مستحب ہے کہ نکلنے سے پہلے تین دن تک روزہ رکھنے کے لئے کہے اور اپنے اپنے گناہوں سے توبہ کرنے کے لئے کہے، پھر چوتھے دن امام ان لوگوں کو لے کر باہر کسی چٹیل میدان کی طرف نکلے اور تمام لوگ پیدل چل کر جائیں، اس حال میں کہ ان کے بدن پر دھلے، پرانے یا پیوند لگے ہوئے کپڑے ہوں، جن سے تذلل، عاجزی، انکساری، گریہ وزاری نمایاں ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لئے خشوع وخضوع اور باادب اپنے سروں کو جھکاتے ہوئے جائیں، اور نمازِ استسقاء کے لئے جانے سے پہلے ہر روز اپنی استطاعت کے مطابق صدقہ وخیرات کریں، ہر روز توبہ کریں اور مسلمانوں کے لئے استغفار کریں، پھر کمزوروں، بوڑھوں، عاجزوں اور بچوں کے توسط سے اللہ تعالیٰ سے پانی برسانے کی دعاء کریں، اور چھوٹے بچوں کو ان کی ماؤں سے علیحدہ کر دیں۔ (کیوں کہ حدیث شریف میں ہے کہ رزق تمہارے کمزوروں کی وجہ سے ملتا ہے۔ اس لئے حضرات فقہائے کرام نے فرمایا کہ بچوں کو دعاء میں آگے رکھیں کیوں کہ بچے معصوم ہوتے ہیں ان کی دعاء اللہ تعالیٰ جلدی قبول کرتے ہیں اور بچوں کو ان کی ماؤں سے الگ رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ تا کہ دعاء میں خوب گریہ وزاری پیدا ہو، بچے روئیں، ماں بھی روئے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت متوجہ ہوگی اور دعاء اسرع الی الاجابت ہوگی)۔ (شامی ۳/۷۲)

نمازِ استسقاء میں جانوروں کو ساتھ نکالنا

اور مستحب یہ ہے کہ ان دنوں میں جانوروں کو بھی اپنے ساتھ باہر نکالیں، اس لئے کہ جانوروں کی وجہ سے بھی رحمت الٰہی

جوش میں آتی ہے۔اور افضل یہ ہے کہ امام بھی عوام کیساتھ ہی میدان یا صحراء کی طرف جائے۔اور اگر عوام وخواص امام کی اجازت سے یا ان کی اجازت کے بغیر باہر نکلیں تو بھی جائز اور درست ہے، امام کے نکلنے پر ان حضرات کا نکلنا موقوف نہیں ہے۔

مکہ مکرمہ اور بیت المقدس طلب باراں کے لئے دعاء کی جگہ

اگر لوگ مکہ مکرمہ میں نماز استسقاء کے لئے جمع ہوں تو سب بیت اللہ یعنی مسجد حرام میں جمع ہوں گے۔اور بیت المقدس کے لوگ اگر استسقاء کے لئے جمع ہو گے تو مسجد اقصیٰ میں جمع ہوں گے۔اور مدینہ منورہ کے لوگ مسجد نبوی میں جمع ہوں گے۔ اور ماتن نے مدینہ منورہ کا ذکر اس لئے نہیں کیا ہے کہ مسجد تنگ تھی، لیکن اس وقت مسجد نبوی کشادہ ہو چکی ہے اس لئے مدینہ والے مسجد نبوی میں جمع ہو گے۔اور علامہ شامی نے لکھا ہے کہ بارش کی دعاء مدینہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی جائے۔اور دعاء کے وقت جانوروں کو مسجد سے باہر دروازہ پر کھڑا کیا جائے۔ (شامی/۳/۷۳)

بارش بند ہونے کی دعاء کرنا

اگر بارش مسلسل ہوتی رہے اور اس سے نقصان ہونے لگے تو اس وقت بارش کے روکنے کے لئے دعاء کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور یہ دعاء کرنا کہ اللہ تعالیٰ بارش وہاں برسائے جہاں نہ ہو، اور اس جگہ بارش کو بند فرما، کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر میدان کی طرف استسقاء کیلئے نکلنے سے پہلے بارش ہونے لگی تو بھی افضل اور مستحب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر ادا کرنے کے لئے نکلیں اور دوگانہ صلوٰۃ شکر ادا کریں، تاکہ پھر مزید بارش ہو اور اللہ تعالیٰ اپنا انعام واکرام فرمائے۔

باب صلاة الخوف

میدانِ جنگ میں دشمن کے خوف کے وقت نماز ادا کرنے کے مسائل واحکام کا بیان

کفار کے خوف اور دشمن کے حملہ آور ہونے کے وقت جو نماز ادا کی جاتی ہے اس کو ''نمازِ خوف'' کہا جاتا ہے۔خوف کی نماز کتاب اللہ،اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔نیز اکثر علمائے کرام کا اس پر اتفاق ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی یہ نماز باقی اور ثابت ہے۔اگر چہ بعض حضرات کا یہ بھی قول ہے کہ نمازِ خوف صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے ساتھ مخصوص تھی۔نیز بعض ائمہ امت مثلا: حضرت امام مالکؒ بن انس کے نزدیک یہ نماز حالت سفر کے ساتھ مخصوص ہے،جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ نماز سفر وحضر دونوں میں جائز ہے۔

علامہ شمنیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ خوف چار جگہ پڑھی ہے:

(۱)ذات الرقاع (۲)بطن نخل (۳)عسفان (۴)ذی قرد۔

اور یہ نماز چند شرطوں کے ساتھ مشروع ہے جو ترجمۂ عبارت کے ذیل میں آئے گی۔

نمازاستسقاءاورنمازِخوف کے درمیان مناسبت

ماقبل میں ذکر کردہ باب اور باب ہذا کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ دونوں نمازیں ایسے خوف کی وجہ سے مشروع ہیں جو عارض ہوتا ہے۔مثلا جب بارش نہیں ہوتی ہے اور خشک سالی پڑجاتی ہے تو لوگ خوف دہراس میں پڑجاتے ہیں،تو طلب بارش کے لئے نماز پڑھتے ہیں۔اور جنگ کے وقت بھی دشمن کا خوف ہوتا ہے اور ہر وقت یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ دشمن کب حملہ کردے گا تو دونوں میں یہ مناسبت ہے۔اور بارش کا رک جانا چوں کہ آسمانی آفت ہے اس لئے اس کو مقدم کیا ہے۔اور دشمن کا خوف اختیاری غیر آسمانی ہے اس لئے اس کا ذکر مؤخر کیا ہے۔ (شامی/۲/۷۳)

مِنْ إضَافَةِ الشَّيْءِ لِشَرْطِهِ هِيَ جَائِزَةٌ بَعْدَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عِنْدَهُمَا أَيْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ خِلَافًا لِلثَّانِي بِشَرْطِ حُضُورِ عَدُوٍّ يَقِينًا . فَلَوْ صَلَّوْا عَلَى ظَنِّهِ فَبَانَ خِلَافُهُ أَعَادُوا. أَوْ سَبُعٍ أَوْ حَيَّةٍ عَظِيمَةٍ وَنَحْوِهَا وَحَانَ خُرُوجُ الْوَقْتِ كَمَا فِي مَجْمَعِ

الْأَنْهُرِ وَلَمْ أَرَهُ لِغَيْرِهِ فَلْيُحْفَظْ. قُلْت : ثُمَّ رَأَيْت فِي شَرْحِ الْبُخَارِيِّ لِلْعَيْنِيِّ أَنَّهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ إلَّا عِنْدَ الْبَعْضِ حَالَ الْتِحَامِ الْحَرْبِ فَيَجْعَلُ الْإِمَامُ طَائِفَةً بِإِزَاءِ الْعَدُوِّ إرْهَابًا لَهُ وَيُصَلِّي بِأُخْرَى رَكْعَةً فِي الثُّنَائِيِّ وَمِنْهُ الْجُمُعَةُ وَالْعِيدُ وَرَكْعَتَيْنِ فِي غَيْرِهِ لُزُومًا وَذَهَبَتْ إلَيْهِ وَجَاءَتْ الْأُخْرَى فَصَلَّى بِهِمْ مَا بَقِيَ وَسَلَّمَ وَحْدَهُ وَذَهَبَتْ إلَيْهِ نَدْبًا وَجَاءَتْ الطَّائِفَةُ الْأُولَى وَأَتَمُّوا صَلَاتَهُمْ بِلَا قِرَاءَةٍ لِأَنَّهُمْ لَاحِقُونَ وَسَلَّمُوا ثُمَّ جَاءَتْ الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى وَأَتَمُّوا صَلَاتَهُمْ بِقِرَاءَةٍ لِأَنَّهُمْ مَسْبُوقُونَ هَذَا وَإِنْ تَنَازَعُوا فِي الصَّلَاةِ خَلْفَ وَاحِدٍ وَإِلَّا فَالْأَفْضَلُ أَنْ يُصَلِّيَ بِكُلِّ طَائِفَةٍ إمَامٌ وَإِنْ اشْتَدَّ خَوْفُهُمْ وَعَجَزُوا عَنْ النُّزُولِ صَلَّوْا رُكْبَانًا فُرَادَى إلَّا إذَا كَانَ رَدِيفًا لِلْإِمَامِ، فَيَصِحُّ الِاقْتِدَاءُ بِالْإِيمَاءِ إلَى جِهَةِ قُدْرَتِهِمْ لِلضَّرُورَةِ. وَفَسَدَتْ بِمَشْيٍ لِغَيْرِ اصْطِفَافٍ وَسَبْقِ حَدَثٍ وَرُكُوبٍ مُطْلَقًا وَقِتَالٍ كَثِيرٍ لَا بِقَلِيلٍ كَرَمْيَةِ سَهْمٍ. وَالسَّابِحُ فِي الْبَحْرِ إنْ أَمْكَنَهُ أَنْ يُرْسِلَ أَعْضَاءَهُ سَاعَةً صَلَّى بِالْإِيمَاءِ وَإِلَّا لَا تَصِحُّ كَصَلَاةِ الْمَاشِي وَالسَّائِفِ وَهُوَ يَضْرِبُ بِالسَّيْفِ.

فُرُوعٌ: الرَّاكِبُ إنْ كَانَ مَطْلُوبًا تَصِحُّ صَلَاتُهُ وَإِنْ كَانَ طَالِبًا لَا، لِعَدَمِ خَوْفِهِ. شَرَعُوا ثُمَّ ذَهَبَ الْعَدُوُّ لَمْ يَجُزْ انْحِرَافُهُمْ وَبِعَكْسِهِ جَازَ. لَا تُشْرَعُ صَلَاةُ الْخَوْفِ لِلْعَاصِي فِي سَفَرِهِ كَمَا فِي الظَّهِيرِيَّةِ، وَعَلَيْهِ فَلَا تَصِحُّ مِنْ الْبُغَاةِ. صَحَّ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَلَّاهَا فِي أَرْبَعٍ: ذَاتِ الرِّقَاعِ وَبَطْنِ نَخْلٍ وَعُسْفَانَ وَذِي قَرَدٍ.

رسول اللہؐ کی حیاتِ طیبہ کے بعد نمازِ خوف کا جواز

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ الخوف میں صلوٰۃ کی اضافت خوف کی طرف شئی کی اضافت اس کی شرط کی طرف ہے، یعنی خوف کی شرط کے ساتھ یہ نماز مشروع ہے۔ اگر دشمن کے حملہ کرنے کا خوف نہیں ہے تو پھر نمازِ خوف جائز نہیں ہے، بلکہ اور نمازوں کی طرح ادا کریں گے۔

حضرات صاحبینؒ، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک نمازِ خوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے بعد بھی مشروع ہے اس شرط کے ساتھ کہ دشمن یقینی طور پر موجود ہو، یا درندہ یا اژدہا سانپ ہو یا اس جیسی کوئی اور خوفناک چیز ہو اور نماز کا وقت بالکل ہو رہا ہو۔ جیسا کی مجمع الانہر میں ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ قید میں نے

کسی اور کے کلام میں نہیں دیکھی ہے لہٰذا اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ پھر میں نے علامہ بدرالدین کی بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری دیکھی تو اس میں وقت اخیر ہونا اس نماز کے جواز کے لئے شرط نہیں قرار دیا ہے، البتہ بعض علماء نے وقت کے قریب الختم ہونے کی شرط اس وقت قرار دیا ہے جب جنگ اور قتال جاری ہو۔ اور شارح نے یہ بھی فرمایا کہ دشمن کی موجودگی کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر دشمن کا صرف اندیشہ تھا اور اس کی وجہ سے نمازِ خوف ادا کر لی بعد میں پتہ چلا کہ وہ اندیشہ غلط تھا دشمن بالکل موجود نہیں تھا تو اس صورت میں تمام لوگ اس نماز کو دوبارہ از سرِ نو ادا کریں گے۔

حیاتِ طیبہؐ کے بعد جوازِ نمازِ خوف کے متعلق حضرت امام ابو یوسفؒ کا مسلک

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے بعد نمازِ خوف جائز نہیں ہے، اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کرنے کا جو ثواب تھا اس کو حاصل کرنے کے لئے یہ نماز خلافِ قیاس مشروع ہوئی تھی، تاکہ سارے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کر کے خوب زیادہ ثواب حاصل کریں۔ اب آپؐ کے وصال کے بعد یہ بات نہیں رہی ہے اب دو جماعت ہو سکتی ہے لہٰذا اب نمازِ خوف ادا کرنا جائز نہ ہوگا۔ لیکن فتویٰ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے قول پر ہے، جو پہلے نقل ہوا ہے۔

میدانِ جنگ میں نمازِ خوف ادا کرنے کا طریقہ

جب دشمن کے حملہ کرنے کا خوف ہو، تو میدانِ جنگ میں نمازِ خوف ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ امام تمام حضرات کو دو گروہ میں تقسیم کرے گا اور ان میں سے ایک گروہ کو دشمن کے مقابل میں دشمن کو ڈرانے کے لئے کر دے گا اور دوسرے گروہ کو بطور وجوب دو رکعت والی نماز میں ایک رکعت پڑھائے گا، اسی طرح امام جمعہ اور عیدین میں بھی ایک گروہ کو صرف ایک رکعت پڑھائے گا۔ اور اگر چار رکعت والی نماز ہے یا تین رکعت والی نماز ہے تو امام پہلے گروہ کو دو رکعت پڑھائے گا۔ اب اس کے بعد یہ گروہ (جس کو امام نے ایک رکعت یا دو رکعت پڑھائی ہے) دشمن کے مقابلہ میں چلا جائیگا اور دوسرا گروہ جو دشمن کے مقابلہ میں تھا، امام کے ساتھ شریک ہو جائے گا اور امام ان کو بقیہ رکعت پڑھائے گا اور تنہا سلام پھیر دیگا پھر یہ گروہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے گا اور یہ مستحب ہے۔ اور پہلا گروہ جو امام کے ساتھ کچھ رکعت پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں گیا ہوا تھا وہ واپس آئے گا اور اپنی نماز بغیر قرأت کے ادا کرے گا اس لئے کہ یہ گروہ لاحق کے حکم میں ہے اور لاحق اپنی بقیہ نماز بغیر قرأت کے ادا کرتا ہے اس لئے یہ گروہ بھی بغیر قرأت ہی کے ادا کرے گا، اور پھر یہ گروہ سلام پھیر کر دشمن کے مقابل چلا جائے گا اور وہ دوسری جماعت آئے گی اور اپنی بقیہ نماز قرأت کے ساتھ ادا کرے گی اس لئے کہ یہ جماعت مسبوق کے حکم

میں ہےاور مسبوق اپنی بقیہ نماز قرأت کے ساتھ ادا کرتا ہےاس لئے یہ جماعت قرأت کے ساتھ ادا کرے گی۔

میدانِ جنگ میں نمازِ خوف ادا کرنے کی اجازت کب ہے؟

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نمازِ خوف مذکورہ طریقہ سے اس وقت پڑھنے کی اجازت ہے جب لوگ ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے لئے جھگڑا کریں اور یہ کہیں کہ ہم لوگ اسی امام کی اقتداء میں نماز ادا کریں گے۔اور اگر لوگ ایک الگ امام کے پیچھے نماز پڑھنے پر راضی ہیں تو افضل یہ ہے کہ ہر طائفہ الگ الگ امام کے پیچھے نماز ادا کرے۔

شدت خوف کے وقت سواری پر اشارہ سے نماز پڑھنے کا جواز

اگر دشمن کے حملہ کا خوف بہت زیادہ شدید ہو جائے اور میدانِ جنگ اس قدر گرم ہو جائے کہ سواری سے اترنا دشوار ہو جائے، تو ایسی صورت میں مجاہدین اسلام کے لئے یہ اجازت ہے کہ وہ نماز سواری پر ہی تنہا تنہا اشارہ سے ادا کرلیں، چاہے جس طرف بھی ان کو قدرت ہو اسی طرف رخ کر کے نماز ادا کرلیں، کیوں کہ یہ ان کی مجبوری ہے۔اور اگر کوئی شخص امام کی سواری کے پیچھے بیٹھا ہے تو اس کو امام کی اقتداء کرنا درست ہے اس لئے کہ یہاں مکان دونوں کا ایک ہی ہے۔

سواری پر نماز کب فاسد ہوتی ہے؟

اگر مجاہدین اسلام معرکہ آرائی کے وقت سواری پر ہی اشارہ سے نماز ادا کر رہے ہوں پھر وہ دشمن کے سامنے صف بندی اور وضو ٹوٹنے کے علاوہ کے لئے اتر رہا ہے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔اسی طرح میدانِ جنگ میں زمین پر نماز شروع کی اور بعد میں سوار ہو گیا یا میدان جنگ میں نماز کے دوران ہی گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی تو اس سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے، البتہ معمولی قتال سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، جیسے کہ تیر اندازی کرنا یہ عمل قلیل ہے اس لئے نماز فاسد نہ ہوگی۔

سمندر میں تیرنے والے کی نماز کا حکم

اگر کوئی شخص سمندر میں تیر رہا ہو اور نماز کا وقت ہو جائے تو اگر اس شخص کے لئے اپنے اعضاء کو ایک ساعت کے لئے ڈھیلا کرنا ممکن ہو تو اشارہ سے اسی حالت میں نماز ادا کر سکتا ہے۔اور اگر ایک ساعت کے لئے بھی اعضاء ڈھیلا نہیں کر سکتا ہے تو ایسی صورت میں اس کی نماز مسلسل تیرنے کی حالت میں درست نہ ہوگی، جس طرح کہ پیدل چلنے والے کی نماز اور تلوار چلانے والے کی نماز جب وہ تلوار چلا رہا ہو درست نہیں ہوتی ہے۔

شارح کی طرف سے اضافہ شدہ چند مسائل

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سواری پر سوار ہو اور کوئی دوسرا شخص اس کو پکڑنے کے لئے تعاقب کر رہا ہو تو اس صورت میں تعاقب کرنے والے کی نماز سواری پر درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس کو کوئی عذر معقول نہیں ہے، یہ شخص خود مختار ہے، اُتر کر نماز ادا کر سکتا ہے البتہ جس کا تعاقب اور پیچھا کیا جا رہا ہے اپنی نماز بھاگتے ہوئے سواری ہی پر اشارہ سے ادا کرے تو اس کی نماز درست ہے۔

نمازِ خوف شروع کرنے کے بعد دشمن بھاگ جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر نمازِ خوف شروع کرنے کے بعد دشمن چلا جائے، تو اس صورت میں مجاہدین اسلام کو اپنی جگہ سے ہٹنا جائز نہیں ہے، بلکہ جو گروہ جس جگہ ہو اسے اسی جگہ نماز ادا کر لینا چاہئے۔ اور اگر اس کا الٹا ہو بایں طور کہ جب نماز شروع کی تھی اس وقت دشمن کا خوف نہ تھا، لیکن دورانِ نماز دشمن کے حملہ کرنے کا خوف پیدا ہو گیا تو اس صورت میں کچھ لوگ اسی حالت میں دشمن کے مقابلہ میں چلے جائیں گے اور یہ جانا مخل نماز نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ جانا ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے۔

سفرِ معصیت اور باغیوں کے لئے نمازِ خوف جائز نہیں

جو شخص معصیت کے لئے سفر کرے، مثلاً چوری کرنے کے لئے یا ڈاکہ زنی کے لئے، تو اس کے لئے نمازِ خوف جائز نہیں ہے، جیسا کی یہ حکم فتاویٰ ظہیریہ میں مذکور ہے۔ اسی طرح جو لوگ امیر المومنین سے بغاوت کر لیں تو ان کے لئے بھی نمازِ خوف درست نہیں ہے، اس لئے کہ نمازِ خوف ان لوگوں کے لئے مشروع کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے قتال کریں، یا جو دشمن اسلام سے قتال کریں۔ اپنے دشمن سے قتال کرتے وقت نمازِ خوف مشروع نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازِ خوف پڑھنے کا ثبوت

رسول اکرم، سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح چار مرتبہ نمازِ خوف پڑھنا حدیث شریف سے ثابت ہے:

(۱) غزوۂ ذات الرقاع میں آپ نے نمازِ خوف ادا کی تھی۔

(۲) بطن نخل میں آپ نے نمازِ خوف ادا کی تھی۔

(۳) غزوۂ عسفان میں بھی آپ نے نماز خوف ادا فرمائی تھی۔
(۴) غزوۂ ذی قرد میں بھی آپ نے نماز خوف پڑھی تھی۔
یہ غزوہ ٦ھ میں ہوا ہے (یہ جگہ مدینہ منورہ سے ایک برید کے فاصلہ پر واقع ہے اس غزوہ کو "غزوۃ الغابہ" بھی کہتے ہیں۔ ان چار غزوات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز خوف پڑھنا ثابت ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

ابو حماد غلام رسول منظور القاسمی پہراوی
خادم الافتاء والحدیث جامعۃ القرآن والسنۃ الخیریہ بجنور، یوپی (الہند)
۲۸/ صفر المظفر ۱۴۲۶ھ - ۷/ اپریل ۲۰۰۵ء

باب صلاة الجنازة

یہ باب نماز جنازہ کے بیان میں

اس باب میں حضرت علامہ حصکفیؒ موت سے لے کر کفن دفن تک کے مسائل بیان کریں گے۔ اور نمازِ جنازہ کے احکام کو مؤخر اس لئے ذکر کیا ہے کہ نمازِ جنازہ انسان کا آخری انجام ہے اور بس اخیر میں ادا کی جاتی ہے۔ نمازِ خوف اور نمازِ جنازہ کے درمیان مناسبت بھی عیاں ہے کہ خوف وقتال انجام عموماً موت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، لہٰذا اس اعتبار سے یہ موت سے قریب تر تھا اس لئے مصنف نے اس کو مؤخر ذکر کیا ہے۔

لفظ جنازہ کی تحقیق

لفظ جنازہ "جَنَزَ" سے بنا ہے، جس کے لغوی معنی ہیں: "جمع کرنا، ڈھانپنا، چھپانا"۔ یہ لفظ جِنازۃ جیم کے کسرہ کے ساتھ بھی مستعمل ہے اور جیم کے فتحہ کے ساتھ جَنازۃ بھی، لیکن زیادہ فصیح جیم کے زیر کے ساتھ جِنازۃ مانا گیا ہے۔ اور اصطلاح میں "جنازہ" میت کو کہتے ہیں جو تختہ تابوت پر ہو۔ اور بعض نے لکھا ہے جنازہ جیم کے زبر کے ساتھ میت کے لئے مستعمل ہے۔ اور جنازہ جیم کے زیر کے ساتھ کا لفظ تختہ تابوت، یا اس چارپائی کے لئے استعمال ہوتا ہے جس پر میت کو رکھ کر اٹھاتے ہیں اور لے کر چلتے ہیں۔ اور بعض نے اس کا برعکس کہا ہے، یعنی جَنازۃ تو تختہ تابوت، یا میت کی چارپائی کو کہتے ہیں، اور جِنازۃ میت کو کہتے ہیں۔

مِنْ إِضَافَةِ الشَّيْءِ لِسَبَبِهِ، وَهِيَ بِالْفَتْحِ الْمَيِّتُ وَبِالْكَسْرِ السَّرِيرُ، وَقِيلَ: لُغَتَانِ. وَالْمَوْتُ صِفَةٌ وُجُودِيَّةٌ خُلِقَتْ ضِدُّ الْحَيَاةِ، وَقِيلَ: عَدَمِيَّةٌ يُوَجَّهُ الْمُحْتَضَرُ وَعَلَامَتُهُ اسْتِرْخَاءُ قَدَمَيْهِ، وَاعْوِجَاجُ مَنْخَرِهِ وَانْخِسَافُ صُدْغَيْهِ الْقِبْلَةَ عَلَى يَمِينِهِ هُوَ السُّنَّةُ وَجَازَ الِاسْتِلْقَاءُ عَلَى ظَهْرِهِ وَقَدَمَاهُ إِلَيْهَا وَهُوَ الْمُعْتَادُ فِي زَمَانِنَا وَلَكِنْ يُرْفَعُ رَأْسُهُ قَلِيلًا لِيَتَوَجَّهَ لِلْقِبْلَةِ وَقِيلَ يُوضَعُ كَمَا تَيَسَّرَ عَلَى الْأَصَحِّ صَحَّحَهُ فِي الْمُبْتَغَى وَإِنْ شَقَّ عَلَيْهِ تُرِكَ عَلَى حَالِهِ وَالْمَرْجُومُ لَا يُوَجَّهُ. مِعْرَاجٌ، وَيُلَقَّنُ نَدْبًا، وَقِيلَ وُجُوبًا بِذِكْرِ الشَّهَادَتَيْنِ لِأَنَّ الْأُولَى لَا تُقْبَلُ بِدُونِ الثَّانِيَةِ عِنْدَهُ قَبْلَ

الغَرْغَرَةِ واختلفَ فِي قُبُولِ تَوبَةِ اليَأسِ، والمُختارُ قُبولُ تَوبتِهِ لاَ إيمانِهِ، والفَرقُ فِي البزازِيَّةِ وغَيرِها مِن غَيرِ أمرِهِ بِهِ لِئلاَّ يضجر، إذَا قالَهَا مَرَّةً كَفاهُ، ولاَ يكرّر عليهِ ما لَم يتكَلَّمْ لِيكُونَ آخِرُ كَلامِهِ لاَ إلهَ إلاَّ اللّٰهُ، ويندُبُ قِراءَةُ يٰسٓ والرَّعدِ، وَلاَ يُلَقَّنُ بَعْدَ تَلْحِيدِهِ وَإنْ فُعِلَ لاَ يُنْهَى عَنْهُ. وَفِي الْجَوْهَرَةِ أَنَّهُ مَشْرُوعٌ عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَيَكْفِي قَوْلُهُ: "يَا فُلَانُ يَا ابْنَ فُلَان اُذْكُرْ مَا كُنْت عَلَيْهِ وَقُلْ: رَضِيت بِاَللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فَإِنْ لَمْ يُعْرَفْ اسْمُهُ قَالَ : يُنْسَبُ إلَى آدَمَ وَحَوَّاءَ". وَمَنْ لَا يُسْأَلُ يَنْبَغِي أَنْ لَا يُلَقَّنَ. وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَا يُسْأَلُونَ وَلَا أَطْفَالَ الْمُؤْمِنِينَ وَتَوَقَّفَ الْإِمَامُ فِي أَطْفَالِ الْمُشْرِكِينَ وَقِيلَ هُمْ خَدَمُ أَهْلِ الْجَنَّةِ. وَيُكْرَهُ تَمَنِّي الْمَوْتِ وَتَمَامُهُ فِي النَّهْرِ وَسَيَجِيءُ فِي الْحَظْرِ.

صلوۃ الجنازۃ کی اضافت

یہاں صلاۃ الجنازہ میں شئی کی اضافت اس کے سبب کی طرف ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ جنازہ کے سبب سے نماز واجب ہوتی ہے، اور لفظ جنازہ جب جیم کے فتحہ کے ساتھ پڑھیں گے تو اس کے معنی میت کے ہوں گے۔ اور لفظ جنازہ جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھیں گے تو اس کے معنی اس تخت کے ہوں گے جس پر جنازہ رکھا جاتا ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کی لفظ جنازہ خواہ جیم کے زبر کے ساتھ ہو یا جیم کے زیر کے ساتھ ہو، دونوں کے معنی مردہ کے آتے ہیں، جیسا کہ اس کی پوری تحقیق شامی میں ہے۔ (شامی/۳/۷۷)

موت، وجودی صفت ہے یا عدمی؟

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ موت ایک وجودی صفت ہے جو زندگی میں پیدا کی گئی ہے۔ اور بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ موت عدمی صفت ہے، اس لئے کہ زندہ شئی سے حیات کو سلب کر لینے کا نام موت ہے۔ الغرض اس میں اختلاف ہے کہ موت وجودی صفت کا نام ہے یا عدمی صفت کا نام ہے۔ جن حضرات نے موت کو وجودی صفت قرار دیا ہے ان کی دلیل قرآن کریم کی آیت ﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ﴾ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موت کو بھی وجود بخشا اور زندگی کو بھی، اور موت و حیات کے درمیان مقابلہ ضدین ہے۔ اور جن حضرات نے موت کو عدمی قرار دیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جب زندگی سے حیات معدوم ہو جاتی ہے تو اسی کو موت کہتے ہیں، لہٰذا موت و حیات میں عدم اور ملکہ کا مقابلہ ہے۔ اکثر علماء نے قول ثانی کو راجح قرار دیا ہے۔ (شامی/۳/۷۷)

جب موت کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں تو کیا کرنا چاہیے؟

جو شخص بالکل مرنے کے قریب ہوجائے اور موت کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں تو سنت یہ ہے کہ اس کا چہرہ دائیں کروٹ کر کے قبلہ کی طرف پھیر دیا جائے۔ اور موت کی علامت یہ ہے کہ مثلاً اس کے دونوں پاؤں ڈھیلے پڑ جائیں اور اس کی ناک کا بانسا ٹیڑھا ہوجائے اور کنپٹیاں اندر کو دھنس جائیں۔ اور قریب المرگ شخص کو اس طرح چت لٹانا بھی جائز ہے کہ اس کے دونوں پیر قبلہ کی طرف ہوں، لیکن اس صورت میں اس کا سر تھوڑا سا اونچا کر دیا جائے تاکہ چہرہ قبلہ کی طرف ہوجائے، جیسا کہ ہمارے زمانے میں اس کا رواج ہے۔ شارح علیہ الرحمہ کے زمانے میں اسی طرح لٹانے کا رواج تھا۔ اور اس بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ جس طرح بھی سہولت اور آسانی ہو کیا جائے، مگر چہرہ قبلہ کی طرف ہو، اس بارے میں اصح ترین مذہب یہی ہے۔ اور مجتبیٰ نامی کتاب میں اسی کی تصحیح کی گئی ہے۔ اور اگر قریب الموت شخص کو قبلہ کی طرف چہرہ کرنے میں اذیت اور تکلیف ہو تو اس کو اسی حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اور جس شخص کو زنا کاری کی سزا کی وجہ سے سنگسار کیا گیا ہو اس کے چہرہ کو قبلہ کی طرف نہ کیا جائے، اور اس طرح کا معاملہ اس کے ساتھ زجراً کیا جائے گا، تاکہ دوسروں کے لئے عبرت ہو، جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے۔

موت کے وقت کلمۂ شہادت کی تلقین

جب موت کے آثار مرنے والے پر ظاہر ہونے لگیں تو مستحب یہ ہے کہ اس کو شہادت کی تلقین کی جائے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ تلقین کرنا پاس بیٹھنے والوں پر واجب ہے بغیر شہادت کہ یہ تلقین غرغرہ سے پہلے ہو، اس لئے کہ پہلی شہادت دوسرے کے بغیر قبول نہیں ہوتی ہے (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَإِنَّهُ لَيْسَ مُسْلِمٌ يَقُولُهَا عِنْدَ الْمَوْتِ إِلَّا أَنْجَتْهُ مِنَ النَّارِ. کہ اے مسلمانو! تم اپنے مُردوں کو لا الہ الا اللہ، کی تلقین کرو اس لئے کہ جو بھی مسلمان موت کے وقت کلمہ کو پڑھتا ہے وہ کلمہ اس کو جہنم سے نجات دلاتا ہے۔ دوسری حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کا آخری کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ'' ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا، پس ان ہی احادیث کے پیش نظر مستحب یہ ہے کہ جو لوگ مرنے والے کے پاس بیٹھے ہوں وہ ''لا الٰہ الا اللہ'' اس طرح پڑھیں کہ وہ آواز اس کو سنائی دے اور اس کو پڑھ لے۔ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' دونوں جزء کی تلقین کی جائے۔ (شامی/۳/۷۸)

نزع کے وقت توبہ کا حکم

جب انسان نزع کے عالم میں ہو اور جاں کنی کا وقت شروع ہوچکا ہو اس وقت توبہ قبول ہوتی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں

اختلاف ہے، لیکن مختار مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول ہوتی ہے، البتہ اس وقت ایمان قبول نہیں ہوتا ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان فرق فتاویٰ بزازیہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ اور قرآن کریم میں صراحت ہے: ﴿فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا﴾ ان کا ایمان ان کو اس وقت کام نہیں آئے گا جب انھوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا۔ اور توبہ کے متعلق ارشاد ربانی ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرتا ہے۔

شہادتین کی تلقین کس طرح کی جائے؟

جو لوگ مرنے والے کے پاس بیٹھ کر شہادتین کی تلقین کر رہے ہوں گے ان کو چاہیے کہ مرنے والے کو شہادتین کے پڑھنے کو نہ کہیں، بلکہ صرف بیٹھنے والے ہلکی آواز سے پڑھیں گے۔ اور پڑھنے کا حکم اس لئے نہیں دیا جائے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موت کی تکلیف کی شدت کی وجہ سے پڑھنے سے انکار نہ کردے۔ اور جب ایک مرتبہ کلمہ شہادت پڑھ لے تو بس یہ اس کے لئے کافی ہے، بار بار تلقین نہ کی جائے۔ جب اس کلمہ کے پڑھنے کے بعد کوئی دنیاوی بات چیت نہ کریں، تاکہ اس کا آخری کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" ہو۔ اور اگر شہادتین کے پڑھنے کے بعد دنیاوی بات چیت کرے تو دوبارہ تلقین کی جائے، تاکہ اس کا آخری کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" ہو۔

مرنے والے کے پاس سورہ یٰسین کا پڑھنا

مستحب یہ ہے کہ مرنے والے کے پاس آخری وقت میں سورۂ یٰسین اور سورۂ رعد کی تلاوت کی جائے، اس لئے کہ حدیث شریف میں ان سورتوں کے پڑھنے کا حکم آیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **اِقْرَؤُا علىٰ موتاكم يٰس.** تم اپنے مردوں پر یٰس شریف کی تلاوت کیا کرو۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مرنے والے کے پاس سورۂ رعد پڑھنے سے اس کی روح نکلنے میں آسانی ہوتی ہے۔ (شامی/۳/۸۰)

دفن کے بعد تلقین کا حکم

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ دفن کے بعد شہادتین کی تلقین نہ کی جائے، لیکن اگر کوئی شخص دفن کے بعد بھی تلقین کرے تو اس کو روکا نہیں جائے گا، اس لئے کہ حدیث شریف میں مردوں پر تلقین شہادتین کی صراحت ہے اور **لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ** میں بعض حضرات نے حقیقی موت مراد لیا ہے، یعنی موت واقع ہوجانے کے بعد تلقین کا حکم ہے لہٰذا اس معنی کا اعتبار کرتے ہوئے دفن کے بعد اگر کوئی تلقین کرے تو اس کو روکا نہیں جائے گا۔ اور بعض حضرات نے **لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ**

میں قریب الموت کا معنی مرادلیا ہے۔

اور "جوھرۃ" نامی کتاب میں لکھا ہے کہ اہل السنّت والجماعۃ کے نزدیک مردوں کو شہادتین کی تلقین جائز ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو قبر میں زندہ کرتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پوری تفصیل بیان فرمائی ہے، اور تلقین اس طرح کرنا ہوتا ہے: "اے فلاں ابن فلاں! تم ان باتوں کو یاد کرو جن پر تم دنیا میں قائم تھے، اور تم یہ کہو کہ میں اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گیا باعتبار رب ہونے کے، اور اسلام سے راضی ہو گیا باعتبار دین ہونے کے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے راضی ہو گیا باعتبار نبی ہونے کے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اگر مردہ کا نام معلوم نہ ہو تو کس طرح خطاب کرے؟ آپ نے فرمایا: اس کو آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام کی طرف منسوب کرکے کہے، یعنی مردہ اگر مرد ہو تو کہے اے آدم کے بیٹے! اور اگر عورت ہو تو کہے: اے حواء کی بیٹی! اور جن لوگوں سے قبر میں سوال نہیں ہوتا ہے مناسب یہ ہے کہ اس کی تلقین نہ کی جائے۔

قبر میں کن لوگوں سے سوال وجواب نہیں ہوتا ہے؟

اصح قول کے مطابق حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں کے نابالغ بچوں سے قبر میں سوال وجواب نہیں ہوتا ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے مشرکوں کے نابالغ بچوں کے متعلق توقف فرمایا ہے کہ ان سے قبر میں سوال ہوگا یا نہیں؟ وہ جنت میں جائیں گے یا جہنم میں؟ بعض اہل علم کا قول ہے کہ مشرکوں کے نابالغ بچے اہل جنت کے خادم ہوں گے۔ (قبر میں جن لوگوں سے سوال نہیں ہوگا ان میں شہداءِ اسلام، غازیانِ دین، صدیقین، جو شخص جمعہ کے دن مرے یا جمعہ کی رات میں مرے، جو ہر رات سورۂ ملک کی تلاوت کرتا ہو، ان کا بھی اضافہ کیا گیا ہے، اور مشرکین کے نابالغ بچوں سے متعلق کچھ حتمی فیصلہ نہ کیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم پر چھوڑ دیا جائے)۔

موت کی تمنا کرنا جائز نہیں

دنیاوی تکلیف وکوفت سے پریشان ہو کر موت کی تمنا کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کی پوری تفصیل "النہر الفائق" میں موجود ہے۔ اور اس کتاب میں اس کی تفصیل کتاب الحظر والاباحۃ میں آرہی ہے، نیز کتاب النہر الفائق میں ہے کہ اگر مجبوراً موت کی دعاء کرنی پڑے تو اس طرح دعاء کرے کہ: یا اللہ! جب تک میرا زندہ رہنا میرے لئے بہتر ہے زندہ رکھ! اور اگر میرے لئے موت بہتر ہے تو موت دیدے!۔

وَمَا ظَهَرَ مِنْهُ مِنْ كَلِمَاتٍ كُفْرِيَّةٍ يُغْتَفَرُ فِي حَقِّهِ وَيُعَامَلُ مُعَامَلَةَ مَوْتَى الْمُسْلِمِينَ حَمْلًا عَلَى أَنَّهُ فِي حَالِ زَوَالِ عَقْلِهِ وَلِذَا اخْتَارَ بَعْضُهُمْ زَوَالَ عَقْلِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ذَكَرَهُ الْكَمَالُ، وَإِذَا مَاتَ تُشَدُّ لَحْيَاهُ وَتُغْمَضُ عَيْنَاهُ تَحْسِينًا لَهُ ، وَيَقُولُ مُغْمِضُهُ : بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ يَسِّرْ عَلَيْهِ أَمْرَهُ ، وَسَهِّلْ عَلَيْهِ مَا بَعْدَهُ ، وَأَسْعِدْهُ بِلِقَائِكَ ، وَاجْعَلْ مَا خَرَجَ إِلَيْهِ خَيْرًا مِمَّا خَرَجَ عَنْهُ ثُمَّ تُمَدُّ أَعْضَاؤُهُ ، وَيُوضَعُ عَلَى بَطْنِهِ سَيْفٌ أَوْ حَدِيدٌ لِئَلَّا يَنْتَفِخَ ، وَيُحْضَرُ عِنْدَهُ الطِّيبُ وَيَخْرُجُ مِنْ عِنْدِهِ الْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ وَالْجُنُبُ وَيَعْلَمُ بِهِ جِيرَانُهُ وَأَقْرِبَاؤُهُ وَيُسْرِعُ فِي جِهَازِهِ وَيَقْرَأُ عِنْدَهُ الْقُرْآنُ إِلَى أَنْ يُرْفَعَ إِلَى الْغُسْلِ كَمَا فِي الْقُهُسْتَانِيِّ مَعْزِيًّا لِلتُّحَفِ . قُلْتُ :وَلَيْسَ فِي التُّحَفِ إِلَى الْغُسْلِ بَلْ إِلَى أَنْ يُرْفَعَ فَقَطْ ، وَفَسَّرَهُ فِي الْبَحْرِ بِرَفْعِ الرُّوحِ . وَعِبَارَةُ الزَّيْلَعِيِّ وَغَيْرِهِ تُكْرَهُ الْقِرَاءَةُ عِنْدَهُ حَتَّى يُغَسَّلَ ، وَعَلَّلَهُ الشُّرُنْبُلَالِيُّ فِي إِمْدَادِ الْفَتَّاحِ تَنْزِيهًا لِلْقُرْآنِ عَنْ نَجَاسَةِ الْمَيِّتِ لِتَنَجُّسِهِ بِالْمَوْتِ قِيلَ نَجَاسَةَ خَبَثٍ وَقِيلَ حَدَثٍ ، وَعَلَيْهِ فَيَنْبَغِي جَوَازُهَا كَقِرَاءَةِ الْمُحْدِثِ. وَيُوضَعُ كَمَا مَاتَ كَمَا تَيَسَّرَ فِي الْأَصَحِّ عَلَى سَرِيرٍ مُجَمَّرٍ وِتْرًا إِلَى سَبْعٍ فَقَطْ فَتْحٌ كَكَفَنِهِ وَعِنْدَ مَوْتِهِ فَهِيَ ثَلَاثٌ لَا خَلْفَهُ وَلَا فِي الْقَبْرِ. وَكُرِهَ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ عِنْدَهُ إِلَى تَمَامِ غُسْلِهِ عِبَارَةُ الزَّيْلَعِيِّ حَتَّى يُغَسَّلَ وَعِبَارَةُ النَّهْرِ قَبْلَ غُسْلِهِ وَتُسْتَرُ عَوْرَتُهُ الْغَلِيظَةُ فَقَطْ عَلَى الظَّاهِرِ مِنَ الرِّوَايَةِ وَقِيلَ مُطْلَقًا الْغَلِيظَةُ وَالْخَفِيفَةُ وَصُحِّحَ صَحَّحَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَغَيْرُهُ وَيَغْسِلُهَا تَحْتَ خِرْقَةِ السُّتْرَةِ بَعْدَ لَفِّ خِرْقَةٍ مِثْلِهَا عَلَى يَدَيْهِ لِحُرْمَةِ اللَّمْسِ كَالنَّظَرِ. وَيُجَرَّدُ مِنْ ثِيَابِهِ كَمَا مَاتَ وَغُسْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي قَمِيصِهِ) مِنْ خَوَاصِّهِ.

مرتے وقت اگر کلمہ کفر زبان سے جاری ہوجائے تو سننے والے کے لئے کیا حکم ہے؟

اور مرنے والے کی زبان سے جاں کنی کے عالم میں جو کلماتِ کفر نکلیں تو ان کی وجہ سے اس کے حق میں دعائے مغفرت کرنی چاہئے۔ اور اس کے ساتھ مسلمانوں کی طرح معاملہ کرنا چاہئے، یعنی جس طرح مسلمان مردوں کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے اسی طرح اس کے ساتھ بھی معاملہ کیا جائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ یہ مسلمان ہے اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی عقل زائل ہونے کی حالت میں یہ کلمات اس کی زبان سے جاری ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بعض فقہائے کرام نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ مرنے والے کی عقل موت سے پہلے جاتی رہتی ہے۔ اس کو علامہ کمالؒ نے ذکر کیا ہے۔ (لیکن اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر

داحسان ہے کہ کسی مسلمان کے بارے میں یہ سننے میں نہیں آیا ہے کہ مرنے کے وقت کلماتِ کفر زبان سے نکلے ہوں، جو اس بات کی علامت ہے کہ عقل باقی رہتی ہے)۔

جب آدمی مرجائے تو اس کے ساتھ فوراً کیا کرنا چاہئے؟

جب مرنے والا مر چکے تو جو لوگ وہاں موجود ہوں یا وقت پر آجائیں ان کو چاہئے کہ اس کے جبڑے سر سے ملا کر باندھ دیئے جائیں (تا کہ منہ کھلا نہ رہنے پائے) اور دونوں آنکھیں بند کردی جائیں (تا کہ آنکھیں کھلی نہ رہنے پائیں)۔ اور یہ حکم اس لئے ہے تا کہ میت دیکھنے میں اچھا معلوم ہو۔ (اس لئے کہ اگر میت کا منہ کھلا رہ جائے اور آنکھیں بھی کھلی رہ جائیں تو بہت ڈراونا اور خوفناک معلوم ہوگا)۔ اور میت کی آنکھیں بند کرنے والا یہ دعاء پڑھے گا: "بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلىٰ مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ عَلَيْهِ أَمْرَهُ وَسَهِّلْ عَلَيْهِ مَابَعْدَهُ، وَاَسْعِدْهُ بِلِقَائِكَ وَاجْعَلْ مَا خَرَجَ إِلَيْهِ خَيْرًا مِمَّا خَرَجَ عَنْهُ". (میں اللہ تعالیٰ کے نام سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے مطابق شروع کرتا ہوں، اے اللہ! تو اس پر اس کا معاملہ آسان فرما، اور جو اس کے بعد پیش آنے والا ہے اسے آسان فرما دے! اور اس کو اپنے دیدار سے شرف یاب فرما! اور یہ جہاں جا رہا ہے اس کو اس دنیا سے بہتر فرما جہاں سے نکل رہا ہے!)۔

مرنے کے بعد مردہ کے جسم کو ٹھیک کرنا

منہ اور آنکھوں کے بند کرنے کے بعد میّت کے اعضاء کو مناسب طریقہ سے اپنی اپنی جگہ پھیلا دیا جائے اور اس کے پیٹ پر تلوار یا کوئی لوہا رکھ دیا جائے تا کہ پیٹ پھولنے نہ پائے۔ (علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ لوہا اور آئینہ کی تاثیر یہ ہے کہ وہ پیٹ کو پھولنے نہیں دیتا ہے۔ اور اگر ان دونوں میں سے کچھ بھی نہ ملے تو پھر کوئی وزنی چیز رکھ دی جائے) پھر اس کے پاس کوئی خوشبودار چیز لائی جائے۔ اور مردے کے پاس سے حیض و نفاس والی عورتیں اور جنبی شخص ہٹ جائے۔

اس کے بعد مرنے والے کی موت کی اطلاع اس کے پڑوسیوں اور عزیز و اقارب میں کردی جائے۔ اور اس کی تجہیز و تکفین میں جلدی کی جائے، اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان مردہ کو گھر میں زیادہ دیر تک نہیں روکنا چاہئے۔ اور جب تک مردے کو غسل نہ دیا جائے اس کے پاس تلاوت قرآن کی جائے، جیسا کی یہ مسئلہ قہستانی میں نتف کی طرف منسوب کرکے ہے۔ لیکن شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کی نتف میں **إلى الغسل** کا لفظ نہیں ہے بلکہ **إلى ان يرفع** کا لفظ ہے، یعنی جب تک مردہ اٹھایا نہ جائے اس کے پاس قرآن کی تلاوت کی جائے۔ اور کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق میں اٹھائے جانے کی تفسیر روح کے اٹھائے جانے سے کی گئی ہے۔ یعنی صرف روح کے نکلنے تک قرآن کریم کی تلاوت کرے اور جب

روح نکل جائے تو تلاوت بند کردے۔اور زیلعی وغیرہ میں مذکور ہے کہ میت کو غسل دینے سے پہلے پہلے اس کے پاس تلاوت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔اور شرنبلالی نے امداد الفتاح میں اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ میت کے سامنے قرآن کا نہ پڑھنا میت کے نجس ہونے کی وجہ سے ہے، کیوں کہ مردہ موت کی وجہ سے نجس ہو جاتا ہے۔

موت کے بعد مردہ پاک ہے یا ناپاک؟

موت کی وجہ سے مردہ جو ناپاک ہو جاتا ہے اس کو بعض علماء نے حقیقی نجاست کہا ہے۔اور بعض نے حکمی نجس قرار دیا ہے۔(جو لوگ حقیقی نجاست کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے جانوروں کی طرح آدمی کا خون بھی پتلا ہو جاتا ہے لہٰذا جس طرح دوسرے مردار نجس ہوتے ہیں اسی طرح آدمی بھی مرنے کی وجہ سے نجس ہو جاتا ہے۔اکثر فقہائے کرام کا قول یہی ہے، اسی وجہ سے اگر مسلمان مردہ غسل دلانے سے پہلے کنوئیں میں گر جائے تو کنوئیں کا پانی نجس ہو جاتا ہے۔اور جو حضرات نجاست حکمی قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے مردوں کو نجس نہ سمجھو، مسلمان نہ زندہ ہونے کی حالت میں نجس ہوتا ہے اور نہ مرنے کے بعد۔اس حدیث سے وہ نجاست حکمی مراد لیتے ہیں)۔

مردے کے پاس تلاوت کرنے کا شرعی حکم

اگر مردہ کو نجاست حکمی قرار دیا جائے تب بلاشبہ غسل دینے سے پہلے بھی مردہ کے پاس تلاوت قرآن جائز ہوگی، جس طرح کہ بے وضو شخص کے لئے قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا درست ہے۔اور اگر نجاست حقیقی قرار دی جائے تو مردہ کے پاس تلاوت کرنا غسل سے پہلے مکروہ ہوگا۔(علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں کہ اگر مردہ سے علیحدہ ہو کر تلاوتِ قرآن کی جائے تو جائز ہے۔اسی طرح علامہ شامیؒ نے یہ فرمایا کہ مردہ کو کسی پاک چادر سے چھپا دیں اور وہاں تلاوت کریں تو بھی کراہت نہیں ہے البتہ اگر مردہ کو پاک چادر میں چھپایا نہ گیا ہو تو پھر اس کے پاس تلاوت کرنا مکروہ ہوگا)۔

مردہ کو دھونی دی ہوئی چارپائی یا تخت پر لٹانے کا حکم

جب مرنے والا شخص مر جائے تو فوراً اس کو جس طرح بھی ہو سکے کسی ایسے تخت یا چارپائی پر لٹا دیا جائے جس کو خوشبو سے دھونی دی گئی ہو، اور یہ خوشبو کی دھونی تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ دی جائے گی، اس سے زیادہ مشروع نہیں ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ فتح القدیر میں مذکور ہے، جس طرح مردہ شخص کے کفن کو خوشبو میں بساتے ہیں اسی طرح مردہ کے مرنے کے وقت

بھی خوشبو میں بسایا جائے، پس مردہ کو خوشبو میں تین دفعہ بسایا جاتا ہے:

(۱) موت کے وقت (۲) تخت پر رکھنے سے قبل (۳) کفن پہنانے سے پہلے

ان تین دفعہ کے بعد خوشبو میں نہیں بسایا جاتا ہے اور نہ قبر میں خوشبو میں بسایا جاتا ہے۔

میت کو غسل دینے سے پہلے اس کے پاس تلاوت قرآن کرنے کا حکم

جب تک میت کو غسل نہ دیا جاے، ں وقت تک میت کے پاس قرآن کریم کی تلاوت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ زیلعی کی عبارت اس طرح ہے حتّٰی یُغسَل یہاں تک کہ اس کو غسل دیدیا جائے۔ اور نہرالفائق کی عبارت اس طرح ہے قَبلَ غسله میت کو غسل دینے سے پہلے۔ ظاہر ہے کہ دونوں کا مفہوم ومطلب ایک ہی ہے صرف تعبیر کا فرق ہے۔

میت کے غسل دیتے وقت پردہ کا اہتمام کرنا

مردہ کو غسل دینے میں ظاہرالروایہ یہ ہے کہ اس کا صرف ستر غلیظ چھپایا جائے اور اس بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ میت کا مطلقاً ستر چھپایا جائے، خواہ ستر غلیظ ہو یا ستر خفیف ہو۔ اسی قول ثانی کو علامہ زیلعی نے صحیح قرار دیا ہے اور اس کا منشاء یہ ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنے تک چھپایا جائے، اس لئے کہ یہ پورا حصہ ستر میں شرعی اعتبار سے داخل ہے۔ نیز حدیث شریف میں اس کی صراحت ہے کہ زندہ اور مردہ کی ران کو نہ دیکھو۔ اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے مردہ کی ران کھولنا بھی حرام ہے۔

ہاتھ میں کپڑا لپیٹ کر ستر والے حصہ کو دھوئے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میت کے ستر والے حصہ کو دھوتے وقت یہ خیال رکھا جائے کہ ہاتھ میں کوئی کپڑا لپیٹ کر اور تہبند کے نیچے ہاتھ لے جا کر ستر کو دھوئے بلا کپڑا لپیٹے ستر پر ہاتھ نہ لگائے اس لئے کہ ستر پر ہاتھ لگانا اسی طرح حرام ہے جس طرح اس کا دیکھنا حرام ہے، ایک تھیلے کی طرح سی کر ہاتھ میں پہن لے پھر اس سے ستر پر ہاتھ لگائے، تا کہ جسم کا ہاتھ سے چھونا لازم نہ آئے، اور چونکہ بچوں کا ستر نہیں ہے اس لئے اس کے ستر والے حصہ پر ہاتھ لگانا درست ہے ہاتھ میں کپڑا لپیٹنا ضروری نہیں ہے۔

موت کے بعد میت کے جسم سے کپڑے اتار دئے جائیں

روح پرواز ہوتے ہی میت کے جسم سے کپڑے نکال دئے جائیں، تا کہ کپڑوں کی گرمی کی وجہ سے میت کے جسم میں کوئی خرابی نہ لازم آئے، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی قمیص میں غسل دیا جانا یہ آپ کی خصوصیات میں سے ایک

خصوصیت ہے۔(چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا جانے لگا تو حضراتِ صحابہ کرامؓ کو تردّد ہوا کہ کپڑا نکال کر غسل دیا جائے، یا کپڑا اسمیت غسل دیا جائے، گھر میں ایک کونے سے یہ آواز آئی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑے سمیت غسل دیا جائے، چنانچہ پھر کپڑے سمیت آپ کو غسل دیا گیا۔ (شامی)

وَيُوَضَّأُ مَنْ يُؤْمَرُ بِالصَّلَاةِ بِلَا مَضْمَضَةٍ وَاسْتِنْشَاقٍ لِلْحَرَجِ ، وَقِيلَ يُفْعَلَانِ بِخِرْقَةٍ ، وَعَلَيْهِ الْعَمَلُ الْيَوْمَ ، وَلَوْ كَانَ جُنُبًا أَوْ حَائِضًا أَوْ نُفَسَاءَ فُعِلَا اتِّفَاقًا تَتْمِيمًا لِلطَّهَارَةِ كَمَا فِي إِمْدَادِ الْفَتَّاحِ مُسْتَمَدًّا مِنْ شَرْحِ الْمَقْدِسِيِّ ، وَيُبْدَأُ بِوَجْهِهِ وَيُمْسَحُ رَأْسُهُ وَيُصَبُّ عَلَيْهِ مَاءٌ مُغْلَى بِسِدْرٍ وَرَقِ النَّبْقِ أَوْ حُرُضٍ بِضَمٍّ فَسُكُونِ الْأُشْنَانِ إِنْ تَيَسَّرَ ، وَإِلَّا فَمَاءٌ خَالِصٌ مُغْلَى وَيُغْسَلُ رَأْسُهُ وَلِحْيَتُهُ بِالْخِطْمِيِّ نَبْتٌ بِالْعِرَاقِ إِنْ وُجِدَ وَإِلَّا فَبِالصَّابُونِ وَنَحْوِهِ هٰذَا لَوْ كَانَ بِهِمَا شَعْرٌ حَتَّى لَوْ كَانَ أَمْرَدَ أَوْ أَجْرَدَ لَا يُفْعَلُ. وَيُضْجَعُ عَلَى يَسَارِهِ لِيُبْدَأَ بِيَمِينِهِ فَيُغْسَلُ حَتَّى يَصِلَ الْمَاءُ إِلَى مَا يَلِي التَّخْتَ مِنْهُ ثُمَّ عَلَى يَمِينِهِ كَذٰلِكَ ثُمَّ يُجْلَسُ مُسْنَدًا بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ إِلَيْهِ وَيُمْسَحُ بَطْنُهُ رَفِيقًا وَمَا خَرَجَ مِنْهُ يَغْسِلُهُ ثُمَّ بَعْدَ إِقْعَادِهِ يُضْجِعُهُ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْسَرِ وَيَغْسِلُهُ وَهٰذِهِ غَسْلَةٌ ثَالِثَةٌ لِيَحْصُلَ الْمَسْنُونُ وَيُصَبُّ عَلَيْهِ الْمَاءُ عِنْدَ كُلِّ اضْطِجَاعٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ لِمَا مَرَّ وَإِنْ زَادَ عَلَيْهَا أَوْ نَقَصَ جَازَ إِذِ الْوَاجِبُ مَرَّةٌ وَلَا يُعَادُ غُسْلُهُ وَلَا وُضُوءُهُ بِالْخَارِجِ مِنْهُ لِأَنَّ غُسْلَهُ مَا وَجَبَ لِرَفْعِ الْحَدَثِ لِبَقَائِهِ بِالْمَوْتِ بَلْ لِتَنَجُّسِهِ بِالْمَوْتِ كَسَائِرِ الْحَيَوَانَاتِ الدَّمَوِيَّةِ إِلَّا أَنَّ الْمُسْلِمَ يَطْهُرُ بِالْغُسْلِ كَرَامَةً لَهُ وَقَدْ حَصَلَ بَحْرٌ وَشَرْحُ مَجْمَعٍ. وَيُنَشَّفُ فِي ثَوْبٍ وَيُجْعَلُ الْحَنُوطُ وَهُوَ بِفَتْحِ الْحَاءِ الْعِطْرُ الْمُرَكَّبُ مِنَ الْأَشْيَاءِ الطَّيِّبَةِ غَيْرِ زَعْفَرَانٍ وَوَرْسٍ لِكَرَاهَتِهِمَا لِلرِّجَالِ ، وَجَعْلُهُمَا فِي الْكَفَنِ جَهْلٌ عَلَى رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ نَدْبًا وَالْكَافُورُ عَلَى مَسَاجِدِهِ كَرَامَةً لَهَا. وَلَا يُسَرَّحُ شَعْرُهُ أَيْ يُكْرَهُ تَحْرِيمًا وَلَا يُقَصُّ ظُفْرُهُ إِلَّا الْمَكْسُورَ وَلَا شَعْرُهُ وَلَا يُخْتَنُ ، وَلَا بَأْسَ بِجَعْلِ الْقُطْنِ عَلَى وَجْهِهِ ، وَفِي مَخَارِقِهِ كَدُبُرٍ وَقُبُلٍ وَأُذُنٍ وَفَمٍ وَيُوضَعُ يَدَاهُ فِي جَانِبَيْهِ لَا عَلَى صَدْرِهِ لِأَنَّهُ مِنْ عَمَلِ الْكُفَّارِ، ابْنُ مَلِكٍ.

غسل دیتے وقت میت کو غسل کرانا

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو نماز کا حکم دیا جاتا ہے (جو مکلّف اور بالغ آدمی ہے) اس کو مرنے کے بعد کلی

اور ناک میں پانی ڈالے بغیر وضو کرایا جائے گا اس لئے کہ کلی کراتے اور ناک میں پانی ڈالنے میں حرج اور تنگی ہے اور ایک قول اس بارے میں یہ ہے کہ کلی کرانے اور ناک میں پانی ڈالنے کے بجائے ایک کپڑا بھگو کر دونوں کو صاف کیا جائے گا اور اس زمانے میں اسی پر عمل بھی ہے، اور اگر مرنے والا جنبی ہو یا مرنے والی حیض ونفاس والی عورت ہو تو بالاتفاق کپڑے سے اس کی ناک دانت اور مسوڑھے وغیرہ صاف کئے جائیں گے تا کہ اس کی طہارت کامل ومکمل ہو جائے، جیسا کہ یہ مسئلہ امداد الفتاح میں شرح المقدسی کے حوالہ سے مذکور ہے، (حدیث شریف میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات سال کے بچہ اور بچی کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ اگر مرنے والے کی عمر سات سال سے کم ہو تو اس کو وضو نہیں کرایا جائیگا، لیکن بقول علامہ شامی کے اس کو وضو کرا دینا بہتر ہے)۔

میت کو وضو کس طرح کرایا جائیگا

فرماتے ہیں کہ میت کو وضو کرانے میں چہرہ سے ابتدا کی جائیگی اور اس کے وضو میں سر کا مسح بھی کیا جائیگا۔ (اور مردے کو استنجاء کرانے میں اختلاف ہے طرفین فرماتے ہیں کہ مردے کو استنجا کرایا جائیگا، اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مردے کو استنجاء نہیں کرایا جائیگا اور استنجاء پاک کرنیکی شکل بھی یہی ہوگی کہ ہاتھ پر کوئی کپڑا لپیٹ کر وہ جگہ دھودی جائے۔

کس طرح کے پانی سے مردے کو غسل دیا جائے؟

اور میت کو اس پانی سے غسل دیا جائے جس میں بیر کی پتی یا اشنان کی گھاس ڈال کر جوش دیا گیا ہو، اگر یہ چیز آسانی سے مل جائے تو بہتر ہے ورنہ خالص پانی جس کو جوش دیدیا گیا ہو اس سے غسل کرایا جائیگا، یہاں لفظ حُرض حاء کے ضمہ کے ساتھ مستعمل ہے جس کے معنٰی اُشنان کے ہیں۔ اور میت کے سر اور اس کی داڑھی کے بالوں کو خطمی سے دھویا جائے، اگر خطمی سہولت سے مل جائے تو بہتر ہے ورنہ تو صابون یا اس جیسی دوسری چیز سے دھویا جائے۔ (تا کہ میل کچیل صاف ہو جائے) خطمی ایک خوشبودار گھاس ہے جو عراق میں ہوتی ہے۔ اور یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ مرنے والے کے چہرہ اور سر پر بال ہوں یہاں تک کہ اگر مرنے والے کے چہرے پر بال نہ ہوں اور سر پر بھی بال نہ ہوں تو پھر خطمی اور صابن سے دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔

میت کو غسل دلانے کا طریقہ

جب میت کو غسل دینے کے واسطے تخت پر رکھا جائے تو اس کو بائیں پہلو پر لٹایا جائے، تا کہ داہنے طرف سے دھونا شروع

ہو، دائیں طرف اتنا پانی میت کے جسم پر ڈالا جائے کہ بدن کے اس حصہ تک پہنچ جائے جو تخت سے ملا ہوا ہے۔ پھر اس کے بعد میت کو دائیں کروٹ پر لٹایا جائے، اور بائیں پہلو پر اس قدر پانی ڈالا جائے کہ پانی دائیں پہلو تک پہنچ جائے جو تخت سے ملا ہوا ہے، پھر نہلانے والا شخص مردے کو ذرا سہارا دے کر بیٹھائے اور اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ ملے اور جو کچھ نجاست نکلے اس کو دھودے اس کے بعد نہلانے والا شخص اس کو بائیں کروٹ پر لٹائے، اور غسل دے اور پھر تیسری مرتبہ بھی پانی بہائے، تاکہ اس سے سنت حاصل ہو جائے اس لئے کہ تین مرتبہ پانی بہانا مسنون ہے، اور ہر مرتبہ لٹاتے وقت تین مرتبہ پانی بہائے، اور اگر ہر کروٹ پر تین مرتبہ سے کم یا اس سے زیادہ پانی بہائے تو یہ بھی جائز ہے اور غسل ہو جائیگا، اس لئے کہ صرف ایک مرتبہ پانی بہانا واجب ہے تین مرتبہ مسنون ہے۔

اعادۂ غسل کی ضرورت نہیں

اگر میت کے پیٹ آہستہ آہستہ دبانے کی وجہ سے کچھ گندگی نکلے تو صرف اسی کو دھودیا جائے گا، دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں ہے اور نہ دوبارہ وضو کرانے کی ضرورت ہے اس لئے کہ میت کو غسل دینا حدث کو دور کرنے کے واسطے واجب نہیں ہوا ہے اس لئے کہ وہ حدث تو موت کی وجہ سے قائم ہے، بلکہ نہلانا صرف اس لئے واجب ہوا ہے کہ وہ موت کی وجہ سے ناپاک ہو گیا ہے جس طرح دوسرے خون والے جانور مرنے کی وجہ سے ناپاک ہو جاتے ہیں، لیکن مسلمان مردہ اپنی شرافت وعظمت کی وجہ سے غسل کے ذریعہ پاک ہو جاتا ہے اور اس کو یہ پاکی غسل دینے کی وجہ سے حاصل ہو چکی ہے جیسا کہ یہ مسئلہ البحر الرائق اور مجمع الانہر میں ہے۔

غسل کے بعد میت پر خوشبو ملنا

جب میت کو غسل دیا جا چکا ہو تو اس کے جسم کا پانی کسی کپڑے سے خشک کر لیا جائے، اس کے بعد مستحب یہ ہے کہ میت کے سر اور داڑھی کے بالوں میں حنوط خوشبو لگائی جائے، اور ان اعضاء میں کافور ملیں جو اعضاء سجدے میں زمین سے لگتے ہیں جیسے پیشانی، ناک، دونوں ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں۔ اور ان اعضاء پر خوشبو لگانے کو جو مستحب بتایا گیا ہے یہ ان کی شرافت وکرامت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں لفظ حنوط حاء کے زبر کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، مختلف خوشبودار چیزوں سے مرکب عطر کا نام حنوط ہے، یعنی حنوط مختلف خوشبودار چیزوں سے تیار ہوتا ہے جس میں زعفران اور ورس نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں مردوں کے لئے استعمال کرنا مکروہ ہے اور زعفران اور ورس کو کفن میں رکھنا جہالت ہے، لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔

میت کی تزئین کرنے سے ممانعت

مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مردے کے بالوں میں کنگھی نہیں کی جائیگی اس لئے کہ مردوں کے بالوں میں کنگھی کرنا مکروہ تحریمی ہے اور مردے کے نہ ناخن تراشے جائیں گے البتہ جو ناخن ٹوٹ کر لٹکا ہوا ہو اس کو کاٹ کر پھینک دیا جائے گا اور نہ میت کے بال کاٹے جائیں گے اور نہ ہی اس کا ختنہ کیا جائے گا۔ (الغرض نہر الفائق نامی کتاب میں مذکور ہے کہ میت کی تزئین اور بناؤ سنگھار کرنا جائز نہیں ہے)۔ البتہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ میت کے چہرہ پر یا اس کے سوراخوں پر روئی رکھدی جائے جیسے منہ، کان، پاخانہ کا راستہ وغیرہ، بعض علمائے کرام نے روئی رکھنے کو پسند نہیں کیا ہے، زیلعی میں اسی کے افضل ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مردے کے ہاتھ بغل میں رکھے جائیں

فرماتے ہیں کہ میت کے دونوں ہاتھ اس کے دونوں بغل میں رکھے جائیں، میت کے سینے پر اس کے ہاتھ نہ رکھے جائیں اس لئے کہ میت کے سینہ پر ہاتھ رکھنا کفار کا طریقہ ہے اس کو ابن ملک نے ذکر کیا ہے لہٰذا کفار کے طریقے کو اپنانے سے اجتناب کلی کرنا چاہیے، اسی لئے میت کے دونوں ہاتھ بغل میں رکھے جائیں گے۔

وَيُمْنَعُ زَوْجُهَا مِنْ غُسْلِهَا وَمَسِّهَا لَا مِنَ النَّظَرِ إِلَيْهَا عَلَى الْأَصَحِّ مُنْيَةٌ. وَقَالَتِ الْأَئِمَّةُ الثَّلَاثَةُ : يَجُوزُ لِأَنَّ عَلِيًّا غَسَّلَ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا. قُلْنَا : هٰذَا مَحْمُولٌ عَلَى بَقَاءِ الزَّوْجِيَّةِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ يَنْقَطِعُ بِالْمَوْتِ إِلَّا سَبَبِي وَنَسَبِي مَعَ أَنَّ بَعْضَ الصَّحَابَةِ أَنْكَرَ عَلَيْهِ. شَرْحُ الْمَجْمَعِ لِلْعَيْنِيِّ. وَهِيَ لَا تُمْنَعُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَوْ ذِمِّيَّةً بِشَرْطِ بَقَاءِ الزَّوْجِيَّةِ بِخِلَافِ أُمِّ الْوَلَدِ وَالْمُدَبَّرَةِ وَالْمُكَاتَبَةِ فَلَا يُغَسِّلُونَهُ وَلَا يُغَسِّلُهُنَّ عَلَى الْمَشْهُورِ مُجْتَبَى. وَالْمُعْتَبَرُ فِي الزَّوْجِيَّةِ صَلَاحِيَّتُهَا لِغُسْلِهِ حَالَةَ الْغُسْلِ لَا حَالَةَ الْمَوْتِ فَتُمْنَعُ مِنْ غُسْلِهِ لَوْ بَانَتْ قَبْلَ مَوْتِهِ أَوْ ارْتَدَّتْ بَعْدَهُ ثُمَّ أَسْلَمَتْ أَوْ مَسَّتِ ابْنَهُ بِشَهْوَةٍ لِزَوَالِ النِّكَاحِ وَجَازَ لَهَا غُسْلُهُ لَوْ أَسْلَمَ زَوْجُ الْمَجُوسِيَّةِ فَمَاتَ فَأَسْلَمَتْ بَعْدَهُ لِحِلِّ مَسِّهَا حِينَئِذٍ اعْتِبَارًا بِحَالَةِ الْحَيَاةِ. وُجِدَ رَأْسُ آدَمِيٍّ أَوْ أَحَدُ شِقَّيْهِ لَا يُغَسَّلُ وَلَا يُصَلّٰى عَلَيْهِ بَلْ يُدْفَنُ إِلَّا أَنْ يُوجَدَ أَكْثَرُ مِنْ نِصْفِهِ وَلَوْ بِلَا رَأْسٍ، وَالْأَفْضَلُ أَنْ يُغَسَّلَ الْمَيِّتُ مَجَّانًا فَإِنِ ابْتَغَى الْغَاسِلُ الْأَجْرَ جَازَ إِنْ كَانَ ثَمَّةَ غَيْرُهُ وَإِلَّا لَا لِتَعَيُّنِهِ عَلَيْهِ ، وَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ

حُكْمُ الْحَمَّالِ وَالْحَفَّارِ كَذٰلِكَ، سِرَاجٌ. وَإِنْ غُسِّلَ الْمَيِّتُ بِغَيْرِ نِيَّةٍ أَجْزَأَ أَيْ لِطَهَارَتِهِ لَا لِإِسْقَاطِ الْفَرْضِ عَنْ ذِمَّةِ الْمُكَلَّفِينَ وَ لِذَا قَالَ لَوْ وُجِدَ مَيِّتٌ فِي الْمَاءِ فَلَا بُدَّ مِنْ غُسْلِهِ ثَلَاثًا لِأَنَّا أُمِرْنَا بِالْغُسْلِ فَيُحَرِّكُهُ فِي الْمَاءِ بِنِيَّةِ الْغُسْلِ ثَلَاثًا فَتْحٌ وَتَعْلِيلُهُ يُفِيدُ أَنَّهُمْ لَوْ صَلَّوْا عَلَيْهِ بِلَا إِعَادَةِ غُسْلِهِ صَحَّ ، وَإِنْ لَمْ يَسْقُطْ وُجُوبُهُ عَنْهُمْ فَتَدَبَّرْ. وَفِي الْاِخْتِيَارِ الْأَصْلُ فِيهِ تَغْسِيلُ الْمَلَائِكَةِ لِآدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَالُوا لِوَلَدِهِ هٰذِهِ سُنَّةُ مَوْتَاكُمْ.

شوہر اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا ہے

اور مردہ عورت کے شوہر کو اس کے غسل دینے اور اس کو چھونے سے روکا جائے گا، البتہ شوہر اپنی مردہ بیوی کو دیکھ سکتا ہے۔ اس باب میں اصح ترین مذہب ہے، جیسا کہ منیۃ المصلی میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے علاوہ بقیہ تینوں ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ شوہر اپنی مردہ بیوی کو غسل دے سکتا ہے، اس لئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی بیوی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا۔ ہم علمائے احناف اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا غسل دینا رشتۂ زوجیت کے قائم رہنے پر محمول ہے اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''موت کی وجہ سے ہر سبب اور ہر نسب منقطع ہو جاتا ہے سوائے میرے سبب اور میرے نسب کے''۔ اس کے علاوہ دوسری بات یہ بھی ہے کہ بعض صحابہ کرام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر نہلانے کی وجہ سے اس وقت نکیر بھی کی ہے جیسا کہ علامہ عینی کی شرح المجمع میں ہے۔ (لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ فتاویٰ خانیہ میں یہ جزئیہ لکھا ہے کہ اگر مردہ عورت کا کوئی محرم مرد ہوگا تو وہ اس کو اپنے ہاتھ سے تیمم کرائے گا اور اجنبی مرد ہوگا تو ہاتھ میں کپڑا لپیٹ کر تیمم کرائے گا اور یہ حکم اس صورت میں ہے جب کوئی عورت غسل دلانے والی نہ ہو۔

عورت شوہر کو غسل دے سکتی ہے

البتہ اگر شوہر کا انتقال ہو جائے اور کوئی مرد غسل دینے والا موجود نہ ہو تو عورت کے لئے جائز ہے کہ اپنے مردہ شوہر کو غسل دے، اس کو غسل دینے سے روکا نہیں جائیگا، خواہ عورت کتابیہ ذمیہ ہی کیوں نہ ہو، صرف شرط یہ ہے کہ رشتۂ زوجیت غسل کے وقت تک باقی رہا ہو، البتہ ام ولد، مدبرہ، مکاتبہ باندی اپنے مولیٰ کو مرنے کے بعد غسل نہیں دے سکتی ہے اور نہ ہی آقا کے لئے جائز ہے کہ ان باندیوں کے مرنے کے بعد ان کو غسل دے، یہی روایت مشہور ہے، جیسا کہ مجتبیٰ نامی کتاب میں یہ مسئلہ مذکور ہے، (اس کی وجہ یہ ہے کہ مولیٰ کے مرنے کے بعد ان میں ملکیت باقی نہیں رہتی ہے، اور مکاتبہ بذل کتابت ادا کرنے

کے بعد آزاد ہو جاتی ہے)۔ مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بیوی کا غسل دینے کے وقت لائق ہونا معتبر ہے نہ کہ موت کے وقت، لہٰذا جو عورت شوہر کی موت سے پہلے بائن ہو چکی ہے اس کو اپنے مردہ شوہر کے غسل دینے سے روکا جائیگا، اسی طرح جو عورت شوہر کے مرنے کے بعد مرتد ہو گئی، پھر وہ مسلمان ہو گئی، یا اپنے شوہر کے لڑکے کو شہوت کے ساتھ چھو لیا تو اس کو بھی شوہر کو غسل دینے سے روکا جائے گا اس وجہ سے کہ اس کا نکاح ختم ہو چکا ہے۔ (اس لئے کہ ارتداد کی وجہ سے نیز شوہر کے لڑکے کو شہوت کے ساتھ چھونے کی وجہ سے بھی نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور مطلقہ عورت تو بدرجہ اولیٰ غسل نہیں دے سکتی ہے اس لئے کہ اس کے نکاح باقی رہنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے)۔

مجوسیہ جس کا شوہر مسلمان ہو اس کو غسل دینے کا شرعی حکم

اگر مجوسیہ عورت کا شوہر مسلمان ہو کر مرا اور اس کے بعد اس کی بیوی مشرف باسلام ہوئی تو ایسی عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی زندگی پر قیاس کر کے اپنے شوہر کو غسل دے، اس لئے کہ اگر دنیا میں پہلے شوہر مسلمان ہوتا اور بعد میں بیوی مسلمان ہوتی، تو نکاح باقی رہتا اور عورت کے لئے اپنے اس مردہ شوہر کا چھونا جائز ہوتا، اسی طرح جب شوہر کے مرنے کے بعد مسلمان ہوئی ہے تو اس صورت میں بھی ہاتھ لگانا جائز ہوگا۔

اگر میت کا جسم صرف آدھا پایا گیا تو اس کے غسل اور نماز جنازہ کا شرعی حکم

اگر کسی آدمی کا صرف سر پایا گیا یا اس کا آدھا دھڑ پایا گیا، تو اس کو نہ غسل دیا جائیگا اور نہ ہی اس پر جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی؛ بلکہ اسی حالت میں بغیر غسل اور بغیر نماز جنازہ پڑھے اس کو دفن کر دیا جائے گا، البتہ اگر میت کا آدھے جسم سے زیادہ حصہ مل جائے، اگر چہ اس کا سر نہ ملا ہو، تو بھی اس کو غسل دیا جائے گا اور اس پر جنازہ کی نماز بھی پڑھی جائے گی۔ (اس لئے کہ اکثر جسم کا ملنا گویا کل جسم کا ملنا ہے، لہٰذا جو کام کل جسم کے ملنے کی صورت میں ہوگا وہی کام اکثر جسم کے ملنے کی صورت میں ہوگا)۔

میت کو غسل دینے اور اٹھانے کی اجرت لینے کا شرعی حکم

مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ مسلمان مردہ کو مفت غسل دیا جائے، غسل دینے کی کوئی اجرت نہ لی جائے، لیکن غسل دینے والا اجرت مانگے تو اس کے لئے اجرت مانگنا اس وقت جائز ہے جب وہاں غسل دینے والا اس کے علاوہ کوئی اور دوسرا بھی موجود ہو، اور اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا وہاں غسل دینے والا موجود نہ ہو تو پھر ایسی صورت میں اس

کے لئے مانگنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ایسی صورت میں غسل دینے کے لئے وہ متعین ہو جاتا ہے۔ اور مناسب یہ ہے کہ جنازہ اٹھانے والا اور قبر کھودنے والے کا بھی یہی حکم ہو، جیسا کہ سراج الوہاج میں ہے کہ اگر دوسرے لوگ بھی موجود ہوں تو اجرت لینا جائز ہے اور اگر دوسرا کوئی بھی موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں اجرت مانگنا جائز نہیں، کیونکہ دوسرے لوگوں کی عدم موجودگی میں وہ خود بخود متعین ہو جاتا ہے اور اس خدمت کا انجام دینا شرعاً واجب ہو جاتا ہے اور اس طرح کہ اطاعت واجبہ پر اجرت لینی درست نہیں ہے۔

میت کو غسل دینے میں نیت کا حکم

اگر کسی نے میت کو بغیر نیت کے غسل دیدیا تو بھی غسل ہو جائیگا اور میت پاک ہو جائے گی، لیکن جن لوگوں پر غسل دینے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے بغیر نیت کے ان کے ذمہ سے فرض ساقط نہ ہوگا، اسی وجہ سے یہ کہا گیا ہے نفس طہارت میت کے لئے نیت شرط نہیں ہے البتہ فرض کی ادائیگی کے لئے نیت شرط ہے۔

اگر کوئی مردہ پانی میں پایا جائے تو اس کے غسل دینے کا شرعی حکم

اسی بنیاد پر حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اگر کوئی مردہ پانی میں پایا جائے تو اس کو بھی تین مرتبہ غسل دلانا ضروری ہے اس لئے کہ شریعت نے ہمیں مردوں کو غسل دینے کا حکم دیا ہے جب تک ہم غسل نہیں دیں گے ہمارے ذمہ سے فرض ادا نہیں ہوگا، اور اگر مردہ کو اسی پانی میں غسل دینے کی نیت سے غوطہ لگا دیں گے تو اس سے وہ پاک ہو جائیگا اور مکلفین کے ذمہ سے فرض کی ادائے گی بھی ہو جائے گی، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور اس کی علت بیان کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ اگر مردہ پر بغیر نیت کے نہلائے لوگ نماز جنازہ پڑھ دیں تو یہ نماز جنازہ درست ہوگی اگرچہ ان لوگوں سے غسل کا وجوب ساقط نہ ہوگا، لہٰذا اس مسئلہ میں خوب غور و فکر کر لیا جائے۔

مردے کو غسل دینے کی اصلیت

اختیار نامی کتاب میں لکھا ہے کہ میت کے غسل دینے کی حقیقت اور اصلیت یہ ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو غسل دیا تھا اور فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے کہا تھا کہ تمہارے مردوں کے لئے یہی طریقہ ہے۔ (علامہ طحطاوی نے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کے غسل دینے کا طریقہ زمانہ قدیم سے ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جو لوگ مردوں کو غسل دیں ان کا مکلف ہونا ضروری اور شرط نہیں ہے جیسا کہ فرشتوں کے غسل دینے سے معلوم ہوتا ہے)۔

فُرُوعٌ: لَوْ لَمْ يُدْرَ أَمُسْلِمٌ أَمْ كَافِرٌ، وَلَا عَلَامَةَ فَإِنْ فِي دَارِنَا غُسِّلَ وَصُلِّيَ عَلَيْهِ وَإِلَّا لَا. اخْتَلَطَ مَوْتَانَا بِكُفَّارٍ وَلَا عَلَامَةَ اُعْتُبِرَ الْأَكْثَرُ، فَإِنْ اسْتَوَوْا غُسِّلُوا وَاخْتُلِفَ فِي الصَّلَاةِ عَلَيْهِمْ وَمَحَلِّ دَفْنِهِمْ كَدَفْنِ ذِمِّيَّةٍ حُبْلَى مِنْ مُسْلِمٍ، قَالُوا : وَالْأَحْوَطُ دَفْنُهَا عَلَى حِدَةٍ وَيُجْعَلُ ظَهْرُهَا إِلَى الْقِبْلَةِ ، لِأَنَّ وَجْهَ الْوَلَدِ لِظَهْرِهَا. مَاتَتْ بَيْنَ رِجَالٍ أَوْ هُوَ بَيْنَ نِسَاءٍ يَمَّمَهُ الْمَحْرَمُ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَالْأَجْنَبِيُّ بِخِرْقَةٍ وَيُيَمَّمُ الْخُنْثَى الْمُشْكِلُ لَوْ مُرَاهِقًا وَإِلَّا فَكَغَيْرِهِ فَيُغَسِّلُهُ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ. يُمِّمَ لِفَقْدِ مَاءٍ وَصُلِّيَ عَلَيْهِ ثُمَّ وَجَدُوهُ: غَسَّلُوهُ وَصَلَّوْا ثَانِيًا، وَقِيلَ لَا. وَيُسَنُّ فِي الْكَفَنِ لَهُ إِزَارٌ وَقَمِيصٌ وَلِفَافَةٌ وَتُكْرَهُ الْعِمَامَةُ لِلْمَيِّتِ فِي الْأَصَحِّ مُجْتَبَى وَاسْتَحْسَنَهَا الْمُتَأَخِّرُونَ لِلْعُلَمَاءِ وَالْأَشْرَافِ، وَلَا بَأْسَ بِالزِّيَادَةِ عَلَى الثَّلَاثَةِ وَيُحَسَّنُ الْكَفَنُ لِحَدِيثِ: "حَسِّنُوا أَكْفَانَ الْمَوْتَى فَإِنَّهُمْ يَتَزَاوَرُونَ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَيَتَفَاخَرُونَ بِحُسْنِ أَكْفَانِهِمْ" ظَهِيرِيَّةٌ. وَلَهَا دِرْعٌ أَيْ قَمِيصٌ وَإِزَارٌ وَخِمَارٌ وَلِفَافَةٌ وَخِرْقَةٌ تُرْبَطُ بِهَا ثَدْيَاهَا وَبَطْنُهَا وَكِفَايَةٌ لَهُ إِزَارٌ وَلِفَافَةٌ فِي الْأَصَحِّ وَلَهَا ثَوْبَانِ وَخِمَارٌ وَيُكْرَهُ أَقَلُّ مِنْ ذٰلِكَ، وَكَفَنُ الضَّرُورَةِ لَهُمَا مَا يُوجَدُ وَأَقَلُّهُ مَا يَعُمُّ الْبَدَنَ. وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ مَا يَسْتُرُ الْعَوْرَةَ كَالْحَيِّ.

جس مردے کے بارے میں مسلمان یا کافر ہونا معلوم نہ ہوسکے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟

یہاں شارح علیہ الرحمہ نے چند جزئیات کا اضافہ کر کے فرمایا ہے ان ہی جزئیات میں سے ایک جزئیہ یہ ہے کہ اگر کسی مردہ کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ یہ مسلمان ہے یا کافر ہے اور نہ ہی اس میں مسلم وکافر کی کوئی علامت پائی جارہی ہو، تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر مردہ دارالاسلام میں ہو تو اس کو مسلمان سمجھ کر احتیاطاً غسل دیا جائیگا اور اس کی نماز جنازہ بھی اداء کی جائے گی۔ اور اگر مردہ دارالحرب میں ملے تو اس کو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ ہی اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

مسلمان ہونیکی علامتیں

علامہ کاسانیؒ نے بدائع الصنائع میں لکھا ہے کہ مسلمان ہونیکی بظاہر چار علامتیں ہیں: (۱) خضاب (۲) ختنہ (۳) سیاہ لباس (۴) زیر ناف کا بال مونڈنا۔ لیکن ظاہر ہے کہ ہمارے اس زمانے میں مسلمان کی علامت نہ خضاب لگانا ہے نہ ہی سیاہ لباس پہننا، البتہ ہمارے ہندوستان میں اس وقت ختنہ ہونا مسلمان ہونے کی علامت ہے اور کسی زمانے کے اعتبار سے کوئی اور علامت ہو تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

اگر مسلمان اور کافر مردے مل جائیں تو کیا حکم ہے؟

اگر مسلمان کے مردے کافروں کے مردوں کے ساتھ مل جائیں اور ان کے درمیان فرق کرنے کے لئے کوئی علامت بھی نہ ہو، تو ایسی صورت میں اکثریت کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر مسلمان مردوں کی تعداد زیادہ ہے تو اکثریت کا اعتبار کرتے ہوئے تمام مردوں کو مسلمان قرار دیا جائیگا، اور ان سب پر نماز جنازہ ادا کی جائے گی اور دعاء میں مسلمانوں کی نیت کی جائے گی، اور اگر کافر مردوں کی تعداد زیادہ ہے تو کسی پر بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، نہلا کر اور کفن دے کر کفار کے قبرستان میں ان سب کو دفن کر دیا جائے گا، اور اگر تعداد کے اعتبار سے مسلمان مردے اور کافر مردے دونوں برابر ہوں تو ایسی صورت میں ان سب کو غسل دیا جائے گا لیکن ان سب پر نماز جنازہ پڑھنے اور دفن کرنے میں حضرات فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ ان سب پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی، اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، اسی طرح ان کے محل دفن میں بھی اختلاف ہے بعض اہل علم نے فرمایا کہ ان سب کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا، اور بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ انھیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے، اسی لئے ہندوانی نے کہا کہ ایسے لوگوں کے لئے الگ قبرستان بنایا جائے کیوں کہ احتیاط اسی میں ہے۔ (کذا فی الحموی)

حاملہ کتابیہ کی تدفین کس طرح کی جائے؟

ابھی ابھی یہ بات گذری ہے کہ اگر مسلمان اور کافر مردے اس طرح مل جائیں کہ پہچاننا دشوار ہو اور ان سے کوئی علامت بھی ظاہر نہ ہو تو ان کے دفن وکفن میں علماء کا اختلاف ہے اور یہ اختلاف اسی طرح ہے جس طرح اس ذمیہ کتابیہ کے دفن میں اختلاف ہے جو کسی مسلمان سے حاملہ ہوئی ہو، اس کے متعلق حضرات فقہاء کرام یہ فرماتے ہیں کہ اس میں زیادہ احتیاط یہ ہے کہ اس کو مسلمان قبرستان سے بالکل الگ تھلگ دفن کیا جائے اور اس ذمیہ کی پیٹھ قبلہ کی طرف کی جائے، اس لئے کہ جو بچہ شکم مادر میں ہوتا ہے اسکا رخ ماں کی پیٹھ کی طرف ہوتا ہے۔ (اس مسئلہ میں باپ کی وجہ سے بچہ مسلمان کے حکم میں ہے اس لئے دفن کرنے میں اس کا لحاظ رکھا جائے گا تا کہ بچہ کا رخ قبلہ کی جانب رہے)۔

علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب ماں کے پیٹ میں بچہ کے اندر جان پڑگئی ہو، جس کی مدت چار ماہ ہے اور اگر حمل چار ماہ سے کم کا ہے تو چوں کہ بچہ میں ابھی جان نہیں پڑی ہوگی اس لئے تمام فقہاء فرماتے ہیں کہ ایسی ذمیہ کو کافروں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔

اگر مرد عورتوں کے درمیان یا عورتیں مردوں کے درمیان مرجائیں تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی عورت ایسی جگہ مرجائے جہاں صرف مرد ہی مرد ہوں وہاں کوئی عورت نہ ہو، اسی طرح اگر کوئی مرد ایسی جگہ انتقال کرجائے جہاں عورت ہی عورت ہوں کوئی بھی مرد وہاں نہ ہو، تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ اس میت کا جو محرم ہے وہ اس کو تیمم کرادے اور اگر وہاں کوئی محرم موجود نہ ہو، یعنی نہ عورت کا کوئی محرم مرد ہو، اور نہ مرد کا کوئی محرم عورتوں میں ہو، تو ایسی صورت حال میں کوئی اجنبی مرد یا اجنبی عورت اپنے ہاتھ میں کپڑا لپیٹ کر مردہ کو تیمم کرادے۔

خنثیٰ مشکل کے غسل کا حکم

اسی طرح اگر قریب البلوغ خنثیٰ مشکل کا انتقال ہوجائے تو اس کو بھی تیمم کرادیا جائے گا، اور اگر وہ خنثیٰ مشکل نابالغ ہے، قریب البلوغ نہیں ہے تو وہ بچوں کے حکم میں ہوگا، لہٰذا اس کو مرد اور عورت دونوں غسل دے سکتے ہیں۔

پانی نہ ملنے کی وجہ سے میت کو تیمم کرایا گیا اور بعد میں پانی مل گیا تو کیا حکم ہے؟

اگر کسی شخص کا انتقال ایسی جگہ ہوگیا جہاں پانی موجود نہ تھا چنانچہ مردہ کو تیمم کرا کے اس پر جنازہ کی نماز پڑھ دی گئی، اس کے بعد اتفاق سے کہیں سے ان کو پانی دستیاب ہوگیا تو ایسی صورت میں اب ان کو چاہیے کہ مردہ کو غسل دیں اور اس پر نماز جنازہ دوبارہ پڑھیں۔ اور اس بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ کہ پانی ملنے کے بعد نہ اس کو غسل دیں گے اور نہ اس پر دوبارہ جنازہ کی نماز پڑھیں گے۔ (حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف غسل دیدیا جائے، لیکن نماز جنازہ دوبارہ نہ پڑھی جائے، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ راجح اور اصول کے مطابق امام صاحب ہی کا قول ہے البتہ حضرت امام ابو یوسفؒ غسل اور نماز جنازہ دونوں کے اعادہ کے قائل ہیں)۔

مُردوں کے لئے مسنون کفن کی تعداد

مردوں کے لئے مسنون کفن تین کپڑے ہیں: (۱) ازار: یعنی چھوٹی چادر جو سر سے لے کر پاؤں تک ہو۔ (۲) قمیص: جو گردن سے پاؤں تک ہو، مگر اس میں آستین نہ ہو۔ (۳) لفافہ: یعنی ایک بڑی چادر جو پاؤں سے سر تک ہو بلکہ اس سے کچھ زائد ہو، تاکہ دونوں کناروں کو باندھ سکیں۔

میت کو عمامہ باندھنے کا شرعی حکم

اصح قول کے مطابق میت کو کفن میں عمامہ دینا مکروہ ہے جیسا کہ مجتبیٰ نامی کتاب میں ہے البتہ متاخرین فقہائے کرام نے علماء اور اشراف قوم کے لئے کفن میں عمامہ دینے کو مستحسن قرار دیا ہے، اور تین کپڑوں سے زیادہ کفن دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (بعض علماء نے تین کپڑوں سے زیادہ کفن دینے کو مکروہ لکھا ہے) اور کفن عمدہ سے عمدہ دیا جائے اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ مردوں کے لئے عمدہ سے عمدہ کفن بناؤ، اس لئے کہ جب یہ مردے آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو اپنے عمدہ کفن ہونے پر فخر کرتے ہیں، یعنی خوشی ومسرت کا اظہار کرتے ہیں کہ سنت کے مطابق کفن ملا ہے، جیسا کہ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے۔ (اور اچھے کفن سے مراد یہ ہے کہ مردہ اپنی زندگی میں عیدین اور جمعہ میں جیسا کپڑا استعمال کیا کرتا تھا اسی طرح کا ہو، کفن سفید اور پاکیزہ ہو، عمدہ کفن دینے سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ خوب قیمتی ہو، اس لئے کہ حدیث شریف میں اس کی بھی ممانعت آئی ہے)۔

عورتوں کے لئے مسنون کفن کی تعداد

عورتوں کے لئے مسنون کفن پانچ کپڑے ہیں: (۱) قمیص، جو گردن سے پاؤں تک ہو (۲) ازار، چھوٹی چادر جو سر سے پاؤں تک ہو۔ (۳) اوڑھنی، یعنی دوپٹہ جو سر سے لے کر رانوں تک ہو۔ (۴) لفافہ، ایک بڑی چادر جو سر سے پیر تک ہو۔ (۵) سینہ بند، جو اس کی چھاتی اور پیٹ پر لپیٹا جائے یہ بغل سے لے کر رانوں تک ہوتا ہے۔

کفن کفایت کی تعداد

مرد کے لئے کفن کفایت دو کپڑے ہیں: (۱) ازار، چھوٹی چادر۔ (۲) لفافہ، یعنی بڑی چادر۔ اور عورت کے لئے کفن کفایت تین کپڑے ہیں: (۱) ازار۔ (۲) لفافہ۔ (۳) اوڑھنی، وسعت کے باوجود مرد کو دو کپڑوں سے کم میں کفن دینا اور عورت کو تین کپڑوں سے کم کفن دینا مکروہ ہے۔ (مرد چونکہ زندگی میں عموماً دو کپڑے استعمال کرتے ہیں اور دو کپڑوں میں نماز بھی ہو جاتی ہے اس لئے مرد کے لئے کفن کفایت دو کپڑے ہیں اور عورت چونکہ اپنی زندگی میں عموماً تین کپڑے استعمال کرتی ہے اس لئے اس کے لئے کفن کفایت تین کپڑے ہیں)۔

کفن ضرورت

کفن ضرورت مرد اور عورت کے لئے وہی ہے جو بروقت آسانی سے میسر ہو جائے اور اس کی کم سے کم تعداد یہ ہے کہ

میت کا سارا جسم چھپ جائے، اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی مقدار یہ ہے کہ جو ستر کا حصہ چھپ جائے، اس لئے کہ ستر کا حصہ چھپانا ضروری ہوتا ہے جس طرح کہ زندوں کے لئے ستر کا چھپانا ضروری ہوتا ہے، (اور کل بدن چھپانے کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ صحابی کے متعلق آیا ہے کہ جب آپ غزوہ احد میں جام شہادت نوش فرما گئے تو آپ کے پاس صرف ایک چادر تھی اس کے علاوہ کوئی دوسرا کپڑا نہ تھا اور چادر بھی اس قدر چھوٹی تھی کہ اگر سر چھپایا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور جب پاؤں چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا یہ دیکھ کر رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ سر چھپادو، اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اگر ستر چھپانا کافی ہوتا جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاؤں پر اذخر گھاس ڈالنے کا حکم نہ فرماتے)۔ (شامی/۳/۹۸)

تَبْسَطُ اللِّفَافَةُ أَوَّلًا ثُمَّ يُبْسَطُ الْإِزَارُ عَلَيْهَا وَيُقَمَّصُ وَيُوضَعُ عَلَى الْإِزَارِ وَيُلَفُّ يَسَارُهُ ثُمَّ يَمِينُهُ ثُمَّ اللِّفَافَةُ كَذٰلِكَ لِيَكُونَ الْأَيْمَنُ عَلَى الْأَيْسَرِ وَهِيَ تَلْبَسُ الدِّرْعَ وَيُجْعَلُ شَعْرُهَا ضَفِيرَتَيْنِ عَلَى صَدْرِهَا فَوْقَهُ أَيِ الدِّرْعِ وَالْخِمَارُ فَوْقَهُ أَيِ الشَّعْرِ تَحْتَ اللِّفَافَةِ ثُمَّ يُفْعَلُ كَمَا مَرَّ. وَيُعْقَدُ الْكَفَنُ إِنْ خِيفَ انْتِشَارُهُ وَخُنْثَى مُشْكِلٌ كَامْرَأَةٍ فِيهِ أَيِ الْكَفَنِ ، وَالْمُحْرِمُ كَالْحَلَالِ وَالْمُرَاهِقُ كَالْبَالِغِ وَمَنْ لَمْ يُرَاهِقْ إِنْ كُفِّنَ فِي وَاحِدٍ جَازَ وَالسِّقْطُ يُلَفُّ وَلَا يُكَفَّنُ كَالْعُضْوِ مِنَ الْمَيِّتِ وَ آدَمِيٌّ مَنْبُوشٌ طَرِيٌّ لَمْ يَتَفَسَّخْ يُكَفَّنُ كَالَّذِي لَمْ يُدْفَنْ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى، وَإِنْ تَفَسَّخَ كُفِّنَ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَإِلَى هُنَا صَارَ الْمُكَفَّنُونَ أَحَدَ عَشَرَ. وَالثَّانِي عَشَرَ : الشَّهِيدُ ذَكَرَهَا فِي الْمُجْتَبَى. وَلَا بَأْسَ فِي الْكَفَنِ بِبُرُودٍ وَكَتَّانٍ وَفِي النِّسَاءِ بِحَرِيرٍ وَمُزَعْفَرٍ وَمُعَصْفَرٍ لِجَوَازِهِ بِكُلِّ مَا يَجُوزُ لُبْسُهُ حَالَ الْحَيَاةِ وَأَحَبُّهُ الْبَيَاضُ أَوْ مَا كَانَ يُصَلِّي فِيهِ، وَكَفَنُ مَنْ لَا مَالَ لَهُ عَلَى مَنْ تَجِبُ نَفَقَتُهُ فَإِنْ تَعَدَّدُوا فَعَلَى قَدْرِ مِيرَاثِهِمْ. وَاخْتُلِفَ فِي الزَّوْجِ وَالْفَتْوَى عَلَى وُجُوبِ كَفَنِهَا عَلَيْهِ عِنْدَ الثَّانِي وَإِنْ تَرَكَتْ مَالًا خَانِيَةٌ. وَرَجَّحَهُ فِي الْبَحْرِ بِأَنَّهُ الظَّاهِرُ لِأَنَّهُ كَكِسْوَتِهَا وَإِنْ لَمْ يَكُنْ ثَمَّةَ مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ نَفَقَتُهُ فَفِي بَيْتِ الْمَالِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ بَيْتُ الْمَالِ مَعْمُورًا أَوْ مُنْتَظِمًا فَعَلَى الْمُسْلِمِينَ تَكْفِينُهُ فَإِنْ لَمْ يَقْدِرُوا سَأَلُوا النَّاسَ لَهُ ثَوْبًا فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ رُدَّ لِلْمُصَدِّقِ إِنْ عُلِمَ وَإِلَّا كُفِّنَ بِهِ مِثْلُهُ ، وَإِلَّا تُصُدِّقَ بِهِ مُجْتَبَى وَظَاهِرُهُ أَنَّهُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ إِلَّا سُؤَالُ كَفَنِ الضَّرُورَةِ لَا الْكِفَايَةِ وَلَوْ كَانَ فِي مَكَانٍ لَيْسَ فِيهِ إِلَّا وَاحِدٌ ، وَذٰلِكَ الْوَاحِدُ لَيْسَ لَهُ إِلَّا ثَوْبٌ لَا يَلْزَمُهُ تَكْفِينُهُ بِهِ وَلَا يَخْرُجُ الْكَفَنُ عَنْ مِلْكِ الْمُتَبَرِّعِ.

میت کو کفنانے کا طریقہ

میت کو کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے لفافہ یعنی بڑی چادر بچھائی جائے پھر اس کے اوپر ازار یعنی چھوٹی چادر بچھائی جائے اور مردہ کو قمیص پہنا کر اس پر ڈال دیا جائے، پھر اس کے بعد دونوں چادروں کو اس طرح لپیٹا جائے کہ پہلے چھوٹی چادر کا بایاں حصہ لیا جائے، پھر اس چادر کا دایاں حصہ اُٹھایا جائے، پھر اسی طرح پہلے بڑی چادر کا بایاں حصہ اُٹھایا جائے پھر دایاں حصہ، گویا دونوں چادروں کا بایاں حصہ نیچے اور دایاں اوپر ہو، پھر اسی طرح لفافہ کو لپیٹا جائے تاکہ دایاں حصہ بائیں حصہ کے اوپر ہو جائے۔

عورت کو کفنانے کا طریقہ

عورت کو غسل دینے کے بعد کفنی پہنایا جائے اور اس کے بالوں کو دو چوٹی بنا کر اس کے سینے پر کفنی کے اوپر ڈال دیا جائے اور اوڑھنی بال کے اوپر ہوگی اور لفافہ کے نیچے، پھر اس طرح کرے جیسا کہ گذرا ہے، یعنی ہر چادر کو الگ الگ لپیٹی جائے، پہلے چھوٹی چادر لپیٹی جائے، اس کے بعد بڑی چادر لپیٹی جائے اس طرح کہ بایاں حصہ نیچے اور دایاں حصہ اوپر ہو، شارح علیہ الرحمہ نے یہاں سینہ بند کا تذکرہ نہیں کیا ہے کہ سینہ بند کہاں ہو، لیکن ستر کی شرح میں ہے کہ سینہ بند بڑی چادر کے اوپر ہونا چاہیئے کہ ستر کھلنے نہ پائے، اور سینہ بند کی چوڑائی عورت کے پستان سے لے کر ناف تک ہوگی، اور بعض نے گھٹنے تک قرار دیا ہے۔ (شامی/۳/۹۹)

اگر کفن کے کھل جانے کا اندیشہ ہو تو اس کو باندھ دینا چاہئے، کفن باندھنے میں شرعی اعتبار سے کوئی حرج نہیں ہے۔

خنثیٰ مشکل کا کفن

مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ خنثیٰ مشکل کفن کے معاملہ میں عورت کی طرح ہے، یعنی احتیاطاً خنثیٰ مشکل کو کفن میں پانچ کپڑے دیئے جائیں، اس لئے کہ اگر وہ مرد ہے تو مرد کو تین سے زیادہ کپڑے دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن اگر وہ حقیقت کے اعتبار سے عورت ہو تو کم کپڑے میں کفن دینا سنت کے خلاف ہوگا، البتہ خنثیٰ مشکل کو ریشم اور زعفرانی، یا اور کسی رنگ کا کفن احتیاطاً نہ دیا جائے، ہوسکتا ہے کہ خنثیٰ مشکل حقیقت کے اعتبار سے مرد ہو۔ گویا دونوں طرف احتیاط کا پہلو اپنایا جائے گا۔ (شامی/۳/۹۹)

محرم اور مراہق کا کفن

کفن کے معاملہ میں محرم (یعنی جو شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھے ہوئے ہے اور اس کا انتقال ہو جائے تو کفن کے معاملہ

میں) حلال شخص کے حکم میں ہے جو عام مردوں کو کفن دیا جاتا ہے، وہی اس کو بھی دیا جائے گا، اسی طرح کفن کے معاملہ میں مراہق یعنی قریب البلوغ شخص بالغ کے حکم میں ہے۔ جو کفن بالغ کا ہوگا وہی کفن مراہق کا بھی ہوگا۔

نابالغ کا کفن

اور جو نابالغ مراہق نہ ہو یعنی قریب البلوغ نہ ہوا گر اس کو ایک کپڑا بھی کفن میں دیدیا جائے تو جائز ہے۔ (اور حلیہ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ جو بچہ ابھی حد شہوت کو نہ پہنچا ہو اور اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے لئے سب سے بہتر یہ ہے کہ اس کو نابالغ کی طرح کفن دیا جائے۔ اور اگر صرف دو کپڑے کفن میں دیئے جائیں تو بھی جائز ہے۔ اور اگر صرف ایک کپڑا کفن میں دیا جائے تو بھی درست ہے)۔ (شامی/۳/۹۹)

مردہ بچہ کا کفن

جو بچہ ماں کے پیٹ ہی سے مردہ پیدا ہوا ہو اور اس میں زندگی کے علامت کچھ بھی ظاہر نہ ہوئی ہو تو اس کو صرف ایک کپڑے میں لپیٹا جائے گا، مسنون کفن نہ دیا جائے گا، جس طرح کہ اگر کسی مردہ کے جسم کا ٹکڑا کہیں پڑا ہوا ملا تو اس صورت میں اس کو باقاعدہ مسنون کفن نہیں دیا جائے گا، بلکہ اس کو کسی ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے گا۔

اگر میت کا کفن چوری ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

اور وہ مردہ آدمی جس کا کفن اُتار لیا گیا ہو اور ابھی وہ مردہ پھولا پھٹا نہ ہو تو اس کو دوسری مرتبہ اسی طرح کفن دیا جائے گا، گویا ابھی اس کی تدفین عمل میں نہیں آئی تھی، یعنی اگر مردہ مرد ہو تو تین کپڑے کفن میں دیں گے اور اگر عورت ہو تو پانچ کپڑے دیں گے۔ اور اگر مردہ پھول پھٹ چکا ہے تو اس کو صرف ایک کپڑے میں کفن دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی مسلمان کے کافر عزیز رشتہ دار کا انتقال ہو جائے تو اس کو صرف ایک کپڑے میں کفن دیا جائے گا۔

جن حضرات کو کفن دیا جاتا ہے ان کی تعداد

جن حضرات کو کفن دیا جاتا ہے ان کی تعداد گیارہ ہوئی اور بارھواں شہید ہے اس کو مجتبیٰ نامی کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور جن بارہ لوگوں کو کفن دیا جاتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) بالغ مرد۔ (۲) بالغہ عورت۔ (۳) خنثیٰ مشکل۔ (۴) وہ مردہ جس کا کفن چوری ہو گیا ہو۔ (۵) وہ مردہ جو پھٹ گیا ہو۔ (۶) وہ مردہ جس کا حالت احرام میں انتقال ہوا ہو۔ (۷) مراہق مرد۔ (۸) مراہقہ عورت۔ (۹) وہ شخص

جو مراہق نہ ہو۔ (۱۰) پیٹ کا بچہ جو پیدا ہوتے ہی فوراً مر گیا ہو۔ (۱۱) میت کے جسم کا کوئی حصہ ملا ہو۔ (۱۲) شہید۔

اس کے بعد علامہ شامیؒ نے دو کا مزید اضافہ فرمایا ہے: (۱) وہ بچہ جو شکم مادر ہی سے مردہ پیدا ہوا ہو۔ (۲) کافر مردہ۔ یہ کل چودہ ہو گئے ہیں جن کو کفن دیا جاتا ہے۔ (شامی/۳/۱۰۰)

کتان اور یمنی چادر کا کفن دینے کا شرعی حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کفن میں یمنی چادر اور کتان کے کپڑے دینے میں کوئی حرج نہیں ھے۔ اسی طرح عورتوں کو کفن میں ریشم، زعفران اور کُسم کے رنگ کے کپڑے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ جن کپڑوں کو زندگی میں استعمال کرنا شرعی طور پر جائز ہوتا ہے ان کو کفن دینا بھی جائز ہوتا ہے۔ اور عورتوں کے لئے زندگی میں مذکورہ رنگ کے کپڑوں کا استعمال شرعی اعتبار سے جائز ہے، اس لئے کفن میں دینا بھی جائز ہے۔ (اور مردوں کے لئے مذکورہ رنگ کے کپڑے کو کفن میں دینا مکروہ ہے)۔ (شامی/۳/۱۰۰)

کفن کا کپڑا کس رنگ کا ہونا چاہئے؟

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کفن کے کپڑوں میں سب سے عمدہ اور پسندیدہ کپڑا سفید کپڑا ہے، یا پھر اس رنگ کا کپڑا سب سے زیادہ محبوب ہے جس رنگ کا کپڑا پہن کر زندگی میں نماز پڑھا کرتا تھا۔

جس کے پاس مال نہ ہو اس کو کفن کہاں سے دیا جائے گا؟

اور اگر مرنے والے کی ملکیت میں کچھ بھی مال نہ ہو تو اس کا کفن اس شخص پر واجب ہے جس پر اس کا نفقہ واجب تھا، اور جس پر نفقہ واجب تھا وہ کئی لوگ ہیں تو ایسی صورت میں ان سب پر ان کے میراث کے مطابق کفن واجب ہوگا۔ (مزید اس کی تفصیل کتاب النفقہ میں آئے گی)۔

بیوی کا کفن شوہر کے ذمہ واجب ہے

اس میں اختلاف ہے کہ شوہر پر اس کی بیوی کا کفن واجب ہے یا نہیں؟ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فتویٰ اس پر ہے کہ بیوی کا کفن شوہر پر واجب ہے، اگر چہ بیوی نے مال کیوں نہ چھوڑا ہو۔ جیسا کہ فتاویٰ خانیہ میں ہے۔ اور کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق میں اسی کو راجح قرار دیا ہے، اس لئے کہ مرنے والی بیوی کو کفن دینا ایسا ہے جیسا کہ زندگی میں بیوی کو

لباس دینا واجب ہے۔ (خلاصہ یہ ہے کہ مرنے والی عورت کے پاس مال ہو یا نہ ہو، اسی طرح شوہر مال دار ہو یا غریب بہرصورت شوہر پر بیوی کا کفن واجب ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ شوہر پر بیوی کا کفن اس وقت واجب ہوتا ہے جب بیوی نے مال نہ چھوڑا ہو)۔

جس میت کا کوئی بھی وارث نہ ہو اس کی تکفین کی ذمہ داری

اگر مرنے والے کا کوئی ایسا وارث نہیں ہے جس پر اسکا نفقہ واجب ہوتا ہے تو ایسی صورت میں اس کا کفن بیت المال سے دیا جائے گا۔ اور اگر بیت المال میں خزانہ ہو، یا خزانہ تو ہو مگر انتظام کے ساتھ نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کے کفن کا انتظام کرنا عام مسلمانوں پر واجب ہوگا، جن کو اس کی موت کی اطلاع ہوگی ان کو کفن دینا واجب ہوگا۔ اور اگر یہ لوگ خود کفن کا انتظام نہ کر سکتے ہوں تو لوگوں سے چندہ کر کے کفن کا انتظام کریں گے اور اگر کفن دینے کے بعد چندہ کی رقم بچ جائے تو جنھوں نے چندہ دیا ہے ان کو بقیہ رقم واپس کردی جائے گی، بشرطیکہ چندہ دینے والے معلوم ہوں کہ فلاں فلاں نے چندہ دیا ہے۔ اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کن کن لوگوں نے چندہ دیا ہے تو اس بچی ہوئی رقم سے اسی طرح دوسرے میت کو کفن دیا جائے گا اور اگر اس طرح کا کوئی مردہ نہ ہو تو اس رقم کو صدقہ کردیا جائے گا، جیسا کہ مجتبیٰ نامی کتاب میں مذکور ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کفن بقدر ضرورت مانگا جائے گا نہ کہ بقدر کفایت۔ (مردہ کو کفن دینا فرض کفایہ ہے اگر واقف کار کفن نہ دیں گے تو سارے لوگ گنہ گار ہوں گے)۔

جہاں صرف ایک آدمی ہو

اگر کوئی شخص ایسی جگہ مرا جہاں صرف ایک آدمی ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے اور اس کے پاس صرف ایک ہی کپڑا ہو اس کے علاوہ اور کپڑا نہ ہو تو اس شخص پر اس کپڑے کو کفن میں دینا لازم نہ ہوگا، اس لئے کہ اس ایک کپڑے کا مردہ سے زیادہ زندہ شخص محتاج ہے۔ اور جس شخص نے کسی مردے کو کفن بطور تبرع اور احسان کے طور پر دیا ہے تو وہ کفن احسان کرنے والے کی ملکیت سے نکلتا نہیں ہے بلکہ اس کا مالک احسان کرنے والا ہی رہتا ہے، چنانچہ اگر کبھی مردہ کو کوئی جانور کھا جائے اور کفن رہ جائے تو اسی کو واپس کیا جائے گا، مردہ کے وارث کو نہیں دیا جائے گا۔

وَالصَّلَاةُ عَلَيْهِ صِفَتُهَا فَرْضُ كِفَايَةٍ بِالْإِجْمَاعِ فَيَكْفُرُ مُنْكِرُهَا لِأَنَّهُ أَنْكَرَ الْإِجْمَاعَ قُنْيَةٌ كَدَفْنِهِ وَغُسْلِهِ وَتَجْهِيزِهِ فَإِنَّهَا فَرْضُ كِفَايَةٍ. وَشَرْطُهَا سِتَّةٌ إِسْلَامُ الْمَيِّتِ وَطَهَارَتُهُ مَا لَمْ يُهَلْ عَلَيْهِ التُّرَابُ فَيُصَلَّى عَلَى قَبْرِهِ بِلَا غُسْلٍ، وَإِنْ صَلَّى عَلَيْهِ أَوَّلًا اسْتِحْسَانًا وَفِي الْقُنْيَةِ الطَّهَارَةُ مِنَ

النَّجَاسَةِ فِي ثَوْبٍ وَبَدَنٍ وَمَكَانٍ، وَسَتْرُ الْعَوْرَةِ شَرْطٌ فِي حَقِّ الْمَيِّتِ وَالْإِمَامِ جَمِيعًا؛ فَلَوْ أَمَّ بِلَا طَهَارَةٍ وَالْقَوْمُ بِهَا أُعِيدَتْ وَبِعَكْسِهِ لَا كَمَا لَوْ أَمَّتْ امْرَأَةٌ وَلَوْ أَمَةً لِسُقُوطِ فَرْضِهَا بِوَاحِدٍ وَبَقِيَ مِنَ الشُّرُوطِ بُلُوغُ الْإِمَامِ تَأَمَّلْ وَشَرْطُهَا أَيْضًا حُضُورُهُ وَوَضْعُهُ وَكَوْنُهُ هُوَ أَوْ أَكْثَرُهُ أَمَامَ الْمُصَلِّي وَكَوْنُهُ لِلْقِبْلَةِ فَلَا تَصِحُّ عَلَى غَائِبٍ وَمَحْمُولٍ عَلَى نَحْوِ دَابَّةٍ وَمَوْضُوعٍ خَلْفَهُ، لِأَنَّهُ كَالْإِمَامِ مِنْ وَجْهٍ دُونَ وَجْهٍ لِصِحَّتِهَا عَلَى الصَّبِيِّ وَصَلَاةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النَّجَاشِيِّ لُغَوِيَّةٌ أَوْ خُصُوصِيَّةٌ. وَصَحَّتْ لَوْ وَضَعُوا الرَّأْسَ مَوْضِعَ الرِّجْلَيْنِ وَأَسَاءُوا إِنْ تَعَمَّدُوا، وَلَوْ أَخْطَئُوا الْقِبْلَةَ صَحَّتْ إِنْ تَحَرَّوْا وَإِلَّا لَا، مِفْتَاحُ السَّعَادَةِ.

نمازِ جنازہ کی شرعی حیثیت

اب یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ نمازِ جنازہ کی شرعی حیثیت اور اس کے ضروری احکام ومسائل کو بیان فرمار ہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے اور یہ اجماعِ امت سے ثابت ہے، لہٰذا جو اس نمازِ جنازہ کا انکار کرے گا اس کی تکفیر کی جائیگی، کیونکہ نمازِ جنازہ کا انکار درحقیقت اجماع کا انکار ہوگا، یہ مسئلہ قنیہ نامی کتاب میں مذکور ہے۔ اور نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ اسی طرح ہے جس طرح کہ مردہ کو دفن کرنا، اس کو نہلانا اور اس کے دفن وکفن کا سامان تیار کرنا فرضِ کفایہ ہے۔

نمازِ جنازہ کے وجوب کا سبب

نمازِ جنازہ کے وجوب کا سبب دو چیزیں ہیں: (۱) مسلمان مردہ کا ہونا۔ (۲) نمازِ جنازہ کے وقت جنازہ کا حاضر ہونا ہے۔ اور جن چیزوں سے وقتیہ نماز فاسد ہوتی ہے ان ہی تمام چیزوں سے نمازِ جنازہ بھی فاسد ہو جائے گی، البتہ عورت کا محاذات میں ہونا مفسد نمازِ جنازہ نہیں ہے۔ اور اوقاتِ مکروہہ میں نمازِ جنازہ ادا کرنا مکروہ ہے اور نمازِ جنازہ پڑھاتے ہوئے امام حدث لاحق کردے تو امام اپنا نائب بنا سکتا ہے۔ (شامی/۲/۱۰۲)

نمازِ جنازہ کی شرطیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ کی چھ شرطیں ہیں: (۱) مردہ کا مسلمان ہونا (۲) مردہ کا پاک ہونا یعنی اس کے بدن اور کپڑے کا پاک ہونا اور یہ اس وقت تک شرط ہے جب تک اس پر مٹی نہ ڈالی جائے، اور مردہ کو قبر میں ڈالنے اور مٹی پڑجانے کے بعد اس پر غسل دیئے بغیر استحساناً نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، اگرچہ اس پر پہلے نمازِ جنازہ پڑھی جاچکی

ہو۔ اور قنیہ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ مردے کا نجاست سے کپڑا پاک ہونا، بدن پاک ہونا، جگہ پاک ہونا اور ستر کا چھپانا شرط ہے اور یہ شرط میت کے حق میں بھی ہے اور امام کے حق میں بھی، پس اگر امام نے بغیر وضو کے نمازِ جنازہ پڑھادی اور مقتدی حضرات سب کے سب باوضو تھے تو یہ نماز دوبارہ ادا کی جائے گی اور اگر صورتِ حال اس کے برعکس ہو یعنی مقتدی بے وضو ہوں اور امام باوضو ہو تو دوبارہ نماز نہیں پڑھی جائے گی، اس لئے کہ جب امام کی نماز درست ہوگئی تو فرض کفایہ ادا ہوگیا اس لئے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے بخلاف اس صورت کے کہ جب امام ہی بے وضو ہو تو چوں کہ اس صورت میں کسی کی بھی نماز نہیں ہوئی اس لئے اعادہ کی جائے گی۔

جگہ کے پاک ہونے سے کیا مراد ہے

یہاں جگہ کے پاک ہونے سے مراد اس چارپائی کا پاک ہونا ہے جس پر جنازہ رکھا ہوا ہو، اور اگر مردہ زمین پر ہو تو زمین کا پاک ہونا ضروری ہے خلاصہ یہ ہوا کہ مردہ جس چیز پر رکھا ہو، اس کا پاک ہونا ضروری ہے اور کپڑے اور بدن کا پاک ہونا ابتدا میں شرط ہے لہٰذا اگر میت کو کفنانے کے بعد مردے کے اندر سے کوئی نجاست نکلے اور کفن ناپاک ہوجائے یا مردہ کا جسم ناپاک ہوجائے تو اس کو صرف دھویا جائے گا میت کو از سرِ نو دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں ہے اور دفع حرج کے لئے نجاست صحت نماز جنازہ کے لئے مانع بھی نہیں ہے۔ (کذا فی الطحطاوی)

اگر نماز جنازہ کی امامت عورت کرے تو کیا حکم ہے

مسئلہ یہ ہے کہ اگر نماز جنازہ کی امامت کوئی عورت کرے خواہ وہ عورت باندی ہی کیوں نہ ہو نماز جنازہ کا اعادہ نہیں ہوگا اس لئے کہ ایک شخص کے نماز جنازہ پڑھنے سے تمام لوگوں کے ذمہ سے فرض ساقط ہوگیا ہے لہٰذا اعادہ نماز کی ضرورت نہیں ہے۔

نماز جنازہ کی بقیہ شرائط

نمازِ جنازہ کی چھ شرطوں میں سے دو شرط ماقبل میں آچکی ہیں اور تیسری شرط یہ ہے کہ اس نماز جنازہ کا امام بالغ ہو، لیکن محل تامل ہے اور چوتھی شرط جنازہ کا موجود ہونا ہے اور پانچویں شرط مردے کا زمین پر رکھا جانا ہے اور چھٹی شرط پورا جنازہ یا اس کا اکثر حصہ قبلہ کی جانب نمازی کے سامنے ہو۔

غائبانہ نماز جنازہ کا شرعی حکم

چوں کہ نماز جنازہ کے صحیح ہونے کے لئے مردہ موجود ہونا ضروری ہے اور یہ شرط لازم ہے اس لئے وہ مردہ جو سامنے موجود نہ ہو اصح قول کے مطابق اس کی جنازہ کی نماز درست نہیں ہے اس طرح اس کی نماز جنازہ بھی درست ہوگی جو جانور جیسے سواری پر لادا ہوا ہو، مثلاً کسی گاڑی پر ہو یا جنازہ کسی کے کندھوں پر ہو تو اس صورت میں نماز جنازہ درست نہ ہوگی ،اس لئے کہ نماز جنازہ کے لئے جو شرط تھی وہ نہیں پائی گئی ہے اور نہ اس جنازہ کی نماز درست ہوگی جو نمازی کے سامنے کے بجائے پیچھے رکھا ہوا ہو، اس لئے کہ مردہ ایک طرح سے امام کی مانند ہے اور دوسری طرح سے جنازہ امام کی مانند نہیں ہے اس لئے کہ نماز جنازہ بچہ پر بھی پڑھنا درست ہے لیکن بچہ کا امام ہونا درست نہیں ہے۔

نجاشی کی غائبانہ نمازِ جنازہ

ابھی ابھی یہ مسئلہ گذرا کہ غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں ہے **تو سوال** یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ کیوں ادا فرمائی؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز اور درست ہے؟

اس سوال کا **جواب** یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی پر نماز جنازہ پڑھنا، تو اس سے مراد دعاء کرنا ہے یعنی آپ علیہ السلام نے نجاشی کے لئے دعاء فرمائی ہے۔ اور دوسرا **جواب** یہ ہے کہ آپ کا نجاشی پر غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کرنا یہ آپ کی خصوصیت تھی۔ (خلاصہ یہ ہوا کہ حدیث شریف میں جو لفظ صلوٰۃ آیا ہے اس سے لغوی معنی دعاء مراد کی جائے اصطلاحی معنی مراد نہ لئے جائیں، یا یہ کہا جائے کہ غائب شخص پر نماز جنازہ پڑھنا آپ کی خصوصیت تھی، لیکن بقول علامہ شامیؒ یہاں حدیث میں صلوٰۃ سے دعاء مراد لینا بعید از قیاس ہے؛ البتہ یہ ممکن ہے کہ بطور معجزہ نجاشی کا جنازہ آپ کے سامنے کردیا گیا ہو، آپ دیکھ رہے ہوں، لیکن حضرات صحابہ کرام کو نظر نہ آتا ہو)۔ (شامی/۳/۱۰۵)

جنازہ الٹا رکھنا

اگر جنازہ کوئی شخص اس طرح رکھے کہ سر کی جگہ پاؤں ہو جائے اور پاؤں کی جگہ سر تو بھی نماز جنازہ درست ہو جائے گی، لیکن اس طرح سے میت کو جان بوجھ کر رکھنا برا ہے، اور مکروہ تنزیہی ہے۔

اگر امام تعین قبلہ میں غلطی کر بیٹھا اور غور وفکر کرنے کے بعد بھی قبلہ کی طرف جنازہ کی نماز نہیں پڑھ سکا تو بھی نمازِ جنازہ درست ہو جائے گی اور غور وفکر کے بغیر جنازہ کی نماز پڑھی اور قبلہ کے رخ میں غلطی ہوگئی تو نماز جنازہ درست نہ ہوگی، کیوں کہ اشتباہ قبلہ کے وقت تحری کا حکم ہے، لہٰذا اگر تحری کے بعد غلطی ہوئی تو نماز ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

وَرُكْنُهَا شَيْئَانِ التَّكْبِيرَاتُ الْأَرْبَعُ ، فَالْأُولَى رُكْنٌ أَيْضًا لَا شَرْطٌ ، فَلِذَا لَمْ يَجُزْ بِنَاءُ أُخْرَى عَلَيْهَا وَالْقِيَامُ فَلَمْ تَجُزْ قَاعِدًا بِلَا عُذْرٍ. وَسُنَّتُهَا ثَلَاثَةٌ التَّحْمِيدُ وَالثَّنَاءُ وَالدُّعَاءُ فِيهَا ذَكَرَهُ الزَّاهِدِيُّ ، وَمَا فَهِمَهُ الْكَمَالُ مِنْ أَنَّ الدُّعَاءَ رُكْنٌ وَالتَّكْبِيرَةُ الْأُولَى شَرْطٌ رَدَّهُ فِي الْبَحْرِ بِتَصْرِيحِهِمْ بِخِلَافِهِ. وَهِيَ فَرْضٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ مَاتَ خَلَا أَرْبَعَةٍ بُغَاةٍ ، وَقُطَّاعِ طَرِيقٍ فَلَا يُغَسَّلُوا ، وَلَا يُصَلَّى عَلَيْهِمْ إِذَا قُتِلُوا فِي الْحَرْبِ وَلَوْ بَعْدَهُ صُلِّيَ عَلَيْهِمْ لِأَنَّهُ حَدٌّ أَوْ قِصَاصٌ وَكَذَا أَهْلُ عَصَبَةٍ وَ مُكَابِرٌ فِي مِصْرٍ لَيْلًا بِسِلَاحٍ وَخَنَّاقٌ خَنَقَ غَيْرَ مَرَّةٍ فَحُكْمُهُمْ كَالْبُغَاةِ. ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ هَذَا كُلَّهُ فِيمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ عَمْدًا ، أَمَّا لَوْ كَانَ خَطَأً فَإِنَّهُ يُصَلَّى عَلَيْهِ بِلَا خِلَافٍ كَمَا صَرَّحَ بِهِ فِي الْكِفَايَةِ وَغَيْرِهَا وَسَيَأْتِي عَدُّهُ مَعَ الشُّهَدَاءِ لَا يُصَلَّى عَلَى قَاتِلِ أَحَدِ أَبَوَيْهِ إِهَانَةً لَهُ ، وَأَلْحَقَهُ فِي النَّهْرِ بِالْبُغَاةِ. وَهِيَ أَرْبَعُ تَكْبِيرَاتٍ كُلُّ تَكْبِيرَةٍ قَائِمَةٌ مَقَامَ رَكْعَةٍ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الْأُولَى فَقَطْ وَقَالَ أَئِمَّةُ بَلْخٍ فِي كُلِّهَا وَيُثْنِي بَعْدَهَا وَهُوَ "سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ"، وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا فِي التَّشَهُّدِ بَعْدَ الثَّانِيَةِ لِأَنَّ تَقْدِيمَهَا سُنَّةُ الدُّعَاءِ وَيَدْعُو بَعْدَ الثَّالِثَةِ بِأُمُورِ الْآخِرَةِ وَالْمَأْثُورُ أَوْلَى ، وَقُدِّمَ فِيهِ الْإِسْلَامُ مَعَ أَنَّهُ الْإِيمَانُ لِأَنَّهُ مُنْبِئٌ عَنِ الِانْقِيَادِ فَكَأَنَّهُ دُعَاءٌ فِي حَالِ الْحَيَاةِ بِالْإِيمَانِ وَالِانْقِيَادِ ، وَأَمَّا فِي حَالِ الْوَفَاةِ فَالِانْقِيَادُ، وَهُوَ الْعَمَلُ غَيْرُ مَوْجُودٍ وَيُسَلِّمُ بِلَا دُعَاءٍ بَعْدَ الرَّابِعَةِ تَسْلِيمَتَيْنِ نَاوِيًا الْمَيِّتَ مَعَ الْقَوْمِ.

نمازجنازہ کے ارکان

یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ نماز جنازہ کے ارکان کو بیان فرمارہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ کے دو رکن ہیں۔ایک چار مرتبہ تکبیر کہنا دوسرے کھڑا ہونا ہے،شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کی پہلی تکبیر بھی رکن میں داخل ہے شرط میں داخل نہیں ہے،اسی وجہ سے دوسری تکبیر کی بناء پہلی تکبیر پر جائز نہیں ہے اور جب نماز جنازہ میں قیام فرض اور رکن ہوا تو نماز جنازہ بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہ ہوگا اگر بغیر عذر کے ہو۔

نمازِ جنازہ کی سنتیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ کی تین سنتیں ہیں: (۱) حمد کرنا (۲) ثناء پڑھنا (۳) اور نماز جنازہ میں دعا کرنا۔ یہ تین چیزیں نماز جنازہ میں سنت ہیں،اس کو زاہدی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور محقق کمال نے جو یہ سمجھا ہے کہ

نمازِ جنازہ میں دعاء رکن ہے اور تکبیر اولیٰ شرط ہے اس کو صاحب البحر الرائق نے رد کیا ہے، کیوں کہ حضرات فقہاء کرام سے اس کے خلاف تصریح موجود ہے۔

علامہ شامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شارح علیہ الرحمہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے حمد اور ثناء دونوں الگ ہیں حالاں کہ دونوں ایک ہی ہیں چنانچہ آگے آئے گا کہ ثناء سے مراد سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حمد و ثناء ایک سنت ہوئی، لہٰذا تیسری سنت میں درود کو ذکر کرنا چاہیے۔اور محقق کمال نے دیکھا کہ نمازِ جنازہ کی حقیقت اور اس کا مقصود دعاء ہے اس لئے انہوں نے دعاء کو رکن کہہ دیا، اور تکبیر اولیٰ تکبیر تحریمہ کی جگہ ہونے کی وجہ سے شرط ہے۔اور صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے کہ دعاء کو رُکن قرار دینا فقہاء کی تصریح کے خلاف ہے، چنانچہ محیط نامی کتاب میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ دعاء سنت ہے۔اور نمازِ جنازہ کے مسبوق کے متعلق حضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ وہ لگا تار تکبیر کہے گا اور درود اور دعاء پڑھنا ترک کردے گا۔سوال یہ ہے کہ اگر دعاء رکن ہوتی تو مسبوق کے لئے چھوڑنا کس طرح جائز ہوتا، اور اگر تکبیر اولیٰ شرط ہوتی تو دوسری تکبیر کی بناء اس پر جائز نہیں ہوتی، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ شارح علیہ الرحمہ نے بَابُ شُرُوطِ الصَّلٰوةِ میں میت کے لئے دعاء کو واجب پہلے لکھ چکے ہیں، لہٰذا محقق کمال کا قول درست ہے۔اور تکبیر اولیٰ کے متعلق قول فیصل یہ ہے کہ من وجہٍ شرط ہے اور من وجہٍ رکن بھی ہے۔ (شامی/۳/۱۰۶)

چار لوگوں پر نمازِ جنازہ نہیں ہے

نمازِ جنازہ ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو مر چکا ہے، علاوہ چار لوگوں کے کہ ان کی نمازِ جنازہ ادا نہیں کی جائے گی (۱) باغی (۲) ڈاکو (۳) مکابر۔ جورات کے وقت ہتھیار لئے شہر میں گھومتا پھرے۔ (۴) گلا گھونٹنے والا، جو متعدد مرتبہ گلا گھونٹ چکا ہو۔ یہ سب کے سب باغیوں کے حکم میں ہیں اس لئے ان کی نمازِ جنازہ نہیں ادا کی جائے گی۔شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ باغیوں کو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ ہی ان پر جنازہ کی نماز ادا کی جائے گی، جب وہ میدان جنگ میں قتل کئے گئے ہوں، لیکن اگر باغی میدان جنگ کے بعد قتل ہوئے ہوں تو ان پر نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی، اس لئے کہ میدانِ جنگ کے بعد جو قتل ہوا ہے یا تو حد میں قتل کیا گیا، یا پھر قصاص میں اور جس کو حد یا قصاص میں قتل کیا جاتا ہے اس کو غسل بھی دیا جاتا ہے اور اس پر نمازِ جنازہ بھی ادا کی جاتی ہے۔اور علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ اگر باغی گرفتاری سے پہلے یا گرفتاری کے بعد اپنی موت مریں تو بھی ان پر نمازِ جنازہ ہوگی۔ (شامی/۳/۱۰۷)

اور انہیں باغیوں کے حکم میں وہ اہلِ عصبہ ہیں جو اپنی قوم کی حمایت میں ظلم وستم کریں، اگر یہ اہلِ عصبہ یا مکابرہ مدد کرنے

میں، یا گلا گھونٹنے والا مقابلہ میں مارا جائے تو یہ بھی باغیوں ہی کے حکم میں ہوں گے، اوران کی نمازِ جنازہ ادا نہیں کی جائے گی۔

خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ

اگر کوئی شخص خودکشی کرے خواہ جان بوجھ کر ہی کیوں نہ ہو، اس پر مفتی بہ قول کے مطابق نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور غسل بھی دیا جائے گا، اگرچہ اس نے اپنے آپ کو قتل کر کے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے بہ نسبت غیر کے قتل کرنے کے، کمال نے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیا ہے، اس حدیث شریف کی وجہ سے جو صحیح مسلم میں ہے کہ: ایک ایسے شخص کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا جس نے خودکشی کی تھی تو آپ نے اس شخص پر نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، البتہ غسل دیا جائے گا، یہی قول حضرت امام ابو یوسفؒ کا ہے۔

خودکشی کرنے والے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمازِ جنازہ ادا نہ کرنیکی وجہ

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ مسلم شریف کی مذکورہ حدیث میں صرف اتنا ہے کہ آپ نے نماز جنازہ نہیں پڑھی، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ کسی نے بھی اس شخص کی جنازہ کی نماز نہیں پڑھی ہے اس شخص پر آپ علیہ السلام کا نماز جنازہ ادا نہ کرنا ممکن ہے کہ زجر و توبیخ کے لئے ہو، تاکہ اور دوسرے لوگوں کو عبرت ہو، اور اس طرح کی حرکت کرنے کے لئے کوئی اور قدم نہ اٹھائے، لہٰذا اس سے کہاں لازم آیا ہے کہ اس پر بالکل سرے سے نماز جنازہ ہی نہ ہوگی۔

والدین کے قتل کرنے والے کی نمازِ جنازہ کا حکم

جو شخص اپنے ماں باپ میں سے کسی کا قاتل ہو تو اس پر بھی نماز جنازہ نہیں ادا کی جائے گی اور قاتل والدین پر جنازہ کی نماز ادا نہ کرنا اس کی اہانت کو ظاہر کرنے کے واسطے ہے۔ اور نہر الفائق میں والدین کے قتل کرنے والے کو باغیوں کے ساتھ لاحق کیا ہے، یعنی جس طرح باغیوں پر جنازہ کی نماز نہیں ہوتی ہے اسی طرح قاتل والدین پر بھی جنازہ کی نماز نہیں ہوگی۔

نمازِ جنازہ کی ترکیب

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں کل چار تکبیریں ہیں اور ہر ایک تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے، صرف پہلی تکبیر میں نمازی دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے گا اور بقیہ تین تکبیروں میں ہاتھ کانوں تک نہیں اٹھائے گا، اور

علمائے بلخ فرماتے ہیں کہ چاروں تکبیروں میں نمازی اپنے دونوں ہاتھ کو کانوں تک اٹھائے گا، اور پہلی تکبیر کے بعد سارے لوگ ثناء پڑھیں گے۔ اور ثناء یہ ہے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰى جَدُّكَ وَ جَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ. اور دوسری تکبیر کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھیں گے، جو نماز کے قعدۂ اخیر میں التحیات کے بعد پڑھتے ہیں اور یہ درود پڑھنا اس لئے بھی ہے کہ دعاء سے پہلے درود شریف کا پڑھنا دعاء کی سنت ہے۔ اور تیسری تکبیر کے بعد امورِ آخرت سے متعلق دعاء کریں گے اور دعاءِ ماثورہ کا پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ جنازہ کی نماز میں اپنے لئے، میت کے لئے اور تمام مسلمانوں کی مغفرت کے لئے دعاء کرے۔ اور دعا کرنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ اپنی ذات سے دعاء کی شروعات کرے، جیسا کہ قرآن کریم کی اس دعاء ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا﴾ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور جس شخص کو دعاءِ ماثورہ یاد نہ ہو وہ اس طرح دعاء کرے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَ لِوَالِدَيْنَا وَ لَهُ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ. (شامی/۳/۱۱۰)

نمازِ جنازہ کی دعائے ماثورہ

نماز جنازہ کی مشہور و معروف دعاء جو عام طور سے پڑھی جاتی ہے اور ماثور ہے وہ یہ ہے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَ مَيِّتِنَا وَ شَاهِدِنَا وَ غَائِبِنَا وَ صَغِيْرِنَا وَ كَبِيْرِنَا وَ ذَكَرِنَا وَ اُنْثَانَا، اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَاَحْيِهِ عَلَى الْاِسْلَامِ وَ مَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْاِيْمَان. اے اللہ! تو ہمارے زندوں کی، ہمارے مردوں کی، ہمارے موجود و غائب کی، ہمارے چھوٹے بڑوں کی، اور ہمارے مرد و عورتوں کی، سب کی مغفرت فرما!۔ اے ہمارے اللہ! تو ہم میں سے جس کو بھی زندہ رکھ اسلام پر زندہ رکھ! اور جب موت دے تو ایمان کی حالت میں موت دے!۔

اور جنازہ کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعاء پڑھنا بھی ثابت ہے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَ عَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ، وَ اَكْرِمْ نُزُلَهُ، وَ وَسِّعْ مَدْخَلَهُ، وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ، وَ نَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، وَ اَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ، وَاَهْلاً خَيْرًا مِنْ اَهْلِهِ، وَ زَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهِ وَ اَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَ اَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ عَذَابِ النَّارِ. (شامی/۳/۱۱۰)

اسلام کو ایمان پر مقدم کرنے کی وجہ

نمازِ جنازہ کی دعائے ماثورہ میں اسلام کو ایمان پر مقدم کیا ہے جب کہ اسلام ہی کا دوسرا نام ایمان ہے اسلام کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے معنی: ''فرماں برداری'' کے ہیں، تو گویا زندگی کی حالت میں ایمان اور فرماں برداری

دونوں کی دعاء ہے اور وفات کی حالت میں صرف ایمان کی دعاء ہے، جس کا تعلق دل سے ہے موت کی حالت میں فرماں برداری کی دعاء نہیں ہے، اس لئے کہ فرماں برداری عمل کا نام ہے اور وفات کے بعد عمل موجود نہیں رہتا ہے۔

سلام میں میت کی نیت کرنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ چوتھی تکبیر کے بعد بغیر کوئی دعاء پڑھے ہوئے دونوں طرف سلام پھیر دے گا۔ اور سلام پھیرتے وقت امام میت کے ساتھ ساتھ قوم کی بھی نیت کرے گا، (فتاویٰ خانیہ کے حوالہ سے علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ امام سلام پھیرنے میں میت کی نیت نہیں کرے گا بلکہ صرف مقتدیوں کی نیت کرے گا، میت کی نیت اس لئے نہیں کرے گا کہ میت سلام کا مخاطب ہی نہیں رہتا ہے لیکن خیر الدین رملی نے اس کو تسلیم نہیں کیا ہے انھوں نے کہا کہ امام سلام پھیرتے وقت میت کی بھی نیت کرے گا، اس لئے کہ جب قبرستان میں زندہ حاضر ہوتا ہے تو اہل قبور کو مخاطب کر کے السلام علیکم کہتا ہے پھر اس کی وجہ نہیں ہے کہ سلام کا مخاطب مردہ کو نہ قرار دیا جائے۔ (شامی/۳/۱۱۱)

وَيُسِرُّ الْكُلَّ إِلَّا التَّكْبِيرَ زَيْلَعِيٌّ وَغَيْرُهُ، لٰكِنْ فِي الْبَدَائِعِ الْعَمَلُ فِي زَمَانِنَا عَلَى الْجَهْرِ بِالتَّسْلِيمِ. وَفِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى : يَجْهَرُ بِوَاحِدَةٍ وَلَا قِرَاءَةَ وَلَا تَشَهُّدَ فِيهَا وَعَيَّنَ الشَّافِعِيُّ الْفَاتِحَةَ فِي الْأُولَى. وَعِنْدَنَا تَجُوزُ بِنِيَّةِ الدُّعَاءِ ، وَتُكْرَهُ بِنِيَّةِ الْقِرَاءَةِ لِعَدَمِ ثُبُوتِهَا فِيهَا عَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَأَفْضَلُ صُفُوفِهَا آخِرُهَا إِظْهَارًا لِلتَّوَاضُعِ وَلَوْ كَبَّرَ إِمَامُهُ خَمْسًا لَمْ يَتْبَعْ لِأَنَّهُ مَنْسُوخٌ فَيَمْكُثُ الْمُؤْتَمُّ حَتَّى يُسَلِّمَ مَعَهُ إِذَا سَلَّمَ بِهِ يُفْتَى، هٰذَا إِذَا سَمِعَ مِنَ الْإِمَامِ ، وَلَوْ مِنَ الْمُبَلِّغِ تَابَعَهُ ، وَيَنْوِي الِافْتِتَاحَ بِكُلِّ تَكْبِيرَةٍ وَكَذَا فِي الْعِيدِ. وَلَا يَسْتَغْفِرُ فِيهَا لِصَبِيٍّ وَمَجْنُونٍ وَمَعْتُوهٍ لِعَدَمِ تَكْلِيفِهِمْ بَلْ يَقُولُ بَعْدَ دُعَاءِ الْبَالِغِينَ : اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا بِفَتْحَتَيْنِ : أَيْ سَابِقًا إِلَى الْحَوْضِ لِيُهَيِّئَ الْمَاءَ ، وَهُوَ دُعَاءٌ لَهُ أَيْضًا بِتَقَدُّمِهِ فِي الْخَيْرِ لَا سِيَّمَا ، وَقَدْ قَالُوا : حَسَنَاتُ الصَّبِيِّ لَهُ لَا لِأَبَوَيْهِ بَلْ لَهُمَا ثَوَابُ التَّعْلِيمِ وَاجْعَلْهُ ذُخْرًا بِضَمِّ الذَّالِ الْمُعْجَمَةِ ، ذَخِيرَةً وَشَافِعًا مُشَفَّعًا مَقْبُولَ الشَّفَاعَةِ. وَيَقُومُ الْإِمَامُ نَدْبًا بِحِذَاءِ الصَّدْرِ مُطْلَقًا لِلرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ لِأَنَّهُ مَحَلُّ الْإِيمَانِ وَالشَّفَاعَةُ لِأَجْلِهِ، وَالْمَسْبُوقُ بِبَعْضِ التَّكْبِيرَاتِ لَا يُكَبِّرُ فِي الْحَالِ بَلْ يَنْتَظِرُ تَكْبِيرَ الْإِمَامِ لِيُكَبِّرَ مَعَهُ لِلِافْتِتَاحِ لِمَا مَرَّ أَنَّ كُلَّ تَكْبِيرَةٍ كَرَكْعَةٍ ، وَالْمَسْبُوقُ لَا يَبْدَأُ بِمَا فَاتَهُ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : يُكَبِّرُ حِينَ يَحْضُرُ كَمَا لَا

يَنتَظِرُ الحَاضِرُ فِي حَالِ التَّحرِيمَةِ بَلْ يُكَبِّرُ اتِّفَاقًا لِلتَّحرِيمَةِ، لِأَنَّهُ كَالْمُدْرِكِ، ثُمَّ يُكَبِّرَانِ مَا فَاتَهُمَا بَعْدَ الْفَرَاغِ نَسَقًا بِلَا دُعَاءٍ إِنْ خَشِيَا رَفْعَ الْمَيِّتِ عَلَى الْأَعْنَاقِ. وَمَا فِي الْمُجْتَبَى مِنْ أَنَّ الْمُدْرِكَ يُكَبِّرُ الْكُلُّ لِلْحَالِ شَاذٌّ نَهْرٌ. فَلَوْ جَاءَ الْمَسْبُوقُ بَعْدَ تَكْبِيرَةِ الْإِمَامِ لِرَابِعَةٍ فَاتَتْهُ الصَّلَاةُ لِتَعَذُّرِ الدُّخُولِ فِي تَكْبِيرَةِ الْإِمَامِ. وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يَدْخُلُ لِبَقَاءِ التَّحْرِيمَةِ، فَإِذَا سَلَّمَ الْإِمَامُ كَبَّرَ ثَلَاثًا كَمَا فِي الْحَاضِرِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى، ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ وَغَيْرُهُ.

نمازِ جنازہ کی تمام دعائیں آہستہ پڑھی جائیں

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تکبیر کے علاوہ بقیہ تمام دعائیں آہستہ ادا کی جائیں گی جیسا کہ زیلعی وغیرہ میں ہے، لیکن بدائع الصنائع میں ہے کہ ہمارے زمانے میں عمل اس پر ہے کہ نماز جنازہ میں سلام بلند آواز سے پھیرتے ہیں۔ اور جواہر الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ پہلا سلام بلند آواز سے پھیرے اور دوسرا سلام آہستہ آواز میں پھیرے۔

نمازِ جنازہ میں نہ قرأت ہے نہ تشہد

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جنازہ کی نماز میں نہ قراءت ہے اور نہ ہی التحیات مشروع ہے ہاں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے متعین طور پر فرمایا ہے کہ نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ یعنی الحمد للہ پڑھے۔ اور علمائے احناف کے نزدیک سورۂ فاتحہ دعاء کی نیت سے پڑھنا جائز ہے مگر سورۂ فاتحہ بنیت قرأت نماز جنازہ میں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ بنیت قرأت کا پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ اور نماز جنازہ میں سب سے افضل صف پچھلی صف ہے اس لئے کہ تمام صفوں میں سب سے پچھلی صف میں تواضع کا اظہار ہے، جیسا کہ قنیہ نامی کتاب میں مذکور ہے۔

اگر امام نمازِ جنازہ میں چار سے زیادہ تکبیر کہے تو مقتدی کے لئے کیا حکم ہے؟

مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام جنازہ کی نماز میں چوتھی تکبیر کے بعد پانچویں تکبیر کہے تو حنفی المسلک مقتدی پانچویں تکبیر میں امام کی پیروی نہیں کرے گا، اس لئے کہ پانچویں منسوخ ہو چکی ہے، لہٰذا اس صورت میں مقتدی خاموش رکا رہے اور جب امام صاحب سلام پھیرے تو وہ بھی اپنے امام کے ساتھ سلام پھیرے، فتویٰ اسی قول پر ہے، اور پانچویں تکبیر میں امام کی پیروی نہ کرنے کا حکم اس وقت ہے جب امام سے پانچویں تکبیر کہتے ہوئے خود سنے، لیکن اگر مقتدی پانچویں تکبیر کسی مکبر سے سنے

گا تو اس صورت میں مقتدی بھی پانچویں تکبیر کہے گا، اور مقتدی ہر تکبیر میں شروع کی تکبیر کی نیت کرے گا اور یہی حکم عیدین کی تکبیراتِ زوائد کا ہے یعنی چھ تکبیروں میں امام کی پیروی کرے گا اور چھ تکبیروں سے زائد کہے گا تو مقتدی امام کی پیروی نہیں کرے گا، البتہ اگر تکبیر مکبر سے سنے گا تو امام کی اتباع کرے گا۔

نمازِ جنازہ میں چار سے زائد تکبیروں کے منسوخ ہونے کی دلیل

نماز جنازہ میں کتنی مرتبہ تکبیر کہی جائے گی؟ تو اس بارے میں آثار وروایات مختلف ہیں چنانچہ نماز جنازہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ، سات، نو، بلکہ اس سے بھی زائد مرتبہ تکبیر کہنا ثابت ہے لیکن یہ تمام روایتیں منسوخ ہیں اور نسخ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی جنازہ کی نماز میں صرف چار مرتبہ تکبیر کہی ہے، لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ جن احادیث وآثار میں پانچ، سات اور نو مرتبہ تکبیر کہنے کا ذکر آیا ہے وہ سب کی سب منسوخ ہیں، اس لئے کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے تاحیات جنازہ کی نماز میں چار ہی تکبیر کہی ہیں۔ (شامی/۳/۱۱۲)

بچے اور پاگل کے لئے استغفار کرنے کا شرعی حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جنازہ کی نماز میں بچے، پاگل اور بے عقل کے لئے مغفرت کی دعاء نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ مذکورہ قسم کے لوگ شرعی اعتبار سے مکلف ہی نہیں ہیں۔

(اس جگہ علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ پاگل اور بے عقل شخص سے ایسے لوگ مراد ہیں جو بلوغ سے لے کر موت تک پاگل اور بے عقل ہی رہے ہوں۔ اور وہ لوگ جو بلوغ کے کچھ دنوں کے بعد پاگل ہوئے ہوں یا ان کی عقل زائل ہوئی ہو تو ان کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی)۔ (شامی/۳/۱۱۲)

نابالغ بچوں اور پاگلوں کے لئے دعائے جنازہ

فرماتے ہیں کہ نابالغ بچوں، پاگلوں اور بے عقل قسم کے لوگوں کے لئے نماز جنازہ میں جو بالغوں کے لئے جو دعا پڑھی جاتی ہے اس کی جگہ یہ دعاء پڑھے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَ اجْعَلْهُ لَنَا ذُخْرًا وَ اجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّ مُشَفَّعًا. اے اللہ! تو اس کو ہمارے واسطے حوضِ کوثر پر پہلے سے تیار رہنے والوں میں بنادے! اور اس کو ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت بنادے اور ہمارے لئے اس کو سفارش کرنے والا اور سفارش قبول کیا ہوا بنا!

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ لفظ فَرَط، فا اور راء دونوں کے زبر کے ساتھ ہے اور اس کے معنی ہیں: ''وہ شخص

جس کو پانی تیار کرنے کے لئے حوض پر پہلے بھیجا جائے"۔ اور یہ بھی اس کے لئے حقیقت میں دعاء ہی ہے، بھلائی کے کاموں میں اس کو آگے بڑھا کر۔ اور لفظ ذُخْرًا، ذال کے پیش کے ساتھ ہے جس کے معنی ذخیرہ کے ہیں اور مُشَفَّعًا کے معنی جس کی سفارش قبول کی جاتی ہو۔

ایک اعتراض اوراس کا جواب

یہ دعاء نابالغوں کے لئے اس لئے ہوئی کہ یہ نابالغ مردے پہلے خیر کی طرف خود بڑھنے والے ہوتے ہیں، خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ حضرات فقہاءِ کرام نے اس کی صراحت کی ہے کہ نابالغ بچوں کے نیک کام کا ثواب ان کو ہی ملتا ہے ان کے والدین کو نہیں ملتا ہے، البتہ ان کے والدین کو اسلامی تعلیم وتربیت دینے کا ثواب ملتا ہے، اب **سوال** یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں دعاء تو میت کے لئے ہوتی ہے اور یہاں نابالغ میت کی دعاء میں اس کے والدین کے لئے دعاء کی گئی ہے ایسا کیوں؟

اس اعتراض کا **جواب** یہ ہے کہ اس میں نابالغ میت کے لئے بھی دعاء ہے اس لئے کہ جب بچہ کو پہلے حوضِ کوثر پر پانی پلانے کے لئے تیار رہنے کی دعا کی گئی ہے تو ضمناً پہلے بچہ کے لئے دعاء کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو حوضِ کوثر پر پہنچائے تا کہ وہ خود بھی اس سے مستفیض ہو پھر وہ اپنے والدین کو بھی فیض پہنچائے۔

امام میت کے سینہ کے برابر کھڑا ہوگا

مستحب یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں امام مطلقاً جنازہ کے سینہ کے برابر کھڑا ہو خواہ جنازہ مرد کا ہو خواہ عورت کا، خواہ بالغ ہو، خواہ نابالغ، اس لئے کہ سینہ محل ایمان ہے اور اس کی شفاعت ایمان ہی کی وجہ سے آخرت میں ہوگی، اور نمازی بھی ایمان ہی کی وجہ سے اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں، لہٰذا مناسب یہی ہے کہ محل ایمان کے مقابل امام کھڑا ہو۔

نمازِ جنازہ میں بعد میں کوئی شخص شریک ہوا تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص جنازہ کی نماز میں اس وقت شریک ہوا جب امام کچھ تکبیریں کہہ چکا ہے تو یہ شخص آ کر فوراً امام کے ساتھ شریک نہیں ہوگا بلکہ امام کی تکبیر کا انتظار کرے گا، جب امام تکبیر کہے گا تو اس کے ساتھ تکبیر کہتے ہوئے شریک ہوجائے گا، تا کہ افتتاح کی تکبیر امام کے ساتھ ہو، جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے، اور مسبوق شخص چھوٹی ہوئی رکعت سے ابتداء نہیں کرتا ہے۔ (یعنی مسبوق شخص اپنی چھوٹی ہوئی رکعتوں کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کرتا ہے اسی طرح نماز جنازہ میں چھوٹی ہوئی تکبیروں کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد کہنا چاہئے)۔

مسئلہ: نمازِ جنازہ میں بعد میں شریک ہونے والا آتے ہی تکبیر کہہ کر شریک ہوگیا تو بھی اس کی نمازِ جنازہ درست ہوجائے گی مگر یہ اللہ اکبر کہنا چار تکبیر میں شمار نہ ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں بعد میں شرکت کرنے والا جس وقت آئے گا اسی وقت تکبیر کہہ کر شریک ہوگا۔ (مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ نمازِ جنازہ کا امام اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرچکا تھا اس کے بعد کوئی شخص آکر نماز میں شریک ہوا تو اب وہ کیا کرے، آیا آتے ہی اللہ اکبر کہہ کر شامل ہوجائے؟ یا صرف شامل ہوجائے اور اللہ اکبر اس وقت کہے جب امام اللہ اکبر کہے؟ تو اس بارے میں حضرات طرفین فرماتے ہیں کہ جب امام اللہ اکبر کہے، تب وہ بھی کہے۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جس وقت آکر ملے اسی وقت اللہ اکبر کہے، اور دوسری تکبیر امام کے کہنے کے ساتھ کہے، گویا امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بعد میں آنے والا شخص مسبوق نہیں ہے اور حضرات طرفین کے نزدیک امام کے سلام پھیرنے کے بعد اللہ اکبر کہے اور یہ مسبوق کے حکم میں ہوگا)۔ (شامی/۳/۱۱۵)

تحریمہ کے وقت موجود رہنے والے کا حکم

جو شخص نمازِ جنازہ میں بالکل تکبیر تحریمہ یعنی شروع تکبیر سے موجود ہو وہ امام کے اللہ اکبر کہنے کا انتظار نہیں کرے گا بلکہ وہ اللہ اکبر کہہ کر امام کے ساتھ شامل ہوجائے گا۔ اور اس مسئلہ میں حضرات طرفین اور امام ابو یوسفؒ سب کا اتفاق ہے اس لئے کہ وہ موجود شخص مدرک کے حکم میں ہے، کیوں کہ وہ بوقت تحریمہ موجود تھا۔

جس کی تکبیر امام کے ساتھ چھوٹ جائے اس کا حکم

جو شخص نمازِ جنازہ میں بعد میں شریک ہوا ہو اور اس کی کچھ تکبیریں امام کے ساتھ چھوٹ گئیں ہوں تو وہ ان چھوٹی ہوئی تکبیروں کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد درمیان میں دعاء پڑھے بغیر مسلسل ادا کرے گا، بشرطیکہ اس کو اندیشہ ہو کہ لوگ جنازے کو کندھے پر اٹھالیں گے، اور مجتبیٰ نامی کتاب میں جو یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ مدرک اپنی کل فوت شدہ تکبیروں کو امام کے ساتھ شریک ہوتے ہی کہے گا یہ خلاف قیاس ہے جیسا کہ نہر الفائق میں ہے۔

اگر کوئی شخص چوتھی تکبیر کے بعد شریک ہوا تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص نمازِ جنازہ میں امام کے چوتھی تکبیر کہہ لینے کے بعد شریک ہوا تو حضراتِ طرفین فرماتے ہیں کہ اس کی نمازِ جنازہ فوت ہوگئی ہے اس لئے کہ اب امام کی تکبیر کے ساتھ شرکت کی کوئی شکل باقی نہیں رہی ہے۔ اور حضرت امام

ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص نماز جنازہ میں داخل شمار ہوگا، چوں کہ ابھی امام کا تحریمہ باقی ہے پس جب امام سلام پھیرے گا تو یہ بقیہ تین تکبیریں کہہ لے گا، جیسا کہ وہ شخص جو شروع سے نماز جنازہ میں موجود ہو لیکن امام کے ساتھ شریک نہ ہوا ہو بلکہ امام کے ساتھ اس وقت شریک ہوا جب امام چوتھی تکبیر کہہ چکا تو ایسا شخص بالاتفاق امام کے سلام پھیرنے کے بعد بقیہ تین تکبیریں کہے گا۔ اور اس مسئلہ میں فتویٰ حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے یعنی چوتھی تکبیر کے بعد جنازہ میں شریک ہونے والے کی نماز جنازہ فوت نہ ہوگی، کیوں کہ تحریمہ ابھی باقی ہے اسی کو حلبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے، اور محیط میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے اور ہندیہ نے مضمرات سے نقل کیا ہے کہ یہی قول اصح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (شامی/۳/۱۱۷)

وَإِذَا اجْتَمَعَتْ الْجَنَائِزُ فَإِفْرَادُ الصَّلَاةِ عَلَى كُلِّ وَاحِدَةٍ أَوْلَى مِنَ الْجَمْعِ وَتَقْدِيمُ الْأَفْضَلِ أَفْضَلُ وَإِنْ جَمَعَ جَازَ، ثُمَّ إِنْ شَاءَ جَعَلَ الْجَنَائِزَ صَفًّا وَاحِدًا وَقَامَ عِنْدَ أَفْضَلِهِمْ، وَإِنْ شَاءَ جَعَلَهَا صَفًّا مِمَّا يَلِي الْقِبْلَةَ وَاحِدًا خَلْفَ وَاحِدٍ بِحَيْثُ يَكُونُ صَدْرُ كُلِّ جِنَازَةٍ مِمَّا يَلِي الْإِمَامَ لِيَقُومَ بِحِذَاءِ صَدْرِ الْكُلِّ، وَإِنْ جَعَلَهَا دَرَجًا فَحَسَنٌ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ وَرَاعَى التَّرْتِيبَ الْمَعْهُودَ خَلْفَهُ حَالَةَ الْحَيَاةِ، فَيَقْرُبُ مِنْهُ الْأَفْضَلُ فَالْأَفْضَلُ الرَّجُلُ مِمَّا يَلِيهِ؛ فَالصَّبِيُّ فَالْخُنْثَى فَالْبَالِغَةُ فَالْمُرَاهِقَةُ؛ وَالصَّبِيُّ الْحُرُّ يُقَدَّمُ عَلَى الْعَبْدِ، وَالْعَبْدُ عَلَى الْمَرْأَةِ؛ وَأَمَّا تَرْتِيبُهُمْ فِي قَبْرٍ وَاحِدٍ لِضَرُورَةٍ فَبِعَكْسِ هَذَا، فَيَجْعَلُ الْأَفْضَلَ مِمَّا يَلِي الْقِبْلَةَ. فَتْحٌ. وَيُقَدَّمُ فِي الصَّلَاةِ عَلَيْهِ السُّلْطَانُ إِنْ حَضَرَ أَوْ نَائِبُهُ وَهُوَ أَمِيرُ الْمِصْرِ ثُمَّ الْقَاضِي ثُمَّ صَاحِبُ الشُّرَطِ ثُمَّ خَلِيفَتُهُ ثُمَّ خَلِيفَةُ الْقَاضِي ثُمَّ إِمَامُ الْحَيِّ فِيهِ إِيهَامٌ، وَذَلِكَ أَنَّ تَقْدِيمَ الْوُلَاةِ وَاجِبٌ، وَتَقْدِيمُ إِمَامِ الْحَيِّ مَنْدُوبٌ فَقَطْ بِشَرْطِ أَنْ يَكُونَ أَفْضَلَ مِنَ الْوَلِيِّ، وَإِلَّا فَالْوَلِيُّ أَوْلَى كَمَا فِي الْمُجْتَبَى وَشَرْحِ الْمَجْمَعِ لِلْمُصَنِّفِ. وَفِي الدِّرَايَةِ: إِمَامُ الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ أَوْلَى مِنْ إِمَامِ الْحَيِّ: أَيْ مَسْجِدِ مَحَلَّتِهِ نَهْرٌ. ثُمَّ الْوَلِيُّ بِتَرْتِيبِ عُصُوبَةِ الْإِنْكَاحِ إِلَّا الْأَبَ فَيُقَدَّمُ عَلَى الِابْنِ اتِّفَاقًا إِلَّا أَنْ يَكُونَ عَالِمًا وَالْأَبُ جَاهِلًا فَالِابْنُ أَوْلَى. فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ فَالزَّوْجُ ثُمَّ الْجِيرَانُ، وَمَوْلَى الْعَبْدِ أَوْلَى مِنِ ابْنِهِ الْحُرِّ لِبَقَاءِ مِلْكِهِ، وَالْفَتْوَى عَلَى بُطْلَانِ الْوَصِيَّةِ بِغُسْلِهِ وَالصَّلَاةِ عَلَيْهِ. وَلَهُ أَيْ لِلْوَلِيِّ. وَمِثْلُهُ كُلُّ مَنْ يُقَدَّمُ عَلَيْهِ مِنْ بَابِ أَوْلَى الْإِذْنُ لِغَيْرِهِ فِيهَا لِأَنَّهُ حَقُّهُ فَيَمْلِكُ إِبْطَالَهُ إِلَّا أَنَّهُ إِنْ كَانَ هُنَاكَ مَنْ يُسَاوِيهِ فَلَهُ أَيْ لِذَلِكَ الْمُسَاوِي وَلَوْ أَصْغَرَ سِنًّا الْمَنْعُ لِمُشَارَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، أَمَّا الْبَعِيدُ فَلَيْسَ لَهُ الْمَنْعُ فَإِنْ صَلَّى غَيْرُهُ أَيْ

الْوَلِيِّ مِمَّنْ لَيْسَ لَهُ حَقُّ التَّقْدِيمِ عَلَى الْوَلِيِّ وَلَمْ يُتَابِعْهُ الْوَلِيُّ أَعَادَ الْوَلِيُّ وَلَوْ عَلَى قَبْرِهِ إِنْ شَاءَ لِأَجْلِ حَقِّهِ لَا لِإِسْقَاطِ الْفَرْضِ ؛ وَلِذَا قُلْنَا : لَيْسَ لِمَنْ صَلَّى عَلَيْهَا أَنْ يُعِيدَ مَعَ الْوَلِيِّ لِأَنَّ تَكْرَارَهَا غَيْرُ مَشْرُوعٍ وَإِلَّا أَيْ وَإِنْ صَلَّى مَنْ لَهُ حَقُّ التَّقَدُّمِ كَقَاضٍ أَوْ نَائِبِهِ أَوْ إِمَامِ الْحَيِّ أَوْ مَنْ لَيْسَ لَهُ حَقُّ التَّقَدُّمِ وَتَابَعَهُ الْوَلِيُّ لَا يُعِيدُ لِأَنَّهُمْ أَوْلَى بِالصَّلَاةِ مِنْهُ.

ایک وقت میں متعدد جنازوں کی نماز کس طرح ادا کی جائے؟

اگر ایک ساتھ متعدد جنازے جمع ہو جائیں تو اس صورت میں ہر ایک پر الگ الگ نماز جنازہ ادا کرنا تمام پر ایک ساتھ نماز جنازہ ادا کرنے سے افضل ہے، اور ان سب متعدد جنازوں میں جو سب سے زیادہ افضل ہوں ان کو ترتیب میں مقدم رکھا جائے گا، یعنی جو عمل کے اعتبار سے سب سے افضل ہوں ان کی نماز جنازہ پہلے پڑھی جائے گی پھر اسی ترتیب سے بقیہ تمام جمع شدہ جنازوں کی نماز ادا کی جائے گی۔

اگر متعدد جنازے جمع ہو جائیں اور ان سب پر اکھٹے نماز جنازہ ادا کی جائے تو بھی جائز ہے اور جب تمام جنازوں پر ایک ساتھ نماز جنازہ پڑھی جائے گی تو اس کی صورت حضرات فقہاء کرام یہ فرماتے ہیں کہ تمام جنازوں کو چاہے ایک صف میں رکھدیں اس طرح کہ ایک کا سر دوسرے کے پاؤں کی طرف ہو، اور ان جنازوں میں سے جو سب سے افضل ہو اس کے مقابل امام کھڑا ہو۔ اور اگر چاہے تو ان تمام جنازوں کو قبلہ کی طرف یکے بعد دیگرے برابر برابر ایک صف میں اس طرح رکھے کہ ہر ایک کا سینہ بالکل سیدھ میں ہو، امام ہر ایک کے سینے کے برابر کھڑا ہو۔ اور اگر چاہے تو ان تمام جنازوں کو زینے کی طرح رکھے (اس طرح کہ دوسری میت کا سر پہلی میت کے مونڈھے کے پاس ہو) تو بھی جائز ہے اور ان تمام صورتوں میں نماز جنازہ ادا ہو جائے گی، اس لئے کہ مقصود حاصل ہو رہا ہے۔ (اور بہتر طریقہ یہ کہ تمام جنازے ایک ہی سیدھ میں امام کے آگے ہوں اور امام ان سبھی کے سینے کے مقابل میں کھڑا ہو)۔ (شامی/۳/۱۱۸)

ترتیب کی رعایت کا حکم

مسئلہ یہ ہے کہ جب ایک ساتھ بہت سارے جنازے جمع ہو جائیں تو شریعت میں متعین ترتیب کی رعایت رکھے، جس طرح کہ ان کی زندگی میں ترتیب کی رعایت رکھی جاتی تھی، چنانچہ امام سے متصل اس شخص کے جنازہ کو رکھا جائے گا جو ان میں سب سے افضل ہو، اس کے بعد جو ان سے کم فضیلت والا ہو اس کو متصل رکھا جائے گا۔ (مثلاً اگر عالم دین ہو تو اس کا جنازہ امام سے قریب رکھا جائے گا، اسکے بعد اس کا جنازہ امام کے قریب رکھا جائیگا جس کا درجہ اس سے کم ہو۔ اور اگر علم میں سارے

لوگ برابر ہوں توان کا جنازہ آگے رکھا جائے گا جو عمر میں سب سے زیادہ بڑے ہوں)۔ (شامی/۳/۱۱۹)

مختلف قسم کے جنازے جمع ہو جائیں توان میں ترتیب شرعی

اگر مختلف قسم کے جنازے ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو سب سے پہلے امام کے آگے مرد کے جنازے کو رکھا جائے اس کے بعد بچہ کا جنازہ رکھا جائے، پھر خنثیٰ کا جنازہ، پھر بالغہ عورت کا جنازہ، پھر مراہقہ یعنی قریب البلوغ عورت کا جنازہ رکھا جائے اور اس صورت میں آزاد بچہ کا جنازہ غلام کے جنازے پر مقدم ہوگا۔ اور غلام کا جنازہ عورت کے جنازہ پر مقدم ہوگا۔

ایک قبر میں متعدد مردوں کے دفن کرنے کی شرعی ترتیب

مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک قبر میں بوقت مجبوری بہت سارے مردوں کو دفن کرنا پڑ جائے تو وہاں قبر میں مردوں کے رکھنے کی ترتیب اس کے برعکس ہوگی، یعنی ان مردوں میں جو سب سے افضل ہوگا ان کا جنازہ قبر میں قبلہ کی طرف سب سے پہلے رکھا جائے گا پھر اس کے بعد دوسرے کے جنازے کو رکھا جائے گا جو مرتبہ میں ان سے کم ہو پھر اسی ترتیب سے قبر میں رکھتے چلے جائیں گے۔ (اور یہاں مجبوری اور ضرورت کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ بلا ضرورت دو شخص کو ایک قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا جب تک کہ پہلا مردہ اس میں مٹی نہ ہو جائے، اور اگر ضرورت کی وجہ سے ایک قبر میں دو مردوں کو دفن کرنا ہی پڑے تو ایسی صورت میں ایک مردہ کو دفن کرنے کے بعد مٹی ڈالی جائے گی یا ان کے درمیان کچی اینٹ کھڑی کردی جائے گی تاکہ حکماً دو قبر کی شکل ہو جائے)۔ (شامی/۳/۱۱۹)

مسئلہ: اگر قبر پرانی ہو جائے، اور میت کی ہڈیاں بالکل بوسیدہ ہو جائے اور وہاں تدفین کا سلسلہ بھی بند ہو جائے تو اس قبرستان میں عمارت تعمیر کرنا اسی طرح اس میں کھیتی کرنا جائز ہے اس میں شرعی اعتبار سے کوئی حرج نہیں ہے۔ (شامی/۳/۱۱۹)

نمازِ جنازہ کی امامت کا زیادہ حق دار بادشاہ ہے

اگر نماز جنازہ میں بادشاہ موجود ہو اس کا نائب یعنی شہر کا امیر موجود ہو تو امامت کے لئے ان کو مقدم کیا جائے گا، اور اگر وہاں بادشاہ یا ان کا نائب موجود نہیں ہے تو پھر جنازہ کی امامت کا حقدار قاضی ہے، پھر حاکم سیاست ہے، پھر اس کے خلیفہ ہیں پھر اس کے بعد درجہ قاضی کے خلیفہ کا ہے اور اگر یہ سب موجود نہ ہوں تو پھر اخیر میں نماز جنازہ پڑھانے کا حق محلہ کے امام کو ملتا ہے۔

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مصنف کی عبارت میں ابہام ہے، کیوں کہ مصنف کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ

بادشاہ اوران کے نائب وغیرہ نیز محلہ کے امام کو جنازہ کی نماز کے لئے مقدم کرنا یکساں ہے، حالاں کہ بات ایسی نہیں ہے اس لئے کہ بادشاہ وغیرہ اگر موجود ہوں تو ان کو مقدم کرنا واجب ہے اور ان کی عدم موجودگی میں محلہ کے امام کو نماز جنازہ کے لئے مقدم کرنا صرف مستحب ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ امام محلہ میت کے ولی سے افضل اور بہتر ہو، اور اگر امام محلہ سے بہتر میت کا ولی ہو تو ولی کا امام ہونا افضل ہے جیسا کہ مجتبیٰ اور شرح المجمع نامی کتاب میں ایسا ہی لکھا ہے۔ اور معراج الدرایہ میں لکھا ہے کہ جامع مسجد کا امام افضل ہے مسجد کی مسجد کے امام سے، اور یہاں محلہ سے مراد مردہ کا محلہ ہے۔

اگر محلہ کی مسجد کا امام نہ ہو تو میت کا ولی امامت کرے

محلہ کی مسجد کے امام کے بعد متفقہ طور پر جنازہ کی امامت کا حقدار میت کا ولی ہے (ولی سے مراد میت کا مذکر عاقل وبالغ وارث ہے لہٰذا عورت اور بچہ کو ولایت کا حق حاصل نہ ہوگا) اور ولی میں ترتیب وہی ہے جو ترتیب ولی عصبہ میں نکاح کرانے میں ہے البتہ نماز جنازہ پڑھانے میں میت کا باپ اس کے بیٹے پر متفقہ طور پر مقدم ہوگا، الّا یہ کہ میت کا بیٹا عالم دین ہو اور باپ جاہل ہو تو ایسی صورت میں میت کا بیٹا اس کا جنازہ پڑھانے کے لئے بہتر ہوگا باپ کے مقابلہ میں۔

اگر مرنے والی عورت ہو اور ولی نہ ہو تو اس کا شوہر امامت کا حق دار ہوگا

اگر میت کا کوئی ولی نہ ہو، اور مرنے والی عورت ہو تو اس کی جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے اس کا شوہر اولیٰ ہے، پھر اس عورت کا پڑوسی اجنبی سے افضل ہے۔ اور اگر غلام کا انتقال ہو گیا تو اس کی نماز جنازہ کے لئے اس کا آقا افضل ہے اس کے آزاد بیٹے سے، اس لئے کہ آقا کی ملکیت غلام کے مرنے کے بعد بھی باقی ہے۔ (اور قاعدہ کے اعتبار سے غلام کا آقا اس کے تمام عزیز واقارب سے افضل ہے اور یہاں ملک سے مراد ملک حکمی ہے ورنہ حقیقت کے اعتبار سے موت کے بعد ملکیت ختم ہو جاتی ہے)۔ (شامی/۳/۱۲۲)

غسل دینے اور نماز جنازہ پڑھانے کے واسطے وصیت کرنا باطل ہے

فتویٰ اس بات پر ہے کہ میت کی یہ وصیت کرنا کہ مجھے فلاں شخص مرنے کے بعد غسل دے یا فلاں آدمی میری نمازِ جنازہ پڑھائے باطل ہے۔ (اسی طرح اگر کسی نے یہ وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد مجھے فلاں کپڑے کے کفن میں دفنایا جائے، یا مجھے فلاں جگہ دفن کیا جائے تو یہ وصیت باطل ہے اور اس وصیت پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے)۔ (شامی/۳/۱۲۲)

نمازِ جنازہ پڑھانے کے لئے ولی کی اجازت

مسئلہ یہ ہے کہ ولی یا جس کو امامت کا حق حاصل ہے اس کے لئے جائز ہے کہ وہ خود امامت نہ کرا کے دوسرے شخص کو امامت کی اجازت دیدے، اس لئے کہ جب شرعی طور پر امامت اس کا حق ہے تو وہ اپنے اس حق کو باطل کرنے کا بھی مالک ہوگا، لیکن اگر وہاں ولی کے مساوی دوسرا ولی ہو، تو اس دوسرے ولی کو شرعی طور پر حق ہے کہ دوسرے کو امامت سے روک دے خواہ یہ دوسرا ولی پہلے ولی سے عمر میں چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ حق امامت میں دوسرا ولی بالکل برابر کا شریک ہے البتہ اگر دور کا ولی وہاں موجود ہو تو اس کو روکنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

غیر مستحق ولی کی اجازت کے بغیر نماز پڑھادے تو کیا حکم ہے

اگر ولی کے علاوہ کسی ایسے شخص نے ولی کی اجازت کے بغیر نماز جنازہ پڑھادی جس کو ولی پر حق تقدم حاصل نہ تھا اور خود ولی نے اس کے پیچھے نماز جنازہ نہیں پڑھی ہے تو ایسی صورت میں اس ولی کو شرعی اعتبار سے حق ہے کہ اگر وہ چاہے تو نماز جنازہ دوبارہ پڑھے خواہ میت کی قبر پر کیوں نہ نماز پڑھنی پڑے، اور میت کو نماز جنازہ لوٹانے کا اختیار صرف اس لئے ہے کہ نماز جنازہ پڑھانا اس کا حق ہے اس لئے اعادہ کا حکم نہیں ہے کہ فرضیت ساقط نہیں ہوئی۔ ہے فرضیت تو دوسرے کے پڑھانے سے بھی ساقط ہو چکی ہے، اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ جو لوگ میت پر نماز جنازہ ادا کر چکے ہیں وہ ولی کے ساتھ دوبارہ نماز جنازہ نہ پڑھیں، اس لئے کہ دوبارہ نماز جنازہ مشروع ہی نہیں ہے۔ (رسول اکرم اللہ صلی علیہ وسلم پر جن لوگوں نے متعدد بار نمازِ جنازہ پڑھی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات تھی، جو اوروں میں نہیں ہوسکتی ہے)۔

اگر مستحق نے نمازِ جنازہ پڑھی ہے تو اعادہ نہیں ہے

اور اگر نماز جنازہ اس مستحق نے پڑھائی جس کو حق تقدم حاصل ہے جیسے کہ قاضی نے پڑھی جس کو ولی پر بھی فوقیت حاصل ہے یا اس کے نائب نے پڑھی، یا محلہ کے امام نے پڑھی ہو، یا ایسے شخص نے نماز پڑھی جس کو امامت کے لئے آگے بڑھنے کا حق نہیں تھا لیکن ولی نے اس کی اقتداء کر لی تو ان تمام صورتوں میں ولی دوبارہ نماز جنازہ نہیں پڑھائے گا، اس لئے کہ جن کو ولی پر امامت میں فضیلت حاصل ہے وہ سب کے سب ولی سے افضل اور بہتر ہیں اور جب خود ولی نے اس کے پیچھے نماز پڑھ لی تو یہ ولی کی طرف سے ضمنی طور پر اجازت تصور کی جائے گی۔

وَإِنْ صَلَّى هُوَ أَيِ الْوَلِيُّ بِحَقٍّ بِأَنْ لَمْ يَحْضُرْ مَنْ يُقَدَّمُ عَلَيْهِ لَا يُصَلِّي غَيْرُهُ بَعْدَهُ وَإِنْ حَضَرَ مَنْ لَهُ التَّقَدُّمُ لِكَوْنِهَا بِحَقٍّ. أَمَّا لَوْ صَلَّى الْوَلِيُّ بِحَضْرَةِ السُّلْطَانِ مَثَلًا أَعَادَ السُّلْطَانُ كَمَا فِي الْمُجْتَبَى وَغَيْرِهِ وَفِيهِ حُكْمُ صَلَاةِ مَنْ لَا وِلَايَةَ لَهُ كَعَدَمِ الصَّلَاةِ أَصْلًا فَيُصَلَّى عَلَى قَبْرِهِ مَا لَمْ يَتَمَزَّقْ، وَإِنْ دُفِنَ وَأُهِيلَ عَلَيْهِ التُّرَابُ بِغَيْرِ صَلَاةٍ أَوْ بِهَا بِلَا غُسْلٍ أَوْ مِمَّنْ لَا وِلَايَةَ لَهُ صُلِّيَ عَلَى قَبْرِهِ اسْتِحْسَانًا مَا لَمْ يَغْلِبْ عَلَى الظَّنِّ تَفَسُّخُهُ مِنْ غَيْرِ تَقْدِيرٍ هُوَ الْأَصَحُّ. وَظَاهِرُهُ أَنَّهُ لَوْ شُكَّ فِي تَفَسُّخِهِ صُلِّيَ عَلَيْهِ ، لَكِنْ فِي النَّهْرِ عَنْ مُحَمَّدٍ لَا كَأَنَّهُ تَقْدِيمًا لِلْمَانِعِ وَلَمْ تَجُزِ الصَّلَاةُ عَلَيْهَا رَاكِبًا وَلَا قَاعِدًا بِغَيْرِ عُذْرٍ اسْتِحْسَانًا. وَكُرِهَتْ تَحْرِيمًا وَقِيلَ تَنْزِيهًا فِي مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ هُوَ أَيِ الْمَيِّتُ فِيهِ وَحْدَهُ أَوْ مَعَ الْقَوْمِ. وَاخْتُلِفَ فِي الْخَارِجَةِ عَنِ الْمَسْجِدِ وَحْدَهُ أَوْ مَعَ بَعْضِ الْقَوْمِ وَالْمُخْتَارُ الْكَرَاهَةُ مُطْلَقًا خُلَاصَةٌ ، بِنَاءً عَلَى أَنَّ الْمَسْجِدَ إِنَّمَا بُنِيَ لِلْمَكْتُوبَةِ ، وَتَوَابِعُهَا كَنَافِلَةٍ وَذِكْرٍ وَتَدْرِيسِ عِلْمٍ، وَهُوَ الْمُوَافِقُ لِإِطْلَاقِ حَدِيثِ أَبِي دَاوُد "مَنْ صَلَّى عَلَى مَيِّتٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ". وَمَنْ وُلِدَ فَمَاتَ يُغَسَّلُ وَيُصَلَّى عَلَيْهِ وَيَرِثُ وَيُورَثُ وَيُسَمَّى إِنِ اسْتَهَلَّ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ : أَيْ وُجِدَ مِنْهُ مَا يَدُلُّ عَلَى حَيَاتِهِ بَعْدَ خُرُوجِ أَكْثَرِهِ ، حَتَّى لَوْ خَرَجَ رَأْسُهُ فَقَطْ وَهُوَ يَصِيحُ فَذَبَحَهُ رَجُلٌ فَعَلَيْهِ الْغُرَّةُ ، وَإِنْ قَطَعَ أُذُنَهُ فَخَرَجَ حَيًّا فَمَاتَ فَعَلَيْهِ الدِّيَةُ وَإِلَّا يَسْتَهِلَّ غُسِّلَ وَسُمِّيَ عِنْدَ الثَّانِي وَهُوَ الْأَصَحُّ فَيُفْتَى بِهِ عَلَى خِلَافِ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ إِكْرَامًا لِبَنِي آدَمَ كَمَا فِي مُلْتَقَى الْبِحَارِ. وَفِي النَّهْرِ عَنِ الظَّهِيرِيَّةِ : وَإِذَا اسْتَبَانَ بَعْضُ خَلْقِهِ غُسِّلَ وَحُشِرَ هُوَ الْمُخْتَارُ.

ولی کے نمازِ جنازہ پڑھ لینے کے بعد دوسرے مستحقین کو اعادہ کی اجازت نہیں ہے

اگر ولی نے اپنے شرعی حق کی وجہ سے نماز جنازہ پڑھ لی حالاں کہ جو لوگ ولی پر مقدم تھے وہ موجود نہیں تھے تو ولی کے نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد وہ لوگ دوبارہ نماز جنازہ ادا نہیں کریں گے اگر وہ لوگ موجود ہو جائیں، اس لئے کہ ولی کی نماز ادا ہو گئی کیوں کہ ولی اس کا مستحق تھا، البتہ اگر ولی نے بادشاہ کی موجودگی میں نماز جنازہ پڑھ لی، تو بادشاہ کو شرعی اعتبار سے حق حاصل ہے کہ نماز کا اعادہ کرے، جیسا کہ یہ مسئلہ مجتبیٰ وغیرہ میں لکھا ہے۔ ہاں جس شخص کو نماز پڑھنے کا استحقاق نہیں تھا اس نے نماز جنازہ پڑھ لی ہے تو اس کا پڑھنا بالکل نہ پڑھنے کے درجہ میں ہے، لہٰذا اس صورت میں ولی میت کی قبر پر آ کر چاہے تو اس

وقت تک نماز پڑھ سکتا ہے جب تک میت قبر میں پھٹی نہ ہو۔ (اور قبر میں میت کتنے دنوں میں پھٹ جاتا ہے تو اس میں اختلاف ہے کم از کم تین دن کی مدت بیان کی گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ جگہ اور موسم کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے لہٰذا اس کا اندازہ مقامی تجربہ کاروں سے لگوانا چاہیے)۔

اگر میت کو بغیر جنازہ کی نماز پڑھے دفن کر دیا گیا تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ یہ ہے کہ اگر میت کو بغیر نماز جنازہ پڑھے دفن کر دیا گیا ہو اور اس پر مٹی بھی ڈال دی گئی ہو، یا نماز جنازہ تو پڑھی گئی لیکن بغیر غسل دیئے دفن کر دیا گیا یا اس شخص نے نماز جنازہ پڑھائی جس کو نماز جنازہ پڑھانے کا حق نہیں تھا تو ان تمام صورتوں میں حکم یہ ہے کہ اس کی قبر پر استحساناً نماز جنازہ اس وقت تک پڑھی جائے گی جب تک مردے کے پھٹنے کا غالب گمان نہ ہو، اور اصح قول کے مطابق مردے کے قبر میں پھٹنے کے لئے کوئی خاص مدت متعین نہیں ہے۔ (بلکہ موسم اور مقامی حالات کے اعتبار سے وہاں کے ماہرین اس کی تعین کریں گے)۔

اور اس کے ظاہر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر قبر میں مردے کے پھٹنے یا نہ پھٹنے کے متعلق شک ہو جائے تو بھی اس پر جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی، لیکن نہر الفائق میں حضرت امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر مردے کے پھٹنے کے متعلق شک ہو جائے تو نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، گویا انھوں نے مانع کو ترجیح دی ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ کا قول

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں کہ جب میت کو بغیر نماز جنازہ پڑھے دفن کر دیا گیا ہو، یا بغیر غسل دیئے ہوئے اس پر نماز جنازہ پڑھی گئی ہو اور دفن کر دیا گیا ہو تو ان دونوں صورتوں میں قبر پر نماز جنازہ پڑھنی واجب ہے۔ اور تیسری صورت میں جب کہ اس کی نماز جنازہ اس شخص نے پڑھ لی جس کو حق ولایت نہیں تھا اور مردہ کو دفن کر دیا گیا، تو صرف ولی کے لئے اس کے حق کی وجہ سے نماز کے اعادہ کرنے کی اجازت ہے واجب شرعی نہیں ہے۔ (شامی/۳/۱۲۵)

بلا عذر شرعی نمازِ جنازہ سواری پر یا بیٹھ کر ادا کرنے کا حکم

اگر کوئی شخص کسی عذر شرعی کے نماز جنازہ سواری پر ادا کرے یا بیٹھ کر ادا کرے تو استحساناً اس کی نماز نہیں ہوگی۔

(اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص عذر شرعی کی وجہ سے سواری پر یا بیٹھ کر جنازہ کی نماز ادا کرے تو جائز ہے مثلاً کیچڑ ہو یا قیام کی بالکل طاقت نہ ہو تو مجبوری کی وجہ سے بیٹھ کر اور سواری پر نماز درست ہو جائے گی)۔ (شامی/۳/۱۲۶)

مسجد میں جنازے کی نماز پڑھنے کا شرعی حکم

مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مسئلہ یہ ہے کہ جس مسجد میں باجماعت نماز ادا ہوتی ہو اس میں نماز جنازہ ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ مکروہ تنزیہی ہے۔ اور مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنا بہر صورت مکروہ ہے، خواہ صرف میت مسجد میں ہو یا میت کے ساتھ ساتھ لوگ بھی مسجد ہی میں ہوں، خواہ سارے لوگ مسجد میں ہوں یا کچھ مسجد میں ہوں اور کچھ مسجد سے باہر ہوں۔

اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ صرف میت کو مسجد سے باہر رکھا ہو، یا کچھ لوگ مسجد سے خارج حصہ میں کھڑے ہوں اور کچھ لوگ اندرونِ مسجد کھڑے ہوں بہر صورت میں نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ہے، جیسا کہ خلاصہ نامی کتاب میں لکھا ہے۔ اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ مسجد فرض نماز پڑھنے کے لئے بنائی جاتی ہے اسی طرح مسجد بنانے کا مقصد فرض کے توابع مثلاً نوافل وغیرہ ادا کرنا ہے جیسے ذکرِ الٰہی کرنا، قرآن وحدیث کا درس دینا ہے۔ اور کراہت کا یہ قول ابوداؤد شریف کی روایت کے مطابق ہے چنانچہ ابوداؤد شریف میں حدیث ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میت پر نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ جس نے مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھی اس کے لئے کوئی ثواب نہیں ہے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ مسجد میں ادا کرنا مکروہ ہے البتہ اگر عذر کی وجہ سے کوئی مسجد میں نماز جنازہ پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (جیسا کہ علامہ شامی نے ذکر کیا ہے۔ (شامی/۳/۱۲۹)

بچہ پیدا ہو کر مر جائے تو کیا حکم ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ یہاں سے مسئلہ یہ بیان کررہے ہیں کہ اگر بچہ پیدا ہو کر مر جائے اور اس سے زندگی کے آثار ظاہر بھی ہوئے ہوں تو کیا حکم ہے آیا اس بچہ کو غسل دیا جائے گا یا نہیں اور اس پر نماز جنازہ ہوگی یا نہیں؟

فرماتے ہیں کہ جو بچہ پیدا ہو کر آواز کرنے کے بعد مر جائے تو اس کو غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی، اور ایسا بچہ دوسرے کا وارث ہوگا اور دوسرے اس کے وارث ہوں گے اور اس کا نام بھی رکھا جائے گا، حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہاں استھلّ سے مراد یہ ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد اس میں کوئی ایسی علامت پائی جائے جس سے اس کا زندہ ہونا معلوم ہو جائے۔ (مثال کے طور پر پیدا ہونے کے بعد بچہ رویا، یا حرکت کی) لیکن اس کی زندگی کا اعتبار اس کے اکثر حصہ نکلنے کے بعد ہے یہاں تک کہ اگر بچہ کا صرف سر نکلا اور وہ چیخ رہا تھا اور اسی وقت کسی نے ذبح کردیا تو اس قاتل پر غرہ واجب ہے اور اگر بچہ کے سر نکلنے کے بعد اس کا کان کاٹ لیا اور وہ بچہ زندہ نکلا پھر وہ مر گیا تو اس پر دیت لازم ہوگی۔

مسئلہ : اگر نومولود بچہ کی حیات پر اس کی ماں نے شہادت دی کہ میرا بچہ زندہ پیدا ہوا یا دایہ نے شہادت دی کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد اس میں علامت زندگی پائی گئی، تو اس صورت میں ماں اور دایہ کی شہادت مقبول ہوگی اور اس بچہ کو غسل دیا جائے گا، نیز نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی، اس لئے کہ دیانت میں خبر واحد مقبول ہوتی ہے بشرطیکہ مخبر عادل ہو، البتہ حق میراث میں خبر واحد مقبول نہ ہوگی۔ (شامی/۳/۱۳۰)

لفظ غرّہ، غین کے پیش اور راء کی تشدید کیساتھ ہے مرد کی دیت کے بیسویں حصہ کو کہتے ہیں اور مردہ کا خون بہا یعنی دیت دس ہزار درہم، یا ایک ہزار دینار ہے لہٰذا اس حساب سے غرہ کی قیمت پانچ سو درہم یا پچاس دینار ہوگی۔ (شامی/۳/۱۳۰)

بچہ پیدا ہونے کے بعد علامت زندگی نہیں پائی گئی تو کیا حکم ہے

اگر بچہ پیدا ہونے کے بعد اس میں علامت زندگی نہیں پائی گئی تو اصح قول کے مطابق اس صورت میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کو نہلایا جائے گا اور اس کا نام بھی رکھا جائے گا اور آدمی کے احترام واکرام کے پیش نظر ظاہر الروایہ کے خلاف اس پر فتویٰ دیا جائے گا، جیسا کہ ملتقی البحار میں ہے۔ اور نہر الفائق میں فتاویٰ ظہیریہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ جب بچہ کا بعض حصہ باہر ہو جائے تو اس کو غسل دیا جائے گا اور اس کا حشر بھی ہوگا، مختار قول یہی ہے۔ لیکن حضرات فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر اس میں روح پڑ چکی ہوگی تو اس کا حشر ہوگا ورنہ نہیں۔ اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر اس کا بعض حصہ ظاہر ہوا ہوگا تو حشر ہوگا ورنہ نہیں۔ (شامی/۳/۱۳۱)

وَأُدْرِجَ فِي خِرْقَةٍ وَدُفِنَ وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ وَكَذَا لَا يَرِثُ إِنْ انْفَصَلَ بِنَفْسِهِ كَصَبِيٍّ سُبِيَ مَعَ أَحَدِ أَبَوَيْهِ لَا يُصَلَّى عَلَيْهِ لِأَنَّهُ تَبَعٌ لَهُ أَيْ فِي أَحْكَامِ الدُّنْيَا لَا الْعُقْبَى، لِمَا مَرَّ أَنَّهُمْ خَدَمُ أَهْلِ الْجَنَّةِ. وَلَوْ سُبِيَ بِدُونِهِ فَهُوَ مُسْلِمٌ تَبَعًا لِلدَّارِ أَوْ لِلسَّابِي أَوْ بِهِ فَأَسْلَمَ هُوَ أَوْ أَسْلَمَ الصَّبِيُّ وَهُوَ عَاقِلٌ أَيْ ابْنُ سَبْعِ سِنِينَ صُلِّيَ عَلَيْهِ لِصَيْرُورَتِهِ مُسْلِمًا. قَالُوا : وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَسْأَلَ الْعَامِّيَّ عَنْ الْإِسْلَامِ بَلْ يَذْكُرُ عِنْدَهُ حَقِيقَتَهُ، وَمَا يَجِبُ الْإِيمَانُ بِهِ، ثُمَّ يُقَالُ لَهُ : هَلْ أَنْتَ مُصَدِّقٌ بِهَذَا ؟ فَإِذَا قَالَ نَعَمْ اكْتُفِيَ بِهِ. وَلَا يَضُرُّ تَوَقُّفُهُ فِي جَوَابِ مَا الْإِيمَانُ مَا الْإِسْلَامُ فَتْحٌ. وَيَغْسِلُ الْمُسْلِمُ وَيُكَفِّنُ وَيَدْفِنُ قَرِيبَهُ كَخَالِهِ الْكَافِرَ الْأَصْلِيَّ أَمَّا الْمُرْتَدُّ فَيُلْقَى فِي حُفْرَةٍ كَالْكَلْبِ عِنْدَ الِاحْتِيَاجِ فَلَوْ لَهُ قَرِيبٌ فَالْأَوْلَى تَرْكُهُ لَهُمْ مِنْ غَيْرِ مُرَاعَاةِ السُّنَّةِ فَيَغْسِلُهُ غُسْلَ الثَّوْبِ النَّجِسِ وَيَلُفُّهُ فِي خِرْقَةٍ وَيُلْقِيهِ فِي حُفْرَةٍ وَلَيْسَ لِلْكَافِرِ غُسْلُ قَرِيبِهِ الْمُسْلِمِ.

مردہ پیدا ہونے والے بچہ پر نماز جنازہ نہیں ہوگی

اگر بچہ مردہ پیدا ہوا، پیدا ہونے کے بعد اس میں زندگی کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا تو اس بچہ کو کسی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ نہیں ہوگی اور اسی طرح یہ بچہ وارث بھی نہ ہوگا، اگر خود بخود جدا ہوا ہو، جیسا کہ وہ کافر بچہ وارث نہیں ہوتا ہے جو اپنے والدین میں کسی ایک کے ساتھ گرفتار کیا گیا ہے اور نہ اس بچہ پر نماز جنازہ ہوتی ہے اس لئے کہ وہ بچہ دنیاوی احکام میں اپنے والدین کے تابع ہے البتہ اخروی اعتبار سے والدین کے تابع نہیں ہے اس لئے کہ مشرکین کے بچے اہل جنت کے خدام ہوں گے جیسا کہ یہ بات اس سے پہلے گذر چکی ہے۔

نابالغ بچہ دارالاسلام میں گرفتار ہو تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی کافر نابالغ بچہ دارالاسلام میں اپنے والدین کے بغیر تنہا گرفتار ہو گیا تو وہ بچہ دارالاسلام میں مسلمان سمجھا جائے گا بشرطیکہ گرفتار کرنے والا ذمی ہو۔ اور اگر مسلمان گرفتار کرنے والا ہے تو اس کی تبعیت میں اس کو مسلمان سمجھا جائے گا، یا بچہ اپنے والدین میں سے کسی کے ساتھ گرفتار ہوا اور وہ مسلمان ہو گیا یا وہ بچہ خود مسلمان ہو گیا اور وہ بچہ عقلمند تھا یعنی اس کی عمر سات سال کی ہو چکی تھی، پھر اس کا انتقال ہو گیا، تو اس بچہ کی نماز جنازہ ہوگی، اس لئے کہ وہ حکماً مسلمان ہو چکا ہے خواہ اپنے والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ ہونے کی وجہ سے، یا خود اس بچہ کے مسلمان ہونے کی وجہ سے۔

عامی آدمی سے اسلام کے متعلق سوال کا حکم

حضرات فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ عوام الناس سے اسلام سے متعلق سوال نہیں کرنا چاہیے بلکہ عوام کے سامنے اسلام کی حقیقت اور جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے اس کو بیان کرنا چاہیے، اور بیان کرنے کے بعد اس سے کہا جائے کہ کیا تو اس کی تصدیق کرتا ہے پس اگر وہ جواب میں ہاں کہتا ہے یعنی میں اس کی تصدیق کرتا ہوں تو اس کے مسلمان ہونے کے لئے یہی کافی ہے، اور جب عوام سے ایمان واسلام کے متعلق سوال کیا جائے اور وہ توقف اختیار کریں، جواب نہ دیں تو یہ ان کے لئے مضر نہیں ہے کیوں کہ عوام ان تفصیلات سے واقف نہیں ہوتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ توحید ورسالت کے اقرار کرتے ہیں اور قائل ہوتے ہیں۔

اگر مسلمان کا کوئی کافر رشتہ دار مرجائے تو مسلمان غسل ودفن کرسکتا ہے

اگر مسلمان کا، قریبی رشتہ دار اصل کافر جیسے ماموں وغیرہ ہے مرجائے تو ضرورت کے وقت وہ اس کو سنت کی رعایت کئے بغیر غسل دے گا اور کفن دفن بھی کرے گا، لیکن اگر اس کے دوسرے کافر رشتہ دار موجود ہوں تو مسلمان رشتہ دار کے لئے بہتر ہے اس کو کافر رشتہ دار کے حوالے کردے، تاکہ وہ خود غسل وکفن دینے کا ذمہ دار بنیں۔

اور سنت کی رعایت نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً میت کو غسل دینے میں سنت یہ ہے کہ دائیں طرف سے شروع کی جائے اور میت کو پہلے وضو کرایا جائے، کافر میت کے لئے اس طرح اہتمام نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو اس طرح غسل دیا جائے گا جس طرح ناپاک کپڑے کو دھوتے ہیں اور اس کو کسی کپڑے میں لپیٹ کر کسی گڈھے میں ڈال دیا جائے گا، قبر کھودنے میں سنت کی رعایت نہیں کی جائے گی اور نہ میت کو قبر میں لٹانے میں سنت کی رعایت ہوگی، اور کوئی کافر اپنے قریبی مسلمان رشتہ دار کو غسل نہیں دے سکتا ہے، اگر مسلمان کا کوئی قریبی رشتہ دار تجہیز وتکفین کے لئے نہ ہو تو ایسی صورت میں دوسرے مسلمان اس کے ذمہ دار ہوں گے، اور کافر کے لئے مسلمان میت کو قبر میں اتارنا بھی جائز نہیں ہے بلکہ یہ مکروہ ہے۔ (شامی ۳/۱۳۵)

وَإِذَا حَمَلَ الْجِنَازَةَ وَضَعَ نَدْبًا مُقَدَّمَهَا بِكَسْرِ الدَّالِ وَتُفْتَحُ وَكَذَا الْمُؤَخَّرُ عَلَى يَمِينِهِ عَشْرَ خُطُوَاتٍ لِحَدِيثِ "مَنْ حَمَلَ جِنَازَةً أَرْبَعِينَ خُطْوَةً كُفِّرَتْ عَنْهُ أَرْبَعِينَ كَبِيرَةً". ثُمَّ وَضَعَ مُؤَخَّرَهَا عَلَى يَمِينِهِ كَذَلِكَ ، ثُمَّ مُقَدَّمَهَا عَلَى يَسَارِهِ ثُمَّ مُؤَخَّرَهَا كَذَلِكَ ، فَيَقَعُ الْفَرَاغُ خَلْفَ الْجِنَازَةِ فَيَمْشِي خَلْفَهَا ، وَصَحَّ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حَمَلَ جِنَازَةَ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ، وَيُكْرَهُ عِنْدَنَا حَمْلُهُ بَيْنَ عَمُودَيِ السَّرِيرِ بَلْ يَرْفَعُ كُلُّ رَجُلٍ قَائِمَةً بِالْيَدِ لَا عَلَى الْعُنُقِ كَالْأَمْتِعَةِ ، وَلِذَا كُرِهَ حَمْلُهُ عَلَى ظَهْرٍ وَدَابَّةٍ. وَالصَّبِيُّ الرَّضِيعُ أَوِ الْفَطِيمُ أَوْ فَوْقَ ذَلِكَ قَلِيلًا يَحْمِلُهُ وَاحِدٌ عَلَى يَدَيْهِ وَلَوْ رَاكِبًا وَإِنْ كَانَ كَبِيرًا حُمِلَ عَلَى الْجِنَازَةِ وَيُسْرِعُ بِهَا بِلَا خَبَبٍ أَيْ عَدْوٍ سَرِيعٍ، وَلَوْ بِهِ كُرِهَ، وَكُرِهَ تَأْخِيرُ صَلَاتِهِ وَدَفْنِهِ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ جَمْعٌ عَظِيمٌ بَعْدَ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ إِلَّا إِذَا خِيفَ فَوْتُهَا بِسَبَبِ دَفْنِهِ قُنْيَةٌ. كَمَا كُرِهَ لِمُتَّبِعِهَا جُلُوسٌ قَبْلَ وَضْعِهَا وَقِيَامٌ بَعْدَهُ وَلَا يَقُومُ مَنْ فِي الْمُصَلَّى لَهَا إِذَا رَآهَا قَبْلَ وَضْعِهَا وَلَا مَنْ مَرَّتْ عَلَيْهِ هُوَ الْمُخْتَارُ ، وَمَا وَرَدَ فِيهِ مَنْسُوخٌ. زَيْلَعِيٌّ. وَنُدِبَ الْمَشْيُ خَلْفَهَا لِأَنَّهَا مَتْبُوعَةٌ إِلَّا أَنْ

يَكُونَ خَلْفَهَا نِسَاءٌ فَالْمَشْيُ أَمَامَهَا أَحْسَنُ، اخْتِيَارٌ. وَيُكْرَهُ خُرُوجُهُنَّ تَحْرِيمًا ، وَتُزْجَرُ النَّائِحَةُ ، وَلَا يُتْرَكُ اتِّبَاعُهَا لِأَجْلِهَا، وَلَا يَمْشِي عَنْ يَمِينِهَا وَيَسَارِهَا وَلَوْ مَشَى أَمَامَهَا جَازَ وَفِيهِ فَضِيلَةٌ أَيْضًا وَ لَكِنْ إِنْ تَبَاعَدَ عَنْهَا أَوْ تَقَدَّمَ الْكُلُّ أَوْ رَكِبَ أَمَامَهَا كُرِهَ كَمَا كُرِهَ فِيهَا رَفْعُ صَوْتٍ بِذِكْرٍ أَوْ قِرَاءَةٍ. فَتْحٌ. وَحَفْرُ قَبْرِهِ فِي غَيْرِ دَارٍ مِقْدَارَ نِصْفِ قَامَةٍ فَإِنْ زَادَ فَحَسَنٌ وَيُلْحَدُ وَلَا يُشَقُّ إِلَّا فِي أَرْضٍ رَخْوَةٍ وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُوضَعَ فِيهِ مُضَرَّبَةٌ وَمَا رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ فَغَيْرُ مَشْهُورٍ لَا يُؤْخَذُ بِهِ ظَهِيرِيَّةٌ وَلَا بَأْسَ بِاتِّخَاذِ تَابُوتٍ وَلَوْ مِنْ حَجَرٍ أَوْ حَدِيدٍ لَهُ عِنْدَ الْحَاجَةِ كَرَخَاوَةِ الْأَرْضِ. وَ يُسَنُّ أَنْ يُفْرَشَ فِيهِ التُّرَابُ .

جنازہ قبرستان کس طرح لے جایا جائے؟

یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ جنازہ کے اٹھانے کا مستحب طریقہ بیان فرمارہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی جنازہ کو اٹھائے تو اس کیلئے مستحب یہ ہے کہ جنازہ کو اٹھانے والا جنازہ کے اگلے حصہ کو اپنے دائیں کندھے پر اٹھائے اور دس قدم چلے، پھر جنازہ کے پچھلے حصہ کو اپنے بائیں کندھے پر رکھے اور دس قدم چلے، اس کے بعد جنازہ کے اگلے حصہ سرہانے کو اپنے بائیں کندھے پر رکھے اور دس قدم چلے، پھر اس کے پچھلے حصہ کو بائیں کندھے پر رکھے اور دس قدم چلے، اس طرح کل چالیس قدم جنازہ اٹھانے میں صرف کرے، اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص جنازہ کو لے کر چالیس قدم چلے گا اللہ تعالیٰ اس کے چالیس گناہ کبیرہ معاف کردے گا، پھر اس سے فراغت کے بعد جنازہ کے پیچھے پیچھے چلے۔

رسول اللہ ﷺ نے جنازہ کو کندھا دیا ہے

صحیح سند کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے جنازے کو اٹھایا ہے اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موت کے وقت فرمایا کہ حضرت سعد بن معاذؓ کی موت سے عرش الٰہی بھی لرز اٹھا۔

جنازہ کی چارپائی کس طرح اٹھائی جائے؟

اور ہمارے نزدیک جنازے کی چارپائی کے درمیان کے حصہ کو پکڑ کر اٹھانا مکروہ ہے بلکہ ہر شخص کو چاہیے کہ چارپائی کا ایک پایہ پکڑ کر اٹھائے اور اپنے کندھے پر رکھے، اور سامانوں کی طرح شروع ہی سے جنازہ کو گردن پر نہ اٹھائے، اسی وجہ سے جنازہ کو پشت پر یا کسی جانور پر لادنا بھی مکروہ ہے کیوں کہ یہ طریقہ سامان اٹھانے کا ہے، جنازہ کے اٹھانے کا مسنون طریقہ

یہ ہے کہ چار شخص جنازہ کی چار پائی کے چاروں پائے کو ایک ایک ہاتھ سے اٹھائیں اور اس کی پٹی اپنے کندھے پر رکھ کر چلیں۔

چھوٹے بچہ کا جنازہ اٹھانے کا طریقہ

شیر خوار بچہ یا وہ بچہ جس نے ابھی ابھی دودھ چھوڑا ہو، یا اس سے کچھ بڑا ہو تو اس کے جنازہ کو ایک شخص اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر چل سکتا ہے اگر چہ یہ ہاتھوں میں جنازہ اٹھانے والا سوار کیوں نہ ہو۔ اور اگر جنازہ کسی بڑے آدمی کا ہو تو اس کو چار پائی یا کسی کھٹولے پر اٹھایا جائے گا، اور جنازہ کی چار پائی کو لے کر بغیر دوڑے ہوئے تیزی کے ساتھ چلیں گے۔ اور جنازہ کو لے کر دوڑ کر چلنا مکروہ ہے، اس لئے کہ دوڑ کر لے کر چلنے میں مردہ کو تکلیف ہوگی اور جنازہ کے ساتھ چلنے والے لوگوں کو بھی تکلیف ہوگی۔

جنازہ میں جم غفیر شریک ہو اس کے لئے دفن میں تاخیر کرنے کا حکم شرعی

میت کی نماز اور اس کے دفن کرنے میں اس لئے تاخیر کرنا کہ نماز جمعہ کے بعد بہت بڑا مجمع اکٹھا ہوگا، مکروہ ہے، ہاں اگر یہ اندیشہ ہو کہ جمعہ سے پہلے تجہیز و تکفین میں مشغول ہونے سے جمعہ فوت ہو سکتا ہے تو ایسی صورت میں نماز جمعہ کے بعد جنازہ کی نماز پڑھنا اور دفن کرنا مکروہ نہیں ہے جیسا کہ قنیہ نامی کتاب میں ہے۔

جنازہ کے ساتھ چلنے والے کب بیٹھ سکتے ہیں

جو لوگ جنازے کے پیچھے پیچھے چل رہے ہوں ان کے لئے جنازہ کو کندھے سے اتار کر زمین پر رکھنے سے پہلے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے اور جب جنازہ زمین پر رکھا جا چکے تو پھر کھڑا رہنا مکروہ ہے۔ (اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جنازہ نیچے رکھا جا چکے تو بیٹھ جاؤ پس اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جنازہ رکھے جانے کے بعد کھڑا رہنا مکروہ تحریمی ہے)۔

جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا شرعی حکم

جو شخص نماز جنازہ ادا کرنے کی جگہ بیٹھا ہو جب وہ جنازہ کو دیکھے تو کھڑا نہ ہو اور جس کے پاس سے ہو کر جنازہ گذرے مختار قول کے مطابق وہ بھی کھڑا نہ ہو۔ رہی وہ حدیث شریف جس میں جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم جنازہ کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ جنازہ آگے بڑھ جائے یا زمین پر رکھ دیا جائے۔ یہ حدیث منسوخ ہے جیسا کہ زیلعی نے بیان کیا ہے، نیز نسخ کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ

میں ہے کہ پہلے رسول اللہؐ جنازہ کو دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم فرماتے تھے پھر آپؐ نے بعد میں بیٹھنے کا حکم فرمایا ہے، امام مسلم نے فرمایا کہ پہلے کھڑے ہونے کا حکم تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ (شامی/۳/۱۳۷)

جنازہ کے پیچھے پیچھے چلنا مستحب ہے

مستحب یہ ہے کہ لوگ جنازہ کے پیچھے پیچھے چلیں، اس لئے کہ جنازہ کی حیثیت متبوع کی سی ہوتی ہے اور قاعدہ یہ کہ متبوع آگے ہوتا ہے اور تابع پیچھے، لیکن اگر جنازہ کے پیچھے عورتیں ہوں تو جنازہ کے آگے آگے چلنا بہتر ہے، جیسا کہ اختیار نامی کتاب میں ہے۔ اور عورتوں کے پیچھے ہونے کی صورت میں مردوں کو آگے آگے چلنے کا حکم اس لئے ہے کہ اس میں اختلاط ہونے کا اندیشہ ہے۔ (شامی/۳/۱۳۷)

جنازہ میں عورتوں کی شرکت

جنازہ میں عورتوں کی شرکت کرنا اور جنازہ کے ساتھ چلنا مکروہ ہے اور مردہ پر نوحہ کرنے والی عورتوں کو ڈانٹ ڈپٹ کیا جائے گا، لیکن نوحہ کرنے والی عورتوں کی وجہ سے قبرستان جانا ترک نہیں کیا جائے گا۔ (ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازے میں عورتوں کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: کیا تم جنازہ اٹھانے والوں کے ساتھ جنازہ اٹھاؤ گی، یا قبر میں جنازہ اُتارنے والوں کے ساتھ مردے کو قبر میں اتارو گی؟ یا نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو گی؟ تو عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کاموں میں سے ہم کوئی کام نہیں کریں گے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ پھر تم یہاں سے جاؤ، یہ تمہارے لئے گناہ کا کام ہے ثواب کا نہیں۔ اور نوحہ کرنے والیوں کو دیکھ کر جنازہ کے ساتھ چلنا اس لئے ترک نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ایک بدعت کے کام کی وجہ سے کسی سنت کو نہیں چھوڑا جا سکتا، اس لئے کہ اگر اس بدعت کی وجہ سے قبرستان جانا چھوڑ دیا جائے گا تو پھر تدفین کا عمل کس طرح انجام پائے گا۔ (شامی/۳/۱۳۷)

جنازہ سے دور دور چلنا

جنازہ سے دور ہٹ کر دائیں بائیں نہ چلیں البتہ اگر کوئی جنازہ کے آگے ہو کر چلے تو یہ جائز ہے اور اس میں بھی فضیلت ہے، لیکن اگر جنازے سے دور ہو گیا یا سارے لوگ جنازے سے آگے بڑھ گئے اور آگے آگے سوار ہو کر چلنے لگے تو یہ مکروہ ہے، جس طرح جنازہ کے آگے بلند آواز سے ذکر اللہ کرتے ہوئے چلنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے چلنا مکروہ ہے، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔

قبر کہاں اور کس طرح کھودی جائے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مردہ کی قبر اس کے مکان کے علاوہ جگہ میں کھودی جائے، قبر کی گہرائی نصف قامت کے برابر ہو، پس اگر گہرائی اس سے زیادہ کی گئی ہے تو بہت بہتر بات ہے البتہ قبر کی گہرائی نصف قامت سے کم نہ ہو۔ اور قبر لحدی یعنی بغلی بنائی جائے، صرف گڈھے کی طرح سیدھی نہ کھودی جائے، جس کو اصطلاح میں "شق" کہتے ہیں، ہاں اگر اس جگہ کی مٹی نرم ہو، لحدی قبر نہ بن سکتی ہو اور اگر لحدی قبر بنادی جائے اور اس کے دھنس جانے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں سیدھی قبر گڈھے کی طرح کھودی جاسکتی ہے۔ (ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لحد ہمارے لئے ہے اور شق غیروں کے لئے ہے")۔ قبر میں گدا رکھنا جائز نہیں ہے، اس بارے میں حضرت علیؓ سے جو روایت منقول ہے وہ مشہور نہیں ہے، اس لئے اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے۔

میت کو بوقت ضرورت تابوت میں رکھ کر دفن کرنا

فرماتے ہیں کہ ضرورت کے وقت تابوت بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ وہ تابوت پتھر کا ہو یا لوہے کا، مثلاً وہاں کی زمین نرم اور گیلی ہے تو تابوت بنا کر اس میں مردہ کو رکھ کر دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ تابوت میں مٹی بچھادی جائے اور دائیں بائیں ہلکی کچی اینٹ کھڑی کردی جائے اور اوپر والے حصہ میں بھی مٹی لپیٹ دی جائے، تاکہ چاروں طرف مٹی ہوجائے اور بلا ضرورت صندوق یا تابوت میں رکھ کر میت کو دفن کرنا مکروہ ہے)۔ (شامی/۳/۱۴۰)

مَاتَ فِي سَفِينَةٍ غُسِّلَ وَكُفِّنَ وَصُلِّيَ عَلَيْهِ وَأُلْقِيَ فِي الْبَحْرِ إِنْ لَمْ يَكُنْ قَرِيبًا مِنَ الْبَرِّ وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُدْفَنَ الْمَيِّتُ فِي الدَّارِ وَلَوْ كَانَ صَغِيرًا لِاخْتِصَاصِ هٰذِهِ السُّنَّةِ بِالْأَنْبِيَاءِ. وَاقِعَاتٌ. وَ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُدْخَلَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ بِأَنْ يُوضَعَ مِنْ جِهَتِهَا ثُمَّ يُحْمَلَ فَيُلْحَدَ وَ أَنْ يَقُولَ وَاضِعُهُ : بِسْمِ اللّٰهِ ، وَبِاللّٰهِ ، وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُوَجَّهَ إِلَيْهَا وُجُوبًا، وَيَنْبَغِي كَوْنُهُ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ وَلَا يُنْبَشُ لِيُوَجَّهَ إِلَيْهَا وَتُحَلُّ الْعُقْدَةُ لِلِاسْتِغْنَاءِ عَنْهَا وَيُسَوَّى اللَّبِنُ وَالْقَصَبُ لَا الْآجُرُّ الْمَطْبُوخُ وَالْخَشَبُ لَوْ حَوْلَهُ ، أَمَّا فَوْقَهُ فَلَا يُكْرَهُ ابْنُ مَالِكٍ. **فَائِدَةٌ:** عَدَدُ لَبِنَاتِ لَحْدِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ تِسْعٌ، بَهْنَسِيٌّ. وَجَازَ ذٰلِكَ حَوْلَهُ بِأَرْضٍ رَخْوَةٍ كَالتَّابُوتِ وَيُسَجَّى أَيْ يُغَطَّى قَبْرُهَا وَلَوْ خُنْثَى لَا قَبْرُهُ إِلَّا لِعُذْرٍ

كَمَطَرٍ وَيُهَالُ التُّرَابُ عَلَيْهِ ، وَتُكْرَهُ الزِّيَادَةُ عَلَيْهِ مِنَ التُّرَابِ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْبِنَاءِ وَيُسْتَحَبُّ حَثْيُهُ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ ثَلَاثًا، وَجُلُوسُ سَاعَةٍ بَعْدَ دَفْنِهِ لِدُعَاءٍ وَقِرَاءَةٍ بِقَدْرِ مَا يُنْحَرُ الْجَزُوْرُ وَيُفَرَّقُ لَحْمُهُ. (وَلَا بَأْسَ بِرَشِّ الْمَاءِ عَلَيْهِ) حِفْظًا لِتُرَابِهِ عَنْ الِانْدِرَاسِ وَلَا يُرَبَّعُ لِلنَّهْيِ وَيُسَنَّمُ نَدْبًا. وَفِي الظَّهِيرِيَّةِ وُجُوبًا قَدْرَ شِبْرٍ وَلَا يُجَصَّصُ لِلنَّهْيِ عَنْهُ وَلَا يُطَيَّنُ ، وَلَا يُرْفَعُ عَلَيْهِ بِنَاءٌ. وَقِيلَ : لَا بَأْسَ بِهِ ، وَهُوَ الْمُخْتَارُ كَمَا فِي كَرَاهَةِ السِّرَاجِيَّةِ. وَفِي جَنَائِزِهَا: لَا بَأْسَ بِالْكِتَابَةِ إِنْ أُحْتِيجَ إِلَيْهَا حَتَّى لَا يَذْهَبَ الْأَثَرُ وَلَا يُمْتَهَنَ وَلَا يُخْرَجُ مِنْهُ بَعْدَ إِهَالَةِ التُّرَابِ إِلَّا لِحَقِّ آدَمِيٍّ كَـ أَنْ تَكُونَ الْأَرْضُ مَغْصُوبَةً أَوْ أُخِذَتْ بِشُفْعَةٍ وَيُخَيَّرُ الْمَالِكُ بَيْنَ إِخْرَاجِهِ وَمُسَاوَاتِهِ بِالْأَرْضِ كَمَا جَازَ زَرْعُهُ وَالْبِنَاءُ عَلَيْهِ إِذَا بَلِيَ وَصَارَ تُرَابًا. زَيْلَعِيٌّ. حَامِلٌ مَاتَتْ وَوَلَدُهَا حَيٌّ يَضْطَرِبُ شُقَّ بَطْنُهَا مِنَ الْأَيْسَرِ وَيُخْرَجُ وَلَدُهَا وَلَوْ بِالْعَكْسِ وَخِيفَ عَلَى الْأُمِّ قُطِعَ وَأُخْرِجَ وَلَوْ مَيِّتًا وَإِلَّا لَا كَمَا فِي كَرَاهَةِ الِاخْتِيَارِ. وَلَوْ بَلَعَ مَالَ غَيْرِهِ وَمَاتَ هَلْ يُشَقُّ قَوْلَانِ: وَالْأَوْلَى نَعَمْ، فَتْح.

اگر کوئی آدمی کشتی میں مرجائے تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص کشتی میں مرجائے یا پانی کے جہاز میں مرجائے تو اس کو غسل دیا جائے گا اور کفنایا بھی جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے، اور اگر کشتی خشکی کے قریب نہ ہو اور میت کو دفن کرنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ اس میت کو سمندر میں ڈال دیا جائے گا۔ اور میت کو گھر میں دفن کرنا مناسب نہیں ہے، خواہ میت بچہ ہی کی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ میت کو گھر میں دفن کرنا حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے، انبیاء کے علاوہ لوگوں کے لئے حکم یہ ہے کہ ان کو مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کیا جائے۔ كذا في الواقعات.

مسئلہ : بعض لوگ بانی مدرسہ کو مدرسہ ہی میں دفن کر دیتے ہیں، یا مسجد کے واقف کو مسجد ہی میں دفن کر دیتے ہیں یہ طریقہ ناجائز ہے، یہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے، اگر کوئی گھر میں دفن کرنے کی وصیت بھی کرے تو اس پر عمل کرنا جائز نہ ہوگا۔ (شامی/۳/۱۴۰)

میت کو قبر میں کس طرف سے داخل کیا جائے؟

مستحب یہ ہے کہ میت کو قبر میں قبلہ کی طرف سے داخل کیا جائے، یعنی قبلہ کی جانب سے جنازہ کو رکھا جائے پھر میت

کو اٹھا کر ادھر ہی سے لحد میں داخل کیا جائے۔ اور قبر میں میت کو اتارنے والے کے لئے یہ دعاء پڑھنا مسنون ہے بِسْمِ اللهِ وَبِاللهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللهِ (ﷺ)۔ اور میت کا رخ قبلہ کی طرف کر دیا جائے اور اس طرح کرنا واجب ہے۔ (لیکن علامہ شامیؒ نے تحفہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ میت کو قبلہ کی طرف کرنا صرف سنت ہے)۔

اور بہتر یہ ہے کہ میت کو قبر میں دائیں کروٹ پر لٹایا جائے، لیکن اگر میت کو قبلہ رخ قبر میں نہیں رکھا تھا اور قبر بند کر دی گئی تو صرف قبلہ رخ کرنے کے لئے قبر نہیں کھودی جائے گی۔ اور مردہ کو قبر میں رکھنے کے بعد اس کے کفن کی گرہیں کھول دی جائیں، اس لئے کہ اب وہاں کپڑے کھلنے اور بکھرنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے اور اس کے بعد قبر کو کچی اینٹوں اور نرکل سے بند کر دی جائے، قبر میں پختہ اینٹیں اور لکڑیاں نہ لگائی جائیں یعنی قبر کے اندر اردگرد تختے نہ لگائیں، البتہ اوپر تختہ لگانا تو یہ مکروہ نہیں ہے، اس کو ابن ملک نے ذکر کیا ہے۔

لحدِ نبویؐ میں کچی اینٹوں کی تعداد

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لحد مبارک میں کتنی کچی اینٹیں تھیں؟ تو اس بارے میں بیہقی نے ذکر کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لحد مبارک میں نو کچی اینٹیں لگائی گئی تھیں، ماقبل میں بیان کیا گیا کہ قبر میں نرکل اور پختہ اینٹیں نہ لگائی جائیں، تو اب مصنف فرماتے ہیں کہ اگر زمین نرم ہو، قبر دھنس جانے کا خطرہ ہو تو مردہ کے اردگرد پکی اینٹیں اور تختے بھی لگانے درست ہیں، جس طرح کہ بوقت ضرورت میت کو تابوت میں رکھ کر دفن کرنا بھی جائز ہے۔

عورت کے جنازہ کو قبر میں اتارتے وقت پردہ کرنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عورت کو قبر میں اتارتے وقت قبر پر پردہ کرنا چاہیے اگر چہ وہ خنثیٰ ہی کیوں نہ ہو، جب قبر بند ہو جائے تو پردہ ہٹا لیا جائے، لیکن مرد کی قبر پر پردہ نہیں کیا جائے گا ہاں اگر معقول عذر ہو مثلاً بارش ہو رہی ہو تو بارش سے بچنے کے لئے پردہ کیا جا سکتا ہے۔

قبر میں مٹی ڈالنا اور اس کی مسنون دعاء

مردہ کو قبر میں رکھنے اور قبر یا لحد بند کرنے کے بعد اس پر مٹی ڈالی جائے گی اور جتنی مٹی قبر کھودنے سے نکلی ہے اس سے زائد مٹی ڈالنا مکروہ ہے، اس لئے کہ زائد مٹی ڈالنا عمارت بنانے کے حکم میں ہے۔ (اور زیادہ مٹی کا ڈالنا جو مکروہ بتایا گیا ہے اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے)۔

اور مستحب یہ ہے کہ مردہ کے سرہانے کی طرف سے تین مٹھی مٹی ڈالی جائے، (اس لئے کہ ابن ماجہ شریف میں حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کی قبر کے پاس آئے اور تین مٹھی مٹی لے کر اس کے سرہانے کی طرف سے اس پر ڈالی، جب پہلی مٹھی مٹی کی ڈالی تو آپ نے یہ پڑھا: مِنْهَا خَلَقْنٰكُم، دوسری مٹھی مٹی کی ڈالی تو پھر یہ پڑھا: وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ. اور تیسری مٹھی مٹی کی ڈالی تو پھر یہ پڑھا: وَمِنْهَا نُخْرِجُكُم تَارَةً اُخْرىٰ. ابن ماجہ شریف میں اسی طرح کی روایت منقول ہے)۔ (شامی/۳/۱۴۳)

دفن سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دیر دعائے مغفرت کیلئے رکنا مستحب ہے

اور جب مردہ کو دفن کر کے فارغ ہو جائے تو ایک ساعت اس کی قبر پر دعائے مغفرت اور قرأت قرآن کیلئے رکنا مستحب ہے۔ اور ایک ساعت اتنا وقت ہے کہ اونٹ ذبح ہو کر گوشت لوگوں میں تقسیم ہو جائے۔ (حدیث شریف میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میت کے دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو آپ قبر پر کھڑے ہو جاتے اور فرماتے کہ تم لوگ اپنے بھائی کی مغفرت اور ثابت قدم رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرو، اس لئے کہ ابھی اس سے قبر میں سوال ہوگا اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ دفن میت کے بعد قبر پر سورہ بقرہ کا شروع اور اخیر حصہ پڑھنا مستحب جانتے تھے)۔ (شامی/۳/۱۴۳)

قبر پر پانی چھڑکنا

دفن میت کے بعد قبر پر پانی چھڑکنے میں شرعی اعتبار سے کوئی حرج نہیں ہے بلکہ قبر پر پانی چھڑک دیا جائے تاکہ اس کی مٹی اڑنے نہ پائے، بلکہ جم جائے اور محفوظ رہے۔ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی قبر اور اپنے فرزند حضرت ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکوایا تھا جیسا کہ ابوداؤد نے اپنے مراسیل میں بیان کیا ہے۔ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر پر بھی پانی چھڑکنے کا حکم فرمایا تھا)۔ (شامی/۳/۱۴۳)

قبر چوکور نہ بنائی جائے بلکہ کوہان نما بنائی جائے

قبر چوکور نہ بنائی جائے اس لئے کہ اس طرح بنانے کی حدیث میں ممانعت آئی ہے بلکہ مستحب یہ ہے کہ قبر کوہان نما بنائی جائے۔ اور فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ قبر کو کوہان نما بنانا اور ایک بالشت اونچی کرنا واجب ہے۔ (حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو چوکور بنانے اور اس کو پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے قبر کوہان نما اور ایک بالشت اونچی ہونی چاہیے اسی کے قائل ابوسفیان ثوریؒ فقیہ ابواللیثؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور علمائے کرامؒ میں صرف حضرت امام

شافعیؒ علیہ فرماتے ہیں کہ قبر کو چوکور بنانا افضل ہے)۔ (شامی/۳/۱۴۳)

قبر کو پختہ بنانے کی ممانعت

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قبر پختہ نہ بنائی جائے اس لئے کہ پختہ قبر بنانے کی ممانعت آئی ہے قبر کو لیپا پوتا نہ جائے اور نہ ہی قبر پر کوئی عمارت بنائی جائے اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے یہی قول مختار ہے جیسا کہ فتاویٰ سراجیہ کے باب الکراہیہ میں ہے۔ (لیکن محقق قول یہ ہے کہ قبر پر عمارت بنانا جائز نہیں ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں وضاحت کے ساتھ منع کیا گیا ہے، چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''قبروں کو پختہ نہ بنایا جائے، اس پر کچھ نہ لکھا جائے اور نہ اس پر کوئی عمارت بنائی جائے)۔ (ترمذی شریف حدیث نمبر/۱۰۵۲)

قبروں پر لکھنا

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ فتاویٰ سراجیہ کے باب الجنائز میں لکھا ہے اگر قبر پر لکھنے کی ضرورت پیش آئے بایں طور کہ قبر کا نشان مٹ نہ جائے اور وہ پامال نہ ہو جائے تو اس صورت میں لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (اس لئے کہ ابوداؤد شریف میں سند جید کے ساتھ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا پتھر لیا اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کے سرہانے رکھدیا اور آپ نے فرمایا کہ میں نے ایسا اس لئے کیا کہ تا کہ اپنے بھائی کی قبر کو جان سکوں اور میرے خاندان والوں میں جو انتقال ہو اس کو یہاں دفن کر سکوں۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ قبر پر بطور علامت کوئی شئی رکھنا یا اس پر بوقت ضرورت لکھنا جائز ہے، لیکن بہر حال قبر پر نہ لکھنا ہی بہتر ہے)۔ (شامی/۳/۱۴۴)

دفن کرنے کے بعد قبر سے مردے کو نکالنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب میت کو قبر میں ڈال کر اس پر مٹی ڈال دی جائے تو پھر اس کو قبر سے نکالا نہیں جائے گا، ہاں اگر اس میں کسی آدمی کا حق ہو، مثلاً زمین غصب کردہ ہو اور اس میں دفن کر دیا گیا ہو اور مالک زمین اس میں میت کا دفن رہنا پسند نہ کرے، یا جس زمین میں دفن کیا گیا ہو اس کو کسی نے حق شفعہ میں لے لیا ہو اور وہ یہ نہیں چاہتا ہو کہ میت اس زمین میں مدفون رہے تو ایسے وقت قبر کھود کر مردہ کو نکال کر دوسری جگہ دفن کیا جائے گا۔

مالک زمین کو مردہ نکالنے اور زمین کو برابر کرنے کا اختیار دیا جائے گا، یعنی زمین کا مالک، زمین کے اندر اور باہر دونوں حصوں کا برابر حق رکھتا ہے کہ مردہ کو زمین میں ہی رہنے دے اور اوپر سے زمین ہموار کر دے اور اگر چاہے تو مردہ کو اندر بھی نہ

رہنے دے بلکہ باہر نکال دے۔

قبر پر عمارت بنانا اور اس پر کاشتکاری کرنا

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس طرح یہ جائز ہے کہ جب مردہ پرانا ہو کر مٹی ہو جائے تو قبر کی زمین میں کاشتکاری کی جائے یا اس پر عمارت بنائی جائے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ زیلعی میں ہے۔

اگر حاملہ مردہ عورت کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی حاملہ عورت انتقال کرگئی اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہے جو حرکت کر رہا ہے تو ایسی صورت میں مردہ عورت کا پیٹ بائیں طرف سے آپریشن کر کے اس کا بچہ نکال لیا جائے گا، اور اگر مسئلہ کی صورت برعکس ہو یعنی عورت زندہ ہو اور بچہ پیٹ میں مرگیا ہو اور اس کی وجہ سے ماں کو موت کا خطرہ ہو تو بچہ کو کاٹ کر ماں کے پیٹ سے نکالنا جائز ہے۔ اور اگر پیٹ کا بچہ زندہ ہو تو اس کو کاٹ کر نہیں نکالا جائے گا اس لئے کہ اس صورت میں ماں کے مرنے کا صرف وہم ہے اور محض وہم کی وجہ سے بچہ کا قتل کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ اختیار نامی کتاب کے باب الکراہیۃ میں ہے۔

اگر کوئی شخص کسی غیر کا مال نگل کر مر جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص کسی غیر کے مال کو نگل کر مر جائے تو آیا مال کو نکالنے کے لئے اس کا پیٹ چاک کیا جائے گا یا نہیں؟ تو یاد رکھنا چاہیے کہ اس بارے میں دو قول ہیں۔ اور اولیٰ یہ ہے کہ اس صورت میں پیٹ چاک کر کے مال نکالا جائے گا۔ (لیکن اگر مال بلا قصد پیٹ میں چلا گیا یا اپنا مال نگل کر مر گیا تو پیٹ نہیں چیرا جائے گا۔ اسی طرح اگر دوسرے کا مال نگل کر مرا اور اس کے پاس ضمان ادا کرنے کے لئے مال ہے تب بھی نہیں چیرا جائے گا)۔ (شامی/۳/۱۴۵)

فُرُوعٌ: اَلِاتِّبَاعُ أَفْضَلُ مِنَ النَّوَافِلِ لَوْ لِقَرَابَةٍ أَوْ جِوَارٍ أَوْ فِيهِ صَلَاحٌ مَعْرُوفٌ. يُنْدَبُ دَفْنُهُ فِي جِهَةِ مَوْتِهِ وَتَعْجِيلُهُ وَسَتْرُ مَوْضِعِ غُسْلِهِ فَلَا يَرَاهُ إِلَّا غَاسِلُهُ وَمَنْ يُعِينُهُ، وَإِنْ رَأَى بِهِ مَا يُكْرَهُ لَمْ يَجُزْ ذِكْرُهُ، لِحَدِيثِ "اُذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوا عَنْ مَسَاوِيهِمْ". وَلَا بَأْسَ بِنَقْلِهِ قَبْلَ دَفْنِهِ وَبِالْإِعْلَامِ بِمَوْتِهِ وَبِإِرْثَائِهِ بِشِعْرٍ أَوْ غَيْرِهِ، لَكِنْ يُكْرَهُ الْإِفْرَاطُ فِي مَدْحِهِ لَا سِيَّمَا عِنْدَ جِنَازَتِهِ، لِحَدِيثِ "مَنْ تَعَزَّى بِعَزَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ". وَبِتَعْزِيَةِ أَهْلِهِ وَتَرْغِيبِهِمْ فِي الصَّبْرِ وَبِاتِّخَاذِ طَعَامٍ لَهُمْ، وَبِالْجُلُوسِ لَهَا فِي غَيْرِ مَسْجِدٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَأَوَّلُهَا أَفْضَلُ. وَتُكْرَهُ بَعْدَهَا

إلَّا لِغَائِبٍ. وَتُكْرَهُ التَّعْزِيَةُ ثَانِيًا ، وَعِنْدَ الْقَبْرِ ، وَعِنْدَ بَابِ الدَّارِ، وَيَقُولُ: عَظَّمَ اللّٰهُ أَجْرَكَ ، وَأَحْسَنَ عَزَاءَكَ ، وَغَفَرَ لِمَيِّتِكَ، وَبِزِيَارَةِ الْقُبُورِ وَلَوْ لِلنِّسَاءِ لِحَدِيثِ "كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ، أَلَا فَزُورُوهَا". وَيَقُولُ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ، وَيَقْرَأُ يس، وَفِي الْحَدِيثِ "مَنْ قَرَأَ الْإِخْلَاصَ أَحَدَ عَشَرَ مَرَّةً ثُمَّ وَهَبَ أَجْرَهَا لِلْأَمْوَاتِ أُعْطِيَ مِنَ الْأَجْرِ بِعَدَدِ الْأَمْوَاتِ". وَيَحْفِرُ قَبْرًا لِنَفْسِهِ ، وَقِيلَ يُكْرَهُ ؛ وَالَّذِي يَنْبَغِي أَنْ لَا يُكْرَهَ تَهْيِئَةُ نَحْوِ الْكَفَنِ بِخِلَافِ الْقَبْرِ. يُكْرَهُ الْمَشْيُ فِي طَرِيقٍ ظَنَّ أَنَّهُ مُحْدَثٌ حَتَّى إِذَا لَمْ يَصِلْ إِلَى قَبْرِهِ إِلَّا بِوَطْءِ قَبْرٍ تَرَكَهُ. لَا يُكْرَهُ الدَّفْنُ لَيْلًا وَلَا إِجْلَاسُ الْقَارِئِينَ عِنْدَ الْقَبْرِ وَهُوَ الْمُخْتَارُ. عَظْمُ الذِّمِّيِّ مُحْتَرَمٌ. إِنَّمَا يُعَذَّبُ الْمَيِّتُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ إِذَا أَوْصَى بِذٰلِكَ. كُتِبَ عَلَى جَبْهَةِ الْمَيِّتِ أَوْ عِمَامَتِهِ أَوْ كَفَنِهِ عَهْد نَامَهْ يُرْجَى أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لِلْمَيِّتِ . أَوْصَى بَعْضُهُمْ أَنْ يُكْتَبَ فِي جَبْهَتِهِ وَصَدْرِهِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ - فَفُعِلَ ثُمَّ رُئِيَ فِي الْمَنَامِ فَسُئِلَ فَقَالَ: لَمَّا وُضِعْتُ فِي الْقَبْرِ جَاءَتْنِي مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ ، فَلَمَّا رَأَوْا مَكْتُوبًا عَلَى جَبْهَتِي بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ قَالُوا: أَمِنْتَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ.

شارح علیہ الرحمہ کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نفل نماز پڑھنے سے افضل جنازے کے پیچھے پیچھے چلنا ہے اگر مرنے والے کے ساتھ قرابت ہو یا پڑوسی ہو، یا وہ نہایت نیک اور سعادت مند ہو۔ (نفل نماز سے بہتر اس لئے ہے کہ اس میں ثواب زیادہ ہے اور اس میں حسن سلوک بھی ہے)۔

جس جگہ انتقال ہو اس جگہ کے قبرستان میں دفن کرنا

مستحب یہ ہے کہ آدمی کا انتقال جس جگہ ہو، اسی جگہ کے قبرستان میں اس کو دفن کیا جائے۔ (وہاں سے کسی دوسرے مقام پر میت کو منتقل نہ کیا جائے، البتہ ایک دو میل کی مقدار جنازہ کو منتقل کرنے میں شرعی اعتبار سے کوئی مضائقہ نہیں ہے، جیسا کہ شرح المنیہ میں ہے۔ (شامی/۳/۱۴۶)

اور یہ بھی مستحب ہے کہ میت کی تجہیز و تکفین میں جلدی کی جائے، اور جس جگہ اس کو غسل دیا جائے وہاں پر پردہ کیا جائے، تاکہ غسل دلانے والوں اور ان کے معین و مددگار کے علاوہ کوئی اور نہ دیکھے۔ اور غاسل مردہ میں کوئی ناگوار بات دیکھے تو اس

کولوگوں میں بیان نہ کرے اس لئے کہ میت کے عیوب کولوگوں کے سامنے بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے مردوں کی خوبیوں کو بیان کیا کرو۔ اور تم ان کی برائیوں کے بیان کرنے سے باز رہو۔

میت کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کرنا

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میت کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر دفن سے پہلے منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (اور میت کے دفن کرنے کے بعد متفقہ طور پر منتقل کرنا جائز نہیں ہے اور دفن سے پہلے منتقل کرنا بعضوں کے نزدیک درست ہے خواہ کتنا ہی دور منتقل کیا جائے۔ اور بعض علماء کرام نے فرمایا کہ میت کو مدت سفر سے کم مسافت منتقل کرنا جائز ہے۔ اور مدت مسافت شرعی سے زیادہ دور منتقل کرنا مکروہ ہے۔ حضرت امام محمدؒ نے ایک دو میل کی قید لگائی ہے کہ اتنے فاصلہ پر منتقل کرنا درست ہے اور اس سے زیادہ منتقل کرنا مکروہ ہے)۔ (شامی/۳/۱۳۶)

کسی کی موت کا اعلان کرنا

فرماتے ہیں کہ مرنے والے کی موت کی اطلاع دوسرے لوگوں کو دینے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ دوسرے لوگوں کو موت کی خبر دی جاسکتی ہے تاکہ دوسرے لوگ تجہیز و تکفین میں شریک ہوں اور میت کا حق ادا کریں۔ (بعض علماء نے فرمایا کہ کسی کی موت کا اعلان گلی کوچوں اور بازاروں میں کرنا مکروہ ہے، لیکن اصح قول کے مطابق مکروہ نہیں ہے)۔ اور مرنے والے کی شان میں مرثیہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے، خواہ یہ مرثیہ اشعار میں ہو، یا غیر اشعار میں، لیکن میت کی تعریف میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے، خاص طور پر جنازہ کے پاس رہ کر تعریف میں مبالغہ کرنا۔ اور یہ کراہت اس وجہ سے ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص زمانہ جاہلیت کی طرح واویلا مچائے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

مرنے والے کے گھر والوں کی تعزیت کرنا

مرنے والے کے گھر والوں کی تعزیت کرنا، انہیں تسلی دینا اور موت پر صبر کی تلقین کرنا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ تعزیت کرنا مستحب ہے۔ اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنے بھائی کو کسی مصیبت میں صبر دلایا اللہ تعالیٰ کل قیامت کے دن اس کو کرامت و شرافت کا لباس پہنائے گا، نیز آپؐ نے فرمایا کہ جو کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کرے گا تو اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس مصیبت پر صبر کرنے والے کو ثواب ملے گا۔ (شامی/۳/۱۴۷)

میت کے گھر والوں کو کھانا دینا

جس گھر میں موت ہو جائے اس گھر والوں کیلئے کھانا پکوا کر بھجوانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(اور ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں لکھا ہے کہ میت کے پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے لئے مستحب ہے کہ میت کے گھر والوں کے لئے اس قدر کھانا پکوائیں اور ان کے پاس بھجوائیں کہ وہ دو شام شکم سیر ہو کر کھا سکیں حدیث شریف میں ہے کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جعفر کے متعلقین کے لئے کھانا تیار کریں)۔

تیجہ چالیسواں کرنے کا شرعی حکم

کسی کی موت کے بعد ہمارے معاشرے میں جو قرآن خوانی کا رواج ہے اور اس پر قرآن پڑھنے والوں کے لئے جو اجرت دینے کا رواج ہے وہ سب کے سب ناجائز اور حرام ہیں۔اس پر میت کو کوئی ثواب نہیں ملتا ہے اسی طرح کسی کی موت کے تیسرے دن کھانا کھلانے کا یا چالیسویں دن کا کھانا کھلانے کا جو رسم ورواج ہے وہ سب کے سب بدعت ہیں اس سے بچنا چاہیے۔علامہ شامیؒ نے ان خرافات ورسومات سے بہت سختی سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ یہ سب سمعہ اور ریاکاری ہے اس لئے کلی اجتناب کرنا چاہیے۔ (شامی/۳/۱۴۸)

کسی کی موت پر سوگ منانا

مسجد کے علاوہ دوسری جگہوں میں سوگ کے لئے تین دن کے لئے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور جس دن آدمی کا انتقال ہوا اس دن تعزیت کرنا افضل ہے، اس لئے کہ اس دن اہل خانہ کو شدید غم اور تکلیف ہوتی ہے اور تین دن کے بعد تعزیت کرنا مکروہ ہے البتہ جو موجود نہ ہوں بلکہ تین دن کے بعد آئے ہوں، یا موت کی اطلاع دیر سے ملی تو تین دن کے بعد بھی تعزیت کرنا جائز ہے اس صورت میں کوئی کراہت نہیں ہے۔اور ایک مرتبہ تعزیت کرنے کے بعد دوبارہ تعزیت کرنا مکروہ ہے اور قبر کے پاس بھی تعزیت کرنا مکروہ ہے اسی طرح گھر کے دروازہ پر تعزیت کرنا مکروہ ہے اور تعزیت کرتے وقت کہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اجر وثواب میں زیادتی کرے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرنے والے کی مغفرت فرمائے۔

قبروں کی زیارت کرنے کا شرعی حکم

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قبروں کی زیارت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس حدیث کی وجہ سے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کو قبروں کی زیارت کرنے سے منع فرمایا تھا لیکن اب سن لو کہ قبروں کی زیارت کیا کرو۔ (بعض علماء کرام نے عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت کو حرام لکھا ہے علامہ خیرالدین رملی فرماتے ہیں کہ اگر عورتیں قبروں کی زیارت اس لئے کریں تاکہ غم تازہ ہو اور قبروں پر جا کر رونا پیٹنا کریں تو ان کے لئے زیارت ممنوع اور باعثِ لعنت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ اللہ تعالی قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت بھیجتا ہے اسی قسم کی عورتوں کے متعلق علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر عورتیں بوڑھی ہوں اور قبروں پر اس لئے جائیں تاکہ عبرت حاصل ہو، یا قبروں کی زیارت کا مقصد تبرک حاصل کرنا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر جوان ہوں تو مکروہ ہے)۔ (شامی/۲/۱۵۱)

لیکن احقر کی ناقص رائے یہ ہے کہ اس دور میں مزارات پر جو برائیاں دیکھنے میں آتی ہیں اور مرد و زن کا جو اختلاط ہوتا ہے اور آپس میں ایک دوسرے سے مس ہوتا ہے جو شرعاً حرام ہے اس کے پیشِ نظر عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت کے لئے جانا ناجائز اور حرام خاص طور پر اس وقت جب کہ زیارت کا مقصد اہل قبور سے مدد طلب کرنا یا اولاد مانگنا ہو۔

قبرستان میں جاکر کیا پڑھے

زیارت کرنے والا جب قبرستان جائے تو اہل قبور کو ان الفاظ سے سلام کرے: السَّلامُ عَلَيكُم دارَ قَومٍ مُؤمِنين، وإنَّا إن شاءَ اللّٰهُ بِكُم لاحقون. اور وہاں پہنچ کر سورہ یٰسین کی تلاوت کرے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر مردوں کو بخش دے گا تو مردوں کی گنتی کے برابر اس شخص کو ثواب ملے گا۔

زندگی میں ہی اپنے لئے قبر کھود کر رکھنے کا حکم

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اپنے واسطے زندگی ہی میں قبر کھود کر رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور بعض علماء نے اس کو مکروہ لکھا ہے اور اصول کے مطابق بات یہ ہے کہ کفن وغیرہ زندگی ہی میں تیار کرانے میں کوئی کراہت نہیں ہے، البتہ زندگی میں قبر تیار کرانے میں کراہت ہے۔ (اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ کسی کو یہ معلوم نہیں ہے کہ کہاں مرے گا لہٰذا متعین جگہ میں قبر کھود کر تیار رکھنا نص کے خلاف ہوگا۔ لیکن علامہ طحطاوی نے لکھا ہے کہ قبر کھود کر تیار رکھنا نصِ قرآنی کے خلاف نہیں ہے، اس لئے کہ اس قبر سے کسی نہ کسی کو ضرور فائدہ ہوگا، اگر یہ قبر اس کے کام نہ آئے گی تو کسی اور کے کام آئے گی)۔

قبرستان کو گذرگاہ بنانا

قبرستان میں ایسے راستے سے چلنا جس کے متعلق خیال ہو کہ یہ راستہ نیا ہے مکروہ ہے، اگر کسی قبر کے پاس کسی دوسری قبر کے روندے بغیر نہیں پہنچ سکتا ہے تو اس قبر کے پاس جانا چھوڑ دے۔ (فتح القدیر میں ہے کہ قبر پر بیٹھنا اور قبر کو روندنا جائز نہیں، ہے اسی قبر کے پاس سونا، قضائے حاجت کرنا سب مکروہ ہیں، اس لئے کہ یہ سب چیزیں ثابت بالسنہ نہیں ہیں۔ (شامی/۳/۱۵۴)

رات میں دفن کرنے اور قبر کے پاس قرآن پڑھوانے کا شرعی حکم

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ رات میں مردہ دفن کرنا مکروہ نہیں ہے۔ (البتہ دن میں دفن کرنا مستحب ہے، جیسا کہ شرح المنیہ میں ہے)۔ اور قرآن پڑھنے والوں کو قبر کے پاس بیٹھنا مکروہ نہیں ہے، اس بارے میں یہی قول مختار اور پسندیدہ ہے۔ (اور نور الایضاح میں لکھا ہے کہ قبر کے پاس اس لئے تلاوت کرانا تاکہ نہایت سکون واطمینان حاصل ہو، غور وفکر کرے اور عبرت حاصل کرے مکروہ نہیں)۔ (شامی/۳/۱۵۶)

ذمی میت کی ہڈی کا حکم اور رونے سے عذاب میت کو کب ہوتا ہے؟

ذمی کافر کی ہڈی محترم ہے، لہٰذا اگر قبر میں اس کی ہڈی ملے تو اس کو توڑا نہ جائے اور نہ اس کی توہین کی جائے۔ اور مردے کو جس طرح اس کی زندگی میں تکلیف پہنچانا حرام ہے مرنے کے بعد بھی حرام ہے البتہ کافروں کی ہڈیوں کو اگر قبر سے نکالنے کی ضرورت پیش آجائے تو اس کی اجازت ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (شامی/۳/۱۵۶)

اور میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے جب کہ میت نے اپنے مرنے کے بعد رونے کی وصیت کی ہو۔ (اور اگر میت نے رونے کی وصیت نہ کی ہو، پھر بھی گھر والے روتے ہوں تو پھر عذاب نہ ہوگا۔ اور حدیث شریف میں جو یہ آیا ہے کہ میت کو اس کے گھر والوں کی رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے وہ اسی صورت پر محمول ہے جب کہ میت نے رونے کی وصیت کی ہو)۔

عہد نامہ لکھنے کا حکم

اگر میت کی پیشانی یا اس کے عمامہ یا اس کے کفن میں عہد نامہ لکھا گیا ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کی مغفرت فرمادیں گے۔ (عہد نامہ کے کلمات درحقیقت دعاء ہوتے ہیں، اور بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو

عہد ہوا ہے اس کا ذکر ہوتا ہے اس کے لکھنے کے متعلق بعض علماء نے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے کہ قرآن کریم کی آیات یا اسمائے الٰہی کو کفن وغیرہ پر نہ لکھا جائے، چناں چہ فتح القدیر میں ہے کہ قرآنی آیات یا اسمائے الٰہی کو روپے سکوں پر لکھنا مکروہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفن پر لکھنا بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا، کیونکہ میت کے پھٹنے کے بعد نجاست میں ملوث ہونے کا خطرہ ہے۔ علامہ شامیؒ نے اس علت کو ممنوع قرار دیا ہے اور یہاں مقصد تبرک ہے اور اسمائے الٰہی کی عظمت اپنی جگہ باقی ہے)۔ (شامی/۲/۱۵۶)

میت کی پیشانی یا سینے پر بسم اللہ لکھنا

کسی نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میری پیشانی اور سینے پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم لکھ دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، چنانچہ بعد میں اس شخص کو کسی نے خواب میں دیکھا اور معلوم کیا کہ تیرے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ اس نے فرمایا کہ جب میں قبر میں رکھا گیا تو میرے پاس عذاب کے فرشتے آئے جب انھوں نے میری پیشانی پر ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھا ہوا دیکھا تو فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ ہوگیا۔ (یہ لکھنا صرف انگلی پھیر کر ہوگا روشنائی سے نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ یہ محض ایک خواب ہے اور غیر نبی کا خواب ہے، اس لئے یہ کوئی شرعی دلیل نہیں بن سکتی ہے)۔ (واللہ اعلم)

باب الشهيد

شہید فی سبیل اللہ کی فضیلت وحقیقت احادیث مبارکہ میں بے شمار آئی ہے اور اس کے عام مردوں کے مقابلہ میں کچھ احکام ومسائل الگ ہیں، اس لئے صاحبِ کتاب باقاعدہ اس کے لئے باب منعقد فرمارہے، تاکہ شہداءِ اسلام کی اہمیت بھی لوگوں کے قلوب میں جاگزیں رہے۔

فَعِيلٌ بِمَعْنَى مَفْعُولٍ لِأَنَّهُ مَشْهُودٌ لَهُ بِالْجَنَّةِ أَوْ فَاعِلٌ لِأَنَّهُ حَيٌّ عِنْدَ رَبِّهِ فَهُوَ شَاهِدٌ. هُوَ كُلُّ مُكَلَّفٍ مُسْلِمٍ طَاهِرٍ فَالْحَائِضُ إِنْ رَأَتْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ غُسِّلَتْ وَإِلَّا لَا لِعَدَمِ كَوْنِهَا حَائِضًا وَلَمْ يُعَدْ عَلَيْهِ السَّلَامُ غُسْلَ حَنْظَلَةَ لِحُصُولِهِ بِفِعْلِ الْمَلَائِكَةِ ، بِدَلِيلِ قِصَّةِ آدَمَ قُتِلَ ظُلْمًا) بِغَيْرِ حَقٍّ بِجَارِحَةٍ أَيْ بِمَا يُوجِبُ الْقِصَاصَ وَلَمْ يَجِبْ بِنَفْسِ الْقَتْلِ مَالٌ بَلْ قِصَاصٌ ، حَتَّى لَوْ وَجَبَ الْمَالُ بِعَارِضٍ كَالصُّلْحِ أَوْ قَتَلَ الْأَبُ ابْنَهُ لَا تَسْقُطُ الشَّهَادَةُ وَلَمْ يُرْتَثَّ فَلَوْ ارْتُثَّ غُسِّلَ كَمَا سَيَجِيءُ وَكَذَا يَكُونُ شَهِيدًا لَوْ قَتَلَهُ بَاغٍ أَوْ حَرْبِيٌّ أَوْ قَاطِعُ طَرِيقٍ وَلَوْ تَسَبُّبًا أَوْ بِغَيْرِ آلَةٍ جَارِحَةٍ فَإِنَّ مَقْتُولَهُمْ شَهِيدٌ بِأَيِّ آلَةٍ قَتَلُوهُ ، لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهِ شُهَدَاءُ أُحُدٍ وَلَمْ يَكُنْ كُلُّهُمْ قَتِيلَ سِلَاحٍ أَوْ وُجِدَ جَرِيحًا مَيِّتًا فِي مَعْرَكَتِهِمْ الْمُرَادُ بِالْجِرَاحَةِ عَلَامَةُ الْقَتْلِ ؛ كَخُرُوجِ الدَّمِ مِنْ عَيْنِهِ أَوْ مِنْ أُذُنِهِ أَوْ حَلْقِهِ صَافِيًا ، لَا مِنْ أَنْفِهِ أَوْ ذَكَرِهِ أَوْ دُبُرِهِ أَوْ حَلْقِهِ جَامِدًا.

شہید فی سبیل اللہ کی تعریف

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "شَہِید" فعیل کے وزن پر ہے مگر شہید، اسم مفعول **مشہود** کے معنی میں ہے، اس لئے کہ شہید کے واسطے جنت سامنے لے آئی جاتی ہے۔ یا پھر شہید، اسم فاعل **شاھد** کے معنی میں ہے اس لئے کہ شہید اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کے پاس زندہ ہوتا ہے اور اپنے رب کے پاس حاضر ہونے والا ہوتا ہے۔

یہاں جس شہید کا حکم بیان کیا جارہا ہے اس سے مراد ہر وہ عاقل وبالغ، پاک مسلمان ہے جو ظلماً، ناحق قتل کیا گیا ہو۔ (اور یہاں شہید کی یہ تعریف ان احکام کے پیش نظر کی گئی ہے جو آگے بیان ہوں گے ورنہ تو مطلق شہید کی تعریف نہیں ہے)

پس اگر حیض والی عورت مسلسل تین روز تک خون آتے ہوئے دیکھا اس کے بعد وہ ظلماً ماری گئی تو اس کو غسل دیا جائے گا ورنہ اس کو غسل نہیں دیا جائے گا، اس لئے کہ جب مسلسل تین روز تک خون نہیں آیا تو وہ حیض کا خون شمار ہی نہیں ہوگا۔ (بلکہ وہ استحاضہ کا خون قرار پائے گا اور مستحاضہ عورت طاہرہ کے حکم میں ہے)۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسل نہ دینے کی وجہ

یہاں ایک **سوال** پیدا ہوتا ہے کہ جب ناپاک شخص شہید ہو جائے تو اس کو غسل دیا جائے گا تو پھر حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں نہیں غسل دلوایا؟

اس کا **جواب** یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حنظلہ کو دوبارہ اس وجہ سے غسل نہیں دیا کیونکہ ان کو فرشتوں نے غسل دیدیا تھا اور ایسا ہوتا ہے، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے ہی غسل دیا تھا۔ (حضرت حنظلہ صحابی رسول ہیں، جب ان سے پانی کے قطرات ٹپکتے دیکھے گئے تو دریافت کے بعد ان کی بیوی نے بتایا کہ یہ جلدی میں جنابت کی حالت میں جہاد میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو فرشتوں نے غسل دیدیا ہے لہٰذا الگ سے غسل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ (شامی/۳/۱۵۸)

شہادت میں قصاص کی شرط

شریعت کی اصطلاح میں شَہِید وہ عاقل بالغ پاک مسلمان ہے جو ظلماً ناحق کسی دھاردار چیز سے قتل کیا گیا ہو اور وہ موجب قصاص ہو، اور نفس قتل سے مال واجب نہ ہو، بلکہ قصاص واجب ہو۔ (جیسے تلوار، چاقو، چھری، وغیرہ سے قتل کیا گیا ہو)۔ اور اگر لاٹھی وغیرہ سے مارا گیا ہوگا تو قصاص واجب نہ ہوگا۔ اور اگر کسی عارضی وجہ سے مال واجب ہوا ہو، مثال کے طور پر صلح کی وجہ سے مال واجب ہوا ہو، تو اس کی شہادت ساقط نہ ہوگی، یا باپ اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو یہاں بھی نفس قتل کی وجہ سے قصاص ہی واجب ہے، مگر باپ ہونے کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے گا، ان دونوں صورتوں میں شہادت ساقط نہ ہوگی، بلکہ مقتول شہید کہلائے گا اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

شہید کو غسل نہ دینے کی شرط

شہید کو غسل نہ دینے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ زخمی ہونے کے بعد وہ زندہ نہ رہا ہو، لہٰذا اگر زخمی ہونے کے بعد زندہ رہا ہوگا تو غسل دیا جائے گا، جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آنے والی ہے۔

جن صورتوں میں مقتول شہید کہلاتا ہے

اگر کسی شخص کو باغی نے قتل کردیا، یا کسی کافر حربی نے قتل کردیا، یا ڈاکوں نے مار ڈالا، اگرچہ انہوں نے کسی سبب سے قتل کیا ہو، کسی غیر دھاردار چیز سے کیوں نہ قتل کیا ہو، چنانچہ مقتول اگر زندہ نہ رہا بلکہ مرگیا تو وہ شہید ہوگا خواہ کسی بھی آلہ سے اس کو قتل کیا گیا ہو، اس لئے کہ اصل میں شہید تو غزوہ احد کے شہداء میں اور یہ بات بھی عیاں ہے کہ سب کے سب ہتھیار سے نہیں قتل کیے گئے تھے۔

میدان کارزار کے زخمی کا حکم

وہ شخص بھی شہید ہوگا، جو میدان جنگ میں مردہ یا زخمی پایا گیا ہو، شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ زخمی سے مراد یہ ہے کہ اس پر قتل کے نشانات پائے جائیں، خواہ اس کے ظاہر میں نشانات ہوں یہ نہ ہوں مثال کے طور پر اس کی آنکھ، یا کان یا حلق سے صاف خون کا نکلنا، لیکن اگر اس کی ناک میں یا عضو تناسل یا پائخانہ کے راستہ یا حلق سے جما ہوا خون نکلے تو یہ قتل کی علامت نہیں ہے۔ (علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلی جگہ جامدًا یعنی جما ہوا خون کہنا چاہیے اور دوسری جگہ صافیاً یعنی صاف خون کہنا چاہیے)۔ (شامی/۳/۱۶۱)

فَيُنزَعُ عَنْهُ مَا لَا يَصْلُحُ لِلْكَفَنِ ، وَيُزَادُ إِنْ نَقَصَ مَا عَلَيْهِ عَنْ كَفَنِ السُّنَّةِ وَيُنقَصُ إِنْ زَادَ لِـ أَجْلِ أَنْ يَتِمَّ كَفَنُهُ الْمَسْنُونُ وَيُصَلَّى عَلَيْهِ بِلَا غُسْلٍ وَيُدْفَنُ بِدَمِهِ وَثِيَابِهِ لِحَدِيثِ: "زَمِّلُوهُمْ بِكُلُومِهِمْ". وَيُغَسَّلُ مَنْ وُجِدَ قَتِيلًا فِي مِصْرٍ أَوْ قَرْيَةٍ فِيمَا أَيْ فِي مَوْضِعٍ يَجِبُ فِيهِ الدِّيَةُ وَلَوْ فِي بَيْتِ الْمَالِ كَالْمَقْتُولِ فِي جَامِعٍ أَوْ شَارِعٍ وَلَمْ يُعْلَمْ قَاتِلُهُ أَوْ عُلِمَ وَلَمْ يَجِبْ الْقِصَاصُ ، فَإِنْ وَجَبَ كَانَ شَهِيدًا كَمَنْ قَتَلَهُ اللُّصُوصُ لَيْلًا فِي الْمِصْرِ فَإِنَّهُ لَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَةَ فِيهِ لِلْعِلْمِ بِأَنَّ قَاتِلَهُ اللُّصُوصُ ، غَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّ عَيْنَهُ لَمْ تُعْلَمْ فَلْيُحْفَظْ ، فَإِنَّ النَّاسَ عَنْهُ غَافِلُونَ أَوْ قُتِلَ بِحَدٍّ أَوْ قِصَاصٍ أَيْ يُغَسَّلُ وَكَذَا بِتَعْزِيرٍ أَوْ افْتِرَاسِ سَبُعٍ. أَوْ جُرِحَ وَارْتُثَّ وَذَلِكَ بِأَنْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ أَوْ نَامَ أَوْ تَدَاوَى وَلَوْ قَلِيلًا أَوْ أَوَى خَيْمَةً أَوْ مَضَى عَلَيْهِ وَقْتُ صَلَاةٍ وَهُوَ يَعْقِلُ وَيَقْدِرُ عَلَى أَدَائِهَا أَوْ نُقِلَ مِنْ مَعْرَكَةٍ وَهُوَ يَعْقِلُ ، سَوَاءٌ وَصَلَ حَيًّا أَوْ مَاتَ عَلَى الْأَيْدِي، وَكَذَا لَوْ قَامَ مِنْ مَكَانِهِ إِلَى مَكَانٍ آخَرَ. بَدَائِعُ. لَا لِخَوْفِ وَطْءِ الْخَيْلِ أَوْ أَوْصَى بِأُمُورِ الدُّنْيَا ، وَإِنْ بِأُمُورِ الْآخِرَةِ لَا يَصِيرُ مُرْتَثًّا عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْأَصَحُّ

جَوْهَرَةٌ. لِأَنَّهُ مِنْ أَحْكَامِ الْأَمْوَاتِ أَوْ بَاعَ أَوْ اشْتَرَى أَوْ تَكَلَّمَ بِكَلَامٍ كَثِيرٍ وَإِلَّا فَلَا ، وَهَذَا كُلُّهُ إِذَا كَانَ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْحَرْبِ وَلَوْ فِيهَا أَيْ فِي الْحَرْبِ لَا يَصِيرُ مُرْتَثًّا بِشَيْءٍ مِمَّا ذُكِرَ وَكُلُّ ذَلِكَ فِي الشَّهِيدِ الْكَامِلِ ، وَإِلَّا فَالْمُرْتَثُّ شَهِيدُ الْآخِرَةِ، وَكَذَا الْجُنُبُ وَنَحْوُهُ ، وَمَنْ قَصَدَ الْعَدُوَّ فَأَصَابَ نَفْسَهُ، وَالْغَرِيقُ وَالْحَرِيقُ وَالْغَرِيبُ وَالْمَهْدُومُ عَلَيْهِ وَالْمَبْطُونُ وَالْمَطْعُونُ وَالنُّفَسَاءُ وَالْمَيِّتُ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ وَصَاحِبُ ذَاتِ الْجَنْبِ وَمَنْ مَاتَ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ ، وَقَدْ عَدَّهُمُ السُّيُوطِيُّ نَحْوَ الثَّلَاثِينَ.

شہید کی تجہیز و تکفین

اگر شہید کے جسم پر ایسی چیز ہو جو کفن کے لائق نہ ہو تو اس کو اتار لی جائے گی اور اگر شہید کے بدن پر مسنون کفن کی مقدار سے کم کپڑے ہوں تو مزید کفن دیئے جائیں گے اور لباس میں جو کپڑا کفن مسنون سے زیادہ ہوگا، وہ کم کر دیا جائے گا اور یہ کمی وزیادتی اس لئے کی جائے گی تا کہ مسنون کفن پورا ہو جائے۔ (مقتول کے جسم پر جو پوستین، موزہ، ٹوپی زرہ اور ہتھیار وغیرہ ہوگا سب کو اُتار لیا جائے گا)۔

شہید پر نمازِ جنازہ پڑھنا

مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص شہید ہو جائے اس کی نماز جنازہ بغیر غسل دیئے پڑھی جائے گی، اور شہید کو اس کے خون آلود کپڑوں میں دفن کر دیا جائے گا، اس لئے کی رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شہیدوں کو ان کے کپڑوں میں زخموں کے ساتھ لپیٹو، آپ علیہ السلام کا یہ ارشاد غزوۂ اُحد کے شہداء کے بارے میں تھا، لیکن یہ حکم عام ہے اور تمام شہداء کا یہی حکم ہے۔

دیت بیت المال سے ادا کرنا

اگر کوئی شخص شہر یا گاؤں میں مقتول پایا گیا، جس میں دیت واجب ہوتی ہے خواہ دیت بیت المال ہی سے کیوں نہ واجب ہو، اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو سکے، یا قاتل کا علم تو ہو جائے لیکن اس قتل کی وجہ سے قصاص واجب نہ ہوتا ہو تو ایسی صورت میں اس مقتول کو غسل دیا جائے گا۔ اور بیت المال سے دیت واجب ہونے کی شکل یہ ہے کہ مثال کے طور پر کوئی شخص جامع مسجد میں یا شاہراہ پر مقتول پایا گیا تو اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ اور اگر قاتل کا علم ہو اور اس قتل کی وجہ سے قصاص واجب ہوتا ہو تو وہ مقتول شہید کہلائے گا۔

اگر کسی شخص کو شہر میں چوروں نے رات کے وقت قتل کر دیا اور اس کا قاتل معلوم ہے اور اس کی وجہ سے دیت بھی واجب ہوئی بھی وہ شہید ہی کہلائے گا لیکن اس صورت میں محلہ والوں پر نہ قسامت ہے نہ دیت، اس لئے کہ یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ اس کے قاتل چور ہیں، زیادہ سے زیادہ چوروں کا نام معلوم نہیں ہے اس لئے یہ مقتول شہید ہی ہوگا، لہٰذا اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح محفوظ کرلو! لوگ اس سے غافل ہیں۔

کس کو غسل دیا جائے گا اور کس کو غسل نہیں دیا جائے گا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو بھی غسل دیا جائے گا جس کو حد میں یا قصاص میں قتل کیا گیا ہو، اسی طرح اس کو بھی غسل دیا جائے گا جس کو تعزیر میں قتل کیا گیا یا اس کو کسی درندے نے پھاڑ ڈالا، یا وہ زخمی ہوا اور زندہ رہا اور زندہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ زخم لگنے کے بعد اس شخص نے کھانا کھایا ہو، یا پانی پیا ہو، یا سویا ہو، یا علاج و معالجہ کیا ہو خواہ یہ سب امور نہایت مختصر کیوں نہ ہوں، یا زخم لگنے کے بعد کسی خیمے میں پناہ لی ہو، یا زخم لگنے کے بعد سے اس پر ایک وقت کی نماز کا وقت گذر چکا ہے اور عقل و ہوش رکھتا ہے اور نماز ادا کرنے پر قادر بھی ہے یا زخم لگنے کے بعد میدان جنگ سے ہوش کی حالت میں اٹھایا گیا ہو، خواہ وہ زندہ خیمہ تک پہنچا ہو، یا لاتے ہوئے راستہ میں دم توڑ دیا ہو، اسی طرح اگر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ گیا ہو تو مذکورہ بالا تمام صورتوں میں اس کو غسل دیا جائے گا، جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے۔

لیکن اگر کسی شخص کو زخم لگنے کے بعد میدان جنگ سے اس خوف سے اٹھالیا گیا کہ کہیں گھوڑوں کے ٹاپوں سے میدان میں روندا نہ جائے، تو اس صورت میں اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

زخم لگنے کے بعد وصیت کرنے کا حکم

اگر میدانِ جنگ میں زخم لگنے کے بعد دنیاوی امور سے متعلق وصیت کی تو وہ زندہ شمار ہوگا اور اس کے مرنے کے بعد اس کو غسل دیا جائے گا۔ اور اگر اس نے آخرت کے متعلق وصیت کی ہو تو اس صورت میں وہ زندہ شمار نہ ہوگا اور مرنے کے بعد غسل نہیں دیا جائے گا۔ اور یہ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ قدوری کی شرح جوھرۃ النیرہ میں ہے، اس لئے کہ امور آخرت سے متعلق وصیت کرنا اموات کے احکام میں سے ہے، اسی طرح اگر زخم لگنے کے بعد اس نے خرید و فروخت کی ہو، یا بہت زیادہ بات چیت کی ہو، تو اس صورت میں بھی وہ زندہ شمار ہوگا اور اس کو غسل دیا جائے گا اور اگر زخم لگنے کے بعد بہت زیادہ بات چیت نہ کی ہو تو وہ زندہ شمار نہ ہوگا اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا، بلکہ بغیر غسل کے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔

میدان کارزار میں علامت زندگی کا اعتبار نہیں

اور مذکورہ بالا باتیں جن کی وجہ سے شہادت ناقص ہوتی ہے اس وقت ہے جب کہ لڑائی ختم ہو چکی ہو، اور اگر دوران جنگ مذکورہ باتیں پیش آئی ہوں تو اس صورت میں وہ زندہ شمار نہ ہوگا اور شہید کامل شمار ہوگا اور غسل دیئے بغیر جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی۔

شہید کامل اور شہید آخرت

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اوپر جو شرطیں بیان کی گئی ہیں وہ تمام شرطیں شہید کامل کے لئے ہیں جو دنیا اور آخرت دونوں اعتبار سے عند اللہ شہید ہیں، ورنہ حقیقت میں جو شخص زخم لگنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے وہ بھی آخرت کے اعتبار سے شہید ہی ہوتا ہے، اور اس کو شہادت کا ثواب ملتا ہے گو وہ دنیاوی احکام کے اعتبار سے شہید نہیں کہلاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص جنابت کی حالت میں، یا اسی کی مانند کسی اور حالت میں قتل کر دیا جائے وہ آخرت کے اعتبار سے شہید ہی ہے اور عند اللہ آخرت میں اس کو شہادت کا ثواب ملے گا۔

شہید آخرت کی تعداد

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس نے کسی دشمن کو مارنے کا قصد کیا اور اس کی طرف گولی چلائی لیکن وہ گولی خود اسی کو لگ گئی، تو یہ آخرت کے اعتبار سے شہید ہوگا، اسی طرح جو شخص کسی سمندر میں ڈوب کر مرے، یا آگ میں جل کر مرے، یا سفر کی حالت میں انتقال ہو، یا کسی مکان کے نیچے دب کر مرے، یا پیٹ کی بیماری سے مرے، یا طاعون کی وباء کی وجہ سے مرے، یا عورت نفاس کی حالت میں مرے۔ (یعنی ولادت کے وقت) یا جمعہ کی رات میں انتقال کرے، یا جوذات الجنب کی بیماری میں مرے، یا طلبِ علم کی حالت میں مرے، خواہ پڑھ رہا ہو یا پڑھا رہا ہو، خواہ تصنیف و تالیف میں مشغول ہو۔ مذکورہ بالا تمام اشخاص شہیدِ آخرت ہیں اور انہیں قیامت کے روز شہادت کا ثواب ملے گا۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے شہیدِ آخرت کی تعداد تقریباً تیس بتائی ہے۔ واللہ اعلم

علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے نزدیک شہداءِ آخرت کی تعداد

علامہ سیوطیؒ کے نزدیک شہداءِ آخرت کی تعداد تیس ہے جو انہوں نے اپنی کتاب میں تفصیل سے بیان کی ہے جو یہاں

درج کیا جاتا ہے:

(۱) پیٹ کی بیماری میں مرنے والا

(۲) سمندر میں ڈوب کر مرنے والا

(۳) کسی مکان کے نیچے دب کر مرنے والا

(۴) ذات الجنب کی بیماری میں مرنے والا

(۵) پیٹ میں حمل کی وجہ سے مرنے والی عورت

(۶) سل کی بیماری سے مرنے والا

(۷) حالتِ سفر میں مرنے والا

(۸) مرگی سے مرنے والا

(۹) بخار میں مرنے والا

(۱۰) اپنے گھر کی حفاظت کرتے ہوئے مرنے والا

(۱۱) مال کی حفاظت کرتے ہوئے مرنے والا

(۱۲) جان کی حفاظت کرتے ہوئے مرنے والا

(۱۳) ظلم سے مرنے والا

(۱۴) عشق میں مرنے والا، بشرطیکہ پارسا ہو اور عشق چھپا کر رکھا ہو

(۱۵) گلے میں پانی اٹک کر مرنے والا

(۱۶) درندہ نے پھاڑ کر مار ڈالا ہو

(۱۷) بادشاہ نے ظلماً مارا اور وہ مر گیا

(۱۸) جس کو بادشاہ نے زبردستی پٹوایا ہو

(۱۹) بادشاہ کے خوف سے چھپتا پھرتا ہو اور اسی حالت میں مر گیا

(۲۰) جو سانپ بچھو کے ڈسنے سے مرا ہو

(۲۱) جو علم شرعی کے طلب کرتے ہوئے مرا ہو

(۲۲) جو ثواب کی نیت سے اذان دیتے ہوئے مرا ہو

(۲۳) جو سوداگر سچ بولتا ہو اور اس کا انتقال ہو گیا

(۲۴) جو حلال کمائی سے اہل وعیال کو پالتا ہو اور ماتحتوں کو حکم الٰہی سناتا ہو اور مر گیا ہو

(۲۵) جس کی موت جہاز میں متلی اور قئے کی وجہ سے واقع ہوئی ہو

(۲۶) جس عورت نے غیرت پر قائم رہ کر صبر کیا اور مر گئی

(۲۷) جو شخص روزآنہ پچیس مرتبہ یہ کلمہ پڑھتا ہو: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِي فِي الْمَوْتِ وَفِيْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ.

(۲۸) جو شخص پابندی سے چاشت پڑھتا ہو، ہر ماہ تین روزہ رکھتا ہو اور وتر ترک نہ کرتا ہو

(۲۹) جو شخص امت کے فساد کے وقت سنت نبوی پر قائم رہتا ہو

(۳۰) جو شخص اپنے مرض الموت میں چار بار لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ پڑھتا ہو اور اس کا انتقال ہو جائے۔ (شامی/۳/۱۶۵)

باب الصلوٰة فی الكعبة

اس باب میں کعبہ کے اندر اور داخل کعبہ نماز پڑھنے کا بیان کریں گے، چوں کہ اس میں اختلاف ہے کہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی اجازت ہے یا نہیں ہے اور شرعی اعتبار سے جائز ہے یا نہیں؟ اس باب کو قائم فرمایا ہے۔

فِي الْبَابِ زِيَادَةٌ عَلَى التَّرْجَمَةِ وَهُوَ حَسَنٌ. يَصِحُّ فَرْضٌ وَنَفْلٌ فِيهَا وَفَوْقَهَا وَلَوْ بِلَا سُتْرَةٍ لِأَنَّ الْقِبْلَةَ عِنْدَنَا هِيَ الْعَرْصَةُ وَالْهَوَاءُ إِلَى عَنَانِ السَّمَاءِ وَإِنْ كُرِهَ الثَّانِي لِلنَّهْيِ، وَتَرْكِ التَّعْظِيمِ مُنْفَرِدًا أَوْ جَمَاعَةً ، وَإِنْ وَصْلِيَّةٌ اخْتَلَفَتْ وُجُوهُهُمْ فِي التَّوَجُّهِ إِلَى الْكَعْبَةِ إِلَّا إِذَا جَعَلَ قَفَاهُ إِلَى وَجْهِ إِمَامِهِ فَلَا يَصِحُّ اقْتِدَاؤُهُ لِتَقَدُّمِهِ عَلَيْهِ وَيُكْرَهُ جَعْلُ وَجْهِهِ لِوَجْهِهِ بِلَا حَائِلٍ وَلَوْ لِجَنْبِهِ لَمْ يُكْرَهْ فَهِيَ أَرْبَعٌ. وَيَصِحُّ لَوْ تَحَلَّقُوا حَوْلَهَا ، وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ أَقْرَبَ إِلَيْهَا مِنْ إِمَامِهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ جَانِبَهُ لِتَأَخُّرِهِ حُكْمًا ؛ وَلَوْ وَقَفَ مُسَامِتًا لِرُكْنٍ فِي جَانِبِ الْإِمَامِ وَكَانَ أَقْرَبَ لَمْ أَرَهُ ، وَيَنْبَغِي الْفَسَادُ احْتِيَاطًا. لِتَرْجِيحِ جِهَةِ الْإِمَامِ ، وَهَذِهِ صُورَتُهُ:

إمام مقتدی

وَكَذَا لَوْ اقْتَدَوْا مِنْ خَارِجِهَا بِإِمَامٍ فِيهَا ، وَالْبَابُ مَفْتُوحٌ صَحَّ لِأَنَّهُ كَقِيَامِهِ فِي الْمِحْرَابِ.

زمین سے آسمان تک قبلہ ہے

اس باب میں عنوان کے مقابلہ میں مضمون زیادہ ہے اور یہ اچھی بات ہے کہ عنوان سے زیادہ مضمون بیان کیا جائے، اس باب میں کعبہ کے ارد گرد اور کعبہ کے اوپر نماز پڑھنے کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کعبہ کے اندر اور اس کے اوپر فرض نماز اور نفل نماز دونوں جائز ہیں، خواہ سترہ موجود نہ ہو، اس لئے کی ہمارے نزدیک قبلہ میدان سے لے کر آسمان تک کی فضا ہے۔ (اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک فرض نماز داخل کعبہ درست نہیں ہے، اس لئے کہ کعبہ کے اندر جب کسی ایک طرف پشت کرے گا تو دوسری طرف اس کی پشت ہوگی اور وہ جہت بھی قبلہ ہی ہوگی اور احناف فرماتے ہیں کہ کعبہ میں کسی بھی حصہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا فرض ہے، لہٰذا دوسری طرف پشت ہونے سے

کوئی فرق نہیں پڑتا ہے)۔

کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے کا شرعی حکم

خانہ کعبہ کی چھت پر نماز ادا کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے اور کعبہ کی چھت پر نماز ادا کرنا تعظیم کعبہ کے بھی خلاف ہے۔ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے:

(۱) اونٹ بیٹھنے کی جگہ

(۲) قبرستان

(۳) کوڑا کی جگہ

(۴) عام سڑک پر

(۵) جانور کے ذبح کرنے کی جگہ

(۶) خانہ کعبہ کی چھت پر

(۷) غسل خانہ کے اندر

لہٰذا ان مذکورہ جگہوں میں نماز ادا کرنا مکروہ ہوگی، مذکورہ سات جگہوں کی نشاندہی علامہ شامی نے کی ہے)۔
(شامی/۳/۱۶۷)

کعبہ کے اندر منفرد اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کعبہ کے اندر تنہا بھی اور جماعت کے ساتھ بھی نماز درست ہے اگر چہ جماعت سے نماز پڑھنے کی صورت میں مقتدیوں کے چہرے کعبہ کی مختلف سمت ہوں، البتہ اگر مقتدیوں کی پشت امام کے چہرے کی طرف ہو جائے تو اس صورت میں نماز نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس صورت میں مقتدیوں کا امام سے آگے ہونا لازم آئے گا۔

اور مقتدیوں کے لئے مکروہ ہے کہ اپنا چہرا امام کے چہرے کی طرف کرلیں اور امام مقتدی کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو، اس لئے کہ یہ صورت پرستی کے مشابہ ہو جائے گی، البتہ اگر امام و مقتدی کے درمیان کوئی شئی حائل ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے۔

اسی طرح اگر مقتدی اپنا چہرہ امام کے پہلو کی طرف کرے گا تو بھی مکروہ نہیں ہے، پس یہ کل چار صورتیں ہوئیں: (۱) مقتدی کا چہرہ امام کے چہرے کی طرف ہو، یہ صورت مکروہ ہے۔ (۲) مقتدی کا چہرہ امام کے پہلو کی طرف ہو، یہ صورت بلا کراہت جائز ہے۔ (۳) مقتدی کا چہرہ امام کی پشت کی طرف ہو، یہ بھی بلا کراہت درست ہے۔ (۴) مقتدی کی پشت

امام کے چہرہ کی طرف ہو، یہ صورت جائز نہیں ہے۔

کعبہ کے چاروں طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا بیان

اگر لوگ کعبہ کی چاروں طرف حلقہ بنا کر نماز ادا کریں تو بھی جائز ہے، اگر چہ مقتدیوں میں سے کچھ مقتدی امام کے اعتبار سے کعبہ سے زیادہ قریب ہوں، بشرطیکہ امام کی سمت میں زیادہ قریب نہ ہوں، اور کعبہ سے قریب والوں کی نماز اس لئے درست ہے کہ وہ حکماً امام کے پیچھے ہی سمجھے جائیں گے۔ اور اگر کوئی مقتدی اس کونے کی سیدھ میں ہو جو امام کی جانب میں ہے اور امام کی بہ نسبت وہ کعبہ سے زیادہ قریب ہے، تو شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کا حکم میں نے صراحتاً کہیں نہیں دیکھا ہے۔ اور احتیاط کا پہلو اپناتے ہوئے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی کی نماز فاسد ہو جانی چاہیے، اس لئے کہ امام کی جہت راجح ہوتی ہے۔ اور اس کا نقشہ درج ذیل ہے :
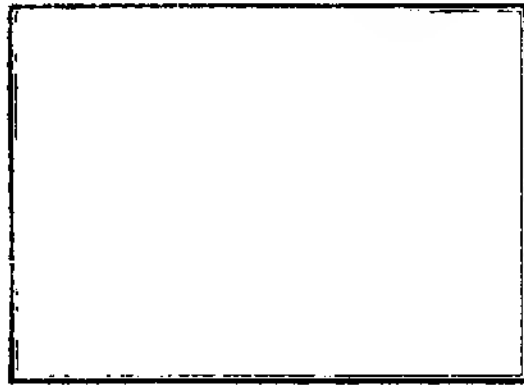
امام کعبہ کے اندر ہو اور مقتدی کعبہ سے باہر تو کیا حکم ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح اگر کعبہ کے باہر رہ کر اس امام کی اقتداء کرے جو کعبہ کے اندر نماز پڑھ رہا ہے اور کعبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے تو اس طرح سے اقتداء درست ہے اور یہ ایسا ہو گیا گویا امام محراب کے اندر کھڑا ہے اور مقتدی حضرات محراب کے باہر ہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے امام اور مقتدی دونوں کی نماز ہو جاتی ہے۔ اور دروازہ کھلے رہنے کی قید اس لئے لگائی گئی ہے تا کہ امام کا حال معلوم ہوتا رہے کہ امام کب رکوع میں گیا، کب سجدہ میں گیا، اگر دروازہ بند ہو اور امام کے احوال معلوم ہوتے رہے ہیں تو بھی اقتداء درست ہے فقط واللہ اعلم

ابو حماد غلام رسول منظور القاسمی پہرادی

خادم الافتاء والحدیث النبوی بجامعۃ القرآن والسنۃ الخیریہ بجنور

كتاب الزكوٰة

زکوٰۃ دین اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم ترین رکن ہے جن پانچ مسنونوں پر اسلام کی عظیم الشان حسین عمارت کھڑی ہے ان میں سے ایک ستون زکوٰۃ ہے، زکوٰۃ نماز کے بعد ایک اہم اسلامی فریضہ ہے جو ہر عاقل و بالغ، آزاد مسلمان پر جو صاحبِ نصاب ہو فرض ہے، تو چوں کہ اس کا درجہ نماز کے بعد ہے اس لئے صاحبِ کتاب نے کتاب الزکوٰۃ کو کتاب الصلوٰۃ کے بعد ذکر کیا ہے الغرض "الأهم فالأهم" کے پیش نظر کتاب الزکوٰۃ کو مؤخر کیا ہے۔ یا صرف خالص عبادتِ بدنیہ کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اب خالص عبادت مالیہ کا ذکر کرنے جا رہے ہیں۔

قَرَنَهَا بِالصَّلَاةِ فِي اثْنَيْنِ وَثَمَانِينَ مَوْضِعًا فِي التَّنْزِيلِ دَلِيلٌ عَلَى كَمَالِ الِاتِّصَالِ بَيْنَهُمَا. وَفُرِضَتْ فِي السَّنَةِ الثَّانِيَةِ قَبْلَ فَرْضِ رَمَضَانَ، وَلَا تَجِبُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ إِجْمَاعًا. هِيَ لُغَةً الطَّهَارَةُ وَالنَّمَاءُ، وَشَرْعًا تَمْلِيكُ خَرَجَ الْإِبَاحَةُ، فَلَوْ أَطْعَمَ يَتِيمًا نَاوِيًا الزَّكَاةَ لَا يَجْزِيهِ إِلَّا إِذَا دَفَعَ إِلَيْهِ الْمَطْعُومَ كَمَا لَوْ كَسَاهُ بِشَرْطِ أَنْ يَعْقِلَ الْقَبْضَ إِلَّا إِذَا حَكَمَ عَلَيْهِ بِنَفَقَتِهِمْ جُزْءُ مَالٍ خَرَجَ الْمَنْفَعَةُ، فَلَوْ أَسْكَنَ فَقِيرًا دَارَهُ سَنَةً نَاوِيًا لَا يَجْزِيهِ عَيَّنَهُ الشَّارِعُ وَهُوَ رُبُعُ عُشْرِ نِصَابٍ حَوْلِيٍّ خَرَجَ النَّافِلَةُ وَالْفِطْرَةُ مِنْ مُسْلِمٍ فَقِيرٍ وَلَوْ مَعْتُوهًا غَيْرِ هَاشِمِيٍّ وَلَا مَوْلَاهُ أَيْ مُعْتَقِهِ، وَهَذَا مَعْنَى قَوْلِ الْكَنْزِ تَمْلِيكُ الْمَالِ: أَيْ الْمَعْهُودِ إِخْرَاجُهُ شَرْعًا مَعَ قَطْعِ الْمَنْفَعَةِ عَنِ الْمُمَلِّكِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ فَلَا يُدْفَعُ لِأَصْلِهِ وَفَرْعِهِ (لِلّٰهِ تَعَالَى) بَيَانٌ لِاشْتِرَاطِ النِّيَّةِ.

کتاب الصلوٰۃ کے بعد کتاب الزکوٰۃ لانے کی وجہ

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں زکوٰۃ کا بیان نماز سے متصل بیاسی جگہوں میں ہے اور نماز سے متصل اتنے مقامات پر زکوٰۃ کا ذکر کرنا کمال اتصال کی دلیل ہے یعنی زکوٰۃ اور نماز کے درمیان گہرا ربط ہے اسی لئے نماز کے ساتھ۔ ساتھ زکوٰۃ کا بھی حکم آیا ہے۔

(علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ شارح علیہ الرحمہ کا یہ کہنا ہے کہ زکوٰۃ کا حکم قرآن میں بیاسی جگہ آیا ہے، صحیح نہیں ہے نماز

کے ساتھ زکوۃ کا ذکر قرآن میں صرف بتیس جگہ آیا ہے، ہمارے استاذ محترم نے اس کو شمار کیا ہے)۔ (شامی/۳/۱۷۰)

زکوۃ کب فرض ہوئی؟

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ زکوۃ رمضان کے روزے کے فرض ہونے سے پہلے دوسری ہجری میں فرض ہوئی تھی۔ (لیکن صاحب مظاہر حق جدید فرماتے ہیں کہ زکوۃ کی فرضیت کے بارے میں اگرچہ علماء کے یہاں اختلافی اقوال ہیں، مگر صحیح قول یہ ہے کہ زکوۃ کی فرضیت کا حکم ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ ہی میں نازل ہو گیا تھا، مگر اس حکم کا نفاذ مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد دوسرے سال رمضان کی پہلی تاریخ کو ہوا ہے، گویا زکوۃ یکم رمضان ۲ھ میں فرض قرار دی گئی اور اس کا اعلان کیا گیا ہے)۔ (مظاہر حق جدید/ج:۲/ص:۴۸۳)

زکوۃ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فرض نہیں ہوتی ہے

یہ متفق علیہ اور اجماعی مسئلہ ہے کہ زکوۃ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر فرض اور واجب نہیں ہے۔ (اور حضرات علمائے کرام نے عدم وجوب کی وجہ یہ لکھی ہے کہ زکوۃ در حقیقت زکوۃ ادا کرنے والے کے حق میں گناہوں سے پاکیزگی اور طہارت کا ذریعہ ہے اور حضرات انبیاء گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اسلئے ان پر زکوۃ فرض نہیں ہوتی ہے)۔ (شامی/۳/۱۷۰)
جس طرح سابقہ تمام امتوں پر نماز فرض تھی اسی طرح امت محمدیہ سے پہلے تمام امت پر زکوۃ فرض تھی، ہاں زکوۃ کی مقدار اور مال کی تحدید میں اختلاف ضرور رہا ہے۔

زکوۃ کے لغوی و شرعی معنی

زکوۃ کے معنی لغت میں: ''طہارت'' اور ''بڑھنے'' کے ہیں۔ نیز زکوۃ کے لغوی معنی برکت کے بھی ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے زکت البقعة، بقعہ میں برکت ہوئی، اور اس کے معنی تعریف کرنے کے بھی ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے زکی نفسه، اس نے اپنی تعریف کی ہے۔ (شامی/۳/۱۷۰)
اور شریعت کی اصطلاح میں زکوۃ نام ہے فقیر کو اس مال کا مالک بنا دینا جو شرع کی طرف سے متعین ہے گویا اپنے مال کی مقدار متعین کے حصہ کا کہ جو شریعت نے مقرر کیا ہے کسی مستحق کو مالک بنا دینا زکوۃ شرعی ہے۔
شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ لفظ تملیک کی قید سے اباحت نکل گیا ہے، جس کے معنی ہیں کسی شئی کو مباح کر دینا، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی یتیم کو زکوۃ کی ادائیگی کی نیت سے کھانا کھلا دے گا تو زکوۃ ادا نہ ہوگی، اس لئے کہ اس صورت میں تملیک

نہیں پائی گئی، ہاں اگر کھانا یتیم کے حوالہ کر کے اس کو مالک بنادے گا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، جس طرح اگر کوئی شخص مستحق زکوٰۃ اور یتیم کو کپڑا پہنادے اور یتیم قبضہ کو سمجھتا ہو اور وہ چیز کو پھینکتا نہ ہو تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، ہاں اگر اس پر یتیم کے نفقہ کا فیصلہ کر دیا گیا تو اب کپڑا پہنانے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (مثال کے طور پر قاضی نے کسی وجہ سے کسی شخص پر لازم کر دیا کہ وہ فلاں یتیم کو کھانا کھلائے اور اس کا نان ونفقہ بھی برداشت کرے، اب اگر اس فیصلہ کے بعد اس نان ونفقہ کو ہر زکوٰۃ میں شمار کرے، تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اس لئے کہ اس پر قاضی کے حکم کا ماننا لازم ہے اور وہ اسی کی تعمیل میں یہ خرچ کر رہا ہے، لہٰذا اس کو زکوٰۃ میں شمار کرنا کسی بھی طرح درست نہیں ہے)۔

اباحت اور تملیک میں فرق

اباحت اور تملیک کے درمیان فرق یہ ہے کہ اباحت کی صورت میں آدمی اس چیز کو کام میں لاسکتا ہے اور اس کے لئے اس کو کام میں لانا مباح ہوتا ہے لیکن اس میں تصرف کا اختیار نہیں ہوتا ہے اور وہ شخص اس شئی کا مالک نہیں ہوتا ہے۔ اور تملیک میں ہر طرح سے تصرف کا مالک ہو جاتا ہے، خود بھی استعمال کر سکتا ہے اور چاہے تو دوسروں کو بھی دے سکتا ہے، اس میں کسی طرح کی روک ٹوک نہیں ہے۔

نفع سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

مال کے ایک ایسے حصہ کا کسی کو مالک بنا دینا زکوٰۃ ہے جس کو شریعت نے متعین کیا ہے اور وہ حصہ اس نقد کا چالیسواں حصہ ہے جس پر سال گذر چکا ہو۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جزء مال کہنے سے نفع نکل گیا ہے یعنی نفع میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، پس اگر کسی نے اپنے گھر میں کسی فقیر مستحق زکوٰۃ کو سال بھر رکھا اور زکوٰۃ کی نیت کر لی تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اس لئے کہ یہاں مستحق زکوٰۃ کو صرف نفع کا مالک بنایا ہے عین گھر کا مالک نہیں بنایا ہے۔ اور چالیسواں حصہ کی قید لگانے سے صدقہ نافلہ اور صدقہ فطر دونوں نکل گئے، کیوں کہ ان دونوں میں چالیسواں حصہ مقرر نہیں ہے، اور جس مسلمان فقیر کو مالک بنایا جا رہا ہے وہ اگرچہ ناقص العقل ہو تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

ہاشمی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی

جس مسلمان فقیر کو زکوٰۃ دی جائے اس میں یہ خیال رکھا جائے کہ وہ ہاشمی اور بنو ہاشم کا آزاد کردہ غلام نہ ہو اس لئے کہ ان کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اور صاحبِ کنز کے قول "تمليك المال" کا یہی مطلب ہے یعنی اس مال کا مالک بنانا

جس کا نکالنا من جانب الشرع مقرر ہے۔ (شارح کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ صاحبِ تنویر الابصار نے زکوٰۃ کی تعریف میں "جُزْء مَال عيَّنَهُ الشَّارِع" فرمایا اور صاحب کنز نے "تمليك المال" فرمایا دونوں کا خلاصہ ایک ہی ہے، کیوں کہ تملیک المال سے مراد متعین مال ہے اور الف لام عہد کا ہے)۔

اپنی منفعت بالکلیہ ختم کرنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مسلمان فقیر کو اس طرح مال کا مالک بنادے کہ زکوٰۃ دینے والے کی اس مال سے کوئی منفعت باقی نہ رہے یہ زکوٰۃ ہے، لہٰذا زکوٰۃ کا مال نہ اپنے اصول (ماں، باپ، دادا، دادی، اور نانا، نانی، کو دینا جائز ہے اور نہ اپنے فروع (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، اور نواسہ، نواسی) کو دینا جائز ہے اس لئے کہ ان کو دینے سے فی الجملہ منفعت باقی رہتی ہے۔ اور زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے دی جائے، یعنی زکوٰۃ دینے کے وقت رضائے الٰہی کی نیت کرے اور یہ نیت ادائے زکوٰۃ کے لئے شرط ہے؛ بلکہ نیت تو تمام عباداتِ اسلامیہ کے لئے شرط ہے۔

وَشَرْطُ افْتِرَاضِهَا عَقْلٌ وَبُلُوغٌ وَإِسْلَامٌ وَحُرِّيَّةٌ وَالْعِلْمُ بِهِ وَلَوْ حُكْمًا كَكَوْنِهِ فِي دَارِنَا وَسَبَبُهُ أَيْ سَبَبُ افْتِرَاضِهَا مِلْكُ نِصَابٍ حَوْلِيٍّ نِسْبَةً لِلْحَوْلِ لِحَوَلَانِهِ عَلَيْهِ تَامٍّ بِالرَّفْعِ صِفَةُ مِلْكٍ، خَرَجَ مَالُ الْمُكَاتَبِ. أَقُولُ: إِنَّهُ خَرَجَ بِاشْتِرَاطِ الْحُرِّيَّةِ عَلَى أَنَّ الْمُطْلَقَ يَنْصَرِفُ لِلْكَامِلِ، وَدَخَلَ مَا مَلَكَ بِسَبَبٍ خَبِيثٍ كَمَغْصُوبٍ خَلَطَهُ إِذَا كَانَ لَهُ غَيْرُهُ مُنْفَصِلٌ عَنْهُ يُوَفِّي دَيْنَهُ فَارِغٌ عَنْ دَيْنٍ لَهُ مُطَالِبٌ مِنْ جِهَةِ الْعِبَادِ سَوَاءٌ كَانَ لِلّٰهِ كَزَكَاةٍ وَخَرَاجٍ أَوْ لِلْعَبْدِ وَلَوْ كَفَالَةً أَوْ مُؤَجَّلًا، وَلَوْ صَدَاقَ زَوْجَتِهِ الْمُؤَجَّلَ لِلْفِرَاقِ وَنَفَقَةً لَزِمَتْهُ بِقَضَاءٍ أَوْ رِضَا، بِخِلَافِ دَيْنِ نَذْرٍ وَكَفَّارَةٍ وَحَجٍّ لِعَدَمِ الْمُطَالِبِ، وَلَا يَمْنَعُ الدَّيْنُ وُجُوبَ عُشْرٍ وَخَرَاجٍ وَكَفَّارَةٍ وَ فَارِغٌ عَنْ حَاجَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ لِأَنَّ الْمَشْغُولَ بِهَا كَالْمَعْدُومِ. وَفَسَّرَهُ ابْنُ مَلَكٍ بِمَا يَدْفَعُ عَنْهُ الْهَلَاكَ تَحْقِيقًا كَثِيَابِهِ أَوْ تَقْدِيرًا كَدَيْنِهِ نَامٍ وَلَوْ تَقْدِيرًا بِالْقُدْرَةِ عَلَى الْاِسْتِنْمَاءِ وَلَوْ بِنَائِبِهِ.

فرضیتِ زکوٰۃ کی شرطیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں اگر مندرجہ ذیل شرطیں پائی گئیں تو زکوٰۃ واجب اور فرض ہوگی ورنہ نہیں۔

(۱) عاقل ہونا، لہٰذا غیر عاقل مجنوں دیوانہ پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

(۲) بالغ ہونا، لہٰذا نابالغوں پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

(۳) مسلمان ہونا، لہٰذا غیر مسلموں پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

(۴) آزاد ہونا، لہٰذا غلاموں، باندیوں، مکاتبوں وغیرہ پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

(۵) فرضیت زکوٰۃ کا علم ہونا، اگرچہ حکماً اس کا علم ہو، مثلاً دارالاسلام میں رہتا ہو، تو دارالاسلام میں رہنا ہی فرضیت زکوٰۃ کے لئے کافی ہے دارالاسلام میں احکامِ اسلام سے جہالت قابل قبول عذر نہیں شمار ہوگا۔ (ہاں اگر کوئی حربی کافر دارالحرب میں مسلمان ہوا اور چند سالوں تک وہیں رہا اور اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اسلام میں زکوٰۃ بھی کوئی چیز ہے تو اس کے مال میں اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اگرچہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو)۔ (شامی/۳/۱۷۴)

زکوٰۃ کے فرض ہونے کے اسباب

فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کے فرض ہونے کا سبب اس نصابِ مال کا پورا مالک ہونا ہے جس پر ایک سال مکمل گذر چکا ہو، لہٰذا اس قید کی وجہ سے مکاتب نکل گیا ہے، اس لئے کہ مولیٰ کی ملکیت مکاتب پر کامل نہیں ہوتی ہے اور جس مال پر ملکیت کامل نہ ہو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ (اور سال گذرنے سے مراد قمری سال گزرنا ہے شمسی سال یعنی انگریزی تاریخ کے اعتبار سے سال گزرنا مراد نہیں ہے)۔

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ ماقبل میں حریت کی شرط سے مکاتب تو نکل ہی گیا ہے اور مطلق ملک سے ملکِ تام مراد ہوگی، اسلئے کہ مطلق جب بھی بولا جاتا ہے تو فردِ کامل مراد ہوتا ہے لہٰذا ملک کامل ملک تام ہوگی، شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس نصاب پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس میں ملک تام کی قید کی وجہ سے وہ مال بھی داخل ہوگیا ہے جس کا مالک کسی خبیث سبب سے اور ناجائز طریقے سے ہوا ہو، مثلاً کسی سے مال غصب کرلیا اور اس کو اپنے مال میں ملا دیا تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے پاس اس مخلوط مال کے علاوہ اتنا مال ہو کہ وہ غصب کردہ مال کا قرض ادا کرسکے۔

صورتِ مسئلہ

یہاں مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس پہلے سے اتنا ذاتی مال تھا کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہوجائے، پھر اس نے کسی دوسرے کا مال غصب کرکے اپنے مال میں اس طرح مال ملا دیا کہ دونوں مال الگ الگ نہیں ہوسکتے ہیں، تو اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دوسرے کے مال کو اپنے مال میں اس طرح ملانا کہ علیحدہ نہ ہوسکے ضائع

کردینے کے حکم میں ہے اسلئے غاصب پر تاوان لازم ہوگا اور اس مال کا مالک غاصب ہو جائے گا لہٰذا اب وہ پورے مال کی زکوٰۃ ادا کرے گا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ غاصب کے پاس اتنا مال اور ہو کہ وہ اپنے دین غصب ادا کر سکے، لیکن اگر اس کے پاس اتنا مال نہیں ہے تو پھر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اس چھینے ہوئے مال میں، کیوں کہ یہ غیر کا حق ہے جو اس کے مال میں مل گیا ہے اور حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک غصب کردہ مال کا غاصب مالک نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اس میں زکوٰۃ بھی واجب نہ ہوگی۔

مال کا قرض سے فارغ ہونا

ماقبل میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ کے واجب ہونے کا سبب نصاب کا مالک ہونا ہے لیکن نصاب ایسا ہو کہ اس قرض سے زائد ہو جس کا بندوں میں سے کوئی مطالبہ کا حق رکھتا ہو، خواہ یہ قرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو جیسے زکوٰۃ، خراج، یا قرض بندوں کی طرف سے ہو، خواہ وہ بطور کفالت ہو یا معیادی قرض ہو، اگرچہ اس کی بیوی کا مہر مؤجل ہو، جس کا ادا کرنا موت کے وقت یا طلاق کے وقت ضروری ہو، یا اس کے ذمہ نفقہ کی شکل میں قرض ہو، جو قاضی کے فیصلے کی وجہ سے اس پر لازم ہوا ہو، یا آپس میں رضامندی سے لازم ہوا ہو، بخلاف نذر، کفارہ اور حج کے قرض کے، ان قرضوں کا کوئی طلب کرنے والا اس دنیا میں نہیں ہے، لہٰذا نصاب کا ایسے قرض سے زائد ہونا شرط نہیں ہے۔ (بعض فقہائے کرام نے مہر مؤجل کو زکوٰۃ کے لئے مانع تسلیم نہیں کیا ہے کیوں کہ عام طور پر اس قرض کو کوئی مانگتا نہیں ہے۔ قہستانی نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ (شامی/۳/۱۷۷) البتہ اگر کسی جگہ میں مہر مؤجل کی ادائیگی ضروری سمجھی جاتی ہو تو اس جگہ مہر مؤجل مانع زکوٰۃ بنے گا اور اس جگہ کے اعتبار سے شارحؒ کا قول درست ہوگا۔

وجوب عشر وخراج وکفارہ کے لئے قرض مانع نہیں ہے

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عشر، خراج اور کفارہ کے واجب ہونے کے لئے قرض مانع نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرض ہونے کے باوجود بھی عشر، خراج اور کفارہ ادا کرنا واجب اور ضروری ہوگا، اس لئے کہ عشر وخراج کا تعلق کھیت کی پیداوار سے ہے جو فصل میں ہوتی رہتی ہے۔ اور کفارہ کا تعلق وجوب ذمہ سے ہے، اس میں مال دار اور غریب میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں ہی پر کفارہ ادا کرنا لازم ہے، البتہ غریب کو کفارہ ادا کرنے میں تاخیر کی گنجائش ہے۔

وجوب زکوٰۃ کا سبب مال کا حاجاتِ اصلیہ سے زائد ہونا ہے

زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب ضروریات اصلیہ سے زائد اتنا مال ہو جو نصاب کو پہنچ جاتا ہو، اور اس پر سال گذر

چکا ہو اس لئے کہ جو مال ضروریات اصلیہ میں لگا ہوا ہے وہ تو نہ ہونے کے درجہ میں ہے۔اور ابن ملک نے ضروریات میں استعمال ہونے والے مال کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ مالک اس کے ذریعہ اپنے اوپر سے ہلاکت کو دور کرے خواہ حقیقت میں ہلاکت کو دور کرے، جیسے وہ کپڑے جن کو وہ استعمال کرتا ہے یا وہ تقدیری ہلاکت کو دور کرے جیسے ذمہ میں کوئی قرض ہو اس کو ادا کرے۔(اور حاجاتِ اصلیہ میں، نفقہ، مکان، جنگی سامان، سردی اور گرمی کے لئے الگ الگ کپڑے، سواری، اہل علم کی کتابیں وغیرہ وغیرہ ہیں)۔

زکوٰۃ مال نامی (بڑھنے والے مال) پر واجب ہے

وجوبِ زکوٰۃ اس مال پر ہوتا ہے جو مال بڑھنے والا ہو، اگر چہ وہ مال تقدیراً بڑھنے والا ہو، یعنی مالک اس مال کو بڑھانے پر قدرت رکھتا ہو، اگر چہ وہ اپنے قائم مقام کسی نائب کے ذریعہ ہی مال کے بڑھانے پر قدرت رکھتا ہو۔(الغرض مالِ نامی پر زکوٰۃ واجب ہے۔اور مال نامی تقدیری جیسے سونا چاندی ہے۔اور مال نامی حقیقی جیسے وہ مال جو توالد و تناسل کے ذریعہ بڑھتا ہو، یا تجارت میں لگا ہوا ہو)۔

ثُمَّ فَرَّعَ عَلَى سَبَبِهِ بِقَوْلِهِ فَلَا زَكَاةَ عَلَى مُكَاتَبٍ لِعَدَمِ الْمِلْكِ التَّامِّ ، وَلَا فِي كَسْبِ مَأْذُونٍ ، وَلَا فِي مَرْهُونٍ بَعْدَ قَبْضِهِ ، وَلَا فِيمَا اشْتَرَاهُ لِتِجَارَةٍ قَبْلَ قَبْضِهِ وَمَدْيُونٍ لِلْعَبْدِ بِقَدْرِ دَيْنِهِ فَيُزَكِّي الزَّائِدَ إنْ بَلَغَ نِصَابًا ، وَعُرُوضُ الدَّيْنِ كَالْهَلَاكِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ ، وَرَجَّحَهُ فِي الْبَحْرِ ، وَلَوْ لَهُ نُصُبٌ صَرَفَ الدَّيْنَ لِأَيْسَرِهَا قَضَاءً ، وَلَوْ أَجْنَاسًا صَرَفَ لِأَقَلِّهَا زَكَاةً ، فَإِنْ اسْتَوَيَا كَأَرْبَعِينَ شَاةً وَخَمْسِ إبِلٍ خُيِّرَ ، وَلَا فِي ثِيَابِ الْبَدَنِ الْمُحْتَاجِ إلَيْهَا لِدَفْعِ الْحَرِّ وَالْبَرْدِ ابْنُ مَلَكٍ وَأَثَاثِ الْمَنْزِلِ وَدُورِ السُّكْنَى وَنَحْوِهَا وَكَذَا الْكُتُبُ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لِأَهْلِهَا إذَا لَمْ تُنْوَ لِلتِّجَارَةِ ، غَيْرَ أَنَّ الْأَهْلَ لَهُ أَخْذُ الزَّكَاةِ ، وَإِنْ سَاوَتْ نُصُبًا ، إلَّا أَنْ تَكُونَ غَيْرَ فِقْهٍ وَحَدِيثٍ وَتَفْسِيرٍ ، أَوْ تَزِيدُ عَلَى نُسْخَتَيْنِ مِنْهَا هُوَ الْمُخْتَارُ: وَكَذَلِكَ آلَاتُ الْمُحْتَرِفِينَ إلَّا مَا يَبْقَى أَثَرُ عَيْنِهِ كَالْعُصْفُرِ لِدَبْغِ الْجِلْدِ فَفِيهِ الزَّكَاةُ ، بِخِلَافِ مَا لَا يَبْقَى كَصَابُونٍ يُسَاوِي نُصُبًا وَإِنْ حَالَ الْحَوْلُ. وَفِي الْأَشْبَاهِ: الْفَقِيهُ لَا يَكُونُ غَنِيًّا بِكُتُبِهِ الْمُحْتَاجِ إلَيْهَا إلَّا فِي دَيْنِ الْعِبَادِ فَتُبَاعُ لَهُ، وَلَا فِي مَالٍ مَفْقُودٍ وَجَدَهُ بَعْدَ سِنِينَ وَسَاقِطٍ فِي بَحْرٍ اسْتَخْرَجَهُ بَعْدَهَا، وَمَغْصُوبٍ لَا بَيِّنَةَ عَلَيْهِ فَلَوْ لَهُ بَيِّنَةٌ تَجِبُ لِمَا مَضَى إلَّا فِي غَصْبِ السَّائِمَةِ فَلَا تَجِبُ ، وَإِنْ كَانَ الْغَاصِبُ

مُقِرًّا كَمَا فِي الْخَانِيَةِ. وَمَدْفُونٍ بِبَرِّيَّةٍ نَسِيَ مَكَانَهُ ثُمَّ تَذَكَّرَهُ وَكَذَا الْوَدِيعَةُ عِنْدَ غَيْرِ مَعَارِفِهِ بِخِلَافِ الْمَدْفُونِ فِي حِرْزٍ. وَاخْتُلِفَ فِي الْمَدْفُونِ فِي كَرْمٍ وَأَرْضٍ مَمْلُوكَةٍ.

کن لوگوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے؟

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مصنفؒ نے زکوٰۃ کے سبب وجوب پر چند مسائل کی تفریع کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کے مکاتب غلام پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیوں کہ مکاتب غلام اپنے کمائے ہوئے مال کا مکمل مالک نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ مکاتب کے ذمہ جب تک بدل کتابت باقی ہے اس کے مال میں آقا کا حق شامل ہے، اسی طرح جس غلام کو آقا نے تجارت کی اجازت دے رکھی ہو اس کی کمائی میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (جب تک کہ مال اس غلام کے قبضہ میں ہو، اگر آقا نے غلام سے مال لے لیا اور مال پر سال گزر گیا تو اس مال کی بھی زکوٰۃ واجب ہے صحیح قول اس بارے میں یہی ہے)۔ نیز گروی رکھی ہوئی چیز میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے اس کے قبضہ کرنے کے بعد۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنا مال کسی دوسرے کے پاس گروی رکھ دیا اور متعدد سالوں تک وہ مال گروی میں رکھا رہا، پھر اس نے گروی والا مال چھڑا لیا، تو اب اس مالک پر گروی کے زمانہ کی زکوٰۃ اس مال کی واجب نہیں ہے، اس لئے کی وہ مال اس کے قبضے میں نہیں تھا اور جس کے پاس وہ مال گروی پر رکھا ہوا تھا اس پر بھی اس مال کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ گروی پر رکھا ہوا مال اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہے۔ اور نہ اس مال میں زکوٰۃ واجب ہے جس کو تجارت کی غرض سے خریدا ہے لیکن ابھی اس پر قبضہ نہیں کیا ہے بلکہ خریدا ہوا مال بائع کے پاس سال بھر رہ گیا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

قرض دار پر زکوٰۃ کے وجوب کا حکم

مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس شخص پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے جو کسی دوسرے آدمی کا مقروض ہے اس پر اس قرض کے برابر مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے البتہ جو مال اس کے ذمہ قرض سے زائد ہو اور نصاب تک پہنچ جاتا ہو اس مال پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (مثال کے طور پر کسی کے پاس سات ہزار روپیہ ہے اور وہ دو ہزار کا مقروض ہے تو دو ہزار قرض والے روپیہ کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا اور بقیہ پانچ ہزار روپے اگر نصاب شرعی تک پہنچ جاتے ہیں تو اس پانچ ہزار روپیہ کی زکوٰۃ واجب ہوگی)۔

سال کے درمیان میں قرض ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر درمیان سال میں قرض ہو جائے تو یہ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک مال کے ھلاک ہونے کی مانند ہے اور البحر الرائق میں اسی قول کو راجح قرار دیا گیا ہے۔ (مثال کے طور پر ایک شخص کے پاس ایسا مال تھا جس پر زکوٰۃ واجب تھی، مثلاً وہ مال چھ ہزار روپیہ کا تھا، چھ مہینے کے بعد اس کے ذمہ چار ہزار روپیہ قرض ہو گئے، اور سال ختم ہوتے ہوتے چھ ہزار روپیہ اور ہو گئے۔ اب اس صورت میں حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ از سرِ نو سال شمار ہوگا، اور گزشتہ سال کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ درمیان سال کا قرض جس کی تلافی سال کے اخیر میں ہو گئی ہے مانع زکوٰۃ نہیں ہے اس لئے گزشتہ سال کی بھی زکوٰۃ اس پر لازم ہوگی، اور اگر یہ قرض سال مکمل ہونے کے بعد میں ہوا تو بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مختلف نصاب والے قرض کہاں شمار کریں گے؟

اگر کسی کے پاس کئی طرح کے نصاب ہوں تو قرض کو اس نصاب کی طرف پھیرا جائے گا جس سے قرض کا ادا کرنا سب سے زیادہ آسان ہو، اور اگر اس کے پاس ایک قسم کے مال کی مختلف اجناس ہوں تو اس صورت میں قرض اس نصاب میں لگایا جائے گا جس کی زکوٰۃ سب سے کم نکلتی ہو، اور اگر جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس کی جنسیں سب یکساں ہوں، جیسے چالیس بکریاں اور پانچ اونٹ ہوں تو چونکہ ان دونوں کی زکوٰۃ ایک ایک بکری واجب ہوتی ہے اس لئے صاحب مال کو اختیار دیا جائے گا، وہ جس جنس کو چاہے قرض کی ادائے گی کے لئے روک لے اور بقیہ جنسوں کی زکوٰۃ ادا کرے۔ (کئی نصابوں کی مثال یہ ہے کہ کسی کے پاس روپئے اور اشرفیاں بقدر نصاب ہوں ساتھ ساتھ تجارت بھی نصاب کے مطابق ہوں اور جانور بھی بقدر نصاب شرعی ہوں تو اس صورت میں قرض پہلے اشرفیوں میں محسوب ہوگا، پھر اسباب تجارت میں، پھر مویشی میں۔ اور مختلف جنسوں کی مثال یہ ہے کہ جانوروں کے نصاب میں بکریوں کا نصاب شرعی چالیس ہے، گایوں کا نصاب تیس ہے، اونٹوں کا نصاب پانچ ہے، یعنی چالیس بکریوں میں ایک بکری، تیس گائے میں ایک بچھڑا اور پانچ اونٹ میں ایک بکری زکوٰۃ میں واجب ہے، یہاں قرض بکریوں میں محسوب ہوگا، پھر اونٹ میں، گایوں میں قرض محسوب نہ ہوگا، اس لئے کی بچھڑا کی قیمت بکری سے زیادہ ہے۔ اور یہ صورت اس وقت ہے جبکہ صدقہ وصول کرنے والا موجود ہو۔ اور اگر صدقہ وصول کرنے والا موجود نہیں ہے تو صاحبِ مال کو اختیار ہوگا قرض کو جس طرف چاہے لگا دے۔ (شامی/۲/۱۸۱)

ضروریات زندگی کی چیزوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ بدن کے ان کپڑوں میں بھی واجب نہیں ہے جن کی ضرورت آدمی کو سردی اور گرمی میں پڑتی ہے اور ان کپڑوں سے سردی اور گرمی سے حفاظت کرتا ہے، جیسا کہ ابن الملک نے کہا ہے۔ اور زکوٰۃ نہ گھر کے سامانوں میں، نہ رہنے والے گھروں میں واجب ہے اور نہ اس جیسی دوسری ضرورت کے سامان میں زکوٰۃ واجب ہے، جیسے دکانوں اور سرایوں میں جن کا کرایا ملتا ہو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

اہل علم کے مطالعہ کی کتابوں میں زکوٰۃ کا حکم

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کتابوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے اگر وہ کتابیں اہل علم کے پاس نہ ہوں یعنی ان پڑھ کے پاس ہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے، مگر شرط یہ ہے کہ ان میں کاروبار کی نیت نہ ہو، اگر کتابوں میں تجارت کی نیت کر لی جائے تو پھر زکوٰۃ واجب ہوگی، مگر اہلِ علم کے لئے خواہ جتنی بھی کتابیں ہو جائیں اور متعدد نصابوں کے برابر ہو جائیں تو بھی ان کے واسطے زکوٰۃ لینا جائز ہے، اہلِ علم صرف ان کتابوں کی وجہ سے صاحبِ نصاب نہیں ہوگا، اس کے برخلاف غیر اہلِ علم ہیں، کہ اگر ان کے پاس اتنی کتابیں ہو جائیں کہ وہ نصاب کے بقدر پہنچ جائیں تو ان کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہوگا۔

فقہ وحدیث وتفسیر کی کتب کے علاوہ میں وجوبِ زکوٰۃ

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر اہلِ علم کے پاس فقہ، حدیث اور تفسیر کے علاوہ دوسرے فنون کی اتنی کتابیں ہوں کہ ان کی قیمت نصاب تک پہنچ جائے تو عالم کے لئے بھی زکوٰۃ کا لینا جائز نہ ہوگا، اسی طرح اگر کتب دینیہ کے دو دو نسخے سے زائد ہوں تو بھی مختار قول کے مطابق زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ دو نسخوں سے زیادہ ہونے کا قول ضعیف ہے اگر ایک نسخہ سے بھی زیادہ ہوں، تب بھی زکوٰۃ لینی جائز نہیں ہے)۔ (شامی/۳/۱۸۳)

کاشت کاروں کے آلاتِ زرع پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے

اسی طرح پیشہ وروں کے آلات اور اوزاروں پر زکوٰۃ شرعی اعتبار سے واجب نہیں ہے البتہ جس آلہ کا اثر باقی رہے جیسے کہ عصفر جو کھال کی دباغت کے لئے ہوتا ہے اس میں زکوٰۃ واجب ہے، اس کے برخلاف جس کا اثر باقی نہیں رہتا ہے جیسے صابون تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے خواہ یہ متعدد نصابوں کے برابر کیوں نہ ہو جائیں، اور سال بھی گذر جائے تب بھی زکوٰۃ

واجب نہیں ہے۔

کاشتکاروں اور پیشہ وروں کے آلات دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ آلات جو کام کے بعد بھی باقی رہتے ہیں جیسے کدال، بسولہ وغیرہ۔ دوسرے وہ آلات جو کام کے بعد باقی نہیں رہتے ہیں۔ یہ بھی دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک یہ ہے کہ اس کا اثر باقی رہتا ہے جیسے زعفران جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں، اور گس اور تیل جس سے کھالیں رنگیں جاتی ہیں۔ دوسرے وہ کہ اس کا اثر باقی نہیں رہتا ہے جیسے صابون، تو پہلی قسم بسولہ، کدال وغیرہ میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور دوسری قسم کی پہلی نوع کسم، زعفران وغیرہ میں زکوٰۃ ہے۔ اور دوسری نوع صابون میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

فقہ کی کتابوں میں زکوٰۃ کا حکم

الاشباہ والنظائر میں ہے کہ فقیہ اپنی ان کتابوں سے بے نیاز نہیں ہوتا ہے جن کی انہیں ضرورت پڑتی ہے۔ (لہٰذا اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے؛ بلکہ وہ زکوٰۃ لے بھی سکتا ہے، بشرطیکہ صاحبِ نصاب نہ ہو)۔ لیکن وہ فقیہ کتابوں کے مالک ہونے کی وجہ سے بندوں کے قرض کی ادائیگی کے سلسلہ میں مالدار سمجھا جائے گا اور قرض کی ادائیگی کتابیں فروخت کرکے کی جائے گی۔

سال گذرنے کے بعد بھی کن مالوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس گم شدہ مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے جو کئی سالوں کے بعد ملا ہو، یعنی گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ اس پر واجب نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی مال دریا میں گر گیا اور کئی برسوں کے بعد نکالا ہو تو اس پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اسی طرح اس مال پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے جس کو اس سے کسی نے زبردستی غصب کرلیا ہو، اور اس کے پاس کوئی شرعی شہادت نہ ہو، تو دوبارہ مال کے قبضہ میں آنے کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور اگر غصب پر شرعی شہادت ہو تو مال ملنے کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے، ہاں اگر سائمہ جانور کو کسی نے زبردستی چھین لیا تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے اگرچہ غاصب اس کا اقرار کیوں نہ کرتا ہو، جیسا کہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں لکھا ہے۔

(اور سائمہ ان جانوروں کو کہتے ہیں جو سال کے اکثر حصہ جنگلوں میں چر کر زندگی گذارتے ہوں)۔

جنگل میں دفن کردہ مال ایک عرصہ کے بعد ملا اس میں زکوٰۃ کا حکم

اگر کسی شخص نے اپنا مال کسی جنگل میں دفن کردیا اور دفن کرنے کی جگہ بھول گیا، یہی یاد نہیں رہا کہ دفن کس جگہ کیا گیا تھا، پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ جگہ یاد آئی اور دفن کردہ مال نکالا تو گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ اس مال میں واجب نہیں ہے، اسی طرح اس

امانت میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے جو غیر آشنا لوگوں کے پاس ہو، ہاں اگر وہ امانت کسی جان پہچان والے کے پاس ہے یا اپنے دوست کے پاس ہے، تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے، بخلاف اس مال کے جو کسی محفوظ جگہ دفن کیا گیا ہو، اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور اس مال میں زکوٰۃ واجب ہونے اور واجب نہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہے جو کسی باغ میں یا کسی کی مملوک زمین میں دفن کیا گیا ہو، بعض علماء اس میں زکوٰۃ واجب قرار دیتے ہیں اس لئے کہ اس کا حاصل کرنا ممکن ہے۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ چونکہ وہ جگہ غیر محفوظ ہے اس لئے اس مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، جیسا کہ البحر الرائق میں لکھا ہے۔ (شامی/۳/۱۸۴)

وَدَيْنٍ كَانَ جَحَدَهُ الْمَدْيُونُ سِنِينَ وَلَا بَيِّنَةَ لَهُ عَلَيْهِ ثُمَّ صَارَتْ لَهُ بِأَنْ أَقَرَّ بَعْدَهَا عِنْدَ قَوْمٍ وَقَيَّدَهُ فِي مُصَرِّفِ الْخَانِيَّةِ بِمَا إِذَا حَلَفَ عَلَيْهِ عِنْدَ الْقَاضِي، أَمَّا قَبْلَهُ فَتَجِبُ لِمَا مَضٰى. وَ مَا أُخِذَ مُصَادَرَةً أَيْ ظُلْمًا ثُمَّ وَصَلَ إِلَيْهِ بَعْدَ سِنِينَ لِعَدَمِ النُّمُوِّ. وَالْأَصْلُ فِيهِ حَدِيثُ عَلِيٍّ "لَا زَكَاةَ فِي مَالِ الضِّمَارِ"، وَهُوَ مَا لَا يُمْكِنُ الِانْتِفَاعُ بِهِ مَعَ بَقَاءِ الْمِلْكِ، وَلَوْ كَانَ الدَّيْنُ عَلَى مُقِرٍّ مَلِيءٍ أَوْ عَلَى مُعْسِرٍ أَوْ مُفْلِسٍ أَيْ مَحْكُومٍ بِإِفْلَاسِهِ أَوْ عَلَى جَاحِدٍ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ وَعَنْ مُحَمَّدٍ لَا زَكَاةَ، وَهُوَ الصَّحِيحُ، ذَكَرَهُ ابْنُ مَلَكٍ وَغَيْرُهُ لِأَنَّ الْبَيِّنَةَ قَدْ لَا تُقْبَلُ أَوْ عَلِمَ بِهِ قَاضٍ سَيَجِيءُ أَنَّ الْمُفْتٰى بِهِ عَدَمُ الْقَضَاءِ بِعِلْمِ الْقَاضِي فَوَصَلَ إِلَى مِلْكِهِ لَزِمَ زَكَاةُ مَا مَضٰى وَسَنُفَصِّلُ الدَّيْنَ فِي زَكَاةِ الْمَالِ. وَسَبَبُ لُزُومِ أَدَائِهَا تَوَجُّهُ الْخِطَابِ يَعْنِي قَوْلَهُ تَعَالٰى: ﴿آتُوا الزَّكَاةَ﴾، وَشَرْطُهُ أَيْ شَرْطُ افْتِرَاضِ أَدَائِهَا حَوَلَانُ الْحَوْلِ وَهُوَ فِي مِلْكِهِ وَثَمَنِيَّةُ الْمَالِ كَالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ لِتَعَيُّنِهِمَا لِلتِّجَارَةِ بِأَصْلِ الْخِلْقَةِ فَتَلْزَمُ الزَّكَاةُ كَيْفَمَا أَمْسَكَهُمَا وَلَوْ لِلنَّفَقَةِ أَوْ السَّوْمِ بِقَيْدِهَا الْآتِي أَوْ نِيَّةُ التِّجَارَةِ فِي الْعُرُوضِ، إِمَّا صَرِيحًا وَلَا بُدَّ مِنْ مُقَارَنَتِهَا لِعَقْدِ التِّجَارَةِ كَمَا سَيَجِيءُ أَوْ دَلَالَةً بِأَنْ يَشْتَرِيَ عَيْنًا بِعَرَضِ التِّجَارَةِ أَوْ يُؤَاجِرَ دَارَهُ الَّتِي لِلتِّجَارَةِ بِعَرَضٍ فَتَصِيرُ لِلتِّجَارَةِ بِلَا نِيَّةٍ صَرِيحًا، وَاسْتَثْنَوْا مِنْ اشْتِرَاطِ النِّيَّةِ مَا يَشْتَرِيهِ الْمُضَارِبُ فَإِنَّهُ يَكُونُ لِلتِّجَارَةِ مُطْلَقًا لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ بِمَالِهَا غَيْرَهَا. وَلَا تَصِحُّ نِيَّةُ التِّجَارَةِ فِيمَا خَرَجَ مِنْ أَرْضِهِ الْعُشْرِيَّةِ أَوْ الْخَرَاجِيَّةِ أَوْ الْمُسْتَأْجَرَةِ أَوْ الْمُسْتَعَارَةِ لِئَلَّا يَجْتَمِعَ الْحَقَّانِ.

کون سے قرض میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس قرض میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے جس کا قرضدار سالوں تک انکار کرتا رہا

اور قرض خواہ کے پاس اس کی کوئی شرعی شہادت نہیں تھی کہ اس نے اس کو قرض دیا تھا لیکن بعد میں اس قرض دار نے لوگوں کے سامنے اس کا اقرار کرلیا ہے تو اب اس مال کی زکوٰۃ گذشتہ سالوں کی نہیں ادا کی جائے گی، لیکن فتاویٰ خانیہ میں اس صورت میں زکوٰۃ واجب نہ ہونے کو اس قید کے ساتھ مقید کیا ہے کہ انکار کرنے والے قرض دار سے قاضی کے سامنے قسم لی گئی ہو، اور وہاں بھی قرض دار انکار کردے تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اگر قاضی کے پاس قسم لینے سے پہلے پہلے قرض دار نے اقرار کرلیا تو پھر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ظلماً لئے ہوئے مال پر وجوبِ زکوٰۃ کا حکم

جو مال کسی سے ظلماً لیا گیا ہو، اور پھر وہ مال چند سالوں کے بعد مالک کے پاس پہنچ گیا ہو، تو اس پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ ایسے مالوں میں نمو یعنی بڑھنا نہیں پایا جاتا ہے، حالاں کہ وجوبِ زکوٰۃ کے لئے مالِ نامی ہونا شرط ہے۔ اور اس طرح کے مالوں میں عدمِ وجوبِ زکوٰۃ کی بنیادی وجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''مالِ ضمار'' میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اور ''مالِ ضمار'' اس مال کو کہا جاتا ہے کہ مالک کی ملکیت باقی رہتے ہوئے بھی اس مال سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو۔

جن قرضوں کی زکوٰۃ واجب ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر ایسے شخص کے ذمہ ہے جو اس قرض کا اقرار کرتا ہے لیکن وہ ٹال مٹول کرتا ہے، یا قرض کسی غریب و تنگ دست کے ذمہ ہے یا کسی دیوالیے کے ذمہ ہے جس کے قلاشی کا حکم لوگوں میں عام ہو چکا ہو، یا قرض کسی ایسے شخص کے پاس ہے جو قرض کا انکار کرتا ہے لیکن مالک کے پاس ثبوت موجود ہے یا اس پر قرض ہونے کا علم خود قاضی کو بھی ہے، یعنی قاضی کو بھی معلوم ہے کہ فلاں شخص فلان شخص کا مقروض ہے تو اس طرح کا قرض جب بھی وصول ہو کر مالک کے پاس پہنچے گا اس پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمدؒ سے منقول ہے کہ اگر مذکورہ صورت میں ثبوتِ شرعی بھی موجود ہے اور قرض دار انکار کر رہا ہے تو بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اس لئے کہ بسا اوقات ثبوت قبول نہیں ہوتا ہے بلکہ رد کردیا جاتا ہے اور اس بارے میں عدمِ وجوبِ زکوٰۃ ہی کا قول صحیح ہے اسی کو ابنِ ملک اور دیگر فقہائے کرام نے ذکر کیا ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ جس قرض کے متعلق قاضی کو معلوم ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق آگے آرہا ہے کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ اگر کسی معاملہ میں قاضی اپنے علم و معلومات کی بنیاد پر حکم دے گا تو اس کا یہ حکم دینا صحیح نہ ہوگا، اور جہاں مال کی

زکوٰۃ کا بیان آرہا ہے وہاں قرض کی تفصیل کی جائے گی۔ (یعنی یہ بیان کیا جائے گا کہ قرض کی تین قسمیں ہیں: (۱) دَین قوی۔ (۲) دین وسط۔ (۳) دین ضعیف۔ تو تیسری قسم دین ضعیف پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ باقی دین کی دو قسموں میں وجوبِ زکوٰۃ کے بارے میں تفصیل ہے جو آئندہ آنے والی ہے)۔

زکوٰۃ کے ادا کرنے کے لازم ہونے کی بنیادی دلیل

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کے واجب ہونے کی بنیادی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے جس میں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾ اے مسلمانو! زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ (جب قرآن پاک میں مکلف مسلمان کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیا گیا ہے تو اس کو ادا کرنا ان پر لازم ہو گیا ہے۔ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ خطاب الٰہی وجوبِ زکوٰۃ کا سبب حقیقی ہے اور ماقبل میں نصاب کو وجوبِ زکوٰۃ کا جو سبب قرار دیا گیا ہے وہ سبب مجازی تھا)۔

زکوٰۃ ادا کرنا کب لازم ہوتا ہے؟

فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کے ادا کرنے کے فرض ہونے کی شرط مال نامی پر پورے ایک سال کا اس طرح گذر جانا ہے کہ مال مالک کی ملکیت میں باقی رہے۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ مال ثمن بننے کے قابل ہو، جیسے دراہم اور دنانیر ہیں، یہ دونوں اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے تجارت کے لئے متعین ہیں، لہٰذا دراہم و دینار میں بالیقین زکوٰۃ لازم ہوگی، خواہ ان کو کسی بھی طرح سے روک کر رکھے، اگر چہ دراہم و دنانیر روزمرہ کے اخراجات کے لئے روک لئے گئے ہوں، پھر بھی ان پر زکوٰۃ واجب ہے، اور جانوروں کی زکوٰۃ واجب ہے ان شرطوں کے ساتھ جو آنے والی ہیں یعنی جانوروں کا سائمہ ہونا ہے اور سامان میں زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے نیت کا پایا جانا شرط ہے۔ (یہ شرط خود مال کے لئے ہے اور عقل و بلوغ کی شرطیں جو ماقبل میں گذری ہیں صاحبِ مال کے لئے تھیں)۔

اور سامان میں تجارت کی نیت یا تو صراحتاً پائی جائے، اور عقد تجارت کے ساتھ نیت کا متصل ہونا ضروری ہو، جیسا کہ آئندہ آنے والی ہے، یعنی جس وقت عقد کرے اسی وقت یہ نیت کر لے کہ میری ملکیت میں جو کچھ آرہا ہے وہ تجارت کے لئے ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص سامان، گھر کی نیت سے خریدے پھر بعد میں تجارت کی نیت کر لے، تو یہ تجارت کی نیت درست نہیں ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل آئے گی۔

اور اگر سامان تجارت کی نیت صراحتاً نہ پائی جائے تو کم از کم دلالۃً نیت پائی جائے بایں طور کہ کوئی شئی متعین تجارت کے لئے خریدے یا جو مکان تجارت کے واسطے ہے اس کو کرایہ پر کسی کو دے تو صریح نیت کے بغیر بھی تجارت کے لئے ہوگا۔

اور فقہائے کرام نے تجارت کی نیت کی شرط سے اس مال کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جس کو مضارب خریدے، کیوں کہ مضارب تجارت ہی کے لئے خریدتا ہے، خواہ نیت کرے خواہ نیت نہ کرے، بہرصورت اس کا سامان خریدنا مطلقاً تجارت کے واسطے ہوگا، اس لئے کہ مضارب دوسرے کے مال کو مضاربت کے علاوہ کسی اور طریقہ سے خریدنے کا مالک نہیں ہوتا ہے۔

درج ذیل زمینوں کی پیداوار میں تجارت کی نیت درست نہیں ہے

عشری زمین، یا خراجی زمین، یا اجرت پر لی ہوئی زمین، یا مانگی ہوئی زمین میں جو پیداوار ہوتی ہے اس میں تجارت کی نیت کرنا درست نہیں ہے تاکہ دوحق جمع نہ ہوجائیں۔ (اور یہاں دوحق سے مراد عشر اور زکوۃ ہے یا خراج اور زکوۃ ہے اور مطلب یہ ہے کہ عشری زمین میں عشر واجب ہے اور خراجی زمین میں خراج واجب ہے اور اگر ان میں تجارت کی نیت کرلی جائے تو زکوۃ بھی واجب ہونا لازم آئے گی اس لئے تجارت کی نیت درست نہیں ہے۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ عاریت اور کرایہ پر زمین لینے والے کی زمین اگر خراجی ہے تو اس کی پیداوار میں تجارت کی نیت سے دوحق جمع ہونا لازم نہیں آئیں گے، کیوں کہ زکوۃ تو کرایہ دار والے پر ہوگی اور زمین کے مالک پر خراج ہوگا، لہٰذا دوحق جمع نہ ہونے کی وجہ سے تجارت کی نیت درست ہے)۔

وَشَرْطُ صِحَّةِ أَدَائِهَا نِيَّةٌ مُقَارِنَةٌ لَهُ أَيْ لِلْأَدَاءِ وَلَوْ كَانَتِ الْمُقَارَنَةُ حُكْمًا كَمَا لَوْ دَفَعَ بِلَا نِيَّةٍ ثُمَّ نَوَى وَالْمَالُ قَائِمٌ فِي يَدِ الْفَقِيرِ، أَوْ نَوَى عِنْدَ الدَّفْعِ لِلْوَكِيلِ ثُمَّ دَفَعَ الْوَكِيلُ بِلَا نِيَّةٍ أَوْ دَفَعَهَا لِذِمِّيٍّ لِيَدْفَعَهَا لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ لِلْفُقَرَاءِ جَازَ نِيَّةُ الْآمِرِ وَلِذَا لَوْ قَالَ هَذَا تَطَوُّعٌ أَوْ عَنْ كَفَّارَتِي ثُمَّ نَوَاهُ عَنِ الزَّكَاةِ قَبْلَ دَفْعِ الْوَكِيلِ صَحَّ ، وَلَوْ خَلَطَ زَكَاةَ مُوَكِّلِيهِ ضَمِنَ وَكَانَ مُتَبَرِّعًا إِلَّا إِذَا وَكَّلَهُ الْفُقَرَاءُ وَلِلْوَكِيلِ أَنْ يَدْفَعَ لِوَلَدِهِ الْفَقِيرِ وَزَوْجَتِهِ لَا لِنَفْسِهِ إِلَّا إِذَا قَالَ : رَبُّهَا ضَعْهَا حَيْثُ شِئْتَ ، وَلَوْ تَصَدَّقَ بِدَرَاهِمِ نَفْسِهِ أَجْزَأَ إِنْ كَانَ عَلَى نِيَّةِ الرُّجُوعِ وَكَانَتْ دَرَاهِمُ الْمُوَكِّلِ قَائِمَةً أَوْ مُقَارِنَةً بِعَزْلِ مَا وَجَبَ كُلُّهُ أَوْ بَعْضُهُ ، وَلَا يَخْرُجُ عَنِ الْعُهْدَةِ بِالْعَزْلِ بَلْ بِالْأَدَاءِ لِلْفُقَرَاءِ أَوْ تَصَدَّقَ بِكُلِّهِ إِلَّا إِذَا نَوَى نَذْرًا أَوْ وَاجِبًا آخَرَ فَيَصِحُّ وَيَضْمَنُ الزَّكَاةَ ، وَلَوْ تَصَدَّقَ بِبَعْضِهِ لَا تَسْقُطُ حِصَّتُهُ عِنْدَ الثَّانِي خِلَافًا لِلثَّالِثِ وَأَطْلَقَهُ نَعَمِ الْعَيْنُ وَالدَّيْنُ ، حَتَّى لَوْ أَبْرَأَ الْفَقِيرَ عَنِ النِّصَابِ صَحَّ وَسَقَطَ عَنْهُ. وَاعْلَمْ أَنَّ أَدَاءَ الدَّيْنِ عَنِ الدَّيْنِ وَالْعَيْنِ عَنِ الْعَيْنِ ، وَعَنِ الدَّيْنِ يَجُوزُ، وَأَدَاءُ الدَّيْنِ عَنِ الْعَيْنِ ، وَعَنْ دَيْنٍ سَيُقْبَضُ لَا يَجُوزُ. وَحِيلَةُ الْجَوَازِ أَنْ يُعْطِيَ مَدْيُونَهُ الْفَقِيرَ زَكَاتَهُ ثُمَّ يَأْخُذَهَا عَنْ دَيْنِهِ ، وَلَوِ امْتَنَعَ الْمَدْيُونُ مَدَّ

يَدَهُ وَأَخْذَهَا لِكَوْنِهِ ظَفِرَ بِجِنْسِ حَقِّهِ، فَإِنْ مَانَعَهُ رَفَعَهُ لِلْقَاضِي، وَحِيلَةُ التَّكْفِينِ بِهَا التَّصَدُّقُ عَلَى فَقِيرٍ ثُمَّ هُوَ يُكَفِّنُ فَيَكُونُ الثَّوَابُ لَهُمَا وَكَذَا فِي تَعْمِيرِ الْمَسْجِدِ وَتَمَامُهُ فِي حِيَلِ الْأَشْبَاهِ.

زکوۃ کی ادا کے صحیح ہونے کی شرط

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں صحت ادائے زکوۃ کے لئے ایسی نیت کا پایا جانا شرط ہے جو ادا سے متصل ہو اگرچہ یہ نیت کا اتصال حکماً ہو، مثال کے طور پر کسی نے زکوۃ کا مال کسی فقیر کو بلا نیت کے دیدیا اور ابھی وہ مال فقیر کے ہاتھ میں موجود ہے اس نے زکوۃ کی نیت کرلی، یا کسی نے زکوۃ ادا کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنایا اور زکوۃ کی نیت کرے جو بھی مال زکوۃ میں نکلتا تھا سارا وکیل کے حوالہ کردیا پھر وکیل نے زکوۃ کی نیت کے بغیر مستحقوں کے درمیان تقسیم کردی کسی نے زکوۃ کا مال کسی ذمی کے حوالہ کیا تاکہ وہ فقراءِ مسلمین میں تقسیم کردے تو یہ جائز ہے اس لئے کہ اصل تو دینے والے کی نیت کا اعتبار ہے۔

اسی لئے اگر مالک نے وکیل سے کہا کہ صدقہ نافلہ ہے یا یہ میرے کفارے کا مال ہے اس کو فقراء کے درمیان تقسیم کردو، وکیل نے ابھی فقراء کے درمیان ان مالوں کی تقسیم نہیں کی تھی بلکہ وہ مال وکیل ہی کے پاس تھا کہ مالک نے اس میں زکوۃ کی نیت کرلی تو درست ہے، لہٰذا اب اگر وکیل اس مال کو فقراء ومساکین کے درمیان تقسیم کرتے وقت صدقہ نافلہ کی نیت سے تقسیم کرے یا کفارہ کی نیت سے تقسیم کرے تو کوئی اثر نہ ہوگا بلکہ فقراء ومساکین کے درمیان تقسیم کرنے سے پہلے مؤکل جس کی نیت کرے گا اس کا اعتبار ہوگا، اور وہ رقم اسی حد میں شمار ہوگی۔ (اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عبادتِ مالی میں کافروں کو نائب بنانا جائز ہے، لیکن جو عبادت مالی اور بدنی دونوں ہوں اس میں کافر کو نائب بنانا جائز نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ حج میں کافر کی نیابت جائز نہیں ہے، کیوں کہ حج میں مال وبدن دونوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ (شامی/۳/۱۸۷)

وکیل زکوۃ پر وجوبِ تاوان

اگر وکیل اپنے مؤکل کی زکوۃ میں خلط ملط کردے تو وکیل اس کا ضا من ہوگا۔ اور اگر وکیل نے اس خلط ملط کئے ہوئے مال کو فقراء ومساکین کو ادا کردیا تو یہ اپنی طرف سے احسان کرنے والا سمجھا جائے گا، مؤکل کی طرف سے زکوۃ ادا نہ ہوگی، البتہ اگر فقیروں نے اس کو اپنا وکیل بنادیا ہوگا تو پھر مؤکل کی طرف سے زکوۃ ادا ہوجائے گی۔ (اور وکیل کے لئے اپنی رقم کو مؤکل کی رقم کے ساتھ ملانا اور خلط ملط کرنا اس وقت جائز نہ ہوگا جب مؤکل نے اجازت نہ دی ہو، لیکن اگر مؤکل نے صراحۃً یا اشارۃً ملانے کی اجازت دے رکھی ہے تو اس صورت میں ملانا جائز ہوگا)۔

وکیل کے اختیارات

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مالِ زکوٰۃ کا وکیل ہے اس کے لئے یہ بات جائز ہے کہ زکوٰۃ کے مال کو اپنے محتاج وفقیر لڑکے اور بیوی کو دے، لیکن زکوٰۃ کا مال خود اپنے لئے رکھ لینا جائز نہیں ہے البتہ اگر مؤکل نے کہہ دیا کہ آپ جس طرح چاہیں اس رقم کو خرچ کر سکتے ہیں تو خود وکیل کے لئے زکوٰۃ کا مال لینا جائز ہوگا، بشرطیکہ وکیل مالِ زکوٰۃ کا مستحق ہو، اگر وکیل مالدار ہے اور زکوٰۃ کے مال کا مستحق نہیں ہے تو وکیل مختار کل ہونے کے باوجود بھی اپنے لئے نہیں رکھ سکتا ہے۔

اور اگر وکیل نے اپنے ر   ں کا صدقہ کیا اور مؤکل کا روپیہ روک لیا تو یہ جائز ہے، بشرطیکہ وکیل کی نیت یہ ہو کہ اپنے مؤکل کے روپیوں میں دیا ہوا روپیہ واپس لے لے گا اور مؤکل کا روپیہ جو زکوٰۃ کا تھا اس کے پاس موجود ہو۔ (لہٰذا اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر مؤکل کا دیا ہوا زکوٰۃ کا ما ختم ہو چکا ہو، یا اپنے دیئے ہوئے روپیوں کے واپس لینے کی نیت نہ کی ہو تو اس وقت مؤکل کی طرف سے یہ ادائیگی کافی نہیں ہوگی)۔

مسئلہ: جس کو کسی نے مالِ زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے وکیل بنایا ہے اس وکیل کے لئے جائز ہے کہ اپنے مؤکل کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو زکوٰۃ ادا کرنے کا وکیل بنائے۔ (شامی/۳/۱۸۹)

مسئلہ: جس کو زکوٰۃ ادا کرنے کا وکیل بنایا ہے اس نے مالِ زکوٰۃ کو پہلے اپنے اوپر خرچ کر دیا پھر اس کے بعد اپنے مال سے مؤکل کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے تو یہ مؤکل کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنے والا نہیں ہوگا، بلکہ یہ شخص متبوع یعنی احسان کرنے والا شمار ہوگا۔ (شامی/۳/۱۸۹)

زکوٰۃ کے ادا کرنے کی شرط

زکوٰۃ کی ادائیگی کے صحیح ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ یا تو جس کو زکوٰۃ کا مال فقیر کو دے رہا ہے اس وقت زکوٰۃ کی نیت کرے یا پھر جب اپنے ماں سے زکوٰۃ کا مال الگ کر رہا ہو اس وقت نیت کر لے کہ یہ سارا مال زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے ہے جو کچھ اس پر مال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس کو علحدہ کرتے وقت نیت کرے، خواہ یہ نیت کل مال کی زکوٰۃ کی مقدار علیحدہ کرتے وقت ہو، یا بعض مال کی زکوٰۃ کا حصہ نکالتے وقت یہ نیت ہو، لیکن صاحبِ مال صرف زکوٰۃ کے مال کو الگ کر دینے سے بری الذمہ نہ ہوگا جب تک کہ اس مال کو فقراء مسلمین کو ادا نہ کر دے۔ (خلاصہ یہ ہوا کہ اگر زکوٰۃ کا نکلا ہوا مال ضائع ہو گیا تو محض نکالنے کی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جب تک کہ وہ مال فقیروں تک نہ پہنچ جائے)۔

یا ادائے زکوٰۃ کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ صاحبِ مال اپنا سارا مال صدقہ کر دے، تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا

ہو جائے گی، لیکن اگر صاحبِ مال نے اس صدقہ سے کسی نذر یا کسی دوسرے واجب کے ادا کرنے کی نیت کی ہے تو اس کی نیت کے مطابق نذر یا دوسرا واجب ہی ادا ہوگا، اور زکوٰۃ اس کے ذمہ میں باقی رہے گی۔ (اسی طرح اگر کوئی شخص زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد کل مال کسی غنی کو ہبہ کر دے تو اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی، بلکہ ذمہ میں زکوٰۃ واجب رہے گی)۔

حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنا کچھ مال صدقہ کر دیا تو صدقہ کئے ہوئے حصہ کی زکوٰۃ صاحبِ مال سے ساقط نہیں ہوگی، البتہ حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس حصہ کی زکوٰۃ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی، اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اس مسئلہ میں امام محمدؒ کے ساتھ ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام محمدؒ کا قول ہی راجح ہے۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنف نے لفظ "تصدق" مطلقاً کہا ہے اس میں کوئی قید نہیں لگائی ہے لہٰذا اس لفظ تصدق کا اطلاق موجود چیز اور جو دوسرے کے ذمہ قرض ہو دونوں کو شامل ہے، چنانچہ اگر کسی مالدار صاحبِ نصاب کا روپیہ کسی فقیر اور مستحقِ زکوٰۃ کے پاس قرض ہو، اور وہ قرض بقدرِ نصاب ہو، صاحبِ مال نے مقروض کو معاف کر دیا تو معاف کرنا صحیح ہوگا اور صاحبِ مال کے ذمہ سے اس کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

قرض دی ہوئی اور موجود چیز کی زکوٰۃ

شارحؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات خوب اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ دَین کے عوض دَین کا ادا کرنا اور عین کے عوض عین کا ادا کرنا، یعنی موجود کے عوض موجود کا ادا کرنا اور قرض کے بدلے میں عین کو یعنی موجود شئی کو ادا کرنا جائز ہے۔ اور اس قرض کے بدلے میں جو قرض عنقریب قبضہ میں آنے والا ہے قرض کا ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

دَین اور قرض سے مراد

علامہ ابنِ عابدین شامیؒ فرماتے ہیں: یہاں دَین اور قرض سے مراد وہ زکوٰۃ کا مال ہے جو دوسرے کے ذمہ میں ثابت ہو، اور یہاں عین اور موجود سے مراد وہ زکوٰۃ کا مال ہے جو دوسرے کے ذمہ ثابت ہو۔ اور یہاں عین اور موجود سے مراد وہ زکوٰۃ کا مال ہے جو صاحبِ مال کی ملکیت میں پایا جائے، خواہ وہ بشکل نقد اس کی ملکیت میں ہو، خواہ سامانوں کی شکلوں میں ہو، چنانچہ غور کرنے کے بعد یہاں مسئلے کی چار صورتیں نکلتی ہیں: (۱) جس مال میں زکوٰۃ واجب ہو وہ کسی دوسرے کے ذمہ میں ہو۔ (۲) یا وہ مال اپنے قبضہ میں ہو، پھر جس مال کی زکوٰۃ ادا کرنی واجب ہے اس کی بھی دو ہی صورتیں ہیں: (۱) یا تو وہ دوسرے کے ذمہ میں قرض کا ہوگا۔ (۲) یا وہ مال خود اپنے پاس ہی موجود ہوگا۔ پھر جس مال میں زکوٰۃ واجب ہے وہ مال بھی دو طرح کا ہو سکتا ہے۔ (۱) وہ مال جو قبضہ میں آنے والا نہیں ہے۔ (۲) وہ مال جو زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد قبضہ میں آئے گا۔

اس طرح بقول علامہ شامیؒ مسئلہ کی پانچ صورتیں ہوں گی، جن میں تین صورتیں جواز کی ہوں گی اور دو صورتیں عدم جواز کی۔

وہ تین صورتیں جو جواز کی ہیں

جواز کی جو تین صورتیں ہیں وہ یہ ہیں: (۱) کسی صاحبِ نصاب کا مال کسی غریب وفقیر کے پاس قرض ہے اس نے قرض بالکلیہ طور پر معاف کردیا تو اس صورت میں بالاتفاق اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی۔ (۲) صاحبِ نصاب کے پاس جو مال موجود ہے وہ وکیل اس مال کی زکوٰۃ اپنے مال سے ادا کردے تو یہ بھی جائز ہے۔ (۳) مالکِ مال نے جو مال دوسرے کو قرض دے رکھا ہے اس کی زکوٰۃ اپنے پاس سے ادا کردے، تو اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی۔ مثلاً کسی کے پاس دو ہزار روپے تھے اس نے اس دو ہزار کو کسی کو قرض دے دیا اور اس کی زکوٰۃ اپنے پاس سے پچاس روپیہ ادا کردیئے تو یہ جائز ہے اور اس مال سے زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی۔

وہ دو صورتیں جو جائز نہیں ہیں

عدم جواز کی جو دو صورتیں ہیں وہ یہ ہیں: (۱) مالک مال کے پاس جو مال موجود ہے اس کی زکوٰۃ اس رقم کے معاف کرکے ادا کرنا جو کسی مفلس کے ذمہ بطور قرض باقی تھی، مثال کے طور پر ایک آدمی کے پاس چھ ہزار روپیہ موجود ہیں اس پر سال بھی گذر گیا ہے تو اب قاعدہ کے اعتبار سے اس کی زکوٰۃ ڈیڑھ سو روپیہ واجب ہوئی اس نے اس کی صورت یہ اختیار کی۔ ڈیڑھ سو روپیہ جو کسی غریب پر قرض تھے اس کو معاف کردیا اور اس میں زکوٰۃ کی نیت کرلی تو یہ جائز نہیں ہے، (۲) جو رقم کسی دوسرے کے ذمہ باقی ہو اس کی زکوٰۃ اس طرح ادا کرے کہ اس رقم میں سے کچھ معاف کردے اور یہ سمجھے کہ میرے پاس موجود مال کی زکوٰۃ ادا ہوگئی، مثال کے طور پر حامد کے ایک ہزار روپیہ خالد کے ذمہ باقی ہیں، حامد نے دو سو روپیہ معاف کردیئے، قاعدہ کے اعتبار سے حامد کے ذمہ سے اس دو سو روپیہ کی زکوٰۃ معاف ہوگئی لیکن بقیہ آٹھ سو روپیہ کی زکوٰۃ اس پر واجب رہے گی، اب اگر حامد یہ سمجھ لے کہ دو سو روپیہ قرض جو اس نے معاف کئے ہیں اس میں اس آٹھ سو روپیہ کی زکوٰۃ بھی ادا ہوگئی تو یہ سوچنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ وہ آٹھ سو روپیہ جب بھی ملکیت میں آئیں گے عین ہوگا اور مال عین کی زکوٰۃ دین کے ذریعہ ادا نہیں ہوتی ہے۔ (شامی/۳/۱۹۰)

قرض کے ذریعہ ادائیگیٔ زکوٰۃ کا حیلہ

مال عین (موجود مال) کی زکوٰۃ (قرض) والے مال سے ادا کرنے کا جائز حیلہ یہ ہے کہ جس غریب ومفلس کو اس نے

قرض دے رکھا ہے اس کو اپنی زکوٰۃ کی رقم بشکل نقد حوالہ کردے پھر اس دی ہوئی رقم کو اس کے قبضہ کر لینے کے بعد اس سے اپنے قرض میں وصول کر لے اور اگر یہ محتاج مدیون یعنی قرض دار قرض واپس نہ کرے تو ہاتھ بڑھا کر اس سے چھین لے کیوں کہ قرض دینے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنا واجب حق اس طرح حاصل کر لے۔ اور اگر قرض دار مزاحمت کرے اور قرض ادا نہ کرے تو پھر یہ مقدمہ قاضی کے پاس لے جائے اور بزور عدالت اس سے اپنا قرض وصول کرے، اس طرح اس کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور اپنا حق بھی وصول کر لے گا۔

مال زکوٰۃ سے تجہیز وتکفین کا شرعی حیلہ

اصل مسئلہ یہ ہے زکوٰۃ کے مال سے مردے کی تجہیز وتکفین کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کی زکوٰۃ اس کے مال کا مستحق فقیر و محتاج ہے اور اس کو مالک بنانا بھی ضروری ہے اور یہاں تملیک نہیں ہوتی ہے اس لئے مردے کو کفن دینا مال زکوٰۃ سے جائز نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص زکوٰۃ ہی کے مال سے مردے کو کفن دینا چاہے تو اس کا جائز حیلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال پہلے کسی محتاج و مستحق زکوٰۃ کو مالک بنادے پھر وہ محتاج و مستحق اس مال سے مردے کو کفن دے تو اس صورت میں دونوں کو ثواب ملے گا۔ حیلہ اختیار کرنے والے اور مستحق و محتاج کو بھی اور یہ حیلہ مسجد کی تعمیر میں زکوٰۃ کا روپیہ لگانے میں اختیار کیا جائے گا، نیز مدرسہ کی عمارت بنانے میں زکوٰۃ کا مال لگانے کے لئے یہی حیلہ اختیار کیا جائے گا، یعنی پہلے کسی غریب یا محتاج کو زکوٰۃ دے گا پھر وہ غریب شخص اپنا مال مسجد کی تعمیر، اور مدرسہ کی تعمیر میں لگائے گا۔ اور اس کی مزید تفصیل علامہ ابن نجیم کی کتاب الاشباہ والنظائر میں حیلہ کے بیان میں ہے۔

وَافْتِرَاضُهَا عُمْرِيٌّ أَيْ عَلَى التَّرَاخِي وَصَحَّحَهُ الْبَاقَانِيُّ وَغَيْرُهُ وَقِيلَ فَوْرِيٌّ أَيْ وَاجِبٌ عَلَى الْفَوْرِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَمَا فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ فَيَأْثَمُ بِتَأْخِيرِهَا بِلَا عُذْرٍ وَتُرَدُّ شَهَادَتُهُ لِأَنَّ الْأَمْرَ بِالصَّرْفِ إِلَى الْفَقِيرِ مَعَهُ قَرِينَةُ الْفَوْرِ وَهِيَ أَنَّهُ لِدَفْعِ حَاجَتِهِ وَهِيَ مُعَجَّلَةٌ ، فَمَتَى لَمْ تَجِبْ عَلَى الْفَوْرِ لَمْ يَحْصُلِ الْمَقْصُودُ مِنَ الْإِيجَابِ عَلَى وَجْهِ التَّمَامِ ، وَتَمَامُهُ فِي الْفَتْحِ لَا يَبْقَى لِلتِّجَارَةِ مَا أَيْ عَبْدٌ مَثَلًا اشْتَرَاهُ لَهَا فَنَوَى بَعْدَ ذَلِكَ خِدْمَتَهُ ثُمَّ مَا نَوَاهُ لِلْخِدْمَةِ لَا يَصِيرُ لِلتِّجَارَةِ وَإِنْ نَوَاهُ لَهَا مَا لَمْ يَبِعْهُ بِجِنْسِ مَا فِيهِ الزَّكَاةُ. وَالْفَرْقُ أَنَّ التِّجَارَةَ عَمَلٌ فَلَا تَتِمُّ بِمُجَرَّدِ النِّيَّةِ ؛ بِخِلَافِ الْأَوَّلِ فَإِنَّهُ تَرْكُ الْعَمَلِ فَيَتِمُّ بِهَا، وَمَا اشْتَرَاهُ لَهَا أَيْ لِلتِّجَارَةِ كَانَ لَهَا لِمُقَارَنَةِ النِّيَّةِ لِعَقْدِ التِّجَارَةِ لَا مَا وَرِثَهُ وَنَوَاهُ لَهَا لِعَدَمِ الْعَقْدِ إِلَّا إِذَا تَصَرَّفَ فِيهِ أَيْ

نَاوِيًا فَتَجِبُ الزَّكَاةُ لِاقْتِرَانِ النِّيَّةِ بِالْعَمَلِ إِلَّا الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَالسَّائِمَةَ ، لِمَا فِي الْخَانِيَّةِ: لَوْ وَرِثَ سَائِمَةً لَزِمَهُ زَكَاتُهَا بَعْدَ حَوْلٍ نَوَاهُ أَوْ لَا، وَمَا مَلَكَهُ بِصُنْعِهِ كَهِبَةٍ أَوْ وَصِيَّةٍ أَوْ نِكَاحٍ أَوْ خُلْعٍ أَوْ صُلْحٍ مِنْ قَوَدٍ قَيَّدَ بِالْقَوَدِ لِأَنَّ الْعَبْدَ لِلتِّجَارَةِ إِذَا قَتَلَهُ عَبْدٌ خَطَأً وَدُفِعَ بِهِ كَانَ الْمَدْفُوعُ لِلتِّجَارَةِ خَانِيَّةٌ وَكَذَا كُلُّ مَا قُوبِضَ بِهِ مَالُ التِّجَارَةِ فَإِنَّهُ يَكُونُ لَهَا بِلَا نِيَّةٍ كَمَا مَرَّ وَنَوَاهُ لَهَا كَانَ لَهُ عِنْدَ الثَّانِي وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا يَكُونُ لَهَا بَحْرٌ عَنِ الْبَدَائِعِ. وَفِي أَوَّلِ الْأَشْبَاهِ : وَلَوْ قَارَنَتِ النِّيَّةُ مَا لَيْسَ بَدَلَ مَالٍ بِمَالٍ لَا تَصِحُّ عَلَى الصَّحِيحِ.

زکوٰۃ کی ادائیگی عمر بھر میں ضروری ہے

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کا فرض ہونا عمری ہے، یعنی علی سبیل التراخی فرض ہوتی ہے لہٰذا زکوٰۃ ادا کرنے والا زندگی کے کسی بھی حصہ میں ادا کرے گا اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اس پر اس کا گناہ باقی نہ رہے گا، علامہ باقانی وغیرہ نے اسی قول کو صحیح کہا ہے۔ اور اس بارے میں ایک دوسرا قول یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت فوری ہے یعنی جو بھی زکوٰۃ میں واجب ہوا اسی وقت فوراً ادا کرنا واجب ہے اور مفتی بہ یہی دوسرا قول ہے جیسا کہ شرح وہبانیہ میں اسکی صراحت موجود ہے۔

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب فتویٰ اس بات پر ہوا کہ فوراً زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے تو جو شخص بلا عذر شرعی زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرے گا وہ گناہ گار ہوگا اور اس کی گواہی رد کر دی جائے گی، اس لئے کہ بلا عذر زکوٰۃ کے ادا کرنے میں تاخیر کرنے کی وجہ سے فاسق ہو گیا ہے اور فاسق کی شہادت مردود ہوتی ہے، اور زکوٰۃ کے فوری طور پر واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فقیروں کو زکوٰۃ کا مال دینا اس بات کا قرینہ ہے کہ وہ فوراً خرچ کرنے کا محتاج اور ضرورت مند ہے لہٰذا اس کی ضرورت فوری طور پر پوری ہونی چاہیے تو اگر زکوٰۃ فی الفور واجب نہ ہوئی تو اصل زکوٰۃ دینے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ اور ایجاب زکوٰۃ کا مقصد ہے ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا اور تراخی میں یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے، اس لئے علی الفور ہی زکوٰۃ واجب ہے اور اس کی پوری تفصیل فتح القدیر میں ہے۔

تبدیلی نیت کے اثرات

مسئلہ یہ ہے کہ جس مال کو تجارت کی غرض سے خریدا تھا، مثلاً غلام کو تجارت کی نیت سے خریدا، پھر بعد میں خدمت کی نیت کر لی تو اب وہ مال تجارت کے لئے باقی نہ رہے گا بلکہ غلام خدمت کے لئے ہو جائے گا، جب تک کہ اس غلام کو اس مال کے بدلہ میں نہ فروخت کر دیا جائے جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص نے ایک غلام خدمت کی نیت سے

خریدا پھر بعد میں اس میں تجارت کی نیت کر لی، تو محض تجارت کی نیت کر لینے سے وہ غلام تجارت کے لئے نہیں ہوگا جب تک کی مالک اس کے بدلہ ایسا مال نہ لے لے جس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ یہاں دو شکلیں ہیں: (۱) وہ مال جو تجارت کی نیت سے خریدا گیا تھا پھر بعد میں اس مال کو اپنی خدمت اور استعمال کے لئے رکھ لیا اور خدمت کی نیت کر لی لہٰذا اب وہ مال محض نیت سے استعمال ہو گیا تجارت کے لئے باقی نہیں رہا ہے۔ (۲) وہ مال جو خدمت اور استعمال کی نیت سے خریدا گیا تھا بعد میں تجارت کی نیت کر لی تو محض نیت کرنے سے یہ مال تجارت کے لئے نہیں ہوگا، بلکہ جب یہ مال بک جائے گا اور اس کے عوض میں ایسا مال لے لے گا جس میں زکوۃ ہوتی ہے تب وہ مال تجارت کے لئے قرار پائے گا۔

ان دونوں صورتوں کے درمیان فرق

اب یہاں یہ **سوال** پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان کیا فرق ہے؟ **جواب** یہ ہے کہ پہلی صورت میں محض خدمت کی نیت اس لئے کافی ہے کہ خدمت تجارت کی طرح کوئی عمل اور کاروبار نہیں ہے کہ وہاں صرف نیت کافی نہ ہو، وہاں تو ترکِ عمل ہے اور اسکے واسطے صرف نیت کافی ہے بخلاف خدمت کے بعد تجارت کی نیت کرنا یہاں عمل کی ضرورت ہے اور عمل صرف نیت کا نام نہیں ہے بلکہ کام کا نام ہے، مثال کے طور پر ایک شخص مسافر ہے اس نے اقامت کی نیت کر لی تو مقیم ہو جائیگا کیونکہ ترکِ سفر کا نام اقامت ہے لیکن مقیم شخص محض سفر کی نیت کرنے سے مسافر نہ ہوگا جب تک کی عمل سفر شروع نہ کرے۔

وارث کے مال میں تجارت کی نیت

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو مال تجارت کی نیت سے خریدا گیا ہے وہ تجارت ہی کے لئے ہوگا عقد تجارت کے وقت نیت کے متصل ہونے کی وجہ سے ہے، لیکن جو مال وراثت میں ملا ہے اس میں صرف تجارت کی نیت کرنے سے تجارت کا مال نہیں ہوگا اس لئے کہ وراثت کے مال میں کوئی عقد معاملہ نہیں ہوا ہے کہ جس کی وجہ سے نیت کا اعتبار کیا جاتا، البتہ جب اس مال وراثت میں تجارت کی نیت سے تصرف کر دے گا تو اس کے بدلہ میں جو چیز آئے گی اس میں زکوۃ واجب ہوگی، اس لئے کی یہاں نیت عمل کے ساتھ پائی گئی ہے، لیکن اگر کسی کو وراثت میں سونا، چاندی اور سائمہ جانور ملیں تو سال گذرنے کے بعد ان پر زکوۃ لازم ہوگی خواہ ان میں تجارت کی نیت کرے خواہ نہ کرے، سونا، چاندی اور سائمہ جانوروں میں زکوۃ کے واجب ہونے کے لئے تجارت کی نیت ضروری نہیں ہے۔

ہبہ اور وصیت کے مال میں تجارت کی نیت کرنا

جس مال کا مالک اپنے فعل سے ہوا ہے جیسے ہبہ، یا وصیت یا نکاح میں ملا ہوا مہر، یا بدل خلع، یا صلح قصاص کے عوض ملا ہوا مال، اگر اس میں تجارت کی نیت کرلے تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ تجارت کا مال شمار ہوگا۔ اور اس بارے میں صحیح مذہب یہ ہے کہ محض تجارت کی نیت کرنے سے تجارت کے لئے نہیں ہوگا اس لئے کہ تجارت نام ہے مال کا مال کے بدلہ میں حاصل ہونے کا، اور مذکورہ صورتوں میں کسی مال کے عوض کے بغیر مال حاصل ہوا ہے اس لئے محض نیت سے تجارت کے لئے نہیں ہوگا، جیسا کہ صاحب البحر الرائق نے بدائع الصنائع سے نقل کیا ہے۔

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صلح میں قصاص کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر تجارت کے غلام کو کوئی غلام خطاءً قتل کردے اور مقتول کے قتل کے بدلہ میں اس غلام قاتل کو مقتول کے اولیا کے حوالہ کردیا جائے تو یہ غلام مالک کی نیت کے بغیر تجارت کے لئے شمار ہوگا، جیسا کہ فتاویٰ تارتارخانیہ میں ہے، اسی طرح جو چیز بھی تجارت کے مال کے بدلہ میں قبضہ میں آئے گی وہ بھی نیت تجارت کے بغیر تجارت کے لئے ہوگی جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

اور الاشباہ والنظائر کے شروع میں لکھا ہے کہ جو مال کسی مال کے عوض میں نہ ہو اس میں تجارت کی نیت اصح مذہب کے مطابق درست نہ ہوگی، حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کے مقابلہ میں جو قول نقل کیا گیا ہے اس کی تائید کے لئے شارح علیہ الرحمہ نے یہ قول نقل فرمایا ہے جیسا کہ طحطاوی میں ہے۔

لَا زَكَاةَ فِي اللَّآلِي وَالْجَوَاهِرِ وَإِنْ سَاوَتْ أَلْفًا اتِّفَاقًا إِلَّا أَنْ تَكُونَ لِلتِّجَارَةِ وَالْأَصْلُ أَنَّ مَا عَدَا الْحَجَرَيْنِ وَالسَّوَائِمَ إِنَّمَا يُزَكَّى بِنِيَّةِ التِّجَارَةِ بِشَرْطِ عَدَمِ الْمَانِعِ الْمُؤَدِّى إِلَى الثَّنى وَشَرْطِ مُقَارَنَتِهَا لِعَقْدِ التِّجَارَةِ وَهُوَ كَسْبُ الْمَالِ بِالْمَالِ بِعَقْدِ شِرَاءٍ أَوْ إِجَارَةٍ أَوْ اسْتِقْرَاضٍ. وَلَوْ نَوَى التِّجَارَةَ بَعْدَ الْعَقْدِ أَوْ اشْتَرَى شَيْئًا لِلْقِنْيَةِ نَاوِيًا أَنَّهُ إِنْ وَجَدَ رِبْحًا بَاعَهُ لَا زَكَاةَ عَلَيْهِ كَمَا لَوْ نَوَى التِّجَارَةَ فِيمَا خَرَجَ مِنْ أَرْضِهِ كَمَا مَرَّ ؛ وَكَمَا لَوْ شَرَى أَرْضًا خَرَاجِيَّةً نَاوِيًا التِّجَارَةَ أَوْ عُشْرِيَّةً وَزَرَعَهَا أَوْ بَذْرًا لِلتِّجَارَةِ وَزَرَعَهُ لَا يَكُونُ لِلتِّجَارَةِ لِقِيَامِ الْمَانِعِ.

موتیوں اور جواہر میں زکوٰۃ

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ موتیوں اور جواہر میں بالاتفاق زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اگر چہ وہ ہزاروں کی قیمت

کے ہوں، پھر بھی زکوۃ نہیں ہے ہاں اگر یہ دونوں تجارت کے واسطے ہوں تو ان میں زکوۃ واجب ہوگی، اور اس بارے میں ضابطہ کلی یہ ہے کہ حجرین یعنی سونا چاندی اور سوائم (یعنی وہ جانور جو سال میں اکثر جنگلوں میں چرتے ہوں) کے علاوہ اور چیزوں میں اس وقت زکوۃ واجب ہوتی ہے جب ان میں تجارت کی نیت کی ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ کوئی ایسا مانع نہ ہو جس کی وجہ سے دوبارہ زکوۃ کی نوبت آئے اور یہ بھی شرط ہے کہ عقد تجارت سے نیت متصل ہو، اور عقد تجارت نام ہے مال کو مال کے بدلہ میں حاصل کرنے کا، خواہ خرید وفروخت کے ذریعہ ہو، خواہ اجارہ کے ذریعہ ہو، خواہ قرض لینے کے طور پر ہو۔

اگر معاملہ کے بعد تجارت کی نیت کی، یا کوئی سامان گھر میں استعمال کے لئے اس نیت سے خریدا کہ اگر اس میں نفع ہوگا تو اس کو فروخت کردیں گے، تو ایسی چیز میں زکوۃ واجب نہیں ہے، جیسا کہ اس کی اس زمین کی پیدوار میں زکوۃ واجب نہیں ہے جو زمین عشری یا خراجی ہو، اگرچہ اس میں تجارت کی نیت کیوں نہ کی ہو، کیونکہ عشر وخراج مانع زکوۃ موجود ہے جیسا کہ گذر چکا ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص عشری یا خراجی زمین کو تجارت کی نیت سے خریدے اور اس زمین میں کھیتی لگادے، یا کسی نے بیج تجارت کی نیت سے خریدا، پھر اس کو زمین میں بودیا، تو ان صورتوں میں تجارت کے لئے نہیں ہوگا، کیوں کہ یہاں مانع زکوۃ موجود ہے اور وہ زمین کا عشری اور خراجی ہونا۔

باب السائمة

حضرت مصنف علیہ الرحمہ اس باب میں ان جانوروں کی زکوۃ کا نصاب اور مسائل بیان کریں گے جو سال کے اکثر حصہ جنگلوں میں چر کر زندگی گذارتے ہیں۔ درحقیقت "سائمہ" کے لغوی معنی: چرنے والے جانور کے ہیں، تو گویا اس باب میں سائمہ یعنی ایسے جنگلوں میں چر کر زندگی گذارنے والے جانوروں کی زکوۃ کے احکام و مسائل بیان کئے جائیں گے جن کا جنگلوں میں چرنے کا معاوضہ مالک کو نہ دینا پڑتا ہو۔

هِيَ الرَّاعِيَةُ، وَشَرْعًا الْمُكْتَفِيَةُ بِالرَّعْيِ الْمُبَاحِ، ذَكَرَهُ الشُّمُنِّيُّ فِي أَكْثَرِ الْعَامِ لِقَصْدِ الدَّرِّ وَالنَّسْلِ ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ، وَزَادَ فِي الْمُحِيطِ وَالزِّيَادَةِ وَالسِّمَنِ لِيَعُمَّ الذُّكُورَ فَقَطْ، لَكِنْ فِي الْبَدَائِعِ لَوْ أَسَامَهَا لِلَّحْمِ فَلَا زَكَاةَ فِيهَا كَمَا لَوْ أَسَامَهَا لِلْحَمْلِ وَالرُّكُوبِ وَلَوْ لِلتِّجَارَةِ فَفِيهَا زَكَاةُ التِّجَارَةِ وَلَعَلَّهُمْ تَرَكُوا ذَلِكَ لِتَصْرِيحِهِمْ بِالْحُكْمَيْنِ فَلَوْ عَلَفَهَا نِصْفَهُ لَا تَكُونُ سَائِمَةً فَلَا زَكَاةَ فِيهَا لِلشَّكِّ فِي الْمُوجِبِ، وَيَبْطُلُ حَوْلُ زَكَاةِ التِّجَارَةِ بِجَعْلِهَا لِلسَّوْمِ لِأَنَّ زَكَاةَ السَّوَائِمِ وَزَكَاةَ التِّجَارَةِ مُخْتَلِفَانِ قَدْرًا وَسَبَبًا، فَلَا يُبْنَى حَوْلُ أَحَدِهِمَا عَلَى الْآخَرِ فَلَوْ اشْتَرَى لَهَا أَيْ لِلتِّجَارَةِ ثُمَّ جَعَلَهَا سَائِمَةً اُعْتُبِرَ أَوَّلُ الْحَوْلِ مِنْ وَقْتِ الْجَعْلِ لِلسَّوْمِ، كَمَا لَوْ بَاعَ السَّائِمَةَ فِي وَسَطِ الْحَوْلِ أَوْ قَبْلَهُ بِيَوْمٍ بِجِنْسِهَا أَوْ بِغَيْرِ جِنْسِهَا أَوْ بِنَقْدٍ وَلَا نَقْدَ عِنْدَهُ أَوْ بِعُرُوضٍ وَنَوَى بِهَا التِّجَارَةَ فَإِنَّهُ يَسْتَقْبِلُ حَوْلًا آخَرَ جَوْهَرَةٌ، وَفِيهَا لَيْسَ فِي سَوَائِمِ الْوَقْفِ وَالْخَيْلِ الْمُسَبَّلَةِ زَكَاةٌ لِعَدَمِ الْمَالِكِ وَلَا فِي الْمَوَاشِي الْعُمْيِ، وَلَا مَقْطُوعَةِ الْقَوَائِمِ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ سَائِمَةً.

سائمہ جانور کی تعریف

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "سائمہ" لغت میں: چرنے والے جانور کو کہتے ہیں۔ اور "سائمہ" کے شرعی معنی: "وہ جانور ہیں جو جائز مباح چرائی پر اکتفاء کریں"، اس کو شمنی نے ذکر کیا ہے۔ سال کا اکثر حصہ چرنے پر اکتفاء کرے، دودھ

اور بچہ حاصل کرنے کے لئے، اس کو زیلعی نے ذکر کیا ہے۔ اور محیط نامی کتاب میں اتنا مزید اضافہ ہے کہ یا چرنے پر اکتفاء زیادتی اور موٹاپے کے لئے کرے، تاکہ یہ صرف نروں کو شامل ہو، لیکن بدائع الصنائع میں ہے کہ اگر جانوروں کو گوشت کے لئے چرایا تو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہے، اس طرح کہ اگر کوئی شخص جانوروں کو لادنے کے لئے چرائے، یا سواری کرنے کے لئے چرائے تو ان میں بھی زکوۃ واجب نہیں ہے اور اگر بغرض تجارت چرایا تو اس میں تجارت کی زکوۃ ہے۔

اور متن والوں نے اس قید کو اس لئے ترک کر دیا ہے کہ ان دونوں کا حکم ماقبل میں صراحت کے ساتھ آچکا ہے، یعنی یہ مسئلہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جو مال تجارت کے لئے ہوگا اس میں زکوۃ واجب ہوگی، اور مال کا لفظ اتنا عام ہے کہ حیوانات کو بھی شامل ہے، البتہ جو جانور سواری کے لئے یا سامان لادنے میں کام کے لئے ہو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

علوفہ (پالتو) جانوروں کی زکوۃ کا حکم

اگر جانوروں کو آدھے سال تک گھر میں باندھ کر گھاس کھلایا تو وہ سائمہ میں شمار نہ ہوں گے جن پر زکوۃ واجب ہے، لہٰذا علوفہ یعنی پالتو جانوروں میں زکوۃ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ ان کا سائمہ ہونا مشکوک ہو چکا ہے۔

سائمہ اور تجارت کی زکوۃ کے سال

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے جانور کو تجارت کرنے کی نیت سے خریدا تھا تو اس پر سال گذرنے کے بعد زکوۃ واجب ہوگی لیکن اس نے جانوروں کو جو تجارت کے لئے خریدی گئی تھیں سائمہ بنا دیا تو اب تجارت کی زکوۃ کا سال باطل ہو جائے گا کیوں کہ سائمہ جانوروں کی زکوۃ اور تجارت کی زکوۃ دونوں مقدار اور سبب میں مختلف ہیں، لہٰذا ان دونوں میں سے ایک کا سال دوسرے کے سال پر مبنی نہیں ہوگا۔

(اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی کے پاس تجارت کے لئے جانور تھے، کچھ دنوں کے بعد جانوروں کے مالک نے ان کو دودھ اور افزائش نسل کے لئے چرنے کے واسطے چھوڑ دیا، تو اب اس صورت میں زکوۃ کا سال اس دن سے شروع ہوگا جس دن سے چرائی شروع ہوئی تھی، اس سے پہلے کے ایام سال میں شمار نہ ہوں گے، کیوں کہ تجارت کی زکوۃ کی مقدار شرعی کا چالیسواں حصہ ہے، اور سوائم جانوروں میں مختلف تعداد ہونے پر زکوۃ میں جانور دینے پڑتے ہیں، اور دونوں کے سبب بھی الگ الگ ہیں بایں طور کہ مال تجارت میں زکوۃ کا سبب نصاب مالی کا مالک ہونا ہے اور سوائم جانوروں میں زکوۃ کا سبب عدد معین کا مالک ہونا ہے، لہٰذا ایک کا سال دوسرے کے سال پر مبنی نہیں ہوگا)۔

جانوروں میں نیت کی تبدیلی کرنا

اگرکوئی شخص بغرض تجارت جانور خریدے، پھران جانوروں کو سائمہ بنادیا یعنی ان کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا تو ایسی صورت میں اول سال اس وقت سے معتبر ہوگا جب سے اس نے جانوروں کو چرائی کے لئے چھوڑا ہے، جس طرح کہ اگر کوئی شخص سائمہ یعنی چرنے والے جانور کو درمیان سال، یا سال مکمل ہونے سے ایک دن پہلے جنس یا غیر جنس کے عوض فروخت کردے یا نقد روپیوں کے عوض فروخت کردے اور اس کے پاس پہلے سے کوئی نقد موجود نہ ہو، یا سامان کے بدلے فروخت کرے اور اس سامان میں تجارت کی نیت کرلے، تو مذکورہ تمام صورتوں میں از سر نو سال شروع ہوگا، جیسا کہ الجوہرۃ النیرہ میں ہے۔اوراسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو سائمہ جانور وقف ہو، یا جو گھوڑے فی سبیل اللہ رکھے گئے ہوں، ان میں زکوٰۃ نہیں ہے اس لئے کہ مال موقوفہ اور فی سبیل اللہ مال کا کوئی مالک نہیں ہوتا ہے۔اسی طرح اندھے اور پاؤں کٹے جانوروں میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے، اس لئے کہ یہ جانور سائمہ باقی نہیں رہے اور جب سائمہ نہیں رہے تو زکوٰۃ بھی نہیں ہوگی۔

بابُ نصابِ الإبل

یہ باب اونٹوں کے نصاب کے بیان میں ہے

یعنی اس باب کے تحت یہ مسئلہ بیان کیا جائے گا کہ کتنے اونٹوں میں زکوۃ واجب ہوتی ہے اور وجوبِ زکوۃ ابل کے لئے کیا شرطیں ہیں اور اسی سے متعلق دیگر ضروری مسائل بھی بیان کئے جائیں گے۔

بِكَسْرِ الْبَاءِ وَتُسَكَّنُ مُؤَنَّثَةٌ لَا وَاحِدَ لَهَا مِنْ لَفْظِهَا ، وَالنِّسْبَةُ إِلَيْهَا إِبَلِيٌّ بِفَتْحِ الْبَاءِ ، سُمِّيَتْ بِهِ لِأَنَّهَا تَبُولُ عَلَى أَفْخَاذِهَا خَمْسٌ ، فَيُؤْخَذُ مِنْ كُلِّ خَمْسٍ مِنْهَا إِلَى خَمْسٍ وَعِشْرِينَ بُخْتٍ) جَمْعُ بُخْتِيٍّ : وَهُوَ مَا لَهُ سَنَامَانِ ، مَنْسُوبٌ إِلَى بُخْتَنَصَّرَ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الْعَرَبِيِّ وَالْعَجَمِيِّ فَوُلِدَ مِنْهُمَا وَلَدٌ فَسُمِّيَ بُخْتِيًّا أَوْ عِرَابٍ شَاةٌ وَمَا بَيْنَ النِّصَابَيْنِ عَفْوٌ وَفِيهَا أَيْ الْخَمْسِ وَعِشْرِينَ بِنْتُ مَخَاضٍ وَهِيَ الَّتِي طَعَنَتْ فِي السَّنَةِ الثَّانِيَةِ سُمِّيَتْ بِهِ لِأَنَّ أُمَّهَا غَالِبًا تَكُونُ مَخَاضًا أَيْ حَامِلًا بِأُخْرَى وَفِي سِتٍّ وَثَلَاثِينَ إِلَى خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ وَهِيَ الَّتِي طَعَنَتْ فِي الثَّالِثَةِ لِأَنَّ أُمَّهَا تَكُونُ ذَاتَ لَبَنٍ الْأُخْرَى غَالِبًا وَفِي سِتٍّ وَأَرْبَعِينَ إِلَى السِّتِّينَ حِقَّةٌ بِالْكَسْرِ وَهِيَ الَّتِي طَعَنَتْ فِي الرَّابِعَةِ وَحَقَّ رُكُوبُهَا وَفِي إِحْدَى وَسِتِّينَ) إِلَى خَمْسٍ وَسَبْعِينَ جَذَعَةٌ بِفَتْحِ الذَّالِ الْمُعْجَمَةِ وَهِيَ الَّتِي طَعَنَتْ فِي الْخَامِسَةِ لِأَنَّهَا تَجْذَعُ : أَيْ تَقْلَعُ أَسْنَانَ اللَّبَنِ وَفِي سِتٍّ وَسَبْعِينَ إِلَى تِسْعِينَ بِنْتَا لَبُونٍ ، وَفِي إِحْدَى وَتِسْعِينَ حِقَّتَانِ إِلَى مِائَةٍ وَعِشْرِينَ كَذَا كُتُبُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ثُمَّ تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيضَةُ عِنْدَنَا فَيُؤْخَذُ فِي كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ مَعَ الْحِقَّتَيْنِ ثُمَّ فِي كُلِّ مِائَةٍ وَخَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ بِنْتُ مَخَاضٍ وَحِقَّتَانِ ، ثُمَّ فِي كُلِّ مِائَةٍ وَخَمْسِينَ ثَلَاثُ حِقَاقٍ ثُمَّ تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيضَةُ بَعْدَ الْمِائَةِ وَالْخَمْسِينَ فَفِي كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ مَعَ الثَّلَاثِ حِقَاقٍ ثُمَّ فِي كُلِّ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ بِنْتُ مَخَاضٍ مَعَ الْحِقَاقِ ثُمَّ فِي سِتٍّ وَثَلَاثِينَ بِنْتُ لَبُونٍ مَعَهُنَّ ثُمَّ فِي مِائَةٍ وَسِتٍّ وَتِسْعِينَ أَرْبَعُ حِقَاقٍ إِلَى مِائَتَيْنِ ، ثُمَّ تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيضَةُ بَعْدَ الْمِائَتَيْنِ

أَبَدًا، كَمَا تُسْتَأْنَفُ فِي الْخَمْسِينَ الَّتِي بَعْدَ الْمِائَةِ وَالْخَمْسِينَ حَتَّى يَجِبَ فِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ. وَلَا تُجْزِءُ ذُكُورُ الْإِبِلِ إِلَّا بِالْقِيمَةِ لِلْإِنَاثِ، بِخِلَافِ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ، فَإِنَّ الْمَالِكَ مُخَيَّرٌ.

لفظ اِبل کی تحقیق

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ لفظ "اِبل" باء کے زیر کے ساتھ اور سکون کے ساتھ ہے۔ اور لفظ اِبل مؤنث استعمال ہوتا ہے اور لفظ اِبل کا واحد اسی لفظ سے نہیں آتا ہے اور اس کی طرف نسبت کر کے اِبلی (باء کے زبر کے ساتھ) کہا جاتا ہے۔ اور اِبل کا نام اِبل اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ اپنی رانوں پر پیشاب کرتا ہے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ اِبل کا اطلاق، اونٹ اونٹنی دونوں کو شامل ہے، خواہ اس کا باپ وحشی کیوں نہ ہو، جب کہ ماں اہلی یعنی پالتو ہو، اور اس کے اندر صغارہ کبار، نابینا، مریض، لنگڑے، موٹے اور پتلے ہر طرح کے اونٹ شامل ہیں، البتہ صدقہ لیتے وقت اعمیٰ، مریض، اور اعرج میں سے کسی کو نہیں لیا جائے گا، اس کی پوری تفصیل البحر الرائق میں ہے۔

اونٹوں کا نصابِ زکوۃ

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اونٹ کا نصاب زکوۃ پانچ ہے لہذا پانچ اونٹ سے لے کر پچیس اونٹ تک ہر پانچ میں ایک بکری زکوۃ واجب ہوگی خواہ یہ اونٹ بختی ہوں، خواہ عربی، اور دو نصابوں کے درمیان جو زیادہ اونٹ ہوں گے ان میں زکوۃ معاف ہے، اس کا واجب یہ ہے کہ جب کسی کے پاس پانچ اونٹ ہو جائے تو اس پر ایک بکری زکوۃ لازم ہوگی، اور نو تک صرف ایک ہی بکری ہوگی، اسی طرح دس اونٹ سے لے کر چودہ اونٹ تک صرف دو بکریاں ہوں گی، اور انیس تک تین بکریاں، اور چوبیس تک چار بکریاں واجب ہوں گی اور جب پچیس اونٹ ہو جائے تو ان میں ایک بنتِ مخاض زکوۃ میں واجب ہوگی۔

بختی اونٹ کس کو کہتے ہیں

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ لفظ بخت، بختی کی جمع ہے اور بختی اس اونٹ کو کہا جاتا ہے جس کے دو کوہان ہوتے ہیں، اور بختی درحقیقت بخت نصر بادشاہ کی طرف منسوب ہے اس لئے کہ سب سے پہلے انہوں نے ہی عربی اور عجمی اونٹوں کو جمع کر کے ایک نئی نسل حاصل کی تھی جس کا نام بختی رکھا گیا۔

پچیس سے زائد اونٹ میں زکوٰۃ کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب کسی کے پاس پچیس اونٹ ہوں گے تو ایک بنت مخاض زکوٰۃ میں واجب ہوگی، اور بنت مخاض اونٹ کا وہ ایک سالہ بچہ ہے جس کا ایک سال پورا ہو کر دوسرا سال شروع ہو چکا ہو، اور ایسے ایک سالہ اونٹ کے بچے کا ''بنت مخاض'' اس لئے نام رکھا گیا ہے کہ مخاض حاملہ کو کہتے ہیں اور اس کی ماں اونٹنی عام طور پر دوسرے سال میں حاملہ ہو جاتی ہے۔

پچیس اونٹ سے لے کر پینتیس اونٹ تک تو بنت مخاض ہی زکوٰۃ میں واجب ہوگی، لیکن جب اونٹوں کی تعداد چھتیس ہو جائے تو اس میں زکوٰۃ کے اندر ایک بنت لبون ہی واجب ہوگی اور پینتالیس اونٹوں کی تعداد تک بنت لبون ہی واجب ہوگی۔ اور بنت لبون اونٹ کا وہ دو سالہ بچہ ہے جس کا تیسرا سال شروع ہو چکا ہو، اور اس کو بنت لبون کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ماں عام طور پر اس عرصہ میں دوسرا بچہ دے کر دودھ والی ہو چکی ہوتی ہے۔

اور چھیالیس سے لے کر ساٹھ اونٹ تک کی زکوٰۃ حِقَّة ہے، لفظ حِقَّة حاء کے زیر کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ حِقَّة اونٹ کے اس بچہ کو کہا جاتا ہے جو تین سال مکمل کر کے چوتھے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ اور اس کا نام حِقَّة اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ سواری کے قابل ہو جاتا ہے اور اب یہ حق ہو جاتا ہے کہ اس پر سواری کی جائے۔ اور اگر کسی کے پاس ساٹھ اونٹ سے زیادہ اکسٹھ اونٹ ہو جائیں تو اکسٹھ اونٹ سے لے کر پچھتر اونٹ تک کی زکوٰۃ ایک جَذعة ہے۔ اور لفظ جَذعة ذال کے زبر کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ جَذعة اس اونٹ کو کہا جاتا ہے جو سال مکمل کرنے کے بعد پانچویں سال میں داخل ہو چکا ہو، ویسے تو جَذعة کے معنی توڑنے کے ہیں۔ اس عمر کے اونٹ کو جذعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ دودھ کے دانت اس عمر میں عام طور پر ٹوٹنے لگتے ہیں۔

اور چھہتر اونٹ سے لے کر نوے اونٹ تک کی زکوٰۃ میں دو بنت لبون واجب ہوں گے۔ اور اکانوے سے لے کر ایک سو بیس تک میں دو حقہ زکوٰۃ میں واجب ہوں گے۔ یہی تفصیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لکھی تھی۔

ایک سو بیس سے زائد اونٹوں میں زکوٰۃ کی تفصیل

علمائے احناف کے نزدیک ایک سو بیس اونٹ کے بعد زکوٰۃ کا حساب از سر نو شروع ہوگا، اس طرح کہ ایک سو بیس اونٹ میں تو دو حقہ واجب ہوں گے۔ اور ہر پانچ اونٹ پر دو حقہ کے ساتھ ایک بکری بھی واجب ہوگی، مثلاً کسی کے پاس ایک سو

پچیس اونٹ ہیں تو زکوٰۃ میں دو حقے اور ایک بکری واجب ہوگی۔ اور اگر ایک سوتیس اونٹ ہیں تو دو حقے اور دو بکری، ایک سو پینتیس میں دو حقے تین بکریاں، ایک سو چالیس میں دو حقے اور چار بکریاں اور ایک سو پینتالیس میں دو حقے اور ایک بنت مخاض واجب ہوں گے پھر اس کے بعد ہر ایک سو پچاس میں تین حقے ہوں گے۔

ایک سو پچاس سے زائد اونٹوں میں زکوٰۃ کی تفصیل

اگر کسی کے پاس ڈیڑھ سو اونٹ ہیں تو تین حقے زکوٰۃ میں واجب ہوں گے اس کے بعد حساب پھر از سر نو شروع ہوگا مثلاً کسی کے پاس ایک سو پچپن اونٹ ہیں تو تین حقے اور ایک بکری، ایک سو ساٹھ میں تین حقے دو بکریاں، ایک سو پینسٹھ میں تین حقے تین بکریاں، ایک سو ستر میں تین حقے اور چار بکریاں، اور ایک سو پچہتر میں تین حقے اور ایک بنت مخاض، اور ایک سو چھیاسی میں تین حقے اور ایک بنت لبون واجب ہوں گے، الغرض یہاں ایک سو پچاس اونٹ کے بعد ہر پانچ اونٹ میں حقوں کے ساتھ ایک بکری اور پچیس میں حقاق کے ساتھ ایک بنت مخاض اور چھتیس میں حقاق کے ساتھ ایک بنت لبون، پھر ایک سو چھیانوے میں چار حقے ہوں گے، دو سو اونٹ تک۔

دو سو اونٹ سے زائد میں زکوٰۃ کی تفصیل

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دو سو کی تعداد مکمل ہونے کے بعد پھر ہمیشہ از سر نو زکوٰۃ کا حساب شروع ہوگا، جیسا کہ ایک سو پچاس کے بعد پچاس میں کیا جاتا رہا ہے یہاں تک کہ ہر پچاس میں ایک حقہ واجب ہوگا۔ مثال کے طور پر دو سو پانچ اونٹ ہیں تو ان میں چار حقے اور ایک بکری واجب ہوگی۔ اور دو سو دس اونٹ میں چار حقے اور دو بکریاں، اور دو سو پندرہ اونٹ میں چار حقے تین بکریاں، دو سو بیس میں چار حقے چار بکریاں، اور دو سو پچیس میں چار حقے اور ایک بنت مخاض واجب ہوں گے، اسی طرح سلسلہ ماقبل کے مطابق چلتا رہے گا۔

زکوٰۃ میں صرف مذکر اونٹ کا حکم

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ میں صرف نر اونٹ دینا کافی نہیں ہوتا ہے، البتہ اگر مادہ اونٹنی کی قیمت کے اعتبار سے نر اونٹ دیا جائے گا تو وہ کافی ہو جائے گا، اور مقصد یہ ہے کہ مادہ اونٹنی کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اور نر اونٹ کی قیمت کم، اس لئے مادہ اونٹنی کے حساب سے نر اونٹ زکوٰۃ میں دیا جائے گا اس کے برخلاف گائے اور بکری کے، ان دونوں میں مالک کو اختیار ہوتا ہے زکوٰۃ چاہے نر دے چاہے مادہ دے۔

باب زکوٰۃ البقر

مِنَ البَقرِ بالسُّکون: وھُوالشقُّ، سُمِّي بہٖ وَمُفرَدُہٗ بَقرَۃٌ وَالتَّاءُ لِلوَحدَۃِ. نِصَابُ البَقَرِ وَالجَامُوسِ وَلَوْ مُتَوَالِدًا مِنْ وَحْشٍ وَأَھْلِیَّۃٍ، بِخِلَافِ عَکْسِہٖ وَوَحْشِیٌّ بَقرٍ وَغَنَمٍ وَغَیرِھِمَا فَإِنَّہٗ لَا یُعَدُّ فِي النِّصَابِ ثَلَاثُونَ سَائِمَۃً غَیْرَ مُشْتَرِکَۃٍ وَفِیھَا تَبِیعٌ لِأَنَّہٗ یَتْبَعُ أُمَّہٗ ذُو سَنَۃٍ کَامِلَۃٍ أَوْ تَبِیعَۃٌ أُنْثَاہُ وَفِي أَرْبَعِینَ مُسِنٌّ ذُو سَنَتَیْنِ أَوْ مُسِنَّۃٌ ، وَفِیمَا زَادَ عَلَی الأَرْبَعِینَ بِحِسَابِہٖ فِي ظَاھِرِ الرِّوَایَۃِ عَنِ الإِمَامِ. وَعَنْہُ : لَا شَيْءَ فِیمَا زَادَ إِلَی سِتِّینَ فَفِیھَا ضِعْفُ مَا فِي ثَلَاثِینَ وَھُوَ قَوْلُھُمَا وَالثَّلَاثَۃُ وَعَلَیْہِ الْفَتْوَی بَحْرٌ عَنِ الْیَنَابِیعِ وَتَصْحِیحِ الْقُدُورِيِّ ثُمَّ فِي کُلِّ ثَلَاثِینَ تَبِیعٌ ، وَفِي کُلِّ أَرْبَعِینَ مُسِنَّۃٌ إِلَّا إِذَا تَدَاخَلَا کَمِائَۃٍ وَعِشْرِینَ فَیُخَیَّرُ بَیْنَ أَرْبَعِ أَتْبِعَۃٍ وَثَلَاثِ مُسِنَّاتٍ ، وَھٰکَذَا.

گائے بیل میں وجوب زکوٰۃ کا بیان

لفظ "بَقر" کاف کے سکون کے ساتھ مستعمل ہے جس کے معنی پھاڑنے کے ہیں۔ بَقر کو بَقر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین کو پھاڑتا ہے جیسے لفظ "ثَور" جس کے معنی بیل ہیں، بیل کو ثور اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین کو اکھیڑتا ہے اور زمین کو ہموار کر کے کاشت کاری کے لائق بناتا ہے۔ لفظ بقر کا مفرد بَقرۃ آتا ہے اس کے اندر جو گول تاء ہے وہ وحدت کیلئے ہے۔

گائے بیل اور بھینس کے نصابِ شرعی

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ گائے بیل بھینس کا شرعی نصاب جو شریعت نے متعین کیا ہے وہ تیس ہے جو سائمہ ہوں یعنی سال کے بیشتر حصہ جنگلوں میں چر کر زندگی گذارنے والے ہوں اور ساجھی کے نہ ہوں، شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر چہ وہ گائے بھینس اہلی اور وحشی سے پیدا ہوئے ہوں۔ اور اگر اس کے برخلاف وہ مادہ جنگل اور نر اہلی سے پیدا ہوئے ہوں تو نصاب میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح نصاب میں جنگلی گائے اور جنگلی بکری بھی شمار نہ ہوگی، اس لئے کہ جانوروں میں اصل مادہ کا اعتبار ہوتا ہے نر کا نہیں، اور "غیر مشترک" کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اگر تیس جانور دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہوں گے تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس صورت میں ہر ایک حصہ نصاب

شرعی سے کم ہو جائے گا۔

جب تیس سائمہ گائے ہوں گی تو ان صورتوں میں ایک تبیع یعنی ایک سال کا بچھڑا یا بچھڑی دینا واجب ہوگی۔ اور ایک سال کے بچھڑے یا بچھڑی کو تبیع اس لئے کہا جاتا ہے تبیع کے معنی ہیں: ساتھ رہنے والا۔ اور عام طور پر ایک سال کا بچہ اپنی ماں کے ساتھ ہی رہتا ہے۔ اور شارح علیہ الرحمہ نے یہاں "کاملۃ" کی قید اس لئے لگائی ہے کہ بعض علماء نے یہ فرمایا کہ دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو، پس جو بچہ کامل ایک سال کا ہوگا لازمی طور پر وہ دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہوگا۔

اور اگر کسی کے پاس چالیس گائے یا بھینس ہو جائے تو ان کی زکوٰۃ میں دو برس کا نر یا مادہ گائے کا بچہ دینا واجب ہے۔ اس کو عربی میں مُسن کہا جاتا ہے، یعنی چالیس گائے بھینس میں ایک مُسِنّہ واجب ہوگا، اور چالیس سے جتنے بھی زیادہ ہوں گے، ظاہر الرویہ کے مطابق ان کی زکوٰۃ ساٹھ تک اسی حساب سے لی جائے گی، یعنی اگر چالیس پر ایک زیادہ ہوگا تو ایک مسنہ یعنی دو سال کا بچھڑا یا بچھڑی کے ساتھ ساتھ دوسرے دو سالہ بچھڑے یا بچھڑی کا چالیسواں اور دو کی زیادتی کی صورت میں اس کا بیسواں حصہ واجب ہوگا، حضرت امام اعظمؒ کا ظاہر الروایہ کے مطابق یہی مذہب ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ چالیس سے زیادہ ساٹھ تک مسنہ کے علاوہ کچھ بھی واجب نہیں ہے البتہ جب گائے بھینس کی تعداد ساٹھ ہو جائیں تو اس صورت میں اس سے دوگنی زکوٰۃ واجب ہوگی جو تیس کی صورت میں لازم ہوتی تھی، یعنی پورے ایک سال کا دو بچھڑا یا دو بچھڑی زکوٰۃ میں واجب ہوگی، صاحبین اور باقی تینوں امام کا یہی قول ہے اور اسی قول پر فتویٰ بھی ہے، جیسا کہ البحر الرائق میں ینابیع اور تصحیح القدوری سے منقول ہے۔

پھر ہر تیس کے اضافہ کی صورت میں ایک سالہ گائے کا بچہ، اور ہر چالیس میں ایک مسنہ واجب ہے البتہ جب تداخل ہو جائے یعنی ایسا عدد ہو جائے جو تیس اور چالیس دونوں پر پورا پورا تقسیم ہو جائے، مثال کے طور پر ایک سو بیس گائے یا بھینس ہو جائے تو اس صورت میں تیس کے حساب سے چاہے تو چار تبیع یا چالیس کے حساب سے تین مسنہ ادا کر دے سب جائز ہیں، مالکِ بیل و گائے کو اختیار ہوگا خواہ وہ چار تبیع زکوٰۃ میں دے، چاہے تین مسنہ دے۔

بَابُ زَكٰوةِ الغَنَم

بھیڑ اور بکریوں کی زکوٰۃ کے احکام ومسائل کے بیان میں

اس باب میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ بھیڑ اور بکریوں کی زکوٰۃ کے نصابِ شرعی کو بیان کریں گے نیز یہ بھی بیان کریں گے کہ ان میں کب زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور کب واجب نہیں ہوتی ہے، اور کس قسم کی بکریوں میں زکوٰۃ ہے اور کس قسم میں نہیں ہے۔

مُشْتَقٌّ مِنَ الْغَنِيمَةِ ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ آلَةُ الدِّفَاعِ فَكَانَتْ غَنِيمَةً لِكُلِّ طَالِبٍ نِصَابُ الْغَنَمِ ضَأْنًا أَوْ مَعْزًا فَإِنَّهُمَا سَوَاءٌ فِي تَكْمِيلِ النِّصَابِ وَالْأُضْحِيَّةِ وَالرِّبَا لَا فِي أَدَاءِ الْوَاجِبِ وَالْأَيْمَانِ أَرْبَعُونَ وَفِيهَا شَاةٌ تَعُمُّ الذُّكُورَ وَالْإِنَاثَ وَفِي مِائَةٍ وَإِحْدَى وَعِشْرِينَ شَاتَانِ ، وَفِي مِائَتَيْنِ وَوَاحِدَةٍ ثَلَاثُ شِيَاهٍ ، وَفِي أَرْبَعِمِائَةٍ أَرْبَعُ شِيَاهٍ وَمَا بَيْنَهُمَا عَفْوٌ ثُمَّ بَعْدَ بُلُوغِهَا أَرْبَعَمِائَةٍ فِي كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ إِلَى غَيْرِ نِهَايَةٍ وَيُؤْخَذُ فِي زَكَاتِهَا أَيْ الْغَنَمِ الثَّنِيُّ مِنَ الضَّأْنِ وَالْمَعْزِ وَهُوَ مَا تَمَّتْ لَهُ سَنَةٌ لَا الْجَذَعُ إِلَّا بِالْقِيمَةِ وَهُوَ مَا أَتَى أَكْثَرُهَا عَلَى الظَّاهِرِ. وَعَنْهُ جَوَازُ الْجَذَعِ مِنَ الضَّأْنِ ، وَهُوَ قَوْلُهُمَا ، وَالدَّلِيلُ يُرَجِّحُهُ ، ذَكَرَهُ الْكَمَالُ. وَالثَّنِيُّ مِنَ الْبَقَرِ ابْنُ سَنَتَيْنِ ، وَمِنَ الْإِبِلِ ابْنُ خَمْسٍ وَالْجَذَعُ مِنَ الْبَقَرِ ابْنُ سَنَةٍ وَمِنَ الْإِبِلِ ابْنُ أَرْبَعٍ وَلَا شَيْءَ فِي خَيْلٍ سَائِمَةٍ عِنْدَهُمَا وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى خَانِيَّةٌ وَغَيْرُهَا ثُمَّ عِنْدَ الْإِمَامِ هَلْ لَهَا نِصَابٌ مُقَدَّرٌ؟ الْأَصَحُّ لَا لِعَدَمِ النَّقْلِ بِالتَّقْدِيرِ وَلَا فِي بِغَالٍ وَحَمِيرٍ سَائِمَةٍ إِجْمَاعًا لَيْسَتْ لِلتِّجَارَةِ فَلَوْ لَهَا فَلَا كَلَامَ ؛ لِأَنَّهَا مِنَ الْعُرُوضِ وَلَا فِي عَوَامِلَ وَعَلُوفَةٍ مَا لَمْ تَكُنْ الْعَلُوفَةُ لِلتِّجَارَةِ وَلَا فِي حَمَلٍ بِفَتْحَتَيْنِ وَلَدِ الشَّاةِ وَفَصِيلٍ وَلَدِ النَّاقَةِ وَعُجُولٍ بِوَزْنِ سِنَّوْرٍ : وَلَدِ الْبَقَرَةِ ؛ وَصُورَتُهُ أَنْ يَمُوتَ كُلُّ الْكِبَارِ وَيَتِمُّ الْحَوْلُ عَلَى أَوْلَادِهَا الصِّغَارِ إِلَّا تَبَعًا لِكَبِيرٍ وَلَوْ وَاحِدًا ، وَيَجِبُ ذَلِكَ الْوَاحِدُ وَلَوْ نَاقِصًا ؛ فَلَوْ جَيِّدًا يَلْزَمُ الْوَسَطُ وَهَلَاكُهُ يُسْقِطُهَا.

لفظ غنم کی تحقیق

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ لفظ غَنم غَنیمۃ سے مشتق ہے۔اور بکری کو غَنم اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس ایسے آلات نہیں ہوتے ہیں جن سے وہ اپنے طالب کا دفاع کر سکے، تو گویا یہ ہر طلب کرنے والے کے لئے غنیمت ہے، اور بکری بھیڑ کے پاس جو سینگ ہوتا ہے وہ مدافعت کے لائق نہیں ہوتا ہے لہٰذا سینگ کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہے۔

بکری اور بھیڑ کا شرعی نصاب

بکری اور بھیڑ کا شرعی نصاب چالیس ہے۔اگر کسی کے پاس چالیس بکری ہو جائے تو اس میں ایک بکری یا ایک بکرا زکوٰۃ میں واجب ہے۔شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ لفظ غنم کا استعمال عربی زبان میں بکری اور بھیڑ دونوں کے لئے ہوتا ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ کے نصاب پورا کرنے اور قربانی اور باب ربوا میں دونوں برابر ہیں، یعنی جس طرح بکری کی قربانی جائز ہے اسی طرح بھیڑ کی قربانی بھی جائز ہے، البتہ بھیڑ اور بکری واجب کی ادائے گی اور قسم کی ادائیگی میں د[illegible] ابر نہیں ہیں۔اور تکمیل النصاب کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس بھیڑ اور بکری دونوں ملا کر چالیس کی تعداد پہنچتی ہو تب بھی زکوٰۃ لازم ہوگی، جس طرح کہ صرف چالیس بھیڑ اور صرف چالیس بکری میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔اور سود میں برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بکری کے گوشت کے بدلے میں بھیڑ کا گوشت لے کر اور اس میں کمی وبیشی کرے تو یہ حرام ہے۔اور ادائے واجب میں برابر نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس چالیس بھیڑ ہوں اور اس پر زکوٰۃ میں ایک بھیڑ واجب ہو تو اس بھیڑ کے بدلہ میں زکوٰۃ میں بکری نہیں لے سکتے ہیں، اسی طرح اگر کسی نے قسم کھائی کہ خدا کی قسم بکری کا گوشت نہیں کھاؤں گا اس نے بھیڑ کا گوشت کھالیا تو اس سے حانث نہ ہوگا۔

ایک سو اکیس سے زائد بکریوں میں زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟

اگر کسی کے پاس ایک سو اکیس بکریاں یا بھیڑ ہو جائیں تو اس میں دو بکریاں زکوٰۃ میں واجب ہوں گی، اور جب اس کی تعداد بڑھ کر دو سو ایک ہو جائے تو اس میں تین بکریاں واجب ہوں گی، اور جب چار سو بکریاں ہو جائیں تو پھر زکوٰۃ میں چار بکریاں واجب ہوں گی، اور ایک نصاب سے دوسرے نصاب تک جو درمیان کا عدد ہے وہ معاف ہے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔(مثال کے طور پر چالیس بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ میں واجب ہے، اور ایک سو اکیس میں دو بکریاں زکوٰۃ میں واجب ہیں، تو اب چالیس سے لے کر ایک سو بیس تک جو زائد بکریاں ہیں ان کی زکوٰۃ واجب ہے، بلکہ معاف ہے ایک سو

بیس بکریوں میں صرف ایک ہی بکری واجب ہے، جس طرح کہ چالیس بکری میں صرف ایک بکری واجب ہے۔ اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کے لئے یہ بات بالکل جائز نہیں ہے کہ جس کے پاس ایک سوبیس بکریاں ہوں اس سے چالیس کے حساب سے تین بکریاں وصول کرے، اسی طرح اگر چالیس بکریوں کی ملکیت دو تین آدمیوں کے درمیان مشترک ہے تو بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ نصاب کامل نہیں پایا گیا ہے)۔ پھر جب بکریاں چار سو کی تعداد میں پہنچ جائیں تو پھر ہر سو بکری میں ایک بکری زکوٰۃ میں ادا کی جائے گی، خواہ بکریوں کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو جائے۔

زکوٰۃ میں سال بھر سے کم عمر کی بکری وصول کی جائے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بکری اور بھیڑ کی زکوٰۃ میں ایسا بکرا لیا جائے گا جو ایک سال کا ہو اور اگر زکوٰۃ میں مینڈھا لیا جائے تو پورے ایک سال کا مینڈھا لیا جائے گا، سال بھر سے کم کا بکرا یا مینڈھا زکوٰۃ میں وصول نہیں کیا جائے گا، اور ایسا بکرا یا مینڈھا لینے کی ضرورت پیش آئے جس پر سال کا اکثر حصہ گذر چکا ہے تو ایسی صورت میں قیمت لگا کر لیا جائے گا، ظاہر الروایت یہی ہے، اگر چہ حضرت امام ابوحنیفہ سے دوسری روایت یہ بھی آئی ہے کہ وہ بکری یا مینڈھا جس پر سال کا اکثر حصہ گذر چکا ہو زکوٰۃ میں لیا جا سکتا ہے اور یہی قول حضرات صاحبین کا بھی ہے اور دلائل کی روشنی میں یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے، اس کو علامہ ابن الہمام نے ذکر کیا ہے۔ (علامہ شامیؒ کے قول کے مطابق صاحب البحر الرائق نے ظاہر الروایہ پر اعتماد کیا ہے، اور اسی قول کو بعض علماء نے راجح قرار دیا ہے)۔

ثنی اور جذع میں فرق

حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ثنی بکری اور بھیڑ میں پورے ایک سال کا ہوتا ہے اور گائے بیل میں دو برس کا ہوتا ہے اور اونٹ میں پانچ برس کا ہوتا ہے اور جذع اس بھیڑ یا بکری کو کہتے ہیں جو سال بھر سے کچھ کم کا ہو۔ اور اس گائے بیل بھینس کو کہتے ہیں کہ جو ایک برس کا ہو اور اونٹ چار برس کا ہو۔

گھوڑے میں زکوٰۃ کے وجوب کا حکمِ شرعی

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جو گھوڑے سائمہ ہوں، یعنی سال کا اکثر حصہ جنگلوں میں چر کر زندگی گذراتے ہوں تو ایسے گھوڑوں میں حضراتِ صاحبین کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اور اس مسئلہ میں حضراتِ صاحبینؒ ہی کے قول پر فتویٰ بھی ہے، جیسا کہ فتاویٰ خانیہ وغیرہ میں مذکور ہے، البتہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسے گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

لیکن یہاں ایک **سوال** یہ ہے کہ ایسے گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے شریعت کی طرف سے کوئی نصاب متعین ہے یا نہیں؟ اس سوال کا اصح ترین **جواب** یہ ہے کہ اس کا کوئی نصاب متعین نہیں ہے، اسلئے کہ نقل سے کوئی اندازہ منقول نہیں ہے۔ (اگر چہ بعض علماء نے تین گھوڑوں کو نصاب قرار دیا ہے اور بعض نے پانچ کی عدد کو نصاب قرار دیا ہے)۔

گدھوں اور خچروں کی زکوٰۃ

اور وہ خچر اور گدھے جو جنگلوں میں چرتے ہیں اور تجارت کے لئے نہیں ہیں ان میں بالاتفاق زکوٰۃ واجب نہیں ہے البتہ اگر یہ تجارت کے واسطے ہوں تو ان میں زکوٰۃ کے واجب ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں ہے، اس لئے کہ اس وقت یہ سامان تجارت کے حکم میں ہو جائیں گے، جن میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

کھیتی اور پالتو جانوروں میں وجوبِ زکوٰۃ کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کھیت میں ہل چلانے اور کام کرنے کے واسطے جو جانور ہوتے ہیں اسی طرح جو جانور گھروں میں ہی گھاس کھا کر پلتے ہوں ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے جب تک کہ تجارت کے لئے نہ ہوں، اگر علوفہ تجارت کے واسطے ہوں تو یہ سامان تجارت کے حکم میں داخل ہو کر ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور تجارت کی قید صرف پالتو جانوروں کے لئے ہے اس لئے کہ جو جانور کھیتوں میں کام کرنے کے لئے ہوں گے ان کا تجارت کے لئے ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے اور اس طرح کے جانوروں میں اگر تجارت کی نیت کر بھی لی جائے تو بھی تجارت لے لئے نہیں ہوں گے۔

جانوروں کے بچوں میں وجوبِ زکوٰۃ کا حکم

اگر کسی کے پاس صرف بکری کے بچے ہوں یا صرف اونٹ یا گائے کے بچے ہی ہوں، اور انکے ساتھ بڑے جانور نہ ہوں تو ان بچوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور اس کی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ کسی کے پاس چھوٹے بڑے دونوں طرح کے جانور تھے لیکن بڑے جانور سارے مر گئے صرف چھوٹے ہی چھوٹے بچ گئے اور ان پر سال مکمل ہو گیا تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہ ہوگی البتہ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جتنے بھی بچے ہوں گے ان کی زکوٰۃ صرف بچہ دے کر ادا کر دی جائے گی، اور ان بچوں کا نصاب حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پچیس ہے اگر پچیس سے کم ہوں تو ان کے نزدیک بھی زکوٰۃ نہیں ہے، لیکن بقول علامہ شامیؒ اس بارے میں حضرت امام صاحب ہی کا قول راجح ہے۔

اگر بچے اور بڑے دونوں ہوں تو کیا حکم ہے؟

اگر بچے کے ساتھ کچھ بڑے جانور بھی ہوں تو ان بچوں کی زکوۃ بھی بڑے جانور کے تابع کر کے ادا کی جائے گی، اگر چہ بچے بہت زیادہ ہوں اور بڑا صرف ایک ہو، تو زکوۃ میں وہی بڑا جو ایک ہے دینا واجب ہے خواہ وہ بڑا ناقص ہی کیوں نہ ہو، اور اگر وہ ایک بڑا جانور اعلیٰ اور عمدہ قسم کا ہو تو زکوۃ میں وسط درجہ کا جانور لازم ہوگا، اور وہ ایک بڑا جانور سال گذرنے کے بعد ہلاک ہو جائے تو زکوۃ ہی ساقط ہو جائے گی۔

وَلَوْ تَعَدَّدَ الْوَاجِبُ وَجَبَ الْكِبَارُ فَقَطْ وَلَا يَكْمُلُ مِنَ الصِّغَارِ خِلَافًا لِلثَّانِي وَ لَا فِي عَفْوٍ وَهُوَ مَا بَيْنَ النُّصُبِ فِي كُلِّ الْأَمْوَالِ وَخَصَّاهُ بِالسَّوَائِمِ وَ لَا فِي هَالِكٍ بَعْدَ وُجُوبِهَا وَمَنَعَ السَّاعِيَ فِي الْأَصَحِّ لِتَعَلُّقِهَا بِالْعَيْنِ لَا بِالذِّمَّةِ ، وَإِنْ هَلَكَ بَعْضُهُ سَقَطَ حَقُّهُ ، وَيُصْرَفُ الْهَالِكُ إِلَى الْعَفْوِ أَوَّلًا ثُمَّ إِلَى نِصَابٍ يَلِيهِ ، ثُمَّ وَثُمَّ بِخِلَافِ الْمُسْتَهْلَكِ بَعْدَ الْحَوْلِ لِوُجُودِ التَّعَدِّي، وَمِنْهُ مَا لَوْ حَبَسَهَا عَنِ الْعَلَفِ أَوِ الْمَاءِ حَتَّى هَلَكَتْ فَيَضْمَنُ بَدَائِعٌ وَالتَّوَى بَعْدَ الْقَرْضِ وَالْإِعَارَةِ وَاسْتِبْدَالِ مَالِ التِّجَارَةِ بِمَالِ التِّجَارَةِ هَلَاكٌ وَبِغَيْرِ مَالِ التِّجَارَةِ وَالسَّائِمَةِ بِالسَّائِمَةِ اسْتِهْلَاكٌ. وَجَازَ دَفْعُ الْقِيمَةِ فِي زَكَاةٍ وَعُشْرٍ وَخَرَاجٍ وَفِطْرَةٍ وَنَذْرٍ وَكَفَّارَةٍ غَيْرِ الْإِعْتَاقِ وَتُعْتَبَرُ الْقِيمَةُ يَوْمَ الْوُجُوبِ ، وَقَالَا يَوْمَ الْأَدَاءِ. وَفِي السَّوَائِمِ يَوْمَ الْأَدَاءِ إِجْمَاعًا ، وَهُوَ الْأَصَحُّ ، وَيُقَوَّمُ فِي الْبَلَدِ الَّذِي الْمَالُ فِيهِ وَلَوْ فِي مَفَازَةٍ فَفِي أَقْرَبِ الْأَمْصَارِ إِلَيْهِ فَتْحٌ . وَالْمُصَدِّقُ لَا يَأْخُذُ إِلَّا الْوَسَطَ وَهُوَ أَعْلَى الْأَدْنَى وَأَدْنَى الْأَعْلَى وَلَوْ كُلُّهُ جَيِّدًا فَجَيِّدٌ وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمُصَدِّقُ وَكَذَا إِنْ وُجِدَ فَالْقَيْدُ اتِّفَاقِيٌّ مَا وَجَبَ مِنْ ذَاتِ سِنٍّ دَفَعَ الْمَالِكُ الْأَدْنَى مَعَ الْفَضْلِ جَبْرًا عَلَى السَّاعِي لِأَنَّهُ دَفَعَ بِالْقِيمَةِ أَوْ دَفَعَ الْأَعْلَى وَرَدَّ الْفَضْلَ بِلَا جَبْرٍ لِأَنَّهُ شِرَاءٌ فَيُشْتَرَطُ فِيهِ الرِّضَا هُوَ الصَّحِيحُ سِرَاجٌ أَوْ دَفَعَ الْقِيمَةَ وَلَوْ دَفَعَ ثَلَاثَ شِيَاهٍ سِمَانٍ عَنْ أَرْبَعٍ وَسَطٍ جَازَ وَالْمُسْتَفَادُ وَلَوْ بِهِبَةٍ أَوْ إِرْثٍ وَسَطَ الْحَوْلِ يُضَمُّ إِلَى نِصَابٍ مِنْ جِنْسِهِ فَيُزَكِّيهِ بِحَوْلِ الْأَصْلِ ، وَلَوْ أَدَّى زَكَاةَ نَقْدِهِ ثُمَّ اشْتَرَى بِهِ سَائِمَةً لَا تُضَمُّ ، وَلَوْ لَهُ نِصَابَانِ مِمَّا لَمْ يُضَمَّ أَحَدُهُمَا كَثَمَنِ سَائِمَةٍ مُزَكَّاةٍ وَأَلْفِ دِرْهَمٍ وَوَرِثَ أَلْفًا ضُمَّتْ إِلَى أَقْرَبِهِمَا حَوْلًا وَرِبْحُ كُلٍّ يُضَمُّ إِلَى أَصْلِهِ.

اگر متعدد جانور زکوٰۃ میں واجب ہو جائے تو کیسا جانور زکوٰۃ میں دیا جائے؟

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر جانوروں کی زکوٰۃ میں متعدد جانور دینا واجب ہوں تو اس صورت میں نصاب میں صرف بڑے ہی جانور واجب ہوں گے۔ چھوٹوں سے ملا کر زکوٰۃ پورا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس مسئلہ میں حضرت امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ بچہ بھی زکوٰۃ میں واجب ہوگا، اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس دو بڑے جانور ہوں، یعنی مسنہ، اور ایک سو انیس بچے ہوں تو اس صورت میں بالاجماع زکوٰۃ میں دو مسنہ دینے واجب ہوں گے اور اگر کسی کے پاس ایک بڑا جانور مسنہ ہو، اور ایک سو بیس بچے ہوں تو اس صورت میں طرفین کے نزدیک صرف ایک بڑا جانور زکوٰۃ میں واجب ہوگا اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک بڑا جانور اور ایک بچہ زکوٰۃ میں دینا واجب ہوگا۔

عفو میں زکوٰۃ کا شرعی حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ عدد جو تمام نوع کے مالوں میں دو نصابوں کے درمیان ہو اسے "عفو" کہا جاتا ہے۔ اور حضرات صاحبینؒ نے اس "عفو" کو سوائم یعنی چرنے والے جانوروں کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ عفو کے اندر شرعی اعتبار سے زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اور حضرات صاحبینؒ نے عفو کو جو صرف سوائم کے ساتھ خاص کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک نقد رقم میں یہ عفو نہیں ہے؛ البتہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک نقد رقم میں بھی عفو ہے، چنانچہ اگر دو سو درہم سے انتالیس درہم زیادہ ہے تو حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس انتالیس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے بلکہ جب چالیس پورے ہوں گے تو ان میں ایک درہم زکوٰۃ واجب ہوگی، الغرض حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دو سو انتالیس درہم میں صرف پانچ درہم اور دو سو چالیس میں چھ درہم زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک دو سو انتالیس درہم میں بھی زکوٰۃ ہوگی۔

جو مال ہلاک ہو جائے اس کی زکوٰۃ کا شرعی حکم

جو مال سال گذرنے کے بعد ہلاک ہو جائے اسی طرح جس مال کی زکوٰۃ صدقہ وصول کرنے والے کے مطالبہ کے باوجود نہیں دی، تو اس مال کی زکوٰۃ صحیح تر مذہب کے مطابق اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی، اور اس کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اس لئے کی زکوٰۃ کا تعلق مال متعین سے ہے اس کا تعلق کسی کے ذمہ سے نہیں ہے اور اگر کچھ مال ہلاک ہوا اور کچھ مال باقی ہے تو جس قدر مال باقی ہوگا اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور جس قدر مال ہلاک ہوا اس کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، اور

جس قدر مال ہلاک ہوا ہے اس کو پہلے عفو والے حصہ کی طرف پھیرا جائے گا، پھر اس نصاب کی طرف جو اس سے متصل ہے، پھر اس نصاب کی طرف جو اس کے تحت ہے (تاکہ غریب وفقیر کو نقصان نہ ہو)۔

سال گذرنے کے بعد جس مال کو خود ہلاک کردے اس کی زکوٰۃ کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بخلاف اس صورت کے اگر کوئی شخص سال گذرنے کے بعد جان بوجھ کر مال ہلاک کردے تو اس صورت میں زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی؛ بلکہ ہلاک کردہ مال کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، اس لئے کی اس میں اس کی طرف سے تعدی پائی گئی ہے۔ اور اگر کوئی شخص جانور کو باندھے رکھے اور اس کو گھاس پانی نہ دے یہاں تک کی جانور بھوک و پیاس سے مرجائے تو اس صورت میں وہ زکوٰۃ کا ضمان دیگا، جیسا کہ بدائع الصنائع میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

قرض اور عاریت دینے کے بعد مال ہلاک ہونے کا حکم

مال کا قرض اور عاریت پر دینے کے بعد گم ہوجانا، اور مال تجارت کا تجارت کے مال کے عوض بدلنا ہلاک ہونے کے حکم میں ہے لہٰذا اس صورت میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اور تجارت کے مال کا مال تجارت کے علاوہ دوسرے مال سے بدلنا اسی طرح سائمہ جانور کا سائمہ جانور سے بدلنا استہلاک یعنی ہلاک کردینے کے حکم میں ہے اور نقد مال کا حکم تجارت کے مال کی طرح ہے۔ مثال کے طور پر کسی کے پاس ایک ہزار درہم ہے اس نے اس سے تجارت کا غلام خرید لیا تجارت کے لئے کوئی اور دوسرا سامان خرید لیا پھر وہ غلام یا سامان ہلاک ہوگیا تو ایسی صورت میں زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی، اور اگر اس سے خدمت کے لئے غلام خریدا تھا تو اس صورت میں زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔

زکوٰۃ میں قیمت دینے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ میں، اسی طرح عشر، خراج فطرہ، نذر اور کفارہ جو غلام آزاد کرنے کے علاوہ ہے قیمت ادا کرنا درست ہے، اور قیمت دینے کی صورت میں اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا، جس دن میں زکوٰۃ واجب ہوئی تھی یعنی زکوٰۃ واجب ہونے کے دن جو قیمت تھی اس کا اعتبار ہوگا۔ اور اس بارے میں حضرات صاحبینؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا جس دن وہ زکوٰۃ ادا کر رہا ہے، اور جانوروں کی زکوٰۃ ادا کرنے میں بالاتفاق ادا کرنے کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اس بارے میں صحیح تر قول یہی ہے۔

اور مال کی قیمت لگانے میں اس شہر کا اعتبار ہوگا جس شہر میں مال ہو، اور اگر وہ مال زکوٰۃ جنگل میں ہو تو اس صورت میں

اس شہر کی قیمت کا اعتبار ہوگا جو شہر اس جنگل سے متصل اور قریب تر ہو، جیسا کہ یہ مسئلہ فتح القدیر میں مذکور ہے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے اپنے غلام یا نوکر کو تجارت کی غرض سے کسی دوسرے شہر بھیجا تو اس صورت میں اس مال کی قیمت اس شہر کے اعتبار سے لگائی جائے گی جس شہر میں غلام موجود ہے۔ (شامی/۳/۲۱۱)

زکوٰۃ وصول کرنے والا عامل درمیانہ مال وصول کرے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے کو چاہئے کہ وہ زکوٰۃ میں اس درجہ کا مال لے۔ (نہ بالکل عمدہ اور اعلیٰ قسم کا مال لے، اور نہ بالکل گھٹیا درجہ کا مال زکوٰۃ میں وصول کرے بلکہ اوسط درجہ کا مال وصول کرے اور اوسط درجہ کا مال وہ ہے جو اعلیٰ درجہ سے کم اور ادنیٰ درجہ سے کچھ زیادہ ہو، اور اگر سارا مال عمدہ ہی عمدہ ہے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ وصول کرنے والا زکوٰۃ میں اعلیٰ درجہ کا مال لے سکتا ہے)۔

اگر عامل وہ مال نہ پائے جو واجب ہو تو کیا کرے؟

اگر صدقہ وصول کرنے والا عامل اس طرح کا جانور نہ پائے جو اصول کے اعتبار سے واجب ہوا ہے تو اس صورت میں مالک مال ادنیٰ درجہ کا مال دے گا اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ مزید بھی دیگا، جس سے کمی کی تلافی ہو جائے، اس لئے اس صورت میں قیمت کا لحاظ کر کے زکوٰۃ دینا چاہئے۔ اور اس بارے میں دوسری شکل یہ ہے کہ مالک اس واجب شدہ جانور سے اعلیٰ درجہ کا جانور دے گا اور جو قیمت زیادہ ہو وہ صدقہ وصول کرنے والا بلا کسی جبر کے مالک کو واپس کر دے، اس لئے کہ صدقہ وصول کرنے والا اس صورت میں خریدار کے حکم میں ہے پس اس میں رضا مندی ضروری ہے، یہی صحیح ہے جیسا کہ سراج الوھاج میں ہے۔ اور اگر ویسا جانور نہ ہو جیسا ہوا ہے تو اس بارے میں تیسری شکل یہ ہے کہ مالک اس واجب شدہ جانور کے بدلے اس کی قیمت ادا کر دے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بلا کسی کم وبیش کے واجب شدہ زکوٰۃ ادا کر دے۔ اور اگر کوئی شخص تین موٹی بکریاں چار اوسط درجہ کی بکریوں کے بدلے میں ادا کر دے تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سال کے درمیان میں مال بڑھ جائے تو کیا حکم ہے؟

جو مال سال کے درمیان میں حاصل ہوا ہو خواہ وہ مال بذریعہ ہبہ ہو یا بذریعہ وارثت پایا ہو تو اس کو اس کے نصاب کے جنس کے ساتھ ملا دیا جائیگا، پھر اصل مال پر سال مکمل ہونے کے بعد اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ (اور جانوروں میں سال کے درمیان میں بچوں کا اضافہ ہونا یا تجارت کے مال میں درمیان سال اضافہ ہونا سب کا یہی حکم ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس

کے پاس پہلے سے نصاب کامل موجود ہے، اور اگر وہ پہلے سے صاحبِ نصاب نہیں ہے تو ایسی صورت میں جس وقت مال میں اضافہ ہوا اس وقت سے جب سال پورا ہوگا تب زکوٰۃ واجب ہوگی)۔

اگر کوئی شخص اپنے نقد مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس سے چرنے والے جانور خرید لیا تو اس کو پہلے نصاب کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔ (اور اس کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس کچھ جانور تھے اور کچھ نقد مال، اس نے نقد مال کی زکوٰۃ ادا کرکے بقیہ مال سے کچھ جانور خرید لیا تو اس خریدے ہوئے جانور کو پہلے جانور کے ساتھ شامل نہیں کیا جائے گا، بلکہ خریدے ہوئے نئے جانور کی زکوٰۃ سال مکمل ہونے کے بعد الگ سے ادا کی جائے گی، اور یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مذہب ہے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک دونوں کو ملا دیں گے)۔

اگر کسی کے پاس ایسے دو نصاب ہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے کے ساتھ ملایا نہیں جاتا ہے جیسے کہ زکوٰۃ ادا کئے ہوئے جانوروں کی قیمت ہو اور ایک ہزار نقد درہم ہوں پھر وارثت میں ایک ہزار درہم اور مل جائیں تو ایسی صورت میں یہ ہزار درہم پہلے دونوں نصابوں میں سے اس نصاب کے ساتھ شامل کئے جائیں گے جس نصاب کا سال پہلے مکمل ہونے والا ہو، اس لئے کہ اس کے اندر فقیروں کا فائدہ ہے اور ان میں سے ہر ایک کا نفع اس کی اصل کے ساتھ شامل کیا جائے گا، خواہ اس کے سال مکمل ہونے میں تاخیر ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ نفع اپنے اصل کے تابع ہوا کرتا ہے اور جانوروں کے بچوں کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ اپنے اصل کے ساتھ شامل کئے جائیں گے۔

أَخْذُ الْبُغَاةِ وَالسَّلَاطِينِ الْجَائِرَةِ زَكَاةَ الْأَمْوَالِ الظَّاهِرَةِ كَالسَّوَائِمِ وَالْعُشْرِ وَالْخَرَاجِ لَا إعَادَةَ عَلَى أَرْبَابِهَا إنْ صُرِفَ الْمَأْخُوذُ فِي مَحَلِّهِ الْآتِي ذِكْرُهُ وَإِلَّا يُصْرَفْ فِيهِ فَعَلَيْهِمْ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللَّهِ إعَادَةُ غَيْرِ الْخَرَاجِ لِأَنَّهُمْ مَصَارِفُهُ. وَاخْتُلِفَ فِي الْأَمْوَالِ الْبَاطِنَةِ؛ فَفِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ وَشَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ الْمُفْتَى بِهِ عَدَمُ الْإِجْزَاءِ. وَفِي الْمَبْسُوطِ الْأَصَحُّ الصِّحَّةُ إذَا نَوَى بِالدَّفْعِ لِظَلَمَةِ زَمَانِنَا الصَّدَقَةَ عَلَيْهِمْ لِأَنَّهُمْ بِمَا عَلَيْهِمْ مِنَ التَّبِعَاتِ فُقَرَاءُ، حَتَّى أُفْتِيَ أَمِيرُ بَلْخٍ بِالصِّيَامِ لِكَفَّارَةٍ عَنْ يَمِينِهِ؛ وَلَوْ أَخَذَهَا السَّاعِي جَبْرًا لَمْ تَقَعْ زَكَاةً لِكَوْنِهَا بِلَا اخْتِيَارٍ وَلَكِنْ يُجْبَرُ بِالْحَبْسِ لِيُؤَدِّيَ بِنَفْسِهِ لِأَنَّ الْإِكْرَاهَ لَا يُنَافِي الِاخْتِيَارَ. وَفِي التَّجْنِيسِ: الْمُفْتَى بِهِ سُقُوطُهَا فِي الْأَمْوَالِ الظَّاهِرَةِ لَا الْبَاطِنَةِ. وَلَوْ خَلَطَ السُّلْطَانُ الْمَالَ الْمَغْصُوبَ بِمَالِهِ مَلَكَهُ فَتَجِبُ الزَّكَاةُ فِيهِ وَيُورَثُ عَنْهُ؛ لِأَنَّ الْخَلْطَ اسْتِهْلَاكٌ إذَا لَمْ يُمْكِنْ تَمْيِيزٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَوْلُهُ أَرْفَقُ إذْ قَلَّمَا يَخْلُو مَالٌ عَنْ غَصْبٍ، وَهَذَا إذَا كَانَ لَهُ مَالٌ غَيْرُ مَا

اسْتَهْلَكَهُ بِالْخَلْطِ مُنْفَصِلٌ عَنْهُ يُوَفِّي دَيْنَهُ وَإِلَّا فَلَا زَكَاةَ ، كَمَا لَوْ كَانَ الْكُلُّ خَبِيثًا كَمَا فِي النَّهْرِ عَنِ الْحَوَاشِي السَّعْدِيَّةِ. وَفِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ عَنِ الْبَزَّازِيَّةِ : إِنَّمَا يُكَفَّرُ إِذَا تَصَدَّقَ بِالْحَرَامِ الْقَطْعِيِّ ، أَمَّا إِذَا أَخَذَ مِنْ إِنْسَانٍ مِائَةً وَمِنْ آخَرَ مِائَةً وَخَلَطَهُمَا ثُمَّ تَصَدَّقَ لَا يُكَفَّرُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِحَرَامٍ بِعَيْنِهِ بِالْقَطْعِ لِاسْتِهْلَاكِهِ بِالْخَلْطِ.

باغی اور ظالم بادشاہ کا زکوٰۃ وصول کرنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر باغی یا ظالم بادشاہ کہیں اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ لے لے، جیسے چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ، یا عشر اور خراج، تو اس صورت میں مالکوں کے ذمہ دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں ہے، بشرطیکہ باغی اور ظالم بادشاہ نے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ لے کر صحیح مصرف میں خرچ کیا ہو۔ اور زکوٰۃ کے صحیح مصرف کی تفصیل باب المصرف کے تحت آرہی ہے۔

اگر باغی اور ظالم بادشاہ نے اموال کی زکوٰۃ لے کر جائز مصرف میں خرچ نہیں کی، بلکہ غیر مصرف میں خرچ کر دیا تو اس صورت میں مالکوں پر فِيمَا بَيْنَه و بَيْنَ الله یعنی از راہِ دیانت دوبارہ مال کی زکوٰۃ لازم ہوگی، یہاں خراج کا اعادہ اس صورت میں نہیں ہے کیوں کہ وہ حضرات بھی خراج کے مصرف میں داخل ہیں۔

اموال باطنہ کی زکوٰۃ باغی یا ظالم بادشاہ وصول کرلے تو کیا حکم ہے؟

باغی یا ظالم بادشاہ اموال باطنی کی زکوٰۃ لے لے تو اس میں حضرات علمائے کرام کا اختلاف ہے کہ آیا مالکوں پر دوبارہ زکوٰۃ دینی ہوگی یا نہیں؟ چنانچہ اس بارے میں فتاویٰ ولوالجیہ اور شرح الوہبانیہ میں مذکور ہے کہ باغیوں کا زکوٰۃ لے لینا کافی نہ ہوگا۔ (بلکہ مالکوں پر دوبارہ زکوٰۃ دینی ہوگی)۔

اور اس بارے میں مبسوط کے اندر یہ مذکور ہے کہ جس اموال باطنیہ کی زکوٰۃ باغیوں نے لے لی ہو صحیح قول کے مطابق زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور مالکوں پر دوبارہ زکوٰۃ دینی لازم نہ ہوگی، بشرطیکہ زکوٰۃ دیتے وقت مالکوں نے ظالموں اور باغیوں پر صدقہ کرنے کی نیت کی ہو، کیوں کہ وہ لوگ ان حقوق کی وجہ سے جو ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں محتاج اور فقیر ہیں، یہی وجہ ہے کہ امیر بلخ کو یہ فتویٰ دیا گیا تھا کہ وہ اپنی قسم کے کفارہ میں روزہ رکھے۔ (علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ امیر بلخ موسیٰ بن عیسیٰ بن ہامان جو خراسان کے والی تھے انہوں نے اپنی قسم کے کفارہ کے متعلق اس وقت کے مفتی محمد بن مسلمہ سے مسئلہ معلوم کیا تو انہوں نے ان کو یہ فتویٰ دیا کہ وہ اپنے قسم کے کفارہ میں روزہ رکھیں)۔ (شامی ۳/۲۱۶)

اور فقہ کی کتابوں میں قسم کا کفارہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے، یا ان کو کپڑا پہنائے یا غلام آزاد کرے اور اگر ان میں سے کسی کے بھی ادا کرنے کی سکت نہ ہو، تو پھر روزہ رکھے، چوں کہ امیر بلخ کے پاس موجود لوگوں کے حقوق سے زیادہ مال نہیں تھا اس لئے ان کو محتاج قرار دے کر یہ فتویٰ دیا گیا تھا کہ روزہ رکھ لے۔

زبردستی زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم

اگر صدقہ وصول کرنے والا شخص کسی سے زبردستی زکوٰۃ وصول کرلے، تو اس سے مالکِ مال کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اس لئے کہ اس میں مالک کا اختیار اور زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت نہیں پائی گئی ہے، حالاں کہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت مالک مال کا اختیار اور زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کا پایا جانا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ حکم یہ ہے کہ اگر مالک مال زکوٰۃ نہ دے تو اس کو قید کر کے زکوٰۃ دینے پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ بطور خود زکوٰۃ کی رقم ادا کردے اور یہ دباؤ ڈالنا اختیار کے منافی نہیں ہے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ مختصر الکرخی میں ہے کہ اگر امام نے جبراً کسی سے صدقہ وصول کیا اور اس کو اس کے مصرف میں خرچ کردیا تو وہ کافی ہے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، دوبارہ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اس لئے کہ امیر المسلمین کو زکوٰۃ وصول کرنے کا حق حاصل ہے، لہٰذا امام کا لینا مالک کے دینے کے قائم مقام ہے)۔ (شامی ۳/۲۱۷)

اور تجنیس نامی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ اگر ظالم حاکم نے زکوٰۃ کا مال لے لیا تو مفتی بہ قول یہ ہے کہ اموال ظاہرہ میں زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی اور اموالِ باطنہ میں زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔

اگر بادشاہ نے اپنے مال کے ساتھ غصب کردہ مال شامل کردیا تو کیا حکم ہے

اگر بادشاہ نے غصب کردہ مال کے ساتھ اپنا مال ملالیا تو وہ اس کا مالک ہوجائے گا اور اس مال میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اس مال میں وراثت بھی جاری ہوگی، غصب کردہ مال کو اپنے مال کے ساتھ اس طرح شامل کرلینا کہ تمیز ممکن نہ ہو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک قصداً ضائع کردینے کے حکم میں ہے۔ (اور ضائع کرنے کی صورت میں ضمان لازم ہوتا ہے لہٰذا ضمان کے عوض وہ مالِ مغصوب کا مالک ہوجائے گا)۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول لوگوں کی سہولت پر مبنی ہے اس لئے کہ کمتر ہی مال ایسا ہوتا ہے جو غصب سے خالی ہو۔

اور ملانے کی صورت میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب کہ اس کے پاس اس مال کے علاوہ جو ملا کر ہلاک کیا گیا ہو اس قدر اور مال موجود ہو جو اس کے دین کی ادائے گی کے لئے کافی ہو، ورنہ اس مال میں زکوٰۃ لازم نہ ہوگی۔ جس طرح کے اگر سارا مال حرام کا ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے، جیسا کہ نہر الفائق میں حواشی سعدیہ سے منقول ہے۔

حرام مال صدقہ کرنے کا شرعی حکم

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شرح الوہبانیہ میں فتاوی بزازیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص قطعی حرام مال کو حلال سمجھ کر ثواب کی نیت سے صدقہ کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، لیکن اگر اس نے ایک آدمی سے سو روپیہ لیا اور دوسرے آدمی سے سو روپیہ لیا پھر دونوں کو ملایا اور ثواب کی نیت سے صدقہ کر دیا تو اس سے کافر نہ ہوگا کیوں کہ یہ دونوں سو سو روپیہ حرام قطعی نہیں ہیں، کیوں کہ دونوں کو ملا کر اس نے ہلاک کر دیا اور ہلاک کرنے کی وجہ سے اس پر ضمان لازم ہو گیا اور وجوبِ ضمان کی وجہ سے وہ اس کا مالک بن گیا اس لئے اس کے صدقہ کرنے سے کافر نہ ہوگا۔

وَلَوْ عَجَّلَ ذُو نِصَابٍ زَكَاتَهُ لِسِنِينَ أَوْ لِنُصُبٍ صَحَّ لِوُجُودِ السَّبَبِ ، وَكَذَا لَوْ عَجَّلَ عُشْرَ زَرْعِهِ أَوْ ثَمَرِهِ بَعْدَ الْخُرُوجِ قَبْلَ الْإِدْرَاكِ ؛ وَاخْتُلِفَ فِيهِ قَبْلَ النَّبَاتِ وَخُرُوجِ الثَّمَرَةِ وَالْأَظْهَرُ الْجَوَازُ ، وَكَذَا لَوْ عَجَّلَ خَرَاجَ رَأْسِهِ ، وَتَمَامُهُ فِي النَّهْرِ وَإِنْ وَصْلِيَّةٌ أَيْسَرَ الْفَقِيرُ قَبْلَ تَمَامِ الْحَوْلِ أَوْ مَاتَ أَوْ ارْتَدَّ وَ ذَلِكَ لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ كَوْنُهُ مَصْرِفًا وَقْتَ الصَّرْفِ إلَيْهِ لَا بَعْدَهُ ؛ وَلَوْ غَرَسَ فِي أَرْضِ الْخَرَاجِ كَرْمًا فَمَا لَمْ يَتِمَّ الْكَرْمُ كَانَ عَلَيْهِ خَرَاجُ الزَّرْعِ مَجْمَعُ الْفَتَاوَى. وَلَا شَيْءَ فِي مَالِ صَبِيٍّ تَغْلِبِيٍّ بِفَتْحِ اللَّامِ وَتُكْسَرُ نِسْبَةٌ لِبَنِي تَغْلِبَ بِكَسْرِهَا : قَوْمٌ مِنْ نَصَارَى الْعَرَبِ وَعَلَى الْمَرْأَةِ مَا عَلَى الرَّجُلِ مِنْهُمْ لِأَنَّ الصُّلْحَ وَقَعَ مِنْهُمْ كَذَلِكَ. وَيُؤْخَذُ فِي الزَّكَاةِ السَّائِمَةُ الْوَسَطُ لَا الْهَوَامُ وَلَا الْكَرَائِمُ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْ تَرِكَتِهِ بِغَيْرِ وَصِيَّةٍ لِفَقْدِ شَرْطِهَا وَهُوَ النِّيَّةُ وَإِنْ أَوْصَى بِهَا اُعْتُبِرَ مِنْ الثُّلُثِ إلَّا أَنْ يُجِيزَ الْوَرَثَةُ وَحَوْلُهَا أَيْ الزَّكَاةِ قَمَرِيٌّ بَحْرٌ عَنْ الْقُنْيَةِ لَا شَمْسِيٌّ وَسَيَجِيءُ الْفَرْقُ فِي الْعِنِّينِ. شَكَّ أَنَّهُ أَدَّى الزَّكَاةَ أَوْ لَا يُؤَدِّيهَا لِأَنَّ وَقْتَهَا الْعُمُرُ أَشْبَاهٌ.

چند سالوں کی زکوٰۃ قبل از وقت نکال دینے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر صاحبِ نصاب نصاب کئی سالوں کی زکوٰۃ پیشگی نکال دے یا چند نصابوں کی زکوٰۃ ادا کر دے تو اس طرح اس کا یہ دینا جائز اور درست ہے اس لئے کہ وجوبِ زکوٰۃ کا سبب یعنی نصاب کا ہونا پایا جا رہا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کئی سالوں کی کھیتی کا عشر پیشگی ادا کر دے، کھیتی اور پھل نکلنے کے بعد اور اس کے پکنے سے پہلے تو یہ ادائیگی شرعاً درست ہے۔

وقت سے پہلے عشر ادا کرنیکا شرعی حکم

اگر کوئی شخص کھیتی اگنے اور پھل نکلنے سے پہلے ہی بطور پیشگی عشر نکال دے تو اس کا عشر ادا ہو جائیگا یا نہیں؟ اس بارے میں حضرات علمائے کرام کا اختلاف ہے اور قول اظہر کے مطابق نکالنا جائز ہے۔اسی طرح اگر کوئی ذمی شخص خراج کو جو ذمیوں پر لگایا جاتا ہے کئی سال کے بطور پیشگی ادا کردے تو یہ بھی جائز ہے اور اس کی پوری تفصیل نہر الفائق میں ہے۔(اور علامہ شامیؒ نے ذکر کیا ہے کہ زمین کا خراج بھی پیشگی ادا کرنا جائز ہے۔اور کئی سال بعد کا عشر پہلے ہی ادا کرنا جائز ہے اگر چہ فقیر سال کے مکمل ہونے سے پہلے مالدار ہو جائے یا مرجائے یا مرتد ہو جائے، اس لئے کہ جس وقت فقیر کو زکوۃ دی گئی ہے اس وقت کا اعتبار ہے بعد میں وہ فقیر ہو گیا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

خراجی زمین کے پھلوں کا حکم شرعی

اگر کوئی شخص خراجی زمین میں انگور لگائے تو جب تک انگور پورے طور پر پھل نہ دے اس پر اس کھیتی کا خراج لازم نہ ہوگا. جیسا کہ یہ مسئلہ مجمع الفتاوی میں ہے، اس لئے کہ بونے کی وجہ سے کھیتی کی زمین معطل ہوگی اور جب انگور پھل دینے لگے گا تو اس پر خراج لازم ہوگا۔

مال تغلبی کی زکوۃ کا شرعی حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تغلبی نابالغ لڑکوں کے مال میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔ (شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ لفظ تغلبی لام کے زبر کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے اور زیر کے ساتھ بھی۔اور یہ قبیلۂ بنی تغلب کی طرف منسوب ہے جو عرب کے نصاریٰ کی ایک قوم ہے اور جس طرح قبیلۂ بنو تغلب کے مردوں پر خراج لازم ہے ان کی عورتوں پر بھی لازم ہے، اس لئے کہ ان سے صلح اسی طرح طے پائی ہے، اور تغلبی نابالغ لڑکوں کے مال میں زکوۃ واجب نہیں ہے بلکہ ان سے عشر لیا جاتا ہے، اور مسلمان لڑکوں کے مقابلہ میں ان سے دوگنا لیا جاتا ہے کیوں کہ ان سے اسی طرح مصالحت ہوئی ہے۔

زکوۃ میں درمیانہ مال لینے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جانوروں کی زکوۃ میں درمیان والا جانور زکوۃ میں لیا جائے نہ بالکل بوڑھا اور بڑھیا جانور لیا جائے۔(اور نہ بہت ہی دودھ دینے والا جانور لیا جائے گا اور نہ ہی گابھن، اور نہ ان جانوروں کو لیا جائے گا جو جانوروں کی ریوڑ میں نسل کی افزائش کے لئے رکھے جاتے ہیں)۔

میت کے ترکہ سے زکوٰۃ لینے کا حکم

مرنے والے کے ترکہ سے ان کی وصیت کے بغیر زکوٰۃ نہیں لی جائے گی، اس لئے کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے نیت کا پایا جانا شرط ہے اور وہ یہاں نہیں پائی جارہی ہے۔ اور اگر مرنے والے نے یہ وصیت کی تھی کہ میرے مال میں سے زکوٰۃ نکال دی جائے تو اس صورت میں صرف ثلث مال میں سے ہی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ اور میت کے کل مال سے زکوٰۃ نکالنا اور لینا جائز نہ ہوگا کیوں کہ وصیت کا نفاذ صرف ثلث مال میں ہوتا ہے؛ البتہ اگر تمام وارثین کل مال سے زکوٰۃ دینے کی اجازت دیں تو پھر کل مال سے لینا جائز ہوگا۔

زکوٰۃ کی وصولیابی قمری سال کے اعتبار سے ہوگی

اور زکوٰۃ کی وصولیابی قمری سال کے اعتبار سے ہوگی اس مسئلہ کو البحر الرائق میں قنیہ سے نقل کیا ہے، زکوٰۃ وصول کرنے اور نکالنے میں شمسی سال کا اعتبار نہیں ہے، اور ان دونوں کے درمیان فرق باب العنین کے تحت آئے گا۔

مسئلہ: صاحبِ نصاب شخص کو یہ شک پیدا ہوا کہ اس نے زکوٰۃ ادا کردی ہے یا نہیں کی ہے؟ تو اس صورت میں دوبارہ زکوٰۃ ادا کردے، اس لئے کی ادائیگی زکوٰۃ کا وقت پوری عمر ہے جب بھی ادا کرے گا ادا ہی کہلائے گا قضاء نہ ہوگا، جیسا کہ الاشباہ والنظائر میں ہے۔

باب زكوة المال

مال کی زکوۃ کے احکام ومسائل

أَلْ فِيهِ لِلْمَعْهُودِ فِي حَدِيثِ "هَاتُوا رُبْعَ عُشْرِ أَمْوَالِكُمْ"، فَإِنَّ الْمُرَادَ بِهِ غَيْرُ السَّائِمَةِ لِأَنَّ زَكَاتَهَا غَيْرُ مُقَدَّرَةٍ بِهِ. نِصَابُ الذَّهَبِ عِشْرُونَ مِثْقَالًا وَالْفِضَّةِ مِائَتَا دِرْهَمٍ كُلُّ عَشَرَةٍ دَرَاهِمَ وَزْنُ سَبْعَةِ مَثَاقِيلَ وَالدِّينَارُ عِشْرُونَ قِيرَاطًا، وَالدِّرْهَمُ أَرْبَعَةَ عَشَرَ قِيرَاطًا، وَالْقِيرَاطُ خَمْسُ شَعِيرَاتٍ، فَيَكُونُ الدِّرْهَمُ الشَّرْعِيُّ سَبْعِينَ شَعِيرَةً وَالْمِثْقَالُ مِائَةَ شَعِيرَةٍ ، فَهُوَ دِرْهَمٌ وَثَلَاثُ أَسْبَاعِ دِرْهَمٍ، وَقِيلَ يُفْتَى فِي كُلِّ بَلَدٍ بِوَزْنِهِمْ وَسَنُحَقِّقُهُ فِي مُتَفَرِّقَاتِ الْبُيُوعِ وَالْمُعْتَبَرُ وَزْنُهُمَا أَدَاءً وَوُجُوبًا لَا قِيمَتُهُمَا. وَاللَّازِمُ مُبْتَدَأٌ فِي مَضْرُوبِ كُلٍّ مِنْهُمَا وَمَعْمُولِهِ وَلَوْ تِبْرًا أَوْ حُلِيًّا مُطْلَقًا مُبَاحَ الِاسْتِعْمَالِ أَوْ لَا وَلَوْ لِلتَّجَمُّلِ وَالنَّفَقَةِ ؛ لِأَنَّهُمَا خُلِقَا أَثْمَانًا فَيُزَكِّيهِمَا كَيْفَ كَانَا أَوْ فِي عَرْضِ تِجَارَةٍ قِيمَتُهُ نِصَابٌ الْجُمْلَةُ صِفَةُ عَرْضٍ وَهُوَ هُنَا مَا لَيْسَ بِنَقْدٍ. وَأَمَّا عَدَمُ صِحَّةِ النِّيَّةِ فِي نَحْوِ الْأَرْضِ الْخَرَاجِيَّةِ فَلِقِيَامِ الْمَانِعِ كَمَا قَدَّمْنَا لَا لِأَنَّ الْأَرْضَ لَيْسَتْ مِنَ الْعَرْضِ فَتَنَبَّهْ. مِنْ ذَهَبٍ أَوْ وَرِقٍ أَيْ فِضَّةٍ مَضْرُوبَةٍ ، فَأَفَادَ أَنَّ التَّقْوِيمَ إِنَّمَا يَكُونُ بِالْمَسْكُوكِ عَمَلًا بِالْعُرْفِ مُقَوَّمًا بِأَحَدِهِمَا إِنْ اسْتَوَيَا ، فَلَوْ أَحَدُهُمَا أَرْوَجُ تَعَيَّنَ التَّقْوِيمُ بِهِ ؛ وَلَوْ بَلَغَ بِأَحَدِهِمَا نِصَابًا دُونَ الْآخَرِ تَعَيَّنَ مَا يَبْلُغُ بِهِ ، وَلَوْ بَلَغَ بِأَحَدِهِمَا نِصَابًا وَخُمُسًا وَبِالْآخَرِ أَقَلَّ قَوَّمَهُ بِالْأَنْفَعِ لِلْفَقِيرِ سِرَاجٌ رُبْعُ عُشْرٍ خَبَرُ قَوْلِهِ اللَّازِمُ. وَفِي كُلِّ خُمُسٍ بِضَمِّ الْخَاءِ بِحِسَابِهِ فَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ، وَفِي كُلِّ أَرْبَعَةِ مَثَاقِيلَ قِيرَاطَانِ ، وَمَا بَيْنَ الْخُمُسِ إِلَى الْخُمُسِ عَفْوٌ. وَقَالَا : مَا زَادَ بِحِسَابِهِ وَهِيَ مَسْأَلَةُ الْكُسُورِ.

حضرت مصنف شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "بَابُ زَكٰوةِ المَال" میں جو لفظ المَال ہے اس میں الف لام عہد ذہنی ہے اور اس سے مخصوص مال کی طرف اشارہ ہے جو حدیث شریف میں مذکور ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے مال کا چالیسواں حصہ ادا کرو۔ اور اس حدیث میں مال سے مراد غیر سائمہ یعنی نقد اور تجارت کے سامان ہیں، اس

میں جانوروں کی زکوٰۃ شامل نہیں ہے، اس لئے کہ جانوروں کی زکوٰۃ میں چالیسواں حصہ متعین نہیں ہے۔

سونے چاندی کا نصاب شرعی

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ سونے کا نصاب شرعی بیس مثقال ہے، اور چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے، بایں طور کہ ہر دس درہم سات مثقال کے وزن کے برابر ہو۔ اور دینار بیس قیراط کا ہوتا ہے اور درہم چودہ قیراط کا ہوتا ہے اور ایک قیراط پانچ جو کے برابر ہوتا ہے۔ اب اس اعتبار سے شرعی درہم ستر جو کا ہوا اور مثقال شرعی سو جو کا ہوا، پس اس حساب سے ایک مثقال برابر ہوا ایک درہم، اور درہم کے تین ساتویں حصہ کے۔ اور بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہر شہر میں ان کے وزن کے اعتبار سے فتویٰ دیا جائے گا، اس کی مزید تحقیق متفرقات البیوع میں انشاء اللہ آئے گی۔

نصاب میں نقدین کے وزن کا اعتبار ہے قیمت کا نہیں

فرماتے ہیں کہ سونے چاندی کی زکوٰۃ کے نصاب میں وزن کا اعتبار ہے ادا کرنے کے اعتبار سے بھی اور واجب ہونے کے اعتبار سے بھی، ان کی قیمت کا اعتبار نہیں ہے۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ سونے چاندی کا جو نصاب شریعت میں بیان کیا گیا ہے اس کے برابر وزن پایا جانا ضروری ہے قیمت کا اعتبار نہیں ہے، مثال کے طور پر ایک شخص کے پاس چاندی کا ایک برتن ہے جس کا وزن سو درہم ہے لیکن اس کی بناوٹ اور نقش و نگار اس قدر شاندار ہے کہ مارکیٹ میں اس کی قیمت دوسو درہم مل رہی ہے تو اب **سوال** یہ پیدا ہوتا ہے کہ نصاب شرعی مکمل ہوا یا نہیں؟ اس کا **جواب** یہ ہے کہ نصاب کی تکمیل میں چونکہ وزن کا اعتبار ہے اور نصاب کا وزن شرعی دوسو درہم ہے اس لئے نصاب مکمل نہیں ہوا، لہٰذا زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، خواہ قیمت کے اعتبار سے دوسو درہم ہی کا کیوں نہ ہو)۔

سونے چاندی کے سکوں اور سامانوں میں وجوب زکوٰۃ کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو مال سونے اور چاندی سے ڈھلا ہو، جیسے دینار اور درھم ہے یا سونے چاندی سے بنا ہو، جیسے برتن، تلوار کا نیام، لگام وغیرہ، اگر چہ وہ سونے چاندی کی ڈلی کی شکل میں ہیں، یا ان سے زیور بنالیا گیا ہو، خواہ اس کا استعمال از روئے شرع جائز ہو یا نا جائز، یا خوداً رائش وزیبائش یا نفقہ کے لئے بنایا ہو، بہر صورت چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں لازم ہوگا، اس لئے کہ سونا اور چاندی خلقت کے اعتبار ہی سے ثمن ہیں، لہٰذا ان کی زکوٰۃ ادا کرنی لازم ہوگی خواہ ان کو جس طرح بھی رکھا گیا ہو۔

مسئلہ: عورتیں سونے اور چاندی کے جو زیورات استعمال کرتی ہیں، یا بنوا کر رکھی رہتی ہیں ان میں شرعی اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہے اور چالیسواں حصہ دینا ضروری ہے۔ (شامی/۳/۲۲۷)

سامانِ تجارت میں وجوب زکوٰۃ کا حکم

اور سامانِ تجارت جس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہو، اس میں بھی قیمت کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں لازم ہے، شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ پورا جملہ عرض کی صفت ہے اور عرض سے مراد نقد کے علاوہ ہے۔ اور خراجی زمین میں تجارت کی نیت صحیح نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں دوبارہ زکوٰۃ دینا لازم آتا ہے، اسی وجہ سے تجارت کی نیت ارضِ خراجیہ میں درست نہیں ہے جیسا کہ ہم نے اس کو پہلے بھی بیان کیا ہے، ورنہ تو حقیقت کے اعتبار سے زمین پر بھی عرض کا لفظ صادق ہوتا ہے لہٰذا اس کو یاد رکھنا چاہئے۔ حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں نصاب کے متعلق اسباب تجارت کی قیمت سونے اور چاندی کے سکے سے لگائی جائے گی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ عرف میں قیمت سکوں سے لگائی جاتی ہے کسی اور چیز سے قیمت نہیں لگائی جاتی ہے۔

سامانِ تجارت کی قیمت نصاب شرعی میں کب شمار ہوگی؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر سونے اور چاندی دونوں کے سکوں کا رواج مارکیٹ میں برابر ہو، ان میں کوئی فرق نہ ہو تو ایسی صورت میں نصاب کا تعین سامان تجارت یا سونے کی قیمت سے لگائی جائے گی، یا پھر چاندی سے لگائی جائے گی، اور اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک زیادہ رائج ہو اور دوسرا کم، یا دوسرا بالکل رائج نہ ہو، تو ایسی صورت میں نصاب کا تعین اس کی قیمت سے کیا جائے گا جس کا رواج زیادہ ہو، اور قیمت میں اسی سکہ کا اعتبار ہوگا جو خوب عام ہو۔

سونے چاندی میں سے جو بھی نصاب کو پہنچ جائے اسی کا اعتبار ہوگا

سونا اور چاندی میں سے ایک سے قیمت لگائی جاتی ہے تو وہ قیمت نصاب کو پہنچ جاتی ہے اور اگر دوسرے سے قیمت لگائی جاتی ہے تو نصاب کو نہیں پہنچ پاتی ہے تو ایسی صورت میں جس کے ساتھ قیمت لگانے میں قیمت نصاب کو پہنچتی ہے وہی متعین ہوگا۔ (مثال کے طور پر اگر سامان تجارت کی قیمت چاندی کے نصاب کے اعتبار سے لگائی جاتی ہے تو دو سو درہم کی قیمت کو پہنچ جاتی ہے اور اگر سامان تجارت کی قیمت سونے سے لگائی جاتی ہے تو بیس مثقال کی قیمت کے برابر نہیں پہنچ پاتی ہے تو ایسی صورت میں چاندی سے قیمت لگائی جائیگی، اس لئے کہ اس میں غریب ومحتاج کا فائدہ ہے)۔

قیمت لگانے میں انفع للفقراء کی رعایت کا حکم

اسی طرح اگر سونے اور چاندی میں سے کسی ایک سے قیمت لگائی جاتی ہے تو نصاب اور اس سے زائد کو قیمت پہنچتی ہے اور دوسری چیز مثلاً سونے سے قیمت لگائی جاتی ہے تو وہ قیمت اس سے کم کو پہنچتی ہے، تو اس صورت میں اس چیز سے قیمت لگائی جائے گی جس میں فقراء اور غرباء کا زیادہ فائدہ ہے، جیسا کہ سراج الوہاب میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ماتن کا قول ربع عشر ماقبل میں ذکر کردہ اللازم کی خبر ہے۔

زکوٰۃ کی مقدار شرعی

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نصاب کے ہر پانچویں حصہ میں زکوٰۃ اسی مذکور کے حساب سے واجب ہوگی، پس ہر چالیس درہم میں ایک درہم اور ہر چار مثقال میں دو قیراط بطور زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا، اور ایک خمس سے دوسرے خمس تک درمیان کی زکوٰۃ شریعت میں معاف ہے، البتہ حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ خمس سے جتنا بھی زیادہ ہوگا اسی حساب سے اتنے کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور یہ کسور کا مسئلہ ہے جو اس حدیث سے ثابت ہے جس میں فرمایا گیا کہ کسروں میں کچھ بھی زکوٰۃ نہ ہو لو۔ (شامی/۳/۲۳۰)

وَغَالِبُ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ فِضَّةٌ وَذَهَبٌ وَمَا غَلَبَ غِشُّهُ مِنْهُمَا يُقَوَّمُ كَالْعُرُوضِ، وَيُشْتَرَطُ فِيهِ النِّيَّةُ إِلَّا إِذَا كَانَ يَخْلُصُ مِنْهُ مَا يَبْلُغُ نِصَابًا أَوْ أَقَلَّ. وَعِنْدَهُ مَا يَتِمُّ بِهِ أَوْ كَانَتْ أَثْمَانًا رَائِجَةً وَبَلَغَتْ نِصَابًا مِنْ أَدْنَى فَقَدْ تَجِبُ زَكَاتُهُ فَتَجِبُ وَإِلَّا فَلَا. وَاخْتَلَفَ فِي الْغِشِّ الْمُسَاوِي وَالْمُخْتَارُ لُزُومُهَا احْتِيَاطًا خَانِيَّةٌ وَلِذَا لَا تُبَاعُ إِلَّا وَزْنًا. وَأَمَّا الذَّهَبُ الْمَخْلُوطُ بِفِضَّةٍ، فَإِنْ غَلَبَ الذَّهَبُ فَذَهَبٌ وَإِلَّا فَإِنْ بَلَغَ الذَّهَبُ أَوِ الْفِضَّةُ نِصَابَهُ وَجَبَتْ وَشَرْطُ كَمَالِ النِّصَابِ وَلَوْ سَائِمَةً فِي طَرَفَيِ الْحَوْلِ فِي الِابْتِدَاءِ لِلِانْعِقَادِ وَفِي الِانْتِهَاءِ لِلْوُجُوبِ فَلَا يَضُرُّ نُقْصَانُهُ بَيْنَهُمَا فَلَوْ هَلَكَ كُلُّهُ بَطَلَ الْحَوْلُ. وَأَمَّا الدَّيْنُ فَلَا يَقْطَعُ وَلَوْ مُسْتَغْرِقًا وَقِيمَةُ الْعَرَضِ لِلتِّجَارَةِ تُضَمُّ إِلَى الثَّمَنَيْنِ لِأَنَّ الْكُلَّ لِلتِّجَارَةِ وَضْعًا وَجَعْلًا وَيُضَمُّ الذَّهَبُ إِلَى الْفِضَّةِ وَعَكْسُهُ بِجَامِعِ الثَّمَنِيَّةِ قِيمَةً وَقَالَا بِالْإِجْزَاءِ، فَلَوْ لَهُ مِائَةُ دِرْهَمٍ وَعَشَرَةُ دَنَانِيرَ قِيمَتُهَا مِائَةٌ وَأَرْبَعُونَ تَجِبُ سِتَّةٌ عِنْدَهُ وَخَمْسَةٌ عِنْدَهُمَا فَافْهَمْ. وَلَا تَجِبُ الزَّكَاةُ عِنْدَنَا فِي

نِصَابٍ مُشْتَرَكٍ مِنْ سَائِمَةٍ وَمَالِ تِجَارَةٍ وَإِنْ صَحَّتِ الْخَلْطَةُ فِيهِ بِاتِّحَادِ أَسْبَابِ الْإِسَامَةِ التِّسْعَةِ الَّتِي يَجْمَعُهَا أَوْصِ مَنْ يَشْفَعُ وَبَيَانُهُ فِي شُرُوحِ الْمَجْمَعِ وَإِنْ تَعَدَّدَ النِّصَابُ تَجِبُ إِجْمَاعًا ، وَيَتَرَاجَعَانِ بِالْحِصَصِ ، وَبَيَانُهُ فِي الْحَاوِي ، فَإِنْ بَلَغَ نَصِيبُ أَحَدِهِمَا نِصَابًا زَكَّاهُ دُونَ الْآخَرِ ؛ وَلَوْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ ثَمَانِينَ رَجُلًا ثَمَانُونَ شَاةً لَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ مِمَّا لَا يُقْسَمُ خِلَافًا لِلثَّانِي، سِرَاجٌ .

اگر سونے اور چاندی میں کچھ کھوٹ ملی ہوئی ہو تو کیا حکم ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر سونے اور چاندی میں کچھ ملاوٹ ہو تو اس صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس میں غالب حصہ کیا ہے؟ اگر سونا اور چاندی ہی ملاوٹ پر غالب ہو تو اس پر سونا اور چاندی ہی کا حکم لگے گا، اور اس میں سونا اور چاندی کا اعتبار کرتے ہوئے زکوۃ واجب ہوگی، اور اگر سونا چاندی پر ملاوٹ والا حصہ غالب ہے تو اس صورت میں وہ سونا چاندی سامان کے حکم میں ہوگا اور اس کی قیمت لگا کر زکوۃ واجب ہوگی، جس طرح سامان تجارت میں قیمت لگا کر زکوۃ ادا کی جاتی ہے، اور اس وقت شرط یہ ہوگی کہ اس ملاوٹ والے سونے اور چاندی میں تجارت کی نیت ہو۔

ملاوٹ غالب ہو تو کیا حکم ہے؟

اگر سونا اور چاندی میں ملاوٹ غالب ہو تو اس وقت اس میں تجارت کی نیت شرط ہے ہاں اگر اس ملاوٹ شدہ سونا اور چاندی میں اتنا سونا اور چاندی نکل جائے جو نصاب شرعی کو پہنچ جائے، یا سونا چاندی تو نصاب سے کم ہو، لیکن اس کے پاس تجارت کے دگر سامان اتنی مقدار میں ہیں کہ نصاب کے اندر جو کمی ہو رہی ہے وہ پوری ہو سکتی ہے، یا اس کے پاس نقد ہو، جس سے نصاب کی تکمیل ہو جاتی ہو، یا وہ ملاوٹ شدہ سونا اور چاندی مروجہ ثمن ہو اور وہ نقد کے ادنیٰ نصاب کے برابر ہو جس پر شرعی اعتبار سے زکوۃ واجب ہوئی ہو تو مذکورہ تمام صورتوں میں زکوۃ واجب ہوگی، اور اگر مذکورہ صورتیں نہیں ہیں بقدر نصاب بھی نہیں ہیں تو زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

سونا چاندی اور ملاوٹ دونوں برابر ہوں تو اس کا حکم

ملاوٹ شدہ سونا اور چاندی میں، ملاوٹ اور سونا چاندی دونوں برابر ہوں تو اس میں حضرات علمائے کرام کا اختلاف ہے کہ زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ مختار مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں بھی احتیاطاً زکوۃ واجب ہے، جیسا کہ فتاویٰ خانیہ میں یہ

مسئلہ مذکور ہے، اسی وجہ سے اس کو وزن کے بغیر فروخت نہیں کیا جائے گا، تاکہ سود لازم نہ آئے، اور اگر سونا چاندی باہم ملے ہوئے ہوں، تو اس صورت میں اگر سونا چاندی پر غالب ہے تو سارا کا سارا سونے کے حکم میں ہوگا، اور اگر چاندی پر سونا غالب نہ ہو، لیکن سونا اور چاندی دونوں مل کر نصاب کو پہنچتے ہوں تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (علامہ شامیؒ بحوالہ فتاویٰ تاتارخانیہ نقل کرتے ہیں کہ جب چاندی غالب ہو اور سونا مغلوب ہو مثال کے طور پر دو تہائی چاندی اور ایک تہائی سونا ہو تو اس صورت میں کل کا حکم چاندی کا نہیں ہوگا اس لئے کہ سونا قیمتی شئی ہے، لہٰذا سونے کو اس کے تابع قرار دینا جائز نہ ہوگا جو اس سے کمتر ہے۔

سونا اور چاندی کے ملنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں جو ذیل میں درج ہیں :

(۱) سونا اور چاندی باہم ملے ہوں اور سونا غالب ہو اور ہر ایک بقدر نصاب ہو تو اب سارا سونے کے حکم میں ہوگا۔

(۲) سونا اور چاندی دونوں مخلوط ہوں اور چاندی غالب ہو اور ہر ایک بقدر نصاب ہو تو اس صورت میں بھی سونے کے حکم میں ہوگا۔

(۳) سونا اور چاندی دونوں باہم مخلوط ہوں اور برابر ہوں اور بقدر نصاب دونوں ہوں تو اس صورت میں بھی سونے کے حکم میں ہوگا۔

(۴) سونا اور چاندی دونوں مخلوط ہوں اور سونا چاندی پر غالب ہو اور صرف سونا ہی بقدر نصاب ہو تو اس صورت میں بھی سونے ہی کے حکم میں ہوگا۔

(۵) مخلوط کی صورت میں چاندی غالب ہو، اور بقدر نصاب صرف سونا ہو، تو بھی سونے کے حکم میں ہوگا۔

(۶) مخلوط کی صورت میں دونوں برابر ہوں لیکن بقدر نصاب صرف سونا ہو تو بھی سونے ہی کے حکم میں ہوگا۔

(۷) مخلوط کی صورت میں سونا غالب ہو اور بقدر نصاب صرف چاندی ہو، ایسا ناممکن ہے۔

(۸) مخلوط کی صورت میں چاندی غالب ہو اور صرف سونا بقدر نصاب ہو، تو اس صورت میں چاندی کا حکم ہوگا۔

(۹) سونا اور چاندی دونوں برابر ہوں اور صرف چاندی بقدر نصاب ہو، یہ ناممکن ہے۔

(۱۰) مخلوط کی صورت میں سونا غالب ہو لیکن دونوں میں سے کوئی بھی بقدر نصاب نہ ہو تو اس صورت میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

(۱۱) مخلوط کی صورت میں چاندی غالب ہو، لیکن دونوں میں سے کوئی بھی بقدر نصاب نہ ہو، اس میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

(۱۲) دونوں برابر ہوں اور کوئی بھی نصاب کے بقدر نہ ہو، تو اس صورت میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

(۱۳) مخلوط کی صورت میں دونوں ملکر نصاب کو پورا کرتے ہوں الگ الگ کوئی بھی بقدر نصاب نہ ہو، اس صورت میں زکوٰۃ واجب ہے۔

سال کے درمیان میں اگر نصاب گھٹ گیا تو کیا حکم ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نصاب کے مکمل ہونے کی شرط سال کے اوّل و آخر میں، ابتداء میں انعقاد کے لئے ہے اور آخیر میں وجوب کے لئے ہے، خواہ وہ جانور ہی کیوں نہ ہو، لہٰذا اگر سال کے درمیان میں نصاب کم ہوجائے تو وجوب زکوٰۃ کے لئے مانع نہیں ہے، یعنی سال کے شروع میں نصاب کی مقدار مال تھا اور آخیر سال میں بھی نصاب کامل رہا ہے، البتہ درمیان سال میں نصاب سے کچھ مال گھٹ گیا تو اس صورت میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر سال کے درمیان میں سارا کا سارا نصاب ہلاک ہوگیا ہے تو اس سال کا حولان حول باطل ہوجائے گا۔ (حتیٰ کی اگر اسی سال کوئی دوسرا مال بقدر نصاب حاصل ہوگیا تو اب پھر سے سال گذرنے کا اعتبار ہوگا)۔ (شامی/۳/۲۳۳)

رہا دین کا مسئلہ تو یہ سال کو ختم نہیں کرتا ہے اگرچہ دین میں سارا کا سارا مال غرق ہوجائے یہی قول حضرت امام ابو یوسفؒ کا ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ اور شامی میں ہے کہ قرض کا پیش آجانا حضرت امام محمدؒ کے نزدیک نصاب کے ہلاک ہوجانے کی مانند ہے، علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ (شامی/۳/۲۳۴)

سامانِ تجارت کی قیمت کو نقود کے ساتھ ملانا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تجارت کے سامان کی قیمت نقدین یعنی سونا چاندی کے ساتھ ملائی جائے گی، اس لئے کہ یہ سب کے سب تجارت ہی کے لئے ہے اصل وضع کے اعتبار سے بھی اور نیت تجارت کی وجہ سے بھی، اور سونے کو چاندی کے ساتھ اور چاندی کو سونے کے ساتھ باعتبار قیمت میں ملایا جائے گا، کیوں کہ علت ثمنیت میں دونوں برابر ہیں، اور حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ سونے کو چاندی کے ساتھ اور چاندی کو سونے کے ساتھ باعتبار اجزاء ملایا جائے گا، چنانچہ اگر کسی کے پاس ایک سو درہم ہوں اور دس دنانیر، اور ان دس دنانیر کی قیمت ایک سو چالیس درہم ہو، تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں چھ درہم زکوٰۃ واجب ہوگی، اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک صرف پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہوگی، لہٰذا اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح سمجھ لو۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ کی تحقیق

حضرت علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں کہ شارح علیہ الرحمہ نے نہر الفائق کے اتباع میں یہ لکھدیا ہے کہ صاحبین کے نزدیک مذکورہ صورت میں پانچ درہم زکوٰۃ میں واجب ہوگی حالاں کہ بات ایسی نہیں ہے بلکہ صورت مذکورہ میں

صاحبین کے نزدیک بھی زکوۃ میں چھ ہی درہم واجب ہوں گی، اس لئے کہ ہر نصف اور نصاب چالیسواں حصہ زکوۃ میں لازم ہوگا، اور یہ معلوم ہے کہ دس دنانیر نصف نصاب ہے، تو اس کا چالیسواں حصہ ایک دینار کا چوتھائی ہوا، اور چوتھائی دینار کی قیمت درہم کے اعتبار سے ساڑھے تین درہم ہوئی، تو ساڑھے تین درہم یہ ہے اور ڈھائی درہم سو درہم میں سے، اس طرح ساڑھے تین اور ڈھائی دونوں مل کر چھ درہم ہوگئے، لہٰذا چھ درہم ہی زکوۃ ہوئی۔ فافہم کہہ کر شارح علیہ الرحمہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ (شامی/۳/۲۳۵)

مشترک نصاب میں زکوٰۃ کا حکم

ہمارے ائمہ کے نزدیک مشترک نصاب میں زکوۃ واجب نہیں ہے خواہ یہ جانور کا نصاب ہو، خواہ مال تجارت کا ہو، اگر چہ یہ ملانا ان نو اسباب کے متحد ہونے کی وجہ سے درست ہی کیوں نہ ہو، جن کو "اوص من يشفع" میں جمع کر دیا گیا ہے، جس کی شرح المجمعمیں موجود ہے۔ (اور مشترک نصاب کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کا الگ الگ مال تو نصاب کے برابر نہ ہو اور اس میں زکوۃ واجب نہ ہوتی ہو، اور جب ان کو ملا دیا جائے تو نصاب کو پہنچ جائے اور زکوۃ واجب ہو جائے تو اس طرح کے نصاب مشترک میں زکوۃ واجب نہیں ہے)۔

نو سبب اتحاد جو "اوص من يشفع" سے اشارہ ہے

"اوص من يشفع" کے جملہ سے جن نو اسباب اتحاد کی طرف اشارہ ہے وہ درج ذیل ہیں :

(۱) الف سے اس طرف اشارہ ہے کہ وجوب زکوۃ کے اہل ہونے میں دونوں شریک ہوں۔

(۲) واو سے اس طرف اشارہ ہے کہ دونوں شروع سال میں ملے ہوئے ہوں۔

(۳) ص سے اس طرف اشارہ ہے کہ دونوں کا اشتراک واختلاط قصداً ہو۔

(۴) میم سے اس طرف اشارہ ہے کہ دونوں کا مسرح ایک ہو، یعنی دونوں کے جانور ایک جگہ چرتے ہوں۔

(۵) نون سے اس طرف اشارہ ہے کہ دونوں کے جانور کے دودھ دوہنے کا برتن ایک ہو۔

(۶) یاء سے اشارہ اس طرف ہے کہ دونوں کے جانوروں کے راعی یعنی چرانے والے ایک ہوں۔

(۷) ش سے اشارہ اس طرف ہے کہ دونوں کے جانوروں کے پانی پینے کی جگہ یعنی تالاب یا کنواں ایک ہو۔

(۸) ف سے اشارہ اس طرف ہے کہ دونوں کے جانور ایک نر سے پال کھاتے ہوں۔

(۹) ع سے اشارہ اس طرف ہے کہ دونوں کے جانوروں کی چراہ گاہ ایک ہو۔

ملانے سے پہلے نصاب متعدد ہوں تو کیا حکم ہے؟

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر ان کے پاس ملانے سے پہلے متعدد نصاب ہوں تو بالاجماع زکوٰۃ لازم ہوگی، اس لئے کہ دونوں کے مال الگ الگ نصاب کو پورا کرتے ہیں، اور جب دونوں مل کر زکوٰۃ نکالیں گے تو ایسی صورت میں ان میں سے ہر ایک دوسرے ساتھی سے اپنے مال کے حصہ کے حساب سے جو زیادہ ہے واپس کرلے گا، اور اس کا بیان حاوی میں ہے اور اگر ان میں سے ایک کا حصہ نصاب کو پہنچتا ہے دوسرے کا مال نصاب کے بقدر نہیں پہنچتا ہے تو جس کا مال نصاب کے برابر پہنچتا ہے صرف اسی پر زکوٰۃ واجب ہوگی، دوسرے شخص پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اور اگر اس کے درمیان اور دوسرے اسّی آدمیوں کے درمیان اسّی بکریاں مشترک ہوں، تو اس صورت میں اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، کیوں کہ یہ مشترک مال اس طرح ہے کہ اس کی تقسیم نہیں ہوسکتی ہے اس میں حضرت امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے، جیسا کہ سراج الوہاج میں ہے۔

وَ اعْلَمْ أَنَّ الدُّيُونَ عِنْدَ الْإِمَامِ ثَلَاثَةٌ : قَوِيٌّ ، وَمُتَوَسِّطٌ ، وَضَعِيفٌ ، فَتَجِبُ زَكَاتُهَا إذَا تَمَّ نِصَابًا وَحَالَ الْحَوْلُ ، لَكِنْ لَا فَوْرًا بَلْ عِنْدَ قَبْضِ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا مِنَ الدَّيْنِ الْقَوِيِّ كَقَرْضٍ وَبَدَلِ مَالِ تِجَارَةٍ فَكُلَّمَا قَبَضَ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا يَلْزَمُهُ دِرْهَمٌ وَ عِنْدَ قَبْضِ مِائَتَيْنِ مِنْهُ لِغَيْرِهَا أَيْ مِنْ بَدَلِ مَالٍ لِغَيْرِ تِجَارَةٍ وَهُوَ الْمُتَوَسِّطُ كَثَمَنِ سَائِمَةٍ وَعَبِيدِ خِدْمَةٍ وَنَحْوِهِمَا مِمَّا هُوَ مَشْغُولٌ بِحَوَائِجِهِ الْأَصْلِيَّةِ كَطَعَامٍ وَشَرَابٍ وَأَمْلَاكٍ. وَيُعْتَبَرُ مَا مَضَى مِنَ الْحَوْلِ قَبْلَ الْقَبْضِ فِي الْأَصَحِّ ، وَمِثْلُهُ مَا لَوْ وَرِثَ دَيْنًا عَلَى رَجُلٍ وَ عِنْدَ قَبْضِ مِائَتَيْنِ مَعَ حَوَلَانِ الْحَوْلِ بَعْدَهُ أَيْ بَعْدَ الْقَبْضِ مِنْ دَيْنٍ ضَعِيفٍ وَهُوَ بَدَلُ غَيْرِ مَالٍ كَمَهْرٍ وَدِيَةٍ وَبَدَلِ كِتَابَةٍ وَخُلْعٍ ، إلَّا إذَا كَانَ عِنْدَهُ مَا يُضَمُّ إلَى الدَّيْنِ الضَّعِيفِ كَمَا مَرَّ ، وَلَوْ أَبْرَأَ رَبُّ الدَّيْنِ الْمَدْيُونَ بَعْدَ الْحَوْلِ فَلَا زَكَاةَ سَوَاءٌ كَانَ الدَّيْنُ قَوِيًّا أَوْ لَا خَانِيَّةٌ ، وَقَيَّدَهُ فِي الْمُحِيطِ بِالْمُعْسِرِ. أَمَّا الْمُوسِرُ فَهُوَ اسْتِهْلَاكٌ فَلْيُحْفَظْ بَحْرٌ. قَالَ فِي النَّهْرِ : وَهَذَا ظَاهِرٌ فِي أَنَّهُ تَقْيِيدٌ لِلْإِطْلَاقِ وَهُوَ غَيْرُ صَحِيحٍ فِي الضَّعِيفِ كَمَا لَا يَخْفَى وَيَجِبُ عَلَيْهَا أَيْ الْمَرْأَةِ زَكَاةُ نِصْفِ مَهْرٍ مِنْ نَقْدٍ مَرْدُودٍ بَعْدَ مُضِيِّ الْحَوْلِ مِنْ أَلْفٍ كَانَتْ قَبَضَتْهُ مَهْرًا ثُمَّ رَدَّتْ النِّصْفَ لِطَلَاقٍ قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا فَتُزَكِّي الْكُلَّ ؛ لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ النُّقُودَ لَا تَتَعَيَّنُ فِي الْعُقُودِ وَالْفُسُوخِ وَتَسْقُطُ الزَّكَاةُ عَنْ مَوْهُوبٍ لَهُ فِي نِصَابٍ مَرْجُوعٍ فِيهِ مُطْلَقًا سَوَاءٌ رَجَعَ بِقَضَاءٍ أَوْ غَيْرِهِ بَعْدَ الْحَوْلِ لِوُرُودِ الِاسْتِحْقَاقِ عَلَى

عَنِ الْمَوْهُوبِ ، وَلِذَا لَا رُجُوعَ بَعْدَ هَلَاكِهِ قَيَّدَ بِهِ لِأَنَّهُ لَا زَكَاةَ عَلَى الْوَاهِبِ اتِّفَاقًا لِعَدَمِ الْمِلْكِ وَهِيَ مِنَ الْحِيَلِ وَمِنْهَا أَنْ يَهَبَهُ لِطِفْلِهِ قَبْلَ التَّمَامِ بِيَوْمٍ.

قرض کے اقسام اوران کا شرعی حکم

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک دیون کی تین قسمیں ہیں: (۱) دیون قوی۔ (۲) دیون متوسط۔ (۳) دیون ضعیف۔ پس اس کی زکوۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب نصاب مکمل ہو اور اس پر سال گذر جائے، لیکن علی الفور زکوۃ واجب نہیں ہے بلکہ اس وقت زکوۃ واجب ہے جب دَین قوی میں سے چالیس درہم پر اس کا قبضہ ہو، اور دَین قوی قرض یا مالِ تجارت کا بدل ہے، چنانچہ جب جب وہ چالیس درہم وصول کرلے گا اس پر ایک درہم زکوۃ میں لازم ہوگا۔

دین متوسط کی زکوۃ کا حکم

اور جب وہ تجارت کا مال نہ ہو، بلکہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا مال ہو تو اس صورت میں دوسو درہم وصول کرنے کے بعد زکوۃ لازم ہوگی اور یہ حکم دین متوسط میں ہے، جیسے کہ سائمہ جانور اور خدمت کے غلام کی قیمت، یا اس طرح کے کوئی اور شئی ہو، جو ضروریات اصلیہ میں مشغول ہو جیسے کھانا پینا اور دوسری ملکیت کی چیز ہے، اور سال کے متعلق وہ سال کا اعتبار کیا جائے گا جو دین متوسط سے پہلے گذر چکا ہے صحیح تر مذہب یہی ہے، یعنی مال کو جس وقت فروخت کیا تھا اس وقت سے سال کا اعتبار ہوگا، ظاہر الروایہ یہی ہے، لیکن بقول علامہ شامیؒ اس بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ جب تک دوسو درہم وصول نہ کرے گا، زکوۃ واجب نہ ہوگی اور سال کا اعتبار قبضہ میں آنے کے بعد سے ہوگا، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے دوقولوں میں سے زیادہ صحیح تر قول یہی ہے۔ (شامی/۳/۲۳۸)

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دَین متوسط کی طرح وہ مال بھی ہے جس کا وہ وارث ہوا ہے اور وہ مال کسی دوسرے پر قرض رہا ہو، اس میں بھی جس وقت سے وارث ہوا ہے اس وقت سے نصاب کا اعتبار ہوگا ظاہر الروایہ یہی ہے اور ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب مال قبضہ میں آجائے گا۔

دَین ضعیف کی زکوۃ کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دین ضعیف میں اس وقت زکوۃ لازم ہوگی جب اس میں سے دوسو درہم پر

مالک قابض ہو جائے گا اور جب سے قبضہ ہوا ہے اس وقت سے اس پر سال گذر جائے گا اور دین ضعیف غیر مال کا بدل ہوتا ہے، جیسے مہر، دیت، بدل کتابت، اور بدل خلع ہے، ہاں اگر دین ضعیف والے کے پاس پہلے سے کوئی دوسرا مال موجود تھا تو اس صورت میں دین ضعیف سے وصول ہوتے ہی موجود مال کے ساتھ ساتھ اس مال کی بھی زکوٰۃ دے گا، سال گذرنے کا اعتبار نہیں کرے گا، جیسا کہ گذر چکا ہے،

مسئلہ: عورت کا جو مہر شوہر کے ذمہ باقی رہتا ہے، یا آقا کا جو مال مکاتب کے ذمہ باقی رہتا ہے اسی طرح شوہر کا جو مال بطور بدل خلع کے بیوی کے ذمہ باقی رہتا ہے ان اموال میں اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جب تک کہ اس پر مکمل طور پر قبضہ نہ ہو جائے اور سال گذر نہ جائے۔ جیسا کہ یہ مسئلہ شرح کی عبارت سے مستفاد ہوا۔ (کشف الاسرار/۲/۱۵۸)

سال گذرنے کے بعد قرض دار نے مقروض کو معاف کر دیا تو کیا حکم ہے

اگر قرض دار نے سال گذرنے کے بعد مقروض کو قرض سے معاف کر دیا، تو پھر اس قرض دار کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہیں ہے، خواہ یہ دین قوی ہو یا دین غیر قوی ہو، جیسا کہ خانیہ میں ہے، لیکن محیط نامی کتاب میں یہ قید لگائی گئی ہے کہ اگر وہ مقروض جس کو معاف کیا گیا ہے واقعی مفلس اور تنگ دست ہے تب تو قرض دار کے ذمہ سے زکوٰۃ واقعی نہیں ہے، اس لئے کہ یہ صورت مال کے ہلاک ہونے کے حکم میں ہے، اور اگر مقروض جس کو معاف کیا گیا ہے مال دار ہے تو اس صورت میں قرض دار کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی بلکہ معاف کرنے والے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اس لئے کہ یہ صورت مال کے ہلاک کر دینے کے حکم میں ہے لہٰذا اس مسئلے کو خوب اچھی طرح سمجھ کر یاد کر لو، جیسا کہ البحر الرائق میں ہے۔

صاحب نہر الفائق نے کہا کہ البحر الرائق کا قول مطلقاً ذکر کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام قرضوں کا یہی حکم ہے حالاں کہ ایسی بات نہیں ہے، کیوں کہ یہ حکم دین ضعیف اور دین متوسط کا نہیں ہے، اس لئے کہ دین ضعیف میں مال دار کو اگر معاف بھی کر دیا جائے گا تو بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اس لئے کہ دین ضعیف میں بقدر نصاب قبضہ ہونے اور اس پر سال گذرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، لہٰذا وجوب سے پہلے ہلاک کے حکم میں کیسے ہوسکتا ہے، اور یہی حال دین متوسط کا بھی ہے۔ (شامی/۳/۲۴۰)

مہر میں وجوب زکوٰۃ کا حکم

ایک عورت ہے جس کا نکاح ایک ہزار درہم کے بدلے ہوا نکاح کے بعد عورت نے اس ایک ہزار درہم پر قبضہ کر لیا اس کے بعد وہ ایک ہزار درہم سال بھر اس کے قبضہ میں رہا، اس کے بعد شوہر نے ایک سال کے بعد دخول کرنے سے پہلے پہلے

اس کو طلاق دے دی، اور چوں کہ طلاق قبل الدخول کی صورت میں اگر مہر متعین ہو تو نصف مہر واجب ہوتا ہے اس لئے عورت نے نصف مہر شوہر کو واپس کر دی، تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ عورت کل مہر ایک ہزار درہم کی زکوٰۃ ادا کرے گی، اس لئے کی یہ بات طے شدہ ہے کہ عقود اور فسوخ میں نقود متعین نہیں ہوتے ہیں، لہٰذا جب عورت نے ہزار درہم پر قبضہ کر لیا تھا تو وہ اس کی مالک ہوگئی تھی اور طلاق کے بعد ضروری نہیں ہے کہ بعینہٖ اسی میں پانچ سو درہم واپس کرے، بلکہ دوسرے پانچ سو بھی واپس کرسکتی ہے اسی وجہ سے پورے ایک ہزار کی زکوٰۃ لازم ہوگی۔

ہبہ دے کر واپس لینے کی صورت میں موہوب لہ پر زکوٰۃ کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ موہوب لہ (جس کو ہبہ دیا گیا) سے اس وقت زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے جب ہبہ کرنے والے نے موہوب لہ سے سال گذرنے کے بعد شئی موہوب جو بقدر نصاب تھا واپس لے لیا، خواہ قاضی کے فیصلہ سے واپس لیا ہو یا قاضی کے فیصلہ کے بغیر واپس لیا ہو، اور اس صورت میں موہوب لہ سے زکوٰۃ ساقط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شئی موہوب پر متعین طور پر موہوب لہ کا استحقاق حاصل ہو چکا تھا، یہی وجہ ہے کہ اگر ہبہ کردہ چیز ہلاک ہو جائے تو اس کو واپس نہیں لی جاتی ہے، اور اس مسئلہ میں جو یہ قید لگائی گئی ہے کہ موہوب لہ سے زکوٰۃ ساقط ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ واہب کے ذمہ تو بالاتفاق زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیوں کہ ہبہ کرنے کی وجہ سے اسکی ملکیت شئی موہوب سے ختم ہو چکی ہے، اور یہ صورت زکوٰۃ کے ساقط ہونے کے لئے حیلہ کا درجہ رکھتی ہے۔

اسقاطِ زکوٰۃ کے لئے حیلہ کرنا

اور ذمہ سے زکوٰۃ ساقط کرنے کا ایک حیلہ یہ ہے کہ سال مکمل ہونے سے ایک دن پہلے اپنا مال کسی بچے کو ہبہ کر دے، تو چونکہ حولانِ حول نہیں پایا گیا اس لئے ادائیگی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اس طرح کا حیلہ کرنا حضرت امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے، اس لئے کہ اس میں فقراء و مساکین کا حق مارا جاتا ہے اور حیلہ کی کراہت پر علماء کا فتویٰ بھی ہے، ہاں اگر اپنے نفس پر خرچ کی ضرورت ہو تو حیلہ اپنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

العبد: غلام رسول پہراوتی
خادم جامعۃ القرآن والسنۃ بجنور، یوپی
۲۲/ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ

باب العاشر

عشر کا مال وصول کرنے والے کا بیان

قِيلَ هَذَا مِنْ تَسْمِيَةِ الشَّيْءِ بِاسْمِ أَحْوَالِهِ وَلَا حَاجَةَ إِلَيْهِ بَلِ الْعُشْرُ عَلَمٌ لِمَا يَأْخُذُهُ الْعَاشِرُ مُطْلَقًا ذَكَرَهُ سَعْدِيٌّ أَيْ عَلَمُ جِنْسٍ هُوَ حُرٌّ مُسْلِمٌ بِهَذَا يُعْلَمُ حُرْمَةُ تَوْلِيَةِ الْيَهُودِ عَلَى الْأَعْمَالِ غَيْرُ هَاشِمِيٍّ لِمَا فِيهِ مِنْ شُبْهَةِ الزَّكَاةِ قَادِرٌ عَلَى الْحِمَايَةِ مِنَ اللُّصُوصِ وَالْقُطَّاعِ لِأَنَّ الْجِبَايَةَ بِالْحِمَايَةِ. نَصَبَهُ الْإِمَامُ عَلَى الطَّرِيقِ لِلْمُسَافِرِينَ خَرَجَ السَّاعِي فَإِنَّهُ الَّذِي يَسْعَى فِي الْقَبَائِلِ لِيَأْخُذَ صَدَقَةَ الْمَوَاشِي فِي أَمَاكِنِهَا لِيَأْخُذَ الصَّدَقَاتِ تَغْلِيبًا لِلْعِبَادَةِ عَلَى غَيْرِهَا مِنَ التُّجَّارِ بِوَزْنِ فُجَّارٍ الْمَارِّينَ بِأَمْوَالِهِمُ الظَّاهِرَةِ وَالْبَاطِنَةِ عَلَيْهِ وَمَا وَرَدَ مِنْ ذَمِّ الْعَشَّارِ مَحْمُولٌ عَلَى الْآخِذِ ظُلْمًا. فَمَنْ أَنْكَرَ تَمَامَ الْحَوْلِ أَوْ قَالَ لَمْ أَنْوِ التِّجَارَةَ أَوْ عَلَيَّ دَيْنٌ مُحِيطٌ أَوْ مُنْقِصٌ لِلنِّصَابِ ؛ لِأَنَّ مَا يَأْخُذُهُ زَكَاةٌ مِعْرَاجٌ ، وَهُوَ الْحَقُّ بَحْرٌ وَلِذَا أَطْلَقَهُ الْمُصَنِّفُ أَوْ قَالَ أَدَّيْتُ إِلَى عَاشِرٍ آخَرَ وَكَانَ عَاشِرٌ آخَرُ مُحَقَّقٌ أَوْ قَالَ أَدَّيْتُ إِلَى الْفُقَرَاءِ فِي الْمِصْرِ لَا بَعْدَ الْخُرُوجِ لِمَا يَأْتِي وَحَلَفَ صُدِّقَ فِي الْكُلِّ بِلَا إِخْرَاجِ بَرَاءَةٍ فِي الْأَصَحِّ. لِاشْتِبَاهِ الْخَطِّ ، حَتَّى لَوْ أَتَى بِهَا عَلَى خِلَافِ اسْمِ ذَلِكَ الْعَاشِرِ حَلَفَ وَصُدِّقَ وَعُدَّتْ عَدَمًا وَلَوْ ظَهَرَ كَذِبُهُ بَعْدَ سِنِينَ أُخِذَتْ مِنْهُ إِلَّا فِي السَّوَائِمِ وَالْأَمْوَالِ الْبَاطِنَةِ بَعْدَ إِخْرَاجِهَا مِنَ الْبَلَدِ لِأَنَّهَا بِالْإِخْرَاجِ الْتَحَقَتْ بِالْأَمْوَالِ الظَّاهِرَةِ فَكَانَ الْأَخْذُ فِيهَا لِلْإِمَامِ فَيَكُونُ هُوَ الزَّكَاةَ، وَالْأَوَّلُ يَنْقَلِبُ نَفْلًا وَيَأْخُذُهَا مِنْهُ بِقَوْلِهِ لِقَوْلِ عُمَرَ : "لَا تَنْبُشُوا عَلَى النَّاسِ مَتَاعَهُمْ" لَكِنَّهُ يُحَلِّفُهُ إِذَا اتُّهِمَ.

عشر وصول کرنے والوں کا نام عاشر کیوں رکھا گیا؟

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم نے کہا کہ عشر وصول کرنے والے کا نام عاشر اس کے بعض احوال کی وجہ سے رکھا گیا ہے، اور بعض اہل علم نے کہا کہ ان تکلفات کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ عشر اس شئی کا نام ہے جس کو عاشر وصول کرتا ہے خواہ وہ عشر (دسواں حصہ) یا نصف عشر (بیسواں حصہ) یا ربع عشر (چالیسواں حصہ) وصول کرے، اس کو سعدی میں ذکر کیا ہے، یعنی عشر علم جنس ہے جو سب کو شامل ہے۔ (شامی نے کہا کہ علم جنس کے بجائے اسم جنس کہنا زیادہ مناسب ہے)۔

عاشرکس طرح کے اوصاف کے حامل ہوں؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عاشر کے لئے ضروری ہے کہ وہ آزاد ہو، غلام نہ ہو، مسلم ہو، لہٰذا غیر مسلم کا عاشر ہونا جائز نہیں ہے۔ اس شرط سے یہ معلوم ہوا کہ یہودی شخص کو عامل بنانا حرام ہے، نیز عاشر غیر ہاشمی ہو، اس لئے کہ ہاشمیوں کے لئے زکوٰۃ کے جائز ہونے میں شبہ ہے۔ (اگر ہاشمی شخص عاشر ہوا اور وہ اُجرت نہ لے، یا اس کو مزدوری کسی اور مد سے دی جائے زکوٰۃ کی مد سے نہ دی جائے تو اس کے عاشر بننے میں کوئی قباحت اور مضائقہ نہیں ہے)۔ (شامی/۳/۲۴۳)

نیز عاشر ایسا شخص ہو جس کو یہ قدرت ہو کہ وہ تجارت کے مالوں کو چوروں اور ڈاکوؤں سے بچا سکے، کیوں تاجروں سے حکومت عشر اسی لئے لیتی ہے کہ حکومت ان کے مال کی حفاظت کرتی ہے، عاشر کو امام المسلمین راستہ پر مسافروں کے لئے متعین کرتا ہے، اس شرط کی وجہ سے ساعی نکل گیا ہے اس لئے کہ ساعی وہ شخص ہوتا ہے جو قبائل میں جا کر لوگوں کے مویشیوں کے صدقات وصول کرتا ہے اور عاشر کو امام المسلمین مسافروں کے واسطے راستہ پر اس لئے مقرر کرتا ہے تا کہ ان تاجروں سے صدقات وصول کرلے جو اپنے مال کو لے کر گذریں۔

اب یہاں ایک **سوال** پیدا ہوتا ہے کہ عاشر مسلمانوں سے صدقہ وصول کرتا ہے اور ذمیوں سے جزیہ بھی، تو تعریف میں صرف صدقہ کا ذکر کیا گیا ہے اور جزیہ کا ذکر نہیں ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا **جواب** یہ دیا ہے کہ عبادت کو غیر عبادت پر فوقیت حاصل ہے اس لئے تغلیباً صرف صدقہ پر اکتفا کیا گیا ہے، شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "تجار" فجار کے وزن پر ہے، مزید فرماتے ہیں کہ عاشر اموالِ ظاہری اور اموالِ باطنی دونوں کی زکوٰۃ وصول کرتے ہیں، اور اموالِ ظاہری وہ مویشی ہیں جن کو لے کر تاجر عاشر کے پاس سے گذرتا ہے، اور اموالِ باطن میں سونا چاندی اور سامانِ تجارت داخل ہیں۔

اور حدیث شریف میں جو عشر وصول کرنے والے کی مذمت آئی ہے بایں طور کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "لَا يَدْخُلُ صَاحِبُ مَكْسٍ الْجَنَّةَ" عشر وصول کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا یہ وعید اُن عاشروں کے واسطے ہے جو ظلم کر کے وصول کرتے ہیں، اور اعتدال کو نہیں اپناتے ہیں۔

اگر مالک مال پر سال گذرنے کا انکار کرے تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص مال پر سال مکمل ہونے کا انکار کر دے اور یہ کہے کہ ابھی اس مال پر سال مکمل نہیں گذرا ہے یا یوں کہے کہ میں نے اس مال میں تجارت کی نیت ہی نہیں کی ہے، یا یہ عذر پیش کرے کہ میرے ذمہ اتنا قرض ہے کہ تمام مال کو گھیرے ہوئے ہے یا یہ کہے کہ مجھ پر اس قدر قرض ہے کہ اس کے ادا کرنے کے بعد مال نصاب کے برابر نہیں رہتا ہے یا یوں کہے کہ

میں اپنے مال کا عشر دوسرے عشر وصول کرنے والے کو دے چکا ہوں اور دوسرا عاشر واقعتاً وصول کر رہا ہو، یا یوں کہے کہ میں شہر کے دوسرے فقراء کو زکوٰۃ کا مال دے چکا ہوں اور وہ اپنی ان باتوں کو قسم کے ذریعہ مؤکد کردے تو اس کی بات مذکورہ تمام صورتوں میں مانی جائے گی۔ اور اصح قول کے مطابق دوسرے عشر وصول کرنے والے کی تحریر (رسید) پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی، اس لئے کہ ایک عاشر کی تحریر کا دوسرے عاشر کی تحریر سے اشتباہ ہوسکتا ہے، اور مالک نے جس عاشر کا نام لیا تھا کہ اس کو دے چکا ہوں اس کے علاوہ کسی اور کی تحریر پیش کرے اور قسم کھائے تو اس کی بات مان لی جائے گی، اور تحریر کا پیش کرنا کالعدم ہوگا، لیکن اگر چند سالوں کے بعد یہ ظاہر ہوا کہ مالک نے اس وقت کذب بیانی سے کام لیا تھا تو اس سے پھر زکوٰۃ لی جائے گی۔

جانوروں کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں انکار کرے تو کیا حکم ہوگا؟

ابھی ماقبل میں جو صورتیں زکوٰۃ سے انکار کی ذکر کی گئی ہیں کہ قسم کے بعد مالک کی بات مان لی جائے گی، لیکن فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا صورتیں چوپایوں اور اموالِ باطنہ میں اگر ان کو شہر سے نکال چکا ہے تو ان کی بات نہیں مانی جائے گی، اس لئے کہ اموال باطنہ کو شہر سے نکالنے کے بعد اموال ظاہرہ کے ساتھ ملحق ہوجاتا ہے اور جب اموال باطنہ، اموال ظاہرہ کے ساتھ ملحق ہوگئے تو اب ان میں زکوٰۃ لینے کا حق امام المسلمین کو ہوگا، پس اس وقت زکوٰۃ لی جائے گی اور پہلے جو زکوٰۃ ادا کی ہے وہ نفل میں بدل جائے گی، اور زکوٰۃ وصول کرنے والا عاشر، مال والے سے زکوٰۃ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس قول کے مطابق لے گا، جس میں انہوں نے فرمایا: کہ لوگوں کے سامان میں تفتیش نہ کرو، ہاں اگر یہ خیال ہو کہ یہ متہم ہے تو اس وقت اس سے قسم لے لو، اور اس کی بات پر اعتماد کرلو۔

وَكُلُّ مَا صُدِّقَ فِيهِ مُسْلِمٌ مِمَّا مَرَّ صُدِّقَ فِيهِ ذِمِّيٌّ لِأَنَّ لَهُمْ مَا لَنَا إِلَّا فِي قَوْلِهِ أَدَّيْتُ أَنَا إِلَى فَقِيرٍ لِعَدَمِ وِلَايَةِ ذَلِكَ. لَا يُصَدَّقُ حَرْبِيٌّ فِي شَيْءٍ إِلَّا فِي أُمِّ وَلَدِهِ، وَقَوْلِهِ لِغُلَامٍ يُولَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ هَذَا وَلَدِي لِفَقْدِ الْمَالِيَّةِ، فَإِنْ لَمْ يُولَدْ عَتَقَ عَلَيْهِ وَعُشِّرَ لِأَنَّهُ أَقَرَّ بِالْعِتْقِ فَلَا يُصَدَّقُ فِي حَقِّ غَيْرِهِ وَإِلَّا فِي قَوْلِهِ أَدَّيْتُ إِلَى عَاشِرٍ آخَرَ وَثَمَّةَ عَاشِرٌ آخَرُ لِئَلَّا يُؤَدِّيَ إِلَى اسْتِئْصَالِ الْمَالِ جَزَمَ بِهِ مُنْلَا خُسْرُو وَذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ تَبَعًا لِلسُّرُوجِيِّ بِلَفْظِ: يَنْبَغِي كَذَا نَقَلَهُ الْمُصَنِّفُ عَنِ الْبَحْرِ، لَكِنْ جَزَمَ فِي الْعِنَايَةِ وَالْغَايَةِ بِعَدَمِ تَصْدِيقِهِ وَرَجَّحَهُ فِي النَّهْرِ. وَأُخِذَ مِنَّا رُبْعُ عُشْرٍ وَمِنَ الذِّمِّيِّ سَوَاءٌ كَانَ تَغْلِبِيًّا أَوْ لَمْ يَكُنْ كَمَا فِي الْبُرْجَنْدِيِّ عَنِ الظَّهِيرِيَّةِ ضِعْفُهُ وَمِنَ الْحَرْبِيِّ عُشْرٌ بِذَلِكَ أَمَرَ

عُمَرُ بِشَرْطِ كَوْنِ الْمَالِ لِكُلِّ وَاحِدٍ نِصَابًا لِأَنَّ مَا دُوْنَهُ عَفْوٌ وَ بِشَرْطِ جَهْلِنَا قَدْرَ مَا أَخَذُوا مِنَّا ، فَإِنْ عُلِمَ أُخِذَ مِثْلَهُ مُجَازَاةً إِلَّا إِذَا أَخَذُوا الْكُلَّ فَلَا نَأْخُذُهُ بَلْ نَتْرُكُ لَهُ مَا يُبَلِّغُهُ مَأْمَنَهُ إِبْقَاءً لِلْأَمَانِ. وَلَا نَأْخُذُ مِنْهُمْ شَيْئًا إِذَا لَمْ يَبْلُغْ مَالُهُمْ نِصَابًا وَإِنْ أَخَذُوا مِنَّا فِي الْأَصَحِّ لِأَنَّهُ ظُلْمٌ وَلَا مُتَابَعَةَ عَلَيْهِ أَوْ لَمْ يَأْخُذُوا مِنَّا لِيَسْتَمِرُّوا عَلَيْهِ وَلِأَنَّا أَحَقُّ بِالْمَكَارِمِ.

ذمیوں کے ساتھ رعایت کرنے کا حکم

اور زکوۃ کے وجوب اور عدم وجوب کے سلسلہ میں جن امور میں مسلمانوں کی بات مانی جاتی ہے ان تمام امور میں ذمیوں کی بات بھی مانی جائے گی، اس لئے کہ اسلامی مملکت میں جو رعایتیں مسلمانوں کے لئے ہیں وہی رعایتیں کافروں کے لئے بھی ہیں، البتہ اگر ذمی یہ کہے کہ میں نے جزیہ کا مال دوسرے فقیر کو دیدیا ہے نہیں مانا جائے گا، اس لئے کہ کافروں کے لئے فقیر کو دینے کا حق نہیں ہے۔ (اس لئے کہ ذمیوں سے جو وصول کیا جاتا ہے وہ درحقیت جزیہ ہے اور جزیہ کا مصرف، اہل ذمہ کے فقراء نہیں ہیں)۔ اور حربی کافر کی بات ان تمام مذکورہ امور میں نہیں مانی جائے گی اور اس سے عاشر وصول کرے گا، البتہ اگر کافر حربی کسی کے بارے میں ام ولد ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کا قول مانا جائے گا، کہ وہ اس کا ام ولد ہے۔

اگر کسی غلام کے متعلق یہ کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے حالاں کہ فی الوقت ایسا بیٹا اس کا غلام نہیں ہوسکتا ہے تو اس کے اس قول سے غلام اس پر آزاد ہو جائے گا اور اس سے عشر وصول کیا جائے گا، اس لئے کہ اس نے اس کے آزاد ہونے کا اقرار کیا ہے لہٰذا اس کی بات تسلیم نہیں کی جائے گی، اور اگر اس طرح کا غلام اس کا بیٹا ہوسکتا ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی، اور اگر حربی کافر یہ کہے کہ میں نے عشر دوسرے عاشر کو دیدیا ہے اور وہاں دوسرے عاشر بھی موجود ہوں تو اس کی تصدیق کی جائے گی، اور تصدیق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مال بالکل ختم نہ ہو جائے، اسی کو ملاخسرو نے یقین کیا ہے، اور سروجی کے اتباع میں زیلعی نے لفظ ینبغي سے نقل کیا ہے، اسی طرح مصنف نے اس کو البحر الرائق سے نقل کیا ہے لیکن عنایہ اور غایۃ البیان میں یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ اس کی بات نہیں مانی جائے گی، اور نہر الفائق میں اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

کس سے کتنا عشر وصول کیا جائے گا؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں سے چالیسواں حصہ اور ذمی کافر سے بیسواں حصہ لیا جائے گا، خواہ وہ ذمی تغلبی ہو خواہ تغلبی نہ ہو، جیسا کہ برجندی میں فتاویٰ ظہیریہ سے نقل کیا گیا ہے، اور حربی کافر سے بطور جزیہ دسواں حصہ لیا جائے گا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی کا حکم دیا ہے، اور ان سے مال اس شرط کے ساتھ لیا جائے گا کہ ہر ایک کا مال

بقدر نصاب ہو، اس لئے کہ جو مال نصاب سے کم ہوگا اس میں کچھ بھی نہیں لیا جائے گا بلکہ معاف ہے، اور اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ کافر حکومت ہم سے کیا لیتی ہے، اگر ہمیں معلوم ہو کہ کافر حکومت مسلمانوں سے اس حساب سے اتنا مال لیتی ہے تو ہم بھی اسی کی مقدار کافروں سے لیں گے، تاکہ برابر برابر بدلہ ہو جائے، اور اگر مسلمانوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ حربی کافر مسلمانوں کا سارا مال لے لیتے ہیں جو دارالحرب میں رہتے ہیں تو ہم ان کافروں کا سارا مال نہیں لیں گے بلکہ ان کے پاس اتنا مال چھوڑ دیں گے کہ جس سے وہ اپنی امن کی جگہ بسہولت پہنچ سکے۔

کافروں کا مال نصاب سے کم ہو تو کیا حکم ہے؟

اگر کافروں کا مال نصاب کی مقدار سے کم ہو، تو ہم مسلمان ان سے کچھ بھی وصول نہیں کریں گے، اگرچہ حربی کافر ہم سے لیتے کیوں نہ ہوں، اس لئے کہ نصاب سے کم مال ہونے کے باوجود لینا سراسر ظلم ہے، اور ظلم میں کسی کی پیروی نہیں کی جاتی ہے، اور جب کافر حربی مسلمانوں سے کچھ نہ لیتے ہوں تو ہم بھی اس سے کچھ نہ لیں گے، تاکہ وہ نہ لینے پر قائم رہیں، اور نہ لینے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ مکارم اخلاق اپنانے اور حسن اخلاق کے ساتھ پیش آنے کے زیادہ حقدار ہم مسلمان ہیں۔

وَلَا يُؤْخَذُ الْعُشْرُ مِنْ مَالِ صَبِيٍّ حَرْبِيٍّ إِلَّا أَنْ يَكُونُوا يَأْخُذُونَ مِنْ أَمْوَالِ صِبْيَانِنَا أَشْيَاءَ كَمَا فِي كَافِي الْحَاكِمِ. أُخِذَ مِنَ الْحَرْبِيِّ مَرَّةً لَا يُؤْخَذُ مِنْهُ ثَانِيًا فِي تِلْكَ السَّنَةِ إِلَّا إِذَا عَادَ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ لِعَدَمِ جَوَازِ الْأَخْذِ بِلَا تَجَدُّدِ حَوْلٍ أَوْ عَهْدٍ وَلَوْ مَرَّ الْحَرْبِيُّ بِعَاشِرٍ وَلَمْ يَعْلَمْ بِهِ الْعَاشِرُ حَتَّى دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ ثُمَّ خَرَجَ ثَانِيًا لَمْ يُعَشِّرْهُ لِمَا مَضَى لِسُقُوطِهِ بِانْقِطَاعِ الْوِلَايَةِ بِخِلَافِ الْمُسْلِمِ وَالذِّمِّيِّ لِعَدَمِ الْمُسْقِطِ، ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ. وَيُؤْخَذُ نِصْفُ عُشْرٍ مِنْ قِيمَةِ خَمْرٍ وَجُلُودِ مَيْتَةِ كَافِرٍ كَذَا أَقَرَّ الْمُصَنِّفُ مَتْنَهُ فِي شَرْحِهِ لَوْ لِلتِّجَارَةِ. وَبَلَغَ نِصَابًا وَيُؤْخَذُ عُشْرُ الْقِيمَةِ مِنْ حَرْبِيٍّ بِلَا نِيَّةِ تِجَارَةٍ وَلَا يُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِ شَيْءٌ اتِّفَاقًا لَا يُؤْخَذُ مِنْ خِنْزِيرِهِ مُطْلَقًا لِأَنَّهُ قِيَمِيٌّ فَأَخْذُ قِيمَتِهِ كَعَيْنِهِ بِخِلَافِ الشُّفْعَةِ لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَأْخُذِ الشَّفِيعُ بِقِيمَةِ الْخِنْزِيرِ يَبْطُلُ حَقُّهُ أَصْلًا فَيَتَضَرَّرُ وَمَوَاضِعُ الضَّرُورَةِ مُسْتَثْنَاةٌ ذَكَرَهُ سَعْدِيٌّ وَ لَا يُؤْخَذُ أَيْضًا مِنْ مَالٍ فِي بَيْتِهِ مُطْلَقًا وَ لَا مِنْ مَالِ بِضَاعَةٍ إِلَّا أَنْ تَكُونَ لِحَرْبِيٍّ وَ لَا مِنْ مَالِ مُضَارَبَةٍ إِلَّا أَنْ يَرْبَحَ الْمُضَارِبُ فَيُعَشِّرُ نَصِيبَهُ إِنْ بَلَغَ نِصَابًا وَ لَا مِنْ كَسْبِ مَأْذُونٍ مَدْيُونٍ بِدَيْنٍ مُحِيطٍ بِمَالِهِ وَرَقَبَتِهِ أَوْ مَأْذُونٍ غَيْرِ مَدْيُونٍ لَكِنْ لَيْسَ مَعَهُ مَوْلَاهُ عَلَى الصَّحِيحِ فِي الثَّلَاثَةِ لِعَدَمِ مِلْكِهِمْ

وَلِذَا لَا يُؤْخَذُ الْعُشْرُ مِنَ الْوَصِيِّ إِذَا قَالَ: هٰذَا مَالُ الْيَتِيمِ، وَلَا مِنْ عَبْدٍ وَمُكَاتَبٍ، مَرَّ عَلَى عَاشِرِ الْخَوَارِجِ فَعَشَرُوهُ ثُمَّ مَرَّ عَلَى عَاشِرِ أَهْلِ الْعَدْلِ أَخَذَ مِنْهُ ثَانِيًا لِتَقْصِيرِهِ بِمُرُورِهِ بِهِمْ بِخِلَافِ مَا لَوْ غَلَبُوا عَلَى بَلَدٍ. فَرْعٌ: مَرَّ بِنِصَابِ رِطَابٍ لِلتِّجَارَةِ كَبِطِّيخٍ وَنَحْوِهِ لَا يُعَشِّرُهُ عِنْدَ الْإِمَامِ إِلَّا إِذَا كَانَ عِنْدَ الْعَاشِرِ فُقَرَاءُ فَيَأْخُذُ لِيَدْفَعَ لَهُمْ نَهْرٌ بَحْثًا.

حربی بچوں سے عشر لینے کا شرعی حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حربی بچوں کے مال سے عشر نہیں لیا جائے گا، ہاں اگر حربی کفار ہم مسلمانوں کے بچوں سے کچھ لیتے ہوں تو پھر ان کے بچوں سے بھی عشر لیا جائے گا، جیسا کہ یہ مسئلہ کافی الحاکم میں موجود ہے، اور حربی سے سال میں صرف ایک مرتبہ عشر (بطور جزیہ) لیا جائے گا دومرتبہ نہیں لیا جائے گا۔ ہاں اگر حربی دارالحرب لوٹ گیا ہو اور دوبارہ دارالاسلام واپس آیا ہو تو دوبارہ عشر لیا جائے گا۔ اور ایک حربی سے سال میں دومرتبہ عشر اس لئے نہیں لیا جائے گا کہ جب تک نیا سال نہ آئے یا کوئی ایسا عہد نہ آئے دوبارہ عشر وصول کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ: حربی شخص کو دارالاسلام میں پورے سال رہنے کی اجازت نہیں دی جائی گی، بلکہ جوں ہی وہ دارالاسلام میں داخل ہوگا ان سے کہہ دیا جائے کہ اگر تم یہاں پورے سال اقامت کروگے تو تم کو جزیہ دینا ہوگا، چنانچہ اگر وہ اس کے بعد قیام کرے گا تو جزیہ دینا پڑے گا، اور سال مکمل ہونے سے پہلے دارالحرب واپس جانے نہیں دیا جائے گا۔ (شامی/۳/۲۵۱)

عشر کب ساقط ہوتا ہے؟

اگر کوئی حربی شخص عاشر کے پاس سے گذرا لیکن عاشر کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ حربی ہے یہاں تک کہ وہ دارالحرب پہنچ گیا، پھر وہ دوبارہ دارالحرب سے نکل کر دارالاسلام آیا تو اس صورت میں اس حربی سے ماقبل کا عشر نہیں وصول کیا جائے گا اس لئے کہ اس کے دارالحرب جانے کی وجہ سے ولایت منقطع ہوگئی، اس لئے عشر بھی ساقط ہوگیا، بخلاف مسلمان اور ذمی کے، اگر یہ دونوں بغیر عشر دیئے عاشر کے پاس سے گذر گئے اور عاشر کو معلوم نہیں ہوسکا، بلکہ بعد میں معلوم ہوا تو اس سے گذشتہ ایام کا بھی عشر لیا جائے گا، اس لئے کہ یہاں عشر کے ساقط کرنے والا کوئی عذر نہیں پایا گیا ہے، اس کو امام زیلعیؒ نے ذکر کیا ہے۔

شراب اور مردار جانور کی کھالوں کی قیمت میں عشر کا حکم شرعی

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کافر کی شراب اور مردہ جانور کی کھالوں کی قیمت، اگر بقدر نصاب پہنچتی ہو تو اس

میں بیسواں حصہ لیا جائے گا، بشرطیکہ وہ شراب اور کھال تجارت کے واسطے ہو، جیسا کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو اپنی شرح میں ثابت کیا ہے۔

اور کافر حربی سے شراب کی قیمت میں سے اس کا دسواں حصہ لیا جائے گا، خواہ اس میں تجارت کی نیت نہ ہو، البتہ مسلمانوں سے شراب کی قیمت میں بالاتفاق کچھ نہیں لیا جائے گا، اس لئے کہ شراب مسلمانوں کے حق میں مال ہی نہیں ہے اور نہ مسلمان اس کا مالک ہوتا ہے اس لئے کچھ نہیں لیا جائے گا۔

خنزیر میں عشر واجب نہیں

اور کافر حربی اگر سور پالتے ہوں تو ان سے اس کا عشر نہیں لیا جائے گا، اس لئے کہ سور کا شمار ذوات القیم یعنی قیمت والی چیزوں میں ہے پس اس کی قیمت لینا بالکل ایسا ہی ہے جیسا خود سور کا لینا ہے، اور سور نجس العین ہونے کی وجہ سے لینا جائز نہیں ہے لہٰذا اس کی قیمت لینا بھی جائز نہ ہوگی۔

ایک سوال اور اس کا جواب

بخلاف شفعہ کے، (یہ درحقیقت ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ آپ کا یہ کہنا کہ قیمت کا حکم عین کا حکم ہوتا ہے درست نہیں ہے کیوں کہ ایک ذمی نے اپنا مکان کسی دوسرے ذمی سے خنزیر کے عوض فروخت کردیا، اور جس گھر کو ذمی نے فروخت کیا ہے اس کا حق شفعہ ایک مسلمان کو ملتا ہے تو اس صورت میں مسلمان شفیع کے لئے جائز ہے کہ خنزیر کی قیمت دے کر حق شفعہ میں مکان حاصل کرلے، معلوم ہوا کہ قیمت کا حکم عین کا حکم نہیں ہوتا ہے ورنہ خنزیر کی قیمت دے کر حق شفعہ میں مکان حاصل کرنا جائز نہ ہوتا، اور یہاں جائز ہے، معلوم ہوا کہ قیمت کا حکم عین کا حکم نہیں ہے؟)۔ اس سوال کا **جواب** شارح علیہ الرحمہ نے یہ دیا ہے کہ اگر یہاں اس کی اجازت نہ دی جائے تو اس کا حق شفعہ باطل ہوجائے گا، یعنی اگر شفیع خنزیر کی قیمت دے کر مکان نہ لے لے گا تو اس کا حق شفعہ باطل ہوجائے گا اور اس کو نقصان ہوگا اس لئے اس کو اس قاعدہ سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے ورنہ اصل قاعدہ وہی ہے جو بیان ہوا، اس کو سعدیؒ نے بیان کیا ہے۔

عاشر گھر کے مال کا عشر نہ لے

اور جو مال گھر میں ہے اس مال کا عشر، عاشر مطلقاً نہیں لے گا (خواہ گذرنے والا مسلمان ہو یا ذمی یا کافر حربی) اور مال بضاعت سے بھی عشر وصول نہیں کیا جائے گا۔ (اور مال بضاعت وہ مال کہلاتا ہے جو کوئی شخص کسی کو بغرض تجارت دے اور

اس کا نفع سب کے سب مالک مال کا ہو، اور اجیر کو کچھ نہ ملے)۔ (شامی/۲/۲۵۳) ہاں! اگر مال بضاعت کسی حربی شخص کا ہے تو اس سے عشر لیا جائے گا۔

مال مضاربت میں عشر کا شرعی حکم

اور مضاربت کے مال میں بھی عشر نہیں لیا جائے گا ہاں اگر مضارب کو اس قدر نفع ہو کہ وہ بقدر نصاب ہو جائے تو پھر اس نفع میں عشر لیا جائے گا، اور وہ مقروض غلام جس کو آقا نے کمانے کی اجازت دی ہو اس کی کمائی سے بھی عشر لیا جائے گا، بشرطیکہ وہ غلام ایسے قرض کے بندھن میں بندھا ہو جو اس کے مال اور جان کو گھیرے میں لئے ہوئے ہو، یا وہ غلام مقروض تو نہ ہو لیکن اس کے ساتھ اس کا آقا نہ ہو تو اس صورت میں بھی اس سے عشر نہیں لیا جائے گا، مذکورہ تینوں مسئلوں میں صحیح روایت یہی ہے کہ ان میں عشر نہیں لیا جائے گا، اس لئے کہ ان میں ملکیت نہیں پائی جاتی ہے، اسی وجہ سے (ملک نہ ہونے کی وجہ سے)۔ وصی سے عشر لیا جائے گا، جب کہ وہ یہ کہے کہ یہ یتیم کا مال ہے اور غلام اور مکاتب سے بھی عشر نہیں وصول کیا جائے گا، اس لئے کہ غلام مالک نہیں ہوتا ہے اور مکاتب غلام مال کا مالک تو ہوتا ہے مگر اس کی ملکیت تام نہیں ہوتی ہے۔

باغیوں کو عشر دینا کافی نہ ہوگا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص باغیوں کی طرف سے عشر وصول کرنے والے کے پاس سے گذرا اور اس نے اس سے عشر وصول کر لیا، پھر وہ شخص اہل حق کی طرف سے عشر وصول کرنے والے کے پاس سے گذرا تو اس سے دوبارہ عشر وصول کیا جائے گا، اس لئے کہ باغیوں کے عاشر کے پاس سے گذرنا خود گذرنے والے کا قصور ہے، ہاں اگر باغیوں نے کسی شہر پر غلبہ حاصل کر لیا ہو اور پورا شہر ان کے کنٹرول میں آچکا ہو اور اس کے عشر وصول کرنے والے نے عشر لے لیا تو اس صورت میں اہل حق کو دوبارہ عشر نہیں دیں گے، کیوں کہ اس صورت میں مال والوں کا قصور نہیں ہے۔

ترمیوؤں میں عشر کا حکم

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ترمیوؤں کا تاجر، تربوزہ وغیرہ لے کر عاشر کے پاس سے گذرا تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک عاشر اس سے عشر وصول نہیں کرے گا، البتہ اگر عاشر کے پاس فقراء موجود ہوں تو اس سے عشر وصول کر کے ان فقراء میں تقسیم کر سکتا ہے یہ اس کے لئے جائز ہے، جیسا کہ نہر الفائق میں ہے۔

بَابُ الـرِّكَاز

یہ باب دفینہ کے احکام ومسائل کے بیان میں

أَلْحَقُوهُ بِالزَّكَاةِ لِكَوْنِهِ مِنَ الْوَظَائِفِ الْمَالِيَّةِ. هُوَ لُغَةً : مِنَ الرَّكْزِ أَيِ الْإِثْبَاتِ بِمَعْنَى الْمَرْكُوزِ ، وَشَرْعًا : مَالٌ مَرْكُوزٌ تَحْتَ أَرْضٍ أَعَمُّ مِنْ كَوْنِ رَاكِزِهِ الْخَالِقَ أَوِ الْمَخْلُوقَ فَلِذَا قَالَ مَعْدِنٌ خِلْقِيٌّ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالَى وَ مِنْ كَنْزٍ أَيْ مَالٍ مَدْفُونٍ دَفَنَهُ الْكُفَّارُ لِأَنَّهُ الَّذِي يُخَمَّسُ وَجَدَ مُسْلِمٌ أَوْ ذِمِّيٌّ وَلَوْ قِنًّا صَغِيرًا أُنْثَى مَعْدِنَ نَقْدٍ وَ نَحْوَ حَدِيدٍ وَهُوَ كُلُّ جَامِدٍ يَنْطَبِعُ بِالنَّارِ وَمِنْهُ الزِّئْبَقُ ، فَخَرَجَ الْمَائِعُ كَنِفْطٍ وَقَارٍ وَغَيْرِ الْمُنْطَبِعِ كَمَعَادِنِ الْأَحْجَارِ فِي أَرْضٍ خَرَاجِيَّةٍ أَوْ عُشْرِيَّةٍ خَارِجَ الدَّارِ لَا الْمَفَازَةِ لِدُخُولِهَا بِالْأَوْلَى خُمِسَ مُخَفَّفًا أَيْ أُخِذَ خُمُسُهُ لِحَدِيثِ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ وَهُوَ يَعُمُّ الْمَعْدِنَ كَمَا مَرَّ وَبَاقِيهِ لِمَالِكِهَا إِنْ مُلِكَتْ وَإِلَّا كَجَبَلٍ وَمَفَازَةٍ. فَلِلْوَاجِدِ وَ الْمَعْدِنُ لَا شَيْءَ فِيهِ إِنْ وَجَدَهُ فِي دَارِهِ وَحَانُوتِهِ وَأَرْضِهِ فِي رِوَايَةِ الْأَصْلِ وَاخْتَارَهَا فِي الْكَنْزِ وَلَا شَيْءَ فِي يَاقُوتٍ وَزُمُرُّدٍ وَفَيْرُوزَجٍ وَنَحْوِهَا وُجِدَتْ فِي جَبَلٍ أَيْ فِي مَعَادِنِهَا وَلَوْ وُجِدَتْ دَفِينَ الْجَاهِلِيَّةِ أَيْ كَنْزًا خُمِسَ لِكَوْنِهِ غَنِيمَةً. وَالْحَاصِلُ: أَنَّ الْكَنْزَ يُخَمَّسُ كَيْفَ كَانَ وَالْمَعْدِنُ إِنْ كَانَ يَنْطَبِعُ وَ لَا فِي لُؤْلُؤٍ هُوَ مَطَرُ الرَّبِيعِ وَعَنْبَرٍ حَشِيشٌ يَطْلُعُ فِي الْبَحْرِ أَوْ خِثْيُ دَابَّةٍ وَكَذَا جَمِيعُ مَا يُسْتَخْرَجُ مِنَ الْبَحْرِ مِنْ حِلْيَةٍ وَلَوْ ذَهَبًا كَانَ كَنْزًا فِي قَعْرِ الْبَحْرِ لِأَنَّهُ لَمْ يَرِدْ عَلَيْهِ الْقَهْرُ فَلَمْ يَكُنْ غَنِيمَةً وَمَا عَلَيْهِ سِمَةُ الْإِسْلَامِ مِنَ الْكُنُوزِ نَقْدًا أَوْ غَيْرُهُ فَلُقَطَةٌ سَيَجِيءُ حُكْمُهَا.

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرات فقہاء نے رکاز کوز کوۃ کے ساتھ اس لئے لاحق کیا ہے کہ یہ مالی معاملہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ لفظ رکاز: رکز سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ثابت کرنے اور گاڑنے کے ہیں۔ اور اصطلاح شریعت میں ''رکاز'' اس مال کو کہا جاتا ہے جو زمین کے نیچے گڑا ہوا ہو، خواہ زمین کے نیچے رکھنے والا خالق (اللہ تعالیٰ) ہو یا مخلوق (یعنی کوئی انسان) اسی وجہ سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے یہ صراحت کردی ہے کہ معدن وہ خدا تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا خزانہ ہے۔

اور کنز ایسا خزانہ ہے جس کو کفار نے زمین میں دفن کیا ہو۔ اور خمس (یعنی پانچواں حصہ) کافروں ہی کے مدفون خزانہ سے لیا جاتا ہے، اور اگر کسی مسلمان کا دفن کردہ ہو تو اس کا حکم لقطہ کی طرح ہے۔

اگر دفن کردہ کو کسی مسلمان نے عشری یا خراجی زمین سے پایا ہو، یا کسی ذمی کافر نے اسے پایا ہو خواہ وہ آزاد ہو یا غلام ہو، بالغ ہو یا نابالغ، مرد ہو یا عورت، ان میں سے کسی نے سونے یا چاندی کی کان پائی ہو، یا لوہے کی یا ایسی منجمد چیز پائی ہو جو آگ پر نرم ہو جاتی ہو، اسی کے اندر پارہ بھی داخل ہے۔ منجمد کی قید سے بہنے والی چیز نکل گئی ہے جیسے لفظ اور رال۔ اور نرم ہونے کی قید سے وہ چیزیں خارج ہو گئی ہیں جو آگ سے نرم نہ ہوتی ہوں، جیسے کہ پتھروں کے کان ہیں، (جس میں چونا، نورہ، فیروز اور زمرد وغیرہ ہوتے ہیں)۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ زمین کی قید سے گھر خارج ہو گیا لیکن جنگل اور میدان اس سے خارج نہیں ہوا ہے، اس لئے کہ وہ تو بدرجہ اولیٰ زمین میں داخل ہے۔ اگر عشری یا خراجی زمین سے کسی مسلمان یا ذمی نے دفینہ پایا ہو تو اس میں سے خمس لیا جائے گا، اس حدیث کی وجہ سے جس میں فرمایا گیا ہے کہ: ''رکاز میں یعنی دفینہ پانے میں خمس واجب ہے''۔ اور لفظ رکاز حدیث شریف کے اندر عام ہے جو معدن کو بھی شامل ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

مملوکہ زمین میں مالک کو رکاز کا چوتھائی ملے گا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ رکاز کا باقی چار حصہ زمین کے مالک کو ملے گا، بشرطیکہ وہ زمین کا مالک ہو، اور اگر وہ زمین کسی کی ملکیت میں نہ ہو بلکہ جنگل اور پہاڑ ہوں تو ان کا بقیہ دفینہ پانے والے ہی کو ملے گا۔ اور اگر معدن یعنی دفینہ اپنے مکان میں یا اپنی دوکان میں یا اپنی زمین میں ملے تو اصل کی روایت کے مطابق اس میں کوئی شئی واجب نہیں ہے، کنز الدقائق میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

یاقوت، زمرّد وغیرہ میں کچھ واجب نہیں ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یاقوت، زمرد، فیروزہ اور اسی کی مانند دوسری چیز میں، جو پہاڑ یعنی اپنے معدن میں پائے جائیں کچھ بھی واجب نہیں ہے اور اگر زمانہ جاہلیت کا دفینہ پایا جائے تو اس میں پانچواں حصہ لیا جائے گا کیوں کہ یہ غنیمت کے درجہ میں ہوگا۔

اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کنز یعنی دفینہ پانے کی صورت میں خمس لیا جائے گا، چاہے جہاں بھی ہو اور جس حالت میں ہو، اسی طرح اس کان کی چیزوں میں خمس واجب ہے جو آگ سے نرم ہوتی ہو، اور جو آگ سے نرم نہ ہوتی ہو اس میں خمس واجب نہیں ہے۔

موتیوں میں بھی خمس نہیں ہے

فرماتے ہیں کہ نہ ان موتیوں میں کوئی شئی واجب ہے، جو موسم ربیع میں بارش سے پیدا ہوتے ہیں اور نہ ہی عنبر میں کچھ واجب ہے عنبر ایک قسم کی گھاس ہے جو دریا میں اگتی ہے یا کسی چوپایہ جانور کی لید ہے۔ (لیکن علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ دریائی چشمے دہنیت کو باہر پھینکتے ہیں پھر وہ دہنیت پانی پر جم جاتی ہے پھر دریا اس کو لاکر باہر ساحل سمندر پر ڈال دیتا ہے اسی کو عنبر کہتے ہیں)۔ (شامی/۳/۲۶۰)

دریاؤں سے نکلنے والی چیزوں میں کچھ بھی واجب نہیں ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح ان تمام چیزوں پر کچھ واجب نہیں ہے جو سمندر سے زیور وغیرہ نکلے خواہ وہ سونے کا ہو یا وہ دفینہ نکالے جائیں، ان میں عشر اس لئے واجب نہیں ہے کہ ان پر کسی کا تسلط نہیں ہوتا ہے لہٰذا یہ غنیمت کے حکم میں نہ ہوگا پس خمس بھی واجب نہ ہوگا۔

جس دفینہ پر اسلامی علامت ہو اس کا حکم

اور وہ دفینہ جس پر اسلام کی کوئی علامت ہو خواہ دفینہ نقد ہو یا اس کے علاوہ، وہ لقطہ کے حکم میں ہے جس کا حکم عنقریب آگے آئے گا۔ (یہ مال غنیمت اس لئے نہیں ہوگا کہ مسلمانوں کا مال غنیمت نہیں ہوتا ہے۔ اور لقطہ کا حکم یہ ہے کہ اس کے متعلق مسجدوں، چوراہوں اور بازاروں میں بار بار اعلان کیا جائے اور اس کے مالک کا پتہ لگایا جائے، اگر اس کے بعد بھی مالک نہ ملے اور کچھ بھی پتہ نہ چل سکے تو اگر لقطہ اٹھانے والا خود فقیر ہے تو اپنے نفس پر خرچ کرلے گا ورنہ کسی فقیر کو دے دیگا لیکن اگر مالک بعد میں آگیا اور طلب کیا تو پانے والے پر ضمان واجب ہوگا)۔ (شامی/۳/۲۶۱)

وَمَا عَلَيْهِ سِمَةُ الْكُفْرِ خُمِّسَ وَبَاقِيهِ لِلْمَالِكِ أَوَّلَ الْفَتْحِ وَلِوَارِثِهِ لَوْ حَيًّا وَإِلَّا فَلِبَيْتِ الْمَالِ عَلَى الْأَوْجَهِ وَهَذَا إِنْ مَلَكْتَ أَرْضَهُ وَإِلَّا فَلِلْوَاجِدِ وَلَوْ ذِمِّيًّا قِنًّا أُنْثَى لِأَنَّهُمْ مِنْ أَهْلِ الْغَنِيمَةِ خَلَا حَرْبِيٌّ مُسْتَأْمَنٍ فَإِنَّهُ يُسْتَرَدُّ مِنْهُ مَا أَخَذَ إِلَّا إِذَا عَمِلَ فِي الْمَفَاوِزِ بِإِذْنِ الْإِمَامِ عَلَى شَرْطٍ فَلَهُ الْمَشْرُوطُ وَلَوْ عَمِلَ رَجُلَانِ فِي الرِّكَازِ فَهُوَ لِلْوَاجِدِ وَإِنْ كَانَا أَجِيرَيْنِ فَهُوَ لِلْمُسْتَأْجِرِ وَإِنْ خَلَا عَنْهَا أَيِ الْعَلَامَةِ أَوِ اشْتَبَهَ الضَّرْبُ فَهُوَ جَاهِلِيٌّ عَلَى ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ لِأَنَّهُ الْغَالِبُ وَقِيلَ كَاللُّقَطَةِ، وَلَا يُخَمَّسُ رِكَازٌ مَعْدِنًا كَانَ أَوْ كَنْزًا وُجِدَ فِي

صَحْرَاءِ دَارِ الْحَرْبِ بَلْ كُلُّهُ لِلْوَاجِدِ وَلَوْ مُسْتَأْمَنًا لِأَنَّهُ كَالْمُتَلَصِّصِ وَ لِذَا لَوْ دَخَلَهُ جَمَاعَةٌ ذُو مَنَعَةٍ وَظَفِرُوا بِشَيْءٍ مِنْ كُنُوزِهِمْ وَمَعْدِنِهِمْ خُمِّسَ لِكَوْنِهِ غَنِيمَةً وَإِنْ وَجَدَهُ أَيِ الرِّكَازَ مُسْتَأْمَنٌ فِي أَرْضٍ مَمْلُوكَةٍ لِبَعْضِهِمْ رَدَّهُ إِلَى مَالِكِهِ تَحَرُّزًا عَنِ الْغَدْرِ فَإِنْ لَمْ يَرُدَّهُ وَأَخْرَجَهُ مِنْهَا مَلَكَهُ مِلْكًا خَبِيثًا فَسَبِيلُهُ التَّصَدُّقُ بِهِ فَلَوْ بَاعَهُ صَحَّ لِقِيَامِ مِلْكِهِ لَكِنْ لَا يَطِيبُ لِلْمُشْتَرِي وَلَوْ وَجَدَهُ أَيِ الرِّكَازَ غَيْرُهُ أَيْ غَيْرُ مُسْتَأْمَنٍ فِيهَا أَيْ فِي أَرْضٍ مَمْلُوكَةٍ لَهُمْ حَلَّ لَهُ فَلَا يَرُدُّ وَلَا يُخَمَّسُ لِمَا مَرَّ بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ مَتَاعٍ وَغَيْرِهِ وَمَا فِي النُّقَايَةِ مِنْ أَنَّ رِكَازَ مَتَاعِ أَرْضٍ لَمْ تُمْلَكْ بِخُمُسٍ سَهْمٍ إِلَّا أَنْ يُحْمَلَ عَلَى مَتَاعِهِمُ الْمَوْجُودِ فِي أَرْضِنَا. فَرْعٌ: لِلْوَاجِدِ صَرْفُ الْخُمُسِ لِنَفْسِهِ وَأَصْلِهِ وَفَرْعِهِ وَأَجْنَبِيٍّ بِشَرْطِ فَقْرِهِمْ.

جس دفینہ پر کفر کی علامت ہو اس پر خمس واجب ہے

فرماتے ہیں کہ جس دفینہ پر کفار کی علامت ہو، اس میں سے خمس لیا جائے گا، اور بقیہ حصہ اس شخص کا ہوگا جو فتح اسلام کے بعد سب سے پہلے خلیفۃ المسلمین کی طرف سے مالک ہوا ہو، اور اصل مالک موجود نہ ہو تو اس کے ورثاء اس کے مالک ہوں گے۔ اور کوئی وارث بھی نہیں ہے، تو اوجہ قول کے مطابق بیت المال کے لئے ہوگا اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ زمین اس کی ملکیت میں ہو اور اگر زمین اس کی ملکیت میں نہ ہو جیسے جنگلات وغیرہ ہیں تو خمس کے بعد بقیہ پانے والے کے لئے ہوگا۔ (علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فتویٰ اسی قول پر ہے اور ہمارے زمانے کے احوال کے مناسب بھی یہی ہے اس لئے کہ اس دور میں ہر جگہ بیت المال کا انتظام نہیں ہے)۔ (شامی/۳/۲۶۱) اگر چہ پانے والا ذمی ہو، غلام ہو، نابالغ ہو، عورت ہو، اس لئے کہ یہ تمام کے تمام اہل غنیمت میں سے ہیں۔

اگر دفینہ پانے والا حربی مستامن ہو تو کیا حکم ہے؟

اگر دفینہ کا پانے والا ایسا شخص ہے جو حربی ہے اور دار الاسلام میں امن لے کر آیا ہے تو اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا بلکہ اس نے جو کچھ بھی لیا ہے واپس لے لیا جائے گا، اس لئے کہ حربی مستامن اہل غنیمت میں سے نہیں ہے مال غنیمت میں اس کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے، ہاں اگر حربی مستامن نے امام المسلمین کی اجازت سے کسی شرط پر کام کیا ہے تو شرط کے مطابق جو طے پایا ہے وہ اس کو ملے گا۔

اور اگر دفینہ کی تلاش میں دو آدمی مل کر کام کر رہے ہیں تو اس صورت میں جس نے دفینہ کو پایا ہے اس کو دفینہ ملے گا اور دوسرے کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ (اس کی صورت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص نے زمین کھودی اور چلا گیا، پھر دوسرا شخص آیا اس نے اسی کو اور گہرا کھودا اور خزانہ کو نکالا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ دو آدمی زمین کھودنے میں مشترک ہوں اور دونوں ہی نے ساتھ مل کر زمین کھودی تو اس طرح کی شرکت کو حضرات فقہاء نے فاسد قرار دیا ہے اور جس نے حاصل کیا ہے اسی کو دفینہ ملے گا اور اگر دونوں نے حاصل کیا ہے تو دونوں کو ملے گا۔ (شامی/۳/۲۶۲)

اور اگر یہ زمین کھودنے والے کسی کے کہنے سے اجرت پر کام کر رہے ہوں تو دفینہ اس شخص کے لئے ہوگا جس نے ان کو اجرت پر رکھا ہے (اور کھودنے والے کو اجرت مل جائے گی)۔ اور اگر زمین سے نکلنے والا سکہ علامت سے خالی ہو یا وہ سکہ مشتبہ ہو تو اس سکہ کو زمانہ جاہلیت کا سکہ سمجھا جائے گا، یہی ظاہر مذہب ہے اسی کو زیلعی نے ذکر کیا ہے اس لئے کہ غالب یہی ہے۔ اور اس بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ ایسا مال لقطہ کی طرح ہوگا اور جو زمین دار الحرب کے جنگلوں میں پائی جاتی ہو اور اس سے دفینہ نکلے یا کان ہو تو اس طرح کی زمین سے خمس وصول نہیں کیا جائے گا، بلکہ سارا مال پانے والے کے لئے ہوگا، اگرچہ وہ دار الحرب میں امن حاصل کر کے گیا ہو، اس لئے کہ وہ شخص چور کی طرح ہے۔

دار الحرب میں اگر دفینہ ملے اس کا حکم

یہی وجہ ہے کہ اگر دار الحرب میں کوئی باشوکت اور رعب و دبدبہ والی جماعت داخل ہوئی اور اس نے دفن کیا ہوا کوئی خزانہ پایا، یا کوئی کان دریافت کی، تو اس سے خمس لیا جائے گا، کیوں کہ وہ مال غنیمت کے درجہ میں شمار ہوگا، اور مسلمان جو امن حاصل کر کے دار الحرب گیا ہے وہاں حربیوں کی مملوکہ زمین میں کان یا دفینہ پایا ہو تو اس کو اس کے مالک کے حوالہ کر دیں گے، تاکہ کوئی شخص اس کو غدار نہ کہہ سکے اور اس کو کوئی خائن نہ کہہ سکے۔ (اس لئے کہ حربیوں کے مال کو ان کی مرضی کے بغیر لینا حرام ہے)۔ پس اگر اس نے اس کے مال کو اس کی طرف نہیں لوٹایا بلکہ اس کو دار الحرب سے نکال کر لے آیا تو وہ اس کا ناجائز مالک ہوگا، اور اس پر اس مال کا صدقہ کر دینا واجب ہوگا، اور اگر اس نے اس مال کو فروخت کر دیا تو چوں کہ وہ اس کا مالک ہے (اگرچہ بطور حرام ہے) اس لئے بیع درست ہوگی، لیکن خریدنے والے کے لئے وہ مال استعمال کرنا مناسب نہ ہوگا۔ (اس کے برخلاف اگر کسی نے کوئی شئی فاسد کے طور پر خریدا پھر اس کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا تو مشتری ثانی کے لئے اس کا استعمال حلال ہوگا)۔

حربیوں کا دفینہ اگر کوئی مسلمان پالے تو کیا حکم ہے؟

اگر حربیوں کی مملوکہ زمین میں کوئی ایسا مسلمان دفینہ یا کان پالے جو امن نہیں لیا تھا تو وہ دفینہ اس کے واسطے حلال ہے اور وہ اسے واپس نہیں کرے گا اور نہ ہی اس کے اندر خمس واجب ہوگا جیسا کہ یہ گذر چکا ہے، اس لئے کہ یہ خفیہ طور پر لے جانے کی مانند ہے خواہ نفع بخش چیز ہو یا غیر نفع بخش ہو۔ اور نقایہ نامی کتاب میں جو یہ مسئلہ لکھا ہے کہ غیر مملوکہ زمین کے کان اور دفینہ میں خمس واجب ہے یہ ان سے سہوا ہوا ہے، ہاں اگر متاع سے مراد ایسی چیز لی جائے جو حربیوں کی دار الاسلام میں ہے تو بلاشبہ اس میں خمس لیا جائے گا۔

اضافہ شدہ مسئلہ

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ معدن اور دفینہ پانے والے کے لئے درست ہے کہ اس کا پانچواں حصہ اپنے نفس پر خرچ کرے یا اپنے والدین کے اوپر خرچ کرے، یا اپنی اولاد پر خرچ کرے یا کسی ایسے اجنبی پر خرچ کرے جو محتاج و مستحق ہو۔ (خلاصہ یہ ہے کہ اگر پانے والا خود محتاج ہے اور اس کا کام چار حصے سے نہیں چلا تو وہ پانچواں حصہ بھی اپنے اوپر اور اپنے والدین پر خرچ کرسکتا ہے)۔

بَابُ العُشر

یہ باب عشر کے احکام ومسائل کے بیان میں

يَجِبُ الْعُشْرُ فِي عَسَلٍ وَإِنْ قَلَّ أَرْضِ غَيْرِ الْخَرَاجِ وَلَوْ غَيْرِ عُشْرِيَّةٍ كَجَبَلٍ وَمَفَازَةٍ بِخِلَافِ الْخَرَاجِيَّةِ لِئَلَّا يَجْتَمِعَ الْعُشْرُ وَالْخَرَاجُ وَكَذَا يَجِبُ الْعُشْرُ فِي ثَمَرَةِ جَبَلٍ أَوْ مَفَازَةٍ إِنْ حَمَاهُ الْإِمَامُ لِأَنَّهُ مَالٌ مَقْصُودٌ لَا إِنْ لَمْ يَحْمِهِ لِأَنَّهُ كَالصَّيْدِ، وَ تَجِبُ فِي مَسْقِيِّ سَمَاءٍ أَيْ مَطَرٍ وَسَيْحٍ كَنَهْرٍ بِلَا شَرْطِ نِصَابٍ رَاجِعٌ لِلْكُلِّ وَ بِلَا شَرْطِ بَقَاءٍ وَحَوَلَانِ حَوْلٍ لِأَنَّ فِيهِ مَعْنَى الْمُؤْنَةِ وَلِذَا كَانَ لِلْإِمَامِ أَخْذُهُ جَبْرًا وَيُؤْخَذُ مِنَ التَّرِكَةِ وَيَجِبُ مَعَ الدَّيْنِ وَفِي أَرْضِ صَغِيرٍ وَمَجْنُونٍ وَمُكَاتَبٍ وَمَأْذُونٍ وَوَقْفٍ وَتَسْمِيَتُهُ زَكَاةً مَجَازٌ إِلَّا فِيهِمَا لَا يُقْصَدُ بِهِ اسْتِغْلَالُ الْأَرْضِ نَحْوُ حَطَبٍ وَقَصَبٍ فَارِسِيٍّ وَحَشِيشٍ وَتِبْنٍ وَسَعَفٍ وَصَمْغٍ وَقَطِرَانٍ وَخِطْمِيٍّ وَأُشْنَانٍ وَشَجَرِ قُطْنٍ وَبَاذِنْجَانٍ وَبِزْرِ بِطِّيخٍ وَقِثَّاءٍ وَأَدْوِيَةٍ كَحُلْبَةٍ وَشُونِيزٍ حَتَّى لَوْ أَشْغَلَ أَرْضَهُ بِهَا يَجِبُ الْعُشْرُ، وَ يَجِبُ نِصْفُهُ فِي مَسْقِيِّ غَرْبٍ أَيْ دَلْوٍ كَبِيرٍ وَدَالِيَةٍ أَيْ دُولَابٍ لِكَثْرَةِ الْمُؤْنَةِ وَفِي كُتُبِ الشَّافِعِيَّةِ أَوْ سَقَاهُ بِمَاءٍ اشْتَرَاهُ وَقَوَاعِدُنَا لَا تَأْبَاهُ وَلَوْ سَقَى سَيْحًا وَبِآلَةٍ أُعْتُبِرَ الْغَالِبُ وَلَوْ اسْتَوَيَا فَنِصْفُهُ وَقِيلَ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِهِ بِلَا رَفْعِ مُؤَنٍ أَيْ كُلَفِ الزَّرْعِ وَبِلَا إِخْرَاجِ الْبَذْرِ لِتَصْرِيحِهِمْ بِالْعُشْرِ فِي كُلِّ الْخَارِجِ.

حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے عشر کو زکوۃ کے ساتھ اس لئے ذکر فرمایا ہے کہ دونوں کا مصرف ایک ہے یعنی فقراء و مسلمین وغیرہ۔ یہاں "عشر" بولا گیا لیکن اس کے اندر عشر (دسواں حصہ) نصف عشر (بیسواں حصہ) اور ربع عشر (چالیسواں حصہ) سب شامل ہیں۔

عشر کا ثبوت ادلہ اربعہ سے

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ عشر کا ثبوت ادلۂ اربعہ سے ہے یعنی اس کا ثبوت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ،

اجماعِ امت اور قیاس، چاروں سے ہے، کتاب اللہ سے اس کا ثبوت اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ علامۃ المفسرین نے اس کی تفسیر "عشر" اور "نصف عشر" سے کی ہے۔ اور حدیث شریف سے اس کا ثبوت اس طرح ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مَا سَقَتِ السَّمَاءُ فَفِيْهِ الْعُشْرُ، وَمَا سُقِيَ بِغَرْبٍ أَوْ دَالِيَةٍ فَفِيْهِ نِصْفُ الْعُشْرِ" (رواه البخاري) جس کھیتی کو آسمان کے پانی نے سیراب کیا ہو اس میں عشر واجب ہے اور جس کو ڈول سے سیراب کیا گیا ہو اس میں نصف عشر واجب ہے۔ اور امت کا سوادِ اعظم اسی پر عمل پیرا ہے جو اجماع ہے اور قیاس بھی اسی کا مقتضی ہے۔ (شامی/۳/۲۶۴)

شہد میں عشر کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس شہد میں شرعی اعتبار سے عشر واجب ہے جو غیر خراجی زمین میں پایا جائے خواہ وہ زمین غیر عشری ہو، جیسے کہ پہاڑ اور جنگل اور اگرچہ شہد کم ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی عشر واجب ہے، اس کے برخلاف خراجی زمین کے شہد میں عشر واجب نہیں ہوتا ہے تاکہ عشر اور خراج دونوں کا اجتماع لازم نہ آئے، رہی وہ زمین جو نہ عشری ہو نہ خراجی تو اس کے شہد میں عشر واجب ہوگا۔

پہاڑی اور جنگلی پھلوں میں عشر کا وجوب

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس پہاڑی اور جنگلی پھلوں میں بھی عشری واجب ہے جس کی امام المسلمین نے حفاظت کی ہو، اس لئے کہ وہ مال مقصود ہے لیکن اگر امام نے اس کی حفاظت نہ کی ہو تو اس میں عشر واجب نہیں ہے، اس لئے کہ یہ شکار کی طرح ہو گیا جس میں عشر واجب نہیں ہے۔

آسمان کے پانی سے سیراب شدہ کھیتی میں وجوبِ عشر کا حکم

جس زمین کو آسمان کے پانی سے سیراب کیا گیا، یا جاری پانی سے سیراب کیا گیا جیسے نہر اور ندی کا پانی، اس میں عشر واجب ہے اور وجوبِ عشر کے لئے پیداوار میں نصاب شرط نہیں ہے، اور نہ ہی یہ شرط ہے کہ وہ چیزیں سال بھر تک باقی رہیں۔ (اگر مذکورہ چیزیں نصاب سے کم ہوں یا سال بھر باقی رہنے والی نہ بھی ہوں تو بھی عشر واجب ہوگا)۔ اور نہ ہی یہ شرط ہے کہ اس پر سال گذرے، اس لئے کہ اس میں محنت اور اجرت کا معنی پایا جاتا ہے۔ (حضرت علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ اگر زمین سال بھر میں کئی بار پیداوار کرے تو ہر بار عشر واجب ہوگا، کیوں کہ نصوص میں حولانِ حول کی شرط مذکور نہیں ہے)۔

اسی وجہ سے امام المسلمین کے لئے یہ بات جائز ہے کہ ان چیزوں کا عشر جبراً وصول کرے اور یہ عشر ترکہ میں سے بھی لیا جاتا ہے۔ (اور اگر امام نے عشر جبری طور پر وصول کرلیا تو مالک زمین سے عشر اسی طرح ساقط ہو جائے گا جس طرح بذاتِ خود ادا کرنے سے عشر ساقط ہوتا ہے)۔

مقروض، نابالغ اور وقف شدہ زمین میں وجوبِ عشر کا حکم

اور عشر اس صورت میں بھی واجب ہے جب زمین والے مقروض ہوں، اسی طرح نابالغ، پاگل، مجنون، مکاتب، ماذون غلام اور وقف شدہ زمین کے پیداوار میں بھی عشر واجب ہے۔ (وقف کی زمین کی پیداوار میں اس وقت عشر واجب ہے جب اہل وقف نے اس کو آباد کیا ہو اور وجوبِ عشر کے لئے زمین کا مالک ہونا شرط نہیں ہے جیسا کہ موقوفہ زمین کی پیداوار میں وجوبِ عشر سے معلوم ہوا)۔ (شامی/۳/۲۶۶) اور عشر کا نام بطور مجاز زکوٰۃ بھی ہے یعنی اس کو مجازاً زکوٰۃ بھی کہا جاتا ہے۔

ان چیزوں کا بیان جن میں عشر واجب نہیں ہوتا ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کو زمین سے پیدا کرنا مقصود نہ ہو، جیسے لکڑی سوکھی، تر گھاس، تنکا، کھجور کے پتے، گوند، قطران، خطمی، اشنان، کپاس، بینگن کا درخت، ککڑی اور تربوز کا بیج۔ اور دوائیاں، جیسے حلبہ (میتھی) کلونجی۔ (مذکورہ چیزوں میں عشر واجب نہیں ہے)۔ لیکن اگر کوئی شخص زمین کو ان ہی چیزوں میں مشغول رکھے اور زمین سے یہی سب چیزیں پیدا کرے تو پھر مذکورہ چیزوں میں بھی عشر واجب ہوگا۔ (چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی زمین میں گھاس پیدا کرتا ہے اور اسی کو کاٹتا ہے، لگاتا ہے تو اس میں بھی عشر واجب ہوگا)۔

جو زمین رہٹ وغیرہ سے سیراب کی گئی ہو اس میں وجوبِ عشر کا حکم

اور اگر زمین کو رہٹ اور ڈول وغیرہ سے پانی کھینچ کر سیراب کیا گیا ہو، تو ایسی زمین کی پیداوار میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہوتا ہے، اس لئے کہ اس میں محنت ومشقت زیادہ ہوتی ہے، اور شوافع کی کتابوں میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے پانی مول لے کر زمین کو سیراب کیا ہو تو اس کی پیداوار میں بھی نصف عشر واجب ہوگا۔ اور ہمارے اصول اس کے منافی نہیں ہیں یعنی احناف کے نزدیک بھی نصف عشر ہی واجب ہوگا۔

اور اگر زمین کو بارش کے پانی سے اور رہٹ وغیرہ سے نکال کر سیراب کیا گیا ہو تو اس صورت میں غالب کا اعتبار ہوگا، اگر بارش کا پانی زیادہ ہو اور رہٹ کا کم تو عشر واجب ہوگا اور اگر اس کا الٹا ہو تو نصف عشر واجب ہوگا اور اگر بارش کا پانی اور رہٹ کا

پانی برابر ہوتو اس صورت میں نصف عشر واجب ہوگا اور اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ عشر کا تین ربع واجب ہوگا۔ (اس بارے میں علامہ زیلعیؒ نے نصف عشر کے قول کو راجح قرار دیا ہے)۔

کل پیداوار سے عشر اور نصف عشر لیا جائے گا

قَوْلُهٗ: بِلَا رَفعِ مُؤنٍ: اس میں مصنف علیہ الرحمہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ عشر اور نصف عشر زمین کی کل پیداوار سے وصول کیا جائے گا، اس میں کھیتی کے اخراجات نہیں جوڑے جائیں گے، اور نہ اس میں بیج نکالا جائے گا، اس لئے کہ حضرات فقہائے کرام نے اس کی صراحت کردی ہے کہ کل پیداوار سے عشر وصول کیا جائے گا۔

وَ يَجِبُ ضِعفُهٗ فِي أَرْضٍ عُشرِيَّةٍ لِتَغلِبِيِّنَ مُطْلَقًا وَإِنْ كَانَ طِفلًا أَوْ أُنْثَى أَوْ أَسلَمَ أَوْ ابْتَاعَهَا مِنْ مُسْلِمٍ أَوْ ابْتَاعَهَا مِنْهُ مُسْلِمٌ أَوْ ذِمِّيٌّ لِأَنَّ التَّضْعِيفَ كَالْخَرَاجِ فَلَا يَتَبَدَّلُ. وَأَخَذَ الْخَرَاجَ مِنْ ذِمِّيٍّ غَيرِ تَغلِبِيٍّ اشْتَرَى أَرْضًا عُشْرِيَّةً مِنْ مُسْلِمٍ وَقَبَضَهَا مِنْهُ لِلتَّنَافِي وَ أَخَذَ الْعُشرَ مِنْ مُسْلِمٍ أَخَذَهَا مِنْهُ مِنَ الذِّمِّيِّ بِشُفْعَةٍ لِتَحَوُّلِ الصَّفْقَةِ إِلَيْهِ أَوْ رُدَّتْ عَلَيْهِ لِفَسَادِ الْبَيعِ وَبِخِيَارِ شَرْطٍ أَوْ رُؤْيَةٍ مُطْلَقًا أَوْ عَيْبٍ بِقَضَاءٍ وَلَوْ بِغَيْرِهٖ بَقِيَتْ خَرَاجِيَّةً لِأَنَّهٗ إِقَالَةٌ لَا فَسْخٌ. وَأُخِذَ خَرَاجٌ مِنْ دَارٍ جُعِلَتْ بُسْتَانًا أَوْ مَزْرَعَةً إِنْ كَانَتْ لِلذِّمِّيِّ مُطْلَقًا أَوْ أَسْلَمَ وَقَدْ سَقَاهَا بِمَائِهٖ لِرِضَاهُ بِهٖ وَ أُخِذَ عُشْرٌ إِنْ سَقَاهَا الْمُسْلِمُ بِمَائِهٖ أَوْ بِهِمَا لِأَنَّهٗ أَلْيَقُ بِهٖ. وَلَا شَيْءَ فِي عَيْنِ دَارٍ وَ مَقْبَرَةٍ وَلَوْ لِلذِّمِّيِّ وَ لَا فِي عَيْنِ قِيرٍ: أَيْ، زِفْتٍ وَ نِفْطٍ دُهْنٌ يَعْلُو الْمَاءَ مُطْلَقًا أَيْ فِي أَرْضٍ أَوْ خَرَاجٍ وَ لَكِنْ فِي حَرِيمِهَا الصَّالِحِ لِلزِّرَاعَةِ مِنْ أَرْضِ الْخَرَاجِ خَرَاجٌ لَا فِيهَا لِتَعَلُّقِ الْخَرَاجِ بِالتَّمَكُّنِ مِنَ الزِّرَاعَةِ وَأَمَّا الْعُشْرُ فَيَجِبُ فِي حَرِيمِهَا الْعُشْرِيُّ إِنْ زَرَعَهٗ وَإِلَّا لَا لِتَعَلُّقِهٖ بِالْخَارِجِ.

تغلبی سے دوگنا عشر لینے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تغلبی کی عشری زمین میں مطلقاً دوگونہ یعنی پانچواں حصہ عشر لیا جائے گا۔ (بنی تغلب عرب کی ایک قوم ہے جو نصاریٰ میں سے تھے، حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان سے اس بات پر صلح ہوئی کہ وہ مسلمانوں کو دوگونہ عشر ادا کریں گے، اس لئے بہر صورت ان سے دوگونہ عشر لیا جائیگا)۔ (شامی/۳/۲۷۰)

اور ہر قسم کے تغلبی کی زمین سے دوگونہ عشر لیا جائے گا خواہ وہ تغلبی بچہ ہو، یا عورت ہو، یا وہ مسلمان ہوگیا ہو یا کسی مسلمان سے اس نے زمین خریدی ہو، یا تغلبی سے کسی مسلمان نے یا ذمی نے زمین خریدی ہو، تو ان تمام صورتوں میں ان سے دوگونہ

عشر لیا جائے گا اس لئے کہ دوگونہ عشر خراج کی طرح ہے، لہٰذا وہ ایسا ہی باقی رہے گا اس کا حکم بدلے گا نہیں۔

علامہ شامیؒ کی تحقیق

حضرت علامہ شامیؒ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں حضرات ائمہ احناف کا اختلاف ہے، چنانچہ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ بنی تغلب کی زمین مسلمان ہونے کے بعد عشری ہو جاتی ہے اور اس میں عشر واجب ہوتا ہے اور یہی حکم اس وقت ہے جب اس کی زمین کسی مسلمان نے خریدی ہو۔ اور اگر تغلبی نے مسلمان سے عشری زمین خریدی تو اس صورت میں دوگونہ ہی عشر واجب ہوگا، حضرات شیخین کا یہی مذہب ہے البتہ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک صرف عشر واجب ہوگا۔

ذمیوں سے خراج اصول کیا جائے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے کہ اس ذمی سے جو تغلبی نہ ہو اور عشری زمین کسی مسلمان سے خریدی ہے اور اس پر قبضہ کر چکا ہو خراج واجب ہے نہ کہ عشر، اس لئے کہ عشر اور کفر میں منافات ہے۔ (عشر کے اندر عبادت کا پہلو محفوظ ہے اور خراج تو ایک قسم کا ٹیکس اور جزیہ ہے اس لئے دونوں میں منافات ہے)۔

ذمی کی وہ زمین جو کسی مسلمان نے لی ہو اس کا شرعی حکم

اگر کسی مسلمان نے ذمی شخص سے عشری زمین بطور شفعہ لی ہو تو اس صورت میں مسلمان سے اس زمین کے پیداوار میں عشر لیا جائے گا، اس لئے کہ زمین کی ملکیت ذمی سے منتقل ہو کر مسلمان کی طرف آگئی ہے، یا ذمی نے کسی مسلمان سے بیع فاسد کے طور پر اس کی زمین خریدی تھی، پھر وہ زمین مسلمان کو فاسد ہونے کی وجہ سے لوٹا دی گئی تو اس صورت میں اس زمین سے عشر ہی لیا جائے گا، اسی طرح اگر اس زمین کو خیار شرط، یا خیار رؤیت کی وجہ سے واپس کر دیا گیا تو مطلقاً اس سے عشر ہی لیا جائے گا، خواہ واپسی قاضی کے فیصلہ کے وجہ سے ہوئی ہو یا بغیر قضائے قاضی کے واپسی ہوئی ہو، البتہ اگر عیب کی وجہ سے واپسی ہوئی تو اس میں قضائے قاضی شرط ہے اگر قاضی کے فیصلے کے بغیر لوٹائی گئی ہے تو وہ زمین خراجی ہوگی، اس لئے کہ یہ اقالہ ہوگا فسخ نہیں ہوگا۔

مسلمانوں سے خراج لینا کب جائز ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے کہ مسلمانوں سے مندرجہ ذیل صورتوں میں خراج لیا جائے گا :

(۱) ذمی کا گھر لے کر مسلمان نے باغ یا کھیت بنالیا ہو، خواہ اس باغ اور کھیت کو عشر والے پانی سے سیراب کیا ہو یا خراج والے پانی سے سیراب کیا ہو۔

(۲) یا مسلمان نے کسی دوسرے مسلمان سے گھر خرید کر باغ یا کھیت بنالیا اور اس میں اپنی خوشی سے خراج کا پانی دیا ہو تو ان زمینوں کے پیداوار میں خراج لیا جائے گا۔ اور اگر اس نے عشر کے پانی سے باغ اور کھیت کو سیراب کیا تو وہ عشری ہوگی اور عشر ہی وصول کیا جائے گا۔ اور اگر عشر اور خراج دونوں قسم کے پانیوں سے سیراب کیا تو بھی عشر لیا جائے گا اس لئے کہ مسلمان کے لئے عشر ہی لائق تر ہے، اس لئے کہ اس کے اندر عبادت کا معنی ملحوظ ہے۔

گھر اور قبرستان میں خراج نہیں ہے

فرماتے ہیں کہ گھر اور قبرستان میں کوئی خراج واجب نہیں ہے خواہ وہ ذمی ہی کیوں نہ ہو۔ (اس لئے کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے گھروں سے ٹیکس کو معاف کر دیا تھا اور حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو چکا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ گھروں اور قبرستانوں میں بڑھوتری نہیں ہوتی ہے، جو حقیقت میں خراج کی علت ہے)۔ (شامی/۳/۲۷۲)

مسئلہ : اگر کوئی شخص خراجی زمین میں پیداوار نہ کرے بلکہ اس کو غیر آباد رکھے تو اس صورت میں بھی اس پر خراج لازم ہوگا، اور فتاویٰ تارتار خانیہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص خراجی زمین خرید کر کے عمارت اور مکان بنالے تو بھی اس زمین کا خراج اس پر لازم ہوگا، البتہ اگر اس زمین کو قبرستان بنادیا، یا غریبوں اور فقیروں کے رہنے کے لئے مسافر خانہ بنوادیا تو اس سے خراج ساقط ہو جائے گا۔ (شامی/۳/۲۷۲)

رال کے چشمہ پر خراج واجب نہیں ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے کہ رال کے چشمہ پر کوئی خراج اور عشر واجب نہیں ہے۔ (اس لئے کہ یہ زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں میں سے نہیں ہے بلکہ یہ زمین کے اندر چشمہ ہے جو جوش مارتا ہے اور نکلتا ہے)۔ اور "نِفط" جو ایک طرح کا روغن ہوتا ہے جو پانی پر تیرتا ہے اس میں بھی عشر اور خراج واجب نہیں ہے، خواہ یہ عشری زمین میں ہو یا خراجی زمین میں ہو، لیکن خراجی زمین کے چشمہ کے ارد گرد جو زمین کھیتی کی صلاحیت رکھتی ہے اس میں خراج لازم ہے البتہ خود اس چشمہ میں خراج واجب نہیں ہے، اس لئے کہ خراج کا تعلق اس کھیت سے جس میں پیداوار کی صلاحیت ہوتی ہے۔

بہر حال عشری زمین کے چشمہ کے ارد گرد جو زمین ہوتی ہے اس میں عشر واجب ہے اگر اس میں کھیتی کرے، اور اگر اس میں کھیتی نہ کرے تو اس میں عشر واجب نہیں ہے اس لئے کہ عشر کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہے۔

وَيُؤْخَذُ الْعُشْرُ عِنْدَ الْإِمَامِ عِنْدَ ظُهُورِ الثَّمْرَةِ وَبُدُوُّ صَلَاحِهَا بِرِهَانٍ ، وَشَرَطَ فِي النَّهْرِ أَمْنَ فَسَادِهَا. وَلَا يَحِلُّ لِصَاحِبِ أَرْضٍ خَرَاجِيَّةٍ أَكْلَ غَلَّتِهَا قَبْلَ أَدَاءِ خَرَاجِهَا وَلَا يَأْكُلُ مِنْ طَعَامِ الْعُشْرِ حَتَّى يُؤَدِّيَ الْعُشْرَ وَإِنْ أَكَلَ ضَمِنَ عُشْرَهُ مَجْمَعُ الْفَتَاوَى، وَلِلْإِمَامِ حَبْسُ الْخَارِجِ لِلْخَرَاجِ وَمَنْ مَنَعَ الْخَرَاجَ سِنِينَ لَا يُؤْخَذُ لِمَا مَضَى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ خَانِيَّةٌ وَفِيهَا مَنْ عَلَيْهِ عُشْرٌ أَوْ خَرَاجٌ وَمَاتَ أُخِذَ مِنْ تَرِكَتِهِ ، وَفِي رِوَايَةٍ لَا بَلْ يَسْقُطُ بِالْمَوْتِ وَالْأَوَّلُ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ.

عشر کب لیا جائے گا؟

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک عشر اس وقت لیا جائے گا جب پھل ظاہر ہو جائے ، اور اس کی صلاحیت اجاگر ہونے لگے، جیسا کہ برہان نامی کتاب میں ہے۔ اور نہر الفائق میں یہ شرط مذکور ہے کہ جب وہ پھل فساد سے مامون ہو جائے تب اس میں عشر لیا جائے گا۔ (اگر چہ کھیت کٹنے اور پھل توڑنے کے قابل نہ ہو، یہی حضرت امام زفر کا بھی قول ہے، البتہ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جب کھیت کٹنے کے لائق ہو جائے اور پھل توڑنے کے قابل ہو جائے تو عشر لیا جائے گا اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب کھیت کٹ کر کھلیان میں جمع ہو جائے تب عشر لیا جائے گا)۔ (شامی/۳/۲۷۳)

خراج ادا کرنے سے پہلے اس کا استعمال کرنا

خراجی زمین کے مالک کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ خراج ادا کرنے سے پہلے اس کی آمدنی میں سے کچھ کھائے، اور عشری زمین کی کھانے والی چیزوں کو اس وقت تک نہ کھائے جب تک عشر ادا نہ کر دے، اور اگر کوئی شخص عشر ادا کرنے سے پہلے کھائے گا تو اس کے عشر کا ضامن ہوگا جیسا کہ مجمع الفتاویٰ میں ہے۔ (اور فقیہ ابو اللیث نے کہا کہ اگر دستور کے مطابق تھوڑا سا کھالے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے اور اسی کو انھوں نے اختیار کیا ہے)۔ (شامی/۳/۲۷۴)

خراج وصول کرنے کے واسطے پیداوار کو روکنا

اور امام المسلمین کے لئے یہ اختیار ہے کہ خراج کی وصول یابی کے واسطے پیداوار کو روک لے، اور جو شخص متعدد سالوں کا خراج ادا نہیں کیا ہے اور اس کو روک رکھا ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ گذشتہ سالوں کا خراج اس سے وصول نہیں کیا جائے گا جیسا کہ فتاویٰ خانیہ میں ہے۔ اور فتاویٰ خانیہ میں لکھا ہے کہ جس شخص کے ذمہ عشر یا خراج باقی ہو اور اس کا انتقال ہو جائے تو ایسی صورت میں اس کے ترکہ میں سے عشر اور خراج لیا جائے گا۔ اور ایک روایت کے مطابق موت کی وجہ سے عشر

اورخراج ساقط ہوجائے گا اوراس کے ترکہ سے عشر نہیں لیا جائے گا،لیکن پہلا قول ظاہر الروایہ ہے۔

(**فُرُوع**) تَمَكَّنَ وَلَمْ يَزْرَعْ وَجَبَ الْخَرَاجُ دُونَ الْعُشْرِ، وَيَسْقُطَانِ بِهَلَاكِ الْخَارِجِ وَالْخَرَاجُ عَلَى الْغَاصِبِ إِنْ زَرَعَهَا وَكَانَ جَاحِدًا وَلَا بَيِّنَةَ بِهَا. وَالْخَرَاجُ فِي بَيْعِ الْوَفَاءِ عَلَى الْبَائِعِ إِنْ بَقِيَ فِي يَدِهِ. وَلَوْ بَاعَ الزَّرْعَ إِنْ قَبْلَ إِدْرَاكِهِ فَالْعُشْرُ عَلَى الْمُشْتَرِي وَلَوْ بَعْدَهُ فَعَلَى الْبَائِعِ وَالْعُشْرُ عَلَى الْمُؤْجِرِ كَخَرَاجٍ مُوَظَّفٍ وَقَالَا عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ كَمُسْتَعِيرٍ مُسْلِمٍ: وَفِي الْحَاوِي وَبِقَوْلِهِمَا نَأْخُذُ وَفِي الْمُزَارَعَةِ إِنْ كَانَ الْبَذْرُ مِنْ رَبِّ الْأَرْضِ فَعَلَيْهِ، وَلَوْ مِنَ الْعَامِلِ فَعَلَيْهِمَا بِالْحِصَّةِ: وَمَنْ لَهُ حَظٌّ فِي بَيْتِ الْمَالِ وَظَفِرَ بِمَا هُوَ مُوَجَّهٌ لَهُ لَهُ أَخْذُهُ دِيَانَةً. وَلِلْمُودَعِ صَرْفُ وَدِيعَةٍ مَاتَ رَبُّهَا وَلَا وَارِثَ لِنَفْسِهِ أَوْ غَيْرِهِ مِنَ الْمَصَارِفِ. دَفْعُ النَّائِبَةِ وَالظُّلْمِ عَنْ نَفْسِهِ أَوْلَى إِلَّا إِذَا تَحَمَّلَ حِصَّتَهُ بَاقِيهِمْ، وَتَصِحُّ الْكَفَالَةُ بِهَا، وَيُؤْجَرُ مَنْ قَامَ بِتَوْزِيعِهَا بِالْعَدْلِ وَإِنْ كَانَ الْأَخْذُ بَاطِلًا وَهَذَا يُعْرَفُ وَلَا يُعَرَّفُ كَفًّا لِمَادَّةِ الظُّلْمِ.

شارح کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل کا بیان

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی قابل کاشت زمین پر قابض ہوا اور اس میں کاشت نہیں کی، بلکہ زمین کو یوں ہی خالی چھوڑ دیا تو اس پر خراج لازم ہوگا البتہ عشر لازم نہ ہوگا۔ اور اگر اس کی پیداوار ہلاک ہوجائے تو عشر اور خراج دونوں ہی ساقط ہوجائیں گے۔

غصب شدہ زمین کا خراج غاصب پر لازم ہے

ایک شخص نے کسی کی زمین کو غصب کرلیا اور اس کو آباد کرلیا، اور غصب کرنے سے انکار کردیا اور زمین کے مالک کے پاس کوئی شہادت بھی اس بارے میں نہیں ہے تو اس صورت میں اس زمین کا خراج غاصب کے ذمہ لازم ہوگا۔ (حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ فتاویٰ خانیہ میں لکھا ہے کہ ایسی زمین جس کا خراج متعین ہے کسی نے اس کو غصب کرلیا اور غصب سے انکار کردیا اور زمین کے مالک کے پاس کوئی حجت وبینہ بھی نہیں ہے تو اگر غاصب نے اس زمین میں کاشت کاری کی اور اس کی وجہ سے زمین میں کچھ نقصان نہیں ہوا تو خراج غاصب کے ذمہ لازم ہوگا۔ اور اگر غاصب نے اس زمین میں کاشت کاری نہیں کی تو خراج کسی کے بھی ذمہ لازم نہ ہوگا۔ اور اگر غاصب غصب کرنے کے بعد اقرار کرتا ہو یا زمین کے مالک کے پاس کوئی شہادت موجود ہو اور کاشت کاری کی وجہ سے کوئی نقصان نہ آیا ہو تو اس صورت میں خراج زمین کے مالک پر ہوگا اور

مناصب پر کوئی خراج نہ ہوگا)۔ (شامی/۳/۲۷۵)

بیع الوفاء والی زمین کا خراج

بیع الوفاء والی زمین کا خراج بیچنے والے پر ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ زمین اس کے قبضہ میں باقی ہو، (بیع الوفاء اس بیع کو کہتے ہیں جس میں یہ صراحت ہوتی ہے کہ فروخت شدہ زمین فروخت کرنے والے کو اس وقت واپس کردی جائے گی، جب وہ خریدار کو قیمت واپس کردے گا، اس کی مزید تفصیل کتاب البیوع میں کتاب الکفالہ سے پہلے آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

فروخت شدہ کھیتی کا عشر کس پر واجب ہے؟

اگر کسی شخص نے عشری زمین کھیتی کو پکنے سے پہلے پہلے فروخت کردی ہے" اس صورت میں عشر خریدنے والے کے ذمہ لازم ہوگا اور اگر کھیتی پکنے کے بعد فروخت کی ہے تو بیچنے والے کے ذمہ عشر لازم ہوگا۔ (اور اس مسئلہ کی صورت یہ ہوگی کہ کھیتی خریدنے کے بعد مالک کی اجازت سے پکنے تک رہنے دیا، تو حضرات طرفین کے نزدیک خریدار پر عشر ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ہر کٹی ہوئی کھیتی کی قیمت کے برابر تو بیچنے والے پر عشر ہے اور باقی خریدار پر، جیسا کی یہ مسئلہ فتح القدیر میں ہے)۔

اجارہ والی زمین میں عشر کا حکم

اجارہ والی زمین میں عشر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اجارہ دینے والے کے ذمہ ہے، جس طرح خراج موظف میں اجارہ دینے والے پر بالاتفاق عشر ہے۔ اور حضرت صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ عشر اجارہ دینے والے کے ذمہ میں ہے۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ ایسا ہے جیسا کہ عاریت پر لینے والا مسلمان کہ اگر اس نے کسی کی زمین بطور عاریت لی ہے، تو خراج اسی پر ہوگا کیوں کہ پیداوار اسی کے حصہ میں آتی ہے۔ اور حاوی القدسی نامی کتاب میں ہے کہ اس بارے میں ہم صاحبینؒ کا قول اختیار کرتے ہیں۔

جو زمین بٹائی پر لی گئی ہو اس کا عشر

جس زمین کو مزارعت یعنی بٹائی پر دیا جائے تو اس کے عشر کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر بیج زمین کے مالک نے دیا ہے تو عشر مالک زمین کے ذمہ ہوگا۔ اور اگر بیج عامل یعنی بٹائی کرنے والے نے دیا ہے تو عشر ان دونوں پر ان کے حصہ رسدی کے مطابق واجب ہوگا۔ (نہر الفائق میں ہے کہ اگر کسی نے عشری زمین کو بطور مزارعت کسی کو دی اور بیج بٹائی کرنے والے کی

طرف سے ہے تو عشر مالک زمین پر ہوگا اور حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ کھیتی میں حصہ کے مطابق عشر ہوگا اور فتویٰ اس پر ہے کہ زمین کو بٹائی پر دینا جائز ہے اگر چہ بیج زمین مالک کی طرف سے ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک عشر مطلقاً مالک زمین پر ہوگا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک اگر بیج رب الارض کی طرف سے ہے تو اسی پر عشر لازم ہوگا اور بیج عامل کی طرف سے ہے تو اس صورت میں عشر دونوں پر ہوگا)۔ (شامی/۳/۲۷۸)

بیت المال سے اپنا حق لینے کا حکم

اور جس شخص کا حق بیت المال میں ہو اور وہ عمدہ طریقہ سے اپنا حق لینے پر قادر ہو گیا تو اس کے لئے اپنا حق لینا دیانۃً جائز ہے، جس کسی نے بطور امانت کسی کے پاس سامان رکھا، پھر امانت رکھنے والے کا انتقال ہو گیا اور اس نے کوئی وارث نہیں چھوڑا تو جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے اس کے لئے جائز ہے کہ اس امانت کو اپنی ذات پر اور اپنے غیر پر خرچ کرے اگر وہ اس کا مستحق ہو، یعنی غریب ومحتاج ہو۔

ناجائز ٹیکس اور ظلم کو روکنا

حکومت کی طرف سے جو ٹیکس لگایا جاتا ہے اور جو ظلم کیا جاتا ہے اس کو اپنی ذات سے دور کرنا بہتر ہے اور اس کا ٹلانا بہتر نہیں ہے جب کہ اس کے نہ دینے کی شکل میں اس کا حصہ قانونی اعتبار سے دوسروں کو اٹھانا پڑے اور حکومت کی طرف سے متعین کردہ رقم کی کفالت جائز ہے۔ اور اس ٹیکس کو جو شخص عدل وانصاف کے ساتھ تقسیم کردے گا وہ ثواب کا مستحق ہوگا اگر چہ اس کا لینا باطل ہوگا، لیکن یہ تو حکومت کا فعل ہے اور یہ بات مشہور ہے اور مادہ ظلم کو روکنے کے لئے مشہور نہیں ہے۔

يَجُوزُ تَرْكُ الْخَرَاجِ لِلْمَالِكِ لَا الْعُشْرِ ، وَسَيَجِيءُ تَمَامُهُ مَعَ بَيَانِ بُيُوتِ الْمَالِ وَمَصَارِفِهَا فِي الْجِهَادِ وَنَظَمَهَا ابْنُ الشِّحْنَةِ فَقَالَ :

بُيُوتُ الْمَالِ أَرْبَعَةٌ لِكُلٍّ ... مَصَارِفُ بَيَّنَتْهَا الْعَالِمُونَا
فَأَوَّلُهَا الْغَنَائِمُ وَالْكُنُوزُ ... رِكَازٌ بَعْدَهَا الْمُتَصَدِّقُونَا
وَثَالِثُهَا خَرَاجٌ مَعَ عُشُورٍ ... وَجَالِيَةٌ يَلِيهَا الْعَامِلُونَا
وَرَابِعُهَا الضَّوَائِعُ مِثْلَ مَا لَا ... يَكُونُ لَهُ أُنَاسٌ وَارِثُونَا
فَمَصْرِفُ الْأَوَّلِينَ أَتَى بِنَصٍّ ... وَثَالِثُهَا حَوَاهُ مُقَاتِلُونَا
وَرَابِعُهَا فَمَصْرِفُهُ جِهَاتٌ ... تَسَاوِي النَّفْعَ فِيهَا الْمُسْلِمُونَا

مالک زمین سے خراج نہ لینا

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مالک زمین سے خراج لینے کو چھوڑ دینا جائز ہے مگر اس سے عشر کا چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ (یعنی حکومت کا ذمہ دار اگر زمین کے مالک سے خراج معاف کردے اور خراج نہ لے تو یہ جائز ہے خواہ کسی کی سفارش کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو، البتہ عشر کا چھوڑنا درست نہیں ہے)۔ اس کی پوری تفصیل کتاب الجہاد میں بیوت المال اور اس کے مصارف کے بیان میں آئے گی، ابن الشحنہ نے اس کو نظم کردیا ہے چناں چہ انہوں نے کہا :

(۱) بیت المال چار طرح کے ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے مصارف الگ الگ ہیں جن کو علمائے کرام نے بیان فرمایا ہے۔

(۲) ان چار اقسام میں سے پہلی قسم مال غنیمت کان، خزانے اور دفینہ ہے اور دوسری قسم صدقہ کرنے والوں کا مال ہے۔

(۳) اور اس کی تیسری قسم خراج اور تاجروں سے جو عشر لیا جاتا ہے وہ سب کے سب داخل ہیں اور جزیہ جن کے گذار حاکم ذمہ دار ہوتے ہیں۔

(۴) اور چوتھی قسم وہ مال ہے جس کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہے اور لوگوں میں سے کوئی بھی اس کا وارث نہ ہو۔

(۵) پس پہلی دونوں قسموں کا مصرف تو قرآن مجید نے بیان کردیا ہے۔ اور تیسری قسم وہ ہے جس کو مجاہدین جمع کرتے ہیں اور لیتے ہیں۔

(۶) اور چوتھی قسم کی وہ صورتیں ہیں جن کا نفع سارے مسلمانوں کو پہنچتا ہو۔ (جیسے مساجد، مدارس، مکاتب، مسافر خانے اور سرحدوں کو مضبوط کرنا وغیرہ)۔ واللہ اعلم

العبد: غلام رسول پھراوی
۱۴۲۶/۴/۲۸ھ، مطابق: ۲۰۰۵/۶/۶ء

باب المصرف

بَابُ الْمَصْرِفِ أَيْ مَصْرِفِ الزَّكَاةِ وَالْعُشْرِ ، وَأَمَّا خُمُسُ الْمَعْدِنِ فَمَصْرِفُهُ كَالْغَنَائِمِ هُوَ فَقِيرٌ ، وَهُوَ مَنْ لَهُ أَدْنَى شَيْءٍ أَيْ دُونَ نِصَابٍ أَوْ قَدْرُ نِصَابٍ غَيْرِ نَامٍ مُسْتَغْرِقٍ فِي الْحَاجَةِ. وَمِسْكِينٌ مَنْ لَا شَيْءَ لَهُ عَلَى الْمَذْهَبِ، لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ﴾ وَآيَةُ السَّفِينَةِ لِلتَّرَحُّمِ وَعَامِلٌ يَعُمُّ السَّاعِيَ وَالْعَاشِرَ فَيُعْطَى وَلَوْ غَنِيًّا لَا هَاشِمِيًّا لِأَنَّهُ فَرَّغَ نَفْسَهُ لِهَذَا الْعَمَلِ فَيَحْتَاجُ إِلَى الْكِفَايَةِ وَالْغِنَى لَا يَمْنَعُ مِنْ تَنَاوُلِهَا عِنْدَ الْحَاجَةِ كَابْنِ السَّبِيلِ. بَحْرٌ عَنِ الْبَدَائِعِ. وَبِهَذَا التَّعْلِيلِ يَقْوَى مَا نُسِبَ لِلْوَاقِعَاتِ مِنْ أَنَّ طَالِبَ الْعِلْمِ يَجُوزُ لَهُ أَخْذُ الزَّكَاةِ وَلَوْ غَنِيًّا إِذَا فَرَّغَ نَفْسَهُ لِإِفَادَةِ الْعِلْمِ وَاسْتِفَادَتِهِ لِعَجْزِهِ عَنِ الْكَسْبِ، وَالْحَاجَةُ دَاعِيَةٌ إِلَى مَا لَا بُدَّ مِنْهُ، كَذَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ بِقَدْرِ عَمَلِهِ مَا يَكْفِيهِ وَأَعْوَانَهُ بِالْوَسَطِ لَكِنْ لَا يُزَادُ عَلَى نِصْفِ مَا يَقْبِضُهُ. وَمُكَاتَبٌ لِغَيْرِ هَاشِمِيٍّ، وَلَوْ عَجَزَ حَلَّ لِمَوْلَاهُ وَلَوْ غَنِيًّا كَفَقِيرٍ اسْتَغْنَى وَابْنِ سَبِيلٍ وَصَلَ لِمَالِهِ.

یہ باب زکوٰۃ اور عشر کے مصارف میں ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ اس باب میں زکوٰۃ اور عشر کے مصارف کو بیان کریں گے یعنی زکوٰۃ اور عشر کے مال کو کن لوگوں کو دینا جائز ہے اور کن لوگوں کو دینا جائز نہیں ہے۔ یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ جو مصرف زکوٰۃ اور عشر کا ہے وہی مصرف صدقۃ الفطر، کفارہ اور صدقۂ واجبہ وغیرہ کا ہے۔

اور معدن میں جو خمس واجب ہوتا ہے اس کا مصرف مال غنیمت کی طرح ہے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ اور عشر کے مصرف کے ساتھ معدن کے خمس کا مصرف بیان کرنا مناسب نہیں تھا لیکن جب ذکر کیا گیا ہے تو مناسب یہ تھا کہ خمس رکاز کا مصرف بیان کرتا؛ تاکہ معدن اور کنز دونوں شامل ہو جاتے)۔ (شامی/۳/۲۸۳)

مصارف زکوٰۃ وصدقات کا بیان

مصارف زکوٰۃ وصدقات کا بیان اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں کیا ہے اور یہی اس بارے میں بنیاد ہے چنانچہ ارشاد

ربانی ہے: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (التوبة: ٦٠)

''زکوٰۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پرچانا منظور ہے۔ اور گردنوں کو چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں۔ اور اللہ کے راستے میں اور راہ کے مسافروں کو، ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا، اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے''۔

پہلا مصرف زکوٰۃ وصدقات

قرآن کریم میں زکوٰۃ کے کل نو مصارف بیان کئے گئے ہیں جن میں سے پہلا مصرف زکوٰۃ وعشر فقراء مسلمین ہیں۔ اور شریعت کی اصطلاح میں ''فقیر'' ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کے پاس تھوڑا مال ہو۔ اور تھوڑے مال سے مراد اتنا مال ہے جو نصاب سے کم ہو۔ اور اگر نصاب کے بقدر مال ہو تو لیکن غیر نامی ہو اور ضرورت زندگی میں مشغول ہو۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے مصارف زکوٰۃ وصدقات کو بیان کرتے ہوئے فقیروں کو اس لئے مقدم فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے ذکر کو مقدم کیا ہے تو قرآن کریم کے اتباع میں فقیر کے ذکر کو پہلے کیا ہے اور تقدیم کی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ فقیر ہونا ہر مصرف میں شرط ہے، سوائے عامل، مکاتب اور مسافر کے)۔ (شامی/۳/۲۸۳)

دوسرا مصرف

زکوٰۃ وصدقات اور عشر کا دوسرا مصرف مسکین ہونا ہے۔ اور ''مسکین'' اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، یعنی فقیر سے بھی گیا گذرا ہو، مختار مذہب یہی ہے۔ اور اس کی دلیل قرآن کی آیت شریفہ ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ﴾ (البلد: ١٦) ''یا محتاج کو جو خاک میں رل رہا ہو''۔ اور سورۃ الکہف میں اللہ تعالیٰ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ: ﴿وَاَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ﴾ (سورۃ الکھف: ۷۹) ''اور وہ جو کشتی تھی، سو چند محتاجوں کی جو محنت کرتے تھے دریا میں''۔ اس آیت کریمہ میں کشتی والے کو ''مسکین'' کہا گیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسکین اس کو کہتے ہیں کہ جس کے پاس مال ہو۔ اس کا **جواب** شارح علیہ الرحمہ یہ دیتے ہیں کہ کشتی والے کو مساکین بطور ترحمہ کہا گیا ہے۔ دوسرا **جواب** یہ بھی دیا گیا ہے کہ کشتی ان کی ذاتی نہیں تھی بلکہ وہ کشتی میں مزدوری کرتے تھے یا کسی سے مانگ کر عاریتاً لے آئے تھے۔

تیسرا مصرف

زکوۃ وعشر اور صدقات کا تیسرا مصرف ''عامل'' ہے۔ اور عامل کے اندر زکوۃ وصول کرنے والا اور عشر وصول کرنے والا دونوں شامل ہیں، لہٰذا عامل کو زکوۃ کے مال سے اس کی اجرت دی جائے گی اگرچہ عامل مالدار ہی کیوں نہ ہو، ہاں اگر عامل ہاشمی ہو تو اس کو زکوۃ کے مال سے اجرت دینا جائز نہیں ہے۔ اور عامل مالدار کو اجرت میں زکوۃ کا مال دینا اس لئے جائز ہے کہ اس نے اپنے آپ کو فارغ کر کے اسی کام میں لگا رکھا ہے، لہٰذا اس کو اخراجات اور ضروریات زندگی کے لئے اتنے مال کی ضرورت ہوگی جو اس کے لئے کافی ہو اور بوقت ضرورت مالدار کے لئے زکوۃ لینے کی کوئی ممانعت نہیں ہے جس طرح کہ مالدار مسافر کے لئے عندالحاجۃ زکوۃ لینے میں کوئی ممانعت نہیں ہے، یہ مسئلہ البحر الرائق میں بدائع الصنائع سے منقول ہے۔

مالدار طالبِ علم کیلئے زکوۃ کا مال لینے کا حکم

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس علت کے ذکر سے اس روایت کو تقویت ملتی ہے جو واقعات نامی کتاب کی طرف منسوب ہے کہ طالبِ علم کو زکوۃ کا مال لینا درست ہے اگرچہ وہ طالب علم مالدار ہی کیوں نہ ہو، جب کہ وہ طالب علم اپنے آپ کو پڑھنے پڑھانے میں مشغول کر دے اور اسی کے واسطے اپنی زندگی کو وقف کر دے۔ اور زکوۃ کا مال لینا اس لئے جائز ہے کہ وہ کمانے سے مجبور ہے اور ضروریاتِ زندگی اس بات کا متقاضی ہے کہ اتنا مال لیں جو ضروریات کی تکمیل کے لئے کافی ہوں، مصنف نے اسی کو ذکر کیا ہے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ طالب علم کو فقیر کی قید کے ساتھ مقید کرنا اولیٰ ہے البتہ طالب علم کی وجہ سے کمانے پر قدرت کے باوجود زکوۃ وغیرہ کا سوال کرنا جائز ہے۔ اور شوافع اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی کو کمانے پر قدرت ہے تو اس کو فقیر نہیں کہہ سکتے ہیں اور نہ اس کے لئے زکوۃ کا مال لینا درست ہے، تو سوال کرنا بدرجۂ اولیٰ درست نہ ہوگا، ہاں اگر کوئی شخص علم شرعی کی تلاش میں مشغول ہو تو اس کے لئے جائز ہے)۔ (شامی/۳/۲۸۶)

عامل کو اس کے کام کے مطابق اتنی اجرت دی جائے جو اس کو اور اس کے جملہ عملہ کو اوسط درجہ میں کافی ہو لیکن عامل کو اس کی آمدنی کے آدھے سے زیادہ نہ دیا جائے گا، اگرچہ اوسط درجہ میں کفایت کے نصف دینا پڑے تب بھی نہ دیں گے۔

زکوۃ کا چوتھا مصرف

زکوۃ وعشر کا چوتھا مصرف وہ غلام مکاتب ہے جو کسی ہاشمی کا نہ ہو، اگر مکاتب غلام عاجز ہو جائے تو اس کے مولی کے لئے یہ زکوۃ کا مال حلال ہے خواہ اس کے آقا مالدار ہی کیوں نہ ہو، (کیوں کہ آقا کے پاس یہ مال مکاتب غلام کے توسط سے پہنچ

رہا ہے اور مکاتب اس کا مالک ہے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی: "لَكِ صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَةٌ" کے پیش نظر آقا کے لئے جائز ہوگا)۔ جس طرح کہ فقیر کے لئے اتنی زکوٰۃ حلال ہے کہ وہ مال دار ہو جائے۔ اور مسافر کے لئے اس لئے حلال ہے کہ وہ اس کے واسطے سے اپنے مال تک پہنچ جائے۔

وَسَكَتَ عَنِ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ لِسُقُوطِهِمْ إِمَّا بِزَوَالِ الْعِلَّةِ أَوْ نُسِخَ بِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُعَاذٍ فِي آخِرِ الْأَمْرِ: "خُذْهَا مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَرُدَّهَا فِي فُقَرَائِهِمْ"، وَمَدْيُونٌ لَا يَمْلِكُ نِصَابًا فَاضِلًا عَنْ دَيْنِهِ وَفِي الظَّهِيرِيَّةِ: الدَّفْعُ لِلْمَدْيُونِ أَوْلَى مِنْهُ لِلْفَقِيرِ. وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَهُوَ مُنْقَطِعُ الْغُزَاةِ وَقِيلَ الْحَاجُّ وَقِيلَ طَلَبَةُ الْعِلْمِ، وَفَسَّرَهُ فِي الْبَدَائِعِ بِجَمِيعِ الْقُرَبِ وَثَمَرَةُ الِاخْتِلَافِ فِي نَحْوِ الْأَوْقَافِ. وَابْنُ السَّبِيلِ وَهُوَ كُلُّ مَنْ لَهُ مَالُهُ لَا مَعَهُ وَمِنْهُ مَا لَوْ كَانَ مَالُهُ مُؤَجَّلًا أَوْ عَلَى غَائِبٍ أَوْ مُعْسِرٍ أَوْ جَاحِدٍ وَلَوْ لَهُ بَيِّنَةٌ فِي الْأَصَحِّ. يَصْرِفُ الْمُزَكِّي إِلَى كُلِّهِمْ أَوْ إِلَى بَعْضِهِمْ وَلَوْ وَاحِدٌ مِنْ أَيِّ صِنْفٍ كَانَ ؛ لِأَنَّ أَلْ الْجِنْسِيَّةَ تُبْطِلُ الْجَمْعِيَّةَ، وَشَرَطَ الشَّافِعِيُّ ثَلَاثَةً مِنْ كُلِّ صِنْفٍ. وَيُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ الصَّرْفُ تَمْلِيكًا لَا إِبَاحَةً كَمَا مَرَّ لَا يُصْرَفُ إِلَى بِنَاءِ نَحْوِ مَسْجِدٍ وَ لَا إِلَى كَفَنِ مَيِّتٍ وَقَضَاءِ دَيْنِهِ أَمَّا دَيْنُ الْحَيِّ الْفَقِيرِ فَيَجُوزُ لَوْ بِأَمْرِهِ، وَلَوْ أَذِنَ فَمَاتَ فَإِطْلَاقُ الْكِتَابِ يُفِيدُ عَدَمَ الْجَوَازِ وَهُوَ الْوَجْهُ نَهْرٌ وَ لَا إِلَى ثَمَنِ مَا أَيْ قِنٍّ يُعْتَقُ لِعَدَمِ التَّمْلِيكِ وَهُوَ الرُّكْنُ. وَقَدَّمْنَا لِأَنَّ الْحِيلَةَ أَنْ يَتَصَدَّقَ عَلَى الْفَقِيرِ ثُمَّ يَأْمُرُهُ بِفِعْلِ هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ وَهَلْ لَهُ أَنْ يُخَالِفَ أَمْرَهُ ؟ لَمْ أَرَهُ وَالظَّاهِرُ نَعَمْ وَلَا إِلَى مَنْ بَيْنَهُمَا وِلَادٌ وَلَوْ مَمْلُوكًا لِفَقِيرٍ أَوْ بَيْنَهُمَا زَوْجِيَّةٌ وَلَوْ مُبَانَةً وَقَالَا تَدْفَعُ هِيَ لِزَوْجِهَا.

زکوٰۃ وعشر کا پانچواں مصرف

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا پانچواں مصرف ''مؤلفۃ القلوب'' کو بیان فرمایا ہے، لیکن شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مصنف نے اس کے ذکر کرنے سے سکوت فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ باجماع صحابہؓ عہد صدیقی میں اس کو ساقط کر دیا گیا تھا، اس لئے کہ اس کی علت ختم ہوگئی تھی، یا اس وجہ سے مؤلفۃ القلوب کا ذکر نہیں کیا کہ اس کا دینا منسوخ ہوگیا ہے اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے آخر میں فرمایا کہ مسلمانوں کے مالداروں سے لو اور ان کے فقراء کے درمیان تقسیم کر دو۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں مؤلفۃ القلوب وہ لوگ ہیں جن کو ان کی دلداری اور اسلام پر مضبوطی سے ثابت قدم رہنے کے لئے زکوٰۃ کا مال دیا جاتا تھا۔ بقول علامہ شامیؒ مؤلفۃ القلوب تین قسم کے لوگ ہوتے تھے: (۱) ایک تو کفار جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ کی رقم اس نیت سے عطا کرتے تھے کہ وہ ایمان لے آئیں۔ (۲) دوسرے وہ کفار تھے جن کو زکوٰۃ کی رقم ان کے شر اور اذیت سے بچنے کے لئے دی جاتی تھی۔ (۳) تیسری قسم میں وہ لوگ تھے جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوتے تھے اور ضعیف الایمان ہوتے تھے ان کو زکوٰۃ کی رقم اسلام پر ثابت قدمی کے لئے دی جاتی تھی۔ اور مؤلفۃ القلوب کو دینے کا مقصد اسلام کی عظمت وشوکت اور غلبہ تھا، جب اسلام کا غلبہ ہوگیا تو یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے۔ (شامی/۳/۲۸۷)

زکوٰۃ کا چھٹا مصرف

زکوٰۃ اور عشر کا چھٹا مصرف وہ مقروض ہے جس کے پاس قرض سے زیادہ اتنا مال نہ ہو جو نصاب کو پہنچ جائے۔ اور فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم فقیر کو دینے سے بہتر مقروض کو دینا ہے کیوں کہ مقروض کی ضرورت اس سے زیادہ ہے۔ (علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ آیت کریمہ میں جو "غارم" کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ایسا مدیون ہے جس کے پاس قرض کے ادا کرنے کے لئے مال نہ ہو)۔

زکوٰۃ کا ساتواں مصرف

زکوٰۃ اور عشر کا ساتواں مصرف "فی سبیل اللہ" ہے۔ یعنی اللہ کے راستے میں زکوٰۃ کی رقم کو دے، اور یہاں فی سبیل اللہ سے مراد وہ مجاہدین ہیں جو سواری یا خرچ نہ ہونے کی وجہ سے لشکرِ اسلام سے الگ ہوگئے ہوں، ان کو زکوٰۃ کی رقم دے کر مدد کرنا جائز ہے، اس لئے کہ مجاہدین اسلام اگر کمانے میں لگ جائیں گے تو جہاد سے دور جا پڑیں گے۔ اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ فی سبیل اللہ سے مراد ایسے حجاج کرام ہیں جو کسی مجبوری کی وجہ سے قافلہ سے نہیں مل سکتے ہیں۔ اور بعض اہل علم نے فی سبیل اللہ کے مصداق ان طلبۂ کرام کو قرار دیا ہے جو تحصیل علمِ دین میں مشغول رہتے ہیں۔ اور بدائع الصنائع میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ "فی سبیل اللہ" سے مراد تمام تقربیاتِ الٰہی اور خیر کے کام داخل ہیں۔ اور اس کا ثمرۂ اختلاف اوقاف جیسے مسائل میں ظاہر ہوگا۔ آیت کے حکم کے متعلق اختلاف نہیں ہے البتہ آیت کی مراد کی تفسیر میں اختلاف ہے حکم میں اختلاف نہیں ہے اس لئے جو بھی محتاج ہوگا خواہ وہ غازی ہو، خواہ حاجی ہو، یا طالب علم ہر ایک پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز ہے البتہ اگر کوئی شخص زمین جائیداد فی سبیل اللہ نام سے وقف کرے یا فی سبیل اللہ کے لئے وصیت کرے یا نذر مانے تو سوال ہوگا کہ ان میں سے کون مراد ہوگا۔ (شامی/۳/۲۹۰)

زکوٰۃ کا آٹھواں مصرف

زکوٰۃ کا اور عشر کا آٹھواں مصرف ''ابن السبیل'' یعنی مسافر ہے۔اور یہاں ایسے مسافر مراد ہیں جن کے پاس مال نہ ہو البتہ وہ مال کے مالک ہوں لیکن سفر میں ہونے کے سبب سے مال پاس نہ ہو۔ (اور فتح القدیر میں یہ لکھا ہے کہ مسافر کے واسطے ضرورت سے زیادہ زکوٰۃ کی رقم لینا جائز نہیں ہے اور بہتر یہ ہے کہ اگر قدرت ہو تو مسافر قرض لے لے، لیکن قرض لینا لازم نہیں ہے اس لئے کہ وہ ادا کرنے سے عاجز ہے اور زکوٰۃ کی جو رقم لی ہے وہ خرچ کرنے کے بعد کچھ بچ گئی تو اس بچی ہوئی رقم کا صدقہ کرنا لازم نہیں ہے کیوں کہ فقیر کو ایسی ضرورت سے زیادہ لینا جائز ہے)۔ (شامی/۳/۲۹۰)

اور اسی کے اندر یہ بھی داخل ہے کہ کسی کے پاس مال تو ہو لیکن ادھار ہو یا کسی غائب شخص کے پاس ہو یا مال کسی ایسے شخص کے پاس جو تنگ دست ہو یا مال کا انکار کرتا ہو اور وہ محتاج ہو تو اس کے لئے زکوٰۃ کی رقم لینا جائز ہے اگر چہ اس کے پاس شہادت ہی کیوں نہ ہو اس بارے میں اصح قول یہی ہے۔

زکوٰۃ مذکورہ مصارف میں سے کسی ایک مصرف میں خرچ کرنے سے بھی ادا ہو جائیگی

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کو اختیار ہے کہ وہ زکوٰۃ کا مال ان تمام مستحقین کو دے جن کا ذکر آیا ہے یا ان مستحقین میں سے کسی ایک کو دے اگر چہ وہ کسی ایک ہی قسم کے کیوں نہ ہوں، اس لئے الف لام جو جنس کے لئے ہوتا ہے وہ جمع کے معنی کو باطل کر دیتا ہے۔اور حضرت امام شافعیؒ نے یہ شرط لگائی ہے کہ مذکورہ مصارف میں سے ہر مصرف کے تین تین شخصوں کو زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ دے، احناف کے یہاں یہ شرط نہیں ہے، بلکہ دینے والا اپنی صواب دید کے مطابق جس کو چاہے دے۔

زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے

اور زکوٰۃ کی رقم بطور تملیک دینا شرط ہے یعنی زکوٰۃ دینے والا شخص جس کو زکوٰۃ دے رہا ہے اس کو مال کا بالکلیہ مالک بنادے بطور اباحت نہ دے، کہ جس میں مباح تو ہو لیکن ذاتی طور پر تصرف کرنا جائز نہ ہو، اس طرح سے زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے۔

ان چیزوں کا بیان جن میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز نہیں ہے

زکوٰۃ اور عشر وغیرہ کی رقم مسجد وغیرہ عمارتوں کی تعمیر میں خرچ نہیں کر سکتے ہیں، اس لئے کہ اس میں تملیک نہیں پائی جاتی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی رقم میت کے کفن میں خرچ نہیں کی جائے گی کیوں کہ یہاں بھی تملیک نہیں پائی جاتی ہے اور نہ ہی میت کے قرض ادا کرنے میں زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جائے گا، البتہ زکوٰۃ کے مال سے زندہ محتاج شخص کا قرض ادا کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کی اجازت اور حکم سے ہو۔ اور اگر محتاج مقروض اجازت دینے کے بعد انتقال کر جائے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ تو قدوری کے مطلق ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ سے اس کا قرض ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ اور وجہ عدمِ تملیک ہے، جیسا کہ نہر الفائق میں ہے۔ اور زکوٰۃ کی رقم سے غلام خرید کر آزاد کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے باپ کو جو غلام ہو اس کو زکوٰۃ کی رقم سے آزاد کرا دے تو جائز نہیں ہے، اس لئے کہ تملیک نہیں پائی جاتی ہے حالاں کہ زکوٰۃ کی ادائے گی کے لئے تملیک رکن ہے۔

مساجد و مدارس کی عمارت میں زکوٰۃ کی رقم لگانے کا حیلہ

اور یہ بات پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ زکوٰۃ کے درست ہونے کے لئے حیلہ یہ ہے کہ پہلے زکوٰۃ کی رقم کسی مستحق فقیر کو دے پھر اس سے کہے کہ تم اپنی طرف سے ان امور میں خرچ کرو، اس طرح سے کام بھی ہو جائے گا اور زکوٰۃ بھی درست ہو جائے گی۔ اب **سوال** یہ پیدا ہوتا ہے، جس فقیر سے تملیک کرائی جا رہی ہے اس کے لئے زکوٰۃ دینے والے کے حکم کی مخالفت جائز ہے یا نہیں؟ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی صراحت کہیں نہیں دیکھی ہے، مگر ظاہر یہی ہے کہ وہ حکم کی مخالفت کر سکتا ہے کیوں کہ وہ اس کا مالک بن چکا ہے لہٰذا مالک جس طرح چاہے اپنی ملکیت میں تصرف کر سکتا ہے۔

(شامی/۳/۲۹۳)

وہ رشتہ دار جن کو زکوٰۃ دینا صحیح نہیں ہے

زکوٰۃ کا مال اس شخص کو بھی دینا جائز نہیں ہے کہ دینے والے اور جس کو دیا جا رہا ہے دونوں کے درمیان توالد کا تعلق ہو، اس لئے کہ املاک کے منافع باہم مشترک ہیں، اس لئے پورے طور پر تملیک نہیں ہوگی۔ اور توالد کے اندر جملہ اصول و فروع شامل ہیں، لہٰذا باپ، ماں، دادا، دادی، نانا، نانی اور بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسا اور نواسی سب اس کے اندر شامل ہیں، ان کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے۔ اسی طرح اگر توالد کا رشتہ کسی فقیر کا مملوک ہو تو اس کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، اسی طرح میاں

بیوی کا رشتہ ہو تو بھی زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے اگر چہ اس کی بیوی تین طلاق کی وجہ سے بائنہ ہو چکی ہو، لیکن عدت کے اندر ہو۔ اور حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے۔ (اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی سے فرمایا تھا کہ تیرا شوہر اور تیری اولاد زیادہ مستحق ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس وقت فرمایا جب وہ اپنے زیور کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتی تھیں)۔

وَ لَا إِلَى مَمْلُوكِ الْمُزَكِّي وَلَوْ مُكَاتَبًا أَوْ مُدَبَّرًا وَ لَا إِلَى عَبْدٍ أَعْتَقَ الْمُزَكِّي بَعْضَهُ سَوَاءٌ كَانَ كُلُّهُ لَهُ أَوْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ ابْنِهِ فَأَعْتَقَ الْأَبُ حَظَّهُ مُعْسِرًا لَا يُدْفَعُ لَهُ لِأَنَّ مُكَاتَبَهُ أَوْ مُكَاتَبَ ابْنِهِ ، وَأَمَّا الْمُشْتَرَكُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَجْنَبِيٍّ فَحُكْمُهُ عَلَى مِمَّا مَرَّ لِأَنَّهُ إِمَّا مُكَاتَبُ نَفْسِهِ أَوْ غَيْرِهِ. وَقَالَا: يَجُوزُ مُطْلَقًا لِأَنَّهُ حُرٌّ كُلُّهُ أَوْ حُرٌّ مَدْيُونٌ، فَافْهَمْ. وَ لَا إِلَى غَنِيٍّ يَمْلِكُ قَدْرَ نِصَابٍ فَارِغٍ عَنْ حَاجَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ مِنْ أَيِّ مَالٍ كَانَ كَمَنْ لَهُ نِصَابُ سَائِمَةٍ لَا تُسَاوِي مِائَةَ دِرْهَمٍ كَمَا جَزَمَ بِهِ فِي الْبَحْرِ وَالنَّهْرِ ، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ قَائِلًا وَبِهِ يَظْهَرُ ضَعْفُ مَا فِي الْوَهْبَانِيَّةِ وَشَرْحِهَا مِنْ أَنَّهُ تَحِلُّ لَهُ الزَّكَاةُ وَتَلْزَمُهُ الزَّكوٰةُ اهـ . لَكِنْ اعْتَمَدَ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ مَا فِي الْوَهْبَانِيَّةِ وَحَرَّرَ وَجَزَمَ بِأَنَّ مَا فِي الْبَحْرِ وَهْمٌ وَ لَا إِلَى مَمْلُوكِهِ أَيْ الْغَنِيِّ وَلَوْ مُدَبَّرًا أَوْ زَمِنًا لَيْسَ فِي عِيَالِ مَوْلَاهُ أَوْ كَانَ مَوْلَاهُ غَائِبًا عَلَى الْمَذْهَبِ لِأَنَّ الْمَانِعَ وُقُوعُ الْمِلْكِ لِمَوْلَاهُ غَيْرِ الْمُكَاتَبِ وَالْمَأْذُونِ الْمَدْيُونِ بِمُحِيطٍ فَيَجُوزُ وَ لَا إِلَى طِفْلِهِ بِخِلَافِ وَلَدِهِ الْكَبِيرِ وَأَبِيهِ وَامْرَأَتِهِ الْفُقَرَاءِ وَطِفْلِ الْغَنِيَّةِ فَيَجُوزُ لِانْتِفَاءِ الْمَانِعِ.

اپنے غلام کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

زکوٰۃ دینے والا شخص اپنے غلام کو زکوٰۃ کی رقم نہیں دے سکتا ہے اگر چہ وہ غلام مکاتب یا مدبر ہی کیوں نہ ہو۔ (اس لئے کہ غلام اور مدبر میں تملیک نہیں پائی جاتی ہے اور مکاتب کی کمائی میں اس کے آقا کا حق ہوتا ہے اس لئے ان کے دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی)۔ اسی طرح اس غلام کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے جس کے بعض حصہ کو آقا آزاد کرا چکا ہو، خواہ وہ غلام پورا کا پورا زکوٰۃ دینے والے ہی کا کیوں نہ ہو، یا وہ غلام اس کے اور اس کے بیٹے کے درمیان مشترک ہو، پس باپ نے اپنا حصہ تنگ دستی کی وجہ سے آزاد کیا تو اس صورت میں اس غلام کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا ہے، اس لئے کہ وہ غلام اس کا مکاتب یا اس کے بیٹے کا مکاتب ہے اور مکاتب کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے، اگر چہ بیٹے ہی کا مکاتب کیوں نہ ہو۔

اور وہ غلام جو اس کے اور کسی اجنبی شخص کے درمیان مشترک ہو تو اس کا حکم کیا ہے؟ وہ اس بیان سے معلوم ہو چکا ہے جو اس سے پہلے گذرا ہے۔ (چنانچہ البحر الرائق میں ہے کہ اگر غلام دو اجنبی آدمیوں کے درمیان مشترک ہو ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور وہ مفلس ہے اور دوسرے شریک نے کہا کہ اگر وہ غلام اس قدر روپیہ دیگا تو آزاد ہے تو اس صورت میں وہ اپنی زکوٰۃ اس غلام کو دے سکتا ہے، اس لئے کہ وہ غلام اس کا مکاتب نہیں ہے بلکہ شریک کا مکاتب ہے اور حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ آزاد کرنے والا مفلس ہو یا غنی، غلام اس کے اور اس کے بیٹے کے درمیان مشترک ہو یا کسی اجنبی شخص کے درمیان مشترک ہو اس لئے کہ وہ غلام پورا آزاد ہے یا آزاد اور مدیون ہے، لہٰذا اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح سمجھ لو۔

صاحبِ نصاب کے لئے زکوٰۃ جائز نہیں

اور ایسا مالدار جو صاحبِ نصاب ہو اور وہ نصاب اس کی ضروریات زندگی سے زیادہ ہو، خواہ کسی بھی نصاب کا مالک ہو، اس کو زکوٰۃ کی رقم دینی جائز نہیں ہے۔ (نصاب کی تین قسمیں ہوتی ہیں: (۱) نصاب نامی جو قرض اور حاجاتِ اصلیہ سے زیادہ ہو اس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ (۲) نصاب غیر نامی، جو قرض اور حاجاتِ اصلیہ سے زائد نہ ہو، پس اس میں زکوٰۃ واجب تو نہیں ہوتی ہے البتہ قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے اور زکوٰۃ لینا اس کے لئے جائز نہیں ہوتا ہے۔ (۳) وہ نصاب جس کی وجہ سے سوال کرنا حرام ہے اور اگر کسی کے پاس ایک دن کی غذا موجود ہو تو سوال کرنا حرام ہے یہ نصاب نہیں ہے بلکہ مجازاً نصاب کہہ دیا گیا ہے)۔

مال دار ضرورت مند کے لئے زکوٰۃ لینا

فتاویٰ تاتر خانیہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ ایک آدمی کے پاس ایک گھر ہے جس میں وہ رہتا ہے مگر وہ گھر اس کی ضرورت سے زیادہ ہے بایں طور کے سارا مکان رہنے میں استعمال نہیں ہوتا ہے تو ایسے شخص کے لئے زکوٰۃ لینا صحیح قول کے مطابق درست ہے۔ اور اسی میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت امام محمدؒ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس کے پاس زمین ہے اور اس کی کھیتی کرتا ہے یا دوکان ومکان جس کا کرایہ تین ہزار روپیہ لیتا ہے، لیکن یہ آمدنی اس کے بچوں کے لئے سال بھر کافی نہیں ہوتی ہے تو (امام محمدؒ نے فرمایا) ایسے آدمی کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے، فتویٰ اسی قول پر ہے۔ (شامی/۳/۲۹۶)

جو جانوروں کے نصاب کا مالک ہو اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے

اس شخص کے لئے زکوٰۃ کی رقم لینی جائز نہیں ہے جو سائمہ جانور کے نصاب کا مالک ہو، مگر وہ نصاب دوسو درہم کے برابر

نہ ہو، جیسا کہ البحر الرائق اور نہر الفائق میں اسی قول پر جزم کیا ہے۔ اور اسی کو حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے یہ کہتے ہوئے برقرار رکھا ہے کہ اس سے اس قول کا ضعف ظاہر ہوتا ہے جو وہبانیہ اور اس کی شرح میں ہے کہ اس کے لئے زکوٰۃ حلال ہے اور اس پر زکوٰۃ دینا لازم ہے، لیکن شرنبلالیہ میں وہبانیہ کے اس کلام پر یقین اور اعتماد ظاہر کیا ہے کہ جو کچھ البحر الرائق میں ہے وہ سب کے سب وہم ہیں۔

مال دار شخص کے غلام کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے

اور مالدار کے غلام کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اگر چہ وہ غلام مدبر ہی کیوں نہ ہو۔ (غنی کی قید سے معلوم ہوا کہ محتاج و غریب کے غلام کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں، جیسا کہ منیۃ المفتی میں ہے)۔ اور غنی کے اس غلام کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے جو اپاہج ہو، اور اپنے مولیٰ کی پرورش میں نہ ہو، یا اس کا مولیٰ غائب ہو صحیح مذہب یہی ہے، اس لئے کی زکوٰۃ دینے سے مانع اس کے مولیٰ کی ملکیت ہونا ہے، اور مولیٰ غنی ہے، البتہ غنی شخص کے اس غلام کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جو اس قدر قرض میں گھرا ہوا ہو کہ اس سے نکلنا دشوار ہو، اسی طرح غنی کے عبدِ ماذون۔ جو مقروض ہو۔ اس کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

مال دار شخص کے نابالغ بچوں کے لئے زکوٰۃ حلال نہیں

اور نا ہی مال دار شخص کے نابالغ بچوں کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے البتہ مال دار کے بالغ بچوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اور مال دار شخص کے اس باپ اور بیوی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جو محتاج و غریب ہو، اور مال دار عورت کے نابالغ بچوں کو زکوٰۃ دینا درست ہے اس لئے اس کو دینے میں کوئی شرعی مانع موجود نہیں ہے۔

وَ لَا إِلَى بَنِي هَاشِمٍ إِلَّا مَنْ أَبْطَلَ النَّصُّ قَرَابَتَهُ وَهُمْ بَنُو لَهَبٍ ، فَتَحِلُّ لِمَنْ أَسْلَمَ مِنْهُمْ كَمَا تَحِلُّ لِبَنِي الْمُطَّلِبِ. ثُمَّ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ إِطْلَاقُ الْمَنْعِ ، وَقَوْلُ الْعَيْنِيِّ وَالْهَاشِمِيِّ: يَجُوزُ لَهُ دَفْعُ زَكَاتِهِ لِمِثْلِهِ صَوَابُهُ لَا يَجُوزُ، نَهْرٌ. وَ لَا إِلَى مَوَالِيهِمْ أَيْ عُتَقَائِهِمْ فَأَرِقَّاؤُهُمْ أَوْلَى لِحَدِيثِ "مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ"، وَهَلْ كَانَتْ تَحِلُّ لِسَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ؟ خِلَافٌ. وَاعْتَمَدَ فِي النَّهْرِ حِلَّهَا لِأَقْرِبَائِهِمْ لَا لَهُمْ وَجَازَتْ التَّطَوُّعَاتُ مِنَ الصَّدَقَاتِ وَ غَلَّةُ الْأَوْقَافِ لَهُمْ أَيْ لِبَنِي هَاشِمٍ، سَوَاءٌ سَمَّاهُمْ الْوَاقِفُ أَوْ لَا عَلَى مَا هُوَ الْحَقُّ كَمَا حَقَّقَهُ فِي الْفَتْحِ ، لَكِنْ فِي السِّرَاجِ وَغَيْرِهِ إِنْ سَمَّاهُمْ جَازَ ، وَإِلَّا لَا. قُلْتُ: وَجَعَلَهُ مُحَشِّي الْأَشْبَاهِ مَحْمَلَ الْقَوْلَيْنِ ، ثُمَّ نَقَلَ صَاحِبُ الْبَحْرِ عَنِ الْمَبْسُوطِ وَهَلْ تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِسَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ؟ قِيلَ نَعَمْ ، وَهَذِهِ

خُصُوصِيَّةٌ لِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقِيلَ لَا بَلْ تَحِلُّ لِقَرَابَتِهِمْ فَهِيَ خُصُوصِيَّةٌ لِقَرَابَةِ نَبِيِّنَا إِكْرَامًا وَإِظْهَارًا لِفَضِيلَتِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيُحْفَظْ. وَلَا تُدْفَعُ إِلَى ذِمِّيٍّ لِحَدِيثِ مُعَاذٍ وَجَازَ دَفْعُ غَيْرِهَا وَغَيْرِ الْعُشْرِ وَالْخَرَاجِ إِلَيْهِ أَيْ الذِّمِّيِّ وَلَوْ وَاجِبًا كَنَذْرٍ وَكَفَّارَةٍ وَفِطْرَةٍ خِلَافًا لِلثَّانِي وَبِقَوْلِهِ يُفْتِي حَاوِي الْقُدْسِيِّ وَأَمَّا الْحَرْبِيُّ وَلَوْ مُسْتَأْمَنًا فَجَمِيعُ الصَّدَقَاتِ لَا تَجُوزُ لَهُ اتِّفَاقًا بَحْرٌ عَنْ الْغَايَةِ وَغَيْرِهَا ، لَكِنْ جَزَمَ الزَّيْلَعِيُّ بِجَوَازِ التَّطَوُّعِ لَهُ.

سیدوں کیلئے زکوٰۃ حلال نہیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نبو ہاشم کے لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔(بقول علامہ شامی عبد مناف کے چار لڑکے تھے: (۱) ہاشم۔ (۲) مطلب۔ (۳) نوفل۔ (۴) عبد شمس۔ پھر ہاشم کے چار لڑکے ہوئے، جس میں صرف عبدالمطلب کی نسل چلی، باقی کی نسل ختم ہوگئی۔ اور عبدالمطلب کے بارہ لڑکے تھے ان میں سے صرف حضرت عباسؓ، حارث اور ابو طالب کی اولاد کے لئے زکوٰۃ حرام ہے، بقیہ لوگوں پر حرام نہیں ہے)۔ (شامی/۳/۲۹۹)

بتایا گیا کہ نبو ہاشم کی اولاد کیلئے زکوٰۃ حرام ہے مگر ہاشمی کی اولاد میں سے اس کیلئے زکوٰۃ حرام نہیں ہے جس کی رشتہ داری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک کی وجہ سے منقطع ہوگئی ہے، جیسے ابولہب کی اولاد ہے، لہٰذا ابولہب کی اولاد میں سے جو ایمان لے آیا اور اسلام میں داخل ہوگیا اس کے لئے زکوٰۃ حلال ہے، جس طرح کہ مطلب کی اولاد کے لئے حلال ہے۔ پھر ظاہر مذہب یہ ہے کہ نبو ہاشم کے لئے زکوٰۃ کا مال لینا مطلقاً ممنوع ہے خواہ نبو ہاشم، نبو ہاشم کو دے یا کوئی غیر بنو ہاشم کو دے اور ہر زمانے میں ممنوع ہے۔ رہا علامہ عینیؒ کا یہ کہنا کہ ہاشمی ہاشمی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے درست ہے، یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ ہاشمی، ہاشمی کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتا، البتہ ابو عصمہ نے امام صاحبؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ اس دور میں چونکہ بنو ہاشم کے لئے مدد کی کوئی صورت باقی نہیں رہی ہے اس لئے نبو ہاشم کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ (شامی/۳/۲۹۹)

بنو ہاشم کے آزاد غلام کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں

اور نہ ہی بنو ہاشم کے آزاد غلام کو زکوٰۃ دینا درست ہے پس ان کے غلاموں کو زکوٰۃ دینا تو بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ غلام کی ملک درحقیقت اس کے مولیٰ کی ملک ہوتی ہے اور آزاد کردہ غلام کو متعلق حدیث شریف میں آیا ہے: ''کسی قوم کا آزاد کردہ غلام ان ہی میں کا ہوتا ہے''۔ لہٰذا ان کے آزاد کردہ غلاموں کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے صدقہ کا حکم

اب رہا یہ مسئلہ کہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطے صدقہ حلال تھا یا نہیں؟ یہ مختلف فیہ ہے نہر الفائق میں انبیاء کرام کے رشتہ داروں کے لئے صدقہ حلال ہونے کی ترجیح دی ہے البتہ بذات خود انبیاء کرامؑ کے صدقہ حلال نہیں ہے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ فقہاء کرام کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر صدقہ حرام نہیں ہے، لیکن حموی نے اس پر اعتراض کیا ہے کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے: ''ہم ازواجِ مطہرات آل محمدؐ میں داخل ہیں ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں ہے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ ازواجِ مطہرات پر بھی صدقہ حرام ہے، لہٰذا یہ مسئلہ قابلِ غور ہے۔

(شامی/۳/۳۰۰)

صدقاتِ نافلہ بنو ہاشم کو دینا

اور بنو ہاشم کو صدقات نافلہ اور اوقاف کی آمدنی سے دینا جائز ہے خواہ وقف کرنے والے نے نبوھاشم کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو، اس بارے میں حق بات یہی ہے جیسا کہ صاحبِ فتح القدیر نے اس کی تحقیق کی ہے، لیکن سراج نامی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر واقف نے بنو ہاشم کا نام لیا ہے تب تو جائز ہے اور اگر واقف نے وقف نامہ میں بنو ہاشم کا نام نہیں درج کیا ہے تو ان کو دینا جائز نہیں ہے۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ الاشباہ والنظائر کے محشی نے سراج الوھاج کی عبارت کو دونوں کا محمل قرار دیا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اگر واقف نے نام لیا ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں، پھر صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم نے مبسوط سے نقل کیا ہے کہ آیا تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے صدقہ کا مال حلال تھا یا نہیں؟ تو اس مسئلہ میں علمائے کرام کا اختلاف ہے، بعض اہل علم نے فرمایا کہ حلال ہے اور یہ صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی کہ آپ کے لئے صدقہ حلال نہیں ہے۔ اور اس بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ صدقہ حضرات انبیاء کرام کے لئے تو جائز نہیں ہے البتہ ان کے رشتہ داروں کے لئے جائز ہے اور یہ بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ کے رشتہ داروں کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام کے لئے آپ کے رشتہ داروں کے لئے بھی صدقہ جائز نہیں ہے، لہٰذا اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح یاد کرلو۔

کافروں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کافروں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے، یعنی ''مسلمان مال داروں سے زکوٰۃ لو اور اس کو فقراء میں تقسیم کردو''۔ البتہ کافر کو زکوٰۃ، عشر اور خراج کے علاوہ دوسری چیزیں دی جاسکتی ہیں، اگر چہ صدقہ واجبہ ہی ہو، جیسے نذر، کفارہ اور فطرہ، لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ کسی بھی صدقہ واجبہ کا کافروں کو دینا جائز نہیں ہے اور فتویٰ حضرت امام یوسفؒ ہی کے قول پر ہے، جیسا کہ حاوی قدسی میں ہے۔ اور رہا حربی کافر تو اس کو کسی طرح کا بھی صدقہ دینا بالاتفاق ناجائز ہے اگر چہ وہ امن کا ویزا لے کر آیا ہو، جیسا کہ البحر الرائق میں غایۃ البیان وغیرہ سے منقول ہے، لیکن علامہ زیلعی نے اس بات پر یقین ظاہر کیا ہے کہ صدقہ نافلہ حربی کو دینا جائز ہے۔

دَفَعَ بِتَحَرٍّ لِمَنْ يَظُنُّهُ مَصْرِفًا فَبَانَ أَنَّهُ عَبْدُهُ أَوْ مُكَاتَبُهُ أَوْ حَرْبِيٌّ وَلَوْ مُسْتَأْمَنًا أَعَادَهَا لِمَا مَرَّ، وَإِنْ بَانَ غِنَاهُ أَوْ كَوْنُهُ ذِمِّيًّا أَوْ أَنَّهُ أَبُوهُ أَوْ ابْنُهُ أَوْ امْرَأَتُهُ أَوْ هَاشِمِيٌّ لَا يُعِيدُ لِأَنَّهُ أَتَى بِمَا فِي وُسْعِهِ، حَتَّى لَوْ دَفَعَ بِلَا تَحَرٍّ لَمْ يَجُزْ إِنْ أَخْطَأَ. وَكُرِهَ إِعْطَاءُ فَقِيرٍ نِصَابًا أَوْ أَكْثَرَ إِلَّا إِذَا كَانَ الْمَدْفُوعُ إِلَيْهِ مَدْيُونًا أَوْ كَانَ صَاحِبَ عِيَالٍ بِحَيْثُ لَوْ فَرَّقَهُ عَلَيْهِمْ لَا يَخُصُّ كُلًّا أَوْ لَا يَفْضُلُ بَعْدَ دَيْنِهِ نِصَابٌ فَلَا يُكْرَهُ فَتْحٌ. وَكُرِهَ نَقْلُهَا إِلَّا إِلَى قَرَابَةٍ بَلْ فِي الظَّهِيرِيَّةِ لَا تُقْبَلُ صَدَقَةُ الرَّجُلِ وَقَرَابَتُهُ مَحَاوِيجُ حَتَّى يَبْدَأَ بِهِمْ فَيَسُدَّ حَاجَتَهُمْ أَوْ أَحْوَجَ أَوْ أَصْلَحَ أَوْ أَوْرَعَ أَوْ أَنْفَعَ لِلْمُسْلِمِينَ أَوْ مِنْ دَارِ الْحَرْبِ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ أَوْ إِلَى طَالِبِ عِلْمٍ وَفِي الْمِعْرَاجِ التَّصَدُّقُ عَلَى الْعَالِمِ الْفَقِيرِ أَفْضَلُ أَوْ إِلَى الزُّهَّادِ أَوْ كَانَتْ مُعَجَّلَةً قَبْلَ تَمَامِ الْحَوْلِ فَلَا يُكْرَهُ خُلَاصَةٌ. وَلَا يَجُوزُ صَرْفُهَا لِأَهْلِ الْبِدَعِ كَالْكَرَّامِيَّةِ ؛ لِأَنَّهُمْ مُشَبِّهَةٌ فِي ذَاتِ اللّٰهِ وَكَذَا الشُّبْهَةُ فِي الصِّفَاتِ فِي الْمُخْتَارِ؛ لِأَنَّ مُفَوِّتَ الْمَعْرِفَةِ مِنْ جِهَةِ الذَّاتِ يُلْحَقُ بِمُفَوِّتِ الْمَعْرِفَةِ مِنْ جِهَةِ الصِّفَاتِ مَجْمَعُ الْفَتَاوَى كَمَا لَا يَجُوزُ دَفْعُ زَكَاةِ الزَّانِي لِوَلَدِهِ مِنْهُ أَيْ مِنَ الزِّنَى وَكَذَا الَّذِي نَفَاهُ احْتِيَاطًا إِلَّا إِذَا كَانَ الْوَلَدُ مِنْ ذَاتِ زَوْجٍ مَعْرُوفٍ فُصُولَيْنِ وَالْكُلُّ فِي الْأَشْبَاه. وَلَا يَحِلُّ أَنْ يَسْأَلَ مِنَ الْقُوتِ مَنْ لَهُ قُوتُ يَوْمِهِ بِالْفِعْلِ أَوْ بِالْقُوَّةِ كَالصَّحِيحِ الْمُكْتَسِبِ وَيَأْثَمُ مُعْطِيهِ إِنْ عَلِمَ بِحَالِهِ لِإِعَانَتِهِ عَلَى الْمُحَرَّمِ وَلَوْ سَأَلَ

لِلْكِسْوَةِ أَوْ لِاشْتِغَالِهِ عَنِ الْكَسْبِ بِالْجِهَادِ أَوْ طَلَبِ الْعِلْمِ جَازَ لَوْ مُحْتَاجًا.

زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ زکوٰۃ غیر مستحق کو دیا گیا تو کیا حکم ہے؟

ایک شخص نے نہایت غور وفکر کر کے کسی مستحق کوزکوٰۃ سمجھ کرزکوٰۃ دیا پھر بعد میں یہ معلوم ہوا کہ جس کوزکوٰۃ دی ہے وہ اس کا غلام ہے یا اس کا مکاتب ہے یا حربی کافر ہے اگر چہ وہ امن لے کر ہی کیوں نہ آیا، مذکورہ تمام صورتوں میں دوبارہ زکوٰۃ ادا کرے گا، جیسا کہ یہ بات پہلے گذر چکی ہے اور اگر زکوٰۃ دینے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ جس کو زکوٰۃ دی گئی ہے وہ مالدار تھا یا ذمی تھا، یا یہ معلوم ہوا کہ وہ اس کا باپ یا بیٹا یا اس کی بیوی تھی یا کوئی ہاشمی تھا تو ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ کا اعادہ لازم نہیں ہے اس لئے کی جو کچھ اس کی طاقت میں تھا وہ کیا، البتہ اگر بلا غور وفکر کے اس نے زکوٰۃ ادا کر دی اور معلوم ہوا کہ غیر مستحق کو دے دیا گیا تو زکوٰۃ دینا جائز نہ ہوگا۔

کسی کو اتنا مال زکوٰۃ میں دینا کہ وہ صاحب نصاب ہو جائے مکروہ ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک محتاج وفقیر کوزکوٰۃ میں اتنا مال دے دینا کہ نصاب اس سے زیادہ ہو مکروہ ہے، البتہ جس کو بقدر نصاب یا اس سے زیادہ زکوٰۃ دی گئی ہے وہ مقروض ہے یا کثیر العیال ہے اگر زکوٰۃ کا مال ان سب پر تقسیم کر دیا جائے تو ہر ایک کو نصاب کے برابر پہنچے گا، یا قرض ادا کرنے کے بعد بقدر نصاب نہ پہنچے تو یہ مکروہ نہیں ہے، جیسا کہ فتح القدیر میں یہ مسئلہ موجود ہے۔

زکوٰۃ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا

ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف زکوٰۃ کی رقم منتقل کرنا مکروہ ہے البتہ اگر اس کے رشتہ دار دوسرے شہر میں رہتے ہوں تو دوسرے شہر کی طرف زکوٰۃ کی رقم منتقل کرنا مکروہ نہیں ہے بلکہ فتاویٰ ظہیریہ میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس شخص کا صدقہ قبول نہیں ہوتا ہے جس کے رشتہ دار محتاج ہوں اور وہ ان کو چھوڑ کر دوسرے کوزکوٰۃ دے، بلکہ اس کا فرض ہے اپنے محتاج رشتہ داروں سے زکوٰۃ وصدقات دینا شروع کرے، اور ان کی ضرورت کی تکمیل کرے۔

جن کو زکوٰۃ دینا افضل ہے

جن لوگوں کو زکوٰۃ دینا افضل ہے ان کی تفصیل قہستانی میں یہ ہے، بھائی، بہن، پھر ان کی اولاد، پھر چچا، پھوپھی، ماموں،

خالو، خالہ، ذوی الارحام، پھر پڑوسی، پھر اس کی گلی میں رہنے والے محتاج، پھر اس کے شہر کے رہنے والے محتاج، مذکورہ لوگوں کو زکوٰۃ کا مال دینا افضل ہے۔ (شامی/۳/۳۰۴)

اس وقت بھی زکوٰۃ منتقل کرنا مکروہ نہیں ہے جب کہ دوسرے شہر کے لوگ زیادہ محتاج ہوں یا زیادہ صالح ہوں یا زیادہ متقی وپرہیزگار ہوں، یا اس سے مسلمانوں کو زیادہ نفع پہنچتا ہو، یا زکوٰۃ کا مال دارالحرب سے دارالاسلام منتقل کرے یا طالب علم کی طرف زکوٰۃ کا مال منتقل کرے تو یہ مکروہ نہیں ہے۔ اور معراج الدرایہ میں کہ عالم فقیر پر صدقہ کرنا جاہل فقیر کی نسبت زیادہ افضل ہے، زکوٰۃ کا مال زاہدوں کی طرف منتقل کرنا بھی مکروہ نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص سال مکمل ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا کررہا ہو تو اس کے لئے منتقل کرنا مکروہ نہیں ہے، جیسا کہ خلاصہ نامی کتاب میں مذکور ہے۔

بدعتیوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

بدعتی لوگوں پر زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا مذہب مختار کے مطابق جائز نہیں ہے جیسے فرقہ کرامیہ۔ (فرقۂ کرامیہ محمد بن کرام نامی شخص کی طرف منسوب ہے، جس کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ٹھہرا ہوا ہے اور اسم جوہر کا اطلاق باری تعالیٰ پر ہوسکتا ہے)۔ (شامی/۳/۳۰۵)

فرقۂ کرامیہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں تشبیہ کا قائل ہے اور یہی حکم اس فرقہ کا ہے جو صفاتِ خداوندی میں تشبیہ کا قائل ہے اور یہ فرقہ بعض صفاتِ خداوندی کو حادث مانتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی ذات کو صفات کے اعتبار سے فوت کرنے والا ہوتا ہے وہ معرفت خدا کا باعتبار ذات فوت کرنے والے کے ساتھ ملحق ہے یعنی تشبیہ ذات اور تشبیہ صفات دونوں کا حکم یکساں ہے، جیسا کہ مجمع الفتاویٰ میں ہے۔

زنا سے پیدا شدہ بیٹے کو زکوٰۃ دینے کا شرعی حکم

بدعتی کو زکوٰۃ دینا اسی طرح جائز نہیں ہے جس طرح کہ زانی کا اپنے اس بیٹے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے جو زنا سے پیدا ہوا ہو، اسی طرح اس بیٹے کو بھی زکوٰۃ دینا احتیاطاً جائز نہیں ہے جس کا وہ انکار کرچکا ہے۔ (خواہ وہ لڑکا ام ولد کا ہو، یا لعان کی وجہ سے انکار عمل میں آیا ہو)۔ البتہ اس لڑکے کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جو ایسی عورت کا لڑکا ہو جسکا شوہر مشہور ہو اور لوگ اسے جانتے پہچانتے ہوں۔ اور یہ سارا مسئلہ الاشباہ والنظائر میں موجود ہے۔

سوال کرنا کب ناجائز ہے اور کب جائز؟

جس شخص کے پاس ایک دن کی روزی موجود ہو اس کے لئے غیروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا اور سوال کرنا جائز نہیں ہے خواہ ایک دن کی روزی بالفعل موجود ہو یا بالقوۃ موجود ہو، یعنی حقیقت میں روزی تو موجود نہ ہو لیکن وہ ایسا تندرست اور صحت مند ہے کہ کما سکتا ہے، تو ایسے شخص کے لئے کھانا مانگنا جائز نہیں ہے۔ (البتہ ضرورت کی دوسری چیز مثلاً کپڑا وغیرہ مانگ سکتا ہے)۔ اور جو شخص ایسے آدمی کا حال جانتے ہوئے اس کو کچھ دے گا تو گناہ گار ہوگا، اس لئے کہ یہ فعل حرام پر تعاون کرنا ہوگا، اگر کوئی شخص کپڑے یا روزی کا سوال کرے اور جہاد اور طلب علم میں مشغول ہونے کی وجہ سے کما نہیں سکتا ہے تو اگر واقعتاً محتاج ہے تو سوال کرنا جائز ہے اگرچہ عظیم الجثہ اور کمانے پر قادر ہی کیوں نہ ہو۔

فُرُوعٌ: يُنْدَبُ دَفْعُ مَا يُغْنِيهِ يَوْمَهُ عَنِ السُّؤَالِ ، وَاعْتِبَارُ حَالِهِ مِنْ حَاجَةٍ وَعِيَالٍ. وَالْمُعْتَبَرُ فِي الزَّكَاةِ فُقَرَاءُ مَكَانُ الْمَالِ ، وَفِي الْوَصِيَّةِ مَكَانُ الْمُوصِي ، وَفِي الْفِطْرَةِ مَكَانُ الْمُؤَدِّي عِنْدَ مُحَمَّدٍ ، وَهُوَ الْأَصَحُّ ، وَأَنَّ رُؤُوسَهُمْ تَبَعٌ لِرَأْسِهِ. دَفَعَ الزَّكَاةَ إِلَى صِبْيَانِ أَقَارِبِهِ بِرَسْمِ عِيدٍ أَوْ إِلَى مُبَشِّرٍ أَوْ مُهْدِي الْبَاكُورَةِ جَازَ إِلَّا إِذَا نَصَّ عَلَى التَّعْوِيضِ ، وَلَوْ دَفَعَهَا لِأُخْتِهِ وَلَهَا عَلَى زَوْجِهَا مَهْرٌ يَبْلُغُ نِصَابًا وَهُوَ مَلِيءٌ مُقِرٌّ ، وَلَوْ طَلَبَتْ لَا يَمْتَنِعُ عَنِ الْأَدَاءِ لَا تَجُوزُ وَإِلَّا جَازَ وَلَوْ دَفَعَهَا الْمُعَلِّمُ لِخَلِيفَتِهِ إِنْ كَانَ بِحَيْثُ يَعْمَلُ لَهُ لَوْ لَمْ يُعْطِهِ وَإِلَّا لَا، وَلَوْ وَضَعَهَا عَلَى كَفِّهِ فَانْتَهَبَهَا الْفُقَرَاءُ جَازَ ؛ وَلَوْ سَقَطَ مَالٌ فَرَفَعَهُ فَقِيرٌ فَرَضِيَ بِهِ جَازَ إِنْ كَانَ يَعْرِفُهُ وَالْمَالُ الْقَائِمُ خُلَاصَةٌ.

شارح علیہ الرحمہ کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل واحکام

مستحق زکوٰۃ کو اتنا مال دینا مستحب ہے کہ اس دن اس کو سوال کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے، اور بقدر کفایت کا اعتبار اس کی ضرورت اور اس کی زیر پرورش افراد کی نسبت سے ہوگا کہ اس کی ضرورت کتنے میں پوری ہو جائے گی، مستحقین ومحتاجین کو زکوٰۃ دینے میں اس جگہ کا اعتبار ہوگا جہاں مال زکوٰۃ پایا جاتا ہو۔ اور وصیت کرنے کی صورت میں وصیت کرنے والے کی جگہ کا اعتبار ہے اور صدقۃ الفطر میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس جگہ کا اعتبار ہے جہاں فطرہ ادا کرنے والا ہو، یہی صحیح قول ہے۔ (جن لوگوں کی طرف سے فطرہ ادا کیا جارہا ہے ان کا اعتبار نہیں ہے کیوں کہ جن کی طرف سے فطرہ ادا کیا جارہا ہے وہ ادا کرنے والے کے تابع ہیں)۔

عید کی تقریب میں زکوٰۃ دینا

عید کے جشن کے موقع پر اپنے اقارب واعزاء کے بچوں کو زکوٰۃ دینا، یا خوش خبری سنانے والے کو زکوٰۃ دینا یا اس شخص کو زکوٰۃ دینا جو نیا پھل لایا ہے جائز ہے، البتہ اگر معاوضہ کی صراحت کر کے دے تو پھر جائز نہیں ہے۔

اپنی اس بہن کو زکوٰۃ دینا جو مہر کی وجہ سے صاحبِ نصاب ہو جائز نہیں

اپنی اس بہن کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز نہیں ہے جس کا اتنا مہر اس کے شوہر کے ذمہ باقی ہو جو نصاب کو پہنچ جاتا ہو اور اس کا شوہر مالدار ہو اور مہر کا اقرار کرتا ہو اور عورت کے مطالبہ پر دینے سے انکار نہ کرتا ہو، البتہ اگر اس کا شوہر اس طرح نہیں ہے، یا مہر نصابِ شرعی سے کم شوہر کے ذمہ ہے تو اس کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے۔

معلّم کا اپنے خلیفہ کو زکوٰۃ دینا

اگر معلّم اپنی زکوٰۃ اپنے اس خلیفہ کو دے جو نہ دینے کی صورت میں بھی کام کرتا رہتا ہو تو یہ دینا جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے، یعنی اگر معلّم اس کو نہ دیتا ہو تو کام بند کر دیتا ہو تو اپنی زکوٰۃ قائم مقام کو دینا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں یہ دیا ہوا مال بدلہ میں ہو جاتا ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنے کی ایک صورت

اگر کسی نے زکوٰۃ کا مال زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت سے اپنی ہتھیلی پر رکھا چنانچہ فقیروں نے اس کو لوٹ لیا تو یہ بھی جائز ہے اور اس طرح بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، کیوں کہ مال نکالنے والے نے زکوٰۃ کی نیت سے نکال کر ہتھیلی پر رکھی ہے اور جب فقیروں نے اس کو لوٹ لیا تو وہ اس کی ملکیت ہو گئی۔ اور اگر پہلے سے زکوٰۃ کی نیت نہ کی ہو لیکن لوٹنے کے بعد اور فقیروں کے خرچ کرنے سے پہلے زکوٰۃ کی نیت صاحبِ مال نے کر لی تو بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

اور اگر مال ہاتھ سے گر گیا اور اس کو فقیر نے اٹھا لیا اور صاحبِ مال اس پر راضی بھی ہو گیا تو بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ اس کو پہچانتا ہو اور مال فقیر کے قبضہ میں موجود ہو، جیسا کہ خلاصہ نامی کتاب میں مذکور ہے۔ (اور مال کے موجود ہونے کی شرط اس لئے لگائی ہے کہ اگر فقیر کے قبضہ سے مال ہلاک ہونے کے بعد صاحبِ مال رضامندی ظاہر کرتا ہے تو اس کی یہ نیت صحیح نہ ہوگی اور پہچاننے کی قید اس لئے لگائی ہے تا کہ مجہول آدمی کو مالک بنانا لازم نہ آئے)۔ (شامی/۳/۳۰۸)

باب صدقة الفطر

یہ باب صدقہ فطر کے احکام ومسائل کے بیان میں

مِنْ إِضَافَةِ الْحُكْمِ لِشَرْطِهِ وَالْفِطْرُ لَفْظٌ إِسْلَامِيٌّ وَالْفِطْرَةُ مُوَلَّدٌ ، بَلْ قِيلَ لَحْنٌ وَأُمِرَ بِهَا فِي السَّنَةِ الَّتِي فُرِضَ فِيهَا رَمَضَانُ قَبْلَ الزَّكَاةِ وَكَانَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يَخْطُبُ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمَيْنِ يَأْمُرُ بِإِخْرَاجِهَا ذَكَرَهُ الشُّمُنِّيُّ تَجِبُ وَحَدِيثُ "فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ" مَعْنَاهُ قَدَّرَ لِلْإِجْمَاعِ عَلَى أَنَّ مُنْكِرَهَا لَا يَكْفُرُ مُوَسَّعًا فِي الْعُمْرِ عِنْدَ أَصْحَابِنَا وَهُوَ الصَّحِيحُ. بَحْرٌ عَنِ الْبَدَائِعِ مُعَلِّلًا بِأَنَّ الْأَمْرَ بِأَدَائِهَا مُطْلَقٌ الزَّكَاةِ عَلَى قَوْلٍ كَمَا مَرَّ ، وَلَوْ مَاتَ فَأَدَّاهَا وَارِثُهُ جَازَ وَقِيلَ مُضَيَّقًا فِي يَوْمِ الْفِطْرِ عَيْنًا فَبَعْدَهُ يَكُونُ قَضَاءً وَاخْتَارَهُ الْكَمَالُ فِي تَحْرِيرِهِ وَرَجَّحَهُ فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ عَلَى كُلِّ حُرٍّ مُسْلِمٍ وَلَوْ صَغِيرًا مَجْنُونًا ، حَتَّى لَوْ لَمْ يُخْرِجْهَا وَلِيُّهُمَا وَجَبَ الْأَدَاءُ بَعْدَ الْبُلُوغِ ذِي نِصَابٍ فَاضِلٍ عَنْ حَاجَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ كَدَيْنِهِ وَحَوَائِجِ عِيَالِهِ وَإِنْ لَمْ يَتِمَّ كَمَا مَرَّ.

زکوۃ کے متعلق احکام ومسائل بیان کرنے کے بعد مصنف علیہ الرحمہ نے صدقۃ الفطر کا بیان شروع کیا ہے دونوں کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ دونوں عبادتِ مالیہ ہیں۔ مبسوط میں صدقۃ الفطر کے بیان کو روزہ کے بعد لایا ہے کیوں کہ صدقۃ الفطر رمضان کے روزے ختم کرنے کے بعد نکالا جاتا ہے گویا مبسوط میں وجودِ ترتیبی کا اعتبار کیا گیا ہے۔

یہاں **صَدَقَةُ الفِطرِ** میں صدقہ کی اضافت فطر کی طرف اضافت الحکم الی الشرط کے قبیل سے ہے، یعنی حکم کی اضافت اس کی شرط کی طرف ہے۔ (اور یہ حکم سے مراد صدقہ کا وجوب اداء ہے اور صدقہ کے واجب ہونے کی شرط فطر ہے)۔

''فطر'' اسلامی لفظ ہے اور لفظ ''فطرہ'' خودساختہ لفظ ہے، بلکہ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ لفظ فطرہ غلط ہے۔ (شارح علیہ الرحمہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صدقۃ الفطر میں لفظ فطر جو مضاف الیہ واقع ہوا ہے ایک اسلامی لفظ ہے اور حضرات فقہاء کی اصطلاح ہے جو ایک مخصوص دن کا نام ہے۔ اور فطرہ کا جو لفظ آیا ہے وہ غلط ہے)۔

صدقۂ فطر کا وجوب

صدقۂ فطر کے وجوب کا حکم زکوٰۃ سے پہلے اس سال ہوا جس سال رمضان المبارک کا روزہ فرض ہوا ہے۔(اور رمضان المبارک کا روزہ تحویل قبلہ کے بعد شعبان میں فرض ہوا ہے۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رمضان میں عید سے دو دن پہلے صدقۂ فطر کا حکم دیا)۔ (شامی/۳/۳۱۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ عید سے دو دن پہلے آپ ایک خطبہ دیا کرتے تھے اور اسی خطبہ میں آپ لوگوں کو صدقۂ فطر نکالنے کا حکم فرماتے تھے اس کو قسطنی نے ذکر کیا ہے۔(عبدالرزاق نے اس کی بسند صحیح تخریج کی ہے، حضرت عبداللہ بن ثعلبہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید سے ایک دن یا دو دن پہلے خطبہ دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ: اے لوگو! دو آدمیوں کی طرف سے ایک صاع گیہوں ادا کرو، یا ہر شخص کی طرف سے ایک صاع کھجور یا جو صدقۃ الفطر میں دیا کرو، خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، چھوٹا ہو یا بڑا، کذا فی فتح القدیر)۔ (شامی/۳/۳۱۰)

فطرہ ادا کرنا واجب ہے نہ کہ فرض

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صدقۃ الفطر ادا کرنا واجب ہے نہ کہ فرض۔اور جس حدیث شریف میں یہ فرمایا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۃ الفطر کو فرض کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اجماع کی وجہ سے مقرر کیا ہے اور زکوٰۃ الفطر کا منکر کافر نہیں ہوتا ہے۔(البتہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک صدقۃ الفطر فرض ہے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں ہے:

إنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلَّى اللّٰهُ عَلَيه وسلَّم فَرَضَ زَكوٰةَ الفِطرِ مِن رَمَضانَ عَلَى النَّاسِ صَاعًا مِن تَمرٍ أو صَاعًا مِن شَعِيرٍ عَلَىٰ كُلِّ حُرٍّ وَ عَبْدٍ ذَكَرٍ أو أُنثىٰ مِنَ المُسْلِمِينَ. (بخاري/۱)

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر عاقل و بالغ آزاد مسلمان پر خواہ مرد ہو یا عورت، ہر رمضان المبارک میں گندم اور جو میں سے ایک بطور صدقۃ الفطر فرض قرار دیا ہے"۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ صدقۃ الفطر فرض ہے، جیسا کہ شوافع کا قول ہے۔احناف علماء فرماتے ہیں کہ صدقۃ الفطر واجب ہے اور یہاں لفظ فرض قدر کے معنی میں ہے، جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ**" کے اندر فرض بمعنی قدر یعنی تعیین کے معنی میں ہے۔اسی طرح اہل عرب استعمال کرتے ہیں: "**فَرَضَ القَاضِي النَّفَقَةَ**"۔ قاضی نے نفقہ متعین کیا ہے۔دوسری بات یہ بھی ہے کہ دلیل ظنی سے وجوب کا ثبوت ہوتا ہے، ثبوتِ فرض کے لئے دلیل قطعی

کا ہونا ضروری ہے، یہاں دلیل قطعی نہیں ہے۔ نیز شوافع کے یہاں بھی صدقۃ الفطر کی فرضیت اس طرح نہیں ہے کہ اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے، معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی نماز کے مثل فرض نہیں ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں بھی "فرض" سے فرضِ اصطلاحی ہی مراد لیا جا سکتا ہے، لیکن ان صحابہ کرامؓ کے لئے ہے جنہوں نے براہ راست یہ حکم اللہ کے رسول سے سنا ہے، اس کے برخلاف جن کے پاس قطعی واسطوں سے یہ حدیث نہیں پہنچی ہے ان پر یہ حکم واجب ہے اسی وجہ سے فقہا کرام نے فرمایا کہ اللہ کے رسول کے زمانے میں واجب کا وجود نہیں تھا۔ (شامی/۳/۳۱۱)

صدقۃ الفطر علی الفور واجب نہیں ہے

علمائے احناف کے نزدیک صدقۃ الفطر کا وجوب اس طرح ہے کہ زندگی میں کبھی بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ اور اس بارے میں یہی قول صحیح ہے، اس کو صاحب البحر الرائق نے بدائع الصنائع سے نقل کیا ہے۔ اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ بے شک صدقۃ الفطر کی ادائیگی کا حکم مطلقاً ہے وقت کی کوئی قید نہیں ہے، لہٰذا زندگی میں جب بھی ادا کرے گا ادا ہی کہلائے گا قضا نہیں کہلائے گا، البتہ عیدگاہ جانے سے پہلے ادا کر دینا مستحب ہے۔ (شامی/۳/۳۱۱)

مسئلہ: ایک شخص پر صدقۃ الفطر واجب تھا اور اس نے ادا نہیں کیا بلکہ اس کا انتقال ہو گیا، تو اگر اس کا وارث اس کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کر دے تو یہ جائز ہے۔ (لیکن علامہ شامیؒ الجوہرۃ نامی کتاب کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جس آدمی کے ذمہ زکوٰۃ، یا صدقۃ الفطر، یا کفارہ، یا نذر واجب ہو اور اس کا انتقال ہو جائے تو ہمارے نزدیک اس کے ترکہ سے نہیں لیا جائے گا بلکہ وارثین بطور خود احسان کریں تو ٹھیک ہے ورنہ ان پر واجب نہیں ہے، ہاں اگر مرنے والے نے وصیت کی ہے تو اس کے ثلث مال میں وصیت جاری ہوگی اور ادا کیا جائے گا)۔ (شامی/۳/۳۱۱)

صدقۃ الفطر کی ادائیگی کے متعلق دوسرا قول

ابھی چند سطر قبل یہ بات گذری ہے کہ صحیح قول کے مطابق صدقۃ الفطر پوری زندگی میں جب بھی ادا کی جائے ادا ہی ہوگا، لیکن اس بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ صدقۃ الفطر کی ادائیگی بطور خاص عید کے دن کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا اگر کوئی شخص عید کے دن صدقۃ الفطر ادا نہیں کر سکا، بلکہ بعد میں ادا کیا تو یہ قضاء ہوگا، تحریر میں علامہ کمال نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور تنویر الابصار میں اس قول کو راجح قرار دیا ہے۔ (لیکن علامہ مقدسی نے لکھا ہے کہ عہد نبوت میں حضرات صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے عید سے ایک دو دن پہلے صدقۃ الفطر نکال دیتے تھے جیسا کہ خود ابن ہمام نے بھی کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقۃ الفطر کا ادا کرنا عید کے دن کے ساتھ خاص نہیں ہے اس لئے کہ اگر اسی دن کے ساتھ مقید ہوتا

تو صحابہ کرام عید سے پہلے ادا نہ کرتے جس طرح کہ قربانی ایام قربانی سے پہلے نہیں کرتے تھے، البتہ جس حدیث میں یہ حکم ہے کہ فقراء کو اس دن مانگنے سے بے نیاز کردو وہ استحباب پر محمول ہے)۔ (شامی/۳/۳۱۲)

صدقۃ الفطر کن مسلمانوں پر واجب ہے

صدقۃ الفطر ہر اس مسلمان پر واجب ہے جو آزاد ہو اور نصاب والا ہو، اور وہ نصاب اس کی حاجت اصلیہ سے اور اس کے بال بچوں کی ضرورت سے زیادہ ہو البتہ اس نصاب کا نامی یعنی بڑھنے والا ہونا ضروری نہیں ہے، اگر چہ وہ آزاد صاحب نصاب، مسلمان، نابالغ اور مجنون ہی کیوں نہ ہو پھر بھی صدقۃ الفطر واجب ہے۔ مالدار نابالغ اور مجنون کے مال سے اس کا ولی صدقۃ الفطر ادا کرے گا، اگر اس نے صدقۃ الفطر ادا نہیں کیا تو بلوغ کے بعد ادا کرنا واجب ہے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ صدقۃ الفطر غلام پر اور کافر پر واجب نہیں ہے اگر چہ اس کا بیٹا اور غلام مسلمان ہو)۔

وَبِهِ أَيْ بِهٰذَا النِّصَابِ تَحْرُمُ الصَّدَقَةُ كَمَا مَرَّ، وَتَجِبُ الْأُضْحِيَّةُ وَنَفَقَةُ الْمَحَارِمِ عَلَى الرَّاجِحِ. وَ إِنَّمَا لَمْ يُشْتَرَطُ النُّمُوُّ، لِأَنَّ وُجُوبَهَا بِقُدْرَةٍ مُمْكِنَةٍ هِيَ مَا يَجِبُ بِمُجَرَّدِ التَّمَكُّنِ مِنَ الْفِعْلِ فَلَا يُشْتَرَطُ بَقَاؤُهَا لِبَقَاءِ الْوُجُوبِ، لِأَنَّهَا شَرْطٌ مَحْضٌ لَا بِقُدْرَةٍ مُيَسِّرَةٍ هِيَ مَا يَجِبُ بَعْدَ التَّمَكُّنِ بِصِفَةِ الْيُسْرِ، فَغَيَّرَتْهُ مِنَ الْعُسْرِ إِلَى الْيُسْرِ فَيُشْتَرَطُ بَقَاؤُهَا، لِأَنَّهَا فِي مَعْنَى الْعِلَّةِ وَقَدْ حَرَّرْنَاهُ فِيمَا عَلَّقْنَاهُ عَلَى الْمَنَارِ ثُمَّ فَرَّعَ عَلَيْهِ فَلَا تَسْقُطُ الْفِطْرَةُ وَكَذَا الْحَجُّ بِهَلَاكِ الْمَالِ بَعْدَ الْوُجُوبِ كَمَا لَا يَبْطُلُ النِّكَاحُ بِمَوْتِ الشُّهُودِ بِخِلَافِ الزَّكَاةِ وَالْعُشْرِ وَالْخَرَاجِ لِاشْتِرَاطِ بَقَاءِ الْمَيْسَرَةِ عَنْ نَفْسِهِ مُتَعَلِّقٌ بِيَجِبُ وَإِنْ لَمْ يَصُمْ لِعُذْرٍ وَطِفْلِهِ الْفَقِيرِ وَالْكَبِيرِ الْمَجْنُونِ، وَلَوْ تَعَدَّدَ الْآبَاءُ فَعَلَى كُلٍّ فِطْرَةٌ وَلَوْ زَوَّجَ طِفْلَتَهُ الصَّالِحَةَ لِخِدْمَةِ الزَّوْجِ فَلَا فِطْرَةَ وَالْجَدُّ كَالْأَبِ عِنْدَ فَقْدِهِ أَوْ فَقْرِهِ كَمَا اخْتَارَهُ فِي الْاِخْتِيَارِ وَعَبْدُهُ لِخِدْمَتِهِ وَلَوْ مَدْيُونًا أَوْ مُسْتَأْجَرًا أَوْ مَرْهُونًا إِذَا كَانَ عِنْدَهُ وَفَاءٌ بِالدَّيْنِ. وَأَمَّا الْمُوصَى بِخِدْمَتِهِ لِوَاحِدٍ وَبِرَقَبَتِهِ لِآخَرَ فَفِطْرَتُهُ عَلَى مَالِكِ رَقَبَتِهِ كَالْعَبْدِ الْعَارِيَةِ الْوَدِيعَةِ وَالْجَانِي وَقَوْلُ الزَّيْلَعِيِّ لَا تَجِبُ سَبْقُ قَلَمٍ فَتْحٌ. وَمُدَبَّرِهِ وَأُمِّ وَلَدِهِ وَلَوْ كَانَ عَبْدُهُ كَافِرًا لِتَحَقُّقِ السَّبَبِ وَهُوَ رَأْسٌ يَمُونُهُ وَيَلِي عَلَيْهِ.

صاحبِ نصاب کے لئے صدقہ واجبہ لینا حرام ہے

اور اسی نصاب کی وجہ سے صدقہ واجبہ لینا حرام ہے یعنی جو شخص صدقہ فطر کے نصاب کا مالک ہوگا اس کے واسطے صدقہ واجبہ لینا شرعی اعتبار سے حرام ہے جیسا کہ اس سے پہلے یہ مسئلہ گذر چکا ہے۔ اور اسی نصاب کے مالک ہونے سے اس پر قربانی اور رشتہ داروں کا خرچہ واجب ہوتا ہے، یہی قول راجح ہے۔

صدقۃ الفطر کے نصاب میں نامی کی شرط نہ ہونے کی وجہ

صدقۃ الفطر کے نصاب میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے نامی ہونے کی شرط اس لئے نہیں لگائی ہے کہ صدقہ فطر کا وجوب قدرتِ ممکنہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور قدرت ممکنہ اس کو کہتے ہیں جو محض فعل پر قادر ہونے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، اسی وجہ سے وجوب کے باقی رہنے کے لئے قدرت کا باقی رہنا شرط نہیں ہے اس لئے کی یہ صرف شرط محض ہے۔

قدرت کے اقسام

درحقیقت قدرت کی دو قسمیں ہیں: (۱) قدرت ممکنہ جس کو قدرت مطلقہ بھی کہتے ہیں۔ (۲) قدرت میسرہ۔

قدرت ممکنہ یا قدرت مطلقہ اس قدرت کو کہتے ہیں کہ جو محض نفس فعل پر قادر ہونے کی وجہ سے مامور بہ کو ادا کرنا واجب ہو، اس میں وسعت نہ ہو، اور مالداری معتبر نہ ہو، جیسے صدقۃ الفطر کا نصاب قدرت ممکنہ ہے، بقدر نصاب مال کے مالک ہونے کے بعد صدقۃ الفطر واجب ہو جاتا ہے اس میں حولانِ حول شرط نہیں ہے اور نہ ہی مال نامی ہونا شرط ہے۔

قدرت میسرہ اس کو کہتے ہیں کہ مامور بہ قدرت کے بعد سہولت کے ساتھ واجب ہو، چنانچہ صدقہ فطر کے وجوب کے لئے قدرت میسرہ شرط نہیں ہے، بلکہ قدرتِ ممکنہ ہی کافی ہے اس قدرتِ میسرہ نے اس کو دشواری سے آسانی کی طرف بدل دیا ہے چنانچہ اس قدرتِ میسرہ کا باقی رہنا شرط قرار دیا ہے اس لئے کی یہ قدرت شرط یعنی علت ہے اور ہم نے اس کو تعلیقات میں صراحت کے ساتھ لکھ دیا ہے جو منار پر کی ہے۔

صدقۃ الفطر اور حج واجب ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوتا ہے

قدرت ممکنہ اور قدرت میسرہ پر تفریع کرتے ہوئے مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صدقۃ الفطر اور اسی طرح حج واجب ہو جانے کے بعد مال کے ہلاک ہونے سے ساقط نہیں ہوتا ہے جس طرح کہ گواہوں کے مرجانے سے نکاح باطل نہیں ہوتا

ہے، اس کے برخلاف زکوۃ، عشر اور خراج ہے ذمہ میں واجب ہو جانے کے بعد اگر مال ہلاک ہو گیا تو ان کا وجوب ذمہ سے ساقط ہو جائے گا، کیوں کہ ان میں قدرت میسرہ کا باقی رہنا شرط ہے۔ ہاں اگر مال قصداً ہلاک کر دیا تو پھر ذمہ سے زکوۃ ساقط نہ ہوئی۔

صدقۃ الفطر کن کن لوگوں کی طرف سے ادا ہوگا؟

صدقۃ الفطر اپنی طرف سے ادا کرنا شرعی اعتبار سے واجب ہے اگر چہ اس نے شرعی عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھا ہو، اور اپنے چھوٹے نابالغ محتاج بچہ اور بچی کی طرف سے، نیز اس بالغ بچہ اور بچی کی طرف سے جو پاگل ہو گیا ہو ادا کرنا واجب ہے، اگر کسی بچے کے کئی باپ ہوں تو ہر ایک باپ پر اس کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کرنا واجب ہے۔ (متعدد باپ ہونے کی یہ صورت ہوگی ایک شخص نے ایک بچہ گرا پڑا پایا اس پر دو آدمیوں نے اپنا بیٹا ہونے کا دعویٰ کر دیا تو اس صورت میں دونوں اس کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کریں گے)۔

اور اگر کسی نے اپنی ایسی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیا جو اپنے شوہر کی خدمت کرنے کے لائق ہے تو باپ پر اس لڑکی کی طرف سے فطرہ ادا کرنا واجب نہیں ہے اس لئے کی اس صورت میں اس لڑکی کا نان ونفقہ باپ پر واجب نہیں ہے، اور باپ نہ ہونے کی صورت میں یا باپ کے فقیر ہونے کی صورت میں دادا باپ کے مثل ہوتا ہے، اس کو اختیار نامی کتاب میں پسند کیا گیا ہے، کیوں کہ اس وقت اس کی ولدیت دادا ہی کو حاصل ہوگی۔

خدمتی غلام کی طرف سے صدقہ فطر دینا

اور اپنے خدمتی غلام کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کرنا واجب ہے اگر چہ غلام مقروض ہو یا اجارہ پر لگا ہوا ہو، یا غلام کسی کے پاس رہن رکھا ہوا ہو، لیکن مرہون غلام کی جانب سے صدقۃ الفطر ادا کرنا آقا پر اس وقت واجب ہے جب راہن کے پاس دین کے ادا کرنے کی قدرت ہو اور ایسا غلام جس کے متعلق خدمت کی وصیت تو ایک شخص کے لئے کی ہو اور اس کی ملکیت کی وصیت کسی دوسرے شخص کے لئے ہو تو ایسی صورت میں اس کی جانب سے وہ صدقۃ الفطر ادا کرے گا جو رقبہ کا مالک ہوگا، جس طرح کہ عاریت، یا ودیعت کا غلام، یا وہ غلام جس نے جنایت کی ہو، ان سب کا صدقۃ الفطر غلام کے مالک کے ذمہ واجب ہوتا ہے خواہ جنایت عمداً کی ہو یا خطاءً، کیوں کہ اس کی وجہ سے مالک کی ملکیت ختم نہیں ہوتی ہے۔ اور علامہ زیلعی کا یہ کہنا کہ اس طرح کے غلاموں کا صدقہ مالک پر واجب نہیں ہے غلط ہے یہ سبقت قلم ہے، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔

اور صدقۃ الفطر اپنے مدبر غلام اور ام ولد کی طرف سے نکالنا بھی مالک پر واجب ہے اگر چہ غلام کافر ہی کیوں نہ ہو، اس

لئے کہ اس میں بھی صدقۃ الفطر کے وجوب کا سبب پایا جارہا ہے اور وہ آقا کا اس کے نان ونفقہ کا بوجھ اٹھاتا ہے اور اس کا ولی ہوتا ہے۔

لَا عَنْ زَوْجَتِهٖ وَوَلَدِهِ الْكَبِيرِ الْعَاقِلِ ، وَلَوْ أَدّٰى عَنْهُمَا بِلَا إِذْنٍ أَجْزَأَ اسْتِحْسَانًا لِلْإِذْنِ عَادَةً أَيْ لَوْ فِي عِيَالِهٖ وَإِلَّا فَلَا قُهُسْتَانِيٌّ عَنِ الْمُحِيطِ فَلْيُحْفَظْ وَعَبْدِهِ الْآبِقِ وَالْمَأْسُورِ وَالْمَغْصُوبِ الْمَجْحُودِ إِنْ لَمْ تَكُنْ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ خُلَاصَةٌ إِلَّا بَعْدَ عَوْدِهٖ فَيَجِبُ لِمَا مَضٰى وَ لَا عَنْ مُكَاتَبِهٖ وَلَا تَجِبُ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّ مَا فِي يَدِهٖ لِمَوْلَاهُ، وَعَبِيدٍ مُشْتَرَكَةٍ إِلَّا إِذَا كَانَ عَبْدٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَتَهَايَآهُ وَوُجِدَ الْوَقْتُ فِي نَوْبَةِ أَحَدِهِمَا فَتَجِبُ فِي قَوْلٍ وَتَوَقَّفَ الْوُجُوبُ لَوْ كَانَ الْمَمْلُوكُ مَبِيعًا بِخِيَارٍ فَإِذَا مَرَّ يَوْمُ الْفِطْرِ وَالْخِيَارُ بَاقٍ تَلْزَمُ عَلٰى مَنْ يَصِيرُ لَهٗ. نِصْفُ صَاعٍ فَاعِلُ يَجِبُ مِنْ بُرٍّ أَوْ دَقِيقِهٖ أَوْ سَوِيقِهٖ أَوْ زَبِيبٍ وَجَعَلَاهُ كَالتَّمْرِ، وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنِ الْإِمَامِ وَصَحَّحَهُ الْبَهْنَسِيُّ وَغَيْرُهٗ. وَفِي الْحَقَائِقِ والشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنِ الْبُرْهَانِ: وَبِهٖ يُفْتٰى، أَوْ صَاعُ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ وَلَوْ رَدِيئًا وَمَا لَمْ يَنُصَّ عَلَيْهِ كَذُرَةٍ وَخُبْزٍ يُعْتَبَرُ فِيهِ الْقِيمَةُ وَهُوَ أَيِ الصَّاعُ الْمُعْتَبَرُ مَا يَسَعُ أَلْفًا وَأَرْبَعِينَ دِرْهَمًا مِنْ مَاشٍ أَوْ عَدَسٍ إِنَّمَا قُدِّرَ بِهِمَا لِتَسَاوِيهِمَا كَيْلًا وَوَزْنًا. وَدَفْعُ الْقِيمَةِ أَيِ الدَّرَاهِمِ أَفْضَلُ مِنْ دَفْعِ الْعَيْنِ عَلَى الْمَذْهَبِ الْمُفْتٰى بِهٖ. جَوْهَرَةٌ وَبَحْرٌ عَنِ الظَّهِيرِيَّةِ، وَهٰذَا فِي السَّعَةِ ، أَمَّا فِي الشِّدَّةِ فَدَفْعُ الْعَيْنِ أَفْضَلُ كَمَا لَا يَخْفٰى، بِطُلُوعِ فَجْرِ الْفِطْرِ مُتَعَلِّقٌ بِيَجِبُ فَمَنْ مَاتَ قَبْلَهٗ أَيِ الْفَجْرِ أَوْ وُلِدَ بَعْدَهٗ أَوْ أَسْلَمَ لَا تَجِبُ عَلَيْهِ . وَيُسْتَحَبُّ إِخْرَاجُهَا قَبْلَ الْخُرُوجِ إِلَى الْمُصَلّٰى بَعْدَ طُلُوعِ فَجْرِ الْفِطْرِ عَمَلًا بِأَمْرِهٖ وَفِعْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ. وَصَحَّ أَدَاؤُهَا إِذَا قَدَّمَهٗ عَلٰى يَوْمِ الْفِطْرِ أَوْ أَخَّرَهٗ اعْتِبَارًا بِالزَّكَاةِ وَالسَّبَبُ مَوْجُودٌ إِذْ هُوَ الرَّأْسُ بِشَرْطِ دُخُولِ رَمَضَانَ فِي الْأَوَّلِ أَيْ مَسْأَلَةُ التَّقْدِيمِ هُوَ الصَّحِيحُ وَبِهٖ يُفْتٰى. جَوْهَرَةٌ وَبَحْرٌ عَنِ الظَّهِيرِيَّةِ، لٰكِنَّ عَامَّةَ الْمُتُونِ وَالشُّرُوحِ عَلٰى صِحَّةِ التَّقْدِيمِ مُطْلَقًا وَصَحَّحَهٗ غَيْرُ وَاحِدٍ وَرَجَّحَهٗ فِي النَّهْرِ وَنُقِلَ عَنِ الْوَلْوَالِجِيَّةِ أَنَّهٗ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ. قُلْتُ: فَكَانَ هُوَ الْمَذْهَبَ.

جن کی طرف سے صدقۃ الفطر نکالنا واجب نہیں ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اپنی بیوی اور اپنی بڑی عقلمند اولاد کی طرف سے صدقۃ الفطر نکالنا واجب نہیں ہے۔ (بیوی کا صدقۃ الفطر شوہر پر اس لئے واجب نہیں ہے کہ شوہر کو بیوی پر ولایت تامہ حاصل نہیں ہے صرف حق زوجیت

حاصل ہوتا ہے۔اور بالغ بڑی اولاد کی طرف سے اس لئے واجب نہیں ہے کہ باپ کو بالغ اولاد پر ولایت حاصل نہیں ہوتی ہے بلکہ اپنا مالک وہ خود ہوتا ہے، گو وہ اپاہج ہی کیوں نہ ہو)۔ (شامی/۳/۳۱۷)

بیوی کا فطرہ شوہر پر واجب نہیں ہے اور بالغ لڑکے کا فطرہ باپ پر واجب نہیں ہے لیکن اگر شوہر نے بیوی کی طرف سے اور باپ نے بالغ اولاد کی جانب سے صدقۃ الفطر بغیر اجازت کے ادا کر دیا تو استحساناً ان کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا ہو جائے گا، کیوں کہ عام طور پر اس کی طرف سے اجازت ہی ہوتی ہے اگر بچہ ان کی پرورش میں ہو، ورنہ اجازت نہیں ہوتی ہے اس مسئلہ کو قہستانی نے محیط سے نقل کیا ہے، لہٰذا اس کو خوب اچھی طرح یاد کرلو۔

بھاگے ہوئے غلام کی طرف سے فطرہ واجب نہیں ہے

اور جو غلام بھاگ چکا ہے، یا قید خانہ میں بند ہے، یا غلام کو کسی نے غصب کرلیا ہے اور غاصب انکار کر رہا ہے اور اس کے پاس کوئی شرعی شہادت نہیں ہے، تو ان غلاموں کی طرف سے فطرہ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ جو غلام بھاگا ہوا ہے اس پر ولایت نہیں ہے اور جو قید خانہ میں بند ہے اس میں تصرف نہیں کرسکتا ہے، جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔

ہاں اگر بھاگا ہوا غلام لوٹ کر واپس آ گیا تو گذشتہ سالوں کا بھی فطرہ نکالنا واجب ہوگا اور مکاتب غلام کی طرف سے بھی آقا پر صدقہ نکالنا واجب نہیں ہے اور نہ خود اس مکاتب غلام پر نکالنا واجب ہے کیوں کہ مکاتب کے پاس جو کچھ ہے وہ حکماً مولیٰ ہی کا ہے۔ (کیوں کہ اگر مکاتب کے ذمہ ایک درہم بھی باقی ہے تو غلام ہی ہے)۔ اسی طرح مشترک غلام کی طرف سے بھی صدقۃ الفطر نکالنا واجب نہیں ہے۔ (کیوں کہ ہر شریک کی ولایت اس پر ناقص ہے، یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول ہے، حضراتِ صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں شریکوں پر پورے غلام کا صدقۃ الفطر واجب ہے)۔ ہاں اگر غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور دونوں آدمی اس غلام سے خدمت باری باری لیتے ہوں اور ہر ایک کی باری میں وجوب صدقۃ الفطر کا وقت پایا جاتا ہو تو اس وقت عبد مشترک کی طرف سے بھی فطرہ نکالنا واجب ہے (اور وجوب صدقۃ الفطر کا وقت عید کے دن کی فجر کا طلوع ہونا ہے)۔

اگر غلام کو خیارِ شرط کے ساتھ فروخت کر دیا گیا تو اس صورت میں اس کی طرف سے فطرہ نکالنے کا وجوب موقوف رہے گا، لیکن اگر عید کا دن گذر گیا اور خیارِ شرط باقی ہے تو اس شخص پر اس کی جانب سے صدقۃ الفطر واجب ہے جس کا وہ غلام ہوگا۔ (خیارِ شرط خواہ بائع کو حاصل ہو، خواہ مشتری کو حاصل ہو، دونوں کے لئے صدقۃ الفطر موقوف رکھا گیا ہے، کیوں کہ ملکیت کسی کے لئے قطعی نہیں ہے)۔

صدقۃ الفطر کی شرعی مقدار

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک صدقۃ الفطر کی مقدار ہر ایک کی جانب سے آدھا صاع گیہوں، یا اس کا آٹا، یا اس کا ستو یا کشمش ہے۔ اور حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ فطرہ میں کشمش کی مقدار ایک صاع ہے جس طرح کہ کھجور کی مقدار ایک صاع ہے، نیز حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے اور بہنسی وغیرہ نے اسی کی تصحیح کی ہے۔ حقائق اور شرنبلالیہ میں برہان سے نقل کیا ہے کہ فتویٰ اسی قول پر ہے۔ اگر کوئی شخص صدقۃ الفطر کھجور اور جو سے ادا کرنا چاہے تو اس کی مقدار شریعت میں ایک صاع ہے، اگر چہ وہ ردی ہی قسم کی کیوں نہ ہو اور اگر ایسا غلہ صدقۃ الفطر میں نکالے جس کی صراحت حدیث شریف میں نہیں آئی ہے جیسے مکئی اور روٹی ہے، تو ایسی صورت میں اس کی قیمت کا اعتبار ہوگا، یعنی نصف صاع گندم یا ایک صاع جو کی جو قیمت بازار میں ہوگی اسی قیمت کی مکئی یا دوسرا غلہ صدقۃ الفطر میں دے گا تو فطرہ ادا ہو جائے گا۔ (علامہ شامیؒ نے بدائع الصنائع کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جس غلہ کی صراحت احادیث مبارکہ میں آئی ہے ان غلوں میں سے بعض کو بعض کی جگہ قیمت کے اعتبار سے دینا جائز نہیں ہے، خواہ جس چیز کے بدلہ میں دیا ہے وہ اس کے جنس سے ہو یا خلاف جنس ہو، مثال کے طور پر گیہوں کی قیمت کے اعتبار سے گیہوں دے بایں طور کہ نصف عمدہ گندم کی قیمت لگا کر اس کے بدلہ میں ایک صاع وسط گندم دے، یا نصف صاع گندم کی قیمت لگا کر اس کی قیمت کے برابر نصف صاع کھجور دے یا جو دے تو یہ جائز نہیں ہے)۔ (شامی/۳/۳۱۹)

صاع کی شرعی مقدار

اور جو صاع شریعت میں معتبر ہے وہ ایک ایسا برتن ہے جس میں ایک ہزار چالیس درہم وزن کے برابر ماش یا مسور سماتا ہو۔ صاع کا اندازہ ماش اور مسور سے اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ دونوں وزن اور ناپ میں برابر آئے ہیں۔ (ایک پیانہ میں مسور جتنے وزن کا ہوگا، دوسرے مسور بھی اس میں اتنا ہی ہوگا، یہی حال ماش کا بھی ہے، گویا ان دونوں کے دانے ٹھوس ہوتے ہیں، کوئی ہلکا اور کوئی وزن دار نہیں ہوتا ہے)۔

ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے۔ اور ایک مد دو رطل کا ہوتا ہے۔ اور ایک رطل آدھے من کا ہوتا ہے۔ اور ایک من دراہم کے اعتبار سے دو سو ساٹھ درہم کا ہوتا ہے۔ اور استار کے اعتبار سے چالیس استار کا ایک من ہوتا ہے اور استار درہم کے وزن کے اعتبار سے ساڑھے چھ مثقال کا ہوتا ہے۔ اس وقت مفتی بہ قول کے مطابق نصف صاع ایک کلو ساڑھے چھ سو گرام کے برابر ہوتا ہے۔ (شامی/۳/۳۲۰)

صدقۃ الفطر میں غلہ دینے سے بہتر روپیہ دینا ہے

صدقۃ الفطر میں متعین چیز دینے سے بہتر اس کی قیمت دینا ہے تاکہ غریب اس سے اپنی ضرورت کو اپنی خواہش کے مطابق پوری کر سکے، مفتی بہ قول یہی ہے الجوہرۃ النیرۃ اور البحرالرائق میں فتاویٰ ظہیریہ سے ایسا نقل کیا ہے اور قیمت ادا کرنا افضل ہے۔ (اور اس بارے میں ایک دوسرا قول یہ بھی ہے کہ صدقۃ الفطر میں بہر صورت گیہوں دینا افضل ہے، کیوں کہ یہ سنت کے مطابق ہے جیسا کہ مضمرات نامی کتاب میں ہے،) صاحبِ درمختار نے قیمت دینے کو افضل کہا ہے اور اسی کو راجح قرار دیا ہے مگر وہ فرماتے ہیں کہ اگر غلہ کی گرانی اور نایابی ہو تو اس صورت میں غلہ دینا ہی افضل ہے جیسا کہ یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔

صدقۃ الفطر کے واجب ہونے کا وقت

صدقۃ الفطر عید کے دن صبح صادق طلوع ہوتے ہی واجب ہو جاتا ہے۔ (اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک آخری رمضان کے دن سورج غروب ہونے کے بعد صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے)۔ چونکہ صدقۃ الفطر کا وجوب عید کے دن صبح صادق کے طلوع ہوتے ہی ہو جاتا ہے اس لئے جو صبح صادق کے طلوع سے پہلے مرجائے یا صبح صادق کے طلوع کے بعد پیدا ہوا، یا اسلام قبول کیا تو اس پر صدقۃ الفطر واجب نہیں ہے، کیوں کہ وجوب کے وقت یہ لوگ صدقہ کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص صبح صادق کے طلوع سے پہلے فقیر ہو جائے تو اس پر صدقۃ الفطر واجب نہیں ہے یا کوئی فقیر شخص مالدار ہو جائے تو صدقۃ الفطر واجب ہوگا۔

صدقۃ الفطر نکالنے کا مستحب وقت

مستحب یہ ہے کہ عید کے دن صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد عیدگاہ جانے سے پہلے پہلے صدقۃ الفطر نکال دے تاکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور فعل پر عمل ہو جائے۔ عہد نبوت میں یہی طریقہ رائج تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کا حکم دیا کرتے تھے، آپ کا عمل بھی اسی کے مطابق تھا، لیکن اگر کوئی شخص عید کے دن سے دو دن پہلے صدقۃ الفطر نکالدے تو بھی جائز ہے اور اگر عید کے بعد بھی نکالا تو بھی جائز ہے زکوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے، یعنی جس طرح زکوٰۃ میں تقدیم و تاخیر جائز ہے اسی طرح فطرہ کے اندر بھی تقدیم و تاخیر جائز ہے کیونکہ صدقۃ الفطر کا سبب وجوب دونوں صورتوں میں باقی رہتا ہے اور سبب آدمی کا موجود ہونا ہے۔ (بخاری شریف میں حدیث ہے کہ حضرات صحابہ کرام عید سے ایک دو دن پہلے صدقۃ الفطر نکالدیا کرتے تھے اور ان حضرات کا یہ عمل یقیناً رسول اللہ ﷺ سے مخفی نہ ہوگا بلکہ آپ کی طرف سے اجازت ہوگی)۔

صدقۃ الفطر کے صحیح ہونے کے لئے رمضان کا داخل ہونا شرط ہے یعنی عید الفطر سے پہلے فطرہ ادا کرنا تو جائز ہے لیکن رمضان کی آمد سے پہلے فطرہ ادا کرنا جائز نہیں ہے اس قول پر فتویٰ ہے، فتاویٰ ظہیریہ سے البحر الرائق اور جوھرہ میں اسی طرح نقل کیا گیا ہے، لیکن عام متون اور جملہ شروح اس بات پر متفق ہیں کہ عید اور رمضان دونوں سے پہلے بھی مطلقاً صدقۃ الفطر کرنا جائز ہے اور اس کی بہت سارے علماء نے تصحیح کی ہے۔ اور نہر الفائق میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے اور ولوالجیہ نامی کتاب میں نقل کیا ہے کہ یہی ظاہر الروایہ ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں یہ کہتا ہوں کہ یہی قول ظاہر مذہب بھی ہے، لیکن طحطاوی میں ہے کہ جس پر فتویٰ ہوتا ہے وہ ظاہر الروایہ سے بھی مقدم ہوتا ہے، لہٰذا صدقۃ الفطر رمضان کے اندر نکالنا ضروری ہے، جیسا کہ عام مسلمانوں کا عمل بھی ہے۔

وَجَازَ دَفْعُ كُلِّ شَخْصٍ فِطْرَتَهُ إِلَى مِسْكِينٍ أَوْ مَسَاكِينَ عَلَى مَا عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ وَبِهِ جَزَمَ فِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ وَالْخَانِيَّةِ وَالْبَدَائِعِ وَالْمُحِيطِ وَتَبِعَهُمُ الزَّيْلَعِيُّ فِي الظِّهَارِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرِ خِلَافٍ وَصَحَّحَهُ فِي الْبُرْهَانِ فَكَانَ هُوَ الْمَذْهَبَ كَتَفْرِيقِ الزَّكَاةِ وَالْأَمْرِ فِي حَدِيثِ "أَغْنُوهُمْ" لِلنَّدْبِ فَيُفِيدُ الْأَوْلَوِيَّةَ ، وَلِذَا قَالَ فِي الظَّهِيرِيَّةِ: لَا يُكْرَهُ التَّأْخِيرُ أَيْ تَحْرِيمًا كَمَا جَازَ دَفْعُ صَدَقَةِ جَمَاعَةٍ إِلَى مِسْكِينٍ وَاحِدٍ بِلَا خِلَافٍ يُعْتَدُّ بِهِ، خَلَطَتْ امْرَأَةٌ أَمَرَهَا زَوْجُهَا بِأَدَاءِ فِطْرَتِهِ حِنْطَتَهُ بِحِنْطَتِهَا بِغَيْرِ إِذْنِ الزَّوْجِ وَدَفَعَتْ إِلَى فَقِيرٍ جَازَ عَنْهَا لَا عَنْهُ لِمَا مَرَّ أَنَّ الِانْخِلَاطَ عِنْدَ الْإِمَامِ اسْتِهْلَاكٌ يَقْطَعُ حَقَّ صَاحِبِهِ وَعِنْدَهُمَا لَا يَقْطَعُ فَيَجُوزُ إِنْ أَجَازَ الزَّوْجُ ظَهِيرِيَّةٌ وَلَوْ بِالْعَكْسِ. قَالَ فِي النَّهْرِ: لَمْ أَرَهُ ، وَمُقْتَضَى مَا مَرَّ جَوَازُهُ عَنْهُمَا بِلَا إِجَازَتِهَا، وَلَا يَبْعَثُ الْإِمَامُ عَلَى صَدَقَةِ الْفِطْرِ سَاعِيًا ؛ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمْ يَفْعَلْهُ. بَدَائِعُ. وَصَدَقَةُ الْفِطْرِ كَالزَّكَاةِ فِي الْمَصَارِفِ وَفِي كُلِّ حَالٍ إِلَّا فِي جَوَازِ الدَّفْعِ إِلَى الذِّمِّيِّ وَعَدَمِ سُقُوطِهَا بِهَلَاكِ الْمَالِ وَقَدْ مَرَّ، وَلَوْ دَفَعَ صَدَقَةَ فِطْرِهِ إِلَى زَوْجَةِ عَبْدِهِ جَازَ وَإِنْ كَانَتْ نَفَقَتُهَا عَلَيْهِ عُمْدَةُ الْفَتَاوَى لِلشَّهِيدِ. خَاتِمَةٌ وَاجِبَاتُ الْإِسْلَامِ سَبْعَةٌ: الْفِطْرَةُ ، وَنَفَقَةُ ذِي رَحِمٍ ، وَوِتْرٌ وَأُضْحِيَّةٌ ، وَعُمْرَةٌ وَخِدْمَةُ أَبَوَيْهِ ، وَالْمَرْأَةُ لِزَوْجِهَا. حَدَّادِيٌّ.

صدقۃ الفطر کس کو ادا کیا جائے؟

ہر شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ اپنا فطرہ ایک مسکین یا بہت سارے مساکین کو دے اکثر علماء کا یہی قول ہے اور ولوالجیہ، خانیہ، بدائع الصنائع اور محیط نامی کتاب میں اسی پر یقین کا اظہار کیا ہے۔ اور علامہ زیلعیؒ نے باب الظہار میں اسی قول

کا اتباع کیا ہے بغیر کسی اختلاف ذکر کئے۔ اور برھان نامی کتاب میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے، پس یہی مذہب صحیح ہے جس طرح کہ زکوٰۃ میں یہ جائز ہے کہ ایک مسکین کو دے یا چند مسکینوں کو دے۔ اور حدیث شریف میں اغنوھم کا لفظ صیغۂ امر کے ساتھ آیا ہے، یعنی ان کو مالدار کردو، اس میں امر استحباب کے لئے ہے اور یہ اولویت کا فائدہ دیتا ہے، اسی وجہ سے فتاویٰ ظہیریہ میں کہا گیا ہے کہ فطرہ میں تاخیر کرنا اور اس کو دیر سے ادا کرنا مکروہ تحریمی نہیں ہے۔ اور صدقۃ الفطر ایک مسکین اور چند مسکینوں کو دینا اسی طرح درست ہے جس طرح کہ ایک جماعت کا اپنا صدقۃ الفطر کسی ایک مسکین کو دینا بلا کسی اختلاف کے جائز ہے اور اسی کا اعتبار بھی ہے۔

دوسرے کے فطرہ کو اپنے فطرہ میں ملانے کا نقصان

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کسی عورت کو اس کے شوہر نے اپنا فطرہ ادا کرنے کا حکم دیا اس نے شوہر کے اجازت کے بغیر شوہر کے فطرہ کو اپنے فطرہ کے ساتھ ملا دیا اور کسی فقیر کو دیدیا تو اس صورت میں یہ فطرہ صرف عورت کی طرف سے جائز ہوگا شوہر کا فطرہ ادا نہ ہوگا۔ (جیسا کہ بات گذر چکی ہے) کیوں کہ شوہر نے بیوی کو حکم دیا تھا کہ وہ اس کے مال سے اس کا صدقۃ الفطر ادا کردے، لیکن جب عورت نے شوہر کا فطرہ دینے سے پہلے اپنے فطرہ میں ملا دیا تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ملنے کی وجہ سے وہ ہلاک کے حکم میں ہوگیا ہے اور اس مال کی مالک عورت ہوگئی ہے، لہٰذا عورت کے ذمہ اتنے اناج کا ضمان لازم آئے گا۔ اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک مذکورہ صورت میں بھی شوہر کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا ہو جائے گا اگر شوہر نے اجازت دیدی تھی، اور اختلاط کی وجہ سے مال سے شوہر کا حق منقطع نہ ہوگا، جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔

اور اگر اس کے برعکس صورت پیش آئی ہو، کہ عورت نے شوہر سے کہا کہ میرا صدقۃ الفطر ادا کردو، اور شوہر نے اپنا فطرہ عورت کے فطرہ کے ساتھ ملا دیا اور فقیر کو دیدیا تو اس صورت کے متعلق صاحب نہر الفائق لکھتے ہیں اس کے متعلق میں نے حکم کہیں نہیں دیکھا ہے، لیکن سابق میں جو گذرا ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ عورت اور شوہر دونوں کی طرف سے عورت کی اجازت کے بغیر صدقۃ الفطر ادا ہو جائے گا۔

صدقۃ الفطر کی وصولیابی کرنا

صدقۃ الفطر وصول کرنے کے واسطے امام کسی محصل کو نہیں بھیجے گا اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا ہے جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے۔ اور محصل نہ بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح زکوٰۃ وصول کرنے کے واسطے باقاعدہ محصل امام کی طرف سے لوگوں کے پاس جاکر وصول کرتا ہے اس طرح صدقۃ الفطر کے لئے محصل مقرر نہ کیا جائے گا کہ وہ

گھر گھر جا کر لوگوں سے فطرہ وصول کرے۔ (شامی/۳/۳۲۵)

صدقۃ الفطر کے مصارف

اور صدقۃ الفطر ہر حالت میں زکوٰۃ کی طرح ہے مصارف میں، یعنی جن جن لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے ان ہی لوگوں کو صدقۃ الفطر دینا بھی جائز ہے، مگر زکوٰۃ وصدقۃ الفطر کے درمیان فرق یہ ہے کہ صدقۃ الفطر ذمی کافر کو دینا جائز ہے اور مال کے ہلاک ہونے سے فطرہ ساقط نہ ہوگا اس کے برخلاف زکوٰۃ کی رقم ذمی کافر کو دینا جائز نہیں ہے اور مال کے ہلاک ہونے سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے، (فتاویٰ تاتر خانیہ میں لکھا ہے کہ ذمی کو صدقۃ الفطر دینا جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اور امام ابو یوسفؒ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت کے مطابق ذمی کافر کو صدقۃ الفطر دینا جائز ہی نہیں ہے۔ اور حاوی القدسی میں ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔ اگر کسی نے اپنا صدقۃ الفطر اپنے غلام کی بیوی کو دیا تو بھی جائز ہے، گو غلام کی بیوی کا نفقہ غلام کے مولیٰ ہی پر کیوں نہ واجب ہو، جیسا کہ شہید کے عمدۃ الفتاویٰ میں ہے۔ اصول کے اعتبار سے غلام کی بیوی کا نفقہ غلام کے ذمہ ہی واجب ہوتا ہے، لیکن اگر آقا احسان کرتے ہوئے اپنے ذمہ لے لے تو وہ آقا کے زیر پرورش آجاتی ہے۔

اسلام کے واجبات کا بیان

اسلام کے واجبات مشہور سات ہیں : (۱) فطرہ۔ (۲) رشتہ داروں کا نفقہ۔ (۳) وتر کی نماز۔ (۴) قربانی کرنا (۵) عمرہ کرنا۔ (۶) والدین کی خدمت کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ (۷) عورت کے ذمہ شوہر کی خدمت کرنا۔ یہ تمام باتیں حدادی میں مذکور ہیں۔ مذکورہ ساتوں واجبات کے علاوہ بھی واجبات ہیں یہاں انحصار مقصود نہیں ہے، بلکہ واجبات میں ان کو شامل کرنا مقصود ہے۔

العبد: غلام رسول پہراوتی
۵/۵/۱۴۲۶ھ=۱۳/۶/۲۰۰۵ء
بعد العشـــاء

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

مُسندِ حمیدی
مترجم

تصنیف

امام ابوبکر عبداللہ بن زبیر حمیدی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۲۱۹ ھجری

مترجم

مولانا ابو سعید روشن دین بشیر

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

اقراء سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

فون: 37355743-37224228-042

MAKTABA-E-REHMANIA

قرآنی آیات کے شانِ نزول

مترجم

مولانا ریاض احمد صاحب

MAKTABA-E-REHMANIA

مکتبہ رحمانیہ

اِقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور
فون: 042-37224228-37355743